11
مرقاۃ المفاتیح
شرح اردو
مشکوٰۃ المصابیح
للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری
مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم
www.KitaboSunnat.com
مکتبہ رحمانیہ

مرقاۃ المفاتیح اردو

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری ھجری ۱۰۱۴

شرح

مشکوۃ المصابیح

للامام العلامۃ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

جلد یازدہم

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743
MAKTABA-E-REHMANIA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MAKTABA E RAHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... مِرقاۃ المفاتیح اُردو (جلد یازدہم)

مترجم: .... مولانا راؤ محمد ندیم

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

الموضوع

بَابُ فِي الْمُعْجِزَاتِ

معجزات کا بیان

طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: معجزات، معجزۃ کی جمع ہے جو کہ عجز سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ناتواں ہونا، عاجز ہونے کے ہیں۔ اسی لفظ سے معجزہ بنا ہے جس کا معنی ہیں ''عاجز کرنے والا''۔

اور اصطلاحِ شرع میں' اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اور ان کی نبوت ورسالت کی دلیل کے طور پر جو خارق عادت نشانیاں ظاہر فرماتا ہے، ان کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

معجزۃ کے آخر میں تاء ممدودہ، یا تو مبالغہ کیلئے ہے یا یہ صفت ہے، محذوف یعنی ایۃ اور علامہ کی۔

عرضِ مرتب:

معجزہ کا لغوی معنی:

معجزہ کے بارے میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ عجز سے مشتق ہے جو کہ قدرت کی ضد ہے اور عجز کا معنی ہے عاجز ہونا اور معجزہ کو بھی معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ دوسرا احتمال جو شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ یہ اعجاز سے مشتق ہے اور اعجاز کا معنی ہے کسی کو عاجز کر دینا' معجزہ کو معجزہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو اپنی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے۔

معجزہ کا اصطلاحی معنی:

معجزہ کا اصطلاحی معنی ہے وہ خارق عادت یعنی خلاف عادت کام جو دعوائے نبوت کے بعد نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔

معجزہ اور ارہاص میں فرق:

معجزہ اور ارحاص میں فرق یہ ہے کہ معجزہ تو اس خلاف عادت کام کو کہا جاتا ہے جو دعوائے نبوت کے بعد کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور جو خلاف عادت کام دعوائے نبوت سے پہلے کسی نبی سے ظاہر ہو اسے ارہاص کہا جاتا ہے خواہ یہ خلاف عادت کام نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہو یا ولادت کے بعد دعوائے نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔

ارہاص کا لغوی معنی اور اس کی وجہ تسمیہ:

ارہاص کا لغوی معنی ہے کسی عمارت کو مٹی' پتھر وغیرہ سے مضبوط کرنا۔ دعوائے نبوت سے پہلے کے خلاف عادت کاموں کو بھی ارحاص اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعے سے گویا عمارت نبوت کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔

خوارق عادت کی اقسام:

جو کام خارق عادت رونما ہوئے ہیں وہ پانچ قسم کے ہیں:

① وہ خارق عادت کام کسی فاسق' فاجر سے ظاہر ہوگا۔

② وہ خارق عادت کام کسی عام مسلمان سے ظاہر ہوگا۔

③ وہ خارق عادت کام کسی ولی سے ظاہر ہوگا۔

④ وہ خارق عادت کام کسی نبی سے دعوائے نبوت سے پہلے ظاہر ہوگا۔

⑤ وہ خارق عادت کام کسی نبی سے دعوائے نبوت کے بعد ظاہر ہوگا۔

پہلی قسم کو استدراج کہا جاتا ہے دوسری قسم کو معونت' تیسری قسم کو کرامت' چوتھی قسم کو ارہاص اور پانچویں قسم کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: معجزہ کی تعریف میں دعوائے نبوت کے بعد کی قید سے چاروں قسمیں خارج ہو گئیں۔ البتہ ارہاص کو بھی توسعاً معجزہ کہہ دیا جاتا ہے اگر چہ ان میں اصطلاحی طور پر فرق ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

معجزہ اور سحر میں فرق: سحر اور شعبدہ خارق عادت نہیں ہوتا بلکہ یہ اسباب ظاہری کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ دوائی کی وجہ سے شفاء ہو جانا خارق عادت نہیں بلکہ اسباب عادیہ کی وجہ سے ہے جو بھی ان اسباب کو اختیار کرے گا سحر اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے گا جبکہ معجزہ کا ظہور اسباب عادیہ سے ہٹ کر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معجزہ اور سحر میں دو طرح سے فرق ہے۔

① معجزہ قدرت الٰہیہ کا فعل اور ایک آیت ربانیہ ہوتا ہے اور سحر ساحر کا اپنا بنایا ہوا کھیل ہوتا ہے۔

④: معجزہ نبی کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہوتا کہ جب چاہے دکھا سکے اور سحر ساحر کے اپنے ارادے کے تابع ہوتا ہے اور وہ جب چاہے اس کو دکھا سکتا ہے۔

الفصل الاول :

غارِ ثور میں پناہ لینے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

۵۸۶۸: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَبَابَكْرِ نِ الصِّدِّيْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰى اَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى رُؤُسِنَا وَنَحْنُ فِي الْغَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ اِلٰى قَدَمِهِ اَبْصَرَنَا فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاري في صحيحه ۸/۷حديث رقم ۳٦۵۳ومسلم في صحيحه ۱۸۵٤/٤حديث رقم ۱/(۲۳۸۱) والترمذي في السنن ۲٦۰/۵ حديث رقم ۳۰۹٦ و احمد في المسند ٤/۱۔

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جب ہم غار میں تھے (اس دوران مشرکین ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے تک آ پہنچے) تو میں نے جب مشرکین کے پاؤں اپنے سروں پر دیکھے تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کی طرف نظر کرے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! تیرا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے' جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔

تشریح: (عن انس بن مالك...... عنه): صحیح ترین نسخے میں رضی اللہ عنہ صرف ابوبکرؓ کے لئے ذکر کیا ہے۔ مقصود حضرت ابوبکرؓ کی خصوصت امتیازی شان ظاہر کرنا ہے، جو کہ اس مقام کے عین مطابق ہے، حضرت انس کے مقابلے میں حضرت ابوبکرؓ کی حیثیت ایسی ہے، جیسے آقا کی حیثیت غلام پر' کیونکہ حضرت صدیق استاذ ہیں حضرت انس کے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ "رضی اللہ عنہ" حضرت انس بن مالک کا کلام ہو۔ ایک نسخہ میں "عنهما" تثنیہ کی ضمیر لایا ہے، جو کہ دونوں بزرگوں کے حقوق کی رعایت ہے، اور یہی بہتر بات ہے۔

(في الغار): الغار پر الف لام عہد ذہنی ہے، آیت ﴿اذ هما في الغار﴾ میں ہے جس سے غار ثور مراد ہے کیونکہ ہجرت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کفار قریش سے بچنے کے لئے تین راتوں تک یہاں چھپ گئے تھے۔

طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: غار سے مراد مشہور پہاڑ جبل ثور کے بالائی حصہ کی غار ہے اور جبل ثور مکہ کی مشرقی جنوبی سمت تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ جبل ثور کے اس غار میں چھپے ہوئے تھے، کہ اچانک گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دھانے تک آ پہنچی، جن کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا غم لاحق ہوا، اور فرمانے لگے ان تصب اليوم ذهب دين الله. کہ اگر آج آپ کو کچھ ہو جائے تو اللہ کا دین ختم ہو جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبراہٹ میں یہ الفاظ کہے تھے جن کو حضرت انس رضی اللہ نقل فرما رہے ہیں۔

(ابصرنا): کیونکہ وہ بالکل ہمارے غار کے منہ پر کھڑے ہیں جوں ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان کے اپنے پیروں کی

طرف جائے گی وہ ہمیں دیکھ لیں گے، اس طرح ان کو آنحضرت ﷺ پر دست رس کا موقع مل سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا (قال یا ابا بکر!...... ثالثھا؟): اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ کلام اتنا پسند آیا کہ اس مضمون پر مشتمل پوری آیت نازل فرمادی: ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبہ: ٤٠] ''اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تھا آپ کی مدد تو اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے''۔

اس آیت میں اخراج کی نسبت کفار کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ کفار ہی اس کے سبب بنے تھے اور اللہ کی حکمت بھی یہی تھی کہ بات ان لوگوں پر آجائے۔ روایت میں آتا ہے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان مشرکوں کے حق میں بد دعا فرمائی تھی ''اللھم اعم ابصارھم''۔ اے اللہ! ان کی آنکھوں کی بینائی معطل کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو اس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھومتے رہے مگر اس کے اندر موجود آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہوئے۔

اس واقعہ کو معجزات میں کس طرح شمار کیا گیا؟

اس روایت کے ساتھ دوسری روایت جو اس کے ہم معنی ہیں جن میں آیا ہے کہ ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا تھا اور ایک کبوتر نے آ کر انڈے دیئے تھے یہ سب چیزیں اللہ نے غار کے دروازے پر ان کو دکھائیں، اس اعتبار سے یہ آپ ﷺ کا معجزہ بن جاتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: آنحضرت ﷺ کا قول ''اللہ ثالثھما'' کا معنی یہ ہے! میں اور آپ وہ دو شخص ہیں جن کے ساتھ ایک تیسری ذات (اللہ) کی مدد و نصرت بھی ہے یعنی معیت معنوی کے ذریعہ وہ ہمارے تیسرے ہیں چنانچہ اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ان اللہ معنا﴾۔

سوال: طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر آپ یہ پوچھیں کہ سورۃ توبہ کے اس جملہ ان اللہ معنا اور سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ وہارون کے واقعہ میں جو فرمایا: ﴿لا تخافا اننی معکما﴾ اس میں کیا فرق ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں: دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اس لئے کہ معکما کا معنی یہ ہے کہ فرعون کی مضرت کے وقت میں تمہارا ناصر و محافظ ہوں گا، جبکہ اللہ ثالثھما کا معنی اور مفہوم یہ بنتا ہے، کہ اللہ نے اپنے ذات کو تیسرے فرد کے مانند بنایا ہے، اور ان میں سے ہر ایک مالہ وماعلیہ میں نفع نقصان کے لحاظ سے مشترک تھے۔

پھر آگے طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر آپ کہیں جملہ اللہ ثالثھما اور ثالثھما اللہ میں کیا فرق ہے؟

میں کہتا ہوں: معنوی اعتبار سے بہت فرق ہے اگرچہ دونوں جملہ میں لفظ اللہ ہی مبتدا ہے اور ثالثھما خبر ہے۔

پہلا جملہ یہ فائدہ دے رہا ہے، کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ اس صفت کے ساتھ مختص ہیں کہ اللہ ان کا تیسرا ساتھی ہے، اس کے سوا کوئی بات اس میں نہیں۔ اب دیکھیں دونوں عبارتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

شیخ اکمل الدینؒ شرح المشارق میں لکھتے ہیں: بہت سے لوگ اشکال کرتے ہیں کہ اللہ پر ثالث کا اطلاق کرنا کیونکر درست

ہے [اگر چہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ کلام حق ہے اس میں کوئی زیغ نہیں] کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ثالث کا اطلاق کرنے کو کفر کہا گیا ہے، اوراس کے قائلین کو قرآن میں کافر کہا گیا، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة﴾ اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ تو اس کو کفر کا سبب بتایا گیا جبکہ دوسری جگہ خوبی اوراعزاز شمار کیا گیا ہے۔ [اجیب] اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: یہاں حدیث کے اندر ثالث کی اضافت ایک ایسے عدد کی طرف کی گئی ہے کہ جو ایک عدد کے ساتھ اس اضافت والی حد سے کم ہے یعنی یہ حقیقتاً دو کے طرف اضافت ہے اوراس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ نصیر کل شیٔ ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بنانے والا' مدد کرنے والا نیز ہمراہ ہے۔

جبکہ آیت میں لفظ ثالث کی اضافت اپنے ہم مثل عدد یعنی تین ہی کی طرف ہے جس کا معنی تین میں ایک ہوتا ہے، جو جزائیت پر دلالت کرتا ہے جس سے اللہ کی ذات بلند اور پاک ہے، اس جواب سے کئی مقامات پر پیدا ہونے والے تمام اشکال زائل ہو جاتے ہیں، چنانچہ آیت: ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ [المجادلہ: ۷] میں بھی ہونے والے اشکال کا جواب بھی یہی بنتا ہے۔ کیونکہ آیت میں یہ نہیں فرمایا ہے کہ تین میں کا تیسرا اور چار میں کا چوتھا اور پانچ میں کا پانچواں اللہ ہے بلکہ یہ فرمایا، کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا اللہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، پھر اس کو تین اور پانچ کے عدد میں منحصر نہیں کیا، بلکہ اس حکم کو مزید عام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ [ایضاً] (اور نہ اس (عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے جیسے دو چار آدمیوں میں، اور نہ اس سے زیادہ، مگر وہ ہر حالت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں)۔

چنانچہ اس وہم ہی کو اللہ تعالیٰ نے رفع کر دیا جو کسی برہانی دلیل اور سبحانی حجت میں معیت کے لفظ سے واقع ہو سکتی تھی۔
لہٰذا یہاں معیت کا مفہوم من حیث الجزئیت نہیں جیسے نصاریٰ کا عقیدہ تھا بلکہ عن حیث النصر والعلم ہے۔ (متفق علیہ)

معجزۂ غارِ ثور

۵۸۶۹: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ يَا اَبَا بَكْرٍ حَدِّثْنِيْ كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِيْنَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَمِنَ الْغَدِ حَتّٰى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ وَخَلَا الطَّرِيْقُ لَا يَمُرُّ فِيْهِ اَحَدٌ فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيْلَةٌ لَّهَا ظِلٌّ لَّمْ يَاْتِ عَلَيْهَا الشَّمْسُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهَا وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانًا بِيَدِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ وَبَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً وَقُلْتُ نَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْفُضُ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ اَنْفُضُ مَا حَوْلَهٗ فَاِذَا اَنَا بِرَاعٍ مُّقْبِلٌ قُلْتُ اَفِيْ غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ اَفَتَحْلِبُ قَالَ نَعَمْ فَاَخَذَ شَاةً فَحَلَبَ فِيْ قَعْبٍ كُثْبَةً مِّنْ لَبَنٍ وَمَعِيَ اِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْتَوِيْ فِيْهَا يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّاُ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهٗ فَوَافَقْتُهٗ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ اَسْفَلُهٗ

فَقُلْتُ اِشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَأْنِ لِلرَّحِيْلِ قُلْتُ بَلٰى فَارْتَحَلْنَا بَعْدَ مَا مَالَتِ الشَّمْسُ وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ بْنِ مَالِكٍ فَقُلْتُ اُتِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ بِهٖ فَرَسُهٗ اِلٰى بَطْنِهَا فِيْ جَلَدٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَقَالَ اِنِّيْ اَرٰكُمَا دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوْا لِيْ فَاللّٰهُ لَكُمَا اَنْ اَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَالَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَجَا فَجَعَلَ لَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا قَالَ كُفِيْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا رَدَّهٗ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٢٢/٦ حديث رقم ٣٦١٥ ومسلم في صحيحه ٢٣٠٩/٤ حديث رقم (٢٠٠٩/٧٥) و احمد فی المسند ٢/١

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا تو آپ دونوں کو کیا حالات و واقعات پیش آئے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا: ہم ساری رات اور اگلے دن کا کچھ حصہ بھی سفر کرتے رہے یہاں تک کہ جب دوپہر ہوئی اور سورج ٹھہر گیا۔ راستہ خالی ہو گیا کوئی راہ گیر دکھائی نہ دیتا تھا' پھر ہمیں ایک چٹان نظر آئی جس کے نیچے سایہ تھا اور دھوپ وہاں تک نہ پہنچی تھی یعنی اس کے غاروں اور کھوھوں میں دھوپ نہ پہنچی تھی پس ہم اترے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین ہموار کی تاکہ آپ سو جائیں۔ پھر میں نے اس پر پوستین بچھائی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کروں گا اور دشمنوں کے آنے کی خبر رکھوں گا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا رہا۔ اچانک میں نے ایک چرواہے کو سامنے سے آتے دیکھا۔ میں نے کہا کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کیا تو دودھ دوھ دے گا اس نے ہاں میں جواب دیا اور ایک بکری پکڑ کر لکڑی کے پیالہ میں دودھ دوھ دیا۔ میرے پاس ایک چھاگل تھی جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور پانی پینے کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ پس میں واپس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لے کر آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدا کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار ہونے کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیدار ہو گئے۔ میں نے دودھ میں کچھ پانی ڈال کر ٹھنڈا کیا کہ دودھ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کوچ کرنے کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے عرض کیا ہاں! ہو گیا ہے۔ پس ہم نے غروب آفتاب کے بعد کوچ کیا اور آگے سفر شروع ہوا تو سراقہ بن مالک ہمارا پیچھا کرتے ہوئے آ پہنچا۔ میں نے اس کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن ہمیں پکڑنے کے لئے آ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کے لئے بددعا کی تو اس کا گھوڑا سخت زمین میں دھنس گیا یہاں تک کہ گھوڑے کا پیٹ سخت زمین سے جا لگا۔ سراقہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے (کہ میں اس حالت سے جس میں میں گرفتار ہوں خلاصی پاؤں)۔ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ کی تلاش میں آنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیر دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کے لئے دعا کی تب اس نے اس تکلیف سے نجات پائی۔ پھر سراقہ نے ایفائے عہد کیا اور جو بھی کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا ہوا ملتا اس سے کہتا کہ میرا تلاش کرنا تمہارے لئے کافی ہے اور

ان کی مزید تلاش نہ کرو کیونکہ میں انہیں تلاش کر چکا ہوں اور وہ اِدھر نہیں ہیں۔ سراقہ کو راستے میں جو بھی ملتا اس کو وہ یہی کہہ کر واپس لوٹا دیتا۔"

تشریح: وعن البراء بن عازب عن ابیه...... سریت: سریت: سَرَیٰ، اسریٰ ہی کی ایک لغت ہے، یعنی رات کو سفر کرنا اور چلنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب میں غار سے نکل کر مکہ سے مدینہ کی جانب سفر کرنے لگا۔ (مع رسول الله): لفظ مع یہ صاحب مشکوٰۃ کی جانب سے زیادتی ہے۔ (حتی قام قائم الظهرة): جب سورج وسط سماء میں پہنچا۔ النہایہ میں ہے قامت الشمس، جب کہا جائے تو اس سے وقت زوال مراد ہوتا ہے۔ اور یہ قامت به الدابه سے ہے جس کا معنی سواری رُک گئی، ٹھہر گئی، اور یہ محاورہ قام قائم الظهيرة، اس لئے بولا جاتا ہے کہ جب سورج آسمان کے وسط میں پہنچ جاتا ہے تو اس وقت چیزوں کے سایہ کی رفتار کم ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ سایہ رُک گیا ہے، حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے، صرف اس کی رفتار اس تیزی سے نظر نہیں آتی ہے، جیسا زوال سے پہلے اور بعد میں نظر آتی ہے اس ظاہری نظر کے وقوف کو قائم الظہیرۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(لا یمر فیه احد): یہ جملہ پہلے والے جملے کی تاکید یا بیان ہے۔ (فرفعت لنا صخرة طویله): طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اسی سے رفع الحدیث کا جملہ لیا گیا، جس کا مطلب ہوتا ہے اذ اعته و اظهارة۔

لیکن اس میں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث مرفوع اس خاص روایت کو کہا جاتا ہے جس کی اسناد آنحضرت کی طرف ہو اسی وجہ سے اس کو حدیث کہا جاتا ہے کیونکہ اس طرح کی روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے کمال رفعت حاصل ہوتی ہے۔

(انه لم تات): تات مؤنث کا صیغہ ہے اگر چہ مذکر پڑھنا بھی جائز ہے۔ (وسویت...... بیدی): تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ، یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا خوب اہتمام کیا۔ (ینام علیه): یہ جملہ مستانفہ ہے تعلیل کے لئے یا مکان کی صفت واقع ہو رہا ہے۔

لفظ انفض، فاء کے ضمہ کے ساتھ (نصر ینصر سے) کہ میں نگرانی رکھوں گا کہ کوئی دشمن یا موذی جانور وغیرہ کہیں ادھر نہ آ جائیں، اصل میں یہ لفظ النفض سے کپڑے سے غبار وغیرہ کو جھاڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ النہایہ میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ آپ آرام فرمالیں، میں نگرانی کروں گا، کہ کوئی دشمن آپ کی ٹوہ میں تو یہاں تک نہیں آ پہنچا۔

نفضت المکان کا مطلب ہوتا ہے کہ اچھی طرح کسی جگہ کی دیکھ بھال کرنا، جبکہ النفضة والنفیضه اس جاسوس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن یا دیگر خطرات کو دیکھنے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔

(فنام...... مقبل): لفظ مقبل مجرور ہے، کیونکہ یہ راع کی صفت ہے۔ (قلت:...... فتحلب): لفظ تحلب کے لام پر پیش ہے، اگر چہ کسرہ پڑھنا بھی درست ہے۔ صاحب قاموس نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (قال:...... قعب): لفظ قعب کے قاف پر زبر اور عین پر سکون۔ (کثبة): کاف پر پیش، ثاء پر سکون پھر اس کے بعد باء یعنی جتنا اسے دوھنا تھا۔ (من لبن): بعض کہتے ہیں اس کا معنی پیالہ بھر کے دودھ دینے کے ہیں لفظ کثبة کے بعد دوبارہ من لبن کہنا تجرید ہے یا مزید تاکید کے طور پہ

ہے۔(ومعي ادوة): (لفظ اداۃ کا ہمزہ مکسور ہے)۔

(يرتوي فيها): امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رویت، واؤ کے کسرہ اور ارتویت، ترویت یعنی مجرد ومزید سب کا ایک ہی معنی آتا ہے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ تورپشتیؒ کے اس کلام پر تعلیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پھر تو یرتوی، منها ہونا چاہئے نہ کہ "فيها"، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لفظ "في" خود "من" کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے شیخ کے کلام میں کوئی اخفاء نہیں، یا تقدیر عبارت یوں ہے: يرتوى من الماء فيها.

امام نوویؒ فرماتے ہیں: يرتوى فيها کا مطلب یہ ہے کہ وہ برتن آنحضرت ﷺ وضوء اور پانی پینے کے لئے استعمال فرمایا کرتے تھے اسی سے راوية الابل ہے۔ یعنی وہ اونٹ جس پر پانی لاد کر لایا جائے اور گھروں میں پہنچایا جائے۔

اس لحاظ سے یہ "في" بمعنی باء ہے۔ پھر جملہ يشرب ويتوضأ دونوں مستأنفہ بیانیہ ہوں گے اور جملہ ومعي اداوة، حالیہ معترضہ ہے فحلب اور جملہ فاتيت النبي ﷺ کے درمیان۔

(فوافقته): فاء، قاف سے پہلے ہے کیونکہ صحیح نسخے میں اسی طرح سے ہے (یعنی خود بھی) آپ ﷺ کا ساتھ دیا یعنی آپ ﷺ کو سوتا دیکھ کر نہ صرف یہ کہ میں نے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کی طرح میں خود بھی وہیں ایک طرف کو لیٹ گیا۔ لیکن یہ توجیہہ ٹھیک نہیں، بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو سوتے رہنے دیا کیونکہ آپ ﷺ کو اس طرح جگانا سوئے ادب محسوس ہو رہا تھا۔

(حتى استيقظ): صاحب خلاصہ لکھتے ہیں: بخاری کے بعض نسخوں میں حتى استيقظ کی جگہ حين استيقظ ہے۔ یعنی میں نے یہ دودھ اس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا جب آپ ﷺ بیدار ہوئے اس کی تائید بعض دیگر روایات سے بھی ہوتا ہے، جن کے الفاظ یوں ہیں: فوافقته وقد استيقظ.

ایک شارح لکھتا ہے: ایک روایت تقدیم قاف یعنی فواقفته کے الفاظ کے ساتھ بھی ہے، اس صورت میں ترجمہ ومطلب یہ ہوگا کہ میں نے آپ ﷺ کو سوتا دیکھ کر توقف کیا۔ یعنی آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک آپ ﷺ خود بیدار نہ ہو گئے۔

(حتى برد اسفله): عربوں کی عام عادت تھی کہ دودھ کی حرارت کو زائل کرنے کے لئے اس میں ٹھنڈا پانی ملا لیتے تھے، اور پھر اس کو پیتے تھے چنانچہ اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی معمول کے مطابق بکری کے اس دودھ میں اتنا پانی ملا دیا جس سے وہ دودھ خوب ٹھنڈا ہو گیا۔ (ثم قال...... الرحل): لفظ يأن (ضرب سے) کسی کام کے وقت داخل ہونے کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کوچ کا وقت نہیں آیا؟ ایک شارح نے بھی یہ معنی لکھا ہے لیکن بہتر معنی یہ ہے کہ کیا سفر کے لئے منتقلی کا وقت نہیں آیا؟ جس کے معنی سفر کے ہوتے ہیں کہ جس میں سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری ایسی جگہ میں جانا ہو جو زیادہ آرام دہ اور پرسکون ہو یہ معنی آیت: ﴿الم يأن للذين آمنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله﴾ کے موافق بنتا ہے۔

(واتبعنا): تاء کی تشدید کے ساتھ ایک اور نسخہ میں ہمزہ قطعی اور تاء کے سکون کے ساتھ۔

(فقلت اتینا): مجہول صیغہ کے ساتھ۔ (یا رسول اللہ..... فرسہ): یعنی اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں اس طرح دھنس گئے جس طرح ریت میں دھنس جاتے ہیں۔ (الی بطنھا فی جلد): لفظ جلد ،جیم اور لام دونوں کے فتحہ کے ساتھ، اور گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ (فقال! انی أراکما): أرا ،ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ رأي سے ہے۔ (فاللہ لکما): رفع کے ساتھ۔ ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ بھی منقول ہے۔ ایک شارح لکھتا ہے کہ یہ عامل معنوی ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور عبارت یوں ہے فاللہ کفیل علي لکما ان لا اھم بعد ذلك لغدر کما، کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر تم دونوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد پھر کبھی تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا، یا یہ کہ اللہ میری توبہ کو قبول کرنے والے ہیں، اس صورت میں ''فا'' سببیہ ہوگی۔

اور جملہ ''ان اردّ عنکما الطلب'' کی ترکیب بعض حضرات کے ہاں یوں ہے:

ان سے پہلے حرف جر مقدر ہے جو کہ باء یا لام ہے اور عبارت بأن ارد یا لان ارد ہے، اور جملہ ارد عنکما الطلب بتاویل مصدر جار کے لئے مجرور ہے، جار مجرور مل کر جملہ فادعوا کے ساتھ متصل ہے۔ یا یہ جملہ محلاً منصوب ہے اور اس پہلے فعل اسئل محذوف ہے جس کا یہ مفعول ثانی ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے اسأل اللہ لکما ان ارد عنکما الطلب. اور طلب سے مراد وہ کفار ہیں جو آپ لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

امام اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی ترکیب:

اشرف رحمہ اللہ کہتے ہیں: لفظ ان سے پہلے حرف جر باء محذوف ہے اور تقدیراً یوں ہے: بأن ارد. پھر یہ فادعوا کے ساتھ متعلق ہے جبکہ جملہ فاللہ لکما متعلق اور متعلَّق کے درمیان ایک جملہ زائدہ ہے۔

اور یوں کہنا بھی صحیح ہے کہ جملہ فا اللہ مبتداء اور لکما یہ خبر اول ہے اور جملہ ارد محلاً مرفوع اور خبر ثانی ہے مبتداء فاللہ کی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ دونوں میرے لئے دعا کریں تاکہ میرا گھوڑا نکل نہ جائے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کا پیچھا کرنا چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نجات کی جب دعا فرمائی تو اس کو خلاصی نصیب ہوئی تو سراقہ ابن مالک نے بطور دعاء کے فاللہ لکما کہا کہ اللہ تمہارا محافظ و ناصر رہے تاکہ تم لوگ خیریت سے اپنے منزل مقصود پر پہنچ سکو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو: کہ آپ دونوں میرے خلاصی کے لئے بھی دعا کریں تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر واپس چلا جاؤں۔ کیونکہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ دونوں کو مجھ سے بچانے کی ذمہ داری لی ہے، اسی لئے مجھے آپ حضرات کے قریب تک نہ آنے دیا۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: لفظ فا اللہ کے شروع میں جو ''فا'' ہے اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس کا مابعد اسی پر مرتب ہو اور کلمہ ''لکما'' یہ مبتدا کی خبر ہے جو متعلق چاہتا ہے اس کا متعلق کیا ہوسکتا ہے تو میرے نزدیک وہ مابعد والی فعل ہے، لہٰذا تقدیر عبارت یوں بنے گی ادعو لی بان اتخلص مما انا فیه، فانکما ان فعلتما فاللہ اشهد لاجلکما ان ارد عنکما الطلب، کہ آپ حضرات یہ دعا کریں کہ میں جس مصیبت میں گرفتار ہوا ہوں مجھے اس سے خلاصی نصیب ہو جائے۔ اگر آپ ایسا کریں تو

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات کو نفع پہنچاؤں گا، وہ اس طرح کہ جو بھی آپ کی تلاش میں اس طرف کو آرہا ہوگا میں اسے لوٹا دوں گا، اور آپ تک پہنچنے نہیں دوں گا، اس کی تائید شرح السنہ میں مذکور عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

(الا قال کفیتم): لفظ کفیتم، صیغہ مجہول۔ ایک نسخے میں ہے لقد کفیتم. (ما ھھنا): بعض شراح نے لکھا ہے ما ھھنا میں ''ما'' نافیہ ہے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''ما'' نافیہ نہیں بلکہ ''ما'' موصولہ ہے، لیکن پہلی بات زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے مزید تاکید پیدا ہوتی ہے جو کہ مخفی نہیں، جیسا کہ جملہ ''فلا یلقی احداً الا ردہ'' میں ہے۔

فوائد: امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے بہت سے فوائد معلوم ہورہے ہیں: ① کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔ ② کئی وجوہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہورہی ہے۔

ان کے علاوہ کئی قیمتی باتیں بھی سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ تابع کو اپنے متبوع کی خدمت میں اپنی پوری صلاحیت صرف کرنی چاہئے، دوسری یہ کہ سفر میں ضرور ایسا برتن ساتھ رکھا ہوا ہو جو پانی پینے، طہارت اور وضوء سب میں کام آئے، تیسرا یہ کہ بندہ کو ہر حالت میں اپنے پروردگار پر توکل رکھنا چاہئے، کیونکہ نتیجہ اور انجام کار کی بہتری اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام کے ایمان لانے کا واقعہ

۵۸۷۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ اَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلٰثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيْهِ اَوْ اِلٰى اُمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِيْ بِهِنَّ جِبْرَئِيْلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَاَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاكُلُهٗ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَاِنَّهُمْ اِنْ يَّعْلَمُوْا بِاِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْئَلَهُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَآءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا قَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

(رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٣٦٢ حديث رقم ٣٣٢٩ واخرجه احمد في المسند ٣/١٠٨۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام ایک جگہ درختوں سے پھل چن رہے تھے کہ

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی (مکہ سے مدینہ) تشریف آوری کے متعلق سنا' فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں آپ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جو صرف ایک نبی کو ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہوگی؟ دوسرا یہ کہ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا۔ تیسرے یہ کہ وہ کون سی چیز ہے جو اولاد کو ماں باپ کے مشابہ کرتی ہے؟ فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ابھی ابھی ان چیزوں کی خبر دی ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں ایک آگ ہوگی جو ظاہر ہوگی اور لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی اور اوّل کھانا جو اہل جنت' جنت میں کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہوگا (یعنی مچھلی کے جگر کا وہ حصہ جو جگر سے علیحدہ لٹکتا ہے اور مچھلی کا لذیذ ترین حصہ شمار ہوتا ہے) اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو اولاد مرد سے مشابہت رکھتی ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو اولاد عورت سے مشابہت رکھتی ہے۔ عبداللہ بن سلام نے جواب سننے کے بعد کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور (عبداللہ بن سلام نے مزید) کہا کہ یا رسول اللہ! یہودی بڑے افترا پرداز اور بہتان تراش ہیں اگر انہیں آپ کے میرے بارے میں دریافت کرنے سے قبل میرا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تو وہ مجھ پر بہتان تراشیں گے۔ اتفاقاً یا نبی کریم ﷺ کے بلانے پر یہودیوں کا ایک وفد مجلس میں حاضر ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں بہتر ہے اور ہمارے بہترین کا بیٹا ہے (یعنی حسب میں یا باعتبارِ علم وصلاح کے) اور ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے (یعنی باعتبار نسب کے یا مکارمِ اخلاق میں)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بتاؤ کہ اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئے تو کیا تم بھی اسلام لے آؤ گے۔ یہود نے کہا کہ اللہ اس کو اسلام لانے سے پناہ میں رکھے۔ چنانچہ عبداللہ نکلے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر (یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد) یہود کہنے لگے کہ یہ برا ہے اور ہمارے بروں کا بیٹا ہے اور ان پر عیب لگانے لگے۔ لہٰذا عبداللہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہی وہ چیز تھی جس کا مجھے اندیشہ تھا۔''

تشریح: (فعلم...... ﷺ): لفظ بمقدم، میم اور قاف دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔ (وھو فی ارض): یہ جملہ حالیہ ہے۔ (لا یعلمھن الا نبی): اس سے عبداللہ ابن سلام کی مراد یہ تھی کہ میں جو تین چیزیں آپ سے پوچھ رہا ہوں اس کے بارے میں یہ صحیح بات بتانا صرف نبی کے بس میں ہے۔ یا نبی کے علاوہ وہ شخص جان سکتا ہے جس کو یا تو نبی نے بتایا ہو یا اس نے خدا کی کتاب سے معلوم کیا ہو، یہ وضاحت مراد لینا اس لئے ضروری ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن سلام بھی تو ان چیزوں کے بارے میں اجمالی یا تفصیلی طور پر جانتے تھے اور ان کو یہ علم تورات سے حاصل ہو چکا تھا اب ان سوالات سے ان کا اصل مقصد آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق حاصل کرنا تھا، ان تینوں چیزوں کے جوابات گویا ان کے حق میں آنحضرت ﷺ کا معجزہ ثابت ہوا، اور ان کو آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کا علم یقین حاصل ہوا۔ غالباً اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں معجزات کے باب میں نقل کیا گیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی دیگر معجزات بھی محقق ہو چکے ہوں من جملہ ان میں سے یہ بھی اس جواب کے لئے ضروری ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

(وما...... ینزع): لفظ ینزع، زاء کے کسرہ کے ساتھ۔ جب بچہ باپ کے مشابہ ہو تو کہا جاتا ہے، نزع الولد الی ابیہ۔

کہتے ہیں۔لفظ الولد، منصوب ہے مفعول ہونے کی وجہ سے۔(الی ابیه او الی امه): یہاں لفظ ''او'' تنویع کے لئے ہے۔ ممکن ہے یہاں امه سے مراد ماں کے قوم میں سے کوئی فرد ہو مثلاً کسی ماموں کے مشابہ ہونا۔ یا اس سے مراد اصل مشابہت کے متعلق سوال کرنا تھا۔ یا غالبی اور عادی حکم مقصود تھا۔اور ایک نسخہ میں لفظ ولد ، رفع کے ساتھ ہے اس کے طرف طیبی رحمہ اللہ کے کلام سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔

چنانچہ طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کا اپنے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ شکل وصورت میں مشابہ ہونے کا سبب کیا ہے۔ کیونکہ یہاں مضاف اور ''ان'' مصدر یہ دونوں کو حذف کیا گیا ہے، جیسا کہ قول احضر الوغی میں ہے۔زیادہ بہتر معنی یہ ہے جو شارح نے بیان کیا ہے کہ پھر کیا چیز بچے کو اپنے والدین کے مشابہت کی جانب کھینچتی ہے۔

(قال...... جبرئیل): یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کو اپنے سوالات کے جواب سن کر یہ وہم ہوسکتا تھا کہ انہوں صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید اہل کتاب سے پہلے کبھی یہ باتیں سن رکھی ہوں گی۔ اور اُسی بنیاد پر میرے سوالات کے جواب دیتے ہوں گے۔(آنفاً): (مد اور بغیر مد دونوں کے ساتھ جائز ہے)۔یعنی ابھی جبرائیل نے مجھے آکے بتایا ہے۔(من الجنة): جس کو ضیافت کیا جاتا ہے کبھی ماحضر سے بھی تعبیر کرتے ہیں جو بقیہ نعمتوں کا مقدمہ ہوگا۔(فزیادة کبد حوت): یعنی مچھلی کے جگر کا وہ حصہ جو جگر سے علیحدہ نکلتا ہے، جو مچھلی کا لذیذ ترین حصہ ہوتا ہے۔بعض لوگوں کا کہنا ہے الحوت سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر زمین قائم ہے۔

اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مخصوص کھانا صرف اہل جنت کو نصیب ہوگا۔

(الولد): ایک نسخہ میں لفظ ''ولد'' رفع کے ساتھ ہے۔مظہرؒ کا کلام اسی اعراب پر مبنی ہے۔طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس صورت میں لفظ نزعت، ضمیر مؤنث النسمة کی تاویل میں ہوگا۔ایک شارح لکھتا ہے جملہ نزعت کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے پانی کے غلبہ کی وجہ سے بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ اس کا پانی بچے کو ماں کی مشابہت کی طرف کھینچ لیتا ہے، اس صورت میں فعل کی تانیث کی وجہ مضاف الیہ بنے گا۔انتھیٰ

ایک اور حدیث میں مشابہت کی وجہ تسابق نطفہ آئی ہے، دونوں طرح کی روایات کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشابہت کی علت سبقت اور غلبہ دونوں ہوسکتے ہیں۔

(بهت): لفظ بهت، نہایہ میں باء کے ضمہ اور ھاء کے سکون کے ساتھ منقول ہے۔جو کہ بهوت کی جمع ہے جو کہ بهتان کا مبالغہ ہے جیسے صبور اور صبر ہے، پھر اس کو تخفیفاً ساکن کیا گیا ہے۔

(وانهم...... ان تسألهم): کہ میرے اسلام لانے کے خبر مشہور ہونے سے قبل ذرا میرے متعلق ان سے پوچھئے۔

(یبهتونی): نون کے تشدید اور تخفیف کے ساتھ، جو کہ اصل میں یبهتوننی ہے جیسا کہ بعض صحیح نسخوں میں بھی اسی طرح منقول ہے۔یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے سے قبل ان کو میرے اسلام لانے کا علم ہوجائے تو وہ ضرور مجھ پر جھوٹے الزام لگائیں گے جو اتنے سخت ہوں گے کہ میں حیران ہوجاؤں گا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو میرے اسلام کی خبر ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے میرے بارے میں پوچھ لیجئے، تاکہ وہ میرے متعلق صحیح حالات سے آپ کو آگاہ کریں، وگرنہ میرے اسلام لانا کوئی واضح دلیل

نہیں بن سکے گی۔

(قال هذا...... اخاف): یہ ہی وہ عیب جوئی کا مرض ہے جس کی وجہ سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان سے میرے متعلق پوچھئے تا کہ ان کی مکاریوں کی تصدیق ہو جائے، ساتھ ان کی گفتگو پر آپ کی گواہی ثابت ہو جائے (یا رسول اللہ)۔

غزوۂ بدر میں رؤسائے قریش کے مقتل گاہ کی پیشینگوئی

۵۸۷۱: وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَ خَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١٤٠٣/٣ حديث رقم (٨٣-١٧٧٩) وابو داوٗد في السنن ١٣٠/٣ حديث رقم ٢٦٨١ والنسائي في السنن ١٠٨/٤ حديث رقم ٢٠٧٤ و احمد في المسند ٢١٩/٣۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان کی آمد کی ہمیں اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی سواریوں کو سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم ایسا ہی کریں گے (یعنی روئے زمین پر ہی موقوف نہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا تو ہم دشمن تک پہنچنے کے لئے اور اس کا قلع قمع کرنے کے لئے سمندر میں گھوڑے ڈال دیں گے) اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں برک غماد تک جانے کا حکم کریں گے تو بے شک ہم ایسا ہی کریں گے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار و مہاجرین کو (جنگ کے لئے) جوش و خروش سے بھر دیا۔ پس لوگ نکلے اور چلے یہاں تک کہ بدر کے مقام میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جگہ فلاں شخص کے ہلاک ہونے اور اس کی نعش گرنے کی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے اشقیاء و کفار کا نام لیتے جاتے اور زمین پر ہاتھ رکھتے جاتے (زمین کے تعین کے لئے) اشارہ کرتے یہاں تک کہ ستر کفار کو شمار کیا اور ان کی مرنے کی جگہ کو کہ فلاں یہاں مرے گا اور فلاں یہاں۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی جگہ سے کوئی شخص بھی آگے پیچھے قتل نہیں ہوا''۔

تشریح: (وقام...... عبادة): حضرت سعد جو کہ انصار کے سردار تھے تمام صحابہ کے سامنے کھڑے ہوئے، حضرت سعد نے جو کچھ کہا، اس کا ذکر آگے آ رہا ہے، یہاں صرف ان کے کھڑے ہونے کو بیان کیا جا رہا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

مشورہ انصار کو آزمانے کے لئے طلب فرمایا تھا، کیونکہ انصار نے اس سے قبل قتال اور دشمن کیطلب پر بیعت نہیں کی تھی، انہوں نے صرف اس بات پر بیعت کی تھی کہ اگر باہر سے کوئی دشمن آ کر حملہ کرے گا تو آپ کا دفاع کریں گے، اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے باہر نکل کر ابوسفیان والے قافلے کو روکنے کا پروگرام بنایا، تو یہ ارادہ فرمایا کہ انصار سے بطور امتحان مشورہ لیا جائے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ جب آپ ﷺ نے مشورہ کیا تو انصار نے زبردست جذبہ کا اظہار کیا، یہ پہلا موقع نہیں بلکہ جب بھی آنحضرت ﷺ نے ان حضرات سے مشورہ فرمایا مکمل موافقت فرمائی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے یار دوست اصحاب الرای اور ماہرین سے اپنے درپیش مسائل میں ضرور مشورہ کرنا چاہئے۔

طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے انصار سے مشورہ اس لئے طلب فرمایا، کہ مکہ کا ایک سردار ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ کے ہمراہ ملک شام سے مکہ واپس آ رہا تھا، قافلہ میں اگرچہ آدمی صرف چالیس سوار تھے لیکن مال واسباب کی بہت بڑی کھیپ تھی، اس لئے مسلمانوں کی یہ چاہت تھی کہ اہل مکہ پر بھرپور اقتصادی و مالی ضرب لگائی جائے اور قافلہ کے چالیس سواروں کو زیر کر کے ان کے تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا جائے۔ لیکن جب مسلمان اس ارادے سے نکلے تو اس کی خبر کسی طریقہ سے مکہ پہنچی، ابوجہل نے فوراً بیت اللہ شریف کے چھت پر چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف آواز لگائی، یا اهل مكه النجا النجا. اور سارے اہل مکہ کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں نے ان کو خبر دی کہ قافلہ تو ساحلی راستے سے مکہ پہنچ گیا ہے لہٰذا سارے لوگوں کو لیکر واپس چلو۔ لیکن وہ کہنے لگے واللہ ہم اس طرح نہیں جائیں گے بدر جا کے خوشیاں منائیں گے۔

ادھر حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں میں سے ایک کا آپ کو دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور وہ جماعت بدر میں آ پہنچی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا۔ قافلہ تو ساحلی راستے سے مکہ پہنچا، لیکن اس کی جگہ ابوجہل آ گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے۔

(فقال...... ان نخيضها): لفظ نخيضها، نون کے ضمہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ۔ (البحر لا خضناها): قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: الا خاضه کے معنی پانی میں داخل کرنے کے ہیں، جو کہ کنایہ ہوتا ہے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کو پانی میں داخل کرنے سے، اگرچہ ان سواریوں کا ذکر یہاں نہیں ہے لیکن دلالت حال کا قرینہ موجود ہے۔ (ولو...... اكبادها): قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: ضرب اكباد [سواری کے جگر کو مارنا] کنایہ ہوتا ہے کہ سواری کے جانور کو نہایت تیز ہانکیں گے، اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ ہمیں اپنی سواریوں کو تیز بھگا کر برک غماد تک جو یہاں سے بہت دور واقع ہے دشمن کے مقابلہ پر پہنچنے کا حکم دیں، تو ہم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں یہاں سے فوراً روانہ ہو جائیں گے اور برک غماد پہنچ کر دم لیں گے۔

(الى برك الغماد): باء کا فتحہ اور عین کا ضمہ، نیز دونوں کو کسرہ بھی دیتے ہیں۔ ایک شارح کہتا ہے جو لوگ باء اور غین دونوں کے کسرے کو نقل کرنے والے ہیں ان ہی کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں: کتب احادیث اور محدثین کی روایات میں یہ باء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہی مشہور ہے۔ قاضی عیاضؒ نے بعض اہل لغت کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ لفظ "برك" باء کے کسرہ کے ساتھ ہی اصل لغت ہے۔ بخاریؒ میں حضرت ابوذرؓ سے منقول روایت میں بھی اس حدیث کے شیوخ نے یہی قید ذکر کی ہے۔ سوائے اس حکایت کے جو قاضی عیاضؒ نے اصیلیؒ سے راء کے سکون اور فتحہ دونوں کے ساتھ کی

ہے، لیکن یہ قول بہت زیادہ ضعیف ہے۔

باقی رہا لفظ غماد کا تلفظ: یہ لفظ نقطے والے غین کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ مشہور دو لغت ہیں۔ البتہ محدثین اس کو ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جبکہ اہل لغت کسرہ کے ساتھ۔ ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں: محدثین کی روایت ہی زیادہ راجح ہے، اور اسی پر اعتماد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ غماد ایک مقام کا نام تھا جو کہ ہجر کے پرلے کنارہ پر تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مقام مکہ سے ساحل کی جانب پانچ رات کے مسافت کے فاصلہ پر تھا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں یہ ایک مقام کا نام تھا جو مدینہ سے بہت دور یمن میں واقع تھا۔

(لفعلنا): یہ جواب "لو" ہے۔ یہاں بجائے ضربنا اکبادھا کے لفعلنا کہا بطور ایجاز ہے۔ یا اس طرح اشارہ ہے کہ جو بھی مشکل کام ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے دریا میں چلنا۔ لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو تو ہم یہ بھی کر لیں گے۔

غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے نصرتِ الٰہی کی ظہور

۵۸۷۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَاَخَذَ اَبُوْبَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَثِبُ فِى الدِّرْعِ وَهُوَ يَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۹۹/۶ حديث رقم ۲۹۱۵ و احمد فی المسند ۳۲۹/۱

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر یہ دعا کر رہے تھے "اے الٰہی! میں تجھ سے تیرے عہد و امان اور تیرے وعدہ کی وفا چاہتا ہوں۔ اے باری تعالیٰ! اگر آپ یہ چاہتے ہیں (کہ دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مسلمان مارے جائیں یا ہار جائیں) تو آج کے بعد (اس زمین پر) تیری عبادت نہ ہو سکے گی"۔ (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ الحاح و زاری کی تو) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! رک جائیں بس کر دیں بس اتنی دعا مانگنا کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت آہ و زاری کے ساتھ اپنے پروردگار سے کامیابی کی درخواست کی"۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے بڑی خوشی خوشی اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور آیت: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ "یہ (جماعت کفار کی) شکست کھائے گی اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے"۔ (جو اس وقت نازل ہوئی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بلند آواز) پڑھ رہے تھے"۔

تشریح: یہ حدیث بھی من جملہ مراسیل صحابہ میں سے ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔

ترکیب:

یہ جملہ قول اور مقولہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے مقولہ "اللهم انشدك" ہے جو کہ محلاً منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ

سے۔ اور لفظ انشد (باب نصر سے) شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ مجزوم ہے جواب شرط ہونے کی وجہ سے۔ (بعد الیوم): اور اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ پر کوئی چیز بندہ کی واجب نہیں، اگر چہ اللہ اپنے وعدہ میں کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں فرماتے، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خوف لاحق ہوا تو وہ استثنا مقدر یا قید مقرر یا وقت محرر کی وجہ سے تھا، جس کی تفصیل شراح کے اقوال کی ذیل میں آ رہی ہے۔

تفصیلی کلام:

امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں: تشدت فلانا، اتشده نشدًا، اس وقت کہا جاتا ہے جب آپ کسی کو اللہ کا واسطہ دینا چاہتے ہوں یعنی بطور درخواست کوئی بات عرض کرنا چاہ رہے ہوں تو نشدتك الله کہتے ہیں۔ العهد یہاں امان کے معنی میں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے تیرا امان چاہتا ہوں۔ اور مجھ سے تو نے نصرت کا جو وعدہ کیا ہے، اس کا ایفاء چاہتا ہوں۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑے عارف باللہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتے ہیں اس کے خلاف نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ فرما لیا تھا تو وہ حاصل ہو کے رہنی تھی، ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیوں کی؟

جواب: ہم کہتے ہیں: کہ اول تو اس دعا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس حکم کی تعمیل تھا کہ بندہ کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ، توفیق اور مقصد کے حصول کی التجاء کرنی چاہئے، خواہ اس مقصد کے حصول کا یقینی ہونا اس کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ ثانیاً یہ کہ علم باللہ خود حق تعالیٰ سے خوف کا متقاضی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اس خوف سے خالی نہیں ہوتے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے کتب کے عطاء ہونے اور وعدہ ہونے اور حسن عاقبت کے یقینی ہونے کی وجہ سے یہ خوف رفع نہیں ہوتا، لہٰذا ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس خوف کے پیش نظر دعا کی ہو کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ خود میری طرف سے کوئی ایسی چیز پیش آ جائے جو فتح و نصرت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ موعود نصرت روک نہ دی جائے یا اُمت کا کوئی فعل اس نصرت کے لئے مانع نہ بن جائے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا لیکن اس کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے ڈرتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ وہ وعدہ آج ہی پورا ہو جائے۔ باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دعا میں بہت زیادہ الحاح وزاری کرنا ایک خاص مقصد بھی رکھتا تھا، وہ یہ تھا کہ صحابہ کے دل کو تقویت دینا ان کو ثابت قدم رکھنا اور حوصلہ پیدا کرنا کیونکہ صحابہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقینی طور پر قبول ہوتی ہے خصوصاً وہ دعاء جو زیادہ الحاح وزاری سے ہو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ میدان جہاد میں نہ جا سکتے ہوں اور جہاد کی ترغیب بھی نہیں دے سکتے ہوں ان کو چاہئے کہ خوب نصرت کی دعائیں کریں تاکہ ثواب میں شریک ہو سکیں کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دیکھا کہ وہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گئے ہیں تو خود اپنے پروردگار مطلق کے حضور پیش ہو کر حق کے طلب میں

مشغول ہو گئے۔

طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وعدہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ آیت ﴿واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھالکم﴾ کی طرف تھا، جس میں حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر مسلمان کفار مکہ سے جنگ اختیار کریں گے تو اس جنگ میں فتح عطاء کی جائے گی۔

شاید اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں آیات: ﴿ان اللہ لغنی عن العلمین○ واللہ ھو الغنی الحمید ان یشا یذھبکم﴾ کا مفہوم ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی کامل بے نیازی پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حق تعالیٰ سے مدد و نصرت کی دعاء فرمائی۔

(الححت علی ربك): یہ جملہ مستأنفہ ہے یا بیان حال کے لئے ہے۔ (مبن قبتہ وھو یثب): لفظ یثب، ثاء کی کسرہ کے ساتھ اور ثاء، باء سے پہلے ہے جو وثوب مصدر سے مشتق ہے۔ (فی الدرع): یہ متعلق ہے فعل محذوف کا جو حال ہے، تقدیری عبارت یوں ہے حال کونہ فی درعہ. کہ آپ ذرہ پہنے ہوئے جنگ کے لئے باہر تشریف لائے اور آپ کی زبان میں اسی موقع پر ہی نازل ہونے والی آیت ﴿سیھزم الجمع ویولون الدبر﴾ تھی، آیت مبارکہ میں کلمہ 'جمع' کا مضاف الیہ الکفار محذوف ہے اور کلمہ دبر: دال اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ، جس سے پیٹھ مراد ہے، ایک شارح کہتا ہے کہ لفظ دُبر: باء کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ جائز ہے اور جملہ یولون جملہ اولیٰ کی تاکید ہ۔ اور ممکن ہے بھا ہزیمت مغلوبیت سے کنایہ ہو اس صورت مین معنی ہوگا ''عنقریب سارے کفار مغلوب ہو جائیں گے'' اسی پر حمل کرنا زیادہ بہتر ہے تا کہ تاسیس کی رعایت ہو جائے جو کہ کسی سے مخفی نہیں۔

تخریج: نسائی نے بھی اس طرح روایت کی ہے۔

بدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شرکت

۵۸۷۳: وَعَنْهُ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَوْمَ بَدْرٍ ھٰذَا جِبْرَئِیْلُ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهٖ عَلَیْهِ اَدَاۃُ الْحَرْبِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۱۲/۷ حديث رقم ۳۹۹۵

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن فرمایا ''یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی ہوئی ہے اور آلات حرب تھامے ہوئے ہیں''۔

تشریح: (ان النبی...... بدر): امام نوویؒ فرماتے ہیں، ایک مشہور کنویں کا نام ہے جو کہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے چار فرسخ (۸۰ کلومیٹر) پر آتا ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں، یہ ایک آدمی کا ذاتی تھا، جس کا نام بدر تھا جس کے نام سے یہ مشہور ہوا۔ غزوۂ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ میں جمعہ کے دن لڑا گیا۔ (ھذا..... علیہ اداۃ الحرب): جنگ کا سامان تھا، اور وہ شاید انسان کی صورت میں تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور جن کی طرف آنحضرت نے ھٰذا سے اشارہ فرمایا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں حضرت جبرائیل کو دیکھا جو اللہ کے حکم سے کفار کو شکست

دلانے اور مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کرانے کے لئے آسمان سے اترے تھے اسی وجہ سے اس حدیث کو باب المعجزات میں لایا گیا۔

فرشتوں کا مسلمانوں کے ساتھ ہو کر قتال کرنا

۵۸۷۴: وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِيْ اَثَرِ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَمَامَهٗ اِذَا سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهٗ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُوْلُ اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ اِذَا نَظَرَ اِلَى الْمُشْرِكِ اَمَامَهٗ خَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ اَنْفُهٗ وَشُقَّ وَجْهُهٗ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ اَجْمَعُ فَجَآءَ الْاَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَقَتَلُوْا يَوْمَئِذٍ سَبْعِيْنَ وَاَسَرُوْا سَبْعِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٣٨٤/٣ حديث رقم (٥٨-١٧٦٣)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں اس دن (جنگ بدر میں) ایک مسلمان' ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا۔ اچانک مسلمان نے کافر مشرک پر پڑتے ہوئے چابک کی آواز سنی پھر ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا ''حَیْزُوْمُ'' آگے بڑھ۔ اور جب اس مشرک کو دیکھا تو وہ زمین پر چت گرا ہوا تھا اور چابک کی مار کی وجہ سے مشرک کی ناک پر نشان پڑا ہوا تھا اور اس کا منہ پھٹا ہوا تھا اور اس کے جسم کی وہ تمام جگہ جہاں چابک پڑا تھا سبز و سیاہ ہوگئی تھی یعنی اس کا ناک چوٹ کھا کر بالکل نیلا پڑ گیا تھا چنانچہ یہ مسلمان انصاری یہ سب کچھ دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو جو کچھ دیکھا وہ سارا واقعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب پورا واقعہ سن لیا) تو فرمایا کہ ہاں تم سچ کہہ رہے ہو وہ فرشتہ تیسرے آسمان کی فوجی کمک کا فرشتہ تھا۔ اس دن مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنالیا۔

تشریح: (في اثر رجل): لفظ اثر: ہمزہ کی کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ۔ ایک اور نسخہ میں ہمزہ اور ثاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔

یہ حدیث بھی مراسیل صحابہ میں سے ہے جیسا کہ حدیث کا آخری حصہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

(وصوت الفارس...... اقدم): ہمزہ کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اعزم (اقدام کر)۔ (حیزوم): یہ منادیٰ ہے اس سے قبل حرف ندا یا محذوف ہے اور حیزوم گھوڑے کا نام ہے۔ ایک اور نسخہ میں یہ کلمہ زاء اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ، (تقدم) [آگے بڑھنے] کے معنیٰ میں ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: لفظ ''اقدم'' ہمزہ قطعی مفتوح کے ساتھ باب افعال سے ہے اور محدثین کہتے ہیں، گھوڑے کو ڈانٹنے کی آواز ہے۔ ملا علی قاریؒ فرمارہے ہیں کہ یوں لگ رہا ہے کہ اقدام کا حکم کہا دیا جارہا ہے لیکن گھوڑا تو اس کا معنی نہیں سمجھ سکتا، البتہ اس کو فرشتے اپنے گھوڑے کو ڈانٹنے کی آواز پر محمول کریں تو یہ حقیقتاً ممکن ہوسکتا ہے، یا خرق عادت پر محمول کیا جائے، اس

بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے گھوڑے کو نام سے پکارا ہے۔ واللہ اعلم

پھر امام نووی لکھتے ہیں: بعض حضرات کہتے ہیں کہ لفظ اقدم: دال کے ضمہ اور ہمزۃ الوصل مضموم کے ساتھ باب تفعل سے ہے لیکن مشہور پہلا والا ہے، جبکہ لفظ حیزوم یہ فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے اور یہی منادیٰ ہے اور حرف ندا محذوف ہے۔

ایک شارح لکھتا ہے: حیزوم جسامت اور اعضاء کے مضبوط ہونے کی وجہ سے اور سوار کے اس پر مضبوط سواری کی وجہ سے اس کا نام حیزوم رکھا گیا، ویسے حیزوم سینہ کے وسط کو بھی کہا جاتا ہے، جہاں پر جانور کی تنگ باندھی جاتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرمارہے ہیں: ممکن ہے یہ لفظ حزم سے فیعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہو جس کا معنی کسی کام میں ہشیاری دیکھانے کے آتے ہیں۔

(قد خطم): خاء کے پیش کے ساتھ الخطم سے جس کا معنی ناک پر زخم کے نشان ہونا، کلمہ خطم کے بعد پھر انفه، کہنا، تاکیداً ہے۔ یا تجرید کے طرف اشارہ ہے۔ مصابیح کے ایک شارح نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے زخم کا اثر دیکھائی دے رہا تھا۔

ملا علی قاریؒ فرمارہے ہیں: اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بجائے خاء کے حاء کے ساتھ ہے جو کہ کوئی تر ددکی بات نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا ناک زخمی تھا۔

فاخضر ذالك اجمع: لفظ فاخضر کے راء پر شد ہے، یعنی جس جگہ پر کوڑا لگا ہوا تھا وہ زرد یا کالی ہو چکی تھی، کالی ہونا ہی یقینی ہے کیونکہ بسا اوقات زرد، سواد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے سواد زرد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مبالغۃً سواد کے اخضر کے معنی میں مستعمل ہونے کی مثال قرآن آیت ﴿مدھامتان﴾ میں موجود ہے۔ (فجاء الانصای...... صدقت): اس موقع پر فرشتے کا نظر آجانا یہ اس صحابی کی کرامت ہے، اور اتباع کرنے والوں کے کی کرامت بمنزلہ معجزہ متبوع ہے، کیونکہ یہ کرامت آپ ﷺ ہی کے برکت اور آپ کی موجودگی میں ہی ظاہر ہوئی تھی۔

یا یہ کہا جائے کہ ایک ثقہ انسان نے جب نصرت کے لئے فرشتوں کے نزول کی خبر دی، تو صادق المصدوق ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی اور یہ تصدیق صرف آپ ﷺ کا کام تھا جس کا تعلق اعجاز رسالت سے ہے۔ اس لئے اس واقعہ کو معجزہ میں شمار کرنا بالکل درست ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک "ذلك من مدد السماء الثالثه" اس پر تنبیہ ہے، کہ اس نصرت میں تمام آسمانوں کے فرشتے شریک تھے، خصوصاً یہ فرشتہ تیسرے آسمان کا تھا۔ "ذلك" سے اسی فرشتے کی طرف اشارہ ہے۔

ذلك کی ترکیب:

ذلك: مبتداء ہے اور من مدد...... خبر ہے۔ لیکن اس مقام میں طیبی رحمہ اللہ نے بڑی کمزور ترکیب کی ہے وہ کہتے ہیں ذلك، صدقت کا مفعول ہے اور اس سے ضربة بالسوط کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

(یومئذٍ...... سبعین): ایک نسخہ میں دونوں فعل صیغہ مجہول کے ساتھ ہیں، اور دونوں فعلوں میں ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہیں۔

غزوۂ اُحد میں فرشتوں کا نزول

۵۸۷۵: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَاَیْتُ عَنْ یَمِیْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَنْ شِمَالِہٖ یَوْمَ اُحُدٍ رَجُلَیْنِ عَلَیْھِمَا ثِیَابٌ بِیْضٌ یُقَاتِلَانِ کَاَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَاَیْتُھُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ یَعْنِیْ جِبْرِئِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۵۳/۷حدیث رقم ۴۰۴۵ومسلم فی صحیحه ۱۸۰۲/۴حدیث رقم (۴۶-۲۳۰۶)۔

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُحد کی لڑائی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے (دائیں بائیں سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمیوں کو دیکھا) جو بڑے جوش سے (ہمارے دشمنوں سے) لڑ رہے تھے میں نے اس سے پہلے ان دونوں کو کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ ہی پھر اس کے بعد دیکھا یعنی وہ دونوں جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام تھے''۔

تشریح: (**وعن سعد...... رجلین**): بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقرب فرشتوں نے آپس میں کام تقسیم کیا تھا، جن میں سے دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے وگرنہ تو ان کو چار ہونا چاہئے تھے۔ (**علیھما...... القتال**): کأشد، میں کاف زائد ہے جس کو بطور تاکید ذکر کیا گیا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے۔ لیکن یہاں تاکید کی کوئی بات تو ظاہر نہیں ہو رہی ہے، صحیح معنی یہ ہے کہ وہ دونوں اس طرح شدت کے ساتھ لڑ رہے تھے جیسے ہم میں سے صحابہ کرام لڑ رہے تھے۔ (**ما رأیتھما...... بعد**): اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ باقی (یعنی جبرئیل ومیکائیل) تو یہ راوی کا قول ہے، جس کو بیان کے طور پر مندرج کیا گیا۔ شاید کسی اشارہ سے سمجھ لیا ہو یا آنحضرت نے بتایا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے سے ایک صحابی کی ٹوٹی ٹانگ کا جڑ جانا

۵۸۷۶: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا اِلٰی اَبِیْ رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَتِیْکٍ بَیْتَہٗ لَیْلًا وَھُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَہٗ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَتِیْکٍ فَوَضَعْتُ السَّیْفَ فِیْ بَطْنِہٖ حَتّٰی اَخَذَ فِیْ ظَھْرِہٖ فَعَرَفْتُ اَنِّیْ قَتَلْتُہٗ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ حَتّٰی انْتَھَیْتُ اِلٰی دَرَجَۃٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِیْ فَوَقَعْتُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُقْمِرَۃٍ فَانْکَسَرَتْ سَاقِیْ فَعَصَّبْتُھَا بِعِمَامَۃٍ فَانْطَلَقْتُ اِلٰی اَصْحَابِیْ فَانْتَھَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُہٗ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَکَ فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَھَا فَکَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَکِھَا قَطُّ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۵۵/۶ حدیث رقم ۳۰۲۲

ترجمہ: ’’حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو ابورافع کی طرف روانہ کیا (یہ ایک یہودی تھا اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ جب یہ جماعت اس کے قلعہ پر پہنچی) تو ایک صحابی عبداللہ بن عتیک رات کے وقت ابورافع کی خوابگاہ میں گھس گئے اور وہ (کافر) سورہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تلوار اس کے پیٹ میں اتار دی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی پشت تک پہنچ گئی' جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے' تب میں نے قلعہ کے دروازے کھولنے شروع کیے پھر میں ایک زینہ پر پہنچا میں نے جیسے ہی پاؤں رکھا تو میں چاندنی رات میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی' میں نے اپنے عمامے کے ساتھ اس پر پٹی باندھی۔ اس کے بعد میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب واقعہ سنا دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ! میں نے پاؤں پھیلا دیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور میرا پاؤں اسی وقت صحیح ہو گیا اور ایسے ہو گیا کہ جیسے کبھی کوئی تکلیف کبھی ہوئی ہی نہ تھی‘‘۔

تشریح: وعن البراء...... رهطًا: ایک شارح لکھتے ہیں: رهط ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے، جو تقریباً دس افراد سے کم پر مشتمل ہو اور اس میں کوئی عورت نہ ہو اور قاموس میں ہے لفظ رهط، تین یا سات سے لے کر دس یا دس سے کم نو (۹) تک کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یا ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں عورتیں نہ ہوں صرف مردوں کی ٹولی ہو۔ لفظ رهط کی لفظاً واحد نہیں آتی۔ (الی ابی رافع): قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: ان کی کنیت ابوالحقیق تھی، یہ کٹر قسم کا یہودی تھا اور نہایت بدظن اور کمینہ خصلت شخص تھا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن تھا ہی لیکن اس نے عہد شکنیوں، فتنہ انگیزیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ تنگ کر رکھا تھا۔ نیز اس بدبخت نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناپاک ہجو بھی کی تھی، آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر اس کے خلاف حضرت عبداللہ بن عتیک کی سرکردگی میں چند انصار صحابہ کو بھیجا، تاکہ اس کا کام تمام کر دیں، اور یہ بدبخت پہلے سے صورت حال کا اندازہ لگا کر اپنے قلعہ میں چھپ گیا تھا۔ (عتيك): ع پر زبر اور تاء پر کسرہ۔ (فوضعت...... في ظهره): طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں في ظهره لفظ ''في'': کے ساتھ ذکر کیا جو کہ مضبوط گرفت کر کے پورا کام تمام کرنے پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی جب مجھے خوب یقین ہو گیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ (فجعلت افتح الابواب): اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، شاید پہلے خود انہوں نے بطور احتیاط بند کر دیا تھا، جیسا کہ ایک اور روایت میں بھی آیا ہے۔ یا کسی اور مخصوص راستے سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ (حتى انتيهت...... رجلي): میرا خیال یہ تھا کہ میرے پاؤں زمین پر پہنچ چکے ہیں۔ (في ليلة مقمرة): (لفظ مقمرہ کے پہلے میم پر ضمہ دوسرے پر کسرہ) یعنی چاندنی میں۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس گرنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ چاند کی روشنی زینہ پر لگ رہی، جس سے نگاہ الجھ گئی، چنانچہ عبداللہ ابن عتیک نے یہ سمجھ کر اپنا قدم اٹھایا کہ زینہ ختم ہو گیا ہے اور آگے زمین ہے مگر وہاں ابھی تک ایک زینہ باقی تھا جس پر ان کا پاؤں اس طرح پڑا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور نیچے گر گئے۔

(فانكسرت ساقي فعصبتها): صاد بغیر شد کے ساتھ اور شد بھی پڑھی جاتی ہے اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں تو مبالغہ اور تکثیر کا معنی ہوگا۔ (عمامة): عین کی کسرہ کے ساتھ۔

غزوۂ احزاب......کھانے میں برکت

۵۸۷۷وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَاؤُ وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا هٰذِهٖ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ اَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُهٗ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا اَهْيَلَ فَانْكَفَأْتُ اِلَى امْرَأَتِيْ فَقُلْتُ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ فَاِنِّيْ رَأَيْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْصًا شَدِيْدًا فَاَخْرَجَتْ جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَلَنَا بُهَيْمَةٌ دَاجِنٌ فَذَبَحْتُهَا وَطَحَنَتِ الشَّعِيْرَ حَتّٰى جَعَلْنَا اللَّحْمَ فِي الْبُرْمَةِ ثُمَّ جِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ فَتَعَالَ اَنْتَ وَنَفَرٌ مَعَكَ فَصَاحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَكُمْ حَتّٰى اَجِيْءَ وَجَاءَ فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ اِلٰى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَبَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِيْ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْا هَا وَهُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَاِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ۔

أخرجه البخاري صحيحه ۳۹۵/۷حديث رقم ۴۱۰۱و۴۱۰۲ واخرجه مسلم فی صحيحه ۱۶۱۰/۳حديث رقم (۱۴۱-۲۱۳۹) واخرجه الدارمی فی السنن ۳۳/۱حديث رقم ۴۲

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) کے موقع پر خندق کھود رہے تھے کہ اس کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان نکل آئی (جو سخت ہونے کی وجہ سے ٹوٹ نہیں رہی تھی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خندق میں ایک چٹان نکل آئی ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خندق میں خود اتر کر دیکھتا ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کر چل پڑے۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ (شکم) مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا کہ کچھ نہ کھایا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں ایک کدال لیا اور خندق میں اتر گئے اور اپنے دست مبارک سے ایسی زبردست ضرب لگائی کہ وہ چٹان ریت کی مانند بکھر کے رہ گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں واپس اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔یہ سن کر اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں تقریباً ساڑھے تین سیر جو تھے اور ایک میمنا تھا۔میں نے اس کو ذبح کیا اور میری بیوی نے جو پیسے۔اس کے بعد ہم نے گوشت کو ہانڈی میں ڈال کر رکھ دیا' پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرگوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا

اے اللہ کے رسول! میں نے اور میری بیوی نے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا ہے اور تھوڑے سے جَو پیسے ہیں اس طرح چند آدمیوں کے لئے تو کھانا تیار ہو ہی جائے گا۔ آپ ﷺ آدمیوں کو ساتھ تشریف لے آئیں یہ سن کر آپ ﷺ نے بلند آواز میں اعلان کر دیا اے خندق والو چل پڑو! جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جا کر کھانے کا بندوبست کرو لیکن اپنی بیوی سے کہنا جب تک میں نہ آؤں چولہے سے ہانڈی نہ اتارے اور نہ ہی آٹے کی روٹیاں بنائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے آئے۔ میں نے آٹا آپ ﷺ کے سامنے لاکر رکھ دیا آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا اور برکت کی دعا کی پھر ہانڈی میں بھی اسی طرح کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: روٹی پکانے والی کو بلاؤ' وہ تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور ہانڈی سے سالن نکالتے رہو لیکن ہانڈی کو چولہے سے اتارنا نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے جو تین روز سے بھوکے تھے۔ میں اللہ کی قسم کھانے کو تیار ہوں کہ ان سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن کھانا (جتنا تھا ویسے ہی) بچا رہا جب وہ سب لوگ چلے گئے تو ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی تھی' جس طرح پہلی بار رکھی تھی اور آٹا اتنا ہی تھا جتنا شروع میں تھا''۔

تشریح: لفظ کدیہ، کاف کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ، چٹان کا ٹکڑا۔ (شدیدۃ): اتنی سخت تھی کہ ھتوڑے اور کدال کام نہیں کر رہے تھے۔ (ولبثنا...... ذواقاً): لفظ ذواقا، ذال کے فتحہ کے ساتھ، مراد کھانے پینے کی چیز ہے جو کہ فعال کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہے، الذوق، مصدر سے بطور مصدر واقع ہوتا ہے۔ پھر اسم اور جملہ دونوں معترضہ ہیں جو کہ پتھر باندھنے کا سبب بیان کر رہے ہیں۔ (فاخذ النبی ﷺ المعول): میم کے کسرہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ فارسی میں اس کو کلند کہتے ہیں اور قاموس میں ہے معول منبر کے وزن پر لوہے کا وہ آلہ ہے جس سے پہاڑ کھودے جاتے ہیں۔ (اھیل) کے معنی ریزہ ریزہ ہونے کے ہیں، اسی سے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وکانت کثیبًا مھیلاً﴾ [المزمل: ١٤] (اور پہاڑ [ریزہ ریزہ ہو کر] ریگ رواں ہو جاوینگے)۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ جس کدال سے صحابہ کرام اس چٹان کو توڑنے سے عاجز آ چکے تھے اسی کدال سے جب آنحضرت ﷺ نے ایک ہی ضرب لگائی تو وہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی۔

(فانی...... خمصًا): لفظ خمص، خاء اور میم دونوں کے فتحہ کے ساتھ، کبھی میم کو ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس قدر اعراب پر اکتفاء فرمایا ہے۔ جبکہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ معنی اس کا ہے بھوک سے ہونا۔ اور بھوک کو خمص اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے پیٹ اندر کو سکڑ جاتا ہے۔ اور چھپ جاتا ہے۔ قاضی عیاضؒ کی کتاب مشارق میں ہے رایت بہ خمصًا یعنی بجائے آنحضرت کے وصف النبی کے ضمیر کے ساتھ، نیز لفظ 'خمص' میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی بھوک ہونے کی وجہ سے پیٹ کا سکڑ جانا کبھی بھوک ہی کو خمص کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: لفظ خمصاً: خاء اور میم دونوں کے فتحہ کے ساتھ، البتہ میم کو ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔ بہر کیف اس سے مراد بھوک کے اثر کا ظاہر ہونا ہے، اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ پیٹ اندر کو دھنس جاتا ہے۔ اور چہرہ زرد ہو جاتا ہے اور جب بہت زیادہ کسی چیز کی اشتہاء ہونے کے باوجود وہ میسر نہیں ہوتی ہے تو یہ تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔

(شدیدًا فاخرجت): یعنی میری بیوی نے۔ لفظ جراب: جیم کی کسرہ کے ساتھ۔ (فیہ صاع): جس میں ساڑھے تین

سیر کے مقدار کے براب۔(من شعیر ...... بهمه): لفظ بهمه: باء کے فتحہ اور ھاء کے سکون کے ساتھ۔

لفظ بھمة کی تحقیق:

امام نوویؒ کہتے ہیں: دنبے کے چھوٹے بچے کو کہا جاتا ہے۔اور یہ لفظ مذکر ومؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے لفظ شاة مذکر ومؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ایک نسخہ میں بهمه کی جگہ بهیمة کا لفظ ہے اور یہی مصابیح کے اصل نسخے میں بھی ہے،مصابیح کا ایک شارح کہتا ہے کہ یہ تصغیر ہے بھمة کی، جو کہ دنبہ کے بچے کو کہتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں: بھیڑ کے ایسے چھوٹے بچے کو کہا جاتا ہے جس کو اس کی ماں نے پہلی بار جنا ہو۔بعض حضرات نے اس سے بکری کا چھوٹا بچہ مراد لیا ہے۔

(داجن): صاحب مواھب کہتے ہیں: اس کا معنی فربہ کے ہیں۔اور شرح مسلم میں ہے اس سے مراد وہ جانور ہوتے ہیں جو گھروں میں پالے جاتے ہیں۔اس کی تائید قاموس کی تحقیق سے بھی ہوتا ہے۔کیونکہ قاموس میں ہے: دجن بالمكان دجوناً، یعنی پالنا، اور اس سے مراد کبوتر، بھیڑ وغیرہ جو گھروں میں پالے جاتے ہیں وہ ہیں۔(فذبحتها ...... وطحنت الشعير): یعنی اہلیہ نے جو پیس دیئے۔ایک نسخہ میں متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے۔لیکن پہلا صیغہ مطلب کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ گھر کے کاموں میں مرد وعورت کے کاموں میں عام طور پر اس طرح کی ترتیب ہوا کرتی ہے، اگر چہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے ایک دوسرے کے کاموں میں شریک بھی ہو جاتے ہیں۔تاکہ کام جلدی ہو جائے۔نیز اس پر بخاری کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں، چنانچہ بخاری میں ہے ففرغت الى فراغی کہ وہ بھی میرے ساتھ ہی اس کام سے فارغ ہوگئی۔تطبیق کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ میں نے اپنی بیوی یا کسی اور کو اس کے پیسنے کا حکم دیا۔(حتی جعلنا): یہ لفظ بالاتفاق جمع متکلم سے صیغہ کے ساتھ ہے۔(اللحم فی البرمة): پتھر کے ہانڈی کو کہتے ہیں۔بعض حضرات کہتے ہیں پتھر کی تخصیص نہیں مطلقاً ہانڈی کو کہا جاتا ہے اگر چہ اصل میں پتھر کی بنی ہوئی ہانڈی کو کہا جاتا ہے۔(ثم ...... فساررته): امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر کہیں پوری جماعت موجود ہو تو کسی سے سرگوشی کرنا جائز ہے۔سرگوشی کی ممانعت اس مقام پر ہے، جبکہ کل تین اشخاص ہوں اور ان میں سے دو ایک کو چھوڑ کر سرگوشی کریں۔انتھیٰ

اس میں کافی بحث کی گنجائش ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے نہی اس وقت ہوتی ہے اس سے جماعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

(فقلت ...... لنا): یہاں لفظ بهیمه تصغیر کے ساتھ کم تر سمجھتے ہوئے ذکر فرمایا گیا ہے، کہ جس کی ضیافت کرنی تھی اس کی شان اس سے بہت زیادہ تھی۔(وطبخت): واحد مؤنث غائب اور واحد متکلم دونوں صیغہ ممکن ہیں۔(صاعًا من شعير): مقصود یہ بتلانا ہے کہ آپ صحابہ بہت زیادہ ہیں جبکہ کھانا بہت کم مقدار میں پکا ہوا ہے، اس لئے فرمایا۔(فتعال ...... معك): لفظ نفر، دس سے کم کم پر بولا جاتا ہے۔جبکہ قاموس میں ہے، لفظ نفر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے، چاہے دس یوں یا زیادہ۔

آنحضرت ﷺ نے دوسرے مطلب کی رعایت فرمائی کیونکہ اسی کا آپ کو حکم ربانی تھا۔(فصاح ...... سورًا): لفظ

سور، سین کے ضمہ اور واؤ ساکن کے ساتھ، کھانا۔ اور قاموس میں ہے یہ دراصل فارسی کا لفظ ہے جو شادی کے کھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں آنحضرت کے زبان پر جاری ہوا۔ (فحي): یاء پر تشدید۔ (هلاً): ھاء پر فتحہ اور ''لا'' پر تنوین۔ ایک اور نسخہ میں بغیر تنوین کے ہے۔ (بکم): یہاں باتعدیہ کے لئے ہے، اور معنی ہے سب جلدی جلدی وہاں پہنچ جائیں۔ امام نوویؒ کہتے ہیں لفظ سور، سین کے ضمہ کے ساتھ یہ مہموز نہیں ہے، یعنی سؤر نہیں بلکہ اصلاً ہی بغیر ہمزہ کے ساتھ ہے، اس سے وہ کھانا مراد ہوتا ہے، جو بطور ضیافت پکایا جاتا ہے بعض حضرات کہتے ہیں مطلق کھانے کے معنی میں ہے جو کہ اصل میں فارسی لفظ ہے اور بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کی زبان پر کئی فارسی الفاظ جاری ہوئے۔ جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر عربی زبان کے الفاظ کا استعمال جائز ہے۔ باقی ''حي هلا'' میں هلاً تنوین کے ساتھ ہے۔ بعض کہتے ہیں علا کے وزن پر بغیر تنوین کے ہے۔ حي هل بھی پڑھا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہوتا۔ تم پر یہ چیز لازم ہے اور میں تمہیں اس کی طرف بلاتا ہوں۔ قاموس میں لفظ هلا کے معنی و مبنی کو خوب پھیلایا گیا ہے۔ لیکن ہم نے اس میں اقتصار سے کام لیا ہے کیونکہ حدیث کی تفصیل ذکر کرنی ہے۔

(فقال...... لا تنزلن): تاء اور لام دنوں کے ضمہ کے ساتھ۔ (برمتلم تخبزن): تاء کے زیر اور باء کی زیر کے ساتھ (ضرب سے) ہے نیز زاء پر ضمہ ہے۔ (وجاء...... له): لفظ پر خرجت واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ ایک اور نسخہ میں واحد مؤنث غائب کے صیغہ کے ساھ ہے۔ (فبصق فيه): امام نوویؒ کہتے ہیں لفظ یصق اکثر کتب اصول میں لفظ صاد کے ساتھ منقول ہے البتہ کچھ کتابوں میں لفظ سین کے ساتھ بھی منقول ہے، لیکن یہ لغت بہت قلیل ہے۔ انتھٰی مطلب یہ ہے کہ آنحضرت نے اس میں اپنا لعاب دھن ڈالا۔ (وبارك): اور برکت کی دعاء فرمائی۔ (ثم عمد): میم کے زبر کے ساتھ پھر ہماری ہانڈی کے طرف متوجہ ہوئے اور اس میں بھی لعاب دھن ڈالا ہو۔ (وبارك ثم قال: ادعي): لفظ ''ادعي'' ہمزہ وصل مضموم اور عین کی کسرہ کیساتھ دعا یدعو سے امر کا صیغہ ہے۔ (خابزة): روٹی پکانے والی کو بلاؤ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: بعض کتب اصول میں یہ صیغہ واحد مؤنث مخاطب کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے، یعنی مونث کو مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، اسی وجہ سے آگے فرمایا: (فلتخبز معك): اگر معك، کاف کے کسرہ کے ساتھ ہو۔ بعض روایات میں لفظ ''ادعي'' کی جگہ ادعوا، واؤ کے ساتھ ہے۔ اور بعض روایات میں ''ادع'' واحد مذکر مخاطب کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ (واقدحي): لفظ اقدحي، دال کے فتحہ کے ساتھ یعنی ہانڈی سے سالن نکالتی رہو۔ امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں: قدحت المراق، کا معنی ہانڈی سے سالن نکالنے کے آتے ہیں اور اسی سے المقدح کا لفظ بطور ظرف استعمال ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے کلام کے اسلوب کو اس طرح تبدیل فرمایا کہ جس سے گھر کی ذمہ دار عورت مخاطب ہوئی۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ غالباً جملہ فلتخبز معك کاف خطاب کے بجائے اضافت الی یاء متکلم کے ساتھ معي ہے، چنانچہ مصابیح کے کچھ نسخوں میں بھی یاء کی طرف اضافت کے ساتھ موجود ہے، لہٰذا یہاں اس جملہ کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ امام نوویؒ کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ معی کے ساتھ کوئی روایت نہیں یعنی یاء کی طرف اضافت کے ساتھ کسی روایت میں

واقع نہیں۔ اگر یہ لیا جائے کہ کلمہ ادعي ہی ہے۔ تب بھی جملہ فلتخبز معك تلوین خطاب میں سے نہیں ہوسکتا۔ [طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی بات پوری ہوگئی]

ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں کہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف بات ہی ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: لا تنزلن...... ولا تخبزن، پھر فرمایا: ادعي خابزة فلتخبز معك، پھر فرمایا: واقد حي من برمتكم، اس میں افراد اور جمع دونوں کے ساتھ خطاب ہے۔ پھر فرمایا: (ولا تنزلوها): یعنی جمع مذکر کے صیغہ کے ساتھ اسی پہلے اسلوب پر علی سبل التغلیب تو اب ذرا بتایئے اس سے بڑھ کر اور تنوین کیا ہوسکتی ہے؟ اتنی بات ضروری ہے کہ بیچ کلام میں آنحضرت نے حضرت جابرؓ کی بیوی کو مخاطب کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ گھر کے مالکن کی خدمت بھی قابل ستائش ہے اُسے بھی کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

باقی میری اس تقریر وتحریر سے آپ کے سامنے پر بھی واضح ہوگیا، کہ جملہ فلتخبتر، لفظ معك یا معي جس کے ساتھ بھی پڑھا جائے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ باقی حقیقت کلام اللہ ہی جانتا ہے۔ (ان بُر متنا لتغط): غین کی کسرہ اور طاء کی تشدید کے ساتھ۔

کما ھی کی ترکیب:

ھی مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی ھی علیه قبل ذالك اور معنی یہ ہے، وہ اسی طرح جوش مار رہی تھی، جیسے پہلے مار رہی تھی۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: لفظ "کما" میں "ما" کافہ ہے، اس پر کاف کا داخل کرنا جائز ہے، اور ھی مبتداء ہے اس کی خبر قبل ذلك محذوف ہے۔

وان ...... ھو: اور آٹا بھی اسی طرح تھال میں پڑا تھا جیسے پہلے تھا اس میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کھانے کی اس مقدار نے جو چند ہی آدمیوں کے لئے کافی ہوسکتی تھی، نہ صرف یہ کہ ایک ہزار آدمیوں کو شکم سیر کرایا، بلکہ جوں کا توں بچ بھی گیا، یہ دراصل اس ذات گرامی کی برکت کا طفیل تھا جو تمام برکتوں کی منبع ہے اور آسمان وزمین ان ہی کی برکتوں سے معمور ہیں۔ اس طرح کے بے شمار معجزات یعنی جو کھانے کی قلیل مقدار کا بڑھ جانا، انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا اور ذرا سے پانی کا بہت ہو جانا، کھانے سے تسبیح کی آواز آنا، کھجور کے تنے سے آہ وزاری کرنا، ایسے ایسے واقعات ہیں جو احادیث میں کثرت سے مذکور ہیں اور ان سے متعلق روایتیں حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جن سے علم قطعی حاصل ہو جاتا ہے۔

ان معجزات کو جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی دلیل ہیں مختلف محققین مثلاً قفال شاشی ان کے ساتھی عبداللہ حلیمی، ابوبکر بیہقی اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں نے بڑی کاوش اور محنت کر کے اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس سلسلہ میں زیادہ عمدہ کتاب امام بیہقی کی دلائل النبوہ کو مانا گیا ہے۔

غزوۂ خندق......حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیشینگوئی

۵۸۷۸: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَمَّارٍ حِيْنَ يَحْفِرُ الْخَنْدَقَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ بُؤْسَ ابْنِ سُمَيَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۲۲۳۵/۴ حديث رقم (۷۰-۲۹۱۵) واخرجه الترمذی فی السنن ۶۲۸/۵ حديث رقم ۳۸۰۰۔

ترجمہ: "(مشہور صحابی) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمار (ابن یاسر) رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ ہائے سمیہ کے بیٹے (عمار ابن یاسرؓ) کی سختی و مشکل کہ تمہیں باغیوں کا ایک گروہ قتل (شہید) کر ڈالے گا"۔

تشریح: حین یحضر الخندق: یہ حال ماضی کی حکایت ہے۔

ویقول بؤس: یاء پر ضمہ اور ہمزہ ساکن۔ کبھی ہمزہ کو واؤ سے بدلا جاتا ہے، نیز سین کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، یہ کلمہ "ابن سمية" کے طرف مضاف ہے۔ اور کلمہ سمیہ کے سین پر ضمہ اور میم پر فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ یہ حضرت عمار کی والدہ محترمہ ہیں یہ مکہ میں مسلمان ہوئی تھیں۔ اور دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ بھی کفار مکہ کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی تھیں، اور ان کو دین سے ہٹانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن عورت ذات ہونے کے باوجود ظالموں کے ہاتھوں سخت اذیتیں اور مصیبتیں سہیں۔ لیکن دین کے راستے سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں۔ آخر کار ابوجہل لعین نے ایک دن ان کے پیٹ میں خنجر مار کر ان کو شہید کر دیا۔ ابن ملک وغیرہ حضرات نے لکھا ہے، حضرت عمارؓ کی والدہ ابوحذیفہ مخزومی کی بیٹی تھی ان کے شوہر کا نام برسر ہے حضرت یاسر ابوحذیفہ ان کے حلیف تھے جب یاسر سے ان کا بیٹا عمار پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور یوں ابن سمیہ اصل میں یاشدۃ عمار احضری ہے، اے عمار کی مصیبت آ جاء! یہی شخص تیرا مددگار ہے۔ یعنی یہاں حرف نداء محذوف ہے: اسماء اجناس سے پہلے حرف نداء کے حذف کرنے کی صرف گنجائش ہوتی ہے۔ جبکہ اسماء اعلام سے پہلے ان کا حذف کرنا قیاسی ہے۔ ایک روایت میں بُوس رفع کے ساتھ ہے جو کہ کچھ نسخوں میں بھی پایا جاتا ہے اس صورت میں یہ مبتداء ہے، اور اس کی خبر علیك مقدم ہے، اصل میں یوں ہے علیك بُوس یا یصیبك بوس ہے۔ اس صورت میں ابن سمیہ منادیٰ مضاف ہوگا یعنی یا ابن سمية......۔ ایک شارح نے لکھا ہے: اس کا معنی ہے ندا "بوس" کوزی حالانکہ مراد ان کو ندا دینا تھا۔ اسی وجہ سے پھر آپؐ ہی کو مخاطب کر کے فرمای "تقتلك الفئة الباغية کہ ایک جماعت امام وقت اور خلیفہ زمان کے خلاف خروج کرے گی وہی عمار کو قتل کرے گی۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمار بن یاسر پر باغی جماعت کی جانب سے آنے والی تکلیف پر رحم آ رہا تھا، اور باغی جماعت سے مراد آنحضرت کی پیشینگوئی حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کے متعلق تھی کیونکہ حضرت عمار جنگ صفین میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ ابن ملک کہتے ہیں: حضرت عمار کو حضرت معاویہ اور ان کی جماعت نے قتل کیا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشینگوئی کے مطابق اس حدیث سے یہی جماعت سرکش اور باغی تھی کیونکہ عمارؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں تھے اور اس وقت حضرت علیؓ ہی امامت کے مستحق تھے، جن کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے حضرت معاویہ اور ان کی جماعت نے انکار کیا تھا۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ اس حدیث کے الفاظ میں تاویل کرتے ہوئے فرماتے تھے لفظ باغیه یہاں بغی سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی بغاوت کے ہیں، بلکہ بغاء سے مشتق ہے جس کے معنی ڈھونڈھنا، طلب کرنا ہیں، اس اعتبار سے ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے ارشاد تقتلك الفئة الباغيه کا ترجمہ یہ ہوا کہ تمہیں مطالبہ کرنے والوں کا گروہ قتل کرے گا۔ اور فرماتے تھے:

نحن فئة باغية طالبة بدم عثمان، یعنی ہم حضرت عثمان کے خون بہا کا مطالبہ کرنے والی جماعت ہیں۔ لیکن عقل ونقل کی روشنی میں حضرت معاویہ کی یہ تاویل نہیں بلکہ صریح تحریف ہے کیونکہ خون بہاء کے مطالبہ کے ساتھ یہاں معنی کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث حضرت عمار کی فضیلت اور اس کے قاتل کے خون کے اظہار کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ ان کے قاتل کے حق میں لفظ ویح منقول ہے، اور لفظ ویح ایک ایسا کلمہ ہے جو ایسے شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو ہلاکت کا مستحق ہو اور کسی طرح کے دعا کا حقدار نہ ہو، اور وہ عیب بعد میں بھی اس کے ساتھ رہے جب کہ اس کے مقابلہ میں لفظ ویل کلمہ زجر وعقوبت ہے اور یہ اس شخص پر بولا جاتا ہے، جو سزا کا مستحق ہو اور اس کے لئے دعا نہیں ہوتی ہے۔

جامع صغیر میں بروایت امام احمدؒ اور بخاریؒ، حضرت سعدؓ سے مرفوعاً روایت ہے، ویح عمار تقتله الفئة الباغيه يدعوهم الى الجنه ويدعونه الى النار.

عمار کی ہلاکت:

ان کو باغی جماعت قتل کرے گی عمار ان کو جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ ان کو جہنم کی طرف دعوت دے رہے ہوں گے۔

اور یہ روایت لفظ بغی کی وضاحت میں نص صریح کی مانند ہے کہ بغی مطلق مراد ہے جیسے باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ﴿وينهٰى عن الفحشاء والمنكر والبغى﴾ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فان بغت احداهما على الاخرىٰ﴾ لہٰذا شرعی لفظ کا معنی لغوی پر اطلاق عدل سے عدول ہے اور ظلم کی طرف میلان میں داخل ہے جو کہ کسی بھی شئے کا بے محل استعمال ہے۔

امیر معاویہؓ نے جواب دیا، عمار کو علیؓ اور ان کی جماعت نے مارا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے تو ان کو قتال پر ابھارا تھا۔ تو مآل کے اعتبار سے وہی قاتل ٹھہرے، لیکن یہ تاویل پہلے والی تاویل سے زیادہ قبیح تاویل ہے۔ کیونکہ تب تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کو آنحضرت ﷺ نے قتل کیا کہ وہ اُحد کے جنگ میں ان کو لائے تھے، بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا کہ اللہ نے مؤمنین کو مشرکین سے لڑنے کا حکم فرمایا تھا۔

بایں طور حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تین معجزات کا ذکر ہے۔

① اس میں یہ فرمایا کہ عمار قتل کیے جائیں گے۔ ② وہ مظلوم ہوں گے۔ ③ ان کو قتل کرنے والا باغی جماعت کا فرد ہوگا۔

چنانچہ تینوں پیشینگوئیاں اسی طرح پوری ہوئیں، جس طرح آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا۔

پھر میں نے شیخ اکمل الدینؒ کی کتاب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ سے منسوب یہ دونوں باتیں حضرت معاویہ پر افتراء ہیں کیونکہ پہلی بات سے حدیث میں تحریف لازم آتی ہے اور دوسری بات کو صحابہ میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اپنی جان مال کو اللہ کے راستے میں استعمال کرتے رہے ہیں لہٰذا یہ حضرت معاویہ پر افتراء ہے انہوں نے نہ تو حدیث کی تاویل کی ہے اور نہ حضرت عمارؓ کے بارے میں ایسی پست بات کہی ہے کیونکہ یہ ان کی عقل وفراست سے بہت بعید بات ہے کہ کسی ایسی چیز میں مبتلا ہوئے ہوں کہ جس کا غلط ہونا ہر خاص وعام پر عیاں ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں جب حضرت معاویہؓ پر واجب تھا کہ وہ اپنی بغاوت کو چھوڑ کر امام برحق کی اطاعت کریں اور مخالفت اور خلافت کی طلب کو چھوڑ دیں تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ باطناً باغی تھے اور ظاہر میں حضرت عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے طالب' مراعی ومرائی تھے۔ پس یہ حدیث ان کے عمل کی بابت ناہی ہے لیکن یہ کتاب (صحیفہ تقدیر) میں لکھا ہوا تھا' سو ان کے نزدیک قرآن وحدیث دونوں ہی مہجور ہوگئے' پس اس حدیث نے اس راز کو ظاہر کردیا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگ اس حدیث کو دیکھ کر اور اس کے محمول ومصداق کو جان کر حضرت معاویہؓ کے حق میں زبان سے لعن وطعن کریں اور ان کی ذات کو ہدف ملامت بنائے، کوئی اس طرح کرے گا وہ کتاب اللہ اور احادیث دونوں کا منکر ہوگا کیونکہ ان حضرات کے مناقب اور فضیلت قرآن وسنت دونوں نے بیان کیا ہے، اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے انصاف سے کام لیا ہو اور تعصب وتعسف کا شکار نہ ہوا ہو اور عقیدہ میں میانہ روی اختیار کی۔

تا کہ راہِ ہدایت کی دونوں اطراف رفض وناصبیت میں نہ پڑے اور جمیع آل وصحابہ سے محبت رکھے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر قریش مکہ کی کمزوری کے متعلق ایک پیشینگوئی

۵۸۷۹: وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُجْلِيَ الْاَحْزَابُ عَنْهُ الْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۴۰۵/۷ حديث رقم ۴۱۰۹ و احمد فی المسند ۲۶۲/۴۔

ترجمہ: ''حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ جب (غزوہ احزاب میں) کفار کے گروہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مقابلہ سے متفرق ہوگئے تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (اس موقع پر) فرمایا: اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے' وہ ہم پر چڑھائی نہ کرسکیں گے ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ (بخاری)

تشریح: (قال...... اجلی): لفظ اَجلی صیغہ معروف کے ساتھ۔ ایک نسخے میں صیغہ مجہول کے ساتھ منقول ہے۔ اس کا معنی کسی چیز کا جدا ہونا یا ظاہر ہونا۔ (الاحزاب عنه): اس میں غزوۂ خندق کا ذکر ہے جب کفار کی مختلف جماعتیں

آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوگئی تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: قریش میں سے بنی کنانہ اور اہل مکہ کے دس ہزار افراد تھے، ان کا سردار ابوسفیان تھا' غطفان کے ایک ہزار آدمیوں نے خروج کیا' ان کے ساتھ اہل نجد بھی تھے جن کا قائد عیینہ بن حصن تھا اور ہوازن بھی تھے جن کا سردار عامر بن طفیل تھا۔ ان کے علاوہ یہود کے دو قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی ان کے پشت پر تھے۔ دشمن نے مسلسل ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا اس عرصہ میں باقاعدہ کوئی جنگ نہیں ہوئی کبھی کبھار تیر اندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے شروع ہو جاتا تھا آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد ظاہر فرمائی، ملائکہ نازل ہوئے جو دشمن کی نگاہوں پر ظاہر ہوئے بغیر اس کو نا کام بنانے میں لگے رہے۔ ہوا اور آندھی کا ایسا طوفان آیا جس نے کفار کے لشکر میں سخت ابتری پھیلا دی اور ان کے دلوں پر ایسا رعب بیٹھ گیا کہ پورا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑا ہو، ادھر حضرت طلحہ بن خویلد اسدی نے آواز لگائی النجا النجا کہ اللہ نے کفار کو شکست دی، اس طرح بغیر لڑائی کے شکست کھا گئے۔ یہی مطلب ہے اجلي کا (یعنی جب جنگ کے بادل چھٹ گئے) کا۔

(فقال النبی ﷺ): اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج سے۔ **(نغزوھم)**: ہم ان کے خلاف اقدامی جہاد کریں گے۔ اگرچہ مبالغۃً الآن فرمایا۔

ولا عزونا: نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ۔ اگر تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو فک ادغام کرتے ہوئے **ولا یغزوننا** ہوگا جیسا کہ ایک نسخہ میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ اب وہ ہم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے۔ اس میں مقابلہ کے لئے مشاکلت ہے۔

نحن نسیر الیھم: ہم ان پر لشکر کشی کریں گے وہ ہم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ یہ پیشینگوئی بعینہ اسی طرح پوری ہوئی، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد ان پر لشکر کشی ہوئی اور مکہ فتح ہوا، اور آنحضرت ﷺ کو غلبہ نصیب ہوا **وللہ الحمد والمنہ**۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا ارشاد "**الآن نغزوھم**" اس بات کی خبر تھی کہ آج سے مشرکین کی شان وشوکت کم ہوگئی ہے، اب کبھی بھی ہمیں پچھاڑنے کی انہیں ہمت نہیں ہوگی اب بجائے ان کے ہم ان سے جہاد کریں گے اور ان کو قتل کریں گے اور ان پر دائرہ سور ہوگا۔ چنانچہ ویسے ہی ہوا جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔

غزوہ بنی قریظہ

۵۸۸۰: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السَّلَاحَ وَاغْتَسَلَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَاْسَهٗ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السَّلَاحَ وَاللّٰهِ مَاوَضَعْتُهٗ اُخْرُجْ اِلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ فَاَشَارَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۰۷/۷حدیث رقم ۴۱۱۷ومسلم فی صحیحه ۱۳۸۹/۳حدیث رقم (۱۷۶۹-۶۵)۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس آئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار (اپنے جسم سے اتار کر) رکھ دیئے اور غسل تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے وہ اپنے سر سے گرد وغیرہ جھاڑ رہے تھے' پس جبرئیل علیہ السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہتھیار اتار دیئے لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں اتارے' آپ ان (کفار) کی طرف چلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہوگئے۔'' (بخاری)

تشریح: وهو ينفض رأسه من الغبار: ضمیر غائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یا جبرئیل کی طرف لوٹ رہی ہے' ظاہر الفاظ سے یہی قریب ہے۔ بنو قریظہ یہودیوں کا وہ قبیلہ تھا جو مدینہ شہر کے اطراف میں آباد تھا۔ انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحانہ معاہدہ کے باوجود غزوۂ خندق میں دشمنوں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اللہ کی مدد کیسے آئی' قدم بقدم معجزات ظاہر ہوئے۔ اس کی تفصیل کتب سیر اور بعض تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

۵۸۸۱: وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيْ قَالَ اَنَسٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِيْ زُقَاقِ بَنِيْ غَنْمٍ مَوْكِبَ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ ۔ (صحیح بخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٠٧/٧ حديث رقم ٤١١٨ و احمد في المسند ٢١٣/٣۔

ترجمہ: ''اور بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا جبرائیل کے ہمراہیوں کی سواریوں کی وجہ سے بنو غنم کی گلیوں میں غبار اٹھتا دیکھ رہا ہوں' یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

تشریح: غنم: غین کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ، انصار کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

''زقاق'' زاء کے ضمہ کے ساتھ' کوچہ (گلی) کو کہا جاتا ہے۔ موکب صحیح بخاری کی روایت کے مطابق منصوب بنزع الخافض ہے نیز شرح السنۃ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں بھی منصوب ہے۔ بنزع الخافض ہی منقول ہے۔ البتہ کچھ نسخوں میں ''من'' کے ساتھ لفظ من جارہ موجود ہے۔ اور لفظ ''موکب'' میم کے فتحہ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ النہایہ میں ہے: جماعة ركاب يسيرون ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس محلّہ کے گلی کوچہ میں لوگوں کی آمد و رفت نہیں تھی اسی وجہ سے اس کوچہ میں اٹھتا ہوا گرد و غبار دیکھ کر حضرت انس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فرشتوں کا لشکر ساتھ چل رہا ہے اور اس کے قدموں سے یہ گرد و غبار اٹھ رہا ہے۔ نیز غالب گمان یہ ہے کہ فرشتوں کے اس لشکر کے سالار حضرت جبرائیل تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہے تھے اور ان کی طرف اضافت اس لئے کی کہ فرشتوں کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کی تھی۔

اُنگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ

۵۸۸۲: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ

رَکْوَۃٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَہٗ قَالُوْا لَیْسَ عِنْدَ نَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهٖ وَ نَشْرَبُ اِلَّا مَا فِیْ رَکْوَتِكَ فَوَضَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فِی الرَّکْوَۃِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَفُوْرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِهٖ کَاَمْثَالِ الْعُیُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِیْلَ لِجَابِرٍ کَمْ کُنْتُمْ قَالَ لَوْ کُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَکَفَانَا کُنَّا خَمْسَ عَشَرَۃَ مِائَةً۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۴۱/۷حدیث رقم ۴۱۵۲ومسلم فی صحیحه ۱۴۸۴/۳حدیث رقم (۷۳-۱۸۵۶) و احمد فی المسند ۳۲۹/۳۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے روز لوگوں کو شدید پیاس لگی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل (لوٹا) تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے وضو کیا۔ پس لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت اقدس میں) آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے پاس پینے کیلئے اور وضو کرنے کے لئے پانی بالکل نہیں ہے۔ بس اتنا سا پانی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاگل میں بچا ہوا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک چھاگل میں رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی جوش مارنے لگا جیسے چشموں سے نکلتا ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سب نے وہ پانی پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ (اس دن) آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی تو (جو آپ سب لوگوں کو پورا ہو گیا) جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر ہم لاکھ (صحابی) ہوتے تب بھی وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔ ہم پندرہ سو تھے۔

تشریح: عطش: طاء کے کسرہ کے ساتھ (سمع سے ہے)۔

یوم الحدیبیہ: یاء ثانی کے تخفیف کی ساتھ زیادہ فصیح لغت ہے۔ **قال:** کہنے لگے، یہ جملہ مستأنفہ بیانیہ ہے۔ **ماء:** الف ممدودہ کے ساتھ۔ **نشرب:** اس کے بعد لفظ "منه" مقدر ہے۔

ماء: مقصورہ موصولہ ہے اور مستثنیٰ متصل اور منقطع ہر دو کا احتمال ہے، یہاں ایک جملہ محذوف ہے کہ ہر کوئی جانتا تھا کہ ایک لوٹے کا پانی اتنی بڑی جماعت کے لئے ناکافی ہے۔ **(فجعل ...... العیون):** پانی اس طرح ابلنے لگا۔ جیسے پہاڑوں چٹانوں اور زمین کی رگوں سے چشمے جاری ہو گئے ہوں۔ **(قال ...... وتوضأنا):** ہم سب لوگوں نے خوب پانی پیا، خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جن کو یہ مقدس پانی پینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس کے طفیل میں ظاہر و باطن کی کسی کیسی پاکیزگی ان کو حاصل ہوئی، کیونکہ زمین و آسمان میں اس پانی سے زیادہ افضل اور کوئی پانی نہیں تھا۔ اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا اور مددگار ہے۔ **(قیل ...... کم کنتم):** کہ اس دن تم تھے کتنے، کہ اتنا تھوڑا سا پانی آپ سب کو کافی ہو گیا۔ یہاں سوال معجزہ کے مقام کے لحاظ سے غیر مناسب تھا۔ اس لئے اولاً حضرت جابرؓ نے جواب لطیف طنز کے ساتھ دیا۔

(قال ...... الف): کہ بھلا معجزہ کے معاملہ میں کمیت کے بارے میں پوچھنا بھی کوئی بات ہوئی؟ چاہے ہم ایک لاکھ کیوں نہ ہوتے۔ ہمارے لئے پانی کافی ہو جاتا۔ **(کنا ...... مائة):** طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت جابرؓ نے ظاہر سوال سے عدول اس لئے فرمایا، کہ قلت اور کثرت دونوں کا احتمال موجود تھا اور ان کا یہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس میں تحری فرمائی پھر غالب ظن اسی مقدار پر ٹھہرا تو ظاہر کر دیا، نیز انہوں نے ایک ہزار پانچ سو کہنے کے بجائے "پندرہ سو" اس نکتہ کے پیش نظر کہا

کہ کثرت کا جو تاثر پندرہ سو کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے وہ ایک ہزار پانچ سو کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور حضرت براءؓ کا قول جو کہ اس حدیث کے بعد اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ ہم چودہ سو تھے اور باب قسمۃ الغنائم کی دوسری فصل میں بھی اس کی تحقیق لکھ آئے ہیں کہ اہل حدیبیہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ باقی جن لوگوں نے پندرہ سو کہا ہے تو ان کو وہم ہو گیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ان روایتوں کو اس طرح تطبیق دیا ہے کہ تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی، لیکن سو سے کم تھی، لہٰذا جن لوگوں نے چودہ سو کہا ہے انہوں نے کسور کو شمار نہیں کیا اور دوسرے قول والوں نے کسور کو پوری دہائی شمار کر لیا ہے۔ ایک قول تیرہ سو کا بھی ہے' انہوں نے اپنے علم پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تعداد بتائی ہے۔ اس کے علاوہ سولہ سو، سترہ سو کی بھی روایت موجود ہے ان لوگوں نے شاید نوکر چاکر اور بچوں کو بھی ملایا ہے۔ ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اہل حدیبیہ کی تعداد پندرہ سو پچیس/۱۵۲۵ تھی اور یہی آخری بات ہے۔ واللہ اعلم۔ (متفق علیہ)

آبِ دہن سے بئر حدیبیہ کا بھر جانا

۵۸۸۳: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَالْحُدَيْبِيَّةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَا هَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهٗ فِيْهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوْهَا سَاعَةً فَاَرْوَوْا اَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتّٰى ارْتَحَلُوْا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٤١/٧ حديث رقم ٤١٥١ و احمد في المسند ٢٩٠/٤۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم تقریباً چودہ سو صحابی حدیبیہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں ہے، ہم نے اس کا سارا پانی نکال لیا تھا اور ایک قطرہ پانی بھی اس میں نہیں چھوڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کنویں کے کنارے بیٹھ گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا برتن منگا کر وضو کیا اور بعد میں کچھ پانی منہ میں ڈالا اور دعا کی پھر یہ پانی (منہ کا) کنویں میں ڈال دیا اور کہا کہ اسے کچھ دیر رہنے دو۔ اس کے بعد کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ لوگوں نے اپنے مویشی تک اس سے سیراب کئے اور جب تک وہاں سے کوچ نہ کر لیا پانی لیتے رہے۔

تشریح: بئر: ہمزہ کے ساتھ، کبھی یاء سے بدل کر "بیر" بھی پڑھا جاتا ہے۔

دعوها ساعة: شاید اس طرف اشارہ تھا کہ دعا کی قبولیت تدریجاً ہو گی اور ساعت سے مراد ساعت عرفی یعنی مدت قلیل مراد ہے۔

پھر اس ساعت کے بعد اتنا پانی آ گیا تو تمام لشکر والوں نے خود بھی سیر ہو کر کیا اور اپنے اونٹوں اور اپنی سواریوں اور مویشیوں کو بھی خوب پلایا۔ جیسا کہ عرف میں مختلف اطلاقات ہوتے ہیں' اسی کنویں سے پانی لیتے رہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اس واقعہ سے پہلے کا ہے اور حدیبیہ میں معجزہ مکرر پیش آیا۔

لوگوں پر عمومی وخصوصی (ہر اعتبار سے) تعجب ہے کہ کسی نے بھی اس کنویں کو یاد نہیں رکھا اور نہ خیر کثیر کی طمع میں ہی اس پر کوئی بڑی تعمیر کی۔ حالانکہ حدیبیہ جدہ کی سمت مکہ سے قریب واقع ہے۔

سفر جہاد میں پانی میں برکت کا ایک اور معجزہ

۵۸۸۴: وَعَنْ عَوْفٍ عَنْ اَبِیْ رَجَآءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِیْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكٰى اِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيْهِ اَبُوْ رَجَآءٍ وَنَسِيَهٗ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ اِذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَآءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا اِمْرَاَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ اَوْ سَطِيْحَتَيْنِ مِنْ مَّآءٍ فَجَاءَ ابِهَا اِلَى النَّبِیِّ فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا وَدَعَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِنَآءٍ فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ اَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ وَنُوْدِیَ فِی النَّاسِ اِسْقُوْا فَاسْتَقَوْا قَالَ فَشَرِبْنَا عِطَاشًا اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا حَتّٰى رَوِيْنَا فَمَلَاْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَعَنَا وَاِدَاوَةٍ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَقَدْ اُقْلِعَ عَنْهَا وَاِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اِلَيْنَا اِنَّهَا اَشَدُّ مِلْئَةً مِنْهَا حِيْنَ ابْتُدِئَ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱/ ٤٤٧ حدیث رقم ٣٤٤ ومسلم فی صحیحه ۱/ ٤٧٤ حدیث رقم (۳۱۲-٦٨٢)

ترجمہ: حضرت عوفؒ حضرت ابورجاء سے اور وہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک سفر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی۔ پس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں (شخص معروف) کو بلایا اس ''فلاں'' کا نام ابورجاء نے تو بیان کیا تھا لیکن عوف بھول گئے (اس لئے انہوں نے ''فلان'' کی تعبیر اختیار کی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا اور فرمایا کہ تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرؤ وہ پانی کی تلاش میں چلے گئے تو انہوں نے ایک عورت کو جو پانی کے دو مشکیزوں کے درمیان بیٹھی تھی (یعنی اونٹ پر لٹکے ہوئے دو مشکیزوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی یا راوی نے بیان کیا ہے کہ پانی کے دو ذرا چھوٹے مشکیزوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اور اسے اونٹ سے اتار لیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگا کر اس میں دونوں مشکیزوں کے دہانوں سے پانی انڈیل دیا پھر لوگوں میں منادی کر دی گئی کہ آ ؤ پانی پیو اور پلاؤ حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے خواب پانی پیا اور اپنی اپنی مشکیں اور چھاگلیں بھی اچھی طرح بھر لیں جب ہم پانی لے لے کر تھک گئے تو ہم نے محسوس کیا کہ پانی کے مشکیزے پہلے سے زیادہ بھرے ہوئے ہیں''۔

تشریح: مزادتین: میم کے فتحہ کے ساتھ۔ یعنی دو مشکیزوں کے درمیان سوار ہو کے آ ہی تھی، اس سے اصل میں وہ دو بوریاں یا تھیلے مراد ہیں جن میں مشکیزے ڈال کر اونٹ وغیرہ پر لاد دیے جاتے ہیں۔ (او سطیحتین): قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ بھی مشکیزوں کی ایک قسم ہے جو کہ دو چمڑوں سے اس طرح بناتے ہیں کہ وہ باہم مقابل ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر بیٹھائے جاتے ہیں۔ امام جزریؒ کہتے ہیں: سطیحه یہ مشکیزے سے تھوڑا سا چھوٹا پانی کا برتن ہوتا ہے۔ (من ماءٍ): اس کا بیان ہے کہ اس مشکیزے میں کیا تھا۔ (الی النبی...... عن بعیرھا): طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فاستنزلوھا کی ضمیر کو عورت کے طرف راجع

کرنا جائز ہے، اس صورت میں معنی ہوگا کہ انہوں نے عورت کو اونٹ سے اترنے کو کہا۔ بعض حضرات کہتے ہیں یہ ضمیر المزاده کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ دونوں صحابیوں نے مشکیزہ اتار دیا۔ بہر کیف مجرد ہو یا مزید معنی ایک ہی بنتا ہے۔ (ففرغ): راء کی تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے)۔ (فیه من افواه المزادتین): ان مشکیزوں کے منہ سے کچھ پانی اس برتن میں ڈالا۔ اس سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ راوی کے ہاں راجح بات یہی ہے۔ (و نودی...... اسقوا): لفظ اسقوا ہمزہ قطعی مفتوحہ کے ساتھ۔ لیکن بعض حضرات کہتے ہیں یہ صیغہ ہمزہ وصل کے ساتھ ہے اور اس پر کسرہ ہے۔ یعنی خود بھی پیو دوسروں کو بھی پلاؤ۔ لیکن بقدر ضرورت لے لو۔ (فاستقوا): چنانچہ سب نے سیر ہو کے پیا، اور اپنے اپنے برتنوں کو بھرا۔ (قال): حضرت عمران کہتے ہیں۔ (فشربنا عطاشاً): عطاشاً، عین کے کسرہ کے ساتھ، یہ شربنا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ (اربعین رجلاً): یہ ماقبل کا بیان ہے یہ بات توطیبی رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔ ایک شارح کہتا ہے اربعین رجلاً عطاشاً یا شربنا کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ (حتی روینا): جملہ روینا، واؤ کی کسرہ کے ساتھ۔ (لقد اقلع عنها): اقلع مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی جب سب لوگ اس مشکیزے سے اپنے برتنوں کو بھر کر فارغ ہو گئے اور مزید لینے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے جگہ خالی کر دی۔ مجہول کا صیغہ ہے یعنی ہمیں یوں لگا۔ (الینا انها): ''ھا'' ضمیر مزاده کی طرف راجع ہے۔ (اشد ملئه): لفظ ''مل'' فتحہ اور کسرہ ہر دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ البتہ لام مکسور ہے، ملأت الاناء سے مصدر کا صیغہ ہے اور وزن فعلة آئے گا۔ (منها): یہاں بھی ضمیر مشکیزے کی طرف راجع ہے۔ (حین ابتدأ): کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی لینے سے قبل جتنا پانی تھا اس سے بھی زیادہ اس میں پانی بھر گیا تھا۔ ایک نسخہ میں لفظ ابتداء مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

۵۸۸۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلْنَا وَادِيًا اَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهٗ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهٖ وَاِذَا شَجَرَتَيْنِ بِشَاطِئِ الْوَادِي فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اِحْدٰهُمَا فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَالْبَعِيْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِيْ يُصَانِعُ قَائِدَهٗ حَتّٰى اَتَى الشَّجَرَةَ الْاُخْرٰى فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا قَالَ الْتَئِمَا عَلَيَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَأَمَتَا فَجَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ فَحَانَتْ مِنِّيْ لَفْتَةٌ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَاِذَا الشَّجَرَتَيْنِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا عَلٰى سَاقٍ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/ ٢٣٠٦ حديث رقم ٣٠١٢۔

ترجمه: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے' یہاں تک کہ ہم ایک کشادہ میدان میں اترے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس سے پردہ حاصل کرتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کے کنارے دو درخت دیکھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی طرف چل پڑے اور ایک درخت کی شاخ پکڑی اور فرمایا اور حکم خدا سے جھک کر میرے لئے پردہ بن جا۔ پس اس درخت نے اسے اپنی گردن جھکا دی جیسے اونٹ کی نکیل پکڑ کر بٹھا دیتے ہیں پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس آئے اور اس کی ایک شاخ پکڑی اور فرمایا اللہ کے حکم سے میرے اوپر پردہ کر تو وہ بھی آپ پر جھک گیا۔ اب آپ ﷺ ان دونوں درختوں کے درمیان پہنچے اور فرمایا اب تم دونوں خدا کے حکم سے ایک دوسرے سے (اس طرح) مل جاؤ (کہ میں تمہارے نیچے چھپ جاؤں۔ چنانچہ وہ دونوں درخت مل گئے (اور آپ ﷺ ان دونوں درختوں کے نیچے قضائے حاجت سے فارغ ہوئے)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر میں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا (جس طرح کہ انسان کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے دل سے باتیں کرتا ہے اس کو حدیث نفس کہتے ہیں) اتنے میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنوں پر کھڑے ہو گئے۔

تشریح: افیح: النہایہ میں ہے افیح کا معنی وسیع وعریض ہے۔

شجرتین کا اعراب:

طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "شجرتین" منصوب ہے۔ مسلم شریف میں اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے۔ لیکن مصابیح کے کچھ نسخوں میں رفع کے ساتھ "شجرتان" ہے۔ نصب کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: **فوجد شجرتین نابتتین**۔ مصابیح کا ایک شارح کہتا ہے: "شجرتین" بھی آیا ہے۔ اس صورت میں یہ اس رأی محذوف ہوگا اور ایک نسخے میں حرف جر باء کے ساتھ) "بشجرتین" ہے اور یہ واضح ہے۔

باذن اللہ: طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میری نافرمانی مت کرنا۔ (علی): اس کی نظیر اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿**ما لك لا تأمنا علی یوسف**﴾ یعنی آپ (یعقوب) ہم سے خوف زدہ نہ ہو ہم پر اعتبار کیجئے (**فانقادت...... المخشوش**): النہایہ میں ہے "**المخشوش**" ایسے اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کے ناک میں نکیل پڑا ہوا جس کی وجہ سے بہت جلد اونٹ اپنے ہانکنے والی کی اطاعت کرتا ہے۔ (**الذی یصانع قائدہ**): تورپشتی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نکیل کی وجہ سے وہ اونٹ مالک کا مطیع اور تابع ہو جاتا ہے اصل میں رشوت کے قبیل میں ہوتا ہے کہ آپ اپنے ساتھی کے لئے کچھ کریں تاکہ وہ آپ کے لئے کچھ کرے۔ (**حتی...... المتصف**): لفظ **المتصف**، میم اور طاء ہر دو کے فتحہ کے ساتھ۔ راستے کے درمیان کو کہتے ہیں، یہاں مراد وہ فاصلہ ہے جو دو کے بیچوں بیچ تھا۔ (**علي**): طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں **علي** یہ حال ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے **اجتمعا مظلمتین علي** (کہ مجھ پر آ کر اس طرح جھک جاؤ کہ میں چھپ جاؤں) یعنی **علي** متعلق سے مل کر **اجتمعا** کی ضمیر سے حال ہے۔ (**منی لفتة فاذا...... مقبلاً**): طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جب کسی چیز کا وقت ہو جائے تو لفظ "حان" کہتے ہیں۔ **واللفتة، فعلة** کے وزن پر التفات (یعنی اچانک نظر اٹھی) کیا دیکھتا ہوں کہ۔

واذا الشجرتین: (یہاں فعل محذوف ہے) ای **وجدتهما أو رأیتها**۔

شفاء امراض

۵۸۸۶: وَعَنْ يَزِيْدَ بْنَ اَبِىْ عُبَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ اَثَرَضَرْبَةٍ فِىْ سَاقِ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ فَقُلْتُ يَا اَبَا مُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ قَالَ ضَرْبَةٌ اَصَابَتْنِىْ يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِيْبَ سَلَمَةُ فَاَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِيْهِ ثَلٰثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّى السَّاعَةَ۔ (رواه البخارى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۴۷۵/۷ حديث رقم ۴۲۰۶ واخرجه ابو داوٗد فى السنن ۲۱۹/۴ حديث رقم ۳۸۹۴

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی عبید سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن میں نے سلمہ بن اکوعؓ کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا میں نے پوچھا ابو مسلم یہ کیسا زخم ہے؟ کہنے لگے یہ زخم مجھے خیبر کے دن لگا تھا اور اتنا شدید تھا کہ لوگوں نے کہا کہ میں اس زخم سے مرجاؤں گا یا اس زخم کی تاب نہ لاسکوں گا۔ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زخم پر تین مرتبہ دم پڑھ کر پھونکا۔ پس میں یک لخت ٹھیک ہو گیا اور آج تک مجھے اس کا درد محسوس نہیں ہوا۔

تشریح: ضربة اصابتنى يوم خيبر: ایک اور نسخے میں یہ جملہ تثنیہ کی خبر کے ساتھ اصابتنيهما یعنی دونوں پنڈلیوں کے زخمی ہونے کا ذکر ہے، اور ایک نسخہ میں صرف ایک پنڈلی کے زخمی ہونے کا ذکر ہے ایک اور نسخے میں بجائے صیغہ معروف کے مجہول کے ساتھ مروی ہے۔ (فاتيت...... فيه): یعنی اس زخم کی جگہ پر دم فرمایا۔ ایک نسخہ میں ضمیر مذکر کی جگہ ضمیر مؤنث ہے۔ یعنی فيها. اس صورت میں نفس زخم پر دم کرنا مراد ہوگا یا پوری پنڈلی پر۔ (ثلاث...... حتى الساعة).

حتى الساعة : جر کے ساتھ: اس صورت میں لفظ حتى جارہ ہوگا اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ بعض محققین نے لکھا ہے: بخاری کے اکثر نسخوں میں "الساعة" جر کے ساتھ ہے۔ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اشتكيتها کا اعراب' اعراب حکائی ہے۔ ان کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ منصوب ہے حتى جارہ نہیں بلکہ لفظ حتى عاطفہ معطوف' معطوف علیہ میں داخل ہے، اور عبارت یوں ہے: ما اشتكيتها زماناً حتى الساعه. جیسے اكلت السمكة حتى راسها میں ہے۔

اب معنی ومطلب کیا بنے گا؟ ملا علی قاریؒ فرمارہے ہیں: ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ اب تک تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، آئندہ کیا ہوتا ہے اس کا علم اللہ کو ہے کہ تکلیف ہوگی یا نہیں اس پر یہ قانون صادق آتا ہے حتى کے مابعد کا حکم ماقبل کے خلاف ہے۔

یا تاکید کے ساتھ تکلیف کی نفی ہے تاکیداً یعنی اب تک بالکل تکلیف نہیں ہوئی ہے اگر کبھی امکان ہو بھی جائے تو وہ آج کے بعد سے ہوسکتی ہے۔ لیکن عادۃ زخم کے ٹھیک ہو جانے کے ایک عرصہ بعد تکلیف کا ہونا عادتاً محال ہے۔

سینکڑوں میل کے فاصلہ سے جنگ کا آنکھوں دیکھا حال

۵۸۸۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَعَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ

يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرٌ فَاُصِيبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى اَخَذَا الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ يَعْنِي خَالِدَ بْنِ الْوَلِيْدِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٥١٢/٧ حديث رقم ٤٢٦٢

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ زید (بن حارثہ)' جعفر (بن ابی طالب) اور رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی' (ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے)۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیدؓ نے پرچم تھام لیا۔ پس شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے (پرچم) تھاما' وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ نے (پرچم) تھام لیا' وہ بھی شہید کر دیئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالد بن ولیدؓ نے پرچم تھام لیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی''۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کی شہادت کی خبر دی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ موت کی خبر پہنچانا جائز ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوا۔

''مؤتة''، میم مضمومہ' ہمزہ ساکنہ اور تاء کے ساتھ۔ ملک شام میں واقع ایک قریہ کا نام ہے۔ یہ جنگ سن ۸ھ میں ہوئی تھی، اس میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی جبکہ ہرقل کے ساتھ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ (فقال): یہ ماقبل کی تفسیر اور بیان ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ (زید): کیونکہ عام عادت یہ تھی کہ امیر لشکر ہی لشکر کا جھنڈا اٹھایا کرتا تھا۔ (فاصیب): اصیب شہید ہونے کے معنی میں ہے۔ ثم...... تذرفان: ان کی شہادت کی خبر کی وجہ سے آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ حضرت خالد بن ولید کو ایک ہزار کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔ اس دن اس اللہ کے شیر کے ہاتھوں میں نو ۹ تلواریں ٹوٹیں، سیوف کی نسبت اللہ کی طرف ان کے عزت و مرتبہ کے اظہار کے لئے فرمایا۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ یہ تفسیری جملہ حضرت انسؓ ان کے بعد والے کسی راوی کا ہے جو یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ وصف سابق سے آنحضرت کی مراد خالدؓ تھے۔ (حتی فتح...... علیهم): یعنی ان کے ہاتھوں یا ان کی امارت کے زمانے میں فتح حاصل ہوئی۔

اس فتح سے کیا مراد ہے؟

اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخر میں کفار کو شکست ہوگئی تھی اور مسلمان مال غنیمت لے کر واپس ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں حضرت خالدؓ لڑتے ہوئے مسلمانوں کو کفار کے چنگل سے نکال کر سالم واپس لے آئے۔

غزوۂ حنین اور جنگ کی حیرت ناک طریقہ پر تبدیلی

۵۱۸۸: وَعَنْ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُوْنَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ

بَغْلَتَهُ قِبَلَ الْكُفَّارِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُفُّهَا اِرَادَةَ اَنْ لَّا تَسْرَعَ وَاَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اٰخِذٌ بِرِكَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىْ عَبَّاسُ نَادِ اَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا فَقُلْتُ بَاَعْلٰى صَوْتِىْ اَيْنَ اَصْحَابُ السَّمُرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَاَنَ عَطْفَتَهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِىْ عَطْفَةَ الْبَقَرِ عَلٰى اَوْلَادِهَا فَقَالُوْا يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَقْتَتَلُوْا وَالْكُفَّارَ وَالدَّعْوَةُ فِى الْاَنْصَارِ يَقُوْلُوْنَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلٰى بَنِى الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ هُوَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا اِلٰى قِتَالِهِمْ فَقَالَ هٰذَا حِيْنَ حَمِىَ الْوَطِيْسُ ثُمَّ اَخَذَ حَصَيَاتٍ فَرَمٰى بِهِنَّ وُجُوْهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَمَاهُمْ بَحَصَيَاتِهٖ فَمَا زِلْتُ اَرٰى حَدَّهُمْ كَلِيْلًا وَاَمْرَهُمْ مُدْبِرًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٣٩٨/٣ حديث رقم (٧٦-١٧٧٥) واخرجه احمد في المسند ٢٠٧/١

ترجمہ: ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے دن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کا آمنا سامنا ہوا (اور شدید جنگ آپس میں شروع ہوگئی) تو مسلمان پشت پھیر کر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ نازک (عجیب وغریب) صورت حال دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر کو ایڑ لگائی اور کفار کی طرف (بہادری سے بلا خوف وخطر کے) بڑھنا شروع کر دیا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور میں خچر کی لگام کو کھینچ رہا تھا کہ وہ دشمنوں کی طرف اتنی تیزی سے نہ جائے اور (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی) ابوسفیان بن الحارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے ہوئے تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اصحاب سمرہ کو آواز دیں حضرت عباسؓ فرماتے ہیں (ان کی آواز قدرتی طور پر بہت بلند تھی) میں نے آواز بلند پکارا کہ کہاں ہیں اصحاب سمرہ' کیا وہ اپنی بیعت جو ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی بھول گئے۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اللہ پاک کی میری آواز سن کر اصحاب سمرہ اس طرح دوڑتے ہوئے آئے جس طرح گائے اپنے بچوں کے بلانے پر دوڑتی ہوئی پیار محبت کے ساتھ آتی ہے اور وہ کہہ رہے تھے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں اس کے بعد مسلمان پھر ایک بار نئے سرے سے کافروں کے ساتھ لڑنے لگے اور غازیوں کی طرح ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کیلئے انصاریوں نے ایک دوسرے کو پکارنا شروع کر دیا کہ اے گروہ انصار! اے گروہ انصار (ہمت سے کام لو اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹ کر لڑو) پھر اس طرح کا پکارنا قبیلہ بنو حارث بن خزرج تک محدود ہوگیا۔ اسی دوران جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر ایک مضبوط اور بہادر سوار کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی نظر مسلمانوں پر پڑی (بعض کتابوں میں کالمتطاول کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جیسے کوئی خچر پر بیٹھ کر گردن اونچی کر کے اِدھر اُدھر دیکھتا ہو) اور فرمایا اب میدان کارزار گرم ہوا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کنکریاں ہاتھ میں اٹھائیں اور کہا شاھت الوجوہ اور ان کنکریوں کو کافروں کے منہ پر دے مارا اور فرمایا ''رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کافروں کو شکست ہوگئی۔ (حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں) کہ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنکریاں پھینکنے کی وجہ سے ہی دشمنوں کو شکست ہوئی (کنکریوں کے بعد

میں نے محسوس کیا) کہ کافروں کی تلواروں میں اب وہ تیزی و پھرتی نہیں رہی وہ بہت سست پڑ گئے اور ان کا انجام بدترین نظر آ رہا تھا۔

عرضِ مرتب:

وعن ابن عباس: (مشکوٰۃ میں عن عباسؓ) ہے اور مرقات میں "عن ابن عباس" ہے۔ اھ۔ (حنین): کلمہ حنین تصغیر کے وزن پر مکہ اور طائف کے درمیان عرفات سے آگے ایک مقام کا نام ہے۔ جہاں فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں مسلمانوں اور اس علاقہ میں آباد مشہور قبائل ہوازن اور ثقیف کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ (فطفق یرکض): کلمہ یرکض (نصر ینصر سے)۔ (بغلته قبل الکفار): لفظ قبل، قاف کے فتحہ اور باء کی کسرہ کے ساتھ۔

تشریح: امام اکمل الدینؒ فرماتے ہیں: یہ وہی خچر تھا جس کو دلدل کہا جاتا تھا۔ فروہ ابن نقاشہ نے آنحضرت ﷺ کو ہدیۃً بھیجا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض کفار کا دیا ہوا ہدیہ واپس فرمایا۔ اس لئے بعض کہتے ہیں قبول ہدایا والی روایتیں اس سے منسوخ ہیں، تاریخی اعتبار سے اس میں کافی باتیں ہیں اور اگرچہ لوگ اس پر ہیں کہ مشرکین سے ہدیہ لینا منسوخ نہیں ہوا لیکن بہتر یہ ہے کہ جن کے اسلام لانے کی امید تھی ان سے ہدیہ قبول فرمایا اور ہدیہ لینے میں بھی مسلمانوں کی مصلحت کی امید تھی اور جو اس کے برعکس تھا' ان کے ہدایا رد فرما دیئے۔

اکفھا: کاف کے ضمہ اور فاء کی تشدید۔ یعنی میں خچر کو روک رہا تھا تاکہ کہیں وہ تیزی کے ساتھ کفار میں جا نہ گھسے۔ ابو سفیان: کہا جاتا ہے ان کا نام مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور محافظت کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ (فقال...... عباس): اے عباس! حرف ندا محذوف ہے۔ (ناد...... سمرۃ): (سین کے فتحہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ) یہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر صحابہ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (وکان رجلاً صیناً): یہ جملہ معترضہ ہے جو راوی حدیث کی طرف سے حضرت عباسؓ کے کلام کے درمیان میں واقع ہے۔ لفظ صیت (یاء کی تشدید کے ساتھ) جو اصل میں صیوت ہے اس میں وہی تعلیل ہے جو "سَیِّدٌ" میں ہے۔ (فقلت): یہ نادیت کے معنی میں ہے۔ (فقال: واللہ لکان): نون کی تشدید کے ساتھ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ (عطفتھم): نصب کے ساتھ ہے اور عطفة البقر مرفوع ہے۔ ایک نسخہ میں لکأن نون کے تخفیف کے ساتھ ہے اور عطفتھم رفع کے ساتھ ہے۔ اور عطفة البقر منصوب ہے۔

علی اولادھا: ایک نسخہ میں ضمیر مذکر کے ساتھ اولادہ ہے۔ اور دونوں صحیح ہیں کیونکہ اسم جنس کے لئے مذکر و مؤنث دونوں کی ضمیر آ سکتی ہے۔ (یا لبیك): یہاں منادیٰ یا قوم محذوف ہے۔ جیسے کسائی کے قراءت کے مطابق الا یا اسجدو ہے۔ (یا لبیك): یہ تکرار تاکید یا تکثیر کے طور ہے۔ الکفار مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

والدعوۃ فی الانصار یقولون: اس دن انصار نے ایک دوسرے کو بلانے اور حوصلہ دلانے کے لئے غازیوں کی مانند اس طرح پکارنا شروع کیا۔ یہ جملہ بدل ہے اس جملہ سے جو مہاجرین کے حق میں منقول ہے۔ (یا معشر...... الانصار): مراد

مصدر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ومنن آياته يريكم البرق خوفًا﴾ میں ہے۔ ایسے ہی شاعر کے اس قول:

احضر الوغى وتسمع بالمعيدی وغيره

میں بھی ہے۔

(قال): یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ (ثم قصرت الدعوة): قصر فعل مجہول ہے یعنی پھر یہ آواز محدود ہوگئی۔ (علی بنی الحارث ابن الخزرج): اور اولادِ حارث ہی کو جو انصار کا سب سے بڑا قبیلہ تھا اے بنو حارث! اے بنو حارث کہہ کر پکارا جانے لگا۔ (فنظر ...... بغلته): واؤ حالیہ ہے تقدیر عبارت یوں ہے نظر رسول الله حال کونه علی بغلة، یعنی اسی دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر بیٹھے ہوئے لڑنے والے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ (کالمتطاول علیها): یہ جملہ حال ہے اس جملہ محذوف کی ضمیر فاعل سے جس کے ساتھ علی نعلته متعلق ہے۔ یعنی جو اپنے خچر پر ایک طاقت ور اور قابو یافتہ سوار کی طرح جمے ہوئے تھے۔ بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جو خچر پر گردن اونچی کر کے دیکھنے والے کی طرح بیٹھے ہوئے تھے یعنی جس طرح کوئی خود سے دور کسی چیز کو دیکھنے کے لئے گردن اونچی کر کے نگاہ ڈالتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لڑنے والے صحابہ کرام کو گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے جاتے تھے۔

(الی قتالهم): طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس جملہ کا تعلق جملہ نظر: کے ساتھ ہے آگے لکھتے ہیں اس حدیث میں بہت زیادہ اختصار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کافی خلل محسوس ہوتی ہے، مصابیح میں بھی اس اختصار کا ذکر ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصابیح کے ایک نسخہ میں اختصار مخل سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں کے بھاگ جانے کا ذکر ہے درمیان میں کوئی ایسی وضاحت ہو جانی چاہئے تھی کہ جس سے مطلب حدیث بالکل واضح ہو جائے۔ (فقال): یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ (هذا حين): لفظ حين پر باختلاف نسخ نصب واقع دونوں اعراب ہیں۔ حمي: حا کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔ (الوطيس): ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: هذ حين میں ممکن ہے هذ سے اشارہ قتال کی طرف ہو اور حين مبنی علی الفتح اس کے لئے ظرف ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس سے قتال کے وقت کے طرف اشارہ ہو اس صورت میں حين مرفوع ہوگا اسم اشارہ کے لئے خبر ہونے کی وجہ سے۔ اکمل رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کو مبنی علی الضم اور مبنی علی الفتح دونوں پڑھا جا سکتا ہے۔ مبنی علی الفتح اس لئے صحیح ہے کہ یہ اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہے اور مبنی علی الضم پڑھنا اس لئے صحیح ہے کہ یہ مبتداء کی خبر ہے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی ترکیب: وہ کہتے ہیں هذا مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے اور حين مبنی ہے اس لئے کہ یہ مضاف ہے غیر متمکن کی طرف جو کہ اسم اشارہ کے ساتھ متعلق ہے عبارت یوں ہے هذا القتال حين اشتد الحرب اس میں تعجب اور جنگ کے سخت ہونے کا معنی ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں ترکیب میں وہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ هذ مبتداء ہے اور حين خبر ہے باقی اس کو مبنی علی الفتح اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ حين کی اضافت فعل کی طرف ہے تقدیر عبارت هذا الزمان زمان اشداد الحرب. یہ سخت لڑائی کا وقت ہے جنگ کے گرم ہونے کا ہے۔

(الوطيس): وطیس، تنور کی سخت گرمی کو کہا جاتا ہے یا نفس تنور ہی کو کہا جاتا ہے جب لڑائی سخت ہو جائے تو بطور مثال یہ جملہ کہا جاتا ہے، کیونکہ لڑائی کی گرمی تنور کی گرمی جیسی ہوتی ہے۔ النہایہ میں ہے کہ وطیس' تنور کے مشابہ ایک چیز ہوتی ہے بعض

حضرات کہتے ہیں یہ جنگ کی

بعض کہتے ہیں اس زور سے کوٹنے والی چیز کو کہا جاتا ہے جس سے لوگ اشیاء کو کوٹتے ہیں۔ امام اصمعیؒ کہتے ہیں یہ ایک گول پتھر ہوتا ہے جب وہ گرم ہو جائے تو کوئی اس کو روندنے اور توڑنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ آنحضرت ﷺ سے قبل یہ کلام کسی نے بھی نہیں کیا تھا، یہ آپ ﷺ کے فصیح کلام کا حصہ ہے، اس سے جنگ کی شدت کو بیان کیا جاتا ہے۔

قولہ :ثم أخذ حصیات فرمٰی ...... : الا رماھم بحصیاتہ: نہ کہ تیر' تلوار اور نیزوں کی وجہ سے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر "ھو" عبارت ہو امر اور شأن یعنی لامر یا شأن سے، اس صورت میں ضمیر ہی مستثنیٰ منہ ہوگا۔ **(مما زالت اری حدھم):** کہ میں برابر آخر تک دیکھتا رہا کہ کافروں کی تیزی اور شدت سے چلنے والی تلواریں ہلکی اور کند پڑ رہی تھیں۔ **(کلیلاً):** ضعیفاً کے معنی میں ہے۔ **(و امرھم دیرا):** اور ان کا انجام ذلت وخواری سے بھرا ہوا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس میں آنحضرت ﷺ کے دو معجزوں کا ذکر ہے، ایک معجزہ فعلیہ ہے اور ایک معجزہ خبریہ ہے۔ (معجزہ خبریہ تو یہ ہے) کہ آپ ﷺ نے پہلے سے کفار کی شکست کی خبر دے دی اور (دوسرا معجزہ یہ ہے کہ) آپ ﷺ نے کنکریاں اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینکیں تو وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، تو ایک فعلی معجزہ ہے اور ایک خبری معجزہ ہے۔

تخریج: نسائی میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

۵۸۸۹: وَعَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ یَا اَبَا عُمَارَةَ فَرَرْتُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ خَرَجَ شُبَّانُ اَصْحَابِهٖ لَیْسَ عَلَیْهِمْ کَثِیْرُ سَلَاحٍ فَلَقُوْا قَوْمًا رُمَاةً لَا یَکَادُ یَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ فَرَشَقُوْهُمْ رَشْقًا مَایَکَادُوْنَ یُخْطِئُوْنَ فَاَقْبَلُوْا هُنَاكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَغْلَتِهِ الْبَیْضَاءِ وَاَبُوْسُفْیَانَ ابْنُ الْحَارِثِ یَقُوْدُهٗ فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ وَقَالَ اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ثُمَّ صَفَّهُمْ۔ (رواہ مسلم وللبخاری معناہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۷/۸ حدیث رقم ٤۳۱۵ ومسلم فی صحیحه ۱٤۰۰/۳ حدیث رقم ۷۸۰-۱۷۷۶)

ترجمہ: "ابواسحاق" سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اے ابو عمارہ (کیا) غزوۂ حنین میں آپ (سب کے سب لوگ جنگ میں) بھاگ گئے تھے؟ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا! اللہ کی قسم حضور پاک ﷺ ہرگز پیچھے نہیں ہٹے تھے۔ بس اتنا واقعہ ہوا تھا کہ کچھ نوجوان صحابہ جن کے پاس زیادہ ہتھیار نہیں تھے (دشمن کی طرف) نکلے اور ان (نوجوانوں) کا ایسی قوم سے مقابلہ ہو گیا جو بہت ماہر تیر انداز تھے (یعنی بنو ہوازن) ان کا کوئی تیر خطا نہ جاتا تھا' ان تیر اندازوں نے ان نوجوان صحابہ پر تیر چلانے شروع کر دیئے تو نوجوان صحابہ وہاں سے ہٹ کر نبی کریم ﷺ کی پشت کی طرف آ گئے۔ حضور پاک ﷺ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث نبی کریم ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے جب جنگ کی حالت نازک دیکھی تو خچر سے نیچے اتر کر اللہ سے دعا کی اور مدد طلب کی۔ آپ ﷺ (بلند آواز سے) کہنے لگے' میں اللہ کا نبی ہوں اور اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے اور میں

عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد (جب تمام صحابہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے) آپ ﷺ نے تمام مجاہدوں کی دوبارہ صف بندی فرمائی''۔

تشریح: یا ابا عمارہ: عین پر پیش اور میم پر وتخفیف کے ساتھ۔ (فررتم): ہمزہ استفہام مقدر ہے، جیسے کہ شمائل والی روایت میں ہے أفررتم. ایک اور روایت میں ہے أفررتم کلکم. (یوم...... رسول اللہ ﷺ): آنحضرت ﷺ تو نہ حقیقتاً اور نہ ہی صورتاً بھاگے تھے۔ حضرت براء کا سوال کے جواب میں "فر" بھاگنے کی نسبت کا آنحضرت ﷺ سے نفی کرنا حسن عبارت کا شاہکار ہے۔ (ولکن خرج): الی العدو محذوف ہے۔ (شبان اصحابہ): (لفظ شبان, شین کے ضمہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ) نوجوانوں کی ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جن کی زیادہ اہمیت اور وقار نہ ہو اس لئے فرار میں مدار انہیں کو بنایا،۔ چنانچہ شمائل کی روایت میں اس کو یوں تعبیر کیا ہے ولکن ولی سرعان من الناس۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو زیادہ سوچ سمجھ اور تجربہ کے بغیر یوں ہی جلد بازی کرنے والے تھے، اس پر اگلی عبارات بھی دلالت کرتی ہیں، چنانچہ فرمایا (لیس...... رماہ): شمائل کی روایت میں ہے تلقتھم ھوازن بالنبل کہ جن پر ہوازن والے تیر برسا رہے تھے۔ (ما کانوا یخطئون): امام نووی فرماتے ہیں: حضرت براء ابن عازب کا یہ جواب نہایت ہوشمندی، سمجھداری اور ذات رسالت پناہ کے حق میں انتہائی ادب واحترام پر مبنی تھا کیونکہ پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ آپ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ اور چونکہ سب لوگوں میں آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا سوال بھی پوشیدہ ہو سکتا تھا اس لئے حضرت براء نے سب سے پہلے تو بڑے زوردار انداز اور الفاظ میں یہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے تو راہِ فرار اختیار نہیں کی۔ البتہ صحابہ کی ایک جماعت پر یہ حالات گزرے' اس کے باوجود کہ اس پر ''فرار'' صادق نہیں آتا کیونکہ قرآن کریم کی رو سے یہ فرار نہیں بلکہ حکمت عملی کی صورت ہے جس کو مستثنیٰ فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ومن یولھم یومئذٍ دبرہ الا متحرفًا لقتالٍ او متحیزًا الی فئۃ﴾ [الانفال]

(اور جو شخص ان سے اس موقع پر [مقابلہ کے وقت] پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے)۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "انا فئتکم" میں ہی تمہاری جماعت ہوں۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عباسؓ کی روایت میں ہے ولی المسلمون مدبرین کہ مسلمان پشت دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ حضرت براء یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ صحابہ دشمن کے سامنے سے ہٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آ گئے اب دونوں تعبیروں میں تضاد معلوم ہوتا ہے اس میں تطبیق کیسے ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دشمن کے حملہ اور تیر اندازی کی شدت کے وقت شروع میں تو ایسا ہی دکھائی دیا کہ جیسے اسلامی لشکر کے لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، لیکن جب فوراً ہی آنحضرت ﷺ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عباسؓ نے ان کو پکارنا شروع کیا تو اسلامی لشکر میں جوش اور ولولہ کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی، اور ان کو میدان چھوڑ کر بھاگنے کی بجائے آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہونے اور آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر جمع ہونے کی جب سعادت نصیب ہوئی تو وہ عمل جو فرار کی صورت نظر آ رہی تھی بعد میں قرار واستقامت کی صورت بدل گیا۔

پس حضرت عباسؓ نے ابتدائی صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے، اور حضرت براءؓ نے بعد کی صورتِ حال بیان کی ہے، لہٰذا۔

دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں۔

قوله رسول الله ﷺ ...... البيضاء: ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "**علی بغلته البيضاءِ**" یہ بخاری کے الفاظ ہیں، اور امام مسلم کے ہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حنین کے دن اس خچر پر سوار تھے جو فروہ بن نفاثہ نے آپ کو ہدیہ کیا تھا اور یہی صحیح ہے۔ ابوالحسن بن عبدوس نے نقل کیا ہے کہ حنین کے دن آنحضرت ﷺ دلدل نامی خچر پر سوار تھے، جو کہ سیاہی مائل رنگ والا تھا اور اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے ہدیۃً آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

فروہ نے جو خچر آپ کو ہدیہ کیا تھا اس کو فضہ کہا جاتا تھا۔ ابن سعد نے بھی اس کو ذکر کیا' لیکن اس کے برعکس لکھا ہے، لیکن صحیح وہ ہے جو مسلم میں ہے۔

قوله ابو سفيان يقوده :اس میں تین مطلب ہو سکتے ہیں:

① حضرت سفیان خچر کی لگام پکڑے ہوئے آگے چل رہے تھے۔

② یا وہ آنحضرت ﷺ کے خچر کو ہانک رہے تھے، اس صورت میں مضاف **بغلة** محذوف ہوگا۔ **ای يقود بغلته**۔

③ **مركوب** کی تاویل میں ہے۔

یہ بظاہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی معارض ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکڑ رکھی تھی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث رکاب تھامے ہوئے تھے؟ لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اس بات کو تناوب (باری باری پکڑنے) پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا موقع آ گیا ہو کہ دونوں حضرات کے لئے خچر کی لگام پکڑنا ضروری ٹھہرا ہو، لہٰذا ان دونوں روایتوں میں الگ الگ ان دونوں حضرات کا ذکر کیا گیا۔

وقال: ایک نسخہ میں "**فقال**" ہے۔ (**انا...... عبدالمطلب**) : **کذب** اور **مطلب** دونوں میں باء ساکن ہے یعنی جزم ہے، کیونکہ سجع اور نظم دونوں میں عام عادت یہی ہے، یہ جملہ آپ ﷺ کی موزونی طبیعت کے تحت بلا قصد آپ ﷺ کی زبان پر بروزن شعر جاری ہو گیا تھا، لہٰذا اس کو شعر نہیں کہا جا سکتا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ لوگوں سے بڑی غفلت سرزد ہوئی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ لفظ **کذب** کے باء پر فتحہ ہے اور لفظ عبدالمطلب پر جر ہے ان کو ایک تو روایات کو بدلنے کا شوق ہوا ہے، دوسرا یہ کہ ہونے والے سوال سے آنکھ چرانے کی کوشش کی ہے، اصل روایت دونوں الفاظ میں باء کی جزم سکون کے ساتھ ہے۔ خطابی کہتے ہیں یہ اشعار اور ان کے طرح کے دیگر اشعار جو کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر بعض اسفار و اوقات میں جاری ہوئے! علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شعر تھے یا کہ نہیں؟

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ شعر کو نہیں جانتے تھے اور نہ شعر گوئی آپ ﷺ کی شایان شان ہے۔

کچھ حضرات تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ اشعار اور ان کے مثل جو دیگر مسجع کلام اگرچہ وزن شعری کی ترکیب پر دلالت کرتا ہے، اس سے آپ کا ارادہ شعر گوئی کا نہ تھا اور نہ ہی نیت میں یہ پایا گیا، بلکہ بلا قصد آپ ﷺ کی زبان پر موزوں شعر جاری ہو گیا تھا اور یہ ہوتا ہے کہ منہ سے ایک چیز کے بعد دوسری چیز شعر کے ہم وزن نکل جاتی ہے اور اس طرح کی چیزیں قرآن کریم میں بھی

کافی موجود ہیں، اس کو شعر نہیں کہا جا سکتا۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی نسبت اپنے والد ماجد کی بجائے جد امجد کی طرف کیسے فرمائی۔ اور اس کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے فخر کا اظہار فرمایا، حالانکہ تفاخر جاہلی عمل ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ زیادہ مشہور اپنے دادا سے تھے کیونکہ والد تو زمانہ شباب میں شہرت حاصل کرنے سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے، جبکہ آپ ﷺ کے دادا مشہور شخص تھے، جن کی شہرت بھی عام تھی ان کی شہرت سے ہر ایک واقف تھا اس لئے کہ عبدالمطلب اہل مکہ کے سردار تھے اور اہل مکہ میں بڑے عزت کے حامل تھے نیز عبدالمطلب کو سیف بن ذی یزن وغیرہ کاہنوں نے یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ عنقریب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوگا اور ان کی بڑی شان ہوگی۔

بعض کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا تھا جو آنحضرت ﷺ کے ظہور پر دلالت کرتا تھا، اور یہ (خواب) تمام اہل مکہ کے ہاں مشہور تھا اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارادہ تھا کہ وہ عرب کو یاد دلائیں اور انہیں بتائیں کہ آنحضرت ﷺ کو ہر حالت میں ان پر غالب آ کے رہنا ہے، اللہ ضرور آپ کو غلبہ نصیب فرمائیں گے۔ ساتھ یہ بھی قصد تھا کہ جب لوگ آپ کی آواز سنیں گے، تو جو آپ ﷺ کے پاس آنا چاہے گا، آ جائے گا۔

رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا "انا النبی لا کذب" تو یہ تعریف غرور وتکبر یا اپنی ذات وحیثیت کی نامناسب نمائش کے طور پر نہیں تھی بلکہ یہ تعریف اس طرح کی تھی جیسے عام طور پر میدان جنگ میں غازی ومجاہد دشمنوں کے سامنے اپنی شجاعت وجوانمردی کا اظہار کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے گویا یہ فرمایا: میں سچا نبی ہوں میں کبھی نہیں بھاگتا اور نہ ہی اپنی جگہ چھوڑتا ہوں۔

اس جملہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنگ کے دوران انسان کا اپنی تعریف کرنا جائز ہے۔ اور یہ ریاء وسمعہ میں شامل نہیں (ثم): یعنی جب تمام مسلمان مع نوجوان صحابہؓ کے جمع ہو گئے تو سیسہ پلائی دیوار کی مانند صحابہ کی صف بندی فرمائی۔

تخریج: بخاریؒ سے بھی اس کے ہم معنی الفاظ منقول ہیں گویا معنی کے اعتبار سے یہ روایت متفق علیہ ہے۔

۵۸۹۰: وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا قَالَ الْبَرَاءُ كُنَّا وَاللّٰهُ اِذَا احْمَرَّ الْبَاْسُ نَتَّقِی بِهِ وَاَنَّ الشَّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِیْ یُحَاذِیْهِ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/ ۱۴۰۱ حديث رقم (۷۹-۱۷۷۶)

ترجمہ: "اور شیخین کی ایک روایت یہ ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم جب جنگ میں شدت آتی تو ہم حضور پاک ﷺ کے ذریعے بچاؤ کرتے تھے اور اس وقت ہم میں زیادہ بہادر وہی شخص ہوتا جو حضور پاک ﷺ کے برابر کھڑا رہتا"۔

تشریح: احمر البأس: یہ "موت احمر" سے مشتق ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں: احمرار الباس یہ کنایہ ہے جنگ کے سخت ہونے سے اور یہ استعارہ اس لئے لیا جاتا ہے کہ جنگ میں بہنے والے خون کی وجہ سے اس کا منظر سرخ ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ جنگ کے شعلے اس طرح بھڑکتے ہیں جیسے آگ کے شعلے ہوتے ہیں یعنی تکلیف دہ ہونے میں دنوں کی مشابہت ہے جیسا

کہ پہلی حدیث میں بھی اس کو حمي الوطيس سے تعبیر کیا گیا ہے۔(وان الشجاع): لفظ شجاع کے شین پر ضمہ، یعنی اس وقت ہم میں زیادہ بہادر وہ شخص شمار ہوتا۔(منا للذی يحاذيه): جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے برابر میں آ کر کھڑا ہو جاتا اور آپ کے کندھے سے کندھا ملاتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا وقت ہوتا کہ کوئی بھی آگے بڑھنے کی سکت نہیں رکھتا، یعنی اس وقت میدان جنگ کا نقشہ اتنا خطرناک تھا کہ کوئی بھی مسلمان آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے زیادہ مردی کے ساتھ جمے رہنے پر قادر نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ ایسا تھا کہ جو لوگ زیادہ بہادر اور جوانمرد تھے وہ اِدھر اُدھر سے آ کر اس جگہ پہنچنے کی کوشش کرتے جہاں آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہوتے اس طرح وہ لوگ اپنے اس حوصلہ کا اظہار کرتے تھے کہ وہ کسی بھی حال میں آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے نہیں جائیں گے، بلکہ ذات گرامی سے مدد و حوصلہ پا کر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں گے۔ اگر کوئی شخص بزدل ہوتا تو وہ یقیناً وہاں سے بھاگنے میں اپنی عافیت دیکھتا۔

قوله يعني...... : یعنی حضرت براء کے کلام میں موجود دونوں ضمیروں سے مراد آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہی ہیں۔ اس سے آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بے پناہ شجاعت و بہادری اور اللہ کی ذات پر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے کامل اعتماد و بھروسہ کا اظہار ہوتا ہے۔

کنکریوں کا اثر

۵۸۹۱: وَعَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَوَلّٰى صَحَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَعَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ وَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/ ۱٤٠٢ حديث رقم (۸۱-۱۷۷۷)۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے حنین کے دن رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی معیت میں کفار سے جہاد کیا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعض صحابہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آئے جب کافروں نے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو گھیرے میں لے لیا (یعنی قریب تھا کہ گھیرے میں لے لیتے) تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے خچر سے اترے پھر زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور پھر اس مٹی کو دشمن کے منہ کی طرف پھینک دیا اور (پھر بطور بددعا یا خبر) فرمایا "جھلس جائیں ان کے چہرے" چنانچہ کوئی ایک شخص ایسا نہ بچا جس کی آنکھیں اس مشت سے خاک آلودنہ ہوئی ہوں۔ بس پھر کافر بھاگ کھڑے ہوئے اللہ نے ان کو شکست دی۔ اس کے بعد نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جو مال ان سے بطور غنیمت ہاتھ لگا وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

تشریح: غشو: بروزن رضوا ہے۔ اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے یعنی ضمیر فاعل کا مرجع کفار ہیں۔ (ال...... القبضة): یہاں حلق اللہ کے الفاظ سے اصل مفہوم کو تعبیر کرنا تاکید تقریر حصر کے غرض سے ہے۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں دو معجزوں کا ذکر ہے:

① ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک مٹھی بھر کنکر یا مٹی کافروں کے منہ کی طرف پھینک ماری وہ ان سب کی آنکھوں تک پہنچ گئی۔

② دوسرا یہ کہ اتنی تھوڑی مٹی سے ان سب لوگوں کی آنکھیں بھر گئیں' حالانکہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں تیسرا معجزہ یہ ہے کہ اس (مٹی اور کنکریوں) سے اتنے بڑے لشکر کو شکست ہوگئی۔

فولوا مدبرین: حال مؤکدہ یا مقیدہ ہے بمعنی غیر راجعین۔

یعنی پس اللہ نے ان کو شکست سے دوچار کیا اور اپنے رسول کو فتح سے ہمکنار کیا' اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا اور عزتِ جاہ' حسن' حال اور غنیمت مال سے سرفراز فرمایا۔ اسی وجہ سے اگلا جملہ ارشاد فرمایا: وہ کہاں ہے۔

حیرت انگیز پیشینگوئی

۵۸۹۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حُنَیْنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهٗ یَدَّعِی الْاِ سْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ وَکَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ تُحَدِّ ثُ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَکَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَکَادَ بَعْضُ النَّاسِ یَرْتَابُ فَبَیْنَمَا هُوَ عَلٰی ذٰلِكَ اِذَا وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰی بِیَدِهٖ اِلٰی کِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ سَهْمًا فَانْتَحَرَبِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی رَسُوْ لِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ حَدِ یْثَكَ قَدِ انْتَحَرَبِهَا فُلَانٌ وَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ یَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّ نْ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٧١/٧ حدیث رقم ٤٢٠٣ ومسلم فی صحیحه ١٠٥/١ حدیث رقم (١٧٨-١١١) والدارمی ٣١٤/٢ حدیث رقم ٢٥١٧ و احمد فی المسند ٣٠٩/٢

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں میں سے) ایک شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فلاں شخص دوزخ میں جائے گا۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص بہت بہادری سے لڑا اور اس کو بہت زیادہ زخم آئے۔ (یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد) ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ فرمائیں جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ دوزخی ہے (جبکہ) وہ اللہ کی راہ میں بہت بہادری سے لڑا ہے اور وہ بہت زخمی ہے (اس سے تو اس کا جنتی ہونا ہی معلوم ہوتا ہے؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو! وہ دوزخیوں میں سے ہے قریب تھا کہ کچھ لوگ حضور

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق شبہ کرتے وہ شخص اسی حال میں تھا اور اس آدمی نے زخموں کی (بہت زیادہ) تکلیف محسوس کی اور اس نے اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا اور ایک تیر نکال کر اس سے اپنا گلا کاٹ لیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے مسلمان دوڑتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات سچی کر دی اس نے گلا کاٹ لیا اور خودکشی کر لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بلال کھڑے ہو اور لوگوں کو آگاہ کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن داخل ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر سے بھی دین کا کام لے سکتا ہے''۔

تشریح: یدعی الاسلام: یہ جملہ حال ہے یا مستأنفہ بیانیہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کا نام قرمان تھا۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ شخص منافق تھا۔ جامع الاصول میں اسی طرح سے ہے۔

هذا من اهل النار: یہ قال کا مقولہ ہے۔ جر قاموس کی تحقیق کے مطابق جیم کی کسرہ کے ساتھ جراحۃ کی جمع ہے۔ دین کے اعتبار سے کچھ کمزور لوگ اور معرفت یقین سے کم آشنا لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک : انه من اهل النار کی بابت شک میں مبتلا ہو جائیں۔ (لفظ کنانه): (کاف کی کسرہ کے ساتھ) ترکش جس میں تیر رکھے جاتے ہیں۔ (بها): ضمیر سهما کی طرف راجع ہے۔ یہ اصل میں اس پھل کو کہا جاتا ہے جو تیر کے ڈنڈے میں لگایا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے کافر ہو کے مرا، یا خودکشی کرنے کی وجہ سے فاسق ہو کے مرا۔

صدق : اکثر نسخوں میں دال کی تشدید کے ساتھ ہے جبکہ کچھ نسخوں میں تخفیف کے ساتھ بھی منقول ہے۔ تشدید کی صورت میں معنیٰ ہوگا اللہ نے سچ کر دکھایا اور تخفیف کی صورت میں معنیٰ ہوگا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کی خبروں کو سچا بنایا ہے کہ جیسے آپ کہیں ویسے واقع ہو جاتی ہیں۔ (قد...... نفسة): یہ جملہ عطف تفسیر و بیان ہے۔ (فقال :...... ورسوله): ایک شارح لکھتا ہے الله اكبر...... یہ ایسا کلام ہے جو خوشی کے موقع پر بولا جاتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور خوشی کا اظہار ان ہی الفاظ میں فرمایا جو خوشی کے موقع بولے جاتے ہیں۔ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں آپ کا یہ کلام تعجب اور خوشی دونوں حالتوں کا احتمال رکھتا ہے، اس حمد و شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مزید آپ کا مرتبہ بلند فرمایا، اور آنحضرت نے مزید انکساری کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا انی عبد الله تاکہ خود پسندی کا شائبہ تک باقی نہ رہے، کہ یہ بات آپ نے اپنے طور پر کہی ہو۔ (لا یدخل...... مؤمن): صفت حاله محذوف ہے یہ قید احترازی ہے منافق سے یا صفت کامل محذوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ مؤمن شخص ہی کامیاب لوگوں کے ساتھ اول مرتبہ میں جنت میں داخل ہوگا۔ (وان الله...... الفاجر): فاجر سے مراد یا تو منافق ہے، یا وہ لوگ مراد ہیں جو نام و نمود کے لئے نمائش کے جذبہ سے اچھے عمل کرتے ہیں اور گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ یا یہ کہ زندگی بھر تو اچھے عمل کرتے رہتے ہیں لیکن آخر میں کوئی ایسی بدعملی کر لیتے ہیں جس سے خاتمہ بالخیر نہیں ہوتا اللہ ہمیں عافیت نصیب فرمادے (آمین)۔ اس جملہ کے تعلق میں دو احتمال ہیں: ① ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس جملہ کا تعلق بھی اس اعلان سے ہے جس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیا۔ ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ جملہ مستأنفہ ہو اور اس کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ زبانی قول و دعویٰ اور ظاہری اعمال بہر صورت حقیقت حال کے ترجمان نہیں ہوتے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص زبان سے اپنی

نیکی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور بظاہر نیک کام بھی کرتا دکھائی دیتا ہے مگر اس کے اندر کی نیت کے فساد یا نفاق کی ایسی برائی ہوتی ہے، جس سے اس کے حقیقی احوال اور اس کے باطن کا اس کے ظاہر ہونے سے تعلق نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ظاہری اعمال کے سبب دین کو فائدہ پہنچتا ہے اس کی بڑی مثال وہ لوگ ہیں جو محض مالی مفاد اور دنیاوی اغراض فاسدہ کے تحت دینی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کا کام کرتے ہیں یا اذن دیتے ہیں، امامت کرتے ہیں، وعظ وتقریر کرتے ہیں اور مسجد ومدرسہ بناتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ بظاہر حسن عمل اور حسن خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں اور ان کی اس خدمت سے یقیناً اسلام اور مسلمانوں اور نیکی کے محتاج لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اور دین وملت کی تقویت کا باعث بنتا ہے لیکن حقیقت میں وہ خود اپنے عمل وخدمت پر اجر وثواب سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مخلصین میں سے بنا دے۔ (آمین)

تخریج: اس کو مسلم نے بھی الجامع میں ذکر کیا ہے کہ ابن حبانؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، جب کہ احمد بن حنبلؒ اور طبرانیؒ نے حضرت ابوبکرہؓ سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور طبرانی کی ایک روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں منقول ہے: "ان الله تعالى ليؤيد الاسلام برجالٍ ما هم من اهله". [اللہ اسلام کو ایسے لوگوں سے بھی تقویت پہنچا دیتے ہیں جو مذہباً مسلمان بھی نہیں ہوتے۔

جامع الاصول میں ان الله يؤيد هذا الدين باقوام لا خلاق لهم. اللہ تعالیٰ اس دین کو ایسے لوگوں کے ذریعہ بھی تقویت پہنچاتا ہے جن کا کوئی حصہ اس دین میں نہیں ہوتا (یا آخرت میں نہیں ہوتا)، یا مسلمانوں میں سے نہیں ہوتے۔

جادو کے اثرات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

۵۸۹۳وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ اِنَّهٗ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ حَتّٰى اِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدِيْ دَعَا اللّٰهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ اَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْتَانِيْ فِيْمَا اسْتَفْتَيْتُهٗ جَاءَ نِيْ رَجُلَانِ جَلَسَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِيْ وَالاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلِيْ ثُمَّ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ مَا وَجْعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهٗ قَالَ لَبِيْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ الْيَهُوْدِيُّ قَالَ فِيْمَا ذَا قَالَ فِيْ مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ قَالَ فَاَيْنَ هُوَ قَالَ فِيْ بِئْرِ ذَرْوَانِ فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اِنَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اِلَى الْبِئْرِ فَقَالَ هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِيْ اُرِيْتُهَا وَكَانَ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَانَ نَخْلَهَا رُؤُسُ الشَّيَاطِيْنِ فَاسْتَخْرَجَهٗ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٣٣٤/٦حديث رقم ٣٢٦٨ومسلم فى صحيحه ١٧١٩/٤حديث رقم (٢١٨٩-٤٣)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر (کسی یہودی کی طرف سے) جادو کر دیا گیا تو

آپ ﷺ نے کسی کام کو نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں آپ کو یوں خیال ہوتا کہ آپ نے یہ کام کرلیا ہے ایک دن آپ ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی اور اس کے بعد مجھ سے فرمانے لگے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تمہیں خبر ہے کہ میرے رب نے مجھے وہ بات بتادی جو میں نے اس سے پوچھی تھی؟ چنانچہ دو آدمی میرے پاس آئے ان میں سے ایک تو میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائینتی' پھر ان میں سے ایک نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا! انہیں کیا تکلیف ہے؟ ان پر جادو کیا گیا ہے' دوسرے نے جواب میں کہا۔ پھر پہلے والے نے پوچھا کہ جادو کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید ابن اعصم یہودی نے پھر پہلے نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا گیا ہے؟ دوسرے نے جواب میں کہا کہ کنگھی میں' ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑتے ہیں اور نر کھجور کے خوشہ میں۔ پہلے نے سوال کیا کہ یہ جادو کی ہوئی چیزیں کہاں پڑی ہیں؟ دوسرے نے جواب میں کہا بئر ذروان میں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہی وہ کنواں ہے جو مجھ کو دکھایا گیا ہے اس کنویں کا پانی مہندی کے عرق کی طرح لال تھا اور وہ خوشے ایسے تھے جیسے شیطان کے سر ہوں۔ خیر حضور پاک ﷺ نے ان تمام چیزوں کو کنویں سے نکلوالیا''۔

تشریح: لیخیل :فعل مجہول ہے۔ یظن کے معنی میں ہے۔ (وما فعله): بعض حضرات کہتے ہیں: مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ پر جادو کی وجہ سے نسیان غالب ہو گیا تھا اور اس نسیان کی وجہ سے اور آپ کو یہ وہم ہوتا، کہ فلاں کام آپ ﷺ نے کرلیا ہے، حالانکہ وہ کام نہیں کیا ہوتا یا یہ ہوتا کہ ایک کام جو آپ ﷺ نے کرلیا ہوتا تھا، یوں محسوس ہوتا کہ وہ کام نہیں کیا ہے، لیکن یہ صرف دنیاوی امور میں ہوتا تھا جبکہ دینی امور میں اس سے بالکل محفوظ تھے اور اس کی نظیر حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آنے والی حالت ہے جس کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے: ﴿**فاذ حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى**﴾ [طٰہٰ] یعنی حضرت موسیٰ کے خیال میں یہ بات آئی کہ جادو کے اثر سے خود یہ رسیاں دوڑ رہی ہیں، حالانکہ رسیاں نہیں دوڑ رہی تھی بلکہ یا تو ان کافر جادوگروں کی طرف سے نظر بندی کا اثر تھا کہ زمین پر پڑی ساکت وصامت رسیاں خیال میں دوڑتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یا یہ کہ جادوگروں نے ان رسیوں پر پہلے سے پارہ جیسی کوئی چیز مل رکھی تھی اور جب وہ رسیاں دھوپ میں زمین پر ڈال دی گئیں تو سورج کی تمازت سے ان کی ظاہری سطح پر اس طرح کی لرزش اور تھرتھراہٹ نمایاں ہوگئی جس سے حضرت موسیٰ کے خیال میں آیا کہ یہ رسیاں خود حرکت کر رہی ہیں ﴿**فاوجس فى نفسه خيفة موسىٰ**﴾ [طٰہٰ: ۷۶] جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ اپنے دل میں خوف محسوس کرنے لگے۔ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں جب حضرت موسیٰ نے اول وہلہ میں ان رسیوں کو دیکھا تو بشری جبلت کے مطابق خوفزدہ ہوئے۔ ایک قراءت میں یخیل علی بھی ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے ان کا زعم ہے کہ اس سے شان نبوت میں کمی واقع ہوتی ہے (اور نبی کے بارے میں اس بات کو جائز قرار دینا شرع پر اعتبار سے مانع ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ تبلیغ سے متعلقہ امور کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی عصمت اور صدق پر دلائل قطعیہ ثابت ہو چکے ہیں اور آپ کے تبلیغی مشن پر آپ کے معجزات شاہد ہیں، اس کے برعکس پیش کیئے جانے والے دلائل بالکل باطل ہیں، کیونکہ دیگر امراض کی طرح سحر بھی ایک مرض

ہے، انبیاء کی بشریت کے تحت جس طرح سے ان پر دوسرے جسمانی امراض کا اثر ہوتا تھا اسی طرح سحر کا بھی ان پر اثر انداز ہونا ان کی نبوت کے منافی نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کہ اس جادو کے اثر سے آنحضرت ﷺ کا خیال تو بہک جاتا تھا لیکن اس کی صحت کا اعتقاد نہیں ہوتا تھا اور اپنی صحت وراستگی پر برقرار تھے البتہ دنیوی معاملات میں کچھ فرق آ گیا تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ممکن ہے جو چیزیں دین سے تعلق نہیں رکھتی تھیں ان میں سحر کے اثر کا اعتقاد بھی آپ رکھتے ہوں پھر آپ کو اس پر متنبہ بھی کر دیا گیا، کہ اس چیز کا اثر ہوتا ہے، لیکن آپ ﷺ پر اس کا غلبہ نہیں ہوگا۔ اور آپ ہی غالب رہیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:﴿ لا تخف انك انت الاعلى ﴾[طٰہٰ] (مت ڈریئے تم ہی غالب رہو گے)۔

بعض حضرات نے لیخیل الیه کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیال میں آتا کہ اپنی کسی بیوی سے ہم بستری کریں لیکن پھر نہیں کرتے تھے یعنی آپ ﷺ میں خواہش پیدا ہوتی تھی اور یہ جانتے تھے کہ ہم بستری کی قدرت رکھتا ہوں، لیکن جب بیوی کے پاس جاتے تھے تو ان پر قادر نہیں ہوتے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: آپ کو جو یہ خیال آتا کہ فلاں کام آپ ﷺ نے نہیں کیا وغیرہ یہ تخیل بالبصر پر محمول ہے، نہ کہ تخیل عقل پر اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو آپ کی رسالت کے منافی ہو۔ امام مظہرؒ فرماتے ہیں: کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جادو کی حقیقت تسلیم کرنا اور انبیاء پر اس کے اثر کے مؤثر ہونے کے تسلیم کرنا شرع میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ تو یہ خیال ٹھیک نہیں کیونکہ جادو ظاہری جسم پر اثر کرتا ہے، اور انبیاء من حیث البشر اس سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ جس طرح دوسرے امراض کا اثر ہوتا ہے۔ اور انبیاء کے اجسام مبارکہ پر جادو کا اثر ان کے قتل کے اثر سے زیادہ بڑھ کر نہیں۔ حالانکہ انبیاء قتل کے اثر سے متاثر ہوئے ہیں، اسی طرح زہر اور دوسری بیماریوں کا اثر ان پر ہوتا رہا ہے، جیسے حضرت زکریا اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰ قتل کیے گئے! خود آنحضرت ﷺ کو زہر دیا گیا جس نے آپ ﷺ پر اثر کیا! لیکن امور دینیہ کے اعتبار سے انبیاء معصوم ہیں اور ان کی حفاظت کی گئی ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے اپنے دین اور وحی کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، اس لئے اس میں کسی طرح سے یہ صورت ہرگز پیش نہیں آتی تھی۔

نیز انبیاء علیہم السلام پر ظاہری طور پر جو اثر ہوتا تھا وہ بھی جلد زائل ہو جاتا تھا لیکن وقتی طور پر جو اثر ہو جاتا تھا وہ بھی اس بات پر تنبیہ کرنے کی غرض سے ہوتا تھا کہ یہ انبیاء بھی تمہاری طرح بشر ہیں۔ ② اور یہ کہ جادو کا اثر حق ہے۔ جب اشرف المخلوقات سحر سے متاثر ہو سکتی ہے تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے؟

(حتی ...... یوم): ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ جملہ منصوب ہے رفع پڑھنا بھی جائز ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول لیا جائے تو اس صورت میں رفع غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (عندی ...... و دعاہ): لفظ دعا کو مکرر لایا، یا تو تاکید مقصود ہے یا تکثیر یعنی آپ نے بہت دعائیں کی۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دعا کے بعد دعا کرتے تھے آپ ﷺ نے استمرار فرمایا، میری اس توجیہہ کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے ثم دعا ثم دعا.

امام نوویؒ کہتے ہیں: یہ دلیل ہے کہ جب نامساعد حالات درپیش ہوں یا کوئی ناپسندیدہ واقعہ پیش آئے تو دعا کا اہتمام کرنا

مستحب ہے اور اللہ پاک سے خوب التجا کرنی چاہئے۔

والآخر عند رجلي: ایک نسخہ میں تثنیہ کے ساتھ (رجلین) ہے۔ (ثم قال..... الرجل): کہ ان صاحب کی تھکاوٹ کی وجہ کیا ہے جس کو تکلیف سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (قال مطبوب): طب الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب جادو کیا گیا ہو۔ فرشتوں نے طب کہہ کر جادو کی طرف اشارہ کیا۔ ڈسے ہوئے کو سلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (قال لبید..... الیھودی): بعض کہتے ہیں: یہاں لبید سے مراد اس کی بیٹیاں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ومن شر النفاثات فی العقد﴾ انھیں کی طرف اشارہ ہے۔ النفاثات سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہے: یا تو نساء (عورتیں) ہیں، ⑵ یا جادوگروں کے نفوس' جو کہ دھاگے کی گروں پر جادو کے منتر پھونکتے ہیں۔ نفث کا معنی ہے ایسی پھونک جس میں تھوک کے ذرات شامل ہوں۔

قاضی عیاضؒ نفخ مع ریق کہ ایک یہودی نے قوس کی گیارہ گرہوں میں آنحضرت ﷺ پر جادو کر کے اس کو کنویں میں دبا دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اس سحر کے اثر سے بیمار ہو گئے، تب اللہ تعالیٰ نے معوذتین نازل فرمائیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وہ کنواں بتایا جہاں وہ دفن تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا وہ اس کو نکال کر لائے اور اس پر یہ دونوں سورتیں پڑھیں، حضرت علیؓ جب ایک آیت پڑھتے تو اس کی ایک گرہ خود بخود کھل جاتی تھی، اس طرح ہر آیت پر ایک ایک گرہ کھل کر تمام گرہیں کھل گئیں اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی حالت میں کچھ تخفیف محسوس کی۔

اس واقعہ سے اس وقت کے کفار کی اس بات کا سچ ہونا لازم نہیں آتا ہے، جو وہ کیا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو سحر زدہ ہیں۔ وہ تو یہ بات اس معنی میں کیا کرتے تھے کہ محمد ﷺ پر کسی ایسے سحر کا اثر ہے جس نے (نعوذ باللہ) ان کی عقل کو ماؤف کر دیا ہے اور جنون طاری کر دیا جبکہ آنحضرت ﷺ پر کئے جانے والے اس سحر کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ (عیاضؒ کا کلام ختم ہو گیا)۔

ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضیؒ نے جو روایت بیان کی ہے وہ کوئی دوسرا واقعہ ہے اور وہ اس واقعہ کے علاوہ جو یہاں حدیث میں بیان کیا گیا ہے، لیکن ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر الگ الگ دو صورتوں میں ایک ساتھ پیش آیا تھا یعنی خود لبید نے بھی آنحضرت ﷺ پر سحر کیا تھا اور اس کی بیٹیوں نے بھی کیا تھا اور اس طرح حق تعالیٰ نے گویا آپ ﷺ کے ثواب کو دو چند کرنے کے لئے دونوں سحر کے اثرات میں مبتلا کیا۔ واللہ اعلم

(قال فی مشط): (لفظ مشط، میم کے ضمہ کے ساتھ)۔ کنگھا کرتے وقت سر اور داڑھی کے گرنے والے بالوں کو ''مشاطہ'' کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے المشط کتف، اور عنق عقل اور منبر کی طرح ایک آلہ کا نام ہے جس سے بال بنائے جاتے ہیں۔ (وجف..... ذکر): (لفظ جف، جیم کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ) ایک برتن کو کہا جاتا ہے جو کہ کھجور کے تنے سے بنایا جاتا ہے، اور لفظ طلعه کی اضافت ذکر کی طرف کی، اور یہاں ذکر سے مراد نر کھجور کا درخت مراد ہے، ایک روایت میں جف کے بجائے ''جب'' یعنی باء کے ساتھ منقول ہے، اس صورت میں نر کھجور کا اندرونی حصہ مراد ہوگا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: لفظ جف جیم اور فاء دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ہمارے شہر میں پائے جانے والے اکثر نسخوں میں بھی اسی طرح سے پایا جاتا ہے، جبکہ بعض نسخوں میں باء کے ساتھ ''جب'' کا لفظ بھی موجود ہے۔ دونوں کا ایک معنی ہے: یعنی وہ برتن جو کھجور کے تنے سے بنایا جاتا ہے، اور یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث میں

"طلعة" کی اضافت ذکر کی گئی ہے اور یہ اضافت' اضافت بیانیہ ہے۔

ذروان: ذال معجمہ کے فتحہ کے ساتھ۔ایک شارح کہتا ہے: مسلم شریف میں ہے: في بئر ذي اروان. اور کہا جاتا ہے یہی لفظ زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مدینہ میں اروان نامی کنواں مشہور ہے (بنسبت ذروان کے) جو کہ ایک گھنٹے کے مسافت پر واقع ہے اور یہیں پر مسجد ضرار بنائی گئی تھی۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: کتاب مسلم میں ہے: في بئر ذي اروان .بخاریؒ کی بعض روایات میں بھی یہ لفظ اسی طرح پایا جاتا ہے۔لیکن زیادہ تر روایات میں "ذروان" ہے۔دونوں طرح سے مشہور بھی ہے، اور صحیح بھی ہے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔یہ کنواں بستان ابوزریق میں ہے۔

قوله : فذهب...... اناس: في اناس میں في بمعنی مع ہے۔(الى بئر...... أريتها): اريتها بصیغہ مجہول۔ (وكان): حرف ان مشدد ہے۔(ماء ها نقاعة الحناء): لفظ نقاعه نون کے ضمہ کے ساتھ رنگ کو کہتے ہیں۔النقاعة وہ پانی وغیرہ جس میں کوئی چیز بھگوئی جائے۔

(وكان...... الشياطين): امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں: کھجور سے مراد اس کا تنا ہے باقی اس کی نسبت واضافت کنویں کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ وہ طلع اس کنویں میں مدفون تھا اور اس کو شیاطین کے سروں سے اس لئے تشبیہ دی کہ کھجور کے وہ خوشے منتر اور پانی کے اثر کی وجہ سے بہت زیادہ بد ہیئت اور وحشت ناک ہو گئے تھے۔اور اہل عرب شیطان کی صورت کو قبیح ترین مناظر میں شمار کرتے تھے' چونکہ معنی اسی قسم کی صورت کا متقاضی ہے۔بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں شیطانوں سے مراد دھاری دار موذی سانپ ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کھجور کے وہ خوشے اس طرح ہو گئے تھے جیسے وحشت ناک سانپ ہوں بہر کیف جو بھی ہو حدیث میں اس کو لانے کا مقصد قرآن کریم کی نص کی تمثیل پیش کرنا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ﴿كأنه رؤوس الشياطين﴾ [الصافات ٦٥].

مستقبل کی پیشینگوئی' ذوالخویصرہ اور خوارج کا خروج

۵۸۹۴: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُقَسِّمُ قَسْمًا اَتَاهُ ذُوالْخُوَیْصِرَةِ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِعْدِلْ فَقَالَ وَیْلَكَ فَمَنْ یَّعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ اِنْ لَّمْ اَكُنْ اَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ اِئْذَنْ لِیْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّ لَهٗ اَصْحَابًا یَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلٰوتَهٗ مَعَ صَلٰوتِهِمْ وَصِیَامَهٗ مَعَ صِیَامِهِمْ یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ كَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ یَنْظُرُ اِلٰی نَصْلِهٖ اِلٰی رُصَافِهٖ اِلٰی نَضِیِّهٖ وَهُوَ قِدْحُهٗ اِلٰی قُذَذِهٖ فَلَا یُوْجَدُ فِیْهِ شَیْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ اٰیَتُهُمْ رَجُلٌ اَسْوَدُ اِحْدٰی عَضُدَیْهِ مِثْلَ ثَدْیِ الْمَرْاَةِ اَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ

رُوْیَخْرُجُوْنَ عَلٰی خَیْرِ فِرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ اَشْهَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِیْثَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَاَنَا مَعَهٗ فَاَمَرَ بِذٰلِكَ الرَّجُلَ فَالْتُمِسَ فَاُتِیَ بِهٖ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلَیْهِ عَلٰی نَعْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ نَعَتَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَیْنَیْنِ نَاتِی الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْیَةِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَیْنِ مَحْلُوْقُ الرَّاْسِ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِتَّقِ اللّٰهَ فَقَالَ فَمَنْ یُّطِعُ اللّٰهَ اِذَا عَصَیْتُهٗ فَیَاْمَنُنِیَ اللّٰهُ عَلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِیْ فَسَاَلَ رَجُلٌ قَتْلَهٗ فَمَنَعَهٗ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ فَیَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَیَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦١٧/٦ حدیث رقم ٣٦١٠ ومسلم فی صحیحه ٧٤٤/١ حدیث رقم (١٤٣-١٠٦٤) واخرجه ابن ماجه فی السنن ٦١/١ حدیث رقم ١٧١ واخرجه احمد فی المسند ٥٦/٣

ترجمہ: ''حضرت ابی سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (مقام جعرانہ میں) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (غزوہ حنین میں حاصل ہونے والا) مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے اتنے میں ایک شخص جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا' جس کا نام ذوالخویصرہ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ اے رسول خدا (تقسیم میں) عدل وانصاف سے کام لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر' اگر میں عدل وانصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا اور اگر میں انصاف سے کام نہ لوں تو میں خائب وخاسر ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمائیں تو اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس کے فرمانبردار ہوں گے اور ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں اور روزوں کو بہت حقیر جانو گے' وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ جائے گا اور وہ اپنے دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے تو چاہئے کہ اس کے پیکان کو دیکھو' اس کے رصاف کو دیکھو اور اس کے پروں کو دیکھو' کہیں بھی کچھ نہیں پایا جاتا حالانکہ وہ تیر گوبر اور خون میں سے ہو کر نکلتا ہے اور اس (ذوالخویصرہ) کے فرمانبرداروں کے (سردار) کی علامت یہ ہوگی کہ وہ کالا سیاہ ہوگا۔ (جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح) یہ ذوالثدیہ کہلائے گا اور وہ لوگ یعنی جو اسکے فرمانبرداروں میں سے ہوں گے' وہ لوگوں کی بہترین جماعت کے خلاف بغاوت کریں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے پھر یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فرقہ کے لوگوں سے جنگ کی (جس کی طرف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تھا) اور میں اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتح اور دشمنوں کو شکست حاصل ہوئی (پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا (جس کے بارے میں پیش گوئی کی تھی) بہرحال مقتولین میں سے تلاش کر کے اس شخص کو لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کا حلیہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا اور ایک روایت میں اتاہ ذوالخویصرہ

کے بجائے یوں مذکور ہے: ایک آدمی آیا جس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں بلند پیشانی' گھنی داڑھی' اٹھے ہوئے رخسار اور سر منڈا ہوا تھا۔ پس اس شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے محمد ﷺ اللہ سے ڈر۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ہی حق تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو اس کی فرمانبرداری کون کرے گا اللہ تعالیٰ مجھے اہل زمین کے بارے میں امین جانتے ہیں اور تم مجھے امین نہیں جانتے (اور مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے)۔ اس پر ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے منع فرما دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس شخص کے نسب سے کچھ لوگ پیدا ہوں گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نہ اترے گا اور وہ اسلام کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے پھر وہ لوگ بت پرستوں کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں سے جنگ وجدل میں مصروف رہیں گے۔ فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو میں ان کو اس طرح قتل کر دوں جس طرح قوم عاد کے لوگ قتل کئے گئے تھے۔

تشریح: قسمًا: تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''قسم'' قَسَمْت الشئ فانقسم' شئ مقسم یعنی غنیمت کو مصدر کا نام دیا اور ''القسم'' قاف کی کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو حصہ مراد ہوتا ہے، لیکن یہاں حدیث میں کسرہ والی صورت مراد نہیں لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حصہ تو اس وقت کہا جا سکتا ہے جب ہر ایک کا حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور یہ تقسیم کیا جانے والا مال حنین کے غنائم تھے جو مقام جعرانہ میں آنحضرت ﷺ تقسیم فرما رہے تھے۔ **خویصرہ :** خاصرہ کی تصغیر ہے۔

وهو رجل من بني تميم: بنوتمیم ایک بڑا اور مشہور قبیلہ ہے اور اسی کے متعلق آیت ﴿ومنهم من يلمزك في الصدقات﴾ [الصافات: ٦٥] نازل ہوئی، یہ منافقین میں سے تھا آگے آئے گا کہ خوارج اسی کی نسل میں سے تھے۔ ایک شارح نے جو یہ کہا ہے کہ یہی شخص خوارج کا سردار تھا' اس میں مسامحت ہے، کیونکہ خوارج کا ظہور تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ہوا۔ (**فقال :...... اعدل**): بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس منافق نے **یا رسول اللہ اعدل** بطور توریہ کہا تھا جو کہ منافقین کی عادت تھی کہ عدل سے تسویہ مراد لے رہا تھا یا ہر ایک کے شایانِ شان حق کا مطالبہ کر رہا تھا، اور عدل ظلم کے مقابلہ میں آتا ہے۔ غزوۂ حنین میں غنیمت کے طور پر جو مال واسباب اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا تھا اس کو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جس شخص کی جتنی ضرورت وحاجت تھی، اس کو اسی اعتبار سے عطا فرمایا، اس منافق کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے بدظنی کے اظہار میں آنحضرت ﷺ پر گویا اعتراض کیا کہ آپ ﷺ کو مال غنیمت اس طرح تقسیم نہیں کرنی چاہئے، بلکہ ہر شخص کو برابر تقسیم کرنا چاہئے خواہ اس کی ضرورت کتنی ہی زیادہ ہو لیکن آنحضرت ﷺ نبوت کی فراست اور قرینہ حال سے عدل کے تقاضوں کو جانتے تھے کہ عدل کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص کو برابر برابر دیا جائے، بلکہ عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ ضرورت مند ہے، اس کو اتنا ہی زیادہ دے کر اس کی ضرورت کو پورا کیا جائے، اور جو شخص کم ضرورت رکھتا ہے، اس کو کم دیا جائے، یا یہ مقصود تھا کہ جس جگہ زیادہ دینے کا تقاضہ ہو وہاں کم دینا بھی ظلم ہے اور آنحضرت ﷺ غصہ ہوئے اور فرمایا (قال :...... قد خبت): لفظ خبت، خاء معجمہ کی کسرہ اور باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ (**خسرت**): دونوں فعل صیغہ خطاب کے ساتھ ہیں۔

امام تورپشتی کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے محرومی اور خسران کی نسبت مخاطب کی طرف اس لئے فرمائی کہ اصل عدم عدل اس کی جانب سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، اور آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے کہ مخلوق میں

عدل قائم کریں، اب کوئی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل میں شک کرے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کے بعثت ہی کا منکر ہے، اور وہ خائن ہے، لہٰذا وہ نا کام اور محروم ہے نہ کہ اللہ کا رسول، کیونکہ خائن کو اللہ پسند نہیں فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خائن ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کیسے ملتی اور بندوں کی طرف کیسے مبعوث ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اس قائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاف نہیں کیا، تو اس حکم کی وجہ سے وہ سائل خود محروم و نامراد ہو گیا۔

فقال عمر ائذن لی ان اضرب عنقه: اضرب جزم کے ساتھ ہے، جواب امر ہے اور ان مقدر ہے، رفع بھی جائز ہے، کیونکہ ایک صحیح نسخے میں ہے ان اضرب عنقه۔

شرح السنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے قتل سے کیسے منع کر دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما رہے ہیں: "لئن ادرکتہم لا قتلتہم قتل عاد" بعض کا کہنا ہے کہ ان کا قتل اس صورت میں مباح قرار دیا تھا کہ جب یہ لوگ باقاعدہ اپنا گروہ بنائیں گے اور بہت سارے مل کر اور ہتھیار بند ہو کر اہل اسلام سے تعارض کریں اور ان کے خلاف جنگ کے درپے ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منع کرنے کے وقت یہ صورت نہیں تھی، وہ تو بس ایک ہی شخص تھا جس نے اپنی بدباطنی کا اظہار کر دیا تھا لیکن اس بدبخت کے فتنہ انگیزیوں اور تابعداروں کا ظہور کی اصل ابتداء حضرت علیؓ کے زمانے میں ہوئی چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کا مقابلہ کیا اور ان میں سے بہت سوں کو موت کی گھاٹ اتارا۔

زیادہ واضح بات وہ ہے جو اکملؒ نے لکھی ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کو اس شخص کی قتل کی اجازت نہ دینا دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن اخلاق اور کمال تحمل و بردباری کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اپنی ذات کے بارے میں کسی سے بدلہ و انتقام نہیں لیتے تھے، حالانکہ اس شخص نے زیادتی اور عداوت کے اظہار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اس لئے کہ اس نے براہ راست ذات رسالت کو مخاطب کر کے کہا: "عدل و انصاف سے کام لو"۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے اتق اللہ کہا۔ یعنی اللہ سے ڈرو۔ ایک روایت میں اس کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ "ان هذا لقسمة ما عدل فيها" یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم جس طرح مال غنیمت تقسیم کر رہے ہو، اس میں عدل و انصاف نہیں ہے۔ اس کے اس طرح کے الفاظ اس بات کے لئے کافی تھے کہ اُسے فوراً قتل کر دیا جاتا، کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگایا، اس لئے کہ اگر کوئی شخص آج بھی ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس طرح کے الفاظ زبان سے نکالے تو اس پر کفر و ارتداد کا حکم لگا دیا جائے گا۔ لیکن اس توہین کے باوجود رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر فرمایا اور سزا دینے کی اجازت نہیں دی۔ انتھی۔

جن لوگوں نے آنے والی عبارت کو توجیہہ میں بیان کی ہے وہ اس ممانعت کی علت یہ عبارت نہیں بن سکتی، وہ عبارت ہے "فان له اصحابًا" کہ اس کے تابعدار لوگ پیدا ہوں گے جن کی صفات یہ ہوں گی "انه يحقر احدكم صلاته" یعنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے "مع صلاتهم" ریاء اور سمع سے ان کی نمازیں ایسی بھری ہوئی ہوں گی کہ بڑے بڑے پکے مسلمان اپنی نمازوں کو ان کے مقابلے میں کمتر سمجھیں گے۔ (وصيامه...... صيامهم): نوافل روزے۔ ایک شارح لکھتا ہے، اس میں تنبیہ ہے کہ خود نمازیں بھی پڑھیں گے لیکن ساتھ نمازیوں کو قتل بھی کریں گے جن کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ انتھی

یہ محل کلام ہے چونکہ یہ نہی مطلقاً نہیں ہے۔(یقرأون القرآن): یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی وہ قرآن کی تلاوت اس طرح کریں گے کہ ترتیل وتجوید اور مخارج وحروف کی رعایت کے تمام آداب وشرائط پر اتریں گے اور مواظبت کے ساتھ تلاوت کیا کریں گے۔(لا یجاوز تراقیهم): حالانکہ ان کا پڑھا ہوا ان کے حلق سے نہیں اترے گا، یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ ان کے اعمال قبول نہیں ہوں گے، اور نہ ان کی تلاوت مقبول ہوگی۔

ایک شارح نے لکھا ہے: "تراقی" یہ جمع ہے "ترقوة" کی ،ہنسلی کی ہڈی کو کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا کلام ان کے دل اور فہم میں نہیں اترے گا۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: اس جملہ کا مطلب یہ ہے: زبانی تلاوت کا اثر ان کے دلوں پر نہیں ہوگا۔یا یہ کہ مخارج اور صفات سے ادا کئے ہوئے یہ الفاظ محل قبول اور انابت کو نہیں پہنچیں گے۔

قوله یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمية' یخرجون کے معنی میں ہے۔(من الدین): پھر جب وہ لوگ اپنا مضبوط اور وسیع جتھہ بنالیں گے تو امام وقت کی اطاعت ،یا سرے سے اسلام کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے۔ (کما...... الرمیه): جیسے تیر شکار کے بیچ میں سے نکل جاتا ہے۔الرمیه یاء کی تشدید کے ساتھ فعیلہ کے وزن پر بمعنی اسم مفعول ہے۔شکار کو کہا جاتا ہے۔مرق السهم من الرمية اس وقت کہا جاتا ہے جب تیر شکار کو لگ کر دوسری جانب سے پار نکل جائے ،اور اس میں خون وغیرہ کی آلائش کا نشان ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ایک شارح لکھتا ہے آنحضرت ﷺ نے ان کے دین سے نکلنے کو تیر سے تشبیہ دی ہے سرعت میں کہ جس طرح شکار کے بیچ سے نکلے ہوئے تیر کے اوپر سے لے کر نیچے تک کسی بھی حصے پر خون یا نجاست کا نشان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا، حالانکہ وہ تیر خون اور نجاست ہی میں سے ہو کر باہر نکلتا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی تیزی کے ساتھ دین سے نکلیں گے اور دین سے نکلنے کے بعد ان پر دینداری کا ذرہ بھر بھی کوئی اثر دکھائی نہیں دے گا۔

قوله :ینظر الی نصله...... قد سبق الفرث والدم :ینظر فعل مجہول ہے۔رصافه: ضمہ اور کسرہ ہر دونوں کے ساتھ "الی رصافه" یہ بدل ہے الی نصله سے۔"رصاف" اس تانت کو کہتے ہیں جو تیر کے پھل کے داخل کرنے کی جگہ ہے۔نصله: نون کے فتحہ ،ضاد کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ۔

قدحه: لفظ قد ،قاف کی کسرہ کے ساتھ یہ جملہ معترضہ جو کہ راوی نے نضی کی تفسیر کے لئے لایا۔(الی فدذه): یہ آنحضرت کا اپنا قول ہے، یہ قذة کی جمع ہے لفظ قذ ،قاف کے ضمہ اور ذال کی تشدید کے ساتھ تیر کے پر کو کہتے ہیں، تمام افعال مذکورہ کے متعلق کے طور پر تعدد ذکر کیا۔(فلا یوجد فیه): ضمیر مجرور السهم کی طرف راجع ہے، باوجود ان تمام میں سے ہر ایک سے ہو کے گزر جاتا ہے۔(قد سبق الفرث والدم): مطلب یہ ہے کہ جس طرح تیر شکار کو لگ کے پار ہو جاتا ہے، اور اس پر کوئی بھی آلائش اور خون وغیرہ نہیں لگتا اس طرح کا حال ہوگا ان لوگوں کا اسلام میں داخل اور خارج ہونے میں، کہ داخل ہو کے تیزی کے ساتھ خارج ہونے کی وجہ دین کے اثر کا نام ونشان تک ان پر نہیں ہوگا۔بعض حضرات کہتے ہیں: یہاں نصل سے مراد دل ہے۔جو متاثر ومؤثر ہونے والی چیز ہے، لیکن جب آپ ان کے دل کو دیکھیں تو اس میں ان کی ان عبادات کا کوئی اثر نہیں [illegible] ہے، حالانکہ دل ہی وہ مقام ہے جو انشراح اور اوامر ونواہی کے اثر کی جگہ ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے دل انشراح اور

سعادت کے اثر سے محروم ہوں گے اور نضی سے مراد بدن ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کے جسم نماز روزوں سے تکلیف اٹھائیں گے لیکن ان کو اس تکلیف سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور ''قذہ'' سے مراد اطراف بدن ہیں، جو بمنزلہ آلات کے ہیں، یعنی اس سے ان کو وہ فائدہ نہیں ہوگا، جو اہل سعادت کو نصیب ہوتا ہے۔

قوله : آيتهم رجل أسود...... من الناس :

بضعه : باء کے فتحہ کے ساتھ گوشت کا ایک ٹکڑا۔ او راوی کو شک ہونے کی وجہ سے لایا۔ **(تدردر)**: اصل میں **تتدر در** ہے، ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے، کہ وہ ٹکڑا اہلتا ہوگا اور کبھی ظاہر ہوگا، کبھی غائب۔ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **تدردر** کا معنی یہ ہے کہ وہ ٹکڑا کانپ رہا ہوگا، اور کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ۔ انتھی

طیبی رحمہ اللہ کی وضاحت یہ بتلا رہی ہے کہ انہوں نے اس کو فعل ماضی بنایا ہے، حالانکہ یہ کتب اصول کے ضوابط کے خلاف ہے۔

(ويخرجون): اس جملہ کا عطف ''**يمرقون**'' پر ہے۔ **(من الناس)**: اس سے مراد حضرت علی اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ ایک روایت میں ہے **علی الناس**۔ اس صورت میں **فرقه**، فاء کے ضمہ کے ساتھ ہوگا، اور **علی** ''**في**'' کے معنی میں ہوگا۔ کہ یہ لوگ ایسے وقت میں خروج کریں گے کہ اس وقت مسلمان کے حالات بہت پریشان کن ہوں گے اور ان کے درمیان جنگ اور مشاجرات ہوں گے۔

قوله : وفي رواية: فمنعه : ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بدل ہے ''**اتاه**'' سے جو کہ ذوالخویصرہ والی حدیث کا شروع حصہ ہے۔ **اقبل رجل غائر العنيين**: لفظ **غائر**، **غور** سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، کہ جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھی۔ **(ناتئ الجيبهه)**: جملہ **ناتئ** کے تاء پر کسرہ ہے اور پھر تاء کے بعد ہمزہ۔ جس کا معنی ہے ابھری ہوئی ہونا یعنی اس کا ماتھا ابھرا ہوا تھا۔ **(كث اللحية)**: لفظ **كث**، کاف کے فتحہ اور ثاء کے تشدید کے ساتھ (گھنی داڑی) اور سر منڈا ہوا تھا، شاید اس کے دو مقصد ہو یا تو نظافت وغیرہ میں زیادہ اہتمام کرنے کے لئے اس نے یہ کیا تھا یا سب سے کٹ کر اپنی خاص علامت بنائی ہوئی تھی، گویا کہ اس شخص کی طرف سے اس ہیئت وصورت کی ظاہری مخالفت تھی، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام تھے، کیونکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سر پر بال رکھتے تھے منڈاتے نہیں تھے، سوائے اس موقع کے جب حج سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈانا ضروری ہوتا ہے، البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اکثر اپنا سر منڈایا کرتے تھے، اور وہ بھی اس احتیاط کے پیش نظر کہ غسل میں کہیں بالوں کی وجہ سے پانی سر تک پہنچنے سے نہ رہ جائے، جو ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے۔ **(فقال: فمن يطع الله)**: مجھ سے بڑھ کر میری امت میں کون اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے؟ میں مقام نبوت وعصمت پر فائز ہونے کی وجہ سے اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہوں بھلا! تو مجھ کو اطاعت گزاری کا سبق دیتا ہے۔ **(علی...... تأمنوني)**: **تأمنوني**، نون کے تشدید اور بغیر تشدید ہر دو کے ساتھ جائز ہے، اور یہاں ذوالخویصرہ اور اس کی قوم کو بطور عتاب یہ جملہ فرمایا گیا ہے۔ **(قال...... هذا)**: لفظ **ضئضئ** دونوں ضاد کے کسرہ کے ساتھ نیز اس میں دو ہمزے تھے پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا۔ کہ اس شخص کے اصل ونسب اور اس کے وجد سے ایک قوم نمودار ہوگی۔ النہایہ میں **ضئضئ** کا معنی اصل

نسب اور عقب لکھا ہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن لوگوں نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ وہ قوم اس کی اولاد میں سے ہوگی تو یہ بات بہت بعید ہے اس لئے کہ خوارج میں کسی ایسی قوم کا ذکر نہیں جو کہ ذوالخویصرہ کی نسل سے ہو، پھر جس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس سے لے کر حضرت علیؓ کے خلاف خروج کرنے تک کا زمانہ بھی اس کا احتمال نہیں رکھتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم اسی نسل سے ہوگی جس نسل سے ذوالخویصرہ ہے، یا مذہب کے اعتبار سے یہ ایک اصل پر ہوں گے۔ (قوماً...... حناجرھم): کہ وہ ظاہر تک رہے گا باطن پر اثر نہیں کرے گا۔ اسلام سے یا امام کی اطاعت سے نکل جائیں گے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ سے خوارج کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ خطابیؒ کہتے ہیں دین سے نکل جائیں گے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ دین اسلام کے دائرہ سے خارج ہو جائیں گے بلکہ ان کا امام وقت کے خلاف بغاوت کرنا مراد ہے۔ (مروق السھم): یہ تشبیہ ہے تیزی میں۔ (من الرمیة): یعنی بغیر دین سے فائدہ اٹھائے ہوئے۔ (فیقتلون اھل السلام): کہ کبائر گناہ کرنے کی وجہ سے وہ کافر اور منکر ہو جائیں گے، اور ان کی اس تکفیر کی وجہ سے اہل اسلام ان سے قتال کریں گے یا یہ کہ وہ اہل اسلام سے تو جنگ کریں گے۔ (لئن...... عاد): یہاں قتل سے مراد ان کی اجتماعی ہلاکت ہے اور مکمل استیصال ہے۔ اور ہلاکت واستیصال کو قتل سے تعبیر کرنا محض مشاکلت کے لئے ہے، ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو قوم عاد کو قتل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ سخت آندھی اور طوفان کے ذریعہ اس طرح ان کو ہلاک و برباد کیا گیا تھا کہ پوری قوم نیست و نابود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے قتل کے جواز پر دلالت کر رہے ہیں کہ جب ان پر غلبہ حاصل ہوا ہے اس لئے اس ایک شخص کے قتل سے منع کیا گیا۔ انتھی

یہ محل نظر ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ذوالخویصرہ کو قتل نہ کرنے کی وجہ اس کا اکیلا ہونا نہیں تھا بلکہ اس عدم قتل کا سبب کچھ اور تھی، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دُعاء کی فوری قبولیت، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا قبولِ اسلام

۵۸۹۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْا اُمِّیْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَهِیَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِیَ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَی الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّیْ خَشْفَ قَدَمَیَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٣٨/٤ حديث رقم (١٥٨-٢٤٩١) و أحمد في المسند ٣٢٠/٢

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں انہیں اسلام کی دعوت دیتا رہتا تھا' ایک دن (جس طرح میں روز کرتا تھا) میں نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی' تو انہوں نے (غصہ میں) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں (نازیبا اور گستاخانہ) بات کہہ دی۔ جس سے میرا دل بہت خراب ہوا (میں مایوس اور پریشان ہو کر ماں کی عزت میں کچھ کہہ بھی نہیں سکا) میں روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور درخواست کرنے لگا کہ باری تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی ''اے اللہ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرما! میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خوش ہوتا ہوا وہاں سے نکلا جب میں دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ میری والدہ نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو مجھے آواز دی ابھی وہیں رُکو' اندر نہ آنا پھر میں نے پانی کے گرنے کی آواز سنی۔ میری والدہ نے غسل کیا اور کپڑے پہنے اور دروازہ کھول دیا جلدی میں دوپٹہ لینا بھی بھول گئیں اور کہنے لگیں! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو میں خوشی کے آنسو بہاتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف بیان کی اور شکر ادا کیا اور میری والدہ کے بارے میں اچھا فرمایا''۔

تشریح: وهي مشركة حال مؤکدہ ہے یا حالت شرک پر استمرار بتانا مقصود ہے۔

قلت: ایک نسخہ میں فقلت ہے۔

مجاف: اسی سے حدیث ''اجيفوا ابوابكم'' ہے۔ یعنی اپنے دروازوں کو بند رکھو' ہے۔ النہایہ میں اسی طرح ہے۔ (فسمعت ...... قدمي): قدمي تثنیہ ہے۔ ایک نسخہ میں مفرد کے ساتھ منقول ہے۔ (وحسهما): لفظ خشف خاء کے فتحہ اور شین کے سکون وحرکت ہر دونوں کے ساتھ۔ (مقالت مكانك): مكانك منصوب ہے۔ (فاغتسلت ...... درعها): لفظ درع، دال کی کسرہ کے ساتھ قمیص کو کہتے ہیں۔ وعجلت: سمع يسمع سے ہے۔ (عن خمارها): یعنی جلدی میں چادر لینا بھول گئیں۔ عجلت عنه اس وقت کہتے ہیں، جب اس کو کہیں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اوڑھے نہ۔ مطلب یہ ہے کہ دروازہ کھولنے کے لئے جلدی کرنے کی وجہ سے صرف قمیص پہن لی تھی اور چادر اوڑھنا بھول گئیں۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم بھی یہی بنتا ہے وہ لکھتے ہیں: دروازہ کھولنے کے لئے دوڑی، تو ان کی اوڑھنی غسل خانہ میں ہی رہ گئی۔ (ثم قالت ...... وقال خيرًا): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی، یا کوئی ایسی بات کہی کہ جو میرے لئے بہت اطمنان اور خیر کے باعث بھی، یا یوں کہا اے ابو ہریرہ! تیری والدہ کے اسلام لانے سے مزید تیرے لئے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھل گئے، اور تو نے بھلائی پائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بے نظیر حافظہ

٥٨٩٦: وَعَنْهُ قَالَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَاِنَّ اِخْوَاتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ

يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَءًا مِسْكِيْنًا اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَقْضِىَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعُهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرَهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ مِنْ مَقَالَتِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢١٣/١حديث رقم ١١٨ومسلم في صحيحه ١٩٣٩/٤حديث رقم (١٥٩-٢٤٩٢) وأخرجه الترمذي في السنن ٦٤٢/٥حديث رقم ٣٨٣٤

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (ایک دن تابعین یا بقول بعض متاخرین صحابہ کو مخاطب ہو کر) کہا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابو ہریرہؓ حدیثیں بہت نقل کرتا ہے اللہ کی قسم جس کے پاس ایک دن حاضر ہونا ہے میرے مہاجر بھائیوں کو تو بازار روکے رکھتا تھا اور میرے انصار بھائیوں کو کھیتوں میں مشغولیت رہتی تھی اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ایک مفلس شخص تھا (مالِ تجارت اور اسبابِ زراعت ہر دو سے عاجز تھا) اور بس پیٹ بھر کر کھانے پر قناعت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا۔ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص میری اس گفتگو کے مکمل ہونے تک اپنا کپڑا بچھائے رکھے گا پھر اسے اپنے سینے سے لگا لے گا تو وہ میری احادیث میں سے کچھ نہیں بھولے گا میں نے فوراً اپنی چادر کو کھول کر پھیلا لیا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو مکمل فرمائی تو میں نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگا لیا اور قسم ہے ذاتِ برحق کی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا' آج تک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشادِ گرامی نہیں بھولا۔

تشریح: قوله : والله الموعد: یعنی اللہ ہمارا "موعد" ہے۔ پس اس کے ہاں سچے کی سچائی اور جھوٹے کی جھوٹ ظاہر ہو جائے، کیونکہ سارے راز وہاں منکشف ہو جائیں گے۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اللہ کا وعدہ برحق ہے" میں اللہ کے وعدہ سے مراد قیامت کا دن ہے، اس بات سے حضرت ابو ہریرہؓ کا مطلب یہ ہے کہ قیام کے دن ہم سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی کی ہوگی، تو یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ کو سزا دے گا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من كذب علي متعمدًا فليتبوا مقعده من النار. کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تیار کر لے۔

يشغلهم: یاء اور غین دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے جبکہ یاء کے ضمہ اور غین کے کسرہ کے ساتھ بھی ایک لغت ہے، لیکن قلیل اور شاذ ہے معنی یہ ہے کہ وہ مشغول رہتے۔ (الصفق): صاد کے فتحہ اور فاء کے کسرہ کے ساتھ بیع کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں۔ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ کنایہ ہے تجارت اور کاروباری پیشہ سے۔ اور اموال سے مراد وہ مواضع ہیں جہاں ان کے کھجوروں کے درخت ہوتے ہیں۔

حاصل یہ ہے: دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت ابو ہریرہؓ زیادہ حدیثوں کو بیان کرنے کی دو وجہیں بیان فرما رہے ہیں:

پہلا تو یہ کہ مہاجرین صحابہ جو زیادہ تر تجارت پیشہ تھے، تجارت کی مصروفیات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر نہیں رہ سکتے تھے اسی طرح انصار صحابہ اپنی زمین جائیداد اور کھیتی باڑی وغیرہ میں لگے رہنے کے سبب بارگاہ نبوت میں مخصوص اوقات میں ہی حاضر ہوتے تھے۔

(وکنت امرءًا مسکینًا): جب کہ ان کے برعکس میرا نہ گھر بار تھا نہ کاروبار، ایک مفلس وقلاش انسان تھا، اس لئے۔

(الزم رسول اللہ ﷺ): میں سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت اور خدمت میں گزارتا اور آنحضرت ﷺ کے احوال و معاملات کو دیکھتا اور آپ کے کلام کو سنتا۔ (علی ملءِ وبطنی): طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جملہ حال ہے، یعنی جو مجھے میسر آتا، اس سے بھوک مٹاتا، اور اسی پر قناعت کرتا فعل الزم کو لفظ "علی" کے ذریعہ مبالغۃً متعدی کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس جملہ کے معنی کو ایک شاعر نے بھی اپنے شعر میں بیان کیا ہے:

فان ملکت کفاف قوت فکن بہ ☆ قنیعا فان المتقی اللہ قانع

"اگر آپ کو قناعت کی طاقت ہو تو اس کو کر گزر، کیونکہ متقی قناعت شعار ہوتا ہے۔" انتھی

دوسرا سبب یہ تھا۔ (احد...... اقضی افرغ فارغ ہونے کے معنی میں ہے۔ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں' گویا اس سے اشارہ ہے، اس دعا کی طرف کہ آپ ﷺ اس وقت مانگ رہے تھے۔

بعض کہتے ہیں: مقالۃ سے مراد صحابہ کے لئے حافظہ اور فہم کی دعا تھی، لیکن زیادہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقالتی سے وہ کلام ہے جو آپ نے شروع کر رکھا تھا، ممکن ہے وہ دعاء ہو۔ اور ممکن ہے کوئی خاص نصیحت وغیرہ کی کوئی بات ہو۔

یجمعہ: اس جملہ کا اعراب نصب و رفع دونوں ممکن ہے۔ نصب کی صورت میں اس کا عطف ہوگا لن یبسط پر۔ یعنی پھر اپنے اس کپڑے کو ملائے۔ (شیئًا ابدًا): طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں جملہ فنسی یہ جواب نفی ہے اور اس سے پہلے ان مقدر ہے، اس صورت میں عدم نسیان مسبّب ہوگا، تمام مذکورات کے لئے اور لن کے داخل ہونے سے مزید یہ ظاہر ہو گیا کہ نسیان آج کے بعد محال ہو جائے گا، اور من مقالتی شیًا سے ہر طرح کے ارشادات کی طرف اشارہ ہے (یعنی جنس کلام کے طرف)۔ (فبسطت نمرۃ): (لفظ نمرۃً، نون کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ)۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "نمرۃ" دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع نمار آتی ہے کہ سفید اور کالے رنگ کی وجہ سے نمر (چیتے) کے رنگ کی طرح معلوم ہوتی تھی۔

"مقالہ" سے جنس مقالہ مراد ہے۔ اور مقالہ مصدر ہے مذکر و مؤنث دونوں ہوسکتا ہے یا مقالۃ کو باعتبار معنی کے مؤنث لایا اور معنی کے لحاظ سے قول یا کلام مراد ہے۔ امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مقالہ سے جنس مقالہ کی طرف اشارہ ہے باعتبار مذکور۔

الی یومی ھذا: "ھذا" سے اشارہ اس وقت کی طرف ہے جس وقت وہ یہ حدیث مبارک بیان کر رہے تھے۔

دُعا کا ایک اور معجزہ

۵۸۹۷: وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي

الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلَى وَكُنْتُ لَا اَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَيَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَّخَمْسِيْنَ فَارِسًا اَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَرَهَا۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٦/١٥٤حدیث رقم٣٠٢٠ومسلم فی صحیحه٤/١٩٢٥حدیث رقم (١٣٦-٢٤٧٦) واخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٤٥حدیث رقم ٣٨٤٢

ترجمه: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم ذوالخلصہ کو توڑ کر مجھے آرام نہ پہنچاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور۔ مجھے گھوڑے کی سواری اچھی طرح نہیں آتی تھی (میں کبھی کبھی گر جاتا تھا)۔ میں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر میرے سینے پر ہاتھ مارا حتی کہ میں نے اس کا اثر سینے کے اندر تک محسوس کیا اور (میرے حق) میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو (ظاہر و باطن میں) ثابت وقائم رکھ اور اس کو (غیروں کے لئے) ہادی بنا اور خود ہدایت یافتہ بنا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس (دعا) کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہ گرا اس کے بعد میں احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا وہاں پہنچ کر ذوالخلصہ کو آگ لگا دی اور اس کو بری طرح توڑ دیا''۔

تشریح: تریحنی: یہ ''اراحهة'' سے مشتق ہے راحت پہنچانے کے معنی میں ہے۔

ذی الخلصه: خاء اور لام کے فتحہ یا ضمہ کے ساتھ، یہ عرب کے قبیلہ خثعم کے بت خانہ کا نام تھا، اس کو ''کعبة الیمامه'' بھی کہا جاتا تھا، اس میں ایک بہت بڑا بت تھا۔

اشرفؒ کہتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ نفوسِ مقدسہ کامل ومکمل کو غیر اللہ کی عبادت و پرستش اور خلاف شرع امور پر سخت صدمہ ہوتا ہے۔

اثبت: یاء کے ضمہ کے ساتھ۔

مهدیاً: (میم کے فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) خود ہدایت پانے والا ایسا راہ راست پانے والا کہ کبھی بھی اس سے کجی کی جانب نہ جائے۔ **(فانطلق)**:

امام طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ راوی کا نام ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: یہ حضرت جریرؓ کے اپنے الفاظ ہیں۔ اور روایت میں یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جس کو ''التفات'' کہا جاتا ہے، یعنی اس جملے انہوں نے اپنے ذکر کے لئے متکلم کا صیغہ چھوڑ کر غائب کا صیغہ اختیار کیا۔

فی مائة: ''فی'' بمعنی ''مع'' ہے۔

احمس: اس کا معنی ہے شجاع۔ النہایہ میں مذکور ہے کہ ''احمس'' اولادِ قریش کنانہ، جدیلہ قیس وغیرہ کو کہا جاتا تھا یہ شجاعت وبہادری اور اپنے دین کے بارے میں بہت زیادہ سخت تھے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ دین اور جہاد میں بہت امتیازی

حیثیت رکھتے تھے، جس کی وجہ سے احمس کہا جاتا ہے، یہ لوگ ایام منیٰ میں سائے میں نہیں بیٹھتے تھے، اور نہ اپنے گھر میں دروازے کے راستے داخل ہوتے تھے اس طرح کے کئی ایک کام کرتے تھے۔

فحرقها: ''را'' کی تشدید کے ساتھ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے مرتد پر اثرات

۵۸۹۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً كَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ فَاَخْبَرَنِيْ اَبُوْطَلْحَةَ اَنَّهٗ اَتَى الْاَرْضَ الَّتِيْ مَاتَ فِيْهَا فَوَجَدَهٗ مَنْبُوْذًا فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا فَقَالُوْا دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٢٤/٦ حديث رقم ٣٦١٧ واخرجه مسلم في صحيحه ٢١٤٥/٤ حديث رقم (١٤-٢٧٨١) و احمد في المسند ١٢١/٣۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (وحی) لکھتا تھا (وہ نصرانی ہو کر) مشرکین سے جا ملا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے زمین قبول نہیں کرے گی حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (جن سے میری والدہ نے شادی کی تھی) نے مجھے بتایا کہ جب وہ اس جگہ پر پہنچے جہاں وہ شخص (مرتد) مرا تھا، تو دیکھا کہ وہ شخص قبر کے باہر پڑا ہوا ہے۔ (کہتے ہیں میں نے) لوگوں سے پوچھا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ اس شخص کو کئی بار دفن کر چکے ہیں لیکن زمین اسے قبول نہیں کرتی (آخر ہم نے تنگ آ کر اس کو دفنانا چھوڑ دیا)۔

تشریح: ان رجلاً: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس شخص کا نام نامعلوم ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ شخص عبداللہ بن ابی سرح تھا لیکن اس قول کو غلط کیا گیا ہے کیونکہ وہ حالت اسلام ہی میں فوت ہوئے۔

بلکہ یہ ایک نصرانی شخص تھا جو مسلمان ہوا تھا اس نے سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھی تھی۔

یہ مرتد ہو کر دوبارہ نصرانی بنا، یہ کہا کرتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو میں لکھا کر دیتا ہوں وہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ جب وہ شخص مرا اور مشرکوں نے اس کی لاش کو دفن کر دیا، پھر صبح دیکھا کہ اس کی لاش کو قبر نے باہر نکال پھینکا ہے' ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے، کہ انہوں نے ہمارے ساتھی کی قبر اکھاڑ ڈالی اور اس کو باہر نکال دیا ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی اور حتی الوسع بہت گہری قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا، جب اگلی صبح کو پھر آ کے دیکھا تو لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ہے، اب ان کو احساس ہوا کہ یہ کسی آدمی کا کام نہیں۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے اور لاش کو اسی جگہ پڑی رہنے دیا۔

کشف قبور، عذاب الٰہی کا انکشاف

۵۸۹۹: وَعَنْ اَبِي اَيُّوبَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۸٤/۳ حديث رقم ۱۳۷۵ ومسلم في صحيحه ۲۲۰۰/٤ حديث رقم (٦٩-۲۸٦۹) واخرجه النسائي في السنن ۱۰۲/٤ حديث رقم ۲۰۵۹ و احمد في المسند ٤۱۷/۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ (ایک روز) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہ یہودی ہیں جنہیں قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے''۔

تشریح: جبت :غروب ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ قرآن میں بھی موجود ہے: ﴿فاذا وجبت جنوبها﴾.

① یہ آواز ان ملائکہ کی تھی جو قبر میں عذاب دینے پر مامور تھے۔ ② یا ان یہودیوں کی تھی جن کو قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا ③ یا وقوعِ عذاب کی آواز تھی۔ طبرانیؒ کی روایت سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے، اور حدیث میں قول یهودی تعذب في قبورها سے بھی دوسرا احتمال زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

(فقال يهود): یهود سے پہلے ''هذا'' محذوف ہے۔ ای هذا يهودی۔ معنی یہ یہودی جماعت کی آواز ہے۔ اس حدیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کھلا معجزہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان یہودیوں کی قبر کا حال منکشف ہوا۔

رئیس المنافقین کی موت کی اطلاع

۵۹۰۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ تَكَادُ اَنْ تَدْ فِنَ الرَّاكِبَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا عَظِيْمٌ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْ مَاتَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۱٤۵/٤ حديث رقم ۲۷۰۸۲/۱۵ و احمد في المسند ۳۱۵/۳۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے جب مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک زبردست آندھی آئی اتنی شدید تھی کہ سوار کو زمین میں دفن کردے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ طوفانی آندھی کسی منافق کی موت کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا ایک بڑا سردار مر گیا ہے''۔

تشریح: قرب المدينه: منصوب بنزع الخافض ہے، خبر کان اس سے متعلق ہے۔ ای فلما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

واصلاۃ بقربھا۔ دفن : فاء کے کسرہ کے ساتھ۔ بعثت: فعل مجہول ہے،''ارسلت'' کے معنی میں ہے۔لموت منافق: یعنی اس کی موت کے وقت بھیجی گئی ہے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ یہ رفاعہ بن دریدہ تھا، اور یہ واقعہ غزوہ تبوک کے سفر کا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس منافق کا نام رافع تھا۔ اور یہ واقعہ سفر غزوہ بنی مصطلق کا ہے۔

تخریج: یہ حدیث بخاریؒ میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

مدینہ کی حفاظت کے بارے میں معجزانہ خبر

۵۹۰۱: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی قَدِمْنَا عُسْفَانَ فَاَقَامَ بِھَا لَیَالِیَ فَقَالَ النَّاسُ مَا نَحْنُ ھٰھُنَا فِیْ شَیْءٍ وَاِنَّ عِیَالَنَا لَخُلُوْفٌ مَا نَاْمَنُ عَلَیْھِمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَافِی الْمَدِیْنَۃِ شِعْبٌ وَّلَا نَقْبٌ اِلَّا عَلَیْہِ مَلَکَانِ یَحْرِسَانِھَا حَتّٰی تَقَدَّمُوْا اِلَیْھَا ثُمَّ قَالَ ارْتَحِلُوْا فَارْتَحَلْنَا وَاَقْبَلْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ فَوَالَّذِیْ یُحْلَفُ بِہٖ مَا وَضَعْنَا رِحَالَنَا حِیْنَ دَخَلْنَا الْمَدِیْنَۃَ حَتّٰی اَغَارَ عَلَیْنَا بَنُوْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ غَطْفَانَ وَمَا یُھَیِّجُھُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ شَیْءٌ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٢/ ١٠٠١ حديث رقم (٤٧٥-١٣٧٤) و احمد في المسند ٢/ ٣٣١

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مکہ سے) روانہ ہوئے جب ہم عسفان پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کئی روز ٹھہرے رہے بعض لوگوں نے (یعنی منافقوں اور ضعیف الاسلام لوگوں نے گھبرا کر) کہا کہ ہم یہاں بے مقصد بیٹھے ہیں جب کہ ہمارے اہل وعیال پیچھے ہیں اور ہم ان کے بارے میں مامون نہیں ہیں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات برحق کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ کی کوئی گھاٹی' کوئی درہ ایسا نہیں کہ وہاں دو دو فرشتے پہرہ نہ دے رہے ہوں (اور وہ فرشتے اس وقت تک وہاں مامور رہیں گے) جب تک کہ تم سب مدینہ نہ پہنچ جاؤ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا حکم دے دیا اور ہم مدینہ پہنچ گئے قسم ہے اس ذات برحق کی جو قسم کھانے کے قابل بھی ہے کہ ابھی ہم مدینہ پہنچے ہی تھے اور ہم نے اونٹوں سے سامان بھی صحیح طرح نہیں اتارا تھا کہ بنوعبداللہ بن غطفان نے مدینہ پر چڑھائی کر دی اس سے پہلے یہاں کوئی بات ایسی نہیں تھی (بلکہ سکون واطمینان تھا)''۔

تشریح: عسفان : عین کے ضمہ کے ساتھ۔ قاموس میں ہے عسفان' عثمان کے وزن پر' مکہ مکرمہ سے دو مراحل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔

ایک شارح نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سفر سے لوٹے اور مقام عسفان پہنچے۔ یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ صاحب ازہار فرماتے ہیں' یہ غلط ہے بلکہ مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ پر واقع ہے۔ (ذکرہ مغرب وغیرہ)

خلوف :خاء کے ضمہ کے ساتھ' کہ وہ مدینہ سے دور پڑے ہوئے ہیں، یا یہ کہ ان کی عورتیں بغیر مردوں کے تنہا ہیں۔ حي خلوف اس وقت کہا جاتا ہے، جب عورتوں کے علاوہ کوئی مرد گھر پر نہ ہو، یہ جملہ حال ہے۔ (ما نامن عليهم): یہ ان کی دوسری خبر ہے اور ضمیر مذکر شاید تغلیبًا لائی گئی یا عورتوں کو شجاعت میں بمنزلہ مردوں کے شمار کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ شعب، شین معجمہ کے کسرہ کے ساتھ۔لغوی معنی اس راستہ کے ہیں جو پہاڑ کے درمیان سے گزرتا ہو۔ (والا نقب): نقب کے معنی بھی اس راستہ کے ہیں جو پہاڑوں کے درمیان کا ہو۔

یحرسانها : راء کے ضمہ کے ساتھ یعنی اللہ کے حکم سے وہ تمام گزرگاہوں کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول علیه سے مراد شعب اور نقب ہر دونوں مراد ہیں، اور جملہ یحرسانها کی ضمیر مدینہ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور شعب اور نقب سے مدینہ منورہ ہی کے گزرگاہیں اور گلی کوچے ہیں۔

یا اس سے مراد تمام راستے ہیں، خاص کرنے کی ضرورت نہیں۔

غطفان: غین معجمہ کے فتحہ اور طاء مہملہ کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں مدینہ بالکل محفوظ تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزہ ہمیں بتایا تھا اور اس وقت تک ہمارے کسی بھی دشمن کی غارت گری کی راہ میں فرشتوں کی نگہبانی کے علاوہ کوئی بھی رکاوٹ نہیں تھی۔

"وما يهيجهم" کا یہی مطلب ہے۔ یهیج یاء پر تشدید ہے، قبل ذالك شئ: ایک شارح (ذلك کا مشار الیہ بیان کرتے ہوئے) لکھتے ہیں: ای قبل الغارة: یہ کوئی چیز نہیں ہے (یعنی یہ تشریح بے معنی ہے)۔

بارانِ رحمت کا نزول اور اس کی بندش

۵۹۰۲: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰی فِی السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰی رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ حَتَّی الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْغَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ اِلٰی نَاحِيَةٍ مِّنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِیْ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِیْٔ اَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَی الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَاَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِیْ فِی الشَّمْسِ۔

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۱۳ ٤ حدیث رقم ۹۳۳ ومسلم فی صحیحه ۲/۶۱۲ حدیث رقم (۸۹۷/۸)

واخرجه النسائی ۱۶۶/۳ حدیث رقم ۱۵۲۸ و احمد فی المسند ۲۵۶/۳

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو قحط پڑ گیا۔ اسی دوران ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی شخص کھڑا ہوا' اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے مویشی' باغات اور ہمارا مال واسباب سب تباہ ہو رہے ہیں اور ہمارے اہل وعیال بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا یعنی دعا کی۔ اس وقت بارش ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا قسم ہے اس ذات برحق کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ہاتھ نہ چھوڑے تھے یعنی دعا بھی ختم نہیں کی تھی کہ اچانک پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی خطبہ دے کر نیچے بھی نہ اتر پائے تھے کہ میری نظر پڑی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے بارش کے قطرے گر رہے ہیں۔ اس دن پانی برسا دوسرے' تیسرے دن تک برستا رہا حتی کہ اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک پانی برسا پھر خطبہ کے وقت وہ ہی دیہاتی یا کوئی اور شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ: مکان منہدم ہو گئے' اموال غرق ہو گئے پس اللہ سے دعا کیجئے یعنی بارش ختم ہونے کی دعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا اور ہم پر نہ برسا' پھر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے بادل کھلتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ (ہم نے دیکھا) کہ مدینہ کے چاروں اطراف بارش ہونے لگی اور مدینہ کے اوپر سے مطلع بالکل صاف ہو گیا تھا ایک قناۃ نامی نالہ ایک مہینہ تک بہتا رہا۔ مدینہ کے اطراف سے جو بھی شخص آتا تو وہ شدید بارش کی خبر دیتا۔ ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کچھ اس طرح ہے اے میرے رب! ہمارے چاروں طرف بارش برسا ہم پر نہ برسا اے اللہ! ٹیلوں پر' پہاڑوں پر' وادیوں میں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (اس کے بعد یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بعد مدینہ کے اطراف میں مسلسل بارش ہوتی رہی لیکن مدینہ کے اوپر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ تھا بلکہ) جب ہم باہر نکلے تو دھوپ میں لوگ چل رہے تھے''۔

تشریح: **قولہ: یا رسول اللہ ﷺ هلك المال وجاع العیال فادع الله لنا**: ''مال'' سے مراد چوپائے ہیں کیونکہ عوام کا مال زیادہ تر چوپائے ہوا کرتے تھے، اور ہلاکت سے مراد یا تو ان کا تغیر حال ہے یا موت ہے۔

العیال، عین کے کسرہ کے ساتھ بال بچے جن کا نفقہ انسان کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ **(فرفع یدیه)**: دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

قولہ: وما نری فی ...... حتی الجمعة الأخری: جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ **(قزعة)**: قاف اور زاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔

وضعها): ها ضمیر ''یدیه'' کی طرف لوٹ رہی ہے، جنس ہاتھ مراد لینے کی وجہ سے ضمیر مفرد کی لائی۔ (امثال ...... **یتحاد)**: النہایہ میں ہے: **یتحادر' الحدور** سے **یتفاعل** کے وزن پر صعود کی ضد ہے، اور اصل میں تو **ینزل ویقطر** کے معنی ظاہر کرتا ہے، یہاں **یتساقط** کے معنی میں ہے۔ انتہیٰ

بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اتنی بارش ہوئی کہ چھت بھی ٹپکنے لگی اور بارش کے پانی کے قطرے آپ کی ریش مبارک پر پڑنے لگے۔ (ذکرہ ابن الملک) اس کا بعد مخفی نہیں۔

فمطرنا: یہ فعل مجہول ہے۔ ومن الغد ومن بعد الغد: ممکن ہے یہاں ''من'' تبعیضیہ ہو۔لیکن بظاہر ابتدائیہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ آگے لفظ ''حتی'' ہے جو کہ ''الی'' کے معنی میں ہے۔

وقام: یہ جملہ حال۔ وہی اعرابی یا کوئی اور اعرابی یا کوئی اور شخص اگلے جمعہ میں کھڑا ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک روایت میں ہے ''ثم دخل رجل فی الجمعة المقبلة''. آنے والے جمعہ میں ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ اس روایت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص اس دیہاتی صحابی کے علاوہ اور کوئی تھا، اور ایک روایت میں ہے ''حتی جاء ذلك الاعرابی فی الجمعة الاخریٰ''. دوسرے جمعہ میں پھر وہ دیہاتی آیا، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں مرتبہ ایک ہی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی تھی ممکن ہے کوئی ایسا شخص تھا کہ راوی پہلے اس کو بھول گئے ہوں، پھر یاد آیا ہو یا پہلے یاد تھا پھر بھول گئے ہوں۔

(ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں): اس میں احتمال ہے کہ راوی کو اس میں تردد ہو، کہ دوسرے جمعہ کو کھڑے ہونے والا وہی پہلا شخص تھا یا کہ نہیں، جب غالب گمان یہ ہو جاتا کہ وہی تھا تو جزم کے ساتھ اس کو بیان کرتے اور جب غالب رائے نہیں بنتی تو نکرہ لاتے کبھی شک کے صیغہ کے ساتھ لایا کہ اس کے نزدیک دونوں امر برابر تھے شک انہیں کی جانب سے ہے کسی اور کی جانب سے نہیں، واللہ اعلم۔ فقال: بہر کیف اس کھڑے ہونے والے نے درخواست کی (یا رسول الله تهدم): یہ لفظ (دال کی تشدید کے ساتھ ہے)۔ (البناء): عمارتیں منہدم ہو گئی۔ (وغرق المال): لفظ غرق راء کے کسرہ کے ساتھ یعنی مال واسباب ڈھوب رہے ہیں۔

حوالینا، لام کے (فتحہ کے ساتھ نیز اس جگہ کلمہ ''امطر'' محذوف ہے) یعنی اے اللہ ہمارے اطراف میں برسا جہاں سے ہمیں نفع پہنچے جہاں اس کی ضرورت ہے، پھر مزید مؤکد کرتے ہوئے فرمایا (ولا علینا): کہ جس جگہ نقصان کا باعث بن رہی ہے وہاں نہ برسا۔

علامہ ابن حجر اس کا معنی کرتے ہیں: کہ اللہ کھیتی اور باغات پر برسا بستیوں پر نہیں۔ اور حوالینا، لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

کہا جاتا ہے: قعد حوله' حواله وحوليه وحواليه لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ حوالیہ کسرہ کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔ علامہ جوہریؒ وغیرہ حضرات نے یہی کہا ہے۔

پھر ابن حجرؒ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''ولا علینا'' یہ قول حوالینا کے مقصود کا بیان ہے اور دونوں جملوں کے درمیان واوٗ داخل کرنے سے ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، اور وہ یہ کہ حوالینا سے واقعۃً دوسری جگہ بارش مقصود نہیں تھی مقصود صرف بارش کی بندش اور بچاؤ کی دعا اور درخواست تھی۔

(ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہاں واوٗ خالصۃً عطف کے لئے ہے لیکن تعلیل کے لئے ہے جیسے عرب کا یہ قول ہے: تجوع الحرة ولا تأكل بثديها ہے کیونکہ بھوک بالذات مقصود نہیں لیکن رضاعت بالاجرت سے مانع ہونے کی وجہ سے چونکہ وہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔

بعض محققین کہتے ہیں: ''حوالینا'' کو لفظ 'علینا'' کی رعایت کی خاطر صنعت ''ازدواج'' کے طور پر ذکر فرمایا۔ جیسا کہ

اس ارشاد باری تعالیٰ میں: ہے من سبأ بنبأ یقین۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''لا علینا'' کا عطف ''حوالینا'' جملہ پر ہے۔ اگر واؤ نہ ہوتا تو یہ حال بنتا۔ ای امطر علی المزارع ولا تمطر علی الا بنیۃ: اور مطلب یہ ہے کہ کھیتیوں پر، عمارتوں پر نہ برسا علینا میں نقصان کا معنی داخل کیا گیا ہے گویا کہ یوں کہا: اجعل لنا لا علینا کہ اس بارش کو ہمارے نفع کا باعث بنا نقصان کا باعث نہ بنا۔

قوله: فما یشیر الی ناحیة ...... حدثث بالجود:

فما یشیر: یہ ماضی کی حکایت ہے۔ السحاب: یہ سحابۃ کی جمع ہے۔ وصارت المدینہ: مدینہ سے مراد مدینہ کی فضاء ہے۔

الجوبة: جیم کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ مدینہ شہر کے باہر کے حصوں میں چاروں طرف بادل چھائے ہوئے تھے اور آبادی کے اوپر بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کی فضاء بالکل صاف شفاف نظر آ رہی تھی۔ یہاں ''الجو'' مضاف کو جو کہ الجو ہے حذف کر کے مضاف الیہ مدینہ کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ ایک شارح نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے بعد جس طرف اشارہ کرتے جاتے تھے۔ ابر اس جانب سے کھلتا جاتا تھا، یہاں تک کہ مدینہ شہر ایک گول کشادہ گڑھے کی مانند ہو گیا تھا کہ شہر کے باہری حصوں میں چاروں طرف بادل چھائے ہوئے تھے، جبکہ بیچ میں شہر کا مطلع بالکل صاف ہو گیا تھا۔

سال الوادی قناة: قناة ضمہ کے ساتھ یہ ''الوادی'' سے بدل یا عطف بیان ہے۔ یہ اس وادی کا علم ہے۔ غیر منصرف ہے اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔ بتقدیر اعنی۔

شهراً: یہ مفعول فیہ ہے ''سال'' کے لئے۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قناة'' کو ضمہ کے ساتھ پڑھیں کیونکہ یہ بدل ہے ''الوادی'' سے، وادی کا نام ہی قناة ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہے کہ اس کے قریب کوئی جگہ اس نام سے ہو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام میرک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات صحیح ہے۔ قناة ایک زمین کا نام ہے جو اس وادی کے ساتھ تھی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ یہ وادی نشیب میں تھی جس کے درمیان سے نہر گزرتی تھی اس کو فارسی میں کاریز کہتے ہیں، اس کو نہر کے مانند لمبی ہونے کی وجہ سے قناة کہا جاتا تھا کیونکہ قناة نیرہ کو کہتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں: یہ نصب اور تنوین کے ساتھ ہے اور یہ بطور تشبیہ منصوب ہے، اور عبارت ہے: سال مثل قناة.

بعض حضرات کہتے ہیں: بخاری کی روایت میں بغیر تنوین کے یوں منقول ہے: حتی سال وادی قناة شهراً. اور بغیر تنوین کے بھی روایت صحیح ہے، یہ کلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

ایک شارح نے لکھا ہے: لفظ قناة فعل سال کے فاعل سے حال واقعہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور عبارت یوں ہے، سال الوادی سائلاً مثل القناة. اور وجہ یہ ہے کہ نہر عام طور پر مسلسل بہتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو الوادی سے حال بنایا جائے، اگرچہ اس کو قائم مقام مصدر بنانا بھی جائز ہے۔ یعنی سیلان القناة.

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کو دو وجہوں سے منصوب پڑھنا جائز ہے: ① حال کی وجہ سے ② مصدر ہونے کی وجہ سے کہ مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کا قائم مقام ہے، یعنی اصل میں مثل القناة تھا یا سیلان الفناة.

بعض محققین کہتے ہیں: لفظ قناة، قاف کے فتحہ اور نون مخففہ کے ساتھ یا تو یہ کسی کی زمین کا نام ہے یا کسی کے وادی کا نام جو کہ مدینہ کی مشہور وادیوں میں سے کوئی وادی تھی۔ اس کو حازمی نے بیان کیا ہے۔

محمد بن حسن مخزومی نے کتاب اخبار المدینہ میں ذکر کیا ہے: کہ اس وادی کو سب سے پہلے جس شخص نے وادی قناۃ سے مسمّٰی کیا وہ یمانی کے شاگرد ہیں۔ جیسے مدینہ منورہ کو اسلام سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: فقہاء لوگ اس کو نصب اور تنوین کے ساتھ سمجھتے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ یہ قنوات (نالی) سے ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے (اگر چہ بعض شراح نے اس پر جزم کیا ہے) کیونکہ یہاں قناة بطور تشبیہ کے استعمال ہوا ہے، یعنی سال مثل القناة.

بخاریؒ کی عبارت یوں ہے: حتى سال الوادي' وادی قناة شهرا کہ وادی قناہ پورے ایک مہینہ تک بہتی رہی۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: قناه ایک جگہ کا نام ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: یہ وہی وادی ہے جس کے نزدیک حضرت حمزہؓ کی قبر ہے اور یہ وادی طائف سے آتی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں، یہاں قناة تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، کہ اصل میں مقدار قناة کیونکہ قناۃ کی تفسیر الرمع (کرنا) سے کرنا زیادہ اولیٰ ہے بنسبت حفرة في الارض سے کرنے سے، کیونکہ بعض مرتبہ چھوٹی نہر نالی بھی پانی کے کثرت کی وجہ سے بڑی نہروں کی حد اور مقدار تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور بھی لمبی چوڑی بحث اس میں ہو سکتی ہے لیکن عقلمند کے لئے اتنی ہی کافی ہے۔

(بالجود): جیم کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ، بہت زیادہ بارش کو کہتے ہیں۔ (في رواية...... على الآم): على الآم مد کے ساتھ ایک نسخہ میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ الاكمة کی جمع ہے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں: الأكمة کی جمع اكم آتی ہے، پھر اكم کی جمع آكام آتی، جیسے جبل اور جبال ہے اور آكام کی جمع اكم آنا ایسا ہے جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے، اور اکم کی جمع آكام آنا ایسا ہے جیسے عنق اور اعناق ہے۔

امام ابن ملکؒ کہتے ہیں: الاكام ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ الف ممدودہ اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ الف مقصورہ ہے، یہ جمع ہے اكمة محركة کی ہر وہ چیز جو زمین سے اونچی ہوتی ہے۔

(والظراب): ظاء معجمہ کی کسرہ کے ساتھ چھوٹے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ (وبطون الاودية): جو عمارتوں سے خالی ہے۔ (ومنابة الشجرة): جو کہ پھل کا باعث بنتے ہیں۔ (فاقلعت): ایک نسخہ میں فعل مجہول کے ساتھ ہے کہ بادل بارش کرنے سے رُک گئے۔

بعض کہتے ہیں: مطلب یہ ہے: قلعت 'انكشفت کے معنی میں ہے۔ اور فعل کو اس لئے مؤنث لایا گیا کیونکہ السحاب' سحابة کی جمع ہے۔

اقلع المطر اس وقت کہا جاتا ہے جب بارش بالکل منقطع ہو جائے۔ القاموس میں ہے اقلعت عنه الحمى کے معنی یہ

ہیں کہ بخار نے اس کو چھوڑ دیا، یعنی بخار ختم ہو گیا اور اقلاع کے منی ہے رُک جانا۔ مشارق میں اقلع المطر کا معنی ہے "بارش رک جانا" یہی معنی باری تعالیٰ کا ارشاد: ﴿یا سماء اقلعی﴾۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صیغہ مجہول کے ساتھ روایت کی ہے وہ مشہور نہیں۔ واللہ اعلم

امام نوویؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ شدت کے ساتھ طویل ہو جائے اور اس کی وجہ سے مکانات وغیرہ کو نقصان پہنچنے لگے تو یہ دعا مانگنا مستحب کہ اے اللہ اب ہمارے گھروں پر بارش نہ برسا، لیکن اس دعا کے لئے نماز پڑھنا اور آبادی سے باہر جنگل یا میدان میں جا کر دعا مانگنا، جیسا کہ استسقاء کی نماز کا حکم ہے' مشروع نہیں ہے۔

جمادات پر اثراتِ نبوت' اسطوانہ کی آہ وزاری کرنا

۵۹۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِسْتَنَدَ اِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِّنْ سِوَارِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِيْ كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٩٧/٢ حديث رقم ٩١٨ والدارمي في السنن ٣٠/١ حديث رقم ٣٣۔

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو مسجد کے ستونوں میں سے کھجور کے تنے سے سہارا لگا لیتے تھے جب آپ کے لئے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے تو وہ ستون جس کے ساتھ سہارا لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے رونے لگا' قریب تھا کہ وہ (شدت غم سے) پھٹ جاتا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اتر کر اس کے قریب گئے اور اس کو اپنے ساتھ لگایا تو وہ اس طرح رونے لگا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہے (اور چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا) پھر جب وہ رونے سے رکا اور کچھ اسے آرام ملا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رونے کا سبب بیان کیا کہ وہ ستون اس وجہ سے رویا کہ وہ روزانہ ذکر الٰہی سنتا تھا اب وہ اس سے محروم ہو گیا۔

تشریح: جذع، جیم کے کسرہ کے ساتھ، کھجور کے درخت کے تنا کو کہتے ہیں۔ (من سواري المسجد): سواری جمع ہے سارية کی بمعنی اسطوانہ، ستون کے۔

صنع فعل مجہول ہے۔ (فنزل النبی ﷺ): منبر سے اتر کے اس تنے کے پاس تشریف لے گئے۔ (حتی اخذها): یعنی اس کو ہاتھوں سے پکڑا۔ (فضمها اليه): اور پھر تسلی کے لئے اس کو گلے لگایا۔ (فجعلت): فعل کو مضاف الیہ کی وہ سے مؤنث لایا۔ (مئن...... يسكت): (کاف کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ)۔ (حتی استقرت): سکتت اور سکنت خاموش اور مطمئن ہونے کے معنی میں ہے۔ (بکت...... الذکر): ایک تو خطبہ کے وقت اس کو میرا جو قرب حاصل تھا اور نہایت قریب سے میرا جو خطبہ سنتا تھا اس سے محرومی نے اس کو رونے پر مجبور کر دیا ہے۔

ایک منکر شخص کا انجام

۵۹۰۴: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنَ الْاَ كْوَعِ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَامَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ۔

أخرجه مسلم في ۱۵۹۹/۳ حديث رقم (۱۰۷-۲۰۲۱)-

ترجمہ: ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دائیں ہاتھ سے کھانے کے لئے فرمایا۔ اس نے کہا میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو استطاعت نہ رکھے اسے دائیں ہاتھ سے کھانے سے تکبر نے روکا تھا (چنانچہ وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک نہیں اٹھا سکتا تھا)۔

تشریح: قوله ان رجلاً اكل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم: امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص کو ''بشر بن راعی العیر'' کہا جاتا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام بسر سین کے ساتھ اور کتاب ''الاذکار'' میں لفظ العیر کو عین کے فتحہ اور یاء کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، کہا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

(ما منعه:) حق کو قبول کرنے سے اس کو کسی چیز نے نہیں روکا۔ مگر ایک شارح اس کا معنی لکھتا ہے: دائیں ہاتھ سے کھانے سے اس کو نہیں روکا مگر۔ (الا لکبر): کوئی عجز اور عذر نہ تھا۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہ راوی کا قول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بددعاء کے سبب بیان کرنے کے لئے دوبارہ دہرایا ہے، گویا وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمۃ اللعالمین ہونے کے باوجود اس شخص کے حق میں جو بددعاء فرمائی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سن کر عمل کرنے کے بجائے اپنے غلط عمل کی جھوٹی تاویل کی، اور جھوٹا عذر بیان کیا جس کی بنیاد تکبر تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی برکت سے سست رفتار گھوڑے کا تیز رفتار ہونا

۵۹۰۵: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَزِعُوْا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِىْ طَلْحَةَ بَطِيْئًا وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى وَفِىْ رِوَايَةٍ فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في ۷۰/۶ حديث رقم ۲۸۶۷ ومسلم في صحيحه ۱۸۰۲/٤ حديث رقم (٤۹-۲۳۰۷) واخرجه ابن ماجه في السنن ۹۲٦/۲ حديث رقم ۲۷۷۲ و احمد في المسند ۱٤۷/۳-

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ (چوروں یا کسی دشمن کا خطرہ محسوس کر کے) گھبرا گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (صورت حال کی تحقیق کے لئے) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے (ننگی پیٹھ) گھوڑے پر جو بہت سست رفتار تھا سوار ہو کر

(اس سمت کہ جدھر سے خطرہ محسوس ہوا تھا) تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو (ابوطلحہؓ سے فرمایا) کہ ہم نے تو تمہارے گھوڑے کو پانی کی طرح (تیز رو اور کشادہ قدم) پایا۔ پس آنحضرت ﷺ کی سواری کے بعد وہ (گھوڑا ایسا تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی گھوڑا اس سے آگے تو کیا نکلتا) اس کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا تھا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: پس اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا''۔ (بخاری)

تشریح: فرعوا: زاء کے کسرہ کے ساتھ۔ ایک شارح نے اس کا معنی تنگ تنگ قدم اٹھانے کے کئے ہیں، اور امام طیبی رحمہ اللہ نے قریب قریب پاؤں رکھنے کے کئے ہیں۔ (فلما رجع): رجع کی ضمیر النبی ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے وہ اتنا تیز ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ سب سے آگے تھے۔ (قال...... بحرًا): بہت (سبک رفتار پایا) سبک رفتار گھوڑے کو سمندر سے تشبیہ دی جاتی ہے، کہ جس طرح دریا کا بہاؤ نہیں رکتا، اس طرح یہ بھی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ترکیب کے اعتبار سے ''وجدنا'' کا مفعول ثانی ہے۔ اور اس کو دریا کے ساتھ تیز رفتاری اور وسعت قدم کے لحاظ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فکان: اور ایک نسخہ میں ''وکان'' ہے۔ یجاری: راء کے فتحہ کے ساتھ کہ کوئی گھوڑا آگے کیا نکلتا، چلنے میں بھی کوئی اس کے ساتھ بھی نہیں چل پاتا۔

تخریج: مسلم شریف میں بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔

کھجوروں میں برکت کا واقعہ

۵۹۰۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّیَ اَبِیْ وَعَلَیْهِ دَیْنٌ فَعَرَضْتُ عَلٰی غُرَمَائِهٖ اَنْ یَّاْخُذُوا التَّمَرَ بِمَا عَلَیْهِ فَاَبَوْا فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِیْ قَدِ اُسْتُشْهِدَ یَوْمَ اُحُدٍ وَتَرَكَ دَیْنًا كَثِیْرًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَرَاكَ الْغُرَمَآءُ فَقَالَ لِیْ اِذْهَبْ فَبَیْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰی نَاحِیَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهٗ فَلَمَّا نَظَرُوْا اِلَیْهِ كَاَنَّهُمْ اُغْرُوْا بِیْ تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَاٰی مَا یَصْنَعُوْنَ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِهَا بَیْدَرًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِیْ اَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ یَكِیْلُ لَهُمْ حَتّٰی اَدَّی اللّٰهُ عَنْ وَالِدِیْ اَمَانَتَهٗ وَاَنَا اَرْضٰی اَنْ یُّؤَدِّیَ اللّٰهُ اَمَانَةَ وَالِدِیْ وَلَا اَرْجِعُ اِلٰی اِخْوَاتِیْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَیَادِرَ كُلَّهَا وَحَتّٰی اِنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی الْبَیْدَرِ الَّذِیْ كَانَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی ۷۰/۶ حدیث رقم ۲۸۶۷ ومسلم فی صحیحه ۱۸۰۲/۴ حدیث رقم (۴۹-۲۳۰۷) واخرجه ابن ماجه فی السنن ۹۲۶/۲ حدیث رقم ۲۷۷۲ و احمد فی المسند ۱۴۷/۳۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جس وقت میرے والد کی وفات ہوئی تو ان پر بہت سا قرض تھا۔ میں نے اپنے باپ کے قرض خواہوں کو پیش کش کی کہ وہ قرض کے بدلے کھجوریں لے لیں لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی (کیونکہ ان کی نظروں میں کھجوروں کی کوئی اوقات نہ تھی)۔ پس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان پر بہت سا قرض ہے میں چاہتا ہوں کہ جس وقت میرے والد کے قرض خواہ آئیں اس وقت آپ بھی ہوں تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مجھ سے کچھ رعایت اختیار کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات سن کر کہا جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ میں نے ایسا ہی کیا یعنی کئی ڈھیر لگائے اس کے بعد میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ پس جب قرض خواہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ مجھ پر اور حاوی ہو گئے (انہوں نے سوچا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں ہمیں قرض معاف کرنے کے لئے نہ کہہ دیں یا پھر صبر کرنے کا مشورہ نہ دے دیں گے) اس لئے انہوں نے اور بھی شدت سے قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح کرتے دیکھا تو کھجوروں کے سب سے بڑی ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے پھر اس پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ قرض خواہوں کو بلاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان قرض خواہوں کو اس ڈھیر سے ماپ ماپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ میرے والد کا تمام قرضہ اللہ نے اتار دیا۔ میرے لئے تو اتنا بہت تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کے قرضے سے مجھے سبک دوش کر دیتے اور میں اپنی بہنوں کے لئے ایک کھجور بھی نہ لے جاتا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے مبارک سے تمام ڈھیر اسی طرح ہے بلکہ جس ڈھیر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس طرح جیسا کہ اس سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی''۔

تشریح: توفي: فعل مجہول ہے۔ یہ قرض خواہ یہودی تھے۔ ان کو کھجوریں اپنے قرض کے مقابلے میں کم دکھائی دے رہی تھیں۔

بیدر یہ بیدر لطعام سے ہے، اس جگہ کو کہا جاتا ہے، جہاں غلہ کو گاہتے (تھریشر کرتے ہیں) یہاں مطلب یہ ہے کہ ہر نوع کی ڈھیر ایک بنائیں۔ بعض کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ ہر نوع کی کھجور کو دوسرے نوع سے علیحدہ کر کے الگ الگ ڈھیر بنائیں۔ (فلما...... بی): لفظ اغروا فعل مجہول ہے۔ اور اغریت الکلب سے ابھارنے کے معنی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتا دیکھ کر انہوں نے ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہو گئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مجھ پر برسنا شروع کر دیا اور برے لہجہ میں قرض کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں ''اغروا'' یہ غری بالشیئ سے ہے، اور اس کا اسم ''الغراء'' غین کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ آتا ہے، اس صورت میں ''اغروابی'' کا معنی ''الصقوابی'' یعنی مجھ سے چپک گئے ہوگا۔ اعظمها بیدرًا: یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ تمیز تاکید کے لئے لایا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ذرعها سبعون ذراعًا میں ہے۔ (ثلاث مرات): یہ طاف کے لئے ظرف ہے۔ مضاف الیہ محذوف ہے یعنی اصحاب دینك. (امانته): امانت سے مراد یہاں قرض ہے اور اس کو امانت اس لئے کہا کہ وہ اس کے ادائیگی کا امین تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وتخونوا امانتکم۔ یعنی کہ جس چیز پر تمہیں امین مقرر کیا گیا ہے، اس کو ادا کرو، اس میں خیانت نہ کرو، یہ مطلب امام تورپشتی نے ذکر کیا ہے۔ وانا ارضی میں اس

پر بہت خوش تھا کہ جب۔(ان یؤدي الله امانة والدي ولا ارجع).

ولا ارجع: نصب کے ساتھ اگرچہ رفع بھی جائز ہے، نصب اس لئے کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔ ارجع انقلب لوٹنے کے معنی میں ہے۔(الی..... کلھا): اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے کھجور کے پوری ڈھیری کو بچالیا، اس میں ذرا بھر بھی کمی نہیں آئی، یہ ایک شارح کا کلام ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قرض خواہوں کے ہاتھوں سے تمام ڈھیریوں کو خلاصی دلا دی۔

وحتی انی: ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اگرچہ کسرہ بھی جائز ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: لفظ "حتی" کا مابعد ماقبل میں داخل ہے، اور یہ عاطفہ ہے اس کا عطف ہے مقدر پر۔ حضرت جابر نے اولاً تو سب باتوں کو فسلم الله البیادر میں جمع کیا، پھر اس کی تفصیل حتی کے ذریعہ بیان فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ڈھیر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے اس میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں کو دیتے رہے تھے تو باقی ڈھیریاں بدرجہ اولیٰ محفوظ وسالم رہیں۔(وانظر..... علیه النبی ﷺ): علیه کے معنی ہے: جالسا علیه جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔(کانھا): ھا ضمیر قصہ ہے یا بیدرہ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور تانیث باعتبار صیرہ کے ہے۔(لم تنقص تمرة): (تمرة مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے) کم ہونا لازم تھا لیکن ہوا ایسا نہیں یہ آپ کے معجزے کی برکت تھی، ایک نسخہ میں لفظ تمرہ منصوب ہے تمیز یا مفعول ہونے کی وجہ سے۔ اور انظر کی اسناد صبرہ کی طرف اسناد مجازی ہے۔ اور حضرت جابر کا قول "واحدة" تاکید کے لئے ہے۔

تخریج: اسی طرح نسائی میں بھی ہے۔

گھی کی کُپی میں برکت کا واقعہ

۵۹۰۷: وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ اُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَاتِيْهَا بَنُوْهَا فَيَسْأَلُوْنَ الْاُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَ هُمْ شَيْءٌ فَتَعْمِدُ اِلَى الَّذِيْ كَانَتْ تُهْدِيْ فِيْهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا اُدْمَ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيْهَا مَا زَالَ قَائِمًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۷۸٤/٤ حدیث رقم ۲۲۸۰/۸ و احمد فی المسند ۳٤۰/۳۔

ترجمہ: "جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ام مالک (ایک صحابیہ انصاری عورت تھیں۔ وہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی ایک کپی میں گھی ہدیہ کے طور پر بھیجا کرتی تھیں ان کے بیٹے ان کے پاس آتے اور سالن مانگتے ان کے پاس (سالن وغیرہ) کچھ نہ ہوتا تو وہ اس کپی کا قصد کرتیں جس میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا کرتی تھیں وہ اس میں گھی پاتیں وہ کپی ان کے گھر میں ہمیشہ ہی سالن کا کام دیتی رہی یہاں تک کہ انہوں نے اس کپی کو نچوڑ لیا (پس اس میں گھی بننا بند ہو گیا)۔ پھر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور سارا ماجرا سنا ڈالا)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے

اس کپی کو نچوڑ لیا تھا۔ اس نے کہا جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس میں کچھ چھوڑتی (یعنی پورا نہ نچوڑتی) تو وہ ہمیشہ یوں ہی رہتی"۔

تشریح: عکۃ: عین کے ضمہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ (کپی) کو کہتے ہیں۔ ایک شارح نے لکھا ہے، چھوٹے سے مشکیزے کو کہا جاتا ہے۔ النہایہ میں ہے کہ یہ چمڑے کا ایک گول سا برتن ہوتا ہے، جس میں خاص طور پر شہد اور گھی ڈال کر رکھا جاتا ہے، خصوصاً گھی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (سمنًا): یہ مفعول ہے تھدی کا۔

الادم ہمزہ اور دال دونوں کے ضمہ کے ساتھ۔ البتہ دال کو ساکن بھی کر دیا جاتا ہے۔ (ولیس عندھم): (شیٔ): مراد یہ ہے کہ اس کپی میں بچا گھی یا لگا ہوا گھی ان کا سالن بن جاتا تھا۔ یہ جملہ حال ہے۔ (فتعمد): (میم کے کسرہ کے ساتھ)۔ (الی الذی): اسم موصول مذکر اس لئے لایا گیا کہ الذی سے ظرفیت کا معنی و مفہوم مراد ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ام مالک کپی سے سالن بننے والے گھی کے ختم ہونے کی شکایت لے کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی۔ فقال عصرتیھا: یہاں "یا" اشباع کے لئے ہے اور لفظ عصرت سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے۔ (قالت...... ترکتیھا): یہاں بھی "یا" کی اشباع کے ساتھ اگر آپ کپی کو اس طرح نہ نچوڑتیں۔ (ما زال قائماً): تو ہمیشہ اس کپی سے سالن (گھی) ملا کرتا، جب تک وہ کپی آپ کے پاس رہتی۔ کیونکہ جب کسی چیز میں برکت اترتی ہے تو وہ چیز بھلے ذرا سی کیوں نہ ہو، بڑھ کر بہت ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کھانے کی دعوت میں برکت کا واقعہ

۵۹۰۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ لِاُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعِيْفًا اَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَیْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَاَخْرَجَتْ اَقْرَاصًا مِنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ اَخْرَجَتْ خِمَارًا لَّهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِیْ وَلَاثَتْنِیْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ اَرْسَلَتْنِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَعَهُ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ حَتّٰی جِئْتُ اَبَا طَلْحَةَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَانْطَلَقَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰی لَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمِّیْ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَاَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِيهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ ثُمَّ لِعَشَرَةٍ فَاَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ اَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا (متفق عليه وفي رواية لمسلم انه) قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَدَخَلُوْا فَقَالَ كُلُوْ وَسَمُّوْا اللّٰهَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ بِثَمَانِيْنَ رَجُلًا ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُ الْبَيْتِ وَتَرَكَ سُؤْرًا اَوْفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ اَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً حَتّٰى عَدَّ اَرْبَعِيْنَ ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ اَخَذَ مَا بَقِيَ فَجَمَعَهٗ ثُمَّ دَعَا فِيْهِ بِالْبَرَكَةِ فَعَادَ كَمَا كَانَ فَقَالَ دُوْنَكُمْ هٰذَا۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٨٦/٦حديث رقم ٣٥٧٨ومسلم في صحيحه ١٦١٢/٣حديث رقم (١٤٢-٢٠٤٠) واخرجه الدارمي في السنن ٣٤/١حديث رقم ٤٣ومالك في الموطأ ٩٢٧/٢حديث رقم ١٠من كتاب صفة النبي ﷺ۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی آواز میں ضعف وکمزوری دیکھی تو مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کو بھوک نے ستایا ہے کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں ہے۔ انہوں نے جَو کی چند روٹیاں نکالیں اور اپنی اوڑھنی لے کر آدھی میں روٹیاں لپیٹ دیں اور اسے میرے ہاتھ میں تھما کر اوڑھنی کا باقی حصہ اوپر ڈال دیا اور مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا میں وہ روٹیاں لے کر چلا تو میں نے آپ کو مسجد میں پایا' آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے' میں نے انہیں سلام کیا' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے' میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کھانا دے کر؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پس رسول کریم ﷺ نے سب لوگوں سے کہا آؤ کھڑے ہو جاؤ (ابوطلحہ کے گھر چلیں) اور آپ ﷺ چل دیئے۔ میں ان کے آگے آگے جا رہا تھا (کہ جیسے میزبان جاتا ہے اور اس نیت سے بھی کہ جا کر اپنے والد ابوطلحہ کو آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع کر سکوں)۔ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور انہیں آپ ﷺ کے آنے کی خبر دی' انہوں نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ اور ہمارے پاس انہیں کھلانے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ پس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کا استقبال کیا۔ رسول کریم ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا لاؤ ام سلیم تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ لے آؤ۔ پس وہ وہی روٹیاں لے لائیں۔ حضور پاک ﷺ کے حکم سے ان روٹیوں کا چورا کیا گیا اور ام سلیم نے گھی کی کپی نچوڑ کر سالن بنا دیا پھر رسول کریم ﷺ نے اس روٹی اور سالن میں وہ فرمایا جو اللہ نے چاہا پھر آپ ﷺ نے اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر اسی طرح دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلاتے رہے یہاں تک کہ تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا' وہ ستر یا اسی آدمی تھے۔'' صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دس آدمیوں کو بلاؤ وہ آئے تو آپ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھاؤ چنانچہ انہوں نے کھایا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اسی کے اسی افراد سے یوں ہی فرمایا' پھر آپ ﷺ نے اور گھر والوں نے کھایا پھر بھی کھانا بچ رہا۔ اور بخاری کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا دس دس آدمی میرے پاس بھیجو حتیٰ کہ آپ ﷺ نے چالیس آدمی گنے' پھر نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا اور میں دیکھ رہا تھا کہ کیا کھانے میں کوئی کمی آئی ہے؟۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ کھانے کو جمع کیا اور اس میں برکت کی دعا کی تو وہ جتنا پہلے تھا اتنا ہی ہو گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے لے لو۔

تشریح: خمار : اوڑھنی کو کہتے ہیں جس سے سر ڈھانپا جاتا ہے۔

النہایہ میں ہے: "دسه" اس وقت کہا جاتا ہے، جب کسی چیز کو قہر وقوت کے ساتھ داخل کیا جائے، (یعنی ٹھونسنے کے معنی میں آتا ہے)۔ (ولا ثنني): ثاء مثلثہ کے ساتھ۔ (ببعضه): جبکہ دوسرے حصہ کو میرے سر میں لپیٹ دیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ای عممتني یا لفقتني' یہ لوث سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز سے لپیٹنا یا ایک چیز پر لپیٹنا یا ایک چیز کو دوسری چیز پر گھمانا۔ انتھی

اس میں دلالت ہے کہ روٹیاں بہت ہی تھوڑی تھیں۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جس کو غزوۂ خندق کے موقع پر محاصرہ احزاب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

اسی افراد تھے جس کا ذکر آیا چاہتا ہے۔ "**فسلمت عليهم**": **عليهم** ضمیر مجرور جمع کی لائے اور مقصود یہ ہے کہ میں نے سب کو سلام کیا۔ یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے۔

عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہے' اور ایک ہمزہ استفہام کے لئے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال پر کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا "ہاں" کہنا اس بات کے منافی نہیں تھا کہ ان کی والدہ ام سلیم نے بھیجا تھا کیونکہ باعث اوّل ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ جن کے کہنے پر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو روٹیاں دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، یا چونکہ دونوں کا مآل متحد تھا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بجائے حضرت ابوطلحہ کا نام ذکر کرنا۔ احتشاماً میں ان کی توقیر کی طرف اشارہ ہے۔

قال ...... **نعم**: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات کو علیحدہ سے پوچھنا یا تو تفہیم کے لئے تھا یا وحی اور علم کی تدریج کے مطابق تھا۔

یعنی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ صرف اس بات کا علم حاصل ہوا تھا کہ انس رضی اللہ عنہ کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر بھیجا گیا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بس یہ سوال کیا کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ پھر بعد میں جب دوبارہ وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا کہ انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا بھی ہے، تو آپ نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلومات حاصل کر چکے اور انہوں نے جب روٹیاں آپ کے حوالہ نہ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ حضرت ابوطلحہ نے دعوت پر آپ کو گھر بلایا ہے، اس لئے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا قوموا اٹھو چلیں۔

جب کہ حدیث کے صدر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر پر نہیں بلایا تھا بلکہ روٹیاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجی تھی اور یہ دونوں باتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں۔

ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ میاں بیوی نے حضرت انسؓ کے ہاتھ روٹیاں اس لئے بھیجی تھیں تاکہ آپ ﷺ ان سے لے کر تناول فرمالیں، لیکن جب انسؓ آپ کی خدمت میں پہنچے تو زیادہ لوگوں کو دیکھ کر شرما گئے، اور ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ آنحضرت ﷺ کو گھر لے جایا جائے، تاکہ آپ ﷺ وہاں چل کر کھانا کھالیں، اور ابوطلحہؓ کی چاہت پوری ہو جائے۔

یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت انسؓ سے والدین نے کہا ہو کہ اگر زیادہ لوگ دیکھیں تو آنحضرت ﷺ کو گھر ہی پے بلا لائیں، تاکہ لوگوں کے کثرت کی وجہ سے روٹی کم نہ ہو جائے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے ایثار سے خوب واقف تھے کہ آپ کبھی بھی اکیلے نہیں کھاتے۔

اور پھر میں نے اکثر روایات ایسی پائی ہیں جن کا اقتضاء النص یہ بتاتا ہے، کہ حضرت ابوطلحہ نے آنحضرت کو گھر بلایا تھا۔ (حضرت ملاعلی قاریؒ کو ابن حجرؒ کی بات زیادہ وزنی نہیں لگی اس لئے وہ فرمار ہے ہیں)۔

① ابن حجرؒ کا کلام ٹھوس نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو نور وحی سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ابوطلحہؓ نے حضرت انسؓ کو کھانا دیکر بھیجا ہے۔ تو پھر آپ ﷺ کیسے سمجھے کہ آپ کو انہوں نے گھر بلایا؟ ② ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ اول کلام کا تقاضہ یہ ہے...... یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ صدر کلام کا تقاضہ نہیں بلکہ صدر کلام نص ہے، اس بات پر کہ انہوں نے روٹیاں دیکر حضرت انس کو آپ ﷺ کی خدمت میں اسلیئے بھیجا تھا کہ آپ کو زحمت نہ ہو اور اپنے مقام ہی پے آپ ﷺ کھانا تناول فرمالیں۔

نیز حضرت انسؓ کے شرمانے اور گھر بلانے کی بھی کوئی ایسی دلیل موجود نہیں، جس کی نسبت حضرت انس کی طرف کرتے ہیں، کیونکہ حضرت انس کو خود دعوت دینے کی ولایت ہی حاصل نہیں تھی اور والدین کی بھی یہ رائے نہیں تھی، اگر ہوتی تو پھر حضرت انس کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ سب حضرات آنحضرت ﷺ کے معجزات سے خوب واقف تھے۔

اس باب میں صحیح بات یہ ہے: کہ آنحضرت ﷺ کو چونکہ (وحی کے ذریعہ) یہ معلوم ہو چکا تھا کہ انسؓ کے ساتھ چند ہی روٹیاں ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اتنے مجمع میں خود تنہا یا دو تین آدمیوں کے ساتھ کھا کر بیٹھ جائیں اور باقی لوگ بھوکے رہیں، اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ارادہ اس معجزہ کے اظہار کا بھی ہوا جس کے نتیجہ میں چند روٹیوں سے ایک بڑی جماعت شکم سیر ہوئی تھی۔ اور اس کے ضمن میں دوسرے معجزہ کا بھی حضرت ابوطلحہ کے گھر میں (کپی میں خیر و برکت کی صورت میں بھی) ظاہر ہونا تھا۔ تاکہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ جس اخلاص و محبت، نیک نیتی اور خدمت گزاری کا اظہار کیا تھا اس کا ثمرہ ان کو خیر و برکت کی صورت میں ملے۔

اس لئے آنحضرت اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم

وانطلقت بین ایدیھم: اور میں بطور خادم یا میزبان کی طرح یا اطلاع دینے کے لئے ان حضرات کے آگے آگے اپنے گھر پہنچا۔

قولہ: فقالت و رسولہ اعلم: امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس میں ام سلیم کی عظیم منقبت کا بیان ہے اور اس سے ان کی عظمت دین و رجحان عقلی اور قوت یقینی کا بھی پتہ چلتا ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ کھانے کی مقدار تو جانتے ہی ہیں۔

یقیناً آپ ﷺ مصلحت کو زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کوئی مصلحت نہ سمجھتے تو آپ ﷺ ایسا نہ کرتے۔ سب کو لے کر آنے کی ضرورت کیوں محسوس فرماتے؟ گویا ام سلیمؓ نے فوراً محسوس کر لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آمد ضرور کسی معجزے کے اظہار کے لئے ہے۔ اس سے ام سلیمؓ کی دینداری، دانشمندی اور قوت یقین کا اظہار ہوتا ہے، کہ انہیں جماعت صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔ (ففت): یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ ایک شارح لکھتا ہے، کہ انہوں نے روٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا دیئے۔

یا یہ امر مخاطب کا صیغہ ہے اور شاید یہ کہ تقدیری عبارت یوں ہو: فأمر به وقال: ففت کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ٹکڑے کر دیں۔

فادمته ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ۔ ایک نسخہ میں ہمزہ کے مد کے ساتھ ہے۔ یعنی انہوں نے کپی کو نچوڑا کہ جس میں گھی تھا بطور سالن کے رکھا۔ (ائذن لعشرة): دس دس کی ٹولی بلانے کا حکم اس لئے فرمایا کہ جس برتن میں کھانا تھا وہ انتہائی بڑا تھا کہ اس کے گرد دس آدمی بیٹھ کر اطمنان سے کھا سکتے تھے۔ یہ تو امام طیبی رحمہ اللہ کا قول ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: ایک مرتبہ سب کو نہ بلانے میں حکمت یہ تھی کہ مجمع بہت زیادہ تھا جبکہ کھانا بہت کم تھا جب سارے کھانے کو دیکھ لیتے تو کھانا قلیل ہونے کی وجہ سے ہر ایک اس کے کھانے پر حرص کرتا اور یہ گمان کرتا کہ یہ کھانا تو بہت کم ہے اس سے سب شکم سیر نہیں ہوں گے۔ لہٰذا وہ جلدی سے اس کو کھالے اس حرص کی وجہ سے برکت ختم ہو جاتی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھانے کو کم دیکھ کر ایثار سے کام لینے لگیں (جو کہ صحابہ کرام کا شیوہ تھا) اور کئی لوگ باوجود شرکت دعوت کے بھوکے رہ جاتے، یا زیادہ کھانے سے شرماجاتے یا کھانا کم کھاتے، اس طرح قوت اور شجاعت حاصل نہ ہو سکتی، اور کام نہیں کر سکیں گے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دس دس کا مجمع بلوایا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: کہ مکان میں گنجائش کی کمی کے سبب سب آدمیوں کو بیک وقت بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم دیا گیا۔

(فأكل...... رجلاً): علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہاں تو تعداد کا ذکر شک ہی کے ساتھ ہے، لیکن دوسری روایت میں تعین اور یقین کے ساتھ اسّی (۸۰) کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں اسی/۸۰ سے کچھ اوپر کا ذکر ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں یہ ہے فعل ذلك بثمانين رجلاً۔

ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ سے ہے کہ میں نے پوچھا صحابہ کی تعداد کیا تھی؟

فرمایا: نیفًا وثمانين: لیکن ان دونوں روایات میں منافات نہیں کیونکہ اسی/۸۰ والی روایت کے بارے میں احتمال ہے کہ راوی نے تعداد ذکر کرتے وقت کسر کو حذف کر دیا ہو البتہ ایک اور روایت میں جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے نقل کیا ہے، یہ بیان کیا گیا ہے حتى أكل منه اربعون وبقيت كما هي. کہ اس کھانے میں چالیس آدمیوں نے کھایا اور پھر بھی کھانا جوں کا توں باقی رہا۔ اس روایت سے تغایر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں۔

اور جمع کی صورت یہ ہے کہ پہلے چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد ان چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا۔

جو آنے میں پہلے چالیس آدمیوں سے پیچھے رہ گئے تھے یا آنحضرت ﷺ نے ان کو بعد میں بلا بھیجا تھا۔

قوله :وفي رواية مسلم...... :

سُؤر : سین کے ضمہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ اس ہمزہ کو واؤ سے بدلا بھی جاتا ہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ نے ہمزہ کو جزم کے ساتھ لکھا ہے، یہ ہمزہ کے ساتھ ہے' بقیہ کے معنی میں ہے۔

قوله وفي رواية للبخاري ثم اكل النبي ﷺ: ان چالیس کے بعد آنحضرت ﷺ نے تناول فرمایا اور آنے والے چالیس کا انتظار نہیں کیا تاکہ آپ ﷺ کی برکت ہر دو جماعتوں کو حاصل ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سارے لوگوں کے فارغ ہونے کے بعد تناول فرمایا۔ میں اس تفکر و تردد اور تامل میں گیا، کہ اس میں سے کچھ کم بھی ہوا کہ نہیں لیکن بالکل کوئی کمی نظر نہیں آئی۔

امام تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ تمام روایات ایک ہی صحابی سے منقول ہیں، لیکن ہر ایک کے الفاظ مختلف ہیں کہ ایک میں ہے **ترك سؤرًا**۔ دوسری میں ہے **:فجعلت انظر هل نقص منها شيء**.تیسری میں ہے **ثم اخذ ما بقي فجمعه** تو اتنا زیادہ فرق کیسے پیدا ہوا؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ تطبیق بہت آسان ہے **وترك سؤرًا**۔ تو اس اعتبار سے تھا کہ صحابہ کرام نے اس میں تناول فرمایا تھا اور کھانے کے بعد یہ بچا تھا اس اعتبار سے اس کو سؤر کہنا صحیح ہے کیونکہ سؤر چھوڑ کو کہتے ہیں۔ لیکن اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا تھا' اس لئے ینقص کہنا بھی صحیح ہے، یا اس سے مراد وہ حصہ ہے جو صحابہ سے کھانے کے بعد بچ گیا تھا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: ہر روایت سے کوئی نہ کوئی فائدہ بتلانا مقصود ہے۔

پہلی سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنحضرت نے اس کھانے میں برکت کی دعاء فرمائی تھی۔

اور دوسری روایت میں حضرت انسؓ اس دعا سے پیدا ہونے والی برکت کی حکایت فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ کھانا اسی مقدار پہ لوٹ آیا، کھانے کے باوجود اس میں کمی واقع نہیں ہوئی۔

اور تیسری روایت میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس سے کوئی التباس واقع ہو۔

اُنگلیوں سے پانی پھوٹنا

۵۹۰۹: وَعَنْهُ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَآءِ فَوَضَعَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَآءُ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّاءَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ ثَلٰثَ مِائَةٍ اَوْ زُهَآءَ ثَلٰثَ مِائَةٍ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٨٠/٦حديث رقم ٣٥٧٢ومسلم في صحيحه ١٧٨٣/٤حديث رقم (٢٢٧٩/٦) واخرجه الترمذي في السنن ٥٥٦/٥حديث رقم ٣٦٣١ و احمد في المسند ١٤٣/٣ ۔

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مقام زوراء میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک پانی کا برتن لایا

گیا۔ آپ ﷺ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ مبارک رکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے پوروں سے پانی کے فوارے نکل پڑے۔ پس ساری جماعت نے (اس سے) وضوء کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم لوگ (اس وقت) کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا (ہم) تین سو یا تقریباً تین سو تھے۔ (یعنی یہ راوی کا شک ہے)۔

تشریح: **قوله : اتى النبى باناء ...... فتوضأ القوم : بالزوراء:** راء کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ، "زوراء" ایک گہرے کنویں کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں: مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی دوسرا قول یہاں مقصود ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ ہی میں بازار کے پاس ایک جگہ کا نام زوراء ہے۔ قاموس میں ہے یہ مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

(فوضع...... فجعل): جعل، شرع کے معنی میں ہے۔ **(الماء ينبع):** باء کے فتحہ وضمہ ہر دونوں حرکات کے ساتھ نیز کسرہ پڑھنے کو بھی جائز کہا گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: اس میں تین لغت ہیں، لیکن مختار فتحہ والی ہے۔ اور مصابیح میں نصر اور منع کے وزن پر یہ نبع منقول ہے۔ یہ بھی ایک لغت ہے۔ قاموس میں ہے نبع ینبع ثلاثی ہے۔ چشمے سے پانی نکلنے کے معنی ہیں۔

(من بين اصابعه): امام نوویؒ فرماتے ہیں: انگلیوں کے درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے کی وضاحت میں دو قول ہیں، جس کو قاضی عیاضؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے:

① ایک تو یہ کہ خود انگلیوں ہی سے پانی نکلنے لگا تھا یہ قول امام مزنیؒ کا ہے اور اکثر علماء کا رجحان بھی اسی طرف ہے، نیز اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "**فرأيت الماء من اصابعه**"۔ یعنی میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی اُبلتے دیکھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل معجزہ کی بڑائی بھی اسی بات سے ثابت ہوتی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا حضرت موسیٰ کے اس معجزہ سے افضل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ ان کے عصاء کی ضرب سے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ اس برتن میں جو پانی پہلے موجود تھا اس کو دست مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارے کی طرح اُبلنے لگا۔

(قال ثلاثمائة): نصب کے ساتھ پڑھیں، تو اس سے پہلے کنا محذوف ہوگا اور یہ کان کی خبر ہوگی۔ اگر رفع پڑھیں تو ضمیر مرفوع منفصل نحن محذوف ہوگی جو کہ مبتداء ہے اور یہ خبر یا القوم ثلاثمائة ہوگا۔ اسی طرح قول "او زهاء ثلاثمائة" میں زهاء کو نصب کے ساتھ پڑھیں اگرچہ رفع کے ساتھ بھی جائز ہے، زھا: زاء کے ضمہ اور الف ممدودہ کے ساتھ، یعنی اس کی مقدار۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ثلاثمائة" یہ منصوب ہے کیونکہ یہ کان کی خبر اور لفظ زهاء، زهوت القوم سے ہے، اور تخمیناً مقدار بتلانے کے لئے آتا ہے۔

پانی میں برکت اور کھانے کی تسبیح

۵۹۱۰: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِّنْ مَاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ وَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَاءَ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٨٧/٦ حديث رقم ٣٥٧٩ والترمذى فى السنن ٥٥٧/٥ حديث رقم ٣٦٣٣ والدارمی ٢٨/١ حديث رقم ٢٩

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (صحابہ) آیات و معجزات کو برکت کا باعث سمجھتے تھے اور تم (لوگ) سمجھتے ہو کہ آیات بس (منافقوں) کو ڈرانے کے لئے ہیں۔ (اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک معجزے کا ذکر کیا۔ وہ کہتے ہیں) کہ ایک مرتبہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ پانی کی قلت ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ بچا پانی تلاش کر کے لاؤ' چنانچہ وہ ایک برتین لائے' جس میں تھوڑا سا پانی تھا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ مبارک اس برتن میں رکھ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ! اور اس بابرکت پانی کو حاصل کرو اور یہ وہ برکت ہے جو رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی ابلتے ہوئے دیکھا۔ (نیز انہوں نے ایک اور معجزے کا بھی ذکر کیا) کہ کھانا کھاتے وقت کھانے میں سے تسبیح کی آواز سنتے تھے''۔

تشریح: قولہ: **کنا نعد الآیات برکة تخویفًا:** جب کہ تم اس کو انذار وہلاکت شمار کرتے ہو۔

چنانچہ شارح نے لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وکرمات کو آیات اس لئے کہا گیا ہے، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی علامات ونشانیاں ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ عام عوام الناس ان ہی آیات کو نفع بخش سمجھتے ہیں، جو کہ بطور عذاب اور تخویف کے ظاہر ہوں، لیکن ہم لوگ (صحابہ) ان معجزات کی برکتوں سے بھی مستفید ہوتے اور ان کو بشارت برکت اور زیادتی ایمان کا موجب جانتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خواص کے راستے کا تعلق غلبہ محبت اور امید پر ہوتا ہے، جب کہ عوام کے راستے کی بنیاد کثرت خوف اور عناء (تھکن) سے ہوتا۔ پہلی قسم (یعنی خواص) لوگوں کو طائرین مجذوبین اور مرادین کہا جاتا ہے، جبکہ دوسرے لوگوں کو سائرین سالکین اور مریدین کہا جاتا ہے۔ (تفصیل کا یہاں موقع نہیں)

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: حضرت ابن مسعودؓ کا قول **وانتم تعدونها تخويفًا** آیت ﴿**وما نرسل بالآیات الا تخويفًا**﴾ کی تفسیر ہے، یا اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیات سے مراد یا تو معجزات ہیں یا آیات قرآنی ہیں۔ اب چاہیں معجزات

ہوں یا آیات قرآنی، مؤمنین کے حق میں برکت وزیادتی ایمان کے باعث اور موجب ہیں، اور کفار ومعاندین کے حق میں انذار وتخویف کا موجب ہیں۔

ای لانرسلها الا تخویفا من نزول العذاب العاجل كالطليعة والمقدمة له۔

اس حدیث میں صحابہ کرامؓ کی مدح ہے کہ وہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت کے برکات کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث میں طریق مستقیم سے ہٹ جانے والوں یعنی نافرمانوں کی مذمت بھی ہے۔

(میں) ملاعلی قاریؒ کہتا ہوں: یہاں آیات سے آیات قرآن مراد لینا غیر موزوں ہے۔ کیونکہ مفسرین نے "**وما نرسل بالآيات الا تخويفًا**" کا جو معنی بیان کیا ہے وہ آیات مقترحۃ سے کیا ہے، کیونکہ اس پر آیت کا اول حصہ بھی دلالت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿**وما منعنا ان نرسل بالآيات الا ان كذب بها الاولون وآتينا ثمود الناقة مبصرة فظلموا بها**﴾ [اسراء] "اور ہم کو خاص فرمائشی معجزات کے بھیجنے سے یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں، اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی، سو! ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا، اور ہم ایسے معجزات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔"

لہٰذا اللہ کا ارشاد: ﴿**الا تخويفًا**﴾ کا تعلق عذاب متأصلہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی نہ ڈرے تو نازل ہو کے رہتا ہے، اور نافرمان قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔

یا بغیر سزا کے صرف غور وفکر بعذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے نازل مانا، جیسے غور وفکر اور تدبر کے لئے انبیاء کے معجزات ہوتے ہیں اور قرآنی آیات عذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے ان پر سے اس عذاب کو اللہ تعالیٰ نے آخرت تک مؤخر کیا، لیکن مؤخر ہونے کے باوجود تخویف مؤمنین کے حق میں نفع سے خالی نہیں، اس لئے کلمہ حصر کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے، پھر یہ کیسے مناسب تھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حاضرین پر اعتراض کریں کہ وہ اس کو تخویف سمجھتے ہیں، لہٰذا یہاں وہ معنی مراد نہیں، جو طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے۔ واللہ اعلم

زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ابن مسعودؓ یہ فرمانا چاہ رہے تھے کہ بغیر مانگنے کے بھی جو خوارق عادت واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات گرامی سے بطور معجزہ اور کرامات کے ظاہر ہوئے تھے، ہم ان کو صرف تخویف عقوبت کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ خیر وبرکت کا باعث ہی سمجھتے تھے۔ جب کہ تم لوگ ان کو تخویف عقوبت پر محصور کرتے ہو۔ اس کی تائید ان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو وہ فرما رہے ہیں: (الطهور): الطهور: قوله: **كنا مع رسول الله ﷺ فی سفر** ...... طاء کے فتحہ کے ساتھ "پانی"۔

(**نسمع...... وهو يأكل**): صاحب شفاء وغیرہ حضرات نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے:

ان النبی ﷺ أخذ كفا من حصى فسبحن فی يده حتى سمعنا التسبيح۔

کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں سنگریزے اٹھائے تو وہ سنگریزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تسبیح

کرنے لگے، اور ہم نے خود ان تسبیح کی آواز سنی۔
تخریج: ترمذیؒ نے بھی اسی طرح ہے۔

پانی میں برکت

۵۹۱۱ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تَسِيْرُوْنَ عَشِيَّتَكُمْ وَلَيْلَتَكُمْ وَتَاْتُوْنَ الْمَآءَ اِنْشَاءَ اللّٰهُ غَدًا فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا يَلْوِىْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ فَبَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ فَمَالَ عَنِ الطَّرِيْقِ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ قَالَ اِحْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا فَكَانَ اَوَّلُ مَنِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالشَّمْسُ فِىْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ ارْكَبُوْا فَرَكِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَنَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِيْضَاْةٍ كَانَتْ مَعِىْ فِيْهَا شَىْءٌ مِنْ مَّآءٍ فَتَوَضَّاَ مِنْهَا وُضُوْءً دُوْنَ وُضُوْءٍ قَالَ وَبَقِىَ فِيْهَا شَىْءٌ مِنْ مَآءٍ ثُمَّ قَالَ احْفَظْ عَلَيْنَا مِيْضَاْتَكَ فَسَيَكُوْنُ لَهَا نَبَاٌ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ وَرَكِبَ وَرَكِبْنَا مَعَهٗ فَانْتَهَيْنَا اِلَى النَّاسِ حِيْنَ امْتَدَّ النَّهَارُ وَحَمِىَ كُلُّ شَىْءٍ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَعَطِشْنَا فَقَالَ لَا هُلْكَ عَلَيْكُمْ وَدَعَا بِالْمِيْضَاْةِ فَجَعَلَ يَصُبُّ وَاَبُوْ قَتَادَةَ يَسْقِيْهِمْ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ رَاَى النَّاسُ مَآءً فِى الْمِيْضَاْةِ تَكَابُّوْا عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسِنُوا الْمَلَا كُلُّكُمْ سَيُرْوٰى قَالَ فَفَعَلُوْا فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُبُّ وَاَسْقِيْهِمْ حَتّٰى مَا بَقِىَ غَيْرِىْ وَغَيْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ فَقَالَ لِىْ اِشْرَبْ فَقُلْتُ لَا اَشْرَبُ حَتّٰى تَشْرَبَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ سَاقِىَ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ قَالَ فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ قَالَ فَاَتَى النَّاسُ الْمَآءَ جَآمِّيْنَ رِوَاءً (رواہ مسلم ھکذا فی صحیحہ کذا فی کتاب الحمیدی وجامع الاصول وزاد فی المصابیح بعد قولہ) اٰخِرُهُمْ لَفْظَةَ شُرْبًا۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤٧٢/١ حدیث رقم (٣١١-٦٨١) واخرجه الترمذی فی السنن ٢٧١/٤ حدیث رقم ١٨٩٤ واخرجه ابن ماجه ١١٣٥/٢ حدیث رقم ٣٤٣٤ واخرجه الدارمی ١٦٤/٢ حدیث رقم ٢١٣٥ و احمد فی المسند ٣٥٤/٤۔

ترجمہ: "حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں ہمارے سامنے ایک دفعہ خطبہ دیا اور فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ رات کے پہلے حصے اور آخری حصے میں سفر کرو تو ان شاء اللہ تم کل پانی تک پہنچ جاؤ گے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ پوری رات سفر کرو تو تمہیں پانی مل جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ معجزہ سے حاصل ہونے والے پانی کی طرف تھا) سب لوگ چلتے جا رہے تھے' کوئی کسی کی طرف التفات نہیں کرتا تھا (یعنی ہر شخص

اپنی ہی دھن میں جارہا تھا)۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چلے جارہے تھے یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے ہٹ کر ایک طرف اتر گئے اور سر رکھ کر لیٹ گئے اور (نامعلوم خادم کو) ہدایت فرمائی کہ ہماری نماز کا خیال رکھنا (یعنی صبح فجر کی نماز نہ نکل جائے) پھر سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور سورج طلوع ہو چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جلدی اٹھنے اور تیار ہو کر چلنے کے لئے کہا۔ بہرحال (ہم سے جتنی جلدی ہو سکا) ہم نے اپنی اپنی سواریاں سنبھال لیں اور چل دیئے۔ پھر جب سورج کچھ بلند ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے اترے پھر میرے پاس وضو کے لئے ایک برتن تھا اس میں تھوڑا سا پانی تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منگایا اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر وضو کیا۔ (یعنی جن اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا تھا انہیں ایک ایک بار دھویا) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وضو کے بعد تھوڑا پانی بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا اس باقی پانی کو حفاظت سے رکھو اس لئے کہ قریب ہی اس پانی سے ایک عظیم ترین بات ظہور پذیر ہونی ہے۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے اذان دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں (سنت) پڑھی پھر فجر کی نماز صحابہ کے ساتھ ادا کی (قضاء) اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ہم بھی سوار ہوئے یہاں تک کہ ہم لوگوں سے جا ملے (یعنی جو ہم سے پہلے آچکے تھے ان سے آملے) اب سورج پوری طرح اوپر آچکا تھا۔ اور ہر چیز گرم ہوگئی تھی اور لوگ کہنے لگے یارسول اللہ! ہم ہلاک ہو گئے (گرمی کی وجہ سے) اور ہم پیاسے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے ہلاکت نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا برتن منگایا اور اس میں سے پانی انڈیلتے جاتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو پلاتے جاتے تھے لوگوں نے جب اس برتن سے پانی گرتے دیکھا تو وہ رہ نہ سکے اور پانی کی طرف بھاگے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کی بے چینی کو دیکھا تو فرمانے لگے اخلاق کا دامن نہ چھوڑو، صبر سے کام لو یہ پانی تم سب کو سیراب کر دے گا۔ اس کے بعد فوراً لوگوں نے نظم وضبط کو اختیار کیا (وقار کے ساتھ کھڑے ہو گئے) پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی ڈالتے جاتے اور میں لوگوں کو پلاتا جاتا (یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے) میرے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پانی ڈال کے دیا اور فرمایا: پی لو! میں نے عرض کی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پئیں گے میں نہیں پی سکتا' فرمانے لگے لوگوں کو پلانے والا ہمیشہ آخر میں ہی پیتا ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے میں نے سر جھکا دیا اور پی لیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمایا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم سب قافلہ والے پانی کی جگہ اس حالت میں پہنچے کہ ہم سب ہی سیراب تھے۔ یہ روایت مسلم نے نقل کی اور صحیح مسلم میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ نیز کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں بھی یہ روایت ایسے ہی الفاظ سے نقل کی گئی ہے لیکن مصابیح میں "ساقی القوم آخرھم" کے بعد "شربا" کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

تشریح: قولہ :خطبنا رسول اللہ ﷺ ...... فرکبنا:

اس طرح چلنے لگے کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی، کیونکہ ہر شخص پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح جلد پانی تک پہنچ جائے، اور اس دھن میں نہ کسی کو کسی کا ساتھ پکڑنے کا خیال تھا اور نہ کوئی کسی کو ساتھ لے کر چلنے کی طرف دھیان دے رہا تھا۔

ابھار: باء کے سکون اور راء کے تشدید کے ساتھ باب افعیلال سے ہے، اس کا مصدر احمور کی طرح ابھیرار آئے گا۔

امام تورپشتی رحمہ اللہ نے اس کا معنی آدھی اور نصف رات ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ رات

کا اکثر حصہ جب گزر گیا۔ بعض کہتے ہیں: ابھار کا معنی یہ ہے کہ یہاں تک ہم چلتے رہے کہ ستارے نکل آئے، اور رات کافی روشن ہو چکی تھی۔ (احفظوا...... صلاتنا): آپ نے کسی خادم کو ہدایت فرمائی کہ نماز کے وقت کا خیال رکھنا اس سے یہ معلوم ہوا کہ زیادہ چلنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تھکاوٹ ہوگئی تھی، اور نیند کا غلبہ تھا، اس لئے خاص طور پر جگانے کی ہدایت فرمائی، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ بے خبری میں سو جائیں، اور فجر کے وقت آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے کہیں نماز قضاء نہ ہو جائے۔ ہدایات دینے کے بعد آپ ﷺ لیٹ گئے۔

(فکان اول من استیقظ رسول الله ﷺ): "رسول الله" کان کا اسم ہے یا خبر ہے، اگر رسول اللہ کو اسم بنائیں تو اول من استیقظ خبر ہوگی، اگر اس کو خبر بنائیں تو "اول من استیقظ" اسم کان ہوگا۔ (والشمس فی ظهره): طالعة محذوف ہے جس کے ساتھ فی ظهره متعلق ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے جو آنکھ کھلتے ہی قضا نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کو کچھ مؤخر کیا، یہ دلیل ہے اس بات پر کہ: کہ اگر کوئی شخص سو جانے کی وجہ سے نماز وقت پہ نہ پڑھ سکے یا بھول جائے تو جاگنے اور یاد آنے پر علی الفور اس کی ادائیگی واجب نہیں، کہ اس کو بغیر تاخیر کے ادا کرے (لیکن بہتر یہ ہے کہ مکروہ وقت نہ ہو تو جلد پڑھنے کا اہتمام کرے کہ چھوٹتے چھوٹتے بالکل ہی بھول نہ جائے)۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ جس جگہ امر منہی عنہا کا ارتکاب ہو جائے، یا خوف ہو اسی طرح مامور بہا کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو فوراً اس جگہ سے ہٹ جانا چاہئے، اور یہ مستحب ہے (واجب نہیں)۔ باقی یہاں آنحضرت ﷺ نے نماز کو مؤخر کیوں کیا؟ تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ امید تھی کہ وقت نکلنے سے قبل قبل پانی تک پہنچ جائیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت مکروہ وقت ہو، روایت کے الفاظ "فرکبنا فسرنا حتی اذا ارتفعت الشمس" بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قوله: فرکبنا فسرنا حتی ...... وضوء ا دون وضوء:

میضأه: میم کے کسرہ اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور ایک نسخہ میں ہمزہ سے قبل الف بھی ہے۔ یہ اصل میں "موضأه" تھا، واؤ ساکن ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا ہے۔ ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ لفظ میم کے کسرہ کے ساتھ "مفعلة" کے وزن پر مادہ الوضوء سے ماخوذ ہے۔

کتاب الفائق میں امام طیبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ میضأه، مفعلة مفعالة کے وزن پر اس بڑے لوٹے یا برتن کو کہا جاتا ہے جو وضوء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ النہایہ میں ہے: میضاء میم کے کسرہ اور الف مقصورہ کے ساتھ، کبھی ممدودہ کے ساتھ۔ معنی یہ ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے وضوء کا برتن منگوایا۔ (کانت...... شیء): شیء صفت "قلیل" محذوف ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: ابوقتادہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے پتھر یا ڈھیلہ وغیرہ سے استنجاء فرمایا تھا نہ کہ پانی سے۔

لیکن صحیح وہی ہے جو ابن ملک رحمہ اللہ نے فرمایا۔ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ابوقتادہؓ نے یہ فرمایا کہ عام حالات میں آنحضرت ﷺ ہر عضو کو تین تین بار دھوتے تھے، لیکن اس موقع پر پانی کی بہت قلت تھی اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرض ہی

اداءفرمانے پر اکتفاءفرمایا، جوکہ فرض کی ادائیگی کے اعتبار سے پورا وضو تھا اور عام عادت شریعت کے اعتبار سے مختصر تھا۔

(احفظ علینا): علینا، لأجلنا کے معنی میں ہے۔(میضاتك فسیکون لنانبأ): کیونکہ اس سے ایک اہم اور عظیم الشان بات ظہور پذیر ہوگی جس کا بڑا فائدہ پہنچے گا، اور اس سے نکلنے والے نتیجہ کے متعلق لوگ روایت اور حکایت کریں گے، ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ظہور پذیر ہونے والے معجزہ کی طرف اشارہ فرمایا۔(ثم اذن بلال الصلوۃ): اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح اداء نمازوں کے لئے اذان دینا سنت ہے، اسی طرح قضاء نمازوں کے لئے بھی اذان دینا سنت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پوری جماعت کی نماز قضاء ہوگئی ہو، ایک فرد کی نماز قضاء ہو جائے، تو اس کو نماز کی قضاء کے لئے اذان دینا نہ سنت ہے نہ مستحب۔

(فصلی...... رکعتین): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فجر کی فرض نماز کے قضاء کرنے سے پہلے جو دو رکعتیں پڑھی تھی، وہ سنتیں تھیں۔اور مسئلہ یہ ہے: کہ اگر آنکھ نہ کھلے، یا کسی سبب سے فجر کی نماز وقت پر اداء نہ ہو سکے، اور پھر اس کی قضاء زوال افتاب سے پہلے اداء کی جائے تو اس کے ساتھ سنت کی دو رکعتیں بھی پڑھنی چاہئے، ہاں اگر فرض نماز فوت نہ ہوئی ہو بلکہ صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں، تو اس کی قضاء نہیں ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوالِ آفتاب سے پہلے فوت شدہ سنتوں کی قضاء پڑھ لینی چاہئے، لیکن زوال کے بعد ان سنتوں کے قضاء پڑھنے کے متعلق کسی امام کا قول نہیں، یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

قولہ :ورکب ورکبنا معہ ...... تکابوا علیھا:

امتد، ارتفع کے معنی میں ہے۔عطشنا: (طاء کی کسرہ کے ساتھ)۔(فقال: لا ھلك): ھاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ، (علیکم)تم پر ہلاکت نہیں، اس ارشاد کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تسلی و بشارت دی کہ گھبراؤ نہیں تمہیں کسی ہاکت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہوا، یا یہ کہ یہ ارشاد اصل جملہ دعائیہ تھا۔(ودعا...... یصب): یصب کا مفعول "الماء" محذوف ہے۔

یسقیھم: حرف اول کے فتحہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی۔(فلم یعدُ): عدا، یعد فعل مضارع کا صیغہ ہے، لم یعد کا معنی لم تجاوز ہے۔(ان رأی الناس): ان مصدریہ ہے، رأی مصدر کے معنی میں ہے۔(ماء): اس کی صفت کثیرًا محذوف ہے۔(من المیضأۃ تکابوا): تکابوا (باء پر تشدید)۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے لفظ "فلم یعد" کو ضبط نہیں کیا ہے، جب کہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں "فلم یعد" یاء کے فتحہ، عین کے سکون اور دال کے ضمہ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔اور لفظ تکابوا فاء کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن مسلم شریف اور اس کی شرح میں لفظ "فاء" موجود نہیں۔اور جملہ ان رأی الناس میں دو احتمال ہیں: ① یہ لم یتجاوز کا فاعل ہے، اس اعتبار سے عبارت یوں ہوگی، لم یتجاوز رؤیۃ الناس الماء اکبابھم فتکابوا۔② یہ مفعول ہے۔

(فقال...... الملأ): الملأ میم اور لام دونوں کے فتحہ کے ساتھ، اخلاق کے معنی میں ہے۔قاموس میں ہے الملأ خوش خلقی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، اسی سے احسنوا املأکم: حدیث ہے، یعنی اخلاق سے کام لو۔

الفائق میں ہے: الملأ حسن خلق کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں: اچھے اخلاق کو املاء کہتے ہیں، اور یہ اس لئے کہتے ہیں کہ جس شخص میں بھی پائی جاتی ہیں وہ لوگوں میں سب سے معزز، افضل اور قوم کا سردار ہو جاتا ہے۔

معزز لوگوں کو بھی "ملاء" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، اور لوگوں کے کام آتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یوں کہنا بہتر ہے کہ سردران قوم کو ملاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مجلس کو رونق بخشتے ہیں، اور مجلسوں کو بھر دیتے ہیں، یا اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی عظمت کی وجہ سے آنکھیں بھر جاتی ہیں، یا ان کے خدام اور متعلقین بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

قولہ :ان ساقی القوم آخرھم): آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کا ساقی ان آخری آدمی ہونا باری کے اعتبار سے۔ یہاں "شربًا" محذوف ہے جیسا کہ بعض روایات میں بھی ہے جو آگے آرہی ہیں، حقیقتاً ساقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، باقی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا قول **واسقیھم** اس کے منافی نہیں کیونکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سب کو پانی پکڑا رہے تھے، لہٰذا **اسقیھم، انا ولھم** کے معنی میں ہے۔

(قال...... قال): دوسرے "قال" کا فاعل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ **(جامین)**: میم کی تشدید کے ساتھ راحت کے معنی میں ہے۔ تور پشتی رحمہ اللہ نے یہی معنی تحریر فرمایا ہے۔ **(رواء)**: الف مقصورہ وممدودہ ہر دو کے ساتھ جائز ہے۔ وہ شخص جو پانی پی پی کر خوب سیراب ہو گیا ہو، یا یہ ریان کی جمع ہے، جیسے **عطاش** جمع ہے **عطشان** کی۔

ایک شارح نے لکھا ہے: **جامین** میم کے تشدید کے ساتھ **الجم** مصدر سے **مجتمعین** کے معنی میں ہے یا **مستحریحین** کے معنی میں ہے، اس صورت میں مصدر **الجمام** ہو گا، تکلیف دور ہو کر راحت حاصل ہو جانے کے معنی میں ہے۔

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا استعمال اکثر گھوڑے کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ گھوڑے کو بہت زیادہ پیاس لگتی ہے۔

تخریج: ان تمام کتب میں جملہ **ساقی القوم آخرھم** بغیر لفظ "شربًا" کے منقول ہے۔ کتاب تاریخ البخاری میں بھی اس طرح منقول ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ابوداؤد نے اس روایت کو عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام ترمذی رحمہ اللہ وابن ماجہ نے بھی حضرت ابوقتادہ ہی سے نقل کیا ہے۔

طبرانی نے (الاوسط میں) نیز قضاعی نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر کھانے میں غیر معمولی برکت کا واقعہ

۵۹۱۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا كَانَ یَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ اُدْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَیْهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَالَ نَعَمْ فَدَعَا بِنَطْعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَجِیْئُ بِكَفِّ ذُرَةٍ وَیَجِیْئُ الْاٰخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ وَیَجِیْئُ الْاٰخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰی اِجْتَمَعَ عَلَی النَّطْعِ شَیْئٌ یَسِیْرٌ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ فَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَأُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۵٦/۱ حديث رقم (۴۵-۲۷) و احمد في المسند ۱۱/۳

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دن جب لوگوں کو سخت بھوک محسوس ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! لوگوں کے پاس جو تھوڑا بہت بچا ہوا کھانا ہے اس کو منگوالیں اور اس کھانے پر برکت کے لئے اللہ سے دعا کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا دسترخوان منگایا جو بچھا دیا گیا پھر آپ نے لوگوں کو بچا ہوا توشہ لانے کے لئے کہا پھر کوئی تھوڑی سی مکئی لے کر آیا کوئی مٹھی بھر کھجور لے کر آیا اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا اس طرح دسترخوان پر تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی پھر لوگوں سے فرمایا کہ کھانا اپنے اپنے برتنوں میں ڈال لو لوگوں نے اپنے اپنے برتن کھانے سے بھرنے شروع کئے اور لشکر میں پھر کوئی ایسا برتن نہ رہا جو کھانے سے نہ بھرا ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لشکر (تقریباً ایک لاکھ پر مشتمل تھا) نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اس کے باوجود بہت سا کھانا بچ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور (یادرکھو) ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا کہ کوئی آدمی اللہ سے جا کر ملے ان دو گواہیوں کے ساتھ جن پر اس کو کوئی شک وشبہ نہ ہو تو اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے''۔

تشریح: تبوک: غیر منصرف ہے اور کبھی منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔ تبوک اور مدینہ کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: لفظ ''تبوک'' میں مشہور قول یہ ہے کہ تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ جن لوگوں نے منصرف کہا ہے، انہوں نے موضع کے معنی میں لیا ہے۔ انتھیٰ

حضرت قاری رحمہ اللہ فرمارہے ہیں: یہ غیر منصرف ہے لیکن علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے یہ علمیت اور تانیث کی وجہ سے، کیونکہ یہ یزید کے وزن پر ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ غزوہ ماہ رجب ۹ ھ میں لڑا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سب سے آخری غزوہ تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔

بعض حضرات اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: لانه رأى قوما يبوكون عين تبوك ۔ و يحركونه ليخرج الماء فقال: ما زلتم تبوكونه بوكا۔ اس کو تبوک اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ کے صحابہ میں کچھ لوگ تبوک نامی کنویں میں اپنے نیزے ڈال کر ہلا رہے ہیں تاکہ پانی نکلے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مازلتم: (اصاب الناس): یہ جواب ہے ''لما'' کا اصاب' حصل کے معنی میں ہے۔

(مجاعة): (میم کے فتحہ کے ساتھ) شدید بھوک۔ (فقال عمر:...... ازوادهم): دراصل اس روایت میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے پوری روایت یوں ہے: "انهم اصابهم مجاعة فقالو يا رسول الله! لو أذنت لنا فنحرنا نواضحنا فأكلنا وآدمنا۔ فقال: افعلوا فجاء عمر فقال: يا رسول الله! ان فعلت"۔ کہ جب (اہل لشکر کو سامان خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور) لوگ بھوکے رہنے لگے، تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت پوری کر لیں؟ آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دیدی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (آگے والی بات پیش آئی جو اس روایت میں ہے) اگر آپ لوگوں کو اجازت دیں گے تو اس سے لشکر کو سواریوں کی قلت کا مرحلہ پیش آئے گا بلکہ آپ بچے ہوئے سامان کو جمع فرما کر برکت کی دعا فرما دیجئے۔ "زاد کسی چیز کے بچے حصہ کو کہا جاتا ہے"۔ "الازواد" جمع ہے زاد کا، توشہ سفر کو کہا جاتا ہے۔

قوله: فدعا ينطع ...... فدعا رسول الله ﷺ بالبركة بنطع: نون کے کسرہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں نون کے فتحہ اور طاء کے سکون کے ساتھ ہے، لیکن شفاء کے اکثر شراح نے تلفظ اول کی تصریح کی ہے، اس لئے فصیح یہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: نطع میں کئی لغات ہیں، نون کے کسرہ فتحہ کے ساتھ بمع (طا) کے فتحہ اور سکون کے ساتھ، البتہ افصح لغت نون کے کسرہ اور طاء کے فتحہ والی ہے۔

قاموس میں ہے: لفظ النطع نون کے کسرہ اور طاء کے فتحہ نیز تینوں حروف کے حرکت کے ساتھ، عنب کے وزن پر' چمڑے کے دستر خوان کو کہتے ہیں۔

فبسط: یہ فعل مجہول ہے۔ (ثم...... ذرة): لفظ ذرہ ذا معجمہ کے ضمہ اور راء کے تخفیف کے ساتھ۔ قاموس میں ہے: الذره (ثبة) کے وزن پر مشہور مکئی کے دانہ کو کہتے ہیں جو کہ اصل میں ذرو ہے۔ (تمر): لفظ "تمر" اسم جنس ہے اس کا مفرد تاء مربوطہ کے ساتھ تمرة آتا ہے۔ (واجعلوا في او عيتكم): امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، کہ توشہ اشیاء کو اپنے برتنوں میں ڈالتے جاؤ اور لیتے جاؤ، اس صورت میں جعلو، صبوا کے معنی میں ہوگا، في اوعيتكم، صبوا کے متعلق اور اخذوا' صبوا کی ضمیر سے حال۔ یا عبارت یوں ہے: اخذوا صابين في او عيتكم۔ امام طیبی رحمہ اللہ نے تضمین کی دو انواع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس مقام پر از روئے معنی "جعل" کی تضمین 'حب" کی تضمین سے اولیٰ ہے جیسا کہ اصحاب عقل پر مخفی نہیں۔

عسکر یا اہل قافلہ مراد ہیں۔ (وعاء الا ملأوه): یہ کتنا پاکیزہ اور حلال مال تھا اور وہ کتنے خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے یہ کھانا کھایا۔

فضلت اکثر ضاد کے ضمہ اور بہت کم کسرہ کے ساتھ منقول ہے۔ (فضلة): رفع کے ساتھ۔ فضلت کا فاعل ہے، اور صفت كثيرة محذوف ہے۔ قاموس میں ہے: الفضل ضد ہے نقص کی، نصر ینصر اور کرم سے اس کی جمع فضول آتی ہے۔

قوله فقال رسول الله ﷺ: اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ معجزات کا دیکھنا ایمان ویقین کے اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ (لا يلقى الله بهما): هی کی ضمیر شہادتین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (عبد): امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وبهما میں باء

یاتوسببیہ ہے، یا استعانت کے لئے ہے، یا یہ حال ہے، یہ جملہ امت کے لئے بطور خوشخبری کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ **(غیر شاك):** یہ مرفوع ہے، کیونکہ عبد کی صفت ہے۔ (علامہ علی قاری رحمہ اللہ ساتھ دوسری ترکیب بھی ذکر فرما رہے ہیں جس کو طیبی رحمہ اللہ شاید بھول گئے ہیں) ایک نسخہ میں لفظ "غیر" منصوب ہے اور اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں: ① استثناء ② حال ہے۔ **(فیحجب):** نصب کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے (نصب کی صورت میں ان مقدر ہوگا) یہ یمنع کے معنی میں ہے۔ **(عن الجنة):** ایک شارح نے لکھا ہے: **فیحجبه**۔

ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے، کیونکہ یہ جملہ جواب نفی واقع ہو رہا ہے، جو کہ **لا یلقی**...... ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی شخص اس کلمہ کو یقین کے ساتھ پڑھے اور زندگی میں یقین کے ساتھ اس پر قائم رہے، کسی شک وتردد کا شکار نہ ہو جائے، پھر قیامت کے دن اللہ کے سامنے اسی یقین کے ساتھ حاضر ہو جائے، اس کو جنت سے کوئی چیز نہیں روکے گی، وہ ہر حالت میں جنت میں داخل ہوگا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **فیحجب:** مرفوع ہے جملہ سابقہ پر اس کا عطف ہے، "**یعنی لا یلقی**" پر اور نفی مابعد والے دونوں جملوں پر ایک ساتھ (واقع ہو رہی ہے)۔

تخریج: حضرت بخاری نے بھی حضرت سلمہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امّ المؤمنین حضرت زینبؓ بن جحش کے ولیمہ میں برکت کا واقعہ

۵۹۱۳: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرُوْسًا بِزَیْنَبَ فَعَمِدَتْ اُمِّیْ اُمُّ سُلَیْمٍ اِلٰی تَمْرٍ وَّسَمْنٍ وَّاَقِطٍ فَصَنَعَتْ حَیْسًا فَجَعَلَتْہُ فِیْ تَوْرٍ فَقَالَتْ یَا اَنَسُ اِذْ ھَبْ بِھٰذَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِھٰذَا اِلَیْکَ اُمِّیْ وَھِیَ تُقْرِئُکَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ اِنَّ ھٰذَالَکَ مِنَّا قَلِیْلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَذَھَبْتُ فَقُلْتُ فَقَالَ ضَعْہُ ثُمَّ قَالَ اِذْھَبْ فَادْعُ لِیْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا رِجَالًا سَمَّاھُمْ وَادْعُ مَنْ لَقِیْتَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰی وَمَنْ لَقِیْتُ فَرَجَعْتُ فَاِذَا الْبَیْتُ غَاصٌّ بِاَھْلِہٖ قِیْلَ لِاَنَسٍ عَدَدُکُمْ کَمْ کَانُوْا قَالَ زُھَاءَ ثَلٰثِمِائَۃٍ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَیْسَۃِ وَتَکَلَّمَ بِمَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ جَعَلَ یَدْعُوْا عَشْرَۃً عَشْرَۃً یَاکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَقُوْلُ لَھُمْ اُذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ وَلْیَاْکُلْ کُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا یَلِیْہِ قَالَ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَائِفَۃٌ وَدَخَلَتْ طَائِفَۃٌ حَتّٰی اَکَلُوْا کُلُّھُمْ قَالَ لِیْ یَا اَنَسُ اِرْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِیْ حِیْنَ وَضَعْتُ کَانَ اَکْثَرَ اَمْ حَیْثُ رَفَعْتُ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲۶/۹ حدیث رقم ۵۱۶۳ ومسلم فی صحیحه ۱۰۵۱/۲ حدیث رقم (۹۴-۱٤۲۸) وأخرجه الترمذی فی السنن ۳۳۳/۵ حدیث رقم ۳۲۱۸ وأخرجه النسائی فی السنن ۱۳٦/٦

حدیث رقم ۳۳۸۷۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پنیر' گھی اور کھجوروں کو ملا کر ایک حلوہ سا تیار کیا اور اس کو ایک پیالے میں رکھ کر مجھ سے کہا انس! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کرو کہ میری والدہ نے یہ (ایک چھوٹا سا تحفہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجا ہے اور سلام عرض کیا ہے اور یہ بھی کہنا کہ یہ چھوٹا سا ہدیہ (تحفہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان تو نہیں ہے (لیکن آپ کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے امید ہے کہ قبول کریں گے) پھر میں اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے یہاں رکھ دو اور جا کر فلاں فلاں کو بلا لاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے نام لئے اور راستے میں بھی جو ملے اس کو بھی بلا لاؤ۔ بہر حال میں گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن کے نام بتائے اور راستے میں جو جو ملا میں نے اسے آنے کا کہہ دیا۔ جب میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر) لوٹا تو میں نے دیکھا کہ گھر بھر چکا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت تم کتنے لوگ تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تقریباً تین سو ہوں گے۔ پھر میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حلوے پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور جو اللہ کی مرضی ہوئی پڑھا۔ پھر دس دس آدمیوں کو بلایا تا کہ آ کر کھائیں' جو بھی کھانا کھانے آتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے اللہ کا نام لے کر شروع کرو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے (کیونکہ یہ کھانے کے آداب میں سے ہے اور اس سے کھانے میں برکت بھی آتی ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دس آدمی کھا کر سیر ہو جاتے تو وہ چلے جاتے اور اتنے ہی اور آدمی آ جاتے یہاں تک کہ سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اے انس! اب اس برتن کو اٹھا لو میں نے وہ برتن اٹھا لیا اور میں نہیں جانتا کہ پیالے میں حلوہ پہلے زیادہ تھا کہ بعد میں''۔

تشریح: قولہ: کان النبی ﷺ عروسا: فجعلته في تور: عروسًا: صفت کا صیغہ ہے، مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

بزینب: ''با'' سبب کے لئے ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: بزینب کا مطلب متزوجًا بها۔ (عمدت): میم کے فتحہ کے ساتھ، قصد و ارادہ کے معنی میں ہے۔ (امی ام سلیم): امی سے بدل یا عطف بیان ہے۔

أقط: ہمزہ کے فتحہ، اور قاف کے کسرہ کے ساتھ قروت (پنیر) کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے: أقط تنبیہ حرفی ہے، اور کئی طرح سے منقول ہے: ① تینوں کے حرکتوں کے ساتھ ② نیز ہمزہ کے فتحہ، قاف کے کسرہ اور طاء کے سکون کے ساتھ یعنی کتف کے وزن پر ③ رجل کے وزن پر ہمزہ کی کسرہ، قاف کے سکون کے ساتھ ④ لفظ ابل کے وزن پر (ہمزہ اور قاف دونوں کے کسرہ کے ساتھ) ایسی چیز ہے جو کہ بکریوں کے دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ (فصنعت حیسا): کھجور، گھی اور پنیر تینوں کو ملا کر جو مالیدہ سا بن جاتا ہے، اس کو حیس کہتے ہیں۔

شرح شمائل میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: حیس اس مالیدہ کو کہا جاتا ہے، جو کھجور کے ساتھ گھی ملا کر یا پنیر ملا کر بنایا گیا ہو۔ بعض کہتے ہیں: تمر و سمن اور أقط تینوں کے مرکب کو حیس کہا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح شرح کرنا زیادہ بہتر نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے، اصل تو یہ ہے: کہ تینوں کے مرکب کو حیس کہا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کھجور اور گھی کے مرکب پر بھی

استعمال ہوتا ہے نیز کھجور اور پنیر کے مرکب کو بھی حیس کہا جاتا ہے، پنیر کی جگہ کبھی آٹا ملایا جاتا ہے، یا آٹا گھی اور کھجور کے ٹکڑے۔ ہم نے جو کہا ہے اس کی تائید قاموس کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے: **الحیس الخلط وتمر یخلط بسمن واقط فیعجن شدیدا ثم ینذر منه نواه۔** وہ مرکب ہے: جس میں کھجور کو گھی اور پنیر کے ساتھ ملا کر خوب کھرل کیا جاتا ہے، پھر کھجور کی گٹھلیاں علیحدہ کردی جاتی ہیں۔ کبھی اس میں ستو بھی ملا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کھجور کو صرف گھی یا صرف پنیر کے ساتھ ملا جائے تو اس کی حیس مجازاً کہا جاتا ہے، لیکن اصل حیس نہیں۔ **(فجعلته)**: یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ نہ کہ واحد متکلم کا صیغہ۔ **(فی تور)**: (لفظ "تور" کا پہلا حرف تائے فوقانیہ پھر واوء ساکنہ، پھر راء) پیالہ نما، ایک برتن کا نام ہے۔

قوله : فقال : ضعه ...... فاذا البیت غاص بأهله: گویا بزبانِ حال فرمایا تمہاری تھوڑی چیز بھی ہمارے لئے بہت ہے۔ اب برکت کے لحاظ سے فضیلت دوچند ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس کو قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تو متعین کر کے نام بتایا تھا لیکن اس وقت میں ان کا نام بھول گیا ہوں، اس لئے **فلانا و فلانا و فلاناً** سے میں نے تعبیر کیا ہے۔ اس جگہ **رجالاً سماهم** یہ حضرت انسؓ کا کلام ہے جو ترکیب کے لحاظ سے فلاناً وفلاناً الخ سے بدل ہے، یا مفعول ہے لفظ **اعنی** یا **یعنی** سے۔ واللہ اعلم

(فدعوت...... بأهله): لفظ "**غاص**" (صاد مہملہ کی تشدید کے ساتھ) جب ان حضرات کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں گھر پہ لوگوں کا ہجوم ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے یہاں بیت سے مراد کمرہ نہیں بلکہ پورا گھر ہے (جس میں تمام ازواج مطہرات کے حجرے شامل تھے)۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ آپ کے حجرے کے باہر جمع تھے اور ہجوم تھا اگر بیت سے کمرہ ہی مراد ہو تو اس صورت میں یہ ایک معجزہ کا ذکر ہے، کہ کمرہ باوجود چھوٹا ہونے کے اتنی جگہ ہوگئی تھی کہ ایک جم غفیر اس میں سمو گیا تھا۔

کانوا میں ضمیر جمع کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ عدد کے معنی کے لحاظ کرتے ہوئے لایا گیا ہے۔ **زھا** منصوب ہے، اور **کان** محذوف کی خبر ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: مرفوع ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی **عددنا مقدار ثلاثمائة**" یعنی تقریباً ہم تین سو کے لگ بگ ہوں گے۔

لیأکل لام امر کے کسرہ اور سکون ہر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ **(فرفعت...... حین رفعت)**: یعنی ظاہری صورت کے اعتبار سے جب میں نے دیکھا تو مجھے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس پیالے میں سے جو کھانا کھایا ہے وہ زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے باقی اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس برتن پر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی برکت، اور آپ ﷺ کے صحابہ کی فضیلت، کی وجہ سے بہت زیادہ برکت پیدا ہو چکی تھی۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہ ثابت ہوتا ہے، کہ امّ المؤمنین حضرت زینب کا ولیمہ اسی مالیدہ سے کیا تھا جو حضرت ام سلیمؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ لیکن دوسری مشہور روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ولیمہ کا کھانا روٹی اور گوشت پر مشتمل تھا، اور ان روایتوں میں کھانے میں برکت پیدا ہونے کا اور زیادہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، اس کو دور کرنے کے لئے یہ کہا گیا، کہ دراصل وہ مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا تھا جب آپ ﷺ ولیمہ کا کھانا (جو گوشت اور روٹی پر مشتمل تھا) لوگوں کو کھلایا جا رہا تھا، اس طرح اس دعوت ولیمہ میں دونوں کھلائے گئے، یعنی مالیدہ بھی اور گوشت روٹی بھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دن تو یہ مالیدہ والا واقعہ ہوا ہوگا، اور دوسرے دن روٹی اور گوشت کھلانے والا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ مگر جن لوگوں نے گوشت اور روٹی والے ولیمہ میں پیش آنے والے واقعہ میں معجزہ سے انکار کیا ہے، اس میں بہت تعجب ہے، کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں صرف ایک بکری کو ذبح کیا گیا تھا جس کو ایک ہزار لوگوں نے کھایا پھر بھی ان لوگوں کو آپ کا معجزہ نظر نہیں آرہا ہے۔

(میں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے کہیں یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم نے جو مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اسی کا ولیمہ ہوا بلکہ انہوں نے مالیدہ ہدیہ کے طور پر آپ ﷺ کو بھیجا تھا، جس کو آپ ﷺ نے تین سو کے قریب لوگوں کو کھلایا اور پھر اسی دن شام کو یا اگلے دن آنحضرت ﷺ نے بکری ذبح کر کے باقاعدہ ولیمہ کیا اور اس ایک بکری کے گوشت اور روٹی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ایک ہزار آدمی شکم سیر ہوئے، پس نہ تو ان دونوں واقعات میں کوئی منافات ہے اور نہ ان دونوں معجزوں میں کوئی معارضہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سست رفتار اُونٹ کی تیز رفتاری کا واقعہ

۵۹۱۴: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى نَاضِحٍ قَدْ اَعْيٰ فَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ فَتَلَاحَقَ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِبَعِيْرِكَ قُلْتُ قَدْ عَيِيَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهٗ فَدَعَا لَهٗ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْاِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ اَفَتَبِيْعُنِيْهِ بِوَقِيَّةٍ فَبِعْتُهٗ عَلٰى اَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ فَاَعْطَانِيْ ثَمَنَهٗ وَرَدَّهٗ عَلَيَّ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٢٠/٤ حديث رقم ٢٠٩٧ واخرجه مسلم في صحيحه ١٢٢١/٣ حديث رقم (١١٠-٧١٥)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک غزوہ میں، میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، جس اونٹ پر میں سوار تھا اس اونٹ کے اوپر آب کشی رکھا ہوا تھا اس لئے اونٹ تھک چکا تھا اور اس کو جس طرح تیز چلنا چاہیئے وہ اس طرح تیز نہیں چل رہا تھا (یعنی تھکن کی وجہ سے بہت سست ہو گیا تھا) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارے اونٹ کو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ تھک چکا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے میرے اونٹ کو ہانکا اور پھر اس کے لئے (تیز رفتاری کی) دعا کی جس کی وجہ سے میرا اونٹ سب سے آگے رہنے لگا۔ رسول کریم ﷺ نے پھر مجھ سے پوچھا: سناؤ اب تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ ﷺ کی (دعا کی) برکت کی وجہ سے اب تو خوب چلتا ہے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: اس اونٹ کو میرے ہاتھ چالیس درہم کے عوض بیچ دو میں نے وہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ اس شرط پر بیچ دیا کہ یہاں سے مدینہ تک یہ اونٹ میری ہی سواری میں رہے گا۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو میں اگلی صبح اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا (تاکہ اپنی شرط پوری کرسکوں) آپ ﷺ نے وعدے کے مطابق مجھے قیمت عطا فرما دی اور (عنایت کے طور پر) اونٹ بھی واپس کر دیا۔

تشریح: قوله :غزوت مع رسول الله ﷺ ...... قدامها يسير: یعنی آب کش اونٹ پر سوار تھا۔ النہایہ میں ہے ناضح، آب کش اونٹ کو کہا جاتا ہے۔ (أعيا): ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فعل أعي، لازم اور متعدی دونوں طرح سے آتا ہے۔ (فتلاحق): ایک جگہ پہنچ کر میرا اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ ہوگیا۔ (بی...... قدعيی): پہلی یاء کے کسرہ کے ساتھ، عجز کے معنی میں ہے۔ (فتخلف رسول الله ﷺ): آنحضرت ﷺ یا تو لشکر کے پیچھے آگئے یا اونٹ کے پیچھے آگئے۔ (فزجره): اور یا تو کسی چیز سے مار کر، یا محض آواز کے ذریعہ اس کو ہانکا۔ (فدعا...... الابل): جب آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں نیز روئی کی دعاء فرمائی کہ اس کا اثر یہ ہوا کہ میرا اونٹ سب سے آگے رہنے لگا۔ (قدامها): یہ کلمہ قول بين يدى الابل سے بدل یا عطف بیان ہے۔ اور بين يديه الخ یہ ظرف ہے ما زال کے لئے نیز بين يديه کو قول (يسير کے لئے بھی ظرف بنانا جائز ہے) جو کہ زال کی خبر ہے۔ ما زال میں ضمیر عائد اُس کا اسم ہے جو کہ ناضح کی طرف لوٹ رہی ہے۔ امام طیبی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔

قوله :فقال لی :كيف ترى بعيرك ...... أفتبيعنيه بوقية: ایک شارح نے اس کی وضاحت چالیس درہم سے کی ہے۔ [اس کے اعراب میں کافی کلام ہے]

واؤ کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ، قاف پر کسرہ اور یاء پر تشدید۔ مصابیح میں لکھا ہے: عام لوگوں کے زبان میں فتحہ کے ساتھ مشہور ہے، اور یہ بھی ایک لغت ہے جس کو بعض لوگوں نے نقل کیا ہے۔

ایک صحیح نسخے میں بأوقيه کا لفظ ہے جو کہ ہمزہ کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: مشہور لغت بھی یہی ہمزہ والی ہے۔ واؤ کے ساتھ اس کو ان دنوں مستعرب لوگ استعمال کرتے ہیں۔ واؤ کے ضمہ کے ساتھ یہ اصل لغت عامریہ ہے یعنی بنو عامر کی لغت ہے۔ ان کے علاوہ ہمزہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

یہاں حدیث میں اس سے کتنے درہم مراد ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ چالیس درہم۔ ان دنوں اطباء اور عرف عام میں دس درہم اور کچھ اوپر کی مقدار مراد لیتے ہیں۔ قاموس میں ہے: لأوقيه ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سات مثقال کا وزن مراد ہوتا ہے اور واؤ کے ضمہ اور یاء مشددہ کے ساتھ ہو تو چالیس درہم مراد ہوتے ہیں، لیکن النھایہ والے نے قدیم کی قید لگائی ہے، کہ پہلے زمانے میں اس سے چالیس درہم مراد لئے جاتے تھے۔

قوله :فبعته على ان لى فقار...... "فقار" فاء کے فتحہ کے ساتھ، پیٹھ کی اس ہڈی کو کہا جاتا ہے، جس پر سوار ہوتے ہیں۔ النہایہ میں ہے فقار الظهر سے ریڑ کی ہڈی کے منکے مراد ہوتے ہیں، مفرد "فقارة" آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ایک تلوار کا نام بھی ذوالفقار تھا جس میں حلقوں کی چھوٹی سی زنجیر تھی۔ ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے، کہ

کوئی چیز بیچتے وقت ایسی شرط عائد کرنا کہ جس سے بیچنے والے کو کچھ مدت تک فائدہ ہو جائز ہے۔ انتھیٰ۔ (حالانکہ مسئلہ کی رو سے یہ جائز نہیں)

اس لئے یا تو اس مسئلہ میں یہ حدیث منسوخ کے حکم میں ہے یا یہ کہ مذکورہ شرط کا تعلق عین عقد سے نہیں تھا بلکہ خرید وفروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد حضرت جابرؓ کی درخواست سے طے پایا کہ مدینہ تک یہ اونٹ جابرؓ کی سواری میں رہے گا۔ واللہ اعلم

قوله : فاعطاني ثمنه وردّ علي: ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: یہاں جابرؓ نے اونٹ کے واپسی کی نسبت براہ راست جو اپنی طرف کی ہے، یہ بطور مجاز ہے کیونکہ یہ عطیہ حضرت بلال کے واسطے سے ہوا تھا جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے "فلما قربت المدينة قال لبلال: اعطه اوقية من ذهب وزد"۔اھ۔

یہ محل بحث ہے۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پہلے دیا تھا اور ان کو ادائیگی اگلے دن ہوئی تھی اور مزید یہ کہ عطاء کی حقیقت "امر" کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر تین معجزات کا ظہور

۵۹۱۵: وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ فَاَتَيْنَا وَادِیَ الْقُرٰی عَلٰی حَدِیْقَةٍ لِامْرَاَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْرُصُوْهَا فَخَرَصْنَاهَا وَخَرَصَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةَ اَوْسُقٍ وَقَالَ اَحْصِيْهَا حَتّٰی نَرْجِعَ اِلَيْكِ وَاِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَانْطَلَقْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا تَبُوْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَهُبُّ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَةَ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَلَا يَقُمْ فِيْهَا اَحَدٌ فَمَنْ كَانَ لَهٗ بَعِيْرٌ فَلْيَشُدَّ عِقَالَهٗ فَهَبَّتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَحَمَلَتْهُ الرِّيْحُ حَتّٰی اَلْقَتْهُ بِجَبَلَیْ طَیِّءٍ ثُمَّ اَقْبَلْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا وَادِیَ الْقُرٰی فَسَاَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْاَةَ عَنْ حَدِيْقَتِهَا كَمْ بَلَغَ ثَمَرُهَا فَقَالَتْ عَشْرَةَ اَوْسُقٍ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في ۳۴۳/۳ حديث رقم ۱۴۸۱ ومسلم في صحيحه ۱۷۸۵/۴ حديث رقم (۱۱-۱۳۹۲) واخرجه احمد في المسند ۴۲۴/۵۔

ترجمہ: "حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک غزوۂ تبوک کے لئے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے پھر ہم وادیٔ قریٰ میں پہنچے (یہ وادی تقریباً مدینہ سے تین دن کے سفر پر واقع ہے) ☆ وہاں سے ہمارا گزر ایک عورت کے باغ سے ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اندازہ کر کے بتاؤ کہ اس باغ کے پھل کا اندازہ لگاؤ؟ ہم نے اندازہ لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دس وسق کا اندازہ لگایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ: جب ہم انشاء اللہ لوٹ کر آئیں تو یاد سے ان پھلوں کا وزن (جو تم کرو گی) ہمیں بتانا۔ پھر ہم چلے حتی کہ تبوک پہنچ گئے تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا آج رات تم پر شدید آندھی چلے گی پس کوئی شخص آندھی میں کھڑا نہ ہو اور جس کسی کے پاس اونٹ ہو وہ اسے مضبوطی سے باندھ دے چنانچہ ایسا ہی ہوا شدید آندھی آئی ایک آدمی کھڑا ہو گیا ہوا اسے اڑا کر لے گئی اور طے کے دو پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ جس وقت ہم (غزوۂ تبوک سے) فارغ ہو گئے ہم (واپسی پر) وادیٔ قریٰ میں پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے باغ کے پھلوں کے بارے میں دریافت فرمایا اس نے کہا وہ دس وسق تھے''۔

تشریح: حمید: تصغیر کے وزن پر۔ ''الساعدی'': یہ ان کی نسبت ہے۔ یعنی بنی ساعدہ۔ قال:...... تبوك: یا تو غزوہ تبوک کے لئے یا تبوک کی طرف یا تبوک کے علاوہ میں سے ایک جگہ جا رہے تھے۔ یہاں لفظ غزوۃ منصوب بنزع الخافض ہے۔

ای الی تبوك اوفیها۔

الوادی: یاء کے سکون کے ساتھ یا تلفظ میں گر جاتی ہے، بعض نسخوں میں وادی منصوب ہے لیکن یہ اعراب ترکیب مزجی کے اعتبار سے نہیں بلکہ یہ مرکب اضافی ہے۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں الوادی کے یاء کو اعراب دینا درست نہیں کیونکہ دونوں کلموں سے ایک ہی نام مراد ہے۔ الگ الگ دو اسموں کو ملا کر ایک نہیں کیا گیا ہے۔ یہ مشہور مقام کا نام ہے۔

لفظ اخرص، راء کے ضمہ کے ساتھ باب کرم سے ہے۔ حتی...... قدمنا تبوك: لفظ تبوک کا اس مقام میں بغیر الف کے یہاں تمام نسخوں میں لکھا جانا، اس بات کی دلیل ہے، کہ لفظ تبوک یہاں غیر منصرف ہی ہے۔ (فقال...... ستهب): (ھاء کے ضمہ اور باء موحدہ کے تشدید کے ساتھ) چلنے کے معنی ہے۔ (عقاله): (عین کے کسرہ کے ساتھ) اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی کو عقالہ کہا جاتا ہے، جو کہ ایک ذراع کے برابر ہوتی ہے۔ (فقال...... طیء): لفظ طي حرف اول طاء پھر یاء مشددہ یاء کے بعد ہمزہ یہ سید کے وزن پر ہے۔ ان دو پہاڑوں میں سے ایک کا نام (أجأ ہے جو کہ تینوں حروف کے حرکت کے ساتھ ہے)۔ اور حروف کی ترتیب یہ ہے، پہلا ہمزہ پھر جیم پھر ہمزہ فعل کے وزن پر جیسے جبل۔ بعض کہتے ہیں: عصا کے وزن پر۔

اور دوسرا پہاڑ سلمی ہے جو کہ سین کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ اور طیء دراصل اس مشہور قبیلہ کے موث اعلیٰ کا نام ہے جو قبیلہ طی کہلاتا ہے اور سابق جغرافیائی تقسیم کے مطابق یمن میں آباد تھا، اور موجودہ جغرافیائی تقسیم میں سعودی عرب کے خطۂ نجد میں شامل ہے۔ اور منطقہ ''شمر'' کہا تا ہے۔ کہا جاتا ہے: أجأ اور سلمی دونوں پہاڑ کا نام قوم عمالقہ کے کسی مرد اور عورت کے ناموں کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن ان علاقوں میں قبیلہ طی کے لوگ آباد تھے، اس لئے بلاد طی کہلاتا تھا۔ اور وہاں کے پہاڑ جبال طيي کے نام سے مشہور تھے۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث کے اس حصہ میں ایک اور معجزہ کا ذکر ہے۔

قوله: فسأل رسول الله ﷺ المرأة......

ثمرها: لفظ ''ثمر'' ثاء مثلثہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ نیز دونوں کے ضمہ کے ساتھ بھی جائز ہے، اور ثاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ بھی منقول ہے۔ یہاں اس سے کھجور مراد ہیں کیونکہ ایک نسخہ میں لفظ تمر صراحتاً منقول ہے۔ (فقالت: عشرة اوسق): نسب کے ساتھ، اس صورت میں لفظ ''بلغ'' محذوف ہوگا۔ ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں عبارت ہو گی: عدد اوساقها عشرة اوسق۔ یعنی خبر ہوگی عدد اوساقها کے لئے۔

یہ آنحضرت ﷺ کا تیسرا معجزہ تھا اس سفر میں۔

فوائد: چونکہ آپ ﷺ نے تحدی فرمائی تھی اور معارضہ طلب کیا تھا لہٰذا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ایسا کبھی اتفاقاً ہو بھی جاتا ہے۔

اور شاید کہ اس موقع پر ان تینوں معجزوں کا اظہار ان منافقوں پر آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ہوا جو آپ کے لشکر میں شامل تھے، یا اہل ایمان کے یقین و اعتقاد کو بڑھانے کے لئے ہوا۔

فتح مصر کی پیشینگوئی

۵۹۱۶: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَهِيَ اَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰى اَهْلِهَا فَاِنَّ لَهَا ذِمَّةً وَرَحِمًا اَوْ قَالَ ذِمَّةً وَصِهْرًا فَاِذَا رَاَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَالَ فَرَاَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ حَسَنَةَ وَاَخَاهُ رَبِيْعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١٩٧٠/٤ حديث رقم (٢٢٧-٢٥٤٣) و احمد فى المسند ١٧٤/٥

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب تم مصر کو فتح کرو گے مصر وہ زمین ہے جہاں "قیراط" بولا جاتا ہے اور جب تمہیں مصر پر فتح حاصل ہو جائے تو تم وہاں کے لوگوں سے اچھا سلوک کرنا۔ کیونکہ انہیں حرمت اور قرابت کا حق حاصل ہے یا فرمایا: انہیں حرمت اور سسرالی رشتہ کا حق حاصل ہے اور جس وقت تم یہ دیکھو کہ وہاں دو آدمی ایک اینٹ جگہ پر جھگڑا کرتے ہیں تو تم وہاں سے نکل جانا' حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں (جب میں مصر میں ٹھہرا ہوا تھا) میں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن ابن شرحبیل ابن حسنہ اور اس کا بھائی ربیعہ ایک اینٹ کی جگہ پر لڑ رہے تھے چنانچہ میں مصر سے نکل آیا"۔

تشریح: **قوله: انكم ستفتحون فيها قيراط:** قیراط ایک سکہ کا نام تھا جو کہ نصف عشر دینار کے برابر ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پانچ جو سونے کے برابر ہوتا تھا، اور اس زمانے میں مصر میں رائج تھا، لفظ قیراط اصل میں "قرّاط" یعنی راء کی تشدید کے ساتھ تھا، راء اولی کو یاء سے بدل دیا گیا ہے، اس کی نظیر دینار ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے معاملات میں بہت زیادہ قراریط کے الفاظ ذکر کرتے ہیں، جو کہ ان کی تشدد اور قلت مروّت کی نشانی ہے۔

بعض کہتے ہیں: قراریط ایک ایسا کلمہ ہے جس کو بطور گالی کے وہ استعمال کرتے تھے، اہل مصر اگر یوں کہتے ہیں: اعطیت فلاناً قراریط، تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے اس کو سخت و سست کہا۔ یہ کلام امام طحاوی رحمہ اللہ نے اہل مصر سے نقل کیا ہے، وہ ان لوگوں کے لہجہ سے زیادہ واقف ہیں، کیونکہ وہ خود مصری ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے: کہ ان لوگوں میں دناءۃ اور خساست پائی جاتی ہے، یا ان کی زبان غیر مہذب ہے یعنی فحش گوئی

زیادہ ہے۔

قولہ :فاذا فتحتموھا ...... ذمة وصھرا :

یعنی جب مصر فتح کرلو اور وہاں کے رہنے والوں پر غلبہ حاصل کر چکو تو عفو درگزر سے کام لینا کہیں ان لوگوں کے برے افعال و اقوال تمہیں ان لوگوں کے ساتھ بدی پر برانگیختہ نہ کریں۔

کیونکہ مصریوں سے ہمارے دو خصوصی تعلق ہیں، ایک اس امان وحرمت کے سبب جو ہمارے بیٹے ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مصریوں کو حاصل ہے کیونکہ حضرت ماریہ قبطیہ مصری قوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ (و رحمًا): (راء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ) یعنی ان سے دوسرا تعلق یہ ہے کہ ہمارے جدامجد حضرت اسماعیلؑ کی نسبت سے مصریوں سے ہماری قرابت بھی ہے۔ کہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ مصری النسل تھیں۔ یعنی دونوں قبطی قوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ (او قال ذمة وصھراً): یہ راوی کا شک ہے، ایک شارح نے لکھا ہے: اس روایت کے اعتبار سے لفظ "ذمہ" کا تعلق حضرت ہاجرہ کی نسبت سے ہوگا اور لفظ صھر کا تعلق حضرت ماریہ قبطیہ کی نسبت سے ہوگا۔

قولہ :فاذا رأیتیم رجلین...... لبنة:

لام کے فتحہ اور باء موحدہ کے کسرہ کے ساتھ' کچی اینٹ کو کہتے ہیں۔ (فاخرج): فاعل یا ابا ذر محذوف ہے۔ (منھا): "ھا" ضمیر مصر کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں یا اہل مصر کی انا ءۃ حست کا حال بیان فرمایا، کہ وہ لوگ ایک ایک اینٹ کی جگہ کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اس جملہ میں جو رأیتم کا لفظ (بصیغہ جمع) فرمایا گیا ہے اس کی مناسبت سے آگے جمع ہی کا صیغہ "فاخرجوا" کا لفظ استعمال ہونا چاہیئے تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واحد کا صیغہ فاخرج استعمال فرما کر صرف حضرت ابو ذرؓ کو خطاب فرمایا، جو حضرت ابو ذرؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی تعلق اور کمال شفقت پر دلالت کرتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمومی خطاب ہو۔

شرحبیل: لفظ شرحبیل، شین کے ضمہ، راء کے فتحہ، حاء کے سکون، اور یاء کے کسرہ کے ساتھ غیر منصرف ہے۔ (ابن حسنہ): حسنہ، حاء، سین اور نون تینوں کے فتحہ کے ساتھ۔ (واخاہ ربیعہ): مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اسماء کی تفصیل ذکر نہیں کی ہے۔ (یختصمان...... منھا): یہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے آخری زمانہ کا واقعہ ہے، کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعید بن ابی سرح کے گورنر بنانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تئیں اظہارِ خفگی کیا تھا۔ پس یہ ان امورِ غیبیہ میں سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیئے گئے کہ عنقریب مصر میں یہ واقعہ ہوگا اور اس کے بعد فتن وشرور ہوں گے۔ جیسا کہ اولاً مصریوں کا خلافت عثمانی سے بغاوت کر کے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دینا اور پھر مصر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعینات حاکم حضرت محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا کہ جو ان کی شرانگیزی کے خوف سے ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں چھپ گئے تھے، جن کو گدھے سمیت آگ میں ڈال دیا گیا، یہ وہ واقعات ہیں جن کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہوگیا تھا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ہدایت اور وصیت فرمائی کہ جب مصر میں ذرا ذرا سی بات میں دو

آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہونے لگے تو تم ان سے ملنے جلنے ان کے درمیان رہنے سے اور ان کے ملک میں قیام کرنے سے اجتناب کرنا۔ایک شارح نے بھی اسی کو فتنوں کی علامت بتایا ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو گیا تھا کہ اہل مصر خست اور مماکست کا مزاج رکھتے ہیں، جیسا کہ حدیث کا صدر کلام اس پر دلالت کر رہا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے، کہ حقیر چیزوں پہ جب وہ جھگڑنے لگیں تو چاہئے کہ ان لوگوں سے ملنے جلنے اور ان کے ملک میں قیام کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

منافقوں کے عبرت ناک انجام کی پیشینگوئی

۵۹۱۷: وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ اَصْحَابِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَفِيْ اُمَّتِيْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدُوْنَ رِيْحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ سِرَاجٌ مِنْ نَّارٍ يَظْهَرُ فِيْ اَكْتَافِهِمْ حَتّٰى تَنْجُمَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ (رواه مسلم) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا فِيْ مَنَاقِبِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَحَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ فِيْ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٢١٤٣/٤ حديث رقم (١٠-٢٧٧٩) و احمد في المسند ٣٢٠/٤۔

ترجمہ: ''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ میں دوسری روایت میں ہے کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ جنت کی بو پائیں گے۔(حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے سونگھی جا سکتی ہے) جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ (سوراخ) میں سے نہ گزر جائے اور بارہ میں سے آٹھ منافقوں کو تو دبیلہ ختم کر دے گا۔(یعنی ان کی شرانگیزیوں کو ختم کر دے گا)(دبیلہ) ایک آگ کا شعلہ ہے جو ان کے مونڈھوں میں پیدا ہوگا اور پھر سینوں یعنی پیٹوں تک پہنچ جائے گا''۔

تشریح: قوله: قال: في اصحابي...... حتي...... الخياط: یہ مبالغہ اور تعلیق بالمحال ہے،

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ [الاعراف: ٤٠] (جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں، اور ان کے (ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے، جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جاوے)۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہونے کے لئے ایمان بنیادی شرط ہے، جب تک کسی کے ایمان کی تصدیق نہ ہو جائے اس کو صحابی کہنا صحیح نہیں ہوتا، صحابی ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کی علامات ان کے ظاہر و باطن سے مترشح ہونا ضروری ہے، منافقین پر صحابہ کا اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے في اصحابي جو فرمایا ہے، یہ ان کے ظاہری احوال کے اعتبار سے، اور صحابہ کرام کے ساتھ ان کے اختلاط کو دیکھتے ہوئے مجازاً أصحابي فرمایا، اسی

وجہ سے آنحضرت ﷺ نے "فی اصحابی" فرمایا۔ من اصحابی نہیں فرمایا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم ابلیس کے متعلق کہتے ہیں: ابلیس کان فی الملائکۃ یعنی ابلیس ملائکہ کے زمرے میں تھا، یعنی حقیقتاً فرشتہ نہیں تھا، اگر کوئی یوں کہے کان من الملائکہ تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کا معنی ہے فرشتہ تھا جبکہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿کان من الجن﴾ [الکھف] ' وہ جنات میں سے تھا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے مخلص لوگوں سے ان کو جدا فرمایا، اور اپنے خواص کو ان کی علامتیں بتلائیں تاکہ ان منافقین کے ظاہری اسلام پر اعتماد نہ کریں، اور انہیں ان کے ہاتھوں کوئی زخ ومکر سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ اپنی شان نبوت کے مطابق ان منافقین کا پردہ فاش نہیں فرمایا لیکن آپ کے مخلص لوگوں کے سامنے ان کا حال مخفی نہ رہا، کیونکہ وہ اپنی نشانیوں کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے ناموں سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ یہ بارہ منافقین بھی لشکر میں تھے ان بدبختوں نے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا، جس وقت آنحضرت ﷺ تبوک کی گھاٹیوں سے گزر رہے تھے' دیکھا لشکر بہت زیادہ ہے اور راستہ دشوار ہے، آنحضرت ﷺ نے منادی کروادی: کہ سارے لوگ وادی کے نشیب پر اتر کر سفر جاری رکھیں، اور آنحضرت ﷺ خود پہاڑی راستہ سے سفر فرمارہے تھے، آنحضرت ﷺ اس وقت صرف دو آدمی: حضرت حذیفہؓ اور عمار بن یاسر کے ساتھ تھے، حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ کی سواری کے آگے اور عمارؓ پیچھے تھے اتنی میں رات ہوگئی، اور منافقین کو موقع ملا چنانچہ انہوں نے اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ کر آپکا پیچھا کرنا شروع کیا، جس وقت یہ آنحضرت ﷺ کے بالکل نزدیک پہنچے، تو آنحضرت ﷺ نے ان کے قدموں کی آہٹ سنی، اور حضرت حذیفہؓ کو حکم فرمایا کہ انہیں مار بھگائیں۔ حضرت حذیفہؓ کے ہاتھ میں اس وقت ایک خم دار ڈنڈا تھا، جس کے ساتھ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے، اور ان کی سواریوں پر ایسی کاری ضربیں لگائی، کہ سب کے منہ پھیر دیئے، ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر حضرت حذیفہؓ کا ایسا رعب طاری کر دیا کہ وہ الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر میں جا کر خلط ملط ہو کر چھپ گئے۔ حضرت حذیفہؓ انہیں مار بھگا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے، تو آپ ﷺ نے پوچھا حذیفہ ان میں سے کسی کو پہچانا بھی؟ عرض کیا، یارسول اللہ! چونکہ انہوں نے منہ چھپایا ہوا تھا اس لئے ان کو تو نہیں پہچان سکا، البتہ ان کی سواریوں پر میں نے ڈنڈے کے ذریعہ جو ضربیں لگائیں ہیں' ان کو دیکھوں تو پہچان لوں گا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حذیفہؓ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے اور ان کے آباء کے نام بتا دیئے ہیں ان شاء اللہ صبح میں ان کے نام آپ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وعدہ کے مطابق حضرت حذیفہؓ کو ان سب کے نام بتا دیئے تھے، اس لئے صحابہؓ منافقین کے معاملہ میں ہمیشہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مراجعت کرتے تھے۔

حضرت حذیفہؓ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے: کہ یہ منافقین چودہ تھے، پھر دو نے توبہ کی اور بارہ اسی طرح منافق مرے، کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئی تھی۔ کتب حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف پاتا ہوں۔ اس میں اپنے دین کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا جس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قوله :ثمانية منهم تكفيهم...... :

الدبيله: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الدبيله :اصل میں ''دبلٌ'' کی تصغیر ہے مصیبت کو کہتے ہیں، یہاں اس سے وہ پھوڑا مراد ہے، جو پیٹ میں پیدا ہوتا ہے۔اس کو ''دبلہ'' کہا جاتا ہے یہ فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔

سراج من نار: یہ الدبيله کی تفسیر ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت حذیفہؓ کا کلام ہے۔يظهر : يخرج کے معنی میں ہے،اور ''يخرج''،کی ضمیر ''السراج ''کی طرف لوٹ رہی ہے۔''تنجم''جیم کے ضمہ کے ساتھ۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ، واحد مؤنث غائب ''تظهر'' کا صیغہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر ایسی نار (آگ) سے کی گئی ہے کہ جوان کے مونڈھوں میں نکلے گی، حتی تنجم ظاہر ہونے کے معنی میں ہے اور یہ باب نصر ینصر سے ہے۔ظاہر اور پیدا ہونے کے معنی میں آتا ہے۔بعض فرماتے ہیں دبيله سے طاعون کا ورم مراد ہے۔ یہ کہ طاعون کے ورم میں مبتلا ہوں گے، جو کہ ان کے مونڈھوں میں پیدا ہوگا اور اس کی حرارت وتکلیف سینوں اور پیٹ میں ایسی ہوگی جیسے آگ کے شعلوں کی ہوتی ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کو پہچان لیا تھا اور یہ ہلاک ہو چکے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تھی اس روایت کے مزید الفاظ یہ ہیں:''رجلاً يفتح الله على يديه يحب الله رسوله ويحبه الله ورسله''۔ (فی باب مناقب علیؓ) کہ حضرت علی کی شخصیت اولی ہے۔(وحديت جابر): یعنی عنقریب ہم حضرت جابرؓ والی روایت ''من يصعد الثنية''،کونقل کریں گے،لفظ يصعد، دال کی کسرہ کے ساتھ اور یہ کسرہ التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ لفظ ''من'' شرطیہ ہے۔

نیز لفظ يصعد کو رفع کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے،اس صورت میں ''من'' استفہامیہ ہوگا۔

حضرت جابرؓ والی روایت پوری یوں ہے:''من يصعد الثنيه فانه يحط عنه ما حط عن بنی اسرائيل''۔

(فی باب جامع المناقب) کیونکہ ان احادیث کی مناسبت اسی باب سے ہے۔(ان شاء اللہ): اس کا تعلق ''سنذكر'' سے ہے۔

الفصل الثانی:

راہب (بحیرا) کا واقعہ

۵۹۱۸:عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ اِلَی الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَشْیَاخٍ مِّنْ قُرَیْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَی الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَیْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ یَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا یَخْرُجُ اِلَیْهِمْ قَالَ فَهُمْ یَحُلُّوْنَ رِحَا لَهُمْ فَجَعَلَ یَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰی جَآءَ فَاَخَذَ بِیَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا سَیِّدُ الْعٰلَمِیْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

يَبْعَثُهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخٌ مِّنْ قُرَيْشٍ مَا عَلَّمَكَ فَقَالَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَاحَجَرٌ اِلَّا خَرَّسَا جِدًا وَلَايَسْجُدَ انِ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنِّيْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَكَانَ هُوَ فِيْ رِعْيَةِ الْاِبِلِ فَقَالَ اَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰى فَيْءِ شَجَرَةٍ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ اَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ قَالُوْا اَبُوْ طَالِبٍ فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ وَبَعَثَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ بِلَالًا وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٥٥٠ حديث رقم ٣٦٢٠۔

ترجمہ: ”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ ابوطالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکابرین قریش کی معیت میں (بغرض تجارت) شام کے لئے روانہ ہوئے (اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال تھی) اور ان کے ساتھ قریش کے سردار یا بوڑھے اشخاص قریش کے ہمراہ تھے۔ پس جب راہب کے پاس پہنچے تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور اپنے کجاوے کھول دیئے راہب ان کے پاس آیا' قافلے والے پہلے بھی اس کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ ان کے پاس نہیں آتا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے کجاوے کھول رہے تھے اور راہب ان میں کسی کو تلاش کررہا تھا آخر کار وہ آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا یہی ہے سردار عالمین' یہی ہے رب العالمین کا رسول (جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آیا ہے) یہی وہ انسان ہے جس کو خدا نے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ قریش اکابرین نے راہب سے پوچھا: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ راہب نے جواب دیا: جب تم پہاڑی راستے سے نکل کر سامنے آئے (میں نے دیکھا) کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ نہ کررہا ہو اور یہ درخت' پتھر وغیرہ پیغمبروں کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور پھر میں نے اس شخص کو مہر نبوت کی وجہ سے بھی پہچانا ہے' جو سیب کی شکل کی طرح اس کے شانہ کی ہڈی کے نیچے واقع ہے۔ پھر راہب گیا اور قافلہ والوں کے لئے کھانا تیار کرا کر لایا اور جب وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے راہب نے ان سب سے کہا کہ اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلالو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو' بادلوں کا ایک ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کئے ہوئے تھا پھر جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا جہاں درختوں کا سایہ تھا وہاں پہلے سے ہی لوگ بیٹھ گئے ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی سایہ دار جگہ نہ خالی تھی) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ میں ہی بیٹھنے لگے تو فوراً ایک درخت کی شاخوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کردیا یہ سب دیکھ کر راہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ دیکھو درخت کا سایہ ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر جھک گیا ہے پھر راہب نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ اس شخص کا سرپرست کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوطالب ہیں۔ (یہ سن کر راہب بڑی دیر تک) ابوطالب کو اس بات کے لئے سمجھاتا رہا اور قسمیں دیتا رہا کہ وہ اس بچہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو واپس مکہ بھیج دیں۔ آخر کار ابوطالب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیج دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھیج دیا اور راہب نے روٹی اور زیتون کا توشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھیج دیا“۔

تشریح: (فلما اشرفوا): اشرفوا اطلعوا (مقیم، اترنے اور قریب ہونے) کے معنی میں ہے۔

اس راہب کا نام "بحیراء" تھا۔ "بحءاء" "باء کے ضمہ اور حاء کے فتحہ کے ساتھ مشہور روایت کے مطابق اسم ممدود ہے، لیکن شیخ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے باء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ، یاء ساکنہ، راء کے فتحہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔

ایک شارح نے لکھا ہے کہ یہ ایک نصرانی زاہد شخص تھا، جس کا تقویٰ بہت مشہور تھا۔

اور مظہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ اس وقت شام میں سب سے بڑے نصرانی عالم تھے۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے، کہ یہ اس وقت کے نصرانی علماء میں سب سے بڑے عالم تھے۔ دونوں قول جمع ہو سکتے ہیں کہ وہ عالم بھی تھا، زاہد بھی، کیونکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں۔ جس جگہ پڑاوُ ڈالا تھا یہ شام کا شہر بصری تھا جیسا کہ مظہر نے ذکر کیا ہے۔

فحلوا :**فتحوا** کے معنی میں ہے۔ **قاله هذا سيد العالمين...... مثل التفاحة** :قال: یہ جملہ استینافیہ بیانیہ ہے۔

"**يبعث**" یرسل کے معنی میں ہے، یا یہ معنی ہے کہ ان کی رسالت کو چار دانگ عالم میں ظاہر فرمائیں گے۔ (**رحمه للعالمين**): کہ یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے رحمت وراحت کا ذریعہ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کے اس وصف مبارک کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں اشارہ فرمایا ہے: ﴿**وما ارسلناك الا رحمة اللعالمين**﴾ [الانبياء: ۱۰۷] (اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا، مگر دنیا وجہاں کے لوگوں (یعنی مکلّفین) پر مہربانی کرنے کے لئے)۔

قرآن کریم اور راہب دونوں کی گفتگو سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں (اسی وجہ سے محققین امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے امت اجابت، امت دعوت، آپ امت اجابت کے لئے بطور خاص اور امت دعوت کے طرف بطور عام مبعوث ہوئے)۔

خر :سقط کے معنی میں ہے۔ (**بخاتم النبوة**): لفظ "خاتم" تاء کے فتحہ اور کسرہ ہر دونوں کے ساتھ جائز ہے، اور لفظ **نبوة** ادغام اور ہمزہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (**اسفل**): نصب کے ساتھ، اس سے پہلے لفظ: **مكان** بمع **عامل في** کے ساتھ محذوف ہے۔ (**من غضروف كتفه**): لفظ **غضروف** :، غین اور ضاد دونوں کے ضمہ کے ساتھ) شانہ کی ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں۔ (**مثل التفاحة**): لفظ **مثل** نصب کے ساتھ، ایک صحیح نسخے میں رفع کے ساتھ منقول ہے، اور ایک اور نسخہ میں جر کے ساتھ بھی منقول ہے، جس کی وجہ ایک شارح نے یہ ذکر کی ہے، کہ یہ لفظ خاتم کی صفت ہے۔

بعض محققین نے لکھا ہے: رفع کے ساتھ کی جانے والی روایت کی وجہ سے کہ یہ خبر ہے، مبتدا محذوف کی، اور نصب کی صورت میں اعنی فعل محذوف کے لئے مفعول ہوگا۔ جر پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن صفت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ بدل ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ لفظ مثلاً اور لفظ غیر۔ معرف باللام کی طرف مضاف ہونے کی وجہ معرفہ نہیں بنتے۔

(**في رعيه الابل**): لفظ "رعیہ" راء کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ۔ (**قد سبقوه...... شجرة**): لفظ فیئ سے مراد سایہ ہے۔

شارحین نے لکھا ہے: اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ابر کے اس ٹکڑے کا سایہ موجود تھا جو راستہ سے آپ پر سایہ فگن چلا آ رہا تھا، لیکن اس کے باوجود درخت نے جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سایہ کیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی حیثیت اجاگر کرنے اور

آپ ﷺ کے اعزاز کو ظاہر کرنے کے لئے تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اس وقت ابر کا سایہ ہٹ گیا ہو، اس لئے درخت نے جھک کر سایہ کرلیا جس میں آنحضرت ﷺ کے معجزہ کا اظہار تھا، بہرکیف سرمبارک پر بادل کا سایہ فگن ہونا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ سایہ آپ پر جھک گیا، اس میں یہ بتانا چاہ رہے جن درختوں کے نیچے قریش بیٹھے ہوئے تھے، ان کا سایہ ہٹ کر آنحضرت ﷺ پر سر پر چلا آیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ صرف سایہ آپ پر آگیا تھا، ٹہنیاں جھکی تھی، چنانچہ یہ دیکھ کر اس سے راہب کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم بادل کی صورت میں آسمانی سایہ کو نہیں دیکھ سکتے، تو زمین کے اس سایہ ہی کو دیکھ لو جو درخت کی شاخوں کی صورت میں اس نبی پر جھکا ہوا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کو دل کا اندھا کر دیا تھا، اس لئے سر کی آنکھوں سے تو وہ دیکھ رہے تھے، لیکن دل کی آنکھوں سے دیکھنا ان کو نصیب نہیں ہوتا تھا، جو ان کے کام آتا اور ان کو راہ راست پر لگا دیتا، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون﴾ [الاعراف: ۱۹۷] (اور (ان کافروں) کو آپ ﷺ دیکھتے ہیں، کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ کہیں بھی نہیں دیکھتے)۔

اس معنی کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنے دوسرے قول مبارک: ﴿فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور﴾ [الحج: ٤٦]، میں بھی فرمایا۔ ترجمہ: (بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں)۔

انشد كم الله: لفظ جلاله کے نصب کے ساتھ، اور لفظ انشد کے شین پر ضمہ ہے۔ (یعنی باب نصر ینصر سے) یعنی میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، بعض نے یہ معنی لکھا ہے: کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر یہ پوچھتا ہوں، اس صورت میں فعل کا عمل استفہام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے، جو کہ "ایکم ولیه" میں ہے۔ ولی سے یہاں مراد قریبی رشتہ دار ہے، یہ جملہ مبتداء خبر ہیں یعنی ایکم مضاف' مضاف الیہ مل کر مبتداء اور ولیہ خبر۔

راہب بڑی دیر تک ابو طالب کو اس بات کے لئے سمجھاتا رہا اور قسمیں اور اللہ کے واسطہ دیتا رہا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو واپس مکہ بھیج دیں کیونکہ راہب کو شدید خوف لاحق ہوا تھا، کہ اہل روم شام ان کو قتل نہ کردیں۔

اس لئے راہب نے ابو طالب کو خدا کا واسطہ دیکر کہا کہ ان کو واپس کری دیں، اور دشمنوں سے انہیں بچائیں۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے راہب کی بات مانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس فرمادیا۔ (یہ راہب انجیل کا سچا عالم تھا، اور آنحضرت ﷺ کا سچا عاشق تھا، جس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ان کی شہرت کی تاریخ بنادی، جزاه الله احسن الجزاء)

ایک روایت میں علی عن ابیه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے والد محترم کے حوالہ سے یوں منقول ہے: حضرت ابو طالب کہتے تھے میں نے کچھ لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ واپس بھیجا جن میں بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس روایت کو زرین رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

الكعك: کتاب الازہار میں لکھا ہے: کعک موٹی روٹی کو کہتے ہیں۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کعك فارسی لفظ ہے، معرب ہے۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔ (والزیت): بطور سالن زیتون کا تیل بھی دیا تاکہ روٹی کے ساتھ لگا کر کھالیں، زیتون کا تیل ویسے بھی بہت مفید چیز ہے، اس کی فضیلت خود روایات میں بھی ہے، چنانچہ ایک روایت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کی ہے: كلوا الزيت وادهنوا به فانه من شجرة مباركه۔

کہ زیتون کھاؤ اور اس کے تیل سے مالش کرو کیونکہ زیتون مبارک درخت ہے۔

تخریج: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے، ویسے تو اس حدیث کی اسناد صحیح ہے، اور اس کے رجال بخاری اور مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال کا جو ذکر ہے وہ غیر محفوظ ہے (یعنی اصل روایت کا جز نہیں کسی راوی کے سہو سے یہ جز نقل ہو گیا ہے) کیونکہ اس وقت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال تھی، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ڈھائی سال چھوٹے تھے اور حضرت بلال تو شاید پیدا بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ اس لئے ہمارے ائمہ نے اس کو وہم شمار کیا ہے۔

میزان الاعتدال میں لکھا ہے' بعض کہتے ہیں: جو چیز اس حدیث کے کچھ حصہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہ قول "وبعث معه ابو بكر بلالاً" ہے۔ کیونکہ بلال اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، جب کہ خود ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بچے تھے۔

پس یہ کہنا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کر دیا تھا کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی لئے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، گو بعض حضرات نے ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو مسترد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں الاصابہ میں لکھا ہے، کہ اس کے راوی ثقات ہیں، اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے، علاوہ اس چیز کے جس میں یہ مذکور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کر دیا تھا۔ بہرحال یہ بات تو ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، ہاں اس کے مذکورہ خبر کے بارے میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے، کہ یہ اصل روایت کا جز نہیں، بلکہ کسی راوی کے سہو سے نقل ہو گیا ہے۔ المواہب اللدنیۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

باقی اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس حدیث کو "باب علامات نبوت" میں لانا تحقیق کے زیادہ موافق تھا۔ واللہ ولی التوفیق۔

درخت اور پتھر کے سلام کا واقعہ

۵۹۱۹: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۳/۵ حدیث رقم ۳۶۲۶ والدارمی فی السنن ۲۵/۱ حدیث رقم ۲۱۔

ترجمہ: ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا ہم مکہ کے گردونواح میں نکلے تو جو بھی پہاڑ (یعنی پتھر جیسا کہ ایک روایت میں ہے) یا درخت راستے میں آتا تو وہ یہ کہتا: السلام علیک یارسول اللہ''۔ (ترمذی، دارمی)

تشریح: یہ واقعہ حدیث نبی کا معجزہ اور کرامت ہے، (معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اور کرامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے۔) اس کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سن رہے تھے۔

تخریج: سنن دارمی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

شبِ معراج میں براق پرسواری

۵۹۲۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِالْبُرَاقِ لَيْلَةً اُسْرِيَ بِهٖ مُلْجَمًا مُسْرَجًا فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ جِبْرَئِيْلُ اَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا فَمَا رَكِبَكَ اَحَدٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ قَالَ فَارْفَضَّ عَرَقًا۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢٨١/٥ حديث رقم ٣١٣١ و احمد فی المسند ١٦٤/٣۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی شب کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے زین کسا ہوا اور لگام چڑھا ہوا براق لایا گیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے میں روکاٹ پیدا کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے براق سے کہا: کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ حرکت کرتا ہے کسی ایسی شخصیت نے تجھ پر سواری نہیں کی ہو جوان سے زیادہ اللہ کے ہاں معزز ومکرم ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ (جبرئیل کی یہ بات سن کر براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: (بالبراق...... به): لفظ لیلۃ کو مبنی علی الفتح اور تنوین کے ساتھ معرب ہر دونوں پڑھنا جائز ہے۔ (ملجماً مسرجاً): دونوں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

استصعب علیه الامر، اس وقت کہتے ہیں جب کوئی کام مشکل اور دشوار ہو جائے۔

قوله: فما رکبك احد ...... اکرم: رفع کے ساتھ۔ ایک اور صحیح نسخے میں امام تورپشتی رحمہ اللہ کے حوالے سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم ایسی روایت بھی پاتے ہیں جس میں لفظ اکرم نصب کے ساتھ منقول ہے، شاید تقدیری عبارت یوں ہے: ''فما رکبك احد کان اکرم علی الله منه''۔ اس صورت میں لفظ ''اکرم'' کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گا۔ (فارفض): ضاد معجمہ کی تشدید کے ساتھ۔ (عرقًا): لفظ عرقًا۔ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مطلب یہ ہے کہ براق سے پسینہ بہنے لگا' حیاء کی وجہ سے' چونکہ اس کا حرکت میں آنا فرحت ومسرت کے سبب سے تھا اور ان کا گمان تھا کہ یہ بطور استعصاء ہے۔

تخریج: بقول امام ترمذی یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۵۹۲۱: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَيْنَا اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ جِبْرَئِيْلُ بِاِصْبَعِهٖ فَخَرَقَ بِهَا الْحَجَرَ فَشَدَّبِهِ الْبُرَاقَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه احمد فی المسند ١٦٤/٣۔

ترجمہ: ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (شب معراج میں) جب ہم بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور اس اشارہ سے پتھر میں سوراخ کر کے براق کو پتھر سے باندھ دیا''۔

تشریح: المقدس: لفظ مقدس کے تلفظ کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔ (الحجر، فشد): فعل شد کا فاعل کون ہے؟ دو احتمال ہیں: ① حضرت جبرائیلؑ ② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ (به): ضمیر مجرور الحجر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (البراق): امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ باب المعراج میں حضرت انسؓ والی روایت اور حضرت بریدہؓ کی اس روایت میں تضاد نظر آ رہا ہے، کیونکہ حضرت انسؓ والی روایت میں ہے: ''فربطته بالحلقه التی کان بربط بها الانبياء''۔ جب کہ اس روایت میں حضرت جبرائیلؑ کا اشارہ کے ساتھ پتھر میں سوراخ ہونے کا ذکر ہے، کہ انہوں نے اشارہ سے سوراخ کیا، پھر اس سوراخ کے حلقہ کے ساتھ براق باندھا گیا۔

اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جواب یہ ہے: حضرت انسؓ والی روایت میں حلقہ سے مراد شاید وہ جگہ ہوگی، جہاں حلقہ (سوراخ) تھا۔ اور پھر بند ہو گیا تھا، شب معراج میں حضرت جبرائیلؑ نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے اسی بند سوراخ کو کھولا ہوگا۔ لہٰذا کوئی تضاد نہیں، البتہ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت میں حلقہ کھلونے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جب کہ یہاں بریدہؓ کی روایت میں اس گوشہ کا بھی ذکر ہے۔

(رواہ الترمذی): ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اُونٹ کی شکایت، درخت کے سلام، اور اثراتِ بد سے نجات کا معجزہ

۵۹۲۲: وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ ثَلٰثَةُ اَشْيَاءَ رَاَيْتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَهٗ اِذْ مَرَرْنَا بِبَعِيْرٍ يُسْنٰى عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰهُ الْبَعِيْرُ جَرْجَرَ فَوَضَعَ جِرَانَهٗ فَوَقَفَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِيْرِ فَجَاءَهٗ فَقَالَ بِعْنِيْهِ فَقَالَ بَلْ نَهَبُهٗ لَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ لِاَهْلِ بَيْتٍ مَا لَهُمْ مَعِيْشَةٌ غَيْرُهٗ قَالَ اَمَّا اِذَا ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ شَكٰى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ الْعَلَفِ فَاَحْسِنُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلاً فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْاَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَاْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنَ لَهَا

قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَآءٍ فَاَتَتْهُ اِمْرَاَةٌ بِابْنٍ لَهَابِهِ جِنَّةٌ فَاَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِنْخَرِهٖ ثُمَّ قَالَ اخْرُجْ فَاِنِّیْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِكَ الْمَاءِ فَسَأَلَهَا عَنِ الصَّبِیِّ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَاَیْنَا مِنْهُ رَیْبًا بَعْدَكَ۔

احمد فی المسند ٤/ ١٧٠

حضرت یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے دیکھے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جا رہے تھے ہمارا گزر ایک (آب کش) پانی کھینچنے والے اونٹ پر ہوا جب اس اونٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بلبلا کر اپنی گردن کو نیچے رکھ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ یہ اونٹ مجھے بیچ دو! اس نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہم آپ کو ویسے ہی ہبہ کر دیتے ہیں لیکن اتنی عرض ہے کہ اس اونٹ کے علاوہ میرا اور میرے اہل وعیال کا ذریعہ معاش اور کوئی نہیں ہے' یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ سب صورتِ حال سن کر (میں بھی تمہیں ایک بات بتا دیتا ہوں کہ میں اس اونٹ کو خریدنا نہیں چاہتا ہوں میری اپنی اس کو خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اصل میں میں اس اونٹ سے تنگی اور مصیبت دور کرنا چاہتا ہوں) اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس سے کام زیادہ لیا جاتا ہے اور کھانے کے لئے کم دیا جاتا ہے (اگر تم اونٹ بیچنا نہیں چاہتے تو یہ تو کر سکتے ہو کہ) اس کے ساتھ بہتر سلوک کرو (یعنی اس کو کھانے کو بھی زیادہ دو' اگر کام زیادہ لو اور اگر کھانے کو کم دیتے ہو تو کام بھی کم لو لیکن یہ ظلم وزیادتی ہے کہ تم اسے کھانا کم دو اور کام اس کی ہمت سے زیادہ لو اس کے بعد حضرات یعلی رضی اللہ عنہ دوسرے معجزے کے بارے میں بیان فرماتے ہیں) پھر ہم آگے سفر پر چل پڑے اور ایک جگہ پہنچ کر آرام کرنے لگے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے (میں نے دیکھا) ایک درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس درخت نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کی اجازت طلب کی تھی کہ وہ مجھ کو سلام کرے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگئی۔ (اس کے بعد) حضرت یعلی رضی اللہ عنہ (تیسرے معجزے کے بارے میں) بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم آگے بڑھے اور ایک پانی کی جگہ (یعنی ایسی بستی میں پہنچے جہاں پانی دستیاب تھا) وہاں ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئی جو کہ مجنون تھا (یعنی اس پر شیطانی جنوں کا قبضہ تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی ناک پکڑ کر (جن سے) کہا نکل جا: میں محمد اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ہم پھر چل پڑے جب واپسی میں ہم اس آبادی سے گزرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے بچے کا حال دریافت کیا' عورت نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد اس لڑکے میں ہم لوگوں نے کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی (اور سارے شیطانی اثرات ختم ہو گئے)۔ اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

(قال...... رسول اللہ ﷺ): فرماتے ہیں: ایک ہی سفر میں' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات دیکھے۔ (یعیر...... یسنی): یہ فعل مجہول ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جر: جر اونٹ کی وہ آواز ہے جو وہ اپنے حلق سے نکالتا ہے۔ (فوضع جرانہ): لفظ

"جران" جیم کی کسرہ کے ساتھ گردن کے اگلے حصہ کو کہتے ہیں۔کچھ حضرات کہتے ہیں کہ گردن کے باطنی حصہ کو جیران کہتے ہیں (وانه): حرف شرط بالفعل ہمزہ کی کسرہ کے ساتھ، اور ضمیر منصوب بعیر کے طرف لوٹ رہی ہے۔(غیرہ، قال: اما): لفظ "اما" میم کے تشدید کے ساتھ، ایک نسخہ میں تخفیف کے ساتھ ہے، اس صورت میں اما شرطیہ نہیں ہوگا، بلکہ تنبیہ کے لئے ہوگا، ظاہراً بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آگے فرما رہے ہیں: فاذا هذا من امرہ۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: امّا حرف شرطیہ ہے، اور اس کا جواب محذوف ہے، آنحضرت کا قول مبارک فانه شکا...... یہ جواب ہے، امّا مقدرہ کا، جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: امّا اذا ذکرت ان البعیر لأهل بیتٍ ما لهم معیشه فلا التمس شراءہ، وامّا البعیر فعاهدوہ فانه اشتکی۔ اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے معیشت کا ذریعہ یہی اونٹ ہے، تو سن! پس میں بھی اس کو اپنی غرض سے خریدنا بھی نہیں چاہ رہا ہوں، لہٰذا آپ لوگ اس اونٹ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، کیونکہ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: امّا تفصیلیہ کے لئے تکرار ضروری ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: امّا مقدرہ کا جواب 'فتعاهدوہ'' ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "فانه شکی'' یہ اس جواب کی علت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

المغنی میں ہے: لفظ "امّا" (فتحہ اور تشدید کے ساتھ) حرف شرط، حرف تفصیل وتاکید ہے، پھر آگے لکھتا ہے، لفظ امّا اکثر تفصیل کے لئے آتا ہے، جیسے امّا زید فمنطلق، میں ہے، رہی بات تاکید کے لئے: تو امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس معنی کے لئے اس کے استعمال کی تفصیل ذکر کی ہے، وگرنہ تو علماء نحو اس کا ذکر نہ ہونے کے برابر کرتے ہیں۔ امام زمخری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کلام میں امّا کے فوائد میں سے، ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ شرط تفصیل کے علاوہ تاکید کا بھی فائدہ دیتا ہے، مثلاً آپ کہیں زیدٌ ذاهب" اور اس جملہ سے آپ کو تاکید بتانا ہو، یعنی آپ یہ کہنا چاہیں، کہ لامحالہ زید نے جانا ہے، کیونکہ اس نے پختہ عزم کرلیا ہے، ہر حال میں وہ جا کے رہے گا، آپ لفظ امّا کو داخل کر کے امّا زیدٌ فذاهب" کہیں، تاکید کا معنی خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ اما زید فذاهب کی تفسیر امام سبویہ نے مهما یکن من شیء فزیدٌ ذاهب سے کی ہے، اور سبویہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر بھی دو فائدوں کی دلیل ہے، ① تاکید ② یہ کہ اما شرط کا معنی دیتا ہے۔

(ثم سرنا): اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، "پھر ہم آگے سفر پے روانہ ہوئے، یا یہ کہ ہم اپنے جگہ سے آگے چلے" پہلی جگہ چھوڑ دی۔ (ذکرت له): لفظ ذکرت کی ترکیب میں دو احتمال ہیں: ① یہ واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ ② ذکرت فعل مجہول ہے، جو کہ ایک نسخہ میں بھی ہے۔ اس صورت میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہوگا۔ لفظ القضیه اس کا نائب فاعل ہوگا، بہر کیف اس میں ہر دونوں صیغوں کا احتمال ہے۔(فأتتته...... جِنة): لفظ جِنة جیم کے کسرہ کے ساتھ۔ (فاخذ...... بمنخرہ): تمام نسخوں میں میم کے فتحہ، اور خاء معجمہ کی کسرہ کے ساتھ منقول ہے۔ قاموس میں ہے: لفظ "منخر" میم اور خاء ہر دونوں کے فتحہ، دونوں کے ضمہ اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ جائز ہے۔ (فانی...... فسألها): ضمیر منصوب المرأة کے طرف لوٹ رہی ہے۔ (ریباً): (راء کے فتحہ، اور یاء کے سکون کے ساتھ) یعنی کوئی تشویشناک بات نہیں دیکھی۔ (بعدك): یعنی آپ کے جانے کے بعد، یا آپ کے دعاء کے بعد، ہم نے کوئی تشویش والی بات اس بچہ میں نہیں دیکھی، مصیبت کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کے

ارشاد: ﴿ریب المنون﴾ میں ہے۔ "ریب المنون" سے حوادث زمانہ مراد ہے، بعض کہتے ہیں: اس خاتون کے کلام کا مطلب یہ تھا، اس بچے کا معاملہ اتنا سنگین تھا کہ ہم شک میں مبتلا تھے، اور بہت ریشانی میں مبتلا تھے، لیکن آپ کی ذات بابرکت کی برکت سے ہمیں ایسا اطمنان نصیب ہوا ہے کہ اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا، آپ کے کلام میں کوئی شک نہیں، اسی کے طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: ﴿لا ریب فیه﴾ سے۔

ایک اور لڑکے کے شیطانی اثر سے نجات پانے کا معجزہ

۵۹۲۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً جَائَتْ بِابْنٍ لَّهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ ابْنِيْ بِهٖ جُنُوْنٌ وَاِنَّهٗ لَيَاخُذُهٗ عِنْدَ غَدَائِنَا وَعَشَائِنَا فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهٗ وَدَعَا فَثَعَّ ثَعَّةً وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلَ الْجِرْوِ الْاَسْوَدِ يَسْعٰی۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ۲٤/۱ حدیث رقم ۱۹ واخرجه احمد فی المسند ۲٥٤/۱۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بیٹے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے پر کوئی (شیطانی) سایہ ہے۔ اور اسے صبح اور شام اس کا دورہ پڑتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک لڑکے کے سینہ پر پھیرا اور دعا فرمائی اس پر اس لڑکے کو ایک بڑی سی قے آئی۔ جس کے ذریعے سے اس کے پیٹ سے ایک سیاہ پلے جیسی چیز دوڑتی ہوئی نکل گئی"۔

تشریح: یعنی ہر روز دوپہر اور رات کا کھانے کا وقت آنے پر یا نفس استعمال کے وقت ان دونوں وقتوں میں دورہ پڑتا ہے۔ ایک شارح کہتا ہے: مطلب یہ ہے: کہ صبح شام کو اس پر دورہ پڑتا ہے۔ (ودعا، فثعّ): ثاء اور عین مشددہ کے ساتھ یعنی اس نے قئے کی۔ (ثعه): صفت واحدۃ محذوف ہے۔ النہایہ میں ہے: ثعی کے معنی قئے کے ہیں، اور ثعۃ مطلب یہ ہے کہ وہ قئے ایک بار ہوئی۔

جرو: جیم کی کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ پلہ (کتے کے بچے) کو کہتے ہیں۔ (الاسود): یہ صفت ہے، الجرو کی، اور قول "یسعی" سے حال ہے۔ (رواہ الدارمی)

اطاعتِ شجر

۵۹۲۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ حَزِيْنٌ قَدْ تَخَضَّبَ بِالدَّمِ مِنْ فِعْلِ اَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِبُّ اَنْ نُرِيَكَ اٰيَةً قَالَ نَعَمْ فَنَظَرَ اِلٰی شَجَرَةٍ مِّنْ وَّرَائِهٖ فَقَالَ اُدْعُ بِهَا فَدَعَا بِهَا فَجَاءَتْ فَقَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ مُرْهَا فَلْتَرْجِعْ فَاَمَرَهَا

فَرَجَعَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ ۔ (رواہ الدرمی)

أخرجه الدارمي في السنن ۲٦/۱ حديث رقم ۲۳ و احمد في المسند ۱۱۳/۳

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید غم میں اور مشرکین مکہ کے دیئے ہوئے زخموں کی وجہ سے خون میں رنگے ہوئے تھے کہ اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو کوئی نشانی دکھائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو درخت تھا اس کی طرف دیکھا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کو بلائیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا اور وہ درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمانبردار بن کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اب اس کو واپس جانے کا حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب دیکھ کر فرمایا: مجھ کو کافی ہے' مجھ کو کافی ہے''۔

تشریح: جبریل: ایک نسخہ میں لفظ ''علیہ السلام'' بھی موجود ہے۔ آنحضرت خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ اس سے کفار کی وہ بدسلوکی اور اذیت مراد ہے، جو ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ اُحد میں پہنچی تھی، جس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے، اور رخسار مبارک زخمی ہو گیا تھا۔

عبد الرزاق نے معمر عن الزہری کی سند سے نقل کیا ہے، کہ کفار قریش نے غزوہ اُحد کے موقع پر ستر بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر حملہ کیا، لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمایا، سوائے اس ایک حملے کے۔

یہ بات امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے کفار کے تابڑ توڑ حملوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے محفوظ رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ تھا، قرآن کریم میں ہے: ﴿**والله يعصمك من الناس**﴾ [المائدة] (اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا)۔

چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح صادق ہوا، گو ان بعض غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے، اور یہود نے نامردوں کی طرح آپ کو زہر دیا، مگر مجتمع و مقابل ہو کر کوئی قتل و ہلاک نہ کر سکا۔ بظاہر یہ جو تکلیف آپ کو پیش آئی، یہ بھی آنحضرت کے اجر کو بڑھانے، مؤمنین کے ساتھ مشقت میں مشارکت، اور دیگر مجاہدین کے مجاہدہ میں شرکت کے لئے تھا۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کو، جو کہ ایک پتھر لگنے سے زخمی ہوئی تھی اور خون بہہ رہا تھا' مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: **"هل انت الا اصبع دميت، وفي سبيل الله ما لقيت"**۔ تو ایک ذرا سی انگلی تو ہے جو زخمی ہو کر خون بہا رہی ہے، تجھے تو یہ تکلیف اللہ کے راستے میں پہنچی ہے، تیرے اجر بڑھانے کے لئے۔

قوله : يا رسول الله...... آية: آیت سے مراد معجزہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو (آپ کا) ایک معجزہ دکھاؤں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی علامت ہوگی، جس سے آپ کو تسلی ہو جائے گی کہ اللہ کی راہ میں یہ اذیت و پریشانی اٹھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و درجات کی بلندی میں اضافہ کا باعث ہے۔

(**حسبي**): یہ مبالغہ کے لئے زیادہ فرمایا ہے، یا خارق عادت اشیاء کے بار بار پیش آنے کے طرف اشارہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ بس یہ عنایت حق تعالیٰ کی میرے لئے کافی ہے، اس معجزہ کی صورت میں بارگاہ حق میں اپنا بلند مرتبہ ومقام اور اپنی عظمت دیکھ کر نہ مجھے اپنے زخموں کی اذیت کا احساس رہ گیا ہے، اور نہ کوئی رنج وغم باقی رہا ہے۔

شہادتِ شجر

۵۹۲۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا دَنَا قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَا هَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلٰثًا فَشَهِدَتْ ثَلٰثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبِتِهَا ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ١/ ٢٦ حدیث رقم ٢٤۔

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جہادی سفر میں تھے کہ (لشکر کے قیام گاہ میں) ایک دیہاتی شخص آ گیا اور جب وہ آپ ﷺ کے قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔ دیہاتی شخص نے جواب دیا: آپ ﷺ جو کچھ فرما رہے ہیں اس کی کون گواہی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیکر کا درخت چنانچہ آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا وہ وادی کے کنارے پر تھا وہ زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے روبرو کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے اس (درخت) سے تین بار گواہی دینے کو کہا اور اس نے تین مرتبہ گواہی دے دی۔ کہ آپ ﷺ کی شان ویسی ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد وہ درخت اپنی اصل جگہ پر واپس چلا گیا۔

تشریح: تشهد: یہ جملہ استفہامیہ ہے۔ سلمة سین، میم، لام اور تاء مربوطہ سب کے فتحہ کے ساتھ۔

ایک شارح نے ذکر کیا ہے: کہ یہ دیہات میں پائے جانے والے ایک درخت کا نام ہے۔ النہایہ میں ہے: سلم: کیکر کے درخت کو کہتے ہیں، اس کی واحد سلمة آتی ہے، اور واحد کے لام پر ضمہ آتا ہے، جیسے پتے دباغت میں کام آتے ہیں، اسی درخت کے نام سے بنوسلمہ کے بڑے قبیلے کا نام سلمہ پڑ گیا تھا۔ (وهو بشاطی الوادی): یہ جملہ حال ہے۔ (فاقبلت): ضمیر الشجرہ کی طرف لوٹ رہی ہے، جیسا کہ ایک نسخہ میں لفظ شجرة صراحتاً بھی منقول ہے۔ (تخد االرض): خاء معجمہ کے ضمہ اور دال مہملہ کی تشدید کے ساتھ۔ یعنی زمین کو چیرتا ہوا آیا، قول "خداً"، بعض نسخوں کے تصریح کے لحاظ سے فعل تخد کا مفعول مطلق ہے۔ (فشهدت...... كما قال): اس درخت نے تین بار گواہی دی کہ آپ ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں، اور یقیناً رسول رب العالمین ہیں۔ (ثم...... منبتها): لفظ منبتها: باء کے کسرہ کے ساتھ۔

خوشۂ شجر کی شہادتِ رسالت

۵۹۲۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ اِلَى النَّبِيِّ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِيُّ۔ (رواه الترمذی وصححه)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٥٤ حديث رقم ٣٦٢٨۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا مجھے کیونکر معلوم ہو کہ آپ نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے درخت پر لگے ہوئے خوشہ کو بلاؤں وہ (یہاں آ کر) گواہی دے کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس خوشہ کو بلایا اور وہ (خوشہ) کھجور کے درخت سے الگ ہوا اور نبی کریم ﷺ کے قریب زمین پر آ کر گرا (اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی) پھر آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور وہ خوشہ واپس (اپنی جگہ) پر چلا گیا' (یہ دیکھ کر) اسی دیہاتی نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تشریح: اعرف: ''ما'' استفہامیہ ہے۔ (قال ان دعوت): اکثر کتب اصول میں ''ان'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کچھ نسخوں میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے، ظاہراً بھی یہی اعراب زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ (هذا العذق): لفظ ''عذق'' عین کی کسرہ کے ساتھ' کھجور کے اس گچھے کو کہتے ہیں جو شاخ سے لگا ہوا ہو۔ جیسے انگور کے بیل میں خوشہ ہوتا ہے، اگر عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو کھجور کا درخت مراد ہوتا ہے، یہاں پہلا معنی مراد ہے، کیونکہ آگے لفظ نخلہ کا لفظ خود موجود ہے۔

جملہ ان دعوت کی ترکیب:

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ان دعوت'' یہ جواب ہے، اعرابی کے قول ''بما اعرف'' کا، یعنی اگر میں اس خوشۂ کھجور کو بلاؤں تو وہ گواہی دے گا، یا یہ کہ تو گواہی دے گا۔ طیبی رحمہ اللہ کے کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ لفظ یشھد واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، اور مجزوم ہے۔ مطلب یہ ہے: کہ اگر میں اس خوشے کو بلاؤں اور وہ آ کر گواہی دے دے، تو آپ مجھے مانیں گے۔ ایک اور شارح لکھتا ہے: ان دعوت میں لفظ ''ان'' شرطیہ ہے۔ اور یشھد اس کی جزا ہے، یا ان مصدریہ ہے، اور یشھد جملہ حالیہ ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں: لفظ یشھد غائب کا صیغہ نہیں، بلکہ مخاطب کا صیغہ ہے، اور مجزوم ہے جیسا کہ ایک نسخہ میں بھی صراحتاً موجود ہے۔ اس صورت میں اعرابی کے کلام کا جواب لفظ ''نعم'' مقدر ہوگا، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب کا انتظار نہیں فرمایا، کیونکہ اس کا اس کے علاوہ کوئی اور درست جواب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

(فدعاہ): ضمیر منصوب خوشے کی طرف لوٹ رہی ہے۔(رسول اللہ...... فجعل): جعل، شرع کے معنی میں ہے۔
سندی حیثیت: امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

بھیڑیئے نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی گواہی دی

۵۹۲۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ ذِئْبٌ اِلٰی رَاعِیْ غَنَمٍ فَاَخَذَ مِنْهَا شَاةً فَطَلَبَهُ الرَّاعِیْ حَتّٰی اِنْتَزَعَهَا مِنْهُ قَالَ فَصَعِدَ الذِّئْبُ عَلٰی تَلٍّ فَاَقْعٰی وَاسْتَثْفَرَ وَقَالَ قَدْ عَمَدْتُّ اِلٰی رِزْقٍ رَزَقَنِیْهِ اللّٰهُ اَخَذْتُهٗ ثُمَّ انْتَزَعْتَهٗ مِنِّیْ فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللّٰهِ اِنْ رَاَیْتُ كَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخْلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ یَهُوْدِیًّا فَجَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ وَاَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا اَمَارَاتٌ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ قَدْ اَوْشَكَ الرَّجُلُ اَنْ یَّخْرُجَ فَلَا یَرْجِعُ حَتّٰی یُحَدِّثَهٗ نَعْلَاهُ وَسَوْطُهٗ بِمَا اَحْدَثَ اَهْلُهٗ بَعْدَهٗ ۔ (رواہ فی شرح السنة)

أخرجه احمد فی المسند ۲/۳۰۶

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک بھیڑیا ایک ریوڑ میں گھس آیا اور ایک بکری اٹھا کر (بھیڑیا) بھاگ گیا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور آخر کار اس بکری کو بھیڑیئے سے چھڑانے میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بھیڑیا ایک ٹیلہ پر چڑھا اور وہاں سرین کے بل بیٹھ گیا اور اپنی دم دونوں پاؤں کے درمیان داخل کرلی اور چرواہے کو (چلا کر) کہنے لگا میں نے اپنا وہ رزق لینا چاہا جو اللہ نے مجھے دیا لیکن تم نے میرا رزق مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا: اللہ کی قسم جیسی عجیب بات آج میں نے دیکھی ہے ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا انسانوں کی طرح باتیں کرے۔ بھیڑیئے نے جواب دیا: اس سے بھی عجیب وہ آدمی ہے جو کھجوروں کے درختوں کے پیچھے دوسنگستانوں کے درمیان (مدینہ) میں رہتا ہے۔ وہ تمہیں وہ باتیں بتاتا ہے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں اور وہ باتیں بھی بتاتا ہے جو تمہارے بعد وقوع پذیر ہونے والی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ چرواہا (جو ایک یہودی تھا) بھیڑیئے کی زبان سن کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کیا نبی کریم ﷺ نے یہ قصہ سنا اور کہا کہ یہ درست ہے (یعنی یہ صحیح قصہ ہے) اور پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس طرح کی باتیں قیامت سے پہلے کی علامتیں ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ آدمی جب (گھر سے) باہر جائے گا اور جب وہ واپس آئے گا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا اس کو تمام احوال بتادے گا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے اہل خانہ سے صادر ہوئے ہونگے''۔

تشریح: ذئب ہمزہ ساکنہ کے ساتھ، اس ہمزہ کو یاء سے تبدیل بھی کیا جاتا ہے۔(فصعد...... تل): لفظ ''تل'' لام کی تشدید کے ساتھ۔(و استثفر): ثاء مثلثہ اور فاء کے ساتھ، یعنی اپنے دم کو دونوں ٹانگوں کے درمیان داخل کردیا۔
بعض کہتے ہیں: دونوں سورین کے درمیان دُم داخل کرلی۔(وقال قد عمدت): لفظ عمدت میم کے فتحہ کیساتھ اس

صورت میں یہ متکلم کا صیغہ ہوگا۔ ایک نسخہ میں واحد مذکر مخاطب کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا، کیونکہ میں اس رزق کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ (اخذته، ثم انتزعته منی؟): لیکن تم نے میرا رزق مجھ سے چھین لیا؟ آپ کو چاہئے تھا کہ میرا رزق مجھے چھوڑ دیتے، کیونکہ ہم سب اللہ کے حکم کے تابع اور اس کے قضاء وقدر کو ماننے والے ہیں۔ (تا الله): اس میں قسم ہونے کے ساتھ ساتھ تعجب کا معنی بھی ہے۔ (ان رأیت کالیوم): کہ آج تک میں نے کسی بھیڑیئے کو انسان کی طرح کبھی بھی بولتے نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیا ماجرا ہے، یہ مطلب تو ایک شارح نے لکھا ہے، کتاب الفائق میں ہے: مطلب یہ ہے کہ خدا کی قسم جیسا عجوبہ میں نے آج دیکھا ایسا تو کبھی بھی نہیں دیکھا تھا، یہاں مصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ نیز مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو بھی اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ (ذئب یتکلم): یہ جملہ مبتداء محذوف کی ضمیر ہے، گویا کوئی یوں سوال کرے "ای شیء ھو؟" جواب میں کہے ذئب یتکلم۔ (رجل فی النخلات): لفظ نخلات (نون، خاء اور لام سب کے فتحہ کے ساتھ) کھجوروں کی زمین سے مراد مدینہ منورہ ہے، جو کہ واقع ہے۔ (بین الحرتین): لفظ حرتین، حاء کے فتحہ، راء کی تشدید کے ساتھ "حرة" کی تثنیہ ہے۔ اور حرہ کا معنی "کالی پتھریلی زمین" کے ہیں، مدینہ شہر ایک ایسے میدان میں آباد ہے جو اپنی مشرقی اور مغربی سمتوں سے دو پہاڑوں (یعنی دو سنگستانوں) کے درمیان واقع ہے۔

(یخبرکم بمامضی): پہلے گزرنے والی باتوں سے پچھلی امتوں کے احوال وانجام مراد ہیں۔ (وما ھو کائن بعدکم): اس سے آنے والے زمانوں میں جو اہم واقعات وحوادث رونما ہوں گے دنیا میں ان کی پیش خبری بھی ہے، اور عقبی کے حقائق وکوائف بتانا بھی مراد ہے۔ (فکان الرجل): یعنی وہ چرواہا۔ (یھودیاً): ایک یہودی شخص تھا۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: کہ اس چرواہے کا نام ھبار بن اوس خزاعی تھا، ان کو مکلم الذئب کے نام سے کبھی یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن روایت کے الفاظ یھودیاً اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ ھبار ابن اوس خزاعی تھے، کیونکہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ یہودی نہیں تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے، کہ ھبار بن اوس کا تعلق قبیلہ خزاعہ ہی سے تھا لیکن انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کے برخلاف یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس صورت میں امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ (ثم قال...... امارات): ضمیر، ھا، یا تو قصہ کے طرف لوٹ رہی ہے، یا یہ ضمیر مبہم ہے، اور مابعد اس کی تفسیر بیان کر رہی ہے، یا یہ اس کلام کی طرف رجوع ہے، جو بھیڑیئے نے کہا تھا باعتبار حالت وقصر کے، یہ تقریر امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے: کہ واقعہ مذکورہ اور اس کے مثل دیگر واقعات یہ سب آنحضرت کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (قد اوشك...... ان یخرج): فعل یخرج کا متعلق محذوف ہے (یعنی من بیتہ)۔

(فلا یرجع): اس جملہ کا اعراب بظاہر نصب معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام نسخوں میں اس کو مرفوع نقل کیا گیا ہے، کیونکہ سب کے نزدیک یہ مبتداء محذوف ھو کی خبر ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: فھو لا یرجع۔

سند: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہی سند سے اس کو نقل کیا ہے۔

کھانے میں برکت (حضرت سمرہ بن جندب کی روایت)

۵۹۲۸: وَعَنْ اَبِی الْعَلَاۤءِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتَّى اللَّيْلَ يَقُوْمُ عَشَرَةٌ وَيَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمِمَّا كَانَتْ تُمَدُّ قَالَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تُمَدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِيَدِهٖ اِلَى السَّمَاءِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٥٣ حديث رقم ٣٦٢٥ واخرجه الدارمي في السنن ١/٢٧ حديث رقم ٢٧۔

ترجمہ: ''حضرت ابوالعلاء (تابعی) سے مروی ہے وہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بڑے پیالہ میں سے صبح سے شام تک باری باری کھاتے رہتے تھے اس طرح ہوتا تھا کہ جب دس آدمی کھا کر چلے جاتے تو دوسرے دس آدمی آ جاتے تھے۔ اس پر ہم نے (حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ) سے پوچھا اس پیالے میں کھانا زیادہ کیسے ہو جاتا تھا؟ جواب میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کس چیز سے تعجب کرتے ہو اس میں اضافہ ادھر سے ہو رہا تھا' یہ کہہ کر انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا''۔

تشریح: (قال...... نتداول): اس سے مسلسل کھانا مراد ہے۔ تداولتہ الایدی کا معنی ہوتا ہے، مختلف ہاتھوں کا کسی چیز کو باری باری لینا، اور کئی مرتبہ لینا۔ یہ تو ایک شارح کی تشریح ہے۔ اصل معنی یہ ہوتا ہے، کہ باری باری کھانہ لے کے کھا لینا۔ (من قصعة): قاف کے فتحہ کے ساتھ، بڑے تھال کو کہتے ہیں۔ (من غدوة): لفظ غدوہ غین معجمہ کے ضمہ اور دال کے سکون نیز غین اور دال کے فتحہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ غدوہ سے اول نہار مراد ہے۔ (فهما كانت تمد): لفظ تمد، الامداد مصدر سے فعل مجہول کا صیغہ ہے، اس کی توجیہہ تو بالکل ظاہر ہے۔ اگر لفظ ''مدّ'' سے ہو تو یہ مثال مدالسراج بالزیت ہے۔ یعنی آخر وہ کیا چیز تھی، جس کے ذریعہ اس پیالہ میں برکت ہوتی تھی، کہ وہ کھانا اتنا زیادہ ہو جاتا، اور دن بھر کھانے کے باوجود ختم نہ ہوتا؟

حضرت سمرہ سے کیا جانے والے اس سوال میں تعجب کا اظہار تھا، اس لئے حضرت سمرہ نے جواباً یہ فرمایا۔ سوال تو مجلس میں موجود سب تابعین کی طرف سے تھا جن کے ساتھ حضرت سمرہ بات کر رہے تھے، لیکن: حضرت سمرہؓ نے جواب میں صرف ابو العلاء کو مخاطب کیوں کیا؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ بھی سوال کرنے والوں میں سے ایک تھے، دوسرے یہ کہ اس مجلس میں حضرت ابوالعلاء کی حیثیت جلیل القدر تابعین میں سے ہونے کی وجہ سے' سب سے نمایاں تھی۔ یا یہ کہ حضرت سمرہؓ نے کسی ایک شخص کو یا صرف اس مجلس کے لوگوں کو مخاطب نہیں کیا، بلکہ ان کا خطاب عمومی طور پر ہر اس شخص سے ہے جو اس حدیث کو سنے یا پڑھے، معنی یہ ہے کہ اے مخاطب! اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ (ما كنت...... السماء): یعنی اس کھانے میں کثرت عالم بالا سے ہوا کرتی تھی، کہ اس میں آسمان سے برکت نازل ہوا کرتی، اس میں گویا قرآن کریم کی اس آیت ﴿وفی السماء رزقكم﴾ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس کلام کی ظاہر تشریح ہے۔

ایک شارح نے لکھا ہے: قال من ای شیء تعجب میں قال کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ امام مظہر رحمہ اللہ اور ان کے متبعین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کے قائل حضرت سمرہؓ ہو، اور سائل حضرت ابوالعلاء ہوں، اس لئے خاص طور سے انہیں مخاطب فرمایا۔ کلام کے اسلوب سے بھی بظاہر یہی کچھ معلوم ہو رہا ہے۔ (طیبی)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طیبی رحمہ اللہ کی توجیہہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ حضرت سمرۃ کے مجلس میں صحابہ ہو، پھر معجزات کے باب میں ان طرف سے اس طرح کا سوال کرنا قابل تعجب بات ہوگی کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اوران کے برکات ومقاصد سے خوب واقف تھے۔ ہاں تابعین کرام میں سے کوئی صحابی ت۔ وضاحت اور صورت کے لحاظ سے اس طرح کا سوال کرے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

کیونکہ عام معمول کے مطابق ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے، کہ شاید ایک صاع کھانا آجاتا اُسے دس آدمیوں کے لئے رکھ دیا جاتا ہوگا۔ ان کے فراغت کے بعد پھر جب کھانا آجاتا، اگلے دس آدمیوں کے لئے رکھ دیا جاتا ہوگا، اسی طرح باری باری یہ سلسلہ جاری رہتا ہوگا۔ تو حضرت سمرہ نے اس ممکنہ گمان کو ختم کرنے کے لئے فرمایا: کہ عام ہمارے دستور کے مطابق جو ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا، بلکہ یہ معجزہ کی بات تھی، اللہ اور اس کے رسول کا معاملہ تھا، اللہ کے رسول دعا کرتے تھے، اور اپنے دست مبارک سے اس پیالہ کو چھوتے تھے، جس کے سبب اللہ آسمان سے برکت نازل فرماتے۔

اس میں مخلوق میں سے کسی مخلوق کا ذرا بھی دخل نہیں ہوتا تھا۔

بدر میں فتح ونصرت الٰہی کا ظہور

۵۹۲۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِيْ ثَلٰثِمَائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسِهِمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَيْنِ وَاكْتَسَوْا وَشَبِعُوْا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه ابو داؤد ۳/ ۱۸۰ حديث رقم ۲۷۴۷۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو پندرہ آدمیوں کو لے کر جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اے میرے پروردگار! یہ (صحابہ جو تیری راہ جہاد کے لئے میں شہید ہونے کے لئے نکلے) ننگے پاؤں ہیں انہیں سواری عطا فرما یا یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس عنایت فرما' اے میرے رب! یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیر فرما (تاکہ تیری عبادت' تیری طاعت میں بہادری سے لڑیں۔ بہرحال آپ کی اس دعا کے نتیجے میں مشرکین کے مقابلہ میں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح نصیب فرمائی۔ مجاہدین ایسی حالت میں واپس لوٹے کہ ہر ایک کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے اور سب نے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور سب کے سب شکم سیر بھی تھے''۔

تشریح: (ان النبی...... ثلاثمائة): دوسری ثاء کے کسرہ کے ساتھ۔ (وخمسة عشر): دونوں جزمبنی علی الفتح ہیں۔ مرکب بنائی ہونے کی وجہ سے۔ (قال): یہ جملہ استینافیہ بیانیہ ہے، یا جملہ حالیہ ہے۔ (حفاة): حاء کے ضمہ کے ساتھ حاف کی جمع

ہے (ننگے پاؤں)۔ (فاحملهم): یہ لفظ ہمزہ وصلی اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ (اللهم انهم عراة): لفظ عراة عین کے ضمہ کے ساتھ، عارٍ اسم فاعل کی جمع ہے۔ (فاكسهم): سین کے ضمہ کے ساتھ۔ (اللهم...... فاشبعهم): یہ بھوکے ہیں، ان کو ظاہر و باطنی طور پر شکم سیر فرما، تاکہ ان کو تیری طاعت وعبادت کی طاقت حاصل ہو۔ (ففتح الله له): چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو مشرکین مکہ، صنادید قریش اور ان کے سرداروں پر فتح یاب فرمایا، دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، اور ستر آدمی جنگی قیدیوں کے طور پر ہاتھ لگے۔ (فانقلبوا): اور صحابہ کرامؓ اس حالت میں واپس ہوئے۔ (وما منهم...... وشبعوا): مطلب یہ ہے کہ ہزیمت خوردہ دشمن کے جو اونٹ، کپڑے اور غذائی سامان مالِ غنیمت کے طور پر اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا، اس کی وجہ سے ان مجاہدین کو اونٹ بھی مل گئے، کپڑے بھی ملے اور شکم سیری بھی ہوگئی۔ اور آنحضرت ﷺ کی ایک ایک دعا قبول ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا قبول ہونا خصوصاً اتنی جلدی اور مکمل طور پر یہ معجزہ وکرامت کے قبیل سے ہے، اور یہ نتیجہ تھا اس صبر کا جس کا مظاہرہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تمام صعوبتوں اور پریشانیوں پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کی طرف سے ہوا۔ اللہ نے سچ فرمایا اپنی اس قوم کے بارے میں ﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ [النساء:١٩] (تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو، اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے)۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وان فريقًا من المؤمنين لكارهون۔

ایک حدیث میں آیا ہے: "ان الصبر على ما تكره فيه خير كثير" کہ ناگوار اور پریشان کن امور پر صبر کرنا درحقیقت بہت ساری بھلائیوں اور فائدوں کا استحقاق حاصل کرنا ہے۔

یہ تو اس صبر کا فوری ثمرہ تھا، جو اس دنیا میں ملا اصل ثمرہ تو باقی ہی رہا، جو آخرت میں ملے گا۔ والآخرة خيرٌ وابقٰى۔ آخرت بہتر ہے، اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک بشارت ایک ہدایت

۵۹۳۰: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ مَنْصُوْرُوْنَ وَمُصِيْبُوْنَ وَمَفْتُوْحٌ لَّكُمْ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٤٥٤ حديث رقم ٢٢٥٧ و احمد في المسند ١/٣٨٩۔

ترجمہ: "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (آنے والے زمانے کے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی پیش خبری اور ان واقعات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فائدوں کی خوشخبری کے طور پر صحابہ کو مخاطب کر کے) فرمایا: (ان شاء اللہ) تم لوگوں کی مدد کی جائے گی، تم مالِ غنیمت حاصل کرو گے اور تم (بہت سے ملک) فتح کرو گے (تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں) تمہیں بہت کچھ ملنے والا ہے (یعنی دشمنوں سے جیتو گے)۔ پس تم میں سے جو یہ سب کچھ پالے اسے چاہئے کہ ہر دم اللہ سے ڈرتا رہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ

انجام دیتا رہے۔

تشریح: ومصیبون: یعنی مال غنیمت کی صورت میں بہت کچھ ملے گا۔ (فلیتق اللہ): اس کو چاہئے کہ وہ درجہ کمال کو پہنچنے کے لئے اپنے تمام دینی ودنیاوی معاملات ومشاغل میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ اور (ولیأمر ...... المنکر): لوگوں کو نیکی کی ہدایت وتلقین اور بُری باتوں سے باز رکھنے کی سعی کرتا رہے، خصوصاً اپنے امارت کے ایام، اور جس وقت لوگ تمہیں قضاء کے منصب سے سرفراز کریں۔ بعض حضرات کہتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں "المنکر" سے مراد مال غنیمت میں چوری اور غلول سے بچنے کا حکم ہے۔

لیکن اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ عموم ہی پر دلالت کرتے ہیں۔

عرضِ مرتب:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

"یعنی یہ (سچے مسلمان) لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت اور امارت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں گے اور دوسروں کو نیکی کی تلقین کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے۔"

زہر آلود گوشت کی گویائی

۵۹۳۱: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ یَهُوْدِیَّةً مِّنْ اَهْلِ خَیْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِیَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَاَكَلَ مِنْهَا وَاَكَلَ رَهْطٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَیْدِیَكُمْ وَاَرْسَلَ اِلَی الْیَهُوْدِیَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ هٰذِهٖ فِیْ یَدِیْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ كَانَ نَبِیًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ نَبِیًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَمْ یُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّیَ اَصْحَابُهُ الَّذِیْنَ اَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی كَاهِلِهٖ مِنْ اَجْلِ الَّذِیْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ اَبُوْ هِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلًی لِبَنِیْ بَیَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ۔

(رواہ ابوداود والدارمی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥/٢٣٠ حدیث رقم ٢٦١٧ ومسلم فی صحیحه ٤/١٧٢١ حدیث رقم (٤٥-١٩٠)
واخرجه ابو داؤد فی السنن ٤/٦٤٨ حدیث رقم ٤٥١٠ والدار می فی السنن ١/٤٦ حدیث رقم ٦٨۔

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل خیبر کی ایک یہودیہ نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیج دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستی لی اور اس سے کھانے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت بھی کھانے لگی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھ روک لو (اس میں سے کچھ نہ کھاؤ) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس یہودیہ کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا (وہ آ گئی تو) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ عورت نے کہا آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا؟ (آپ ﷺ کو اللہ نے خبر دی ہے یا مخلوق میں سے کسی نے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس نے بتایا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے' یہ بات آپ ﷺ نے دستی کی طرف اشارہ کر کے کہی۔ تب اس عورت نے (اعتراف کرتے ہوئے) کہا کہ ہاں (میں نے اس بکری میں زہر ملا دیا تھا) اور میں نے سوچا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہوں گے تو زہر آلود بکری ان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی اور اگر وہ نبی نہ ہوں گے تو (زہر کے اثر سے ختم ہو جائیں گے اور) ہمیں ان سے نجات اور راحت مل جائے گی۔ پس رسول کریم ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی' اور صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے اس بکری میں سے کھایا تھا (ان میں سے ایک صحابیؓ حضرت بشر رضی اللہ عنہ) وفات پا گئے' نیز رسول کریم ﷺ نے بھی اس زہر آلود بکری کا گوشت کھا لیا تھا اس کے اثرات کے دفعیہ کے لئے مونڈھوں کے درمیان پچھنے لگوائے اور ابو ہندؓ نے (جن کا اصل نام یسار حجام تھا اور) جو (ایک انصاری قبیلہ) بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے' شاخ اور چوڑی چھری کے ذریعہ پچھنے لگوائے''۔ (ابوداؤد' دارمی)

تشریح: قولہ :ان یہودیۃ من ...... استرضا منہ۔

بعض حضرات کہتے ہیں: اس یہودیہ کا نام زینب بنت حارث تھا، یہ مرحب ابن ابی مرحب کی بھتیجی تھی۔ ابوداؤد میں ہے کہ مذکورہ عورت مرحب یہودی کی بہن تھی۔

''مصلیہ'' میم کے فتحہ، لام کے کسرہ، اور یاء کی تشدید کے ساتھ۔ بھنی ہوئی۔

بعض حضرات کہتے ہیں: کہ اس عورت نے کسی طریقہ سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بکری کے پائے اور مونڈھوں کا گوشت بہت مرغوب ہے، چنانچہ اس نے انہی دونوں چیزوں میں خوب زہر ملا کر آنحضرت ﷺ کو ہدیہ بھیجا۔

(ثم اھدتھا لرسول اللہ): لرسول اللہ میں لام الیہ کے معنی میں ہے۔ (سمت ھذہ الشاۃ): اس جملہ میں استفہام مقدر نہیں، بلکہ یہ کلام جزم کے ساتھ ہے، آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا، کیونکہ بات بالکل سچی اور یقینی تھی، اسی وجہ سے اس عورت نے نہیں، اور ہاں میں جواب نہیں دیا، بلکہ پوچھا۔ (فقال اخبرتنی ھذہ): یہ دست اور پائے نے مجھے بتلایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے نطق عطا فرمایا۔ آنحضرت کا قول: ''فی یدی'' یہ اسم اشارہ ھذہ سے حال ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: مستقرۃ فیھا۔ (للذراع): بعض حضرات کہتے ہیں: یہاں لام جارہ ''عن'' کے معنی میں ہے، جیسے ''قل لزید'' میں لام ''عن'' کے معنی میں ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے بکری کے دستہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا، کہ اس ذراع نے مجھے بتلایا۔

اس میں یہ احتمال ہے کہ ''لام'' بمعنی ''الیٰ'' ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اس عورت کو مخاطب کر کے اس دست کے ذریعہ اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا: اس دست نے مجھے خبر دی ہے۔ (قالت نعم قلت): لفظ قلت یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس

عورت کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اسکو قتل کر دیا گیا، پس ان دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ شروع میں تو آنحضرت نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا، کوئی سزا نہیں دی تھی، اس اعتبار سے بعض روایتوں میں معافی کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن پھر بعد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس زہر آلود بکری کو کھانے والوں میں سے ایک صحابی حضرت بشر بن براءؓ ابن معرور انصاری کا انتقال اس زہر آلود گوشت کے کھانے کا سبب سے ہوگیا، (جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے سے پہلے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا اپنے خلق سے اتار لیا تھا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کے قتل کا حکم صادر فرمایا، اور وہ عورت حضرت بشر کی قصاص میں قتل کر دی گئی۔

المواھب میں ہے: بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ عورت اسلام لے آئی تھی، اس وجہ سے قتل نہیں کی گئی تھی۔ بعض محققین نے لکھا ہے: فعفا عنها، کا مطلب یہ ہے کہ اولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے، لیکن پھر جب حضرت بشر بن البراء بن معرور فوت ہوگئے، تو اس کے قصاص میں قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ: وہ عورت مسلمان ہوگئی تھی، اور اسلام لانے کی وجہ سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا تھا، پھر جب حضرت بشر فوت ہوئے تو قصاص کے واجب ہونے کی وجہ "بحق اسلام" اس کو قتل کیا گیا۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ جو کیا ہے کہ اس عورت نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس میں وہ منفرد نہیں، بلکہ سلیمان تیمی نے بھی جزم کے ساتھ اس کو لکھا ہے کہ وہ اسلام لے آئی تھیں۔ سلمان تیمی نے اپنی کتاب المغازی میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے "فلن یضره" کے بعد یوں نقل کیا ہے: کہ "وان کنت کاذباً أرحت الناس منك وقد استبان لی انك صادق وأنا أشهدك ومن حضر علی دینك ان لا اله الا الله وان محمدًا عبده ورسوله"۔

یعنی اس عورت نے کہا: میں نے سوچا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں گے، تو یہ زہر آلود بکری ان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں، تو میں اس زہر کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر کے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات اور راحت پہنچاؤں گی۔ لیکن اب مجھ پر واضح ہوگیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً (سچے) نبی ہیں۔

میں آپ کو اور اس شخص کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر قائم ہیں گواہ کر کے اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اور بلا شبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

کاهله، ھاء کی کسرہ کے ساتھ۔ **کاهله** سے مونڈھوں کا درمیانی حصہ ہی مراد ہے۔ **(من اجل ...... الشاة)**: لفظ **شاة** کی صفت مسمومه محذوف ہے۔ **(مجمه)**: یہ جملہ استینافیہ بیانیہ ہے۔ **(بالقرن والشفیرة)**: لفظ قرن، قاف کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ، شاخ کو کہتے ہیں۔ **بیاضة**: باء کے فتحہ بغیر تشدید کے ساتھ۔

غنائمِ ہوازن کی پیشینگوئی

۵۹۳۲: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ اَنَّهُمْ سَارُوْامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ

فَاَطْنَبُوْا السَّيْرَ حَتّٰى كَانَ عَشِيَّةً فَجَآءَ فَارِسٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ طَلَعْتُ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاِذَا اَنَا بِهَوَازِنَ عَلٰى بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ بِظُعُنِهِمْ وَنَعَمِهِمْ اِجْتَمَعُوْا اِلٰى حُنَيْنٍ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تِلْكَ غَنِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ قَالَ اَنَسُ بْنُ اَبِىْ مَرْثَدِ الْغَنَوِىّ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِرْكَبْ فَرَكِبَ فَرَسًا لَّهُ فَقَالَ اسْتَقْبِلْ هٰذَا الشِّعْبَ حَتّٰى تَكُوْنَ فِىْ اَعْلَاهُ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مُصَلَّاهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ حَسِسْتُمْ فَارِسَكُمْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَسِسْنَا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّىْ يَلْتَفِتُ اِلَى الشِّعْبِ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَبْشِرُوْا فَقَدْ جَآءَ فَارِسُكُمْ فَجَعَلْنَا نَنْظُرُ اِلٰى خِلَالِ الشَّجَرِ فِى الشِّعْبِ فَاِذَا هُوَ قَدْ جَآءَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ انْطَلَقْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِىْ اَعْلٰى هٰذَا الشِّعْبِ حَيْثُ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ طَلَعْتُ الشِّعْبَيْنِ كِلَيْهِمَا فَلَمْ اَرَ اَحَدًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ قَالَ لَا اِلَّا مُصَلِّيًا اَوْ قَاضِىَ حَاجَةٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا عَلَيْكَ اَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه ابو داوٗد في السنن ۳/ ۲۰ حديث رقم ۲۵۰۱

ترجمہ: ''حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر (حنین کے مقام پر جانے کے لئے) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے تو سفر کا سلسلہ طویل ہو گیا (یعنی کہیں رکے بغیر مسلسل چلتے رہے) یہاں تک کہ جب رات آئی تو (ایک جگہ پہنچ کر جہاں پڑاؤ ڈالنا تھا) ایک سوار (خدمت اقدس میں) حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا (اور دشمن کا جائزہ لے رہا تھا) کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ہوازن (جو مشہور اور بہت بڑا قبیلہ ہے) اپنے پورے کروفر کے ساتھ یعنی قبیلہ کے تمام لوگ اپنی عورتوں اور مویشوں کے ساتھ حنین کے مقام پر جمع ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر معنی خیز انداز میں) مسکرائے اور فرمایا: ''ان شاء اللہ یہ سب کچھ کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام اہل لشکر کی طرف روئے سخن کر کے) فرمایا: آج کی رات ہمارا پہرہ کون دے گا؟ (ایک صحابیؓ) حضرت انس بن ابی مرثد غنویؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تیار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس پہاڑی راستہ سے جا کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ (اور وہاں سے دشمن پر نگاہ رکھو)''۔ پھر جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کی جگہ تشریف لائے (جو پہلے سے مقرر تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فجر کی سنت) کی دو رکعتیں پڑھیں اور (اہل لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں اپنے سوار کی کچھ آہٹ ملی؟ (یعنی تم میں سے کسی نے اس کو آتے دیکھا ہے یا اس کی آواز کسی نے سنی ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ کس حال میں ہے؟) ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں (ہم میں سے کسی کو کوئی آہٹ و خبر نہیں ہے) اتنے میں فجر کی نماز کے لئے اقامت کہی گئی (اور نماز شروع ہو گئی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے اضطراب کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے دوران بھی اس گھاٹی کی طرف التفات فرماتے

رہے یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: خوش ہو جاؤ' تمہارا (وہ) سوار آ رہا ہے (جو تمہاری نگہبانی کر رہا تھا)۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اس پہاڑی راستہ کے درختوں میں دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سوار آتا ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بیان کیا کہ میں (یہاں سے) روانہ ہوا پہاڑی راستہ سے ہوتا ہوا (پہاڑ کی) اس چوٹی پر پہنچا' جہاں جانے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا (اور پوری رات اسی جگہ کھڑا ہوا نگہبانی کرتا رہا) پھر جب صبح ہوئی تو میں پہاڑ کے دونوں راستوں (اور اس کی اِدھر اُدھر کی گھاٹیوں) میں آیا (تاکہ اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگا لوں کہ دشمن کے کچھ لوگ اِدھر اُدھر تو نہیں چھپے ہوئے)' لیکن میں نے وہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مرثد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رات میں گھوڑے سے اترے تھے؟ انہوں نے کہا صرف نماز پڑھنے کے لئے یا استنجاء کرنے کے لئے (ذرا سی دیر کے لئے) اترا تھا (ورنہ پوری رات گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا نگہبانی کرتا رہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا: پھر تو اس کے بعد کوئی بھی عمل نہ کرو تو تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔'' (ابوداؤد)

تشریح: (انهم): ضمیر منصوب صحابہ کرام کی طرف راجع ہے۔ (سارو ...... حنين): غزوہ حنین کے موقع پر جب حنین جانے کے لئے صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ (فاطنبوا السير): کہیں رُکے بغیر مسلسل چلتے رہے، جس کی وجہ سے سفر کافی طویل محسوس ہو رہا تھا۔ (حتى كان عشية): امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ دن بھر یہ سفر جاری رہا، تاآنکہ رات داخل ہو گئی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا تو شام ہو چکی تھی۔ (فجاء فارس): فارس سے مراد، ایک سوار ہیں۔ (مسرعًا ...... طلعت): لام کے کسرہ کے ساتھ، بعض نسخوں میں لام کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ طلعت، ''علوت'' کے معنی میں ہے (یعنی چڑھا)۔ على جبل كذا و كذا: تمام آدمیوں کو لے کر پہنچے، چاہے ان کے ساتھ اونٹ ہوتے یا نہ ہوتے۔ ویسے بکرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جو آب کشی کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہاں بطور استعارہ اس کو استعمال کیا گیا ہے۔ (بظعنهم): ایک شارح نے لکھا ہے، لفظ ''ظعن'' ظاء اور عین کے ضمہ کے ساتھ نیز عین کے سکون کے ساتھ، مرد و عورت کی ایسی جماعت کو کیا جاتا ہے، جس نے رخت سفر باندھ کر کوچ کیا ہو۔

امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ صرف عورتوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی عورتوں تک ساتھ لے کے آئے ہیں) کیونکہ یہ جمع ہے ظعينة کی، اور ظعینہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو ہودج میں بیٹھی ہوئی ہو۔ بعض حضرات کہتے ہیں ظعینہ نفس ہودج کو بھی کہا جاتا ہے، چاہے اس میں کوئی خاتون ہو یا نہ ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے: کہ یہ عورتوں کی بیٹھنے کی چیز ہوں اور سواری کی چیزوں میں سے ایک چیز کا نام ہے، چاہے گنبد نما ہو یا گنبد نما نہ ہو۔

(ونعمهم): نون اور عین دونوں کے فتحہ کے ساتھ' اموال و مویشی۔ (اجتمعوا الى حنين): یعنی مقام حنین کے طرف بڑھ رہے ہیں اور جمع ہو گئے ہیں۔ (فتبسم رسول الله ﷺ): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ کے اس کاریگری پر معنی خیز انداز میں مسکرائے، اور فرمایا: (وقال تلك): اسم اشارہ ''تلك'' سے مرد و عورت اور مال متاع سب کے طرف اشارہ ہے۔ (غنيمة ...... ان شاء الله): جملہ ان شاء اللہ برکت یا احتیاطاً بطور قید کے ارشاد فرمایا۔ (ثم قال من يحرسنا؟): لفظ یحرس ''(راء کے ضمہ کے ساتھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل لشکر کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا: آج کی رات ہماری

نگہبانی کا ذمہ کون لیتا ہے؟ (لیلة؟): یہاں لیلۃ سے مراد آنے والی رات ہے۔ (قال انس بن ابی مرثد): (لفظ مرثد میم کے فتحہ اور ثاء مثلثہ کے ساتھ)۔ (الغنوی): غین اور نون کے فتحہ کے ساتھ۔ (انا یا رسول اللہ): مؤلف رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابو مرثد فتح مکہ، جنگ حنین میں حاضر تھے۔ اور خود انہیں ان کے والد، ان کے دادا اور ان کے بھائی کو شرف صحابیت حاصل تھا، ابو مرثدؓ کا اصل نام "کنّاز" تھا (یعنی کاف کے فتحہ، نون کی تشدید اور زاء کے ساتھ)۔ بعض حضرت کہتے ہیں: ان کا نام انیس تھا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اکثر حوازن کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابو مرثد کا نام انیس تھا، بعض حضرات کہتے ہیں ان کے نام انیس ہونے کی ایک دلیل یہ ہے انہیں شخص کو مخاطب کرتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا تھا: "اغد یا انیس الی امرأة هذا فان اعترفت فارجمها"۔ مزید اور بھی اقوال ہیں۔ واللہ اعلم

(قال ارکب...... هذا الشعب): شعب شین کی کسرہ کے ساتھ، دو پہاڑوں کے درمیان جانے والا پہاڑی راستہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں رکعتین سے مراد فجر کی دوسنتیں ہیں۔ (ثم قال هل حسستم): لفظ حسس، سین کی کسرہ کے ساتھ۔ اہل لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں اپنے سوار کی کچھ آہٹ ملی؟ (فارسکم): یعنی تم میں سے کسی نے اس کو آتے دیکھا ہے، یا اس کی اواز کسی نے سنی ہے، جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ کس حال میں ہے۔ (فقال رجل...... ماحسسنا): ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کو کوئی آہٹ وخبر نہیں، یعنی کوئی اتہ پتہ نہیں۔ (فثوب): لفظ ثوب واؤ مکسورہ کی تشدید کے ساتھ تیو، اتیم کے معنی میں ہے یعنی اتنے میں نماز کے لئے اقامت شروع کی گئی یا تکبیر تحریمہ کہی گئی اور (بالصلاة): نماز شروع ہوگئی۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: تثویب کے اصل معنی یہ ہوتا ہے کہ آدمی مدد مانگنے کے لئے چیختا ہوا آئے، اور لوگوں کو اپنے مدد کے طرف متوجہ کرنے کے لئے کپڑا ہلائے، تاکہ لوگ اس کی مدد کو پہنچیں، دعاء کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہر دعا مانگنے والا مثوب (مدد مانگنے والا) ہوتا ہے۔

(فجعل...... وهو اجلی): یہ جملہ حالیہ معترضی ہے۔ (یلتفت الی لشعب): مطلب یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران بھی کن آنکھیوں سے اسی پہاڑی راستے کی طرف دیکھتے رہے۔ (حتی...... الصلاة): یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہوئے۔ (قال...... فارسکم): یہاں فارس کی اضافت ضمیر "کم" کی طرف ادنی ملابست کی وجہ سے۔ (فجعلنا...... الشعب): لفظ "خلال" خاء کی کسرہ کے ساتھ خلل کی جمع ہے۔ دو چیزوں کے درمیان پائے جانے والے خلاء کو کہتے ہیں۔ (فاذا هو): هو الفارس کی طرف راجع ہے۔ (قد جاء...... رسول اللہ): پھر وہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوار یا اتر کھڑا ہو گیا۔ (فقال...... امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم): حضرت ابو مرثدؓ نے حیث امرت کے بجائے حیث امرنی رسول اللہ فرمایا جو کہ حسن آدب کا شاہکار ہے۔ (فلما...... کلیهما): یعنی فرمانے لگے عین پوری رات اسی جگہ کھڑا ہوا نگہبانی کرتا راہ، جہاں جانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، پھر جب صبح ہوئی، میں پہاڑی کے دونوں راستوں، اور اس کے ادھر اُدھر کی گھاٹیوں میں آیا، تاکہ اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگاؤں کہ دشمن کے کچھ لوگ کہیں ادھر اُدھر تو چھپے ہوئے نہیں۔ (فلم ارا احدًا...... نزلت اللیلة): یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آپ رات کو کہیں گھوڑے کی پیٹھ سے اترے بھی (قال...... او قاضی حاجة): یا رسول صرف نماز اور قضاء حاجت کے لئے کچھ دیر کے لئے اترا ہوں گا، باقی ساری رات

گھوڑے کی پیٹھ پر ہی گزار دی ہے۔ (قال...... فلا علیك): یہ آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، (فی ان لا تعمل): یعنی اس رات کے بعد تو افضل اور دوسرے زائد از کار نہ بھی کرو، تب بھی تمہارے لئے کافی ہے۔ (بعدھا): کیونکہ تم نے آج اتنی بڑی قربانی دی ہے، کہ جس کی وجہ سے اتنا اجر وثواب جمع ہو گیا، کہ آخرت میں بلندی درجات کے لئے کافی ہے۔

امام ابن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے انیس ابن مرثد کو بشارت دی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیئے۔ لیکن ابن مالک رحمہ اللہ کا مطلق یوں کہنا اعتراض سے خالی نہیں۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بشارت دی کہ تمہارے لئے اللہ کے نزدیک آج کی رات ہی کافی ہے، یعنی تمہارے نامہ اعمال میں اس رات کی خدمت کے عوض اتنا اجر وثواب جمع ہو گیا ہے، اور تمہیں اتنی فضیلت مل گئی ہے، کہ اگر تم از قسم، فضائل ونوافل، اور کوئی عمل نہ بھی کرو، تب بھی آج کی رات کا عمل کافی ہے، تمہیں کوئی فکر نہیں ہونی چاہئے، پس اس جملہ میں یہاں "عمل" سے نوافل وحسنات مراد ہیں۔ نہ کہ فرائض کیونکہ فرائض تو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے۔ یا یہاں عمل سے مراد "جہاد" ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم نے آج کی رات اللہ کی راہ میں ہماری نگہبانی کی جو ذمہ داری جس محنت ومشقت اور جاں نثاری کے جذبہ سے نبھائی ہے، اس کے بعد اگر تم جہاد میں شریک نہ بھی ہوئے تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ واللہ اعلم

کھجوروں میں برکت کا واقعہ

۵۹۳۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰهَ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِیْ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ قَالَ خُذْهُنَّ فَاجْعَلْهُنَّ فِیْ مِزْوَدِكَ کُلَّمَا اَرَدْتَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَیْئًا فَاَدْخِلْ فِیْهِ یَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ کَذَا وَکَذَا مِنْ وَسْقٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَکُنَّا نَاْکُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ وَکَانَ لَا یُفَارِقُ حَقْوِیْ حَتّٰی کَانَ یَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ فَاِنَّهُ انْقَطَعَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٤٣/٥ حدیث رقم ٣٨٣٩ و احمد فی المسند ٣٥٢/٢

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم کے پاس کھجوریں لے کر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ان کھجوروں میں برکت کی دعا کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے ان انہیں اکٹھا کیا اور پھر میرے لئے ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ انہیں لے لو اور اپنے توشہ دان میں رکھ لو جب تم ان میں ان سے کچھ لینا چاہو تو توشہ دان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور اس توشہ دان کو جھاڑ پھونک کر کبھی خالی نہ کرنا"۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے (آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ان کھجوروں کو ایک توشہ میں رکھ لیا اور ان چند کھجوروں میں اتنی برکت دیکھی کہ اس توشہ دان سے نکال نکال کر) اتنے اتنے وسق کھجوریں اللہ کی راہ میں دیں اور ہم (یعنی میرے دوست واحباب) ان کھجوروں میں سے کھاتے اور کھلاتے رہتے تھے وہ توشہ دان میری کمر

(پر بندھا رہتا تھا جہاں) سے کسی وقت الگ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے دن وہ توشہ دان میری کمر سے کھل کر گر پڑا (اور ضائع ہو گیا)''۔ (ترمذی)

تشریح: تمرات: تاء، میم اور راء تینوں کے فتحہ کے ساتھ۔ شیخ ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ نے برکت کی دعاء کی غرض سے جو کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کی تھیں، ان کی تعداد اکیس ۲۱ر تھی۔ کتاب الاذکار میں بھی یہی تعداد مذکور ہے۔ (في مزودك): لفظ ''مزود'' میم کے کسرہ کے ساتھ۔ اس توشہ دان کو کہتے ہیں جس میں زادِ راہ وغیرہ رکھتے ہیں۔

كلما أردت ان تأخذ منه: منه کی ضمیر 'تمر' یا ''مزود'' کی طرف راجع ہے۔ ''شيئًا'': امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: كلما اردت ان تاخذ منه میں 'منه' کو تأخذ کے متعلق بنائیں، اور لفظ ''شيئًا'' کو تأخذ کے لئے مفعول بنائی، تو اس صورت میں شیأ نکرہ کا مفہوم عام رہے گا، تمر کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ اور اگر جار مجرور کو متعلق محذوف کے ساتھ ملا کر ''شيئًا'' سے حال بنائیں، تو پھر یہ تمر کے ساتھ خاص ہوگا۔ یعنی جب بھی آپ کھجور لینا چاہیں۔ (ولا تنثره): لفظ ''تنثر'' ثاء کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (نثرًا): یہ مفعول مطلق ہے۔ مصباح میں ہے: نثرته نثرًا یہ نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے، اور معنی ہوتا ہے کسی چیز کو جدا جدا کر کے پھینک دینا۔ (فقد حملت...... من وسق): وسق مشہور قول کے مطابق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک شارح نے لکھا ہے ابو ہریرہؓ کی مراد حقیقتاً ایک وسق ہے۔ یا ایک اونٹ کے بوجھ کے بقدر وزن مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں وسق کا وزن ایک اونٹ کے بوجھ کے بقدر مقدار بتایا گیا ہے۔ (في سبيل الله): امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں موجود لفظ حملت کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا بھی جائز ہے، اور ''اخذت'' کے معنی میں بھی جائز ہے، اخذ کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان چند کھجوروں میں اتنی برکت دیکھی کہ اس توشہ دان سے نکال نکال کر اتنے اتنے وسق کھجوریں خدا کی راہ خرچ کر دیں۔

اس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ دعویٰ جس خوبی کا ہو رہا ہے، اس میں یہ معنی زیادہ بلیغ ہے۔ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کے قول ''فكنا'' الخ سے بھی ہوتی ہے۔ جمع متکلم کی خبر ضمیر سے جو کہ كان کا اسم ہے۔ (ناكل منه ونطعم): فعل ''نطعم'' کا مفعول ''غيرنا'' محذوف ہے۔ (وكان): کان کی ضمیر ''مزود'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (لا يفارق حقوي): حقوي، وسطي کے معنی میں ہے۔ ایک شارح نے لکھا ہے: ''حقو'' ازار کو کہتے ہیں۔ اور یہاں کمر مراد ہے، جہاں ازار باندھی جاتی ہے۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: الحقو مقعد الازار، یعنی حقو ازار باندھنے کے مقام یعنی (کمر) کو کہتے ہیں۔ اس جگہ کو ازار مجاورت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ (حتى كان يوم): لفظ يوم مرفوع ہے۔ کیونکہ ''كان'' تامہ ہے، علماء نے اس کے نصب کو بھی جائز کہا ہے، کیونکہ ''كان' کے بعد اسم كان الزمان محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: ''حتى كان الزمان يوم''۔ (قتل عثمان): لفظ ''قتل'' مصدر ہے، اور اپنے مفعول کے طرف مضاف ہے، ایک نسخہ میں لفظ ''قتل'' ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے، اور عثمان فعل قتل کا نائب فاعل ہے۔

خلخالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لفظ يوم کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور یہ مضاف ہے قتل کے طرف جو کہ جملہ فعلیہ ہے، بمحلاً مجرور ہے، نیز رفع کے ساتھ بھی جائز ہے، اس صورت میں كان تامہ کا فاعل (اسم) ہوگا۔ (فانه): ضمیر منصوب ہے جو

"مزود" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (انقطع): کہ حضرت عثمان ذی النورین کے شہادت کے دن وہ توشہ دان میری کمر سے کھل کر گر پڑا اور ضائع ہو گیا، جس کی وجہ سے مجھے شدید صدمہ ہوا۔ روایت کے آخری الفاظ سے معلوم ہوا کہ جب معاشرہ میں فتنہ وفساد پھیل جاتا ہے اور لوگوں میں افتراق وانتشار بڑھ جاتا ہے، تو خیر وبرکت اٹھ جاتی ہے۔

منقول ہے: کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کے کرب ودرد کو اس شعر کی صورت میں ظاہر کرتے تھے۔

للناس هم و لی همان بینهم
هم الجراب وهم الشیخ عثمانا

"آج کے دن اور لوگوں کو تو ایک ہی غم کا سامنا ہے، اور مجھ پر دو غم پڑے ہیں۔ ایک غم تو توشہ دان کے ضائع ہونے کا، اور ایک غم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے باوقار بڑے آدمی کی شہادت کا"۔

قصہ شبِ ہجرت کا

الفصل الثالث:

۵۹۳۴: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَشَاوَرَتْ قُرَيْشٌ لَيْلَةً بِمَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَصْبَحَ فَأَثْبِتُوْهُ بِالْوَثَاقِ يُرِيْدُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلِ اقْتُلُوْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ أَخْرِجُوْهُ فَأَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ذٰلِكَ فَبَاتَ عَلِيٌّ عَلَى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَحِقَ بِالْغَارِ وَبَاتَ الْمُشْرِكُوْنَ يَحْرُسُوْنَ عَلِيًّا يَحْسَبُوْنَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحُوْا ثَارُوْا عَلَيْهِ فَلَمَّا رَأَوْا عَلِيًّا رَدَّ اللّٰهُ مَكْرَهُمْ فَقَالُوْا أَيْنَ صَاحِبُكَ هٰذَا قَالَ لَا أَدْرِيْ فَاقْتَصُّوْا أَثَرَهُ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اخْتَلَطَ عَلَيْهِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَأَوْا عَلَى بَابِهِ نَسْجَ الْعَنْكَبُوْتِ فَقَالُوْا لَوْ دَخَلَ هٰهُنَا لَمْ يَكُنْ نَسْجُ الْعَنْكَبُوْتِ عَلَى بَابِهِ فَمَكَثَ فِيْهِ ثَلٰثَ لَيَالٍ۔ (رواہ احمد)

أخرجه احمد فی المسند ۱/۳۴۸۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ قریش نے ایک رات مکہ کے (دار الندوہ) میں اپنی مجلس مشاورت منعقد کی (جس میں ابلیس شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں شریک ہوا) چنانچہ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی اس شخص کی مشکیں کس لو (یعنی رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دو) ان کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، بعض نے یہ رائے دی کہ نہیں بلکہ اس کو قتل کر ڈالو اور بعض نے (حقارت کے ساتھ) یہ کہا کہ اس کو (اپنی سرزمین سے) نکال کر باہر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے (حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (قریش مکہ کے مشورہ وفیصلہ

سے) آگاہ کر دیا (اور حکم دیا کہ آپ ﷺ آج کی رات اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلا دیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بارادۂ ہجرت مکہ سے روانہ ہو جائیں) چنانچہ اس رات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بستر پر سوئے اور نبی کریم ﷺ (حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر) وہاں سے چل دیئے یہاں تک کہ غار ثور میں پہنچ گئے۔ مشرکین پوری رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی کرتے رہے وہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ ہیں یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) اس (بستر) پر (کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے' آنحضرت ﷺ کا گمان کر کے) دھاوا بول دیا لیکن جب انہوں نے (آنحضرت ﷺ کے بجائے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اللہ نے ان کی بدخواہی کو انہی پر الٹا دیا تو (وہ بڑے سٹپٹائے اور) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا ساتھی (جس کا یہ بستر ہے یعنی) محمد ﷺ کہاں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ قریش مکہ (صورت حال سمجھ کر فوراً حرکت میں آ گئے اور آپ ﷺ کو ڈھونڈ کر پکڑ لانے کے لئے) آپ ﷺ کے قدموں کے نشان پر چل پڑے' جب وہ جبل ثور تک پہنچے تو ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا (جس کی وجہ سے ان کو آگے رہنمائی نہیں مل سکی) پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور (ادھر اُدھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ اس غار میں چھپے ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد (ﷺ) اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا (اس طرح وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے) اور آنحضرت ﷺ نے وہاں تین روز قیام فرمایا''۔ (احمد)

تشریح: فاثبتوہ: ہمزہ کے فتحہ اور باء کی کسرہ کے ساتھ۔ الوثاق: باء کے کسرہ کے ساتھ۔

کفارِ قریش کی اس مجلس کی خبر باری تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان الفاظ میں دی: ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ [الانفال: ۳۰] (اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جب کہ کافر لوگ آپ ﷺ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے، کہ آیا آپ ﷺ کو قید کر دیں، یا آپ ﷺ کو قتل کر ڈالیں، یا آپ ﷺ کو ملک بدر کر دیں)۔

پس منظر یہ ہے، کہ جب مشرکین مکہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد (ﷺ) کی دعوت مدینہ تک پہنچ گئی ہے، اور وہاں کے متعدد بااثر لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، تو انہیں سخت تشویش ہوئی، اس مسئلہ پر غور و فکر اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے لئے ان کے بڑے بڑے سارے سردار ''دار الندوہ'' میں جمع ہوئے، عین اسی وقت جب ان سرداروں کی مشاورتی مجلس شروع ہونے والی تھی، ابلیس ایک بوڑھے اور تجربہ کار شیخ کی صورت میں اس مجلس میں پہنچا، اور بولا میں نجد سے آیا ہوں، جب مجھے تم لوگوں کے اس اجتماع کا علم ہوا، تو میری خواہش ہوئی کہ میں بھی تمہارے اس اجتماع میں شریک ہو کر کوئی مناسب اور کارگر رائے پیش کروں، بلاشبہ عقل و دانائی اور خیر خواہی میں تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑا ہوا نہیں ہے، (حاضرین مجلس ابلیس کی اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور اس کو عزت و احترام کے ساتھ اپنے درمیان جگہ دی)۔

اس کے بعد مشاورتی کمیٹی کی کاروائی کا آغاز ہوا، اور مختلف لوگوں کی طرف سے اظہار خیال اور آرا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابوالبختری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ اس شخص (محمد ﷺ) کو قید کر کے کسی ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دو، جس میں آمد و رفت کا کوئی ذریعہ اور کوئی دروازہ نہ کھلے صرف ایک بڑا سا سوراخ باقی رکھا جائے، جس میں سے اس کی کھانے پینے کی چیزیں ڈال دی جایا کریں، اور مرتے دم تک یوں محبوس رکھا جائے۔

یہ سن کر شیخ نے کہا، یہ رائے نہایت غیر موزوں ہے، کیونکہ جب تم اس کو قید کرو گے، تو اس کے خاندان والے اور عزیز واقارب تم پر دھاوا بول دیں گے، اور جنگ جدال کر کے ان کو تمہاری چنگل سے آزاد کرالیں گے۔

پھر ہشام بن عمرو نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو رسوا کر کے ایک اونٹ پر سوار کر دو، اور جلا وطن کر دو۔ وہاں جا کے جو کچھ کرے، کرے، کم از کم ہماری جان چھوٹ جائے گی، ابلیس نے اس رائے کی بھی مخالفت کی اور کہا اس طرح تو اس شخص کو خوب کھیل کھیلنے کا موقع مل جائے گا۔ کیونکہ یہاں سے جب یہ دوسری جگہ چلا جائے گا۔ وہاں جا کر اپنی مظلومیت کے قصے سنائے گا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا، اور دوسرے لوگوں کو اپنا ہمنوا اور ہمدرد بنائے گا، اور پھر ان لوگوں کی مدد اور طاقت پا کر تم پر حملہ آور ہوگا۔

ملعون ابوجہل بولا' میری رائے یہ ہے کہ تم ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان منتخب کرلو، اور ان سب کو تلواریں دے کر کہو، کہ وہ سب ایک ساتھ اس شخص پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں، اس طرح ان کا خون تمام قبیلوں اور خاندانوں میں پھیل جائے گا۔ اس طرح بنی ہاشم تمام قریشی قبائل اور خاندانوں سے بیک وقت جنگ کرنے اور قصاص لینے سے عاجز آئیں گے۔ لہٰذا مجبور ہو کے دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے، ہم سب مل کر دیت دیں گے، اور قصہ تمام ہو جائے گا۔ ابلیس نے اس رائے کی بڑی تعریف کی، اور کہا اس شخص نے بالکل صحیح بات کہی، ابلیس کا یہ کہنا تھا کہ سب لوگ اس رائے پر متفق ہو گئے، اور یہ طے پایا گیا کہ آج پوری رات محمد ﷺ کا محاصرہ کیا جائے گا، اور صبح تڑکے ان کا قصہ تمام کر دیا جائے گا۔

(فاطلع الله...... ذلك): ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضرت جبرائیل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا، اور ہجرت کا حکم دیا، آپ ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر سلا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے رات ہی میں مکہ سے نکل گئے۔ اور جبل ثور کے ایک غار میں جا چھپے۔ (فبات...... فراش النبی ﷺ): اس وقت کہ جب قریش مکہ کی ایک خونخوار جماعت آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھی، آپ ﷺ کا گھر سے باہر نکلنا، اور ان کافروں کا آپ ﷺ کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھنا، پھر ان سے گفتگو کرنا اور ان کی نظروں کا سامنے کرتے ہوئے صاف بچ کر نکل جانا ایک حیرت انگیز قصہ اور زبردست معجزہ تھا۔

بہرکیف اللہ تعالیٰ نے قریش کو اس طرح آندھا کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو جاتے دیکھنے کے باوجود رات بھر حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو کہ آپ کے بستر پر آرام فرما رہے تھے) کو آنحضرت سمجھ کر محاصرہ کئے رہے، کہ صبح آپ کو شہید کر دیں گے، اسی کے طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (یحسبونه): لفظ یحسبون باب ضرب اور سمع دونوں سے آتا ہے، یحسبون، یظنون کے معنی میں ہے، اور ضمیر منصوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے۔ (النبی ﷺ...... ثاروا): لفظ "ثاروا" ثاء مثلثہ کے ساتھ نیز ثاء کے بعد الف ہے۔ (رد الله مكرهم): اللہ نے ان کی ساری سازشوں کو ان لوگوں پر ہی پھیر دیا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين﴾۔ (اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ (یہاں) اپنی تدبیر کر رہے تھے، اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے)۔

(قال): یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبردست عقل سے کام لیا ہے، فرمایا (لا ادری): یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یا تو حقیقتاً

فرمایا کہ آپ ؐ کو آنحضرت ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ کا علم نہیں تھا، یا توریہ فرمایا۔ (فاقتصوا): صاد مہملہ کی تشدید کے ساتھ۔ "تتبعو" پیچھا کرنے کے معنی میں ہے۔ (فصعدوا الجبل): لفظ "صعدوا" عین کی کسرہ کے ساتھ۔ قاموس میں ہے: صعد فی السلم، سمع سے ہے، اس معلوم ہوا، صعدوا لجبل کا معنی دخلت الدار جیسا ہے یعنی وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے غار کے منہ پر جا پہنچے تھے، جہاں آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روپوش تھے۔ (فمروا بالغار): ان لوگوں کو قرائن سے یہ معلوم ہو چکا تھا، کہ آپ ﷺ یہی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس جگہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا۔ (فقالوا: لو دخل ھھنا...... بابہ): آپس میں کہنے لگے اگر وہ یہاں ہوتے تو مکڑی کا جالا کیسے نہ ٹوٹتا، وہ یہاں نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں: کہ جس وقت یہ اس غار کے دہانے پر پہنچے، جس کا منہ صرف ایک بالشت چوڑا اور ایک ہاتھ لمبا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دو کبوتر بھیج دیئے، جنہوں نے غار کے منہ کے نیچے کی جانب انڈے دیئے، اور ایک مکڑی نے آ کر اسی وقت غار کے منہ پر جالا تن دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے: کہ قریش مکہ کے وہ گماشتے غار کے منہ کے قریب ایسی جگہ پہنچ گئے تھے کہ اگر ان کی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی جاتی تو بڑی آسانی سے وہ لوگ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غار کے اندر دیکھ لیتے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھا، تو آنحضرت ﷺ کے تئیں سخت تشویش ہوئی، چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے خوف کا اظہار فرمایا، آنحضرت نے فرمایا: "ما ظنك باثنين الله ثالثهما"۔ ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو اسی طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھتے تھے، لیکن غار کے اندر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھ پائے۔

فمکث: کاف کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ بمعنی "لبث"۔

خیبر میں یہود کی ایک سازش کا بروقت انکشاف

۵۹۳۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِيْهَا سَمٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْمَعُوْا لِيْ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنَ الْيَهُوْدِ فَجَمَعُوْا لَهٗ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ سَائِلُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَبُوْكُمْ قَالُوْا فُلَانٌ قَالَ كَذَبْتُمْ بَلْ اَبُوْكُمْ فُلَانٌ قَالُوْا صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ قَالَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْ شَیْءٍ اِنْ سَاَلْتُكُمْ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ يَا اَبَا الْقَاسِمِ وَاِنْ كَذَبْنَاكَ عَرَفْتَ كَمَا عَرَفْتَهٗ فِیْ اَبِيْنَا فَقَالَ لَهُمْ مَنْ اَهْلُ النَّارِ قَالُوْا نَكُوْنُ فِيْهَا يَسِيْرًا ثُمَّ تَخْلُفُوْنَا فِيْهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَاللّٰهِ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيْهَا اَبَدًا ثُمَّ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْ شَیْءٍ اِنْ سَاَلْتُكُمْ عَنْهُ فَقَالُوْا نَعَمْ يَا اَبَا الْقَاسِمِ قَالَ هَلْ جَعَلْتُمْ

فِيْ هٰذِهِ الشَّاةِ سَمًّا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَمَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوْا اَرَدْنَا اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا اَنْ نَسْتَرِيْحَ مِنْكَ وَاِنْ كُنْتَ صَادِقًا لَمْ يَضُرُّكَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٧٢/٦ حديث رقم ٣١٦٩ واخرجه الدارمي في السنن ٤٧/١ حديث رقم ٦٩ و احمد في المسند ٤٥١/٢۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک (بھنی ہوئی) بکری بطور ہدیہ پیش کی گئی جس میں زہر ملا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہاں (خیبر میں) جتنے یہودی موجود ہیں سب کو میرے پاس لایا جائے' چنانچہ تمام یہودیوں کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہودیوں) سے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم اس کے بارے میں مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ یہودیوں نے کہا: ہاں ابوالقاسم (ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے جواب کی صحیح تردید کی تو ہم اس کو باور کریں گے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ تمہارا باپ (یعنی جداعلیٰ جس کو ''قبیلہ کا باپ'' کہا جاتا ہے) کون ہے؟ یہودیوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پرکھنے کے لئے اپنے جداعلیٰ کا صحیح نام نہیں بتایا بلکہ غلط طور پر کوئی اور نام لے کر) کہا کہ فلاں شخص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو' تمہارا باپ تو فلاں شخص ہے۔ یہودیوں نے کہا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ فرمایا اور بجا فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں (اور تمہارے غلط جواب کی تردید کرتے ہوئے صحیح بات بتاؤں) تو کیا تم میری اس بات کو باور کرلو گے؟ یہودیوں نے کہا: ہاں ابوالقاسم! اگر ہم جھوٹ بولیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا' جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے باپ کے بارے میں (ہمارا غلط جواب) معلوم ہوگیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: (تو پھر بتاؤ) اہل جہنم کون لوگ ہیں؟ یہودیوں نے جواب دیا: کچھ دن تو ہم لوگ رہیں گے (اور پھر جب ہم دوزخ سے باہر آئیں گے تو) ہمارے جانشین جہنم میں تم لوگ ہو گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہی ذلیل ہو کر اس میں پڑے رہو خدا کی قسم ہم دوزخ میں کبھی بھی تمہارے جانشین نہ ہوں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی اور سوال کروں (اور تمہارے غلط جواب کی تردید کرتے ہوئے صحیح بات بتاؤں) تو کیا تم میری اس بات کو باور کرلو گے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہاں ابوالقاسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا (اچھا بتاؤ) کیا تم نے اس بکری (کے گوشت) میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہیں کس چیز نے اس (ذلیل حرکت) پر آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا دراصل ہم نے سوچا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوئے تو (یہ زہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا اور) ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات اور راحت مل جائے گی اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعویٰ میں سچے ہوئے تو یہ (زہر) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا''۔ (بخاری)

تشریح: ''سم'' ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے' البتہ کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ **(فقال رسول الله...... لي)**: لفظ ''لي'' لا جلي کے معنی میں ہے۔ ایک اور نسخہ میں ''الي'' کا لفظ منقول ہے۔ **(فهل انتم مصدقي عنه)**: لفظ ''مصدقي'' دال اور یاء ہر دونوں کی تشدید کے ساتھ۔

بعض محققین کہتے ہیں: مالکی کی کتاب میں لفظ مصدقي کے بجائے، "صاد قوني" ہے، فرمایا اکثر نسخوں میں یہ لفظ دلالت کررہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ نون وقایہ کا دخول ان اسماء معربہ پر ہوتا ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہیں اور یہ دخول اس لئے ہوتا ہے تاکہ خفاء اعراب سے بجائے کہیں جب انہوں نے اس کو ممنوع قرار دے دیا تو یہ اصل متروک ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے بعض اسماء معربہ متشابہہ بالفعل میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

(یسیرًا): "یسیر" بمعنی "قلیل" ہے۔ (یہ صفت ہے زماناً محذوف کی، موصوف کو حذف کرکے صفت کو قائم مقام بنایا گیا ہے) یعنی ہم تھوڑے دنوں کے لئے جہنم جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی انکے اس جھوٹے عقیدے کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ [البقرہ: ۸۰] (یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہرگز ہم کو آتش (دوزخ) چھوئے گی بھی نہیں مگر (بہت) بھوڑے روز جو (انگلیوں پر) شمار کرلئے جاسکیں)۔

تخلفونا: لام کے ضمہ اور نون کے تشدید و تخفیف کے ساتھ، تعقبوننا (یعنی تم ہمارے جانشین بنو گے کے معنی میں ہے)۔ مطلب یہ تھا کہ جب ہم جہنم سے باہر آئیں گے تو تم مسلمان لوگ ہمارے جانشین بنو گے۔ یہ ان یہودیوں کا عقیدہ تھا جو حقیقت کے اعتبار سے باطل اور زعم فاسد سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، تاہم وہ اپنے اعتقاد کے مطابق جس بات کو صحیح سمجھتے تھے، اور آنحضرت ﷺ کے سوال کا جواب ان کے نزدیک صحیح تھا، وہی انہوں نے بیان کیا۔ (قال...... فیها): أخسئوا فیها کے کلمات مبارکہ سے آنحضرت نے قرآن کی آیت ﴿اخسأوا فیها و لا تکلمون﴾ کی طرف اشارہ فرمایا۔ کلمہ أخسئو فیها یہ کلمہ زجر و توبیخ ہے، جو کہ کتے کو ڈانٹنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں معنی یہ ہے ارے کم بختو! پرے رہو تم بالکل جھوٹ بول رہے ہو۔ جھوٹ کی بھی حد ہوتی ہے، نیز اس جملہ سے آنحضرت نے ان کے خلود فی جہنم کے طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ (و الله...... ان كنت كاذبًا): یعنی اگر آپ ﷺ اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، تو ہماری جان چھوٹے گی۔ (ان تشریح...... لم یضرك): لم یضر راء مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ، نیز راء کو مضموم پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس طرح اگر ضاد کے کسرہ اور راء مخففہ کے سکون کے ساتھ بھی روایت کی جائے تو بھی جائز ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک: **لا یضركم كیدهم شیئًا** [آل عمران:] میں دونوں قراءتیں ہیں۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ان نستریح" یہ اردنا کا مفعول ہے۔ اور شرط متوسط جو کہ فعل مفعول کے درمیان ہے اس کی جزا محذوف ہے، کیونکہ اس کا قرینہ کلام میں موجود ہے، اور اصل میں عبارت یوں ہے، ان كنت كاذبًا فنستریح منك وان كنت صادقًا لم یضرك فننتفع بهدایتك۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا ہے یہ بطور امتحان ہے، یہ دو امور میں سے ایک جاننا چاہ رہے تھے: ① اگر آپ اپنے دعویٰ رسالت میں سچے نہیں، تو آپ مر جائیں گے، اور ہمیں نجات ملے گی، اور ② اگر آپ سچے ہیں، تو آپ کی اتباع کریں گے یعنی نبی تسلیم کرلیں گے۔

آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے حجت بالغہ ثابت ہوگئی۔

تا قیامت پیش آمدہ اہم حوادث کی خبر

۵۹۳۶: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ اَخْطَبِ الْاَ نْصَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۲۲۱۷/٤ حدیث رقم ۲۸۹۲ و احمد فی المسند ۳٤۱/۵۔

ترجمہ: ''حضرت عمرو بن اخطب انصاری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے اور ہمیں خطاب فرمانے لگے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا آپ ﷺ منبر سے اترے' ظہر کی نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطاب فرمانے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر آپ منبر سے اترے' عصر کی نماز پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطاب فرمانے لگے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا (یعنی یہ تمام روز خطبہ میں ہی گزرا اور ان تمام وعظ کے دوران) آپ ﷺ نے ہمیں ان تمام باتوں سے مطلع کیا جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں! یہ روایت بیان کرنے کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا حضرت عمرو بن اخطب نے کہا! ہم میں ان تمام باتوں کو زیادہ یاد رکھنے والا وہ شخص ہے جس کا حافظہ ہم میں سب سے بہتر ہے''۔

راویٔ حدیث:

عمرو بن الاخطب۔ یہ عمرو بن اخطب انصاری ہیں جو اپنی کنیت ''ابوزید'' کے ساتھ مشہور ہیں۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا ہے اور حسن و جمال کے لئے دعاء بھی دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کچھ اوپر سو سال کو پہنچے' لیکن ان کے سر اور داڑھی میں چند بال سے زیادہ سفید نہ تھے۔ ان کا شمار بصرہ والوں میں ہوتا ہے۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

تشریح: صعد: عین کی کسرہ کے ساتھ۔ طلع یعنی چڑھنے کے معنی میں ہے۔ (علی المنبر فخطبنا): اور ہمارے سامنے وعظ ارشاد فرمایا۔ (حتی حضرت الظهر): یہاں حضَرَت سے ظہر کے وقت کا داخل ہونا مراد ہے۔ (فنزل...... المنبر): اس میں اشارہ ہے۔ کہ فعل صعد کبھی بغیر صلہ کے بذات خود بھی متعدی ہوتا ہے۔ (فخطبنا...... غربت): لفظ ''غربت'' راء کے فتحہ کے ساتھ' اس کے لئے غابت کا لفظ بھی آتا ہے۔ (الشمس...... القيامة): یہ خبر اجمالاً یا تفصیلاً آپ نے ذکر فرمایا' تفصیل مراد لینے میں اعجاز زیادہ ہے۔ (فاعملنا): مفعول ''الآن'' محذوف ہے۔ (احفظنا): طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ آج ہمارے درمیان ان تمام باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہ شخص ہے جو آج کل ہم میں دانا ہے اور اس کا حافظہ نہایت قوی ہے۔

سید جمال الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یوں کہنا زیادہ اچھا ہے، احفظنا الآن لتلك والقصة اعلمناه ای الآن۔ کہ اب بھی وہ واقعات ہمارے دانا لوگوں کو ازبر ہیں، جس طرح اسی وقت سنا تھا۔

لیلۃ الجن میں ایک درخت کی طرف سے جنوں کی آمد کی اطلاع

۵۹۳۷: وَعَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ سَاَلْتُ مَسْرُوْقًا مَنْ اٰذَنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِنِّ لَیْلَةَ اِسْتَمَعُوْا الْقُرْاٰنَ فَقَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْكَ یَعْنِیْ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِنَّهٗ قَالَ اٰذَنَتْ بِهِمْ شَجَرَةٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۱/۷حدیث رقم ۳۸۵۹ومسلم فی صحیحه ۳۳۳/۱حدیث رقم (۱۵۳-۴۵۰)۔

ترجمہ: ''حضرت معن بن عبدالرحمٰن (تابعی جو حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ کے پوتے بھی تھے) سے مروی ہے (معن) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اس رات جب جنات نے قرآن سنا تو ان کے آنے کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے دی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے تمہارے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے آنے کی اطلاع ایک درخت نے دی''۔

تشریح: اذن: مد کے ساتھ، اعلم (بتانے اور خبر دینے) کے معنی میں ہے۔

لیلة: اس کو تنوین کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، اور تنوین گرا کر صرف فتحہ کے ساتھ بھی، کہ اس کی اضافت، قول ''استمعوا القرآن'' کی طرف ہے، بلکہ بعض حضرات نے بغیر تنوین کے مبنی علی الفتح قول کو زیادہ فصیح کہا ہے، جیسے لیلة اسری به میں ہے، اسی طرح فی یوم ولدته امه میں بھی بغیر تنوین کے ہے، اس کی مثال باری تعالیٰ کے قول: ﴿یوم ینفع الصادقین﴾ میں بھی موجود ہے: کہ یوم مبنی علی الفتح ہے، کیونکہ جملہ کی طرف مضاف ہے ظروف غیر مبنی جب جملہ یا اذ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا مبنی علی فتح ہونا جائز ہے اور یہ قراءت جمہور قراء کی ہے۔ (انه): بظاہر تو یہ معلوم ہو رہا ہے، کہ یہ ضمیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لیکن بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہو۔

غزوۂ بدر میں کفار قریش کے قتل کی پیشگی اطلاع

۵۹۳۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کُنَّا مَعَ عُمَرَ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فَتَرَائَیْنَا الْهِلَالَ وَکُنْتُ رَجُلًا حَدِیْدَ الْبَصَرِ فَرَاَیْتُهٗ وَلَیْسَ اَحَدٌ یَزْعَمُ اَنَّهٗ رَاٰهُ غَیْرِیْ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِعُمَرَ اَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا یَرَاهُ قَالَ یَقُوْلُ عُمَرُ سَاَرَاهُ وَاَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰی فِرَاشٍ ثُمَّ اَنْشَاَ یُحَدِّثُنَا عَنْ اَهْلِ بَدْرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْشَآءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِىْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَؤُا الْحُدُوْدَ الَّتِىْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَجُعِلُوْا فِىْ بِئْرٍ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلَيْهِمْ فَقَالَ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حَقًّا فَاِنِّىْ قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِى اللّٰهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَااَرْوَاحَ فِيْهَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَّرُدُّوْا عَلَىَّ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٢٢٠٢/٤ حديث رقم (٧٦-٢٨٧٣) واخرجه النسائى فى السنن ١٠٩/٤ حديث رقم ٢٠٧٤ و احمد فى المسند ٢٦/١۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک سفر کے موقع پر) ہم لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان (ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ وہاں) ہم نے نئے مہینے کا چاند دیکھنے کا اہتمام کیا' میں چونکہ ایک تیز نظر آدمی تھا اس لئے میں نے چاند کو دیکھ لیا میرے علاوہ کسی شخص نے نہیں کہا کہ اس نے چاند دیکھا ہے میں عمر رضی اللہ عنہ کو (چاند دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے ان سے) کہتا تھا کہ کیا آپ چاند کو دیکھ نہیں رہے لیکن وہ چاند کو دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (جب میرے بار بار دکھانے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چاند نظر نہیں آ سکا تو) انہوں نے کہا: میں تو عنقریب اپنے بستر پر لیٹا ہوا چاند کو دیکھ لوں گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اہل بدر کے متعلق بتانا شروع کر دیا' فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے ایک دن پہلے ہی مقتول ہو نے والے مشرکین کے جائے قتل کی نشاندہی کر دی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے) فرماتے تھے کہ (دیکھو) یہ وہ جگہ ہے جہاں کل ان شاء اللہ فلاں مشرک مارا جائے گا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں ان شاء اللہ فلاں مشرک پڑا ہوا ہوگا (گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے مشرکوں کے نام لے لے کر ان کی نشاندہی کر دی تھی بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ جگہیں تک متعین کر کے بیان کر دی تھیں جہاں ان مشرکوں کی لاشیں گرنے والی تھیں) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جگہیں متعین کر کے بیان کی تھیں قتل ہونے والے مشرک ان سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مشرک کے بارے میں جو جگہ متعین کر کے بتائی تھی وہ قتل ہو کر ٹھیک اسی جگہ گرا) پھر ان سب کو (گھسیٹ کر) ایک دوسرے کے اوپر کنویں میں ڈال دیا گیا (جو پانی لینے کے کام نہیں آتا تھا)' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے وہاں تشریف لائے اور ان (مشرکوں) کے نام لے لے کر (ان کو) مخاطب کیا اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اس چیز کو حق اور درست پایا جس کا تم سے اللہ نے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا؟ میں نے تو اس چیز کو حق اور درست پایا جس کا مجھ سے میرے اللہ نے وعدہ فرمایا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ بھی بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکوں کی لاشوں سے اس طرح مخاطب دیکھ کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جو

روحوں سے خالی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہاں وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے (مطلب یہ کہ میری بات جس طرح تم سن رہے ہو اسی طرح یہ سب بھی سن رہے ہیں بس فرق یہ ہے کہ انہیں جواب دینے کی قدرت کو حاصل نہیں ہے''۔ (مسلم)

تشریح: قولہ : **فجعلت اقول لعمر أما تراہ فجعل لا یراہ:** امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے جملہ **مجعل لا یراہ** لایا جو کہ **جعلت** کے ہم الفاظ بنانا مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ میں بار بار انہیں چاند دکھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ نہیں دیکھ پا رہے تھے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مشاکلت کے لئے دونوں جگہ **جعل** کا لفظ استعمال کیا، جیسے قرآن کریم میں جملہ **فلا تحسبنھم بمفارۃ من العذاب** کو جملہ ﴿**لا تحسبن الذین یفرحون**﴾ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور کوئی بعید نہیں کہ یہ کہا جائے کہ اس کی تقدیری عبارت میں یوں ہے: **فجعل عمر بطالع:** کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آسمان کو دیکھتے رہے لیکن اس وقت انہیں چاند نظر نہیں آ رہا تھا۔ (**قال: یقول عمر**): جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاند کو باوجود کوشش کے نہ دیکھ پائے تو اس موقع پر فرمایا۔ (**سأراہ..... فراشی**): جملہ **وانا مستلق انح سأراہ** کے فاعل یا مفعول سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ رہنے دو، عنقریب بغیر مشقت کے دیکھ ہی لوں گا، اس وقت دیکھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے، کہ اس وقت اس چاند کو دیکھنے کی مجھے کوئی زیادہ فکر نہیں، کہ مشقت کی جائے بعد میں بغیر کسی تکلیف کے دیکھ ہی لوں گا۔

(**ثم انشأ**): انشأ، ابتداء (شروع کرنے) کے معنی میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے معجزہ کو بیان فرمانے لگے۔ (**عمر یحدثنا...... یرینا**): لفظ **یرینا** یاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ بمعنا (بتانے) کے معنی میں ہے۔ (**یقول...... فلان**): اس فلان کے بعد بھی لفظ غداً ہے، چنانچہ ایک نسخہ میں صراحتاً بھی موجود ہے۔ (**ان شاء اللہ**): اس طرح آنحضرت ﷺ نے ستر کے ستر سرغنوں کی ایک ایک کر کے گرنے کی جگہیں بتلائیں۔

حق یہاں ''صدق'' کے معنی میں ہے۔ (**الحدود التی حدھا ..... ﷺ**): سید جمال الدین رحمہ اللہ کے نسخہ میں جملہ **ما أخطاء** ثلاثی مجرد سے واحد متکلم کے صیغہ **ما اخطأ** کے ساتھ منقول ہے، (اس صورت میں معنی یہ ہوگا، کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئی کو بیان کرنے میں بالکل غلطی نہیں کی ہے مجھے خوب یاد ہے، اور آپ کے اس معجزہ کو خوب جانتا اور واقف ہوں۔

لیکن اس کا دارومدار اس پر ہے کہ **اخطاؤ** میں واؤ کو کتابتاً ساقط کریں، اس صورت میں واحد مذکر غائب کا صیغہ بھی بن سکتا ہے اور ضمیر مستتر اللہ تعالیٰ یا ذات نبی کریم کے طرف لوٹے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فجعلوا: یہ فعل مجہول ہے۔ (**فی بئر**): اول صفت **مھجور** محذوف ہے، پانی سے خالی کنویں میں۔ (**بعضھم..... فلان**): دونوں نون کے فتحہ کے ساتھ یہ کنایہ ہے ناموں سے۔ (**ھل..... حقاً**): حدیث کے اس حصے سے آیت: ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الاعراف: ٤٤] ''اور اہل بہشت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ

ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا اس کو ہم نے سچا پالیا۔ بھلا جو وعدہ تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچ پایا؟ وہ کہیں گے ہاں تو اس وقت ایک پکارنے والا پکار دے گا کہ بے انصافوں پر خدا کی لعنت۔'' کی طرف اشارہ ہے، ان لوگوں نے بھی نعم ہی کہہ دیا ہوگا، چاہے زبان قال سے کہا ہو یا زبان حال سے۔ (فقال عمر ...... فیھا): یعنی بظاہر اعتبار کمال کے یہ روحوں سے خالی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیسے مخاطب فرمارہے ہیں؟ (...... منھم): منھم، جار مجرور اسمع کے ساتھ متعلق ہے، معنی یہ ہے: کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، ہاں وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یا وہ اس طرح جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے کہ تمہیں ان کا جواب سنائی دے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کی اطلاع

۵۹۳۹: وَعَنْ اُنَیْسَةَ بِنْتِ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ عَنْ اَبِیْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی زَیْدٍ یَعُوْدُهٗ مِنْ مَرَضٍ کَانَ بِهٖ قَالَ لَیْسَ عَلَیْكَ مِنْ مَرَضِكَ بَاْسٌ وَلٰکِنْ کَیْفَ لَكَ اِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِیْ فَعَمِیْتَ قَالَ اَحْتَسِبُ وَاَصْبِرُ قَالَ اِذَنْ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ قَالَ فَعَمِیَ بَعْدَ مَا مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّاللّٰهُ عَلَیْهِ بَصَرَهٗ ثُمَّ مَاتَ۔

أخرجه البیهقی فی دلائل النبوة ٤٧٩/٦۔

ترجمہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت انیسہ رضی اللہ عنہا اپنے والد (حضرت زید بن ارقمؓ) سے روایت کرتی ہیں کہ زید بن ارقمؓ کو کوئی تکلیف تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اس مرض کا تمہیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ تم بالکل اچھے ہو جاؤ گے) لیکن اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہوگی اور تمہاری بینائی جاتی رہے گی؟ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ثواب کی امید رکھوں گا اور (اپنے رب کے حکم پر) صبر کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا یہ جواب سن کر) فرمایا: پھر تو تم بغیر حساب کتاب کے جنت میں جاؤ گے''۔ راوی نے (خواہ وہ حضرت انیسہ رضی اللہ عنہا ہوں یا ان کے علاوہ دوسرا) بیان کیا ہے کہ زید بن ارقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نابینا ہو گئے تھے) پھر (بہت زمانہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت لوٹا دی اور پھر ان کا انتقال ہوا۔''

راوی حدیث:

انیسہ بنت زید بن ارقم کا نام ''الاکمال'' میں مؤلف علیہ الرحمہ نے ذکر نہیں کیا ان کے والد زید بن ارقم صحابی ہیں ان کے حالات جلد دوم' حدیث ۳۵۷ کے تحت گزر چکے ہیں ''انیسہ'' تصغیر کے ساتھ ہے 'جلیسہ' کی طرح۔

(وعن أنیسة): تصغیر کے وزن پر۔ أنیسة کی تصغیر ہے، جیسے جُلَیْسه۔ (بنت زید بن ارقم): جو کہ نامور صحابی حضرت زید بن ارقم کی بیٹی ہیں، لیکن مؤلف نے ان کے حالات ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ کتب رجال میں ان کے حالات اور ان کا تذکرہ نہیں

ملتا ہے، اس لئے البانیؒ نے فرمایا: یہ مجہول الحال ہیں۔

تشریح:(ان النبی ﷺ دخل علی زید): یہاں زید سے بذات خود مراد ہیں، یہ اسلوب تجرید، یا التفات سے تعلق رکھتا ہے، یا یہ بعد کے کسی راوی کا تصرف ہے، جس کو ادراج کہا گیا ہے۔(**یعو دہ...... کیفلك**): یعنی **کیف لك حالاً** یامالاً ہے۔(**اذ عمرت**): لفظ "**عمیت**" میم پر تشدید بمع کسرہ کے۔

عمیت میم کے کسرہ کے ساتھ۔ **اذا** بتنوین کے ساتھ ہے، جب کہ ایک نسخہ میں بغیر تنوین کے صرف اذا ہے۔

تدخل :امام جزری رحمہ اللہ والے نسخہ میں فعل **تدخل** رفع کے ساتھ ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ "**ان تدخل**" کا معنی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کے مستحق ہونے کے ہو۔(**فعمی...... ثم مات**): آنحضرت ﷺ کی مذکورہ پیشینگوئی حرف بحرف صادق آئی کہ جس بیماری میں آنحضرت ﷺ زیدؓ کی عیادت کو گئے تھے، اس سے وہ صحت یاب ہو گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد ان کی بینائی جاتی رہی۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے اس پیشینگوئی کے وقت حضرت زید بن ارقم کے سامنے ان کی بینائی کے پھر بحال ہونے کا جوذکر نہیں فرمایا، تو اس کی وجہ شاید آپ ﷺ کی یہ خواہش ہوگی کہ اس صورت میں زید بن ارقم صبر میں زیادہ سے زیادہ تکلیف برداشت کریں گے، جس پر ان کو زیادہ سے زیادہ اجر وثواب ملے، اگر ان کو یہ بات بھی پہلے ہی معلوم ہو جاتی، تو ان کو اتنی زیادہ اذیت اور پریشانی نہ ہوتی، اور نہ ان کو کامل صبر کا وہ مقام نصیب ہوتا، جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ان کو حاصل ہوئی۔

ایک کذاب کو زمین کے پناہ نہ دینے کا واقعہ

۵۹۴۰: وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ بَعَثَ رَجُلاً فَكَذَّبَ عَلَيْهِ فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوُجِدَ مَيِّتاً وَقَدِ انْشَقَّ بَطْنُهٗ وَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ۔ (رواهما البيهقي في دلائل النبوة)

أخرجه البيهقي في دلائل النبوة ۶/۲۴۵۔ في المخطوطة "امقدار"۔

ترجمہ: "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس شخص نے (قصداً) میری جانب کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کہی تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے اور اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو (کچھ لوگوں کی طرف یا کسی شخص) کے پاس بھیجا تو اس نے آپ ﷺ کی طرف سے کوئی جھوٹی بات بنا کر کہی' (جب) رسول اللہ ﷺ (پر یہ منکشف ہوا یا کسی ذریعہ سے آپ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو (آپ ﷺ) نے اس شخص کے حق میں بددعا فرمائی۔ چنانچہ وہ شخص (ایک دن) اس حال میں مردہ پایا گیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور (جب اس کو دفن کیا گیا تو) زمین نے اس کو قبول نہیں کیا"۔ دونوں روایتوں کو بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے"۔

تشریح: تقول: واؤ کی تشدید کے ساتھ باب تفعُّل سے ہے۔ جھوٹ اور افتراء کے معنی میں ہے۔ **علی ما لم اقل**:

متعمدًا کی قید محذوف ہے، چنانچہ ایک نسخے میں بھی ہے۔(**فلتبوأ...... النار**): یہ حدیث اتنی مشہور ہے کہ متواتر کے درجہ میں ہے، اس کو ہم نے اپنی جگہ میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔(**فدعا علیه...... الارض**): حدیث کے آخری الفاظ اس بات کی علامت ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے دوزخی قرار پایا، اور یہ روایت امام جوینی رحمہ اللہ کے اس قول کی بھی تائید کرتی ہے، جوانہوں نے فرمایا کہ قصداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرنے والا (یعنی جھوٹی حدیث گھڑنے والا) کافر ہوجاتا ہے۔

تخریج: ان دونوں حدیثوں کو جو کہ ابھی ایک ساتھ نقل ہوئیں' بیہقی نے دلائل النبوہ میں نقل کیا ہے۔

کھانے میں برکت

۵۹۴۱: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهٗ رَجُلٌ يَسْتَطْعِمُهٗ فَاَطْعَمَهٗ شَطْرَ وَسَقِ شَعِيْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَاكُلُ مِنْهُ وَامْرَاَتُهٗ وَضَيْفُهُمَا حَتّٰى كَالَهٗ فَفَنِيَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۷۸٤/٤ حدیث رقم ۲۲۸۱/۳ و احمد فی المسند ۳۳۷/۳

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا مانگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آدھا وسق جو عطا فرمایا (اس نے وہ جَو لے کر گھر میں رکھ دیئے اور پھر) نہ صرف خود وہ شخص بلکہ اس کی بیوی اور ان دونوں کے (ہاں آنے جانے والے) مہمان مستقل انہیں میں سے لے کر کھاتے تھے (لیکن وہ جو ختم نہیں ہوتے تھے' یہاں تک کہ ایک دن' اس شخص نے (باقی ماندہ) جوؤں کو ماپ لیا (جس کا اثر یہ ہوا کہ) پھر وہ جو بہت جلد ختم ہوگئے' اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (اور صورت حال عرض کی) [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس جو کو نہ ماپتے تو تم لوگ ہمیشہ انہیں میں سے لے کر کھاتے رہتے اور (میری دعا برکت کے سبب [illegible] (جوں کے توں) تمہارے پاس باقی رہتے''۔(مسلم)

تشریح: ''شطر'' سے نصف وسق مراد ہے، اور وسق ساٹھ صاع یا ایک اونٹ کے بوجھ جتنا ہوتا ہے۔ [illegible] یہ بھی ممکن ہے کہ شطر سے کچھ تھوڑا سا حصہ مراد ہو۔ اس لئے کہ شطر بعض کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہ ﴿**فولوا وجوهكم** [illegible]﴾ [illegible] میں ہے، یہاں مقام بھی اسی معنی کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی تاثیر کو بیان کرنا ہے، جو کہ قلیل [illegible] کثیر ہونے پر زیادہ واضح ہوسکتی ہے۔

لفظ ''شطر'' کی پوری تحقیق حدیث: **الطهور شطر الایمان** میں گزر چکی ہے۔(**فما زال...... وامرأته**) [illegible] یاکل مرفوع ہے رجل کے ساتھ امرہ کے لفظ لانے کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں اس کو کھاتے رہے۔(**وضیفهما**): لفظ ضیف مذکر و مؤنث مفرد، جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

کھانے کے مشکوک ہونے کا انکشاف

۵۹۴۲: وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَ نْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَازَةِ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِي الْحَافِرَ يَقُوْلُ اَوْ سِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ اَوْ سِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَهُ دَاعِيْ امْرَاتِهِ فَاَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ فَجِئَ بِا لطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَكَلُوْا فَنَظَرْنَا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِيْ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اُخِذَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَاَرْسَلَتِ الْمَرْاَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّقِيْعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرٰى لِيْ شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلَى جَارِلِي يَاقَدِ اشْتَرٰى شَاةً اَنْ يُّرْسِلَ بِهَا اِلَيَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلَى اِمْرَاتِهِ فَاَرْسَلَتْ اِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمِيْ هٰذَا الطَّعَامَ الْاُ سَرٰى۔

(رواہ ابوداود والبیھقی فی دلائل النبوۃ)

أخرجه ابو داؤد فی السنن ٦٢٧/٣ حديث رقم ٣٣٣٢

ترجمہ: ''حضرت عاصم بن کلیب (تابعی) اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری شخص (یعنی ایک انصاری صحابیؓ) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے (قبرستان پہنچ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبر کے پاس کھڑے گورکن کو ہدایات دے رہے تھے' آپ ﷺ اس (گورکن) سے فرماتے تھے کہ پائینتی کی جانب سے قبر کو کشادہ کر دو اور سر کی جانب سے اور کشادہ کر دو۔ پھر جب آپ ﷺ (تدفین سے فارغ ہو کر قبرستان سے) واپس ہونے لگے' تو سامنے سے ایک شخص نے آ کر آنحضرت ﷺ کو میت کی بیوی کی طرف سے کھانے کی دعوت دی جس کو آپ ﷺ نے قبول فرما لیا ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے (کیونکہ یا تو اس عورت نے جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کو کھانے پر بلایا تھا یا یہ کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے طفیل میں ساتھ ہو لئے) جب کھانا لایا گیا تو آپ ﷺ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ بڑھائے اور کھانا کھانے لگے' لیکن پھر (کھانا کھاتے کھاتے) ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ (نے جو پہلا) لقمہ (منہ میں ڈالا تھا اسی) کو چبائے جا رہے ہیں (ابھی ہم حیرت سے یہ دیکھ ہی رہے تھے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس گوشت کو ایک ایسی بکری کا گوشت محسوس کر رہا ہوں جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ اس عورت (کو آنحضرت ﷺ کی اس بات کا علم ہوا تو اس) نے آدمی بھیج کر صورت حال وضاحت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک آدمی کو بکری خریدنے کے لئے نقیع بھیجا تھا۔ وہ (نقیع) ایک جگہ کا نام ہے جہاں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے لیکن وہاں بکری دستیاب نہیں ہوئی تو میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی کہ جس قیمت پر وہ بکری خریدی ہے اسی قیمت تو اس بکری کو میرے ہاتھ فروخت کر دے' لیکن وہ پڑوسی بھی اپنے گھر نہ ملا تب میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے وہ بکری

میرے پاس بھیج دی۔ (یہ تفصیل سن کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو''۔

تشریح: **قوله :عن عاصم بن كليب**: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے والد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

جنازه: جیم کے کسرہ اور فتحہ ہر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔ (**يوصى الحافر**): صاد کو تخفیف اور تشدید ہر دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، یہ جملہ بھی حالیہ ہے، لفظ **رسول الله** سے حال ثانی ہے۔ (**يقول**): یہ **يوصى** سے بدل یا عطف بیان ہے۔ (**اوسع**): امر کا صیغہ ہے۔ ''**قبل**'' کے قاف پر کسرہ اور باء پر فتحہ ہے۔

میت کے کھانے کے سلسلہ میں ہمارے فقہاء کے جو اقوال ہیں، بظاہر یہ حدیث ان کے خلاف ہے، ہمارا مذہب یہ ہے کہ میت کے گھر پہلے اور تیسرے یا ہفتہ بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔

جیسا کہ بزازیہ میں لکھا ہے کہ ''خلاصہ'' میں مذکور ہے کہ تیسرے دن ضیافت کرنا مباح نہیں ہے۔ زیلعی نے کہا ہے: کہ تین دن تک (غم منانے کے لئے) بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ ممنوع چیزوں کا ارتکاب نہ ہو، جیسے بچھونے بچھانا اور دعوت وضیافت کا اہتمام کرنا۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے: کہ اہل میت کا ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ ان تمام فقہاء نے علت یہ بیان کی کہ ضیافت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں۔ اور ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل میت کی ضیافت (جو غمی میں دی جاتی ہے) **بدعت مستقبحه** (بری بدعت) ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت نقل کی ہے: **كنا تعد الاجتماع الحاصل الميت وصنيعهم الطعام من النياحة**۔اھ۔ کہ (تدفین کے بعد) میت کے گھر میں لوگوں کے جمع ہونے اور اہل میت کی طرف سے کھانا دیئے جانے کو ہم نوحہ میں شمار کرتے تھے (جس کی سخت ممانعت ہے)۔

پس عاصم بن کلیب کی روایت کردہ مذکورہ حدیث چونکہ فقہاء کے اقوال کے خلاف جاتی ہے، اس لئے اس حدیث اور فقہی روایات کے درمیان تطبیق کی خاطر ضروری ہے کہ فقہاء کے اقوال کو یا تو خاص نوعیت کے ساتھ مقید کیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ فقہی روایتوں کے مطابق میت کے گھر لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جو ممانعت ہے، وہ اس صورت میں ہے، جب کہ لوگ محض رسمی طور پر، یا دکھلاوے کے لئے میت کے گھر اکٹھے ہوں، اور اہل میت کو شرما شرمی ان کے کھانے کا انتظام کرنے پر مجبور ہونا پڑے، یا ان فقہی روایتوں کو اس صورت پر محمول کیا جائے، جس میں کھانے کا انتظام میت کے ترکہ میں سے ہو، اور ورثاء میں سے کچھ نابالغ ہوں، یا موجود نہ ہوں، اور ان کی اجازت ورضاء معلوم نہ ہو، یا یہ کہ کھانے کا انتظام کسی شخص نے اپنے ذاتی مال سے نہ کیا ہو، بلکہ میت کے اس مال سے کیا ہو جو ورثاء کے درمیان تقسیم نہ ہوا ہو، ان کے علاوہ کچھ دوسری صورتیں بھی ہیں جن میں میت کا کھانا مختلف اسباب کی بناء پر مکروہ ہے۔

(جیسے ہمارے علاقوں میں مقررہ تاریخوں میں کھانا پکا کر محض نام ونمود کے لئے کھلایا یا بانٹا جاتا ہے، بعض لوگ تو بیچارے قرض اور ادھار کر کے اس طرح کے اسراف کا مرتکب ہوتے ہیں)

قاضی خان کا یہ قول بھی انہی صورتوں پر محمول ہے: کہ غمی اور مصیبت کے دنوں میں ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے، کیونکہ یہ ایام

رنج والم کے اظہار کے ہیں، اور جو چیز خوشی اور مسرت کے موقع کی غماز ہوتی ہے، اس کو غمی کے موقع پر اختیار کرنا نہایت غیر موزوں ہے۔ ہاں اگر میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے فقراء کو کھلانے کے لئے کھانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ بے شک اچھا عمل ہوگا۔

جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال میں سے کھانے کا اہتمام کر کے لوگوں کو تین دن تک کھلایا جائے، تو زیادہ صحیح روایت کے مطابق یہ وصیت سرے سے باطل قرار پائے گی، گو بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ وصیت تہائی مال میں جائز ہوگی، اور یہی قول زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

(خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں غور کیا جائے، جن کو ممنوع اور مکروہ کہا گیا ہے، تا کہ حقیقت واضح ہو جائے، تا کہ حرام اور کراہت والی تمام صورتوں سے اجتناب ہو، کیونکہ جو بھی صورتیں اور قسمیں ہمارے ہاں رائج ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے اور کسی نہ کسی سبب کی بناء پر ممنوع اور مکروہ صورتوں اور قسموں کے دائرۂ حکم سے باہر نہیں جاتیں، کہیں ممانعت اور کراہت کا کوئی ایک سبب پایا جاتا ہے اور کہیں متعدد اسباب پائے جاتے ہیں)

(فنظرنا رسول الله): رسول الله مجرور ہے "الی" مقدر ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ میں صراحتاً موجود ہے۔ **(یلوك لقمة فی فیه)**: نہایہ میں ہے: **اللوك، ادارة الشیئ فی الفم** ۔ کسی چیز کو منہ میں اِدھر اُدھر گھمانا، (ہم ابھی حیرت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ آپ ﷺ فرمانے لگے۔ **(اجد لحمه شاةٍ أخذت)**: ایک اور نسخہ میں (اخذت کی جگہ) **"اتخذت"** کا لفظ ہے۔ **(بغیر اذن اھلھا...... النقیع)**: لفظ "نقیع" نون کے ساتھ۔ **(وھو موضع یباع فیه الغم)**: یہ الفاظ اصل روایت کا خبر نہیں، بلکہ کسی راوی نے "نقیع" کی وضاحت کے لئے روایت میں شامل کئے ہیں۔ تہذیب میں لکھا ہے: مدینہ منورہ سے وادی عقیق کی جانب تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے، جہاں زمانہ قدیم میں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

مقدمہ میں ہے: یہ مدینہ کے مشرقی جانب ایک جگہ کا نام ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ لفظ اصل میں "نقیع" ہے، جن لوگوں نے باء کے ساتھ بقیع ضبط کیا ہے، غلط ہے اور یہ فعل اور اس کے متعلق کے درمیان جملہ معترضہ ہے، فعل "ارسلت" المراۃ ہے، اور متعلق **"لیشتری لی شاۃ"** ہے۔ میں لیشتری فعل مجہول ہے۔ **(فلم توجد...... یرسل)**: یرسل کی ضمیر فاعل الجار کی طرف لوٹ رہی ہے۔

میت کی بیوی نے بکری حاصل کرنے کی جو تفصیل بیان کی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بکری درست طور پر خرید کر حاصل نہیں کی گئی تھی، کیونکہ اس ہمسایہ کی رضامندی جو کہ بکری کا اصل مالک تھا اس بکری کی فروختگی کے لئے صراحتاً حاصل نہیں تھی، اس بکری کی خرید و فروخت کے مذکورہ معاملہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس صورت کے قریب تھا جس کو فقہاء نے بیع فضولی سے تعبیر کیا ہے، اور اس صورت میں بیع کا صحیح ہونا مالک کی اجازت کے حصول پر موقوف رہتا ہے۔ بہر حال یہ بات طے تھی کہ اس بکری کا گوشت "مشتبہ مال" تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس گوشت کو آپ ﷺ کے پیٹ میں جانے سے روکا۔

قولہ: **فقال: رسول الله ﷺ اطعمی ھذا الطعام الاسرای**: الاسرای، "اسیر" کی جمع ہے، قیدی سے مراد جنگی

قیدی ہیں اور جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ مفلس تھے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ کافر تھے، اس وقت چونکہ بکری کا اصل مالک موجود نہیں تھا، جس کی اجازت اور رضا مندی حاصل کر کے بکری کی خریداری کو درست قرار دیا جاتا اور اس کے گوشت سے تیار شدہ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کھانا جائز ہوتا۔

اور وہ کھانا خراب ہو جاتا اور ان کو کھانا کھلائے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پورا کھانا قیدیوں کو کھلانے کا حکم دے دیا۔ (طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

تاہم اس بکری تلف ہونے کی وجہ سے مالک کو اس کی پوری قیمت اداء کرنا اس عورت کے لئے ضروری قرار پایا تھا، جس کو اس نے اداء بھی کیا، لہٰذا اس کھانے کا ان قیدیوں کو کھلانا عورت کے طرف سے صدقہ کے حکم میں ہو گیا۔

قولہ : رواہ ابوداوٗد والبیھقی فی دلائل النبوۃ :یہ متعلق ہے ''روی'' محذوف کے، جو کہ ''البیھقی'' سے پہلے محذوف ہے۔ فتدبر

حدیث اُمّ معبد رضی اللہ عنہا

۵۹۴۳:وَعَنْ حِزَامِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ حُبَيْشِ بْنِ خَالِدٍ وَهُوَ اَخُ اُمِّ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُخْرِجَ مِنْ مَكَّةَ خَرَجَ مُهَاجِرًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَمَوْلٰى اَبِىْ بَكْرٍ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَدَلِيْلُهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ اللَّيْثِىُّ مَرُّوْا عَلٰى خَيْمَتَىْ اُمِّ مَعْبَدٍ فَسَئَلُوْهَا لَحْمًا وَتَمْرًا لِيَشْتَرُوْامِنْهَا فَلَمْ يُصِيْبُوْا عِنْدَهَا شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ وَكَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى شَاةٍ فِىْ كَسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجُهْدُ عَنِ الْغَنَمِ قَالَ هَلْ بِهَا مِنْ لَّبَنٍ قَالَتْ هِىَ اَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اَتَاذِنِيْنَ لِىْ اَنْ اَحْلُبَهَا قَالَتْ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اِنْ رَاَيْتَ بِهَا حَلْبًا فَاحْلِبْهَا فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِيَدِهِ ضَرْعَهَا وَسَمّٰى اللّٰهَ تَعَالٰى وَدَعَا لَهَا فِىْ شَاتِهَا فَتَفَاجَتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَجْتَرَّتْ فَدَعَا بِاِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَسَقٰى اَصْحَابَهٗ حَتّٰى رَوُوْا ثُمَّ شَرِبَ اٰخِرُهُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰى مَلَاَ الْاِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا۔

أخرجه البغوی فی شرح السنة ۲۶۱/۱۳ حدیث رقم ۳۷۰٤

ترجمہ: ''حضرت حزام بن ہشام اپنے والد (حضرت ہشام) سے اور وہ حزام کے دادا (یعنی اپنے والد) حبیش رضی اللہ عنہ سے جو اُم معبد رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں' روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکہ سے نکلنا پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ

روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ اور ان دونوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو راستہ بتانیوالے عبداللہ لیثی (یہ چاروں حضرات) امّ معبد کے دوخیموں کے پاس سے گزرے ان حضرات نے امّ معبد سے کچھ گوشت اور کھجوریں خریدنی چاہیں لیکن انہیں اُم معبد کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ ملی کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر لوگ قحط زدگی اور بے سروسامانی کا شکار تھے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری کی طرف گئی' جو خیمہ کی ایک جانب (بندھی کھڑی) تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بکری دیکھ کر پوچھا کہ اُم معبد! اس بکری کو کیا ہوا؟ اُم معبد نے جواب دیا: اس کے دبلے پن نے اس کو ریوڑ سے الگ کر رکھا ہے (یعنی اتنی کمزور اور لاغر ہے کہ چرنے کے لئے دوسری بکریوں کے ساتھ چراگاہ تک نہیں جاسکتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُم معبد نے کہا: ایسی حالت میں یہ دودھ کہاں سے دے سکتی ہے (مطلب یہ کہ ذرا بھی دودھ دینے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوھ لوں؟ اُم معبد نے کہا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس میں دودھ معلوم ہوتا ہو تو ضرور دوھ لیں (یعنی جب اس میں سرے سے دودھ ہے ہی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دوہیں گے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر بکری کو منگوایا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا' بسم اللہ پڑھی اور اُم معبد کے لئے ان بکری کے تئیں برکت کی دعا فرمائی' چنانچہ بکری نے دودھ دینے کے لئے اپنے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھول دیئے (جیسا کہ دودھ والے جانور کی عادت ہوتی ہے' کہ وہ دوہے جانے کے وقت اپنے دونوں پاؤں کو پھیلا دیتا ہے)۔ پھر وہ بکری دودھ بہانے دودھ چھوڑ دیا اور جگالی کرنے لگی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اتنا بڑا برتن منگایا جو ایک جماعت کو شکم سیر کرے اور اس برتن میں خوب بہتا ہوا دودھ دوہا یہاں تک کہ دودھ کا جھاگ برتن کے اوپر تک آ گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ پہلے اُم معبد کو پلایا حتی کہ وہ خوب سیر ہوگئی پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی اچھی طرح سیر ہو گئے اور سب سے آخر میں آپ نے خود پیا' پھر پہلی مرتبہ دوہنے کے (کچھ دیر) بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اسی برتن میں دودھ دوہا' یہاں تک کہ وہ برتن دودھ سے لبریز ہو گیا اور وہ دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم معبد کے پاس چھوڑ دیا (تا کہ وہ اپنے خاوند کو بھی یہ معجزہ دکھادیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم معبد کو مسلمان کیا اور سب اس کے ہاں سے روانہ ہو گئے ...... اس روایت کو بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں' ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے نیز حدیث میں واقعہ کی اور بھی تفصیل ہے۔

راویٔ حدیث:

حبیش بن خالد۔ یہ حبیش بن خالد ''خزاعی'' ہیں۔ فتح مکہ کے دن شہید ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید کے ساتھ تھے۔ ان سے ان کے بیٹے ''ہشام'' نے روایت حدیث کی ہے حبیش حاء کے پیش بائے موحدہ کے زبر یائے تحتانی کے سکون اور شین معجمہ کے ساتھ ہے۔

امّ معبد بنت خالد۔ یہ ''امّ معبد'' ہیں۔ ''بنوخزاعہ'' میں سے ہیں۔ ان کا نام ''عاتکہ'' ہے۔ خالد کی بیٹی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس وقت مسلمان ہوئیں جب کہ سفر ہجرت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہاں راستہ میں قیام فرمایا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ آ کر مسلمان ہوئیں۔ ان کی مشہور حدیث ''حدیث امّ معبد کے نام'' سے متعارف ہے۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اسماء کی تفصیل بیان نہیں فرمائی ہے۔ (عن جده جبیش): لفظ "حبیش" حاء مہملہ کے ضمہ، باء کے فتحہ یاء کے کسون پھر شین معجمہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں بجائے "حاء" کے خاء معجمہ، نون اور سین مہملہ کے ساتھ "خنیس" منقول ہے لیکن جامع الاصول کے قول کے مطابق صحیح ترین قول پہلا ہے، اسی لئے مصف رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی پر اکتفاء کیا ہے۔

(اخو امّ معبد): امّ معبد کا اصل نام عاتکہ بنت خالد فزاعیہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت کے موقع پر جب ان کے خیمہ میں تشریف لائے تھے، اس وقت یہ حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

بعض کہتے ہیں: کہ یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھی، آپ کی ذات گرامی کے برکات کو دیکھنے کے بعد بہت متاثر ہوئی تھی، پھر مدینہ منورہ آکر مشرف با اسلام ہوئی۔ یہ حدیث: حدیث امّ معبد کے نام سے بہت مشہور ہے۔

اخرج فعل مجہول ہے۔ (من مکة): مکہ سے، یا یہ مطلب یہ ہے کہ جب اہل مکہ آپ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا باعث بنے (لیکن اپنے مشن کے مطابق کامیابی نہیں ہوئی) بلکہ خود آنحضرت اپنے اختیار سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ اسی کی طرف اشارہ فرمایا لفظ خرج سے۔ (مهاجرا): یعنی اہل مکہ کے کفر وشرک سے بیزار ہوئے، اور ہجرت کر کے۔ (الی المدینة): مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جہاں کے لوگ پہلے ہی سے انصار بن چکے تھے، ساتھ آپ کے کبار صحابہ بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ (هو...... فهيرة): لفظ فهیره فاء کے ضمہ اور ھاء کے فتحہ کے ساتھ۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نام ونسب کی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ (ودليلهما): یہاں دلیل سے مراد آنحضرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راستہ بتانے والے (گائیڈ)۔ (عبد الله الليثي): سے مراد ہے۔ (عبد الله): یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دار ارقم کو اپنا مرکز نہیں بنایا تھا، کہ یہ مسلمان ہوئے، بعض شارحین نے یہ ذکر کیا ہے، لیکن مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا ہے۔ (مروا...... امّ معبد): لفظ خیمتی تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور اضافت کی وجہ سے نون گر گیا ہے۔ (وكان القوم مرملين): شرح السنہ میں ہے: مرملین، کا معنی قحط زدہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا نہ ملنا۔ مرمل اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کا خرچ ختم ہو گیا ہو، اور ارمل الرجل، اس وقت کہتے ہیں جب کھانے کی اشیاء بالکل ختم ہو گئی ہوں۔ (مسنتين): یعنی اس زمانے میں عام طور پر لوگ قحط زدہ اور بے سر وسامانی کا شکار تھے، اس کی ضرب المثل بھی ہے انست الرجل فهو مسنت (وہ آدمی قحط میں مبتلا ہو، وہ قحط زدہ ہے) (فنظر ..... الخميه): لفظ کسر کے کاف پر فتحہ اور کسرہ ہر دونوں جائز ہے، جبکہ سین پر سکون ہے، جس کا معنی ہے خیمہ کے ایک کنارہ پر، یعنی ایک کونہ میں۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لفظ "کسر الخیمة" کاف کے فتحہ اور کسرہ ہر دو کے ساتھ خیمہ کے کونہ کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے: کسر گھر کے کونہ کو کہتے ہیں، نیز خیمہ کے کنارہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ (...... خلفها): لفظ 'خلف' لام کی تشدید کے ساتھ۔ (الجهد): جیم کے ضمہ کے ساتھ کبھی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، یعنی لاغری اور کمزوری۔ (لبنٍ): یہاں 'من' تبعیضیہ ہے۔ (قال...... احلبها): لفظ "احلب، مصابیح کے نسخہ کے لحاظ سے باب نصر ینصر سے منقول ہے۔

قاموس میں لفظ حلب کا معنی تینوں حروف کی حرکتوں کے ساتھ تھنوں سے دودھ نکالنے کے ہیں۔ یعنی قاموس میں ضرب

اور نصر دونوں سے ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔

النہایۃ میں ہے: "حلبت الشاة والناقة اجلها حلبا" لام کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ (قالت...... حلباً): یہاں لفظ حلباً اصل میں حاء اور لام دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، اگرچہ کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ نیز یہ محلوباً کے معنی میں ہے، اور لبناً محذوف کی صفت ہے۔ (فاحلبها): صاحب مصابیح فرماتے ہیں: لفظ حلب متحرک ہے، مصدری اور اسم مفعول کے دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امّ معبد نے فرمایا' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اس میں سرے سے دودھ ہی نہیں، اگر ہو تو آپ دوھیں گے نا، پھر بھی اگر آپ کو کچھ معلوم ہوتا ہے، تو ضرور دودھ لیں۔

یہاں دعا، طَلَبَ (منگوانے) کے معنی میں ہے۔ (فمسح...... دعا لها): یہاں ضمیر مجرور بحر جرٗ امّ معبدؓ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (في شاتها): حضرت امّ معبد کی خاطر اس بکری کے حق میں دعا فرمائی، ایک نسخہ میں "في شأنها" کے الفاظ منقول اور لفظ شأن، حق میں' کے معنی میں ہے۔ (فتفاجت عليه): لفظ تفاجت جیم کی تشدید کے ساتھ، مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اور حضرت امّ معبد کے حق میں برکت کی دعا فرمائی، تو بکری نے دودھ دینے کے لئے اپنا پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کشادہ کر دیئے۔ جیسا کہ عام دودھ دینے والے جانوروں کی عادت ہوتی ہے۔ (ودرت): راء کی تشدید کے ساتھ، الدر سے ہے۔ (واجترت): راء مشددہ کے ساتھ۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: الجرہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جگالی کرنے لگی، جیسے اونٹ پیٹ سے غذا لے کر جگالی کرتا ہے، پھر اس کو نگل جاتا ہے۔ (فدعا...... الرهط): لفظ یربض باء کے ضمہ اور یاء کے کسرہ کے ساتھ ربض في المكان سے ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوتا ہے: شراب کا لوگوں کو زیادہ پینے کی وجہ سے سست اور بوجھل بنا کر زمین پر دراز ہونے کے لئے مجبور کر دینا، کہتے ہیں اربضهم الاناء: برتن نے ان کو سیراب کر دیا۔

ثجًا: اس کا معنی ہے، دودھ فوارہ کی طرح بہنے لگا۔

البهاء: اس کا مشار الیہ اللبن محذوف ہے، لفظ البهاء، باء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کا معنی "رغوه" سے کیا جاتا ہے۔ رغوه، راء کے فتحہ اور ضمہ ہر دونوں کے ساتھ اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھنے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ بهاء اور رغوه اس جھاگ کو کہتے ہیں، جو کسی چیز کے جوش مارنے کی وجہ سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ (حتى رويت): یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کی عزت کے خاطر فرمایا، ساتھ ساتھ اسلام کی ترغیب بھی ہو جائے، نیز بکری کی مالک بھی امّ معبد تھیں حق بھی ان کا بنتا تھا۔ (حتى رؤوا): رؤو، واو کے ضمہ کے ساتھ مبنی علی الضم ہے۔

بدء: باء کے فتحہ، دال کے سکون کے ساتھ۔ (وابن عبد البر...... قصة): اس حدیث میں جس واقعہ کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوچ فرما چکے تو ابو معبد دبلی اور لاغر بکریوں کو ہانکتے ہوئے آئے اور گھر میں دودھ دیکھا تو بولے: یہ کہاں سے (آیا) ہے؟ تو امّ معبد نے عرض کیا: ہمارے پاس سے ایک مبارک شخص کا گزر ہوا تھا۔ ابو معبد نے یہ سن کر کہا: یقیناً وہ ہستی قریش میں سے، وہی شخص ہے، جس کے بارے میں ہم نے وہ کچھ ذکر کیا جو ذکر کیا گیا اور بخدا میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اگر مجھے کسی بھی طرح کوئی موقع ملا تو میں ان کی ہم نشینی اختیار کروں گا اور ایسا ضرور کروں گا۔ صبح کے وقت مکہ

میں ایک آواز بلند ہوئی۔لوگ آواز تو سن رہے تھے مگر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ صاحب آواز کون ہے؟

جزی اللّٰہ رب الناس خیر جزائه
رفیقین حلا خیمتی امّ معبد
هما نزلا بالهدٰی واهتدیت به
فقد فاز من امسی رفیق محمد
فیالقصی ما زوی اللّٰہ عنکم
به من فعال لا تجاری وسؤدد
لیهن بنی کعب مقام فتاتهم
ومقعدها للمؤمنین بمرصد
سلوا اختکم عن شاتها واناثها
فإنکم ان تسألوا الشاة تشهد
فغادرها رهنًا لدیها لحالب
تردّدها فی مصدر ثم مورد

ان میں سے دو شعر جو زبانِ زد خاص وعام ہوئے' وہ یہ ہیں:

جزی اللّٰہ رب الناس خیر جزآئه ☆ رفیقتین حلا خیمتی ام معبد
هما نزلا ها بالهدی فاهتدت به ☆ فقد فاز من امسٰی رفیق محمد

''اللہ تعالیٰ جو تمام لوگوں کا رب ہے ان دو رفیقوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے۔دونوں ہدایت لے کر اترے پس ام معبد نے ہدایت قبول کی اور مراد کو پہنچا جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سفر میں رفیق رہا۔(یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ)۔''

محیٔ السنہ فرماتے ہیں: اہل مکہ جس آواز کو سن رہے تھے، وہ ایک مسلمان جن کی تھی، جو مکہ کے نیچے کی جانب گاتا ہوا جبل ابو قیس کے اوپر کے جانب جا رہا تھا، لوگ آواز تو سنتے رہے تھے لیکن ان کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتی ہیں: ہم کو خبر نہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں، اور اس بے خبری میں ہم کو تین دن گزر گئے، چوتھے دن ایک جن مکہ کے نیچے کی طرف سے چند اشعار گاتا ہوا نکلا، اس کی آواز لوگوں کو سنائی دیتی تھی، مگر گانے والا دکھائی نہ دیتا تھا، اور وہ جن مکہ کے اوپر کی طرف جا کر غائب ہو گیا، ان اشعار کے مفہوم سے میں سمجھ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: جب اس ہاتف کے اشعار حضرت حسان بن ثابت کو پہنچے تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

لقد خاب قوم غاب عنهم نبیهم
وقدس من یسری الیهم ویغتدي

ترحل عن قوم فضلت عقولهم
وحل على قوم بنور مجدد
هداهم به بعد الضلالة ربهم
و ارشدهم من يتبع الحق يرشد
و هل يستو ضلال قوم تسفهوا
عمايتهم وهادية كل مهتد
لقد نزلت منه على اهل يثرب
ركاب هدى حلت عليهم بأسعد
نبی يری ما لايری الناس حوله
ويتلو كتاب الله فی كل مسجد
وان قال فی يوم مقالة غائب
فتصديقه فی اليوم او فی ضحی الغد
ليهن ابا بكر سعادة جده
بصحبته من يسعد الله يسعد
ليهن بنی كعب مقام فتاتها
و مقعدها للمؤمنين بمرصد

عرضِ مرتب:

یہاں پر مناسب معلوم ہوا کہ ابواب المعجزات کا کچھ خلاصہ بیان کر دیا جائے:

معجزہ کی ضرورت:

معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز ہو تا کہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ کر سکے۔

حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے انسانوں اور آدمیوں میں سے نبی اور رسول بھیجے تا کہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطہ سے بندوں تک اپنے احکام پہنچائے۔

رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور ان کی ظاہری صورت اور دوسرے انسانوں کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے جو ان کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوں۔

نبی چونکہ اپنے دعویٰ نبوت میں یہ کہتا ہے کہ میں فرستادہ خداوند ہوں اس کا سفیر ہوں اور اس کے احکام و ہدایات لے کر آیا ہوں اور ہر دعویٰ کے لئے اسی کے مناسب دلیل ضروری ہوتی ہے اس لئے اس دعویٰ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے غیبی طور پر ایسے امور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق بالکل مجبور اور معذور ہو تا کہ مخلوق ان خارق عادت امور کو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھ کر یہ یقین کر لے کہ یہ تائید ربانی اور کرشمہ ایزدانی ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے نہ کہ رسول کا فعل اور نہ رسول کے ارادہ اور اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔

تعداد معجزات:

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایک ہزار تک پہنچے ہیں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر فرمائی ہے اور ائمہ حدیث نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے دلائل النبوۃ امام بیہقی اور امام ابونعیم کی۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک مستقل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔

حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادت ہے اور معجزہ ہے علماء نصاریٰ نے عہد قدیم کے معجزات کی تعداد ۶۷ لکھی ہے اور حضرت مسیح کے معجزات حمل کے وقت سے لے کر آسمان پر جانے تک ۲۷ گنوائے ہیں اور پھر آپ کے حوارین کے بیس معجزات شمار کئے ہیں لیکن ان واقعات کے لکھنے والوں کے پاس ان معجزات کی نہ کوئی سلسلہ سند موجود ہے اور نہ ان کے راویوں کے اور نہ ناقلوں کی عدالت اور ثقاہت کی کوئی دلیل ہے۔ بخلاف معجزات محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں۔

معجزات کا بالاختصار تذکرہ

معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان کا مختصراً بیان مندرجہ ذیل ہے۔

① پیشینگوئیاں:

صحیحین میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے امور کا ذکر فرمایا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا اور میرے اصحاب کو بھی اس کی خبر ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہیں یعنی وقوع کے بعد پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے کہ جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہو جائے پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی فلاں شخص ہے۔

نہایت اختصار کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے جو آپ ﷺ نے قبل از وقوع بیان فرمائیں۔

① خلافت راشدہ کی خبر دی۔

② خلافت راشدہ کی مدت کی خبر دی کہ وہ تیس سال ہوگی۔

③ شیخین کی خلافت کی خبر دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا۔

④ اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات عظیمہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میری امت کی سلطنت اتنی وسیع ہوگی جتنی مجھ کو سمیٹ کر دکھائی گئی۔

⑤ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی۔

⑥ فتح یمن، فتح شام، فتح عراق و مصر، فتح بیت المقدس و قسطنطنیہ کی پیشین گوئی فرمائی۔

⑦ جنگ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے ایک روز قبل نام بنام مقتولین بدر کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ فلاں شخص فلاں جگہ قتل ہو کر گرے گا چنانچہ جو جگہ جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔

⑧ ابی بن خلف کے قتل کی خبر دی کہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔

⑨ غزوہ خندق کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔

⑩ نجاشی کی وفات کی خبر دی۔

⑪ غزوہ موتہ میں جو امیر لشکر ہوئے حضور ﷺ نے عین وقت پر تفصیل و ترتیب کے ساتھ ان کی شہادت کی خبر دی۔

⑫ مرض الوفات میں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ خبر دی کہ میری وفات کے بعد میرے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے تو آ کر مجھ سے ملے گی۔

⑬ حضور ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ خیرات کرنے والی ہوگی وہ جلد تر مجھ سے ملے گی۔ چنانچہ حضرت زینب بنت جحشؓ جو کہ سب سے زیادہ خیرات کرنے والی تھیں سب بیویوں سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔

⑭ حضرت عثمانؓ و علیؓ کی شہادت کی خبر دی۔

⑮ جنگ جمل و صفین کی خبر دی۔

⑯ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

⑰ عبداللہ بن عباسؓ کے ابوالخلفاء ہونے کی خبر دی۔

⑱ عالم مدینہ کی خبر یعنی امام مالک کے ظہور کی خبر۔

⑲ عالم مکہ کی خبر۔ یعنی امام شافعیؒ کے ظہور کی خبر۔

⑳ عالم فارس کی خبر۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ کے ظہور کی خبر۔

㉑ خروج خوارج کی خبر۔

(۲۲) ظہور روافض کی خبر۔

(۲۳) قدریہ مرجیہ کے ظہور کی خبر۔

(۲۴) خروج دجالین یعنی مدعیان نبوت کے خروج کی خبر۔

(۲۵) منکرین حدیث کے خروج کی خبر۔

(۲۶) اسود عنسی مدعی نبوت کے قتل کی خبر۔

(۲۷) حضرت عباسؓ جو مال ام فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے اس کی خبر۔

(۲۸) شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مارے جانے کی خبر۔

(۲۹) فتن' زرل' علامات قیامت' خروج دجال' طلوع شمس از مغرب خروج دابۃ الارض اور خروج نار کی خبر۔

(۳۰) حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی باغی گروہ کے ہاتھوں شہادت کی خبر۔

معجزاتِ تیمن و برکت

ہر نبی و رسول کی ذات وصفات تیمن و برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر تیمن و برکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔ مثلاً

(۱): غزوہ خندق کے روز حضرت جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جو کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

(۲): حضرت ابوطلحہ کے مکان پر بھی جنھوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی اور دو' تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا اس تھوڑے سے کھانے سے آپ نے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

(۳): ایک دفعہ ایک صاع جَو اور ایک بکری کے بچہ کے گوشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔

(۴): حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس میں پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔

(۵): تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔

(۶): ایک دفعہ تمام لشکر پیاس سے بیتاب ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پیالے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔

(۷): ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حکم دیا کہ سب اہل صفہ کو بلا لاؤ جو ستر یا

اسی آدمی تھے سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔

⑧: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا حلوہ پکا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور حلوہ پہلے سے بھی زیادہ تھا۔

⑨: ام معبدؓ کی بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو اس بیمار اور لاغر بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔

استجابتِ دُعا

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے حق میں جو دعا فرمائی وہ قبول ہوئی اس قسم کے معجزات کو معجزات اللسانی بھی کہتے ہیں سیف زبانی اصطلاحی طور پر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے یہ خدا کے برگزیدہ اور مویدمن اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوا دیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ درخشاں کا کیا کہنا جو فرما دیا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا ویسا ہو کر رہا۔

①: حضرت انسؓ کے لئے برکت مال اور اولاد کی دعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بڑے دولتمند ہو گئے۔

②: عبدالرحمان بن عوفؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس قدر مالدار ہو گئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے۔

③: حضرت سعدؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے۔ چنانچہ سعدؓ جو دعا کرتے تھے وہ قبول ہوتی تھی۔

④: سراقہ نے بوقت ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اس نے ایمان قبول کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

⑤: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وحکمت کی دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم وحکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے۔

⑥: حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دعا کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے جو سنا اس میں سے کوئی چیز نہ بھولے۔

⑦: ابو ہریرہؓ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت نصیب فرمائی۔

⑧: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر ڈال کر دعا کی اس دعا پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

⑨: قریش نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر قحط نازل فرما

چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے قریش پر قحط نازل ہوا۔

(۱۰) مدینہ منورہ میں قحط پڑا جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی یارسول اللہ ﷺ بارش کے لئے دعا فرمایئے آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اسی وقت پانی برسنا شروع ہو گیا۔

معجزات شفاء امراض:

(۱) خیبر میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی آنکھیں دکھنے آ گئیں۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور پھر کبھی دکھنے نہیں آئیں۔

(۲) قتادہ بن النعمانؓ کی آنکھ نکل کر گر پڑی آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح و سلامت اور خوشنما ہو گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

(۳) عبداللہ بن عتیکؓ جب ابورافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی آپ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہو گئی گویا کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(۴) غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپ ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا اسی وقت شفاء ہو گئی۔

(۵) ایک نابینا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے اس کو ایک خاص دعا بتلائی اور فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعا مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت پوری کرے گا۔ اس نابینا نے اسی طرح دعا مانگی عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہو گیا۔

(۶) حبیب بن ابی فدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور وہ نابینا ہو گئے آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

(۷) حجۃ الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچے کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑک دو۔ دوسرے سال وہ عورت آئی تو وہ بچہ بالکل اچھا ہو گیا تھا اور بولنے لگ گیا تھا۔

(۸) محمد بن حاطبؓ بچپن میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے۔

(۹) ایک عورت اپنا بچہ لے کر حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس پر جنوں کا اثر ہے آپ ﷺ نے اس کا ناک پکڑ کر فرمایا نکل میں محمد اللہ کا رسول ہوں تو وہ بچہ بالکل تندرست ہو گیا۔

(۱۰) ابوہریرہؓ نے اپنے حافظہ کی شکایت کی کہ آپ ﷺ سے جو سنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ ﷺ نے اس میں اپنی دولپوں سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگا لو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا۔

غرض یہ کہ شفاء امراض کے متعلق اور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر دم کیا یا لعاب دہن لگایا یا ہاتھ پھیر دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

نباتات' جمادات' حیوانات کے متعلق معجزات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات اس قسم کے بھی ہیں کہ جن میں نباتات' جمادات' حیوانات نے از خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام یا حفاظت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے لئے حصہ لیا ہے اور ظاہری طور پر وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل نہ تھا۔ مثلاً مکڑی کا غار ثور پر جالا بننا' شہد کی مکھیوں کا حضرت عامرؓ یا حضرت عاصمؓ کے جسم کی حفاظت کرنا' کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور درخت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنا وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ عظیم کا عطا کیا جانا:

حقیقت یہ ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ السلام کے معجزات جملہ انبیاء ورسل کے معجزات سے بے حد وعدد زیادہ ہیں۔ نیز خوب واضح اور ظاہر ہیں بلکہ بعض معجزات تو ایسے مرحمت فرمائے گئے جو کسی بھی نبی کے حصے میں نہ آئے۔ نیز جتنے انبیاء کرام کو عطا کئے گئے ان کی مثل یا ان سے بھی بڑھ کر ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے اور ان کی وجوہ کثرت میں سے ایک معجزہ قرآن کریم ایسا ہے جو تمام کا تمام معجزات سے مرصع ہے۔ قرآن کریم کے اعجاز میں چھوٹی سے چھوٹی سورہ بھی معجزہ ہے اور محققین کے نزدیک سب سے چھوٹی سورت ہونے کا اعزاز اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کو حاصل ہے۔

براہان نبوت ونشانِ رسالت:

یہ تو اس باب کے ابتداء ہی میں ذکر کر دیا تھا کہ معجزہ، خرق عادت پر بولا جاتا ہے۔ جو نبوت ورسالت کے مدعی کی ذات سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس کا مقصد تحدی یعنی برابر کرنا کسی بھی کام میں نیز مخالف کو عاجز کر کے اس پر غالب آنا، محقق یہی ہے کہ معجزہ میں تحدی شرط نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت معجزات کا ظہور ہوا جن میں تحدی نام کی کسی شے کا وجود تک نہ تھا۔ تاہم کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس کی شان تحدی ہو اس تقدیر پر نبوت ورسالت کے دعویدار سے تحدی کے وقوع کی قید کافی ہے۔

اور یہ بات تو اچھی طرح شہرت رکھتی ہے کہ جو کچھ مدعی نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے اور جو کسی غیر نبی سے خرق عادت چیز واقع ہو اگر صاحب ایمان وتقویٰ کامل ہے اور اسے معرفت واستقامت حاصل ہے تو اسے ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ واقعتہً شامل ہے تو اسی کا نام کرامت ہے اور اگر معجزۂ ایماندار اور صالح سے صادر ہو تو اسے معونت کہا جاتا ہے۔

جب کسی فاسق وفاجر، بے دین یا کافر سے خرق عادت کوئی چیز ظاہر ہو تو اسے استدراج سے موسوم کرتے ہیں مگر یہ کہ توبہ اور اسلام پر منتج ہو۔ علم الکلام میں معجزات کے سلسلہ میں بکثرت ابحاث پائی گئیں ہیں۔ یہاں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جہاں تک یہاں ضرورت کا تعلق ہے۔ ان شاء اللہ العزیز ہمارا بیان بقدر ضرورت مفید ثابت ہوگا۔

جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام صاحب معجزات ہیں اور کوئی نبی بغیر معجزہ کے نہیں آیا اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم

کے معجزات ان تمام سے زیادہ واقع ہوئے ہیں۔ جو نہایت روشن منور واظہر اور مشہور ترین ہیں۔

آپ کے کلام میں معجزات کی عبارات دلائل وآیات سے مرصع ہیں جو کثیر ہیں۔ نیز آپؐ کی نبوت ورسالت پر توریت و انجیل اور صحائف انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں بکثرت دلائل اور بشارات موجود ہیں اور ان عجائب وغرائب امور کا جو آپ کی ولادت باسعادت اور بعثت کے وقت ظاہر ہوئے۔ جیسے آثار کفریہ کا مٹنا، مشرکانہ معبودوں کا ذلیل ہونا۔

مثلاً واقعہ اصحاب فیل، فارس کی آگ کا ٹھنڈا ہونا، محلات کسریٰ کے میناروں کا گرنا، ساوئی کا سمندر خشک ہو جانا، بت پرستوں کا خواب دیکھنا، غائبانہ آوازوں اور نداؤں کو سننا، جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت ورسالت اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اوصافِ حمیدہ کی علامات ہیں، مشہور ترین خبریں جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش مبارکہ کے وقت نیز زمانہ دودھ پینے سے لے کر اعلانِ بعثت و نبوت تک اور بعد از بعثت غالب وفاتح ہونے تک جن عجائبات جلیلہ کا ظہور ہوتا رہا وہ سبھی منقول ہو چکا ہے۔

جب کہ سید عالم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بظاہر اتنا مال و دولت نہ رکھتے تھے۔ جس کی تقسیم سے لوگوں کے دلوں کو مائل کیا جاتا ہے اور مال و دولت کے حصوں کی خاطر لوگ آپ کے گرویدہ ہو جاتے۔ نہ ہی بظاہر آپ کے پاس کوئی طاقتور فورس، لشکر تھا کہ لوگوں پر تسلط اور غلبہ پایا جاتا۔ جس دین حق کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لائے اور لوگوں کے سامنے رکھا اس کو غالب کرنے کے لیے کوئی لاؤ لشکر اور فوج نہیں تھی نہ مال وزر اور سونے چاندی کے انبار تھے اور جن لوگوں میں آپ مبعوث ہوئے وہ سبھی بت پرستی اور زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج میں سرمست متفق ومجتمع تھے اور جاہلیت کے باعث ان میں نہایت تعصب، غیظ وغضب، فسق وفجور، قتل وغارت گری میں انتہاء غلو اور انہماک رکھتے تھے۔ اچھائی، خیر خواہی، بھلائی جیسے امور خیر کا نام تک نہ تھا اور وہ اپنے افعال رذیلہ واعمال قبیحہ پر غور بھی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ کسی عذاب وعتاب اور سزا وگرفت کا تصور رکھتے تھے۔ ملامت وندامت اور پشیمانی نام کی کوئی بات ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ایسے گھمبیر اور بدترین معاشرے میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوگوں کے احوال وافعال کی ایسی اصلاح فرمائی کہ ان کے دل باہمی محبت والفت، اخوت ومؤدت سے لبریز کر دیئے سب کو ایک ہی کلمہ پر جمع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی آراء اور مشورے متفق و مشترک ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ دل وجان سے آپ کے مطیع اور فرماں بردار بن گئے۔ مختلف ہونے کے باوجود آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی امداد ونصرت سے یک دل ہوئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جمال جہاں آراء پر عاشق وفریفتہ ہو گئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت وعشق اور پیار میں اپنے گھر، بار، وطن، جائیداد، احباب ورفقاء حتیٰ کہ اولاد اور ماں باپ کو چھوڑ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی کے ہو گئے۔ اپنی قوم، خاندان قبیلے تک سے منہ موڑ لیا۔ نیز آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حفاظت وصیانت اور نصرت کے لیے اپنے تن، من، دھن جان ودل قربان کرنے لگے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اعزاز میں اپنی جانوں کو تلواروں کے سامنے کر دیا۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ وہ بے سروسامان تھے۔ ان کو نہ مال و دولت دیا گیا اور نہ ہی عہدوں اور مناصب کا لالچ دیا اور نہ ہی ان علاقوں اور ممالک کو جن کی فتوحات کے لیے آپ اس جہان میں جلوہ افروز ہوئے' ان کا مالک اور ان پر نصرت واختیار کی تحریص دلائی، بلکہ فتوحات میں از خود تصرف واختیار روا رکھتے۔ غنی کو فقر کی رغبت دلاتے امراء کو متواضع اور درویشی کا درس دیتے کیا ایسے جملہ امور اور باتیں ایسے ماحول میں کسی شخص میں جمع ہو سکتی ہیں؟ اور اسے ان کا اتفاق ہو سکتا ہے؟ وہ باختیار عقلی اور تدبیر فکری بہ تکلف ان تمام کو انجام دے سکتا ہے؟ اور ان کا

حل نکال سکتا ہے؟

نیز یہ کہ آپ یتیمی میں پروان چڑھے۔ نہ مال، نہ دولت، نہ معاون ومددگار۔ صرف اکیلی جان، یکتا وتنہا تھے۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا ☆ سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

مگر کیا کہنے اس ذات اقدس وحدہ لاشریک کے جس نے آپ ﷺ کو ایسی عزت، قدرت، تمکنت، مدد، نصرت، قوت، شوکت، جاہ وحشمت عطا فرمائی کہ آپ ﷺ سبھی پر غالب رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اختیارات کی مضبوطی سے نوازا، قسم ہے اس ذات کریم کی جو ساری خدائی کا مالک ومختار ہے۔ جس نے نبی اکرم رسول اعظم محمد ﷺ کے سامنے ہر اک کو مسخر فرما دیا ایسا کہ انہی کا ہو کر رہ گیا مخلوق کی گرویدگی کا یہ عالم کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ یہ تمام باتیں ظاہر وباہر ہیں کہ عقلمند تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی کو شک کی گنجائش تک نہیں۔ یقین کامل سے واضح ہو جاتا ہے۔ یہ عطائے الٰہی اور فیض ربانی ہے۔ قوت بشری کے ساتھ یہاں تک رسائی ممکن نہیں تھی اور نہ ہی خالق وقادر کی عطا کے سوا کوئی بشر ان پر قادر ہو سکتا ہے

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا ☆ مزمل بن کے آئے ہیں تجلی بن کے نکلیں گے

بَابُ الْکَرَامَات

کرامتوں کا بیان

کرامت کی تعریف:

''کرامات'' دراصل ''کرامت'' کی جمع ہے۔ یہ اکرام اور تکریم کا اسم ہے، اس لفظ کے لغوی معنی نفیس ہونا، عزت دار ہونا، اور سخی ہونا، کے ہیں۔

اصطلاحی طور پر کرامت اس خارق عادت فعل کو کہتے ہیں جو غیر مقرون بالتحدی ہو۔ اہل سنت کرامت کے معترف اور قائل ہیں، جب کہ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔

اہل سنت والجماعت نے مندرجہ ذیل امور سے استدلال کیا ہے:

① حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کا بغیر شوہر کے حاملہ ہونا۔

② بغیر کسی سبب ظاہری کے حضرت مریم کو پھل پہنچنا۔ اصحاب کہف کے قصہ میں ان نوجوانوں کا تین سو سال سے زائد عرصہ حالت نوم میں بغیر کسی تکلیف ونقصان کے زندہ رہنا، کرامت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

③ آصف بن برخیا کا بلقیس کے تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کرنا، کرامت کی واضح دلیل ہے۔

معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ خوارق عادت کو اگر غیر نبی کے لئے بطور کرامت ثابت مانا جائے تو پھر خوارق علامات نبوت میں نہیں رہتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے، معجزہ کے لئے دعویٰ نبوت ضروری ہے، جبکہ کرامت کے لئے دعویٰ نبوت شرط نہیں ہے بلکہ درحقیقت ہر ولی کی کرامت بھی اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی متبوع کے سچے ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ نے معجزہ کی تعریف میں یہ جو کہا ہے: **وقدر الانبیاء علیها متی ارادوها لیسهل علیهم تمهید الادیان والشرائع**۔

عصا کا روشن ہونا

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

۵۹۴۴: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَعَبَّادَ بْنِ بِشْرٍ تَحَدَّثَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَاجَةٍ لَهُمَا حَتّٰى ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ فِیْ لَيْلَةٍ شَدِيْدَةِ الظُّلْمَةِ ثُمَّ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقَلِبَانِ وَبِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عُصَيَّةٌ فَاَضَاءَ تْ عَصَا اَحَدِهِمَا لَهُمَا

حَتّٰى مَشَيَافِيْ ضَوْءِ هَا حَتّٰى اِذَا افْتَرَقَتْ بِهِمَا الطَّرِيْقُ اَضَاءَ تِ لِلْآخَرِ عَصَاهُ فَمَشٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِي ضَوْءِ عَصَاهُ حَتّٰى بَلَغَ اَهْلَهٗ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٢٤/٧ حديث رقم ٣٨٠٥ و احمد في المسند ١٣٧/٣

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کسی مسئلہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے (وہ گفتگو اتنی لمبی ہوگئی) کہ سخت اندھیری رات کا کافی حصہ بیت گیا جب یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف جانے لگے تو دونوں نے ایک ایک لاٹھی پکڑ رکھی تھی دونوں میں سے ایک کی لاٹھی روشن ہوگئی اور وہ اس روشنی میں چلنے لگے یہاں تک کہ دونوں کے راستے الگ الگ ہو گئے (پھر جب دونوں کے راستے الگ ہو گئے) تو دوسرے کی لاٹھی میں بھی روشنی پیدا ہوگئی پھر وہ دونوں اپنی اپنی روشنی میں اپنے گھروں پر پہنچ گئے۔

راویٔ حدیث:

عباد بن بشر۔ یہ عباد بن بشر ''انصاری'' ہیں۔ ''سعد بن معاذ'' کے اسلام لانے سے قبل یہ مدینہ میں اسلام لائے ہیں۔ غزوۂ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ جن لوگوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا یہ بھی ان میں داخل ہیں۔ فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ ان سے انس بن مالک اور عبدالرحمٰن بن ثابت روایت کرتے ہیں۔ جنگ ''یمامہ'' میں شہید ہوئے۔ ان کی عمر پینتالیس سال کی ہوئی۔ ''عباد'' عین کے زبر اور باء موحدہ کے تشدید کے ساتھ ہے۔ ''بشر'' میں باء مکسور، شین معجمہ ساکن اور آخر میں راء مہملہ ہے۔

تشریح: ینقلبان: یہ جملہ حال ہے۔ (الی بیتھا...... عصیة): لفظ وعصیه تعصیر ہے ''عصاۃ'' کی۔ (فاضاءت...... لهما): بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونوں حضرات میں سے جو پہلے اسلام لایا تھا اس کی لاٹھی پہلے روشن ہوئی تھی۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بخاری میں ان مذکور الفاظ کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ بخاری میں یوں ہیں: ''عن انس ان رجلين كانا من اصحاب النبی ﷺ خرجا من عند النبی ﷺ فی ليلة مظلمة ومعهما مثل المصباحين يضيئان بين ايدهما فلما افترقا صارمع كل واحد منهما واحد حتى اتى اهله''۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت باب علامات النبوہ فی الاسلام کے آخری باب میں نقل کی ہے۔ مشکوۃ اور بخاری کے متن میں اختلاف ہے۔ بخاری شریف کتاب مناقب الانصار، باب منقبه اسيد بن حضير وعبادة بن بشر کے الفاظ یوں ہے، ان رجلين خرجا من عند النبی ﷺ فی ليلة مظلمة فاذا نور بين ايديهما حتى افترقا فافترق النور معهما۔ وقال معمر عن ثابت عن انس: ان أسيد بن حضير، ورجلاً من الانصار''۔ اس روایت میں حضرت عبادہ بن بشر کا نام نہیں۔

وقال حماد: اخبرنا ثابت عن انس قال: كان اسيد بن حضير وعبادة بن بشر النبی هذی ما فی صحیح البخاری۔ دیکھیں بخاری کی اس روایت میں دونوں حضرات کے نام موجود ہیں، امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب شرح

السنہ میں امام بخاری کی سند سے اس روایت کو لفظ اول کے ساتھ روایت کیا ہے، ایک اور سند سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوۃ نے یہاں نقل کیا ہے، اس لئے تامل کی ضرورت نہیں۔ ابن حجر نے اس حدیث کے متعلق جو ذکر کیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، صاحب مصابیح اور صاحب مشکوۃ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں، اس روایت کو عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مصنف عبدالرزاق میں اسماعیل کی سند سے مروی کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد نے اپنی مسند میں امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ کی اپنی شہادت کی پیشگوئی

۵۹۴۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِيْ اَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِيْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ اَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِيْلٍ وَدَفَنْتُهُ مَعَ اٰخَرَ فِيْ قَبْرٍ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣/ ٢١٤ حديث رقم ١٣٥١

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب غزوہ احد کا واقعہ رونما ہوا تو رات کے وقت میرے والد نے مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا: میرا دل کہہ رہا ہے کہ احد کی جنگ میں جو جو صحابی شہید ہوں گے میں سب سے پہلے ان میں شہید ہوں گا اور جو میں اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا ہوں اُن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بعد (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے) مجھے سب سے زیادہ تم عزیز ہو (لہٰذا اسی خاص تعلق کی وجہ سے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں) میرے ذمہ (بہت سارا) قرض ہے اسے (جلدی سے) ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے متعلق بھی میری وصیت یاد رکھنا (جو نو ہیں) ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنا (حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر اس رات کے بعد) جب صبح ہوگئی (جنگ شروع ہوئی) تو میرے والد سب سے پہلے شہید ہوئے میں نے ان کو ایک اور شخص کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا''۔

تشریح: دعانی ابی من اللیل: یہ ''من'' تبعیضیہ ہے۔

ارانی ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ فعل مجہول ہے، احسبنی کے معنی میں ہے۔ (وان علي دينًا): دینا کی صفت کثیرًا محذوف ہے۔ (فاقض): مفعول سریعًا محذوف ہے۔ (خیرًا): یہ منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے استیصاء محذوف ہے، موصوف صفت مل کر مفعول مطلق ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: تقدیری عبارت یوں ہے: اقبل وصیتی بالخیر فی شأنھن ۔ یعنی اپنی بہنوں کے متعلق میری طرف سے بھلائی اور حسن سلوک کی وصیت قبول کرو۔ یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

یہ دوسرے ساتھی حضرت عمرو بن جموح تھے، یہ حضرت جابر کے والد عبداللہ کے دوست بھی تھے اور بہنوئی بھی۔
ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک قبر میں دو کو دفن کرنا جائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا محل تب ہے جب ضرورت ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کرامت

٥٩٤٦: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ کَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اِثْنَیْنِ فَلْیَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْیَذْهَبْ بِخَامِسٍ اَوْسَادِسٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ جَآءَ بِثَلٰثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرَةٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ تَعَشّٰی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰی تَعَشّٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰی مِنَ اللَّیْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهٗ اِمْرَاَتُهٗ مَا حَبَسَكَ عَنْ اَضْیَافِكَ قَالَ اَوَمَا عَشَّیْتِ بِهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰی تَجِیْءَ فَغَضِبَ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَطْعَمُهٗ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْاَةُ اَنْ لَّا تَطْعَمَهٗ وَحَلَفَ الْاَضْیَافُ اَنْ لَا یَطْعَمُوْهُ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ کَانَ هٰذَا مِنَ الشَّیْطٰنِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَکَلَ وَاَکَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا یَرْفَعُوْنَ لُقْمَةً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِهَا اَکْثَرَ مِنْهَا فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ یَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ اِنَّهَا الْاٰنَ لَاَکْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلٰثِ مِرَارٍ فَاَکَلُوْا وَبَعَثَ بِهَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذُکِرَ اَنَّهٗ اَکَلَ مِنْهَا (متفق علیه وذکر حدیث عبد الله بن مسعود) کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ فِی الْمُعْجِزَاتِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٨٧/٦ حدیث رقم ٣٥٨١ ومسلم فی صحیحه (١٦٢٧/٣) حدیث رقم (١٧٦-٢٠٥٧) واخرجه الترمذی فی السنن ٢٣٥/٤ حدیث رقم ١٨٢٠ وابن ماجه ١٠٨٤/٢ حدیث رقم ٣٢٥٥ والدارمی فی السنن ١٣٦/٢ حدیث رقم ٢٠٤٤ و احمد فی المسند ١٩٨/١

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما مروی ہے' فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ مفلس لوگ تھے چنانچہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ''جس شخص کے پاس (اپنے اہل وعیال کے' دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے شخص کو (اصحاب صفہ میں سے) لے جائے اور جس شخص کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں شخص کو (اصحاب صفہ میں سے) لے جائے یا چھٹے شخص کو بھی لے جائے'' (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو لے آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے گئے اور ابوبکرؓ نے رات کا کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھایا اور وہیں (کھانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز ہوگئی تو وہ (نماز کے بعد بھی اپنے گھر نہیں گئے بلکہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلے آئے اور اس وقت تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

(تنہا یا اپنے مہمانوں کے ساتھ) کھانا نہیں کھا لیا۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر پہنچے تو رات کا اتنا حصہ کہ جو اللہ نے چاہا گزر چکا تھا (اور اس وقت تک نہ صرف ان کے اہل و عیال بلکہ ان کے مہمان بھی گھر میں بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے، گھر میں ان کے داخل ہوتے ہی) ان کی بیوی نے کہا: کس چیز نے آپ کو اپنے مہمانوں سے روک رکھا تھا، یعنی آپ نے گھر آنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جب کہ یہاں آپ کے مہمان کھانے کے لئے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں)؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو کیا تم نے اب تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی نے کہا: ان مہمانوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا (تا کہ کھانے میں ان کے ساتھ آپ بھی شریک رہیں)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (یہ سن کر اپنے گھر والوں پر) سخت غصہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے (اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے) کہا کہ خدا کی قسم میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ اس کھانے کو ہرگز نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس کھانے کو (یا تو مطلق یا تنہا) نہیں کھائیں گے پھر چند ہی لمحوں بعد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرا اس طرح غضبناک ہو جانا اور قسم کھا لینا (کوئی موزوں بات نہیں ہے بلکہ) شیطان (کے بہکا دینے کے سبب) سے تھا (جس پر مجھے اب سخت پشیمانی ہو رہی ہے اور میں اپنے اللہ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر) انہوں نے کھانا منگایا اور پھر سب لوگوں نے (یعنی خود انہوں نے ان کے گھر والوں نے اور ان کے مہمانوں نے) کھانا کھایا۔ (کھانے کے دوران یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے مہمان (برتن سے منہ کی طرف) جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے نیچے سے کھانا اور بڑھ جاتا تھا (یعنی جب وہ لوگ لقمہ اٹھاتے تو برتن میں اس لقمہ کی جگہ کھانا کم ہونے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (یہ حیرت انگیز بات دیکھ کر) اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا: ارے بنوفراس کی بہن (ذرا دیکھنا) یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ بیوی کہنے لگی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم (میں خود بھی حیرت سے یہی دیکھے جا رہی ہوں) یہ کھانے کا برتن جتنا پہلے بھرا ہوا تھا اس سے تین گنا زیادہ اب بھرا ہوا ہے۔ الغرض سب نے (خوب سیر ہو کر) کھانا کھایا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کھانے میں سے تناول فرمایا (بخاری و مسلم) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ باب المعجزات میں ذکر کی جا چکی ہے۔''

تشریح: حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں صفہ کے مشاہیر حضرات کے اسماء گرامی ذکر کئے ہیں، جو کہ یہ ہیں: حضرت ابوذر غفاری، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی، حضرت بلال، حضرت ابو ہریرہ، حضرت خباب بن الارت، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوسعید خدری، حضرت بشر بن خصاصیۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو مویھبۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ انہیں کے متعلق قرآن کریم کی آیت: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [الکہف: ۲۸] ''اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اسکی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد

سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا'' نازل ہوئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل حجرۂ نبی سے شمالی جانب واقع ایک چبوترہ تھا، جس کو صفہ کہا جاتا تھا جو غریب مفلس صحابہ کا مدرسہ اور اقامت گاہ تھی، اسی نسبت سے ان کو صفہ کہا جاتا تھا، یہ صحابہ اضیاف المسلمین (مسلمانوں کے مہمان) بھی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے فقر وافلاس اور بے مائیگی کی بناء پر ان کے خورد ونوش کا انتظام عام مسلمان اپنی اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کرتے تھے اور خالص اخلاق اور ہمدردی کی بنیادوں پر ان کی مہمان داری کے فرائض انجام دیتے تھے، جو لوگ کہیں باہر سے مدینہ آتے تھے، اگر مدینہ میں ان کی جان پہچان والے ہوتے وہ انہی کے ہاں اترتے وگرنہ یہی صفہ ہی ان کی بھی اقامت گاہ ہوتی تھی۔

(وان النبی ﷺ قال: ''اثنین''):

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لفظ ''ثالث'' مذکر صحیح ہے، مصابیح کے اکثر نسخوں میں مذکور ہے۔ وہ روایت ومعنی ہر دونوں لحاظ سے صحیح نہیں۔

کأس أو سادس: میں لفظ ''او'' تنویع کے لئے بھی ہوسکتا ہے، اور تخییر کے لئے بھی۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ''او'' اظہار شک کے لئے ہو یا ''بل'' کے معنی میں ہو۔ ضیافت کے باب میں مبالغہ کے لئے ہے بلکہ احمد، مسلم، ترمذی، اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع روایت نقل کی ہے: **طعام الواحد یکفی الاثنین و طعام الاثنین یکفی الاربعۃ' و طعام الأربعۃ یکفی الثمانیۃ۔** کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوسکتا ہے دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہوسکتا ہے، اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہوسکتا ہے۔

قولہ: وان ابا بکر جاء بثلاثۃ بعشرۃٍ): علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس مقام میں لکھتے ہیں، راوی نے حدیث کے اس حصہ میں دو تعبیریں اختیار کیں ہے: کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے لفظ مجیء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ انطلاق، اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر مسجد سے دور تھا، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد کے بہت قریب تھا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کو ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ تعبیر پسند نہیں، اس لئے فرماتے ہیں کہ جو تعبیر حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اختیار فرمائی ہے اس کی کوئی دلیل یہاں بنتی نہیں، بلکہ کلام کا مقتضاء اس کے برعکس بنتا ہے۔ بہتر یہ تھا کہ یوں کہا جائے، کہ ابوبکر کے ساتھ لفظ آنے کی نسبت اس لئے ہے کہ راوی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر مہمان لے کر ان ہی کے پاس لے گئے تھے، گویا کہ وہ فرما رہے ہیں حضرت والد صاحب ہمارے تین مہمان لے کے آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دس آدمی لے گئے (اہل صفہ میں سے)۔

عام طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں، یا آپ کے گھریلو مہمان کے ساتھ۔ یا صرف خود ابو بکر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھایا کرتے تھے۔ (حتی صلیت): یہ فعل مجہول ہے، صلی سے' معنی ہے کہ حتی کہ جب عشاء کی نماز اداء ہوچکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھا لی، تو حضرت ابوبکر اب اپنے گھر لوٹے۔ (العشا): یہاں عین کے [illegible] کے ساتھ ہے کیونکہ اس سے نماز مراد ہے (فلبث حتی تعشی النبی ﷺ): اور اس وقت خدمت اقدس میں رہے،

جب تک کہ نبی کریم ﷺ نے تنہا یا اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا نہیں کھالیا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا دوسری کسی ام المؤمنین کے گھر ہوں گے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ تھی، آنحضرت کے زیارت اور زیادہ سے زیادہ صحبت حاصل کرنے کے لئے اس طرح کیا کرتے تھے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے پہلے خود کھانا کھایا، پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی شریک ہوئے ہوں، پھر آپ کی مجلس میں کافی دیر تک بیٹھے رہے۔(فجاء...... ما شاء الله): اور پھر اپنے گھر تشریف لائے۔

ایک روایت میں لفظ رجع کے بجائے لفظ "رکع" ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پھر آنحضرت ﷺ کے ہاں سے اٹھ کر کچھ دیر نوافل پڑھے۔ایک اور روایت میں ہے حتی نعسَ یعنی اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے کہ آنحضرت ﷺ سونے لگے، جب آپ ﷺ سو گئے یا سونے کے لئے جب آٹھے تو تو اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کو لوٹے۔

کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپ یہ کہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں رات کا کھانا واپسی کے بعد تھا اور جو گزر چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی سے پہلے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اوّل تو بیان ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت کا کہ ان کو اپنے گھر میں کھانا کھانے کی حاجت نہیں تھی اور ثانی میں بیان قصہ ترتیب واقع کے مطابق ہے یا یہ کہ اول سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رات کا کھانا کھایا اور ثانی سے مراد آنحضرت ﷺ کا طعام تناول فرمانا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر جب کافی دیر سے اپنے گھر پہنچے تو ان کی اہلیہ نے ان سے پوچھا۔

ما حبسك: منع کے معنی میں ہے۔عشیتھم: یہ شین معجمہ کی تشدید اور تاء کے کسرہ کے ساتھ تھوڑا سا "یاء" کے طرف مائل کر کے پڑھنا ہے۔ یہ لفظ تعشیة سے مشتق ہے، جس کا معنی رات کا کھانا دینے اور کھلانے کے ہیں۔یعنی اب تک مہمانوں کو تم نے کھانا نہیں کھلایا، یہ تو بڑا ظلم کیا ہے، اوران کی حق تلفی کی ہے۔(فغضب): حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت غصہ ہوئے اہل خانہ پر، تو اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے تھے انہوں نے کوتاہی کی اور ساتھ اپنے اوپر بھی غصہ آرہا تھا، کہ انہوں نے بڑی غفلت سے کام لیا ہے۔ اس غصہ کے عالم میں قسم کھالی کہ قال: (والله لا اطعم): لفظ اطعم، ہمزہ اور عین کے فتحہ کے ساتھ (واحد متکلم کا صیغہ ہے)۔ ایک نسخہ میں قال کے ساتھ فاء بھی ہے یعنی "فقال"۔

یہاں بھی ابدًا کی قید ہے جیسا کہ ایک نسخہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے تو پہلے کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی۔اور پھر کھانا منگوا کر کھا بھی لیا، اس طرح انہوں نے قسم کے خلاف کیسے کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے غصہ میں آکر قسم تو کھالی، مگر پھر جب ان کو اپنے غصہ پر پشیمانی ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی طرف دھیان گیا کہ: اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھالے، اور بعد میں وہی چیز بہتر دکھائی دے جو اس قسم کے خلاف ہو تو اس کو چاہئے کہ قسم کے خلاف عمل کرے، لیکن قسم کا کفارہ اداء کردے، تو انہوں نے قسم توڑ کر کھانا منگوایا اور قسم توڑنے کا کفارہ داء کردیا۔

یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہوگی: کہ میں تمہارے ساتھ نہیں کھاؤں گا، یا اس وقت میں نے نہیں کھانا ہے، یا اس غصہ کے عالم میں میں ہرگز کھانا نہیں کھاؤں گا، لیکن ان تمام تاویلی احتمال کی گنجائش تب ہو سکے گی جب پہلے یہ مان لیا جائے کہ انھا عموم قید کو قبول کرتے ہیں کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی خاص سبب کا یعنی خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ انتھیٰ

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی آخری توجیہہ وزن دار نہیں، اس لئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام میں تابید کی قید موجود ہے، اس میں احتمالات نکالنے کی گنجائش ہی نہیں۔

قولہ :فجعلوا لا یرفعون لقمة ...... اکثر منھا:

لفظ "اکثر" کو اکثر نسخوں میں نصب کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے، صرف ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: **ارقع الطعام من اسفل القصعة ارتفاعًا اکثر**۔ یہاں طیبی رحمہ اللہ نے مفعول مطلق محذوف نکالا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا اکثر ارتفاع کی صفت ہے، اور منصوب ہے۔

رفع کی صورت میں تقدیری عبارت اس طرح سے ہوگی: **الا ربت لقمة ھی اکثر منھا**۔ امام طیبی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: لفظ ربت، کی اسناد قصعہ کی طرف مجازی ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں امام طیبی رحمہ اللہ کے نسبت مجازی کہنے کی وجہ یہ ہے: کہ یہاں بڑھنے کی نسبت تھال میں پائے جانے والے کھانے کے اعتبار سے ہے نہ کہ نفس تھال کے اعتبار سے۔ امام طیبی رحمہ اللہ کا کلام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں اسناد **علی سبیل البدلیة** لقمہ کی جانب ہے۔

فقال لا مرأته: یہ حضرت امّ رومان ہیں جو حضرت عبدالرحمٰن اور امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں۔ یہ بنی فراس بن تیم بن مالک بن نضر بن کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں، نضر ابن کنانہ پر سارے قریش اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہ نسب نامہ امام توربشتی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

(یا اخت بنی فراس): لفظ "فراس" فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ **(قالت وقرة عینی)**: لفظ قرہ کسرہ کے ساتھ، ایک نسخے میں منصوب منقول ہے، شاید اس نسخہ میں نصب نزع حافض کے سبب ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: واؤ قسم کے لئے ہے۔ اگر منصوب پڑھیں تو منادیٰ ہوگا اور حرف ندا محذوف ہے۔

(انتھیٰ قول ابن ملک)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ملک رحمہ اللہ نے دونوں اعراب کی جو وجہ بتائی ہے، وہ محل نظر ہے کئی وجوہ سے۔

بعض محققین فرماتے ہیں: "**قرة العین**" آنکھوں کی ٹھنڈک۔ دراصل عربی کی ایک محاوراتی اصطلاح ہے جس سے محبوب کے دیدار، اور اس دیدار سے حاصل ہونے والی لذت وخوشی کو تعبیر کیا جاتا ہے، ویسے لفظ "قرہ، یاقرّ" قاف کے پیش وزبر دونوں کے ساتھ الگ الگ معنی رکھتا ہے، لیکن محاوراتی اصطلاح **قرة العین** دونوں معنی میں صادق آتی ہے کیونکہ اگر قاف کے پیش کے ساتھ "قُرۃ" ہو تو اس کے معنی خنکی اور ٹھنڈک کے ہوتے ہیں اور محبوب کا دیدار بلا شبہ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے، اور اگر یہ لفظ قاف کے زبر کے ساتھ "قَرۃ" ہو تو اس کا معنی قرار کے ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب محبوب نظر کے سامنے آتا ہے، تو آنکھ کو

گویا قرار آجاتا ہے اور نگاہ روئے محبوب پر اس طرح جم جاتی ہے کہ پھر دائیں بائیں اٹھنے کی روادار نہیں ہوتی۔

یہ حضرت امّ رومان کا والہانہ انداز تھا جو انہوں نے اپنے محبوب شوہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حیرت بھرے خطاب کے جواب میں اختیار کیا، کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برکت سے انہیں یہ کرامت نصیب ہوئی۔ لیکن یہ بات اس صورت میں کہی جائے گی جب یہ مانا جائے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد حضرت ابوبکر ہی تھے کیونکہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔

انھا: لیکن اس سے مراد ظرف نہیں، مظروف ہے۔ (...... مرار): لفظ مرار، میم کے کسرہ کے ساتھ۔ (الی النبی ﷺ فذاك): لفظ ذکر فعل مجہول ہے، بمعنی روی (یعنی روایت میں ہے)۔

قوله :و ذكر حديث عبدالله بن مسعود...... : ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو باب الکرامات میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔

نجاشی کی قبر کا روشن ہونا

الفصل الثانی:

۵۹۴۷: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اِنَّهُ لَا يَزَالُ يُرٰى عَلٰى قَبْرِهِ نُوْرٌ۔

(رواه ابوداؤد)

اخرجه ابو داؤد ۳/ ۵۴۴ حديث رقم ۲۵۲۳۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم لوگ باہم تذکرہ کرتے تھے کہ (حبشہ میں) نجاشی کی قبر پر مسلسل روشنی دکھائی دیتی ہے''۔

تشریح: وعن عائشة...... النجاشي: نجاشی کے نام ونسب کے متعلق پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ (انه...... نور): کہ حبشہ میں حضرت نجاشی کی قبر پر نور دکھائی دیتا تھا۔ یہ ان کے انتقال کے بعد کا ذکر ہے۔ چنانچہ جن صحابہ کا حبشہ آنا جانا ہوتا تھا، وہ وہاں ان کی قبر دیکھ کر مدینہ میں آکر یہی بتاتے تھے، ان سب لوگوں کا کسی غلط بات پر متفق ہونا متصور نہیں، اس لئے یہ بات خبر متواتر کے قریب کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل میت دینے والوں کا بیان

۵۹۴۸: وَعَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لَا نَدْرِيْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهٖ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُهٗ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهٗ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُهٗ فِيْ صَدْرِهٖ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِّنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا

يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اغْسَلُوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ فَقَامُوْا فَغَسَلُوْهُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصُهُ يَصُبُّوْنَ الْمَاءَ فَوْقَ الْقَمِيْصِ وَيَدْلُكُوْنَهُ بِالْقَمِيْصِ ۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

أخرجه ابوداؤد في السنن ٢/٤ ٥٠ حديث رقم ٣١٤١ و احمد في المسند ٢٦٧/٦ ورواه البيهقي في دلائل النبوة ٢٤٢/٧۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) جب جسم مبارک کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو ان کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور مردوں کی طرح برہنہ کیا جائے یا کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے (یا صرف ستر کو ڈھانک کر باقی جسم کو غسل دیا جائے) جب اس پر اختلاف رائے ہوا (مختلف صحابہ نے مختلف رائے دی یعنی کچھ نے کہا برہنہ کیا جائے اور کچھ نے کہا کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے اور کسی بات پر اتفاق نہ ہو سکا) تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی یہاں تک کہ کوئی شخص ایسا نہ رہا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ لگ رہی ہو' پھر گھر کے کونے سے کسی نے کلام کیا' صحابہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت ہی غسل دو۔ پھر وہ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دینے پر سب نے اتفاق کیا) اور غسل دیتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ایک کرتہ تھا اُس پر پانی ڈالا جاتا اور کرتے سے بدن مَلا جاتا۔ اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

تشریح: علیه ثیابه: جملہ حالیہ ہے۔

القی: مسلط کرنے کے معنی میں ہے۔ (**علیهم ...... الا ذقنه**): ذقن، ذال، اور قاف دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔ (**فی صدره**): قاموس میں ''الذقن'' تینوں حروف کے حرکات کے ساتھ، ٹھوڑی کو کہتے ہیں۔ نیز ذال کی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ (**اغسلوا ...... ثیابه**): یہ پورا جملہ بیان اور تفسیر ہے، لفظ **کلمهم** کی۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں حدیث کے اس حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو قمیص کے ساتھ غسل دینا مستحب ہے، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کو ابن ملک رحمہ اللہ کی یہ بات وزنی معلوم نہیں ہو رہی ہے، اس لئے فرماتے ہیں ابن ملک کا یہ قول قابل اعتراض ہے کیونکہ اس حدیث سے نفس جواز یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے نہ کہ استحباب کیونکہ اہل مذاہب میں سے کسی نے بھی کپڑوں سمیت غسل کے استحباب کا قول ذکر نہیں فرمایا۔

(**فقاموا ...... بالقمیص**): ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی قمیص میں غسل دیا گیا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اوپر کفن کیسے پہنایا ہوگا حالانکہ اس قمیص میں تری تھی۔ میں کہتا ہوں اس میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض گیلی قمیص کے اوپر پہنایا ہو' چونکہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو ڈھانپ دیا گیا ہو اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اتار کر کفن کی قمیص پہنا دی گئی ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خادم رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کرامت

۵۹۴۹: وَعَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْطَاُ الْجَيْشَ بِاَرْضِ الرُّوْمِ اَوْ اُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَاِذَا هُوَ بِالْاَسَدِ فَقَالَ يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ اَمْرِيْ كَيْتَ وَكَيْتَ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ لَهٗ بَصْبَصَةً حَتّٰى قَامَ اِلٰى جَنْبِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا اَهْوٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ يَمْشِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ حَتّٰى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْاَسَدُ۔

أخرجه البغوي في شرح السنة ۱۳/۳۱۳ حديث ۳۷۳۲۔

ترجمہ: ''اور (جلیل القدر تابعی) ابن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ملک روم میں لشکر سے بچھڑ گئے یا قید کر لئے گئے' وہ (دشمن کے قبضہ) سے بھاگ نکلے اور لشکر کو تلاش کرنے لگے اسی دوران (جنگل میں) ان کا شیر سے سامنا ہو گیا انہوں نے (نہ صرف یہ کہ خطرناک شیر کو سامنے دیکھ کر بھی اپنے اوسان بحال رکھے بلکہ اس کو اس کی کنیت کے ذریعہ مخاطب کر کے) کہا: اے ابوالحارث (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے (کہ میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں' یا یہ کہ دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا' اب ان کے قبضہ سے نکل بھاگا ہوں اور اپنے لشکر کی تلاش میں سرگرداں ہوں) شیر (یہ سنتے ہی) دم ہلاتا ہوا (کہ جو جانور کے مطیع و فرمانبردار ہو جانے کی علامت ہے) ان کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر کسی طرف سے کوئی (خوفناک درندے وغیرہ کی) آواز آتی تو شیر (اس کے دفعیہ کے لئے) اس آواز کی طرف لپکتا اور پھر واپس آ جاتا' اسی طرح وہ شیر (ایک پہرہ دار کی طرح) سفینہ رضی اللہ عنہ کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا یہاں تک کہ سفینہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا''۔ (شرح السنۃ)

تشریح: الاسد: یہاں الف لام جنسی ہے۔

انا مولی...... وکیت: جملہ مستأنفہ بیانیہ ہے، جس کے ذریعہ حضرت سفینہ نے شیر کے سامنے اپنے بھٹکنے یا حضرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کا حال بیان فرمایا۔ (فاقبل...... بصبصبة): کہ شیر نے اس طرح دم ہلائی جیسے کتا محبت اور خلوص و وفاداری کے اظہار کے لئے مالک کے سامنے ہلاتا ہے۔

ترکیب: کے لحاظ سے یہ جملہ حالیہ ہے اقبل کا فاعل الاسد سے۔

النہایہ میں ہے: بصبص الكلب بذنبه یعنی کتے نے اپنی دم ہلائی۔ کتا اپنی دم طمع یا خوف کے وقت ہلاتا ہے، کہ مالک اس کو کچھ دے یا اس کو غصہ میں کچھ نہ کہے۔

یہ شیر گویا کہ خداوند کریم کی جانب سے آپ کا کفیل بھی تھا، اور کرامت کی دلیل بھی۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچائی اور آپ کے لائے ہوئے دین کے حق ہونے کی بھی دلیل تھا۔

صاحب قصیدۂ بردہ نے شیر کی اس خدمت و اطاعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ومن تکن برسول اللہ نصرتہ
ان تلقہ الاسد فی آجامھا تجسم

قحط سالی کے وقت روضہ اطہر پر دُعا اور بارانِ رحمت کا نزول

۵۹۵۰: وَعَنْ اَبِی الْجَوْزَآءِ قَالَ قَحِطَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ قَحْطًا شَدِیْدًا فَشَكَوْا اِلٰی عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كَوًی اِلَی السَّمَآءِ حَتّٰی لَا یَكُوْنَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰی نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰی تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ۱/ ۵٦ حديث رقم ۹۲

ترجمہ: ''ابوالجوزاء سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے حال احوال بیان کئے (تاکہ وہ ہمیں کوئی مشورہ دیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف تھوڑا دھیان دو اور ان کے حجرے کی چھت میں آسمان کی طرف کچھ سوراخ کر دو (یعنی ان میں سے آسمان نظر آئے) قبر اور چھت کے بیچ چھت نہ رہے (یعنی کوئی رکاوٹ نہ رہے) چنانچہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق ویسا ہی کیا پھر خوب بارش ہوئی اور اتنی گھاس اُگ آئی کہ اونٹ کھا کھا کر صحت مند ہو گئے یہاں تک کہ چربی کی وجہ سے ان کی کھالیں پھول گئیں اس لئے اس سال کا نام ''فتق'' یعنی خوشحالی کا سال پڑ گیا۔

راوی حدیث:

ابوالجوزاء۔ ان کا نام ''اوس بن عبداللہ الازدی'' ہے۔ بصرہ کے رہنے والوں میں سے ہیں۔ تابعی ہیں۔ ان کی احادیث مشہور ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے انہوں نے احادیث کو سنا ہے اور ان سے عمر و بن مالک رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے روایت حدیث کی ہے۔ ۸۳ھ میں یہ شہید ہوئے۔

تشریح: قحط: فعل مجہول ہے۔

قبر النبی: منصوب بنزع الخافض ہے، کیونکہ ایک نسخہ میں انظروا الی قبر النبی ﷺ کے الفاظ منقول ہیں۔ (کوًی): کاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ۔

المغرب میں ہے: الکوّۃ گھر پہ کئے جانے والے روشن دان وغیرہ کو کہتے ہیں جس کی جمع ''کوًی'' آتی ہے۔ کبھی مفرد اور جمع دونوں کے کاف کو ضمہ دیا جاتا ہے، یعنی کوّۃ، کوًی۔

بعض حضرات کہتے ہیں: ''کوّۃ'' کی جمع کاف کے کسرہ اور الف مقصورہ و ممدودہ کے ساتھ بھی آتی ہے، (یعنی کوی، کواء) جب کہ مفرد کوۃ کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس مناسبت سے جمع کے کاف کو بھی ضمہ کے ساتھ کوًی پڑھتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف جس حجرہ میں ہے اس کی چھت میں اس طرح کے متعدد روشن دان کھول دو۔ (ففعلوا فمطروا): لفظ مطروا، میم پر ضمہ اور طاء پر کسرہ ہے۔ (مطرًا): اس کی صفت شدیداً محذوف ہے۔ (حتی نبت العشب): لفظ عشب عین کے ضمہ اور شین معجمہ کے سکون کے ساتھ، ہرے چارے کو کہتے ہیں۔ (وسمنت): میم کی کسرہ کے ساتھ۔ (الابل): یہاں صرف اونٹوں کی فربہی بتانا مقصود نہیں بلکہ تمام جانور خوب سیر ہو کر اتنے موٹے ہو گئے کہ (حتی تفتقت) اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں: ① ان کی کوکھیں پھول گئیں۔ ② بعض نے کہا ہے اس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ ③ اور بعض نے پھیل جانا بیان کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے کشف کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آسمان نے قبر مبارک دیکھی تو رونے لگا، اور اس رونے کی وجہ سے ندی نالے بہہ پڑے۔ واضح رہے آسمان کے رونے کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے، فرمایا گیا: ﴿فما بكت عليهم السماء والارض﴾ اس آیت میں ان لوگوں پر آسمان کے نہ رونے کا ذکر ہے، جو مبغوض بندے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندوں کے حق میں اس کے برعکس ہوتا ہے، کہ آسمان ان کے لئے روتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر حجرہ شریف کی چھت میں سوراخ کا کھولا جانا، دراصل قبر مبارک سے وسیلہ و سفارش حاصل کرنا تھا، مطلب یہ ہے کہ حیات مبارکہ میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے ذریعہ بارش کے طلب گار ہوتے تھے، جب ذات مبارک نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا، اور استسقاء کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ام المؤمنین نے حکم دیا کہ قبر مبارک کو بارش کی طلب گاری کا ذریعہ بنایا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کنایہ ہے عرضِ غرض سے جو آسمان کی طرف رخ کرنے سے مطلوب ہے۔ آسمان دعاؤں کا قبلہ اور ضعفاء کے رزق کا محل ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وفي السماء رزقكم وما توعدون﴾ [الذاریات: ۲۲]

روضۂ اقدس سے گنگناہٹ

۵۹۵۱: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا وَلَمْ يُقَمْ وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی ۱/ ٥٦ حديث رقم ۹۳۔

ترجمہ: ''حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے موقع پر تین روز تک مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تو اذان ہوئی اور نہ نماز۔ حضرت سعید ابن مسیب مسجد سے باہر نہ نکل پائے (اس لئے کہ ان دنوں لوگوں کا مسجد میں آنا بند ہو گیا تھا) ابن مسیب رحمہ اللہ ان دنوں نماز کے وقت کا تعین ایک آواز سے کرتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک قبر سے آہستہ گنگناہٹ جیسی آتی تھی''۔

راویٔ حدیث:

سعید بن عبد العزیز۔ یہ سعید بن عبد العزیز تنوخی ودمشقی ہیں' اوزاعی کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اہل شام کے فقیہوں میں ان کا شمار تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ملک شام میں سعید بن عبد العزیز اور اوزاعی سے زیادہ کسی کی حدیثیں صحیح نہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں اور اوزاعی میں میرے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ سعید بہت زیادہ رویا کرتے تھے' ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب بھی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو ہمیشہ دوزخ متشکل ہو کر میرے سامنے لائی جاتی ہیں۔ نسائی کا کہنا ہے کہ یہ ثقہ اور قابل وثوق ہیں۔ یہ مکحول اور زہری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ثوری۔ ۱۶۷ھ میں ان کا انتقال ہوا اور ان کی عمر ستر (۷۰) سال سے زائد کی ہوئی۔

تشریح: میرے نزدیک امام اوزاعی اور سعید درجہ میں برابر ہیں۔ حضرت سعید نماز میں بہت زیادہ رویا کرتے تھے، ان سے وجہ پوچھی گئی، تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب بھی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں، جہنم کا نقشہ میرے سامنے آجاتا ہے۔

کان، وقع (پیش آنا) کے معنی میں ہے۔ (ایام حرة): لفظ حرة: حاء کے فتحہ اور راء کی تشدید کے ساتھ۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایام حرہ سے اسلامی تاریخ میں یزید بن معاویہ کے وہ ایام مراد ہیں جب اہل شام کے لشکر نے مدینہ کو لوٹا تھا اور اہل شام کو مدینہ میں بسنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے لڑنے کے لئے برانگیختہ کیا گیا تھا۔ ذی الحجہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ پر مسلم بن عیینہ کو امیر مقرر کیا گیا۔ واقعہ حرہ کے بعد یزید ہلاک ہو گیا۔

حرة: مدینہ کے باہر اس قطعہ زمین کو کہتے ہیں جو کالے پتھروں اور سنگریزوں والا تھا، یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا تھا، اس لئے اس کا نام ہی واقعہ حرہ بن گیا۔

لم یؤذن: فعل مجہول ہے۔

ولم یقم: لا تامہ مصدر ہے یہ بھی فعل مجہول ہے۔ (ولم یبرح): یبرح، راء کے فتحہ کے ساتھ۔

بھمھمة: یعنی فتنہ کی وجہ سے تین دن تک نہ کسی نے اذان دی اور نہ کسی نے مسجد میں نماز ادا کی' البتہ اس سارے عرصہ میں سعید بن المسیّب مسجد سے جدا نہ ہوئے اور نمازوں کے اوقات میں روضۂ اقدس سے بھنبھناہٹ کی آواز سنتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے باغ کا سال میں دو مرتبہ پھل دینا

۵۹۵۲: وَعَنْ اَبِیْ خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِی الْعَالِیَةِ سَمِعَ اَنَسٌ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَهٗ عَشْرَ سِنِیْنَ وَدَعَا لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ لَهٗ بُسْتَانٌ یَحْمِلُ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ الْفَاکِهَةَ مَرَّتَیْنِ وَکَانَ فِیْهَا رَیْحَانٌ یَجِیْءُ مِنْهُ رِیْحُ الْمِسْكِ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦٤١ حدیث رقم ٣٨٣٣۔

ترجمہ: ''ابو خلدہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی ہیں؟ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی جس کے نتیجہ میں ان کے باغ میں سال میں دو دفعہ پھل لگتے تھے اور ان کے باغ کے پھولوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔

تشریح: سمع انس: یہاں ہمزۂ استفہام محذوف ہے، اصل میں ہے أسمع احادیث من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال کا مطلب یہ تھا کہ حضرت انس جو حدیث میں روایت کرتے ہیں وہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی ہے یا وہ مرسل روایتیں ہیں، یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چھوٹے تھے، اور شروع شروع میں مراسیل صحابہ سنایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ لوگوں کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث کے بارے میں تردد ہوا ہوگا، حالانکہ مرسل روایتوں کی حجیت میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت ابوالعالیہ نے ابوخلدہ رحمۃ اللہ علیہ کو براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ وہ بات بتائی جس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اہمیت اور عظمت شان واضح ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور خادم کے آئے تھے۔

بصرہ میں مقیم صحابہ کرام میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں ۹۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۱۰۱ سال تھی، کہا جاتا ہے ان کے سو/۱۰۰ بچے تھے، جن میں سے تہتر/۷۳ لڑکے اور ستائیس/۲۷ لڑکیاں، اور مال میں برکت کا یہ حال تھا کہ (وکان له بستان یحمل): یحمل، یثمر (پھل دینے) کے معنی میں ہے۔ (فی کل سنة...... فیها): فیها میں ضمیر مؤنث ہے، لہٰذا اس سے حدیقہ مراد ہوگا جو کہ بستان کے معنی میں ہے، ایک صحیح نسخے میں "فیها" کے بجائے فیه کا لفظ منقول ہے، اس صورت میں کوئی اشکال والی بات نہیں ہوگی۔

ریحان: مشہور پودے کا نام ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ قدر و منزلت نصیب ہو، اتنی مدت تک آپ کی صحبت کا شرف حاصل ہو۔ اور آپ کی خدمت کا موقع ملا ہو، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنے گا اور کیسے روایت نہیں کر سکے گا؟

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بددعا

الفصل الثالث:

۵۹۵۳: وَعَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ نُفَيْلٍ خَا صَمَتْهُ اَرْوٰى بِنْتُ اَوْسٍ اِلٰى مَرْوَانَ ابْنَ الْحَكَمِ وَادَّعَتْ اَنَّهٗ اَخَذَ شَيْئًا مِنْ اَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا كُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِىْ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا ذَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَ رْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا اَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي اَرْضِهَا فَقَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِي اَرْضِهَا اِذْ وَقَعَتْ فِي حَفْرَةٍ فَمَاتَتْ (متفق عليه وفي رواية لمسلم عن محمد بن زيد بن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ) وَاَنَّهُ رَاٰهَا عُمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ اَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَاَنَّهَا مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِي الدَّارِ الَّتِيْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۳۸/۶ حديث رقم ۳۱۹۸ واخرجه مسلم ۱۲۳۱/۳ حديث رقم (۱۳۵۔۱۶۱۰) واخرجه احمد في المسند ۱۸۷/۱

ترجمہ: ''حضرت عروہ بن زبیر بن العوام سے مروی ہے کہ (ایک عورت) اروی بنت اوس نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے خلاف مروان بن حکم (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) کی عدالت میں مقدمہ کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ سعید بن زید نے میرا ایک قطعہ زمین (ظلماً) لے لیا ہے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سننے کے بعد بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس عورت کی زمین دبا لوں گا۔ مروان نے پوچھا: تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی بالشت بھر زمین ناحق دبا لے تو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اس زمین کے ساتوں طبقوں کو طوق بنا کر اس شخص کے گلے میں ڈالے گا' مروان نے (یہ سن کر) حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس دلیل کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا کہ تم سے گواہ طلب کروں تاہم حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (زمین کا وہ قطعہ اس عورت کے حق میں چھوڑ دیا اور) کہا: اے اللہ! یہ عورت اگر جھوٹی ہے تو اس کی بینائی چھین لے اور اس کو اسی زمین میں موت دے۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے وہ عورت اندھی ہوگئی تھی اور ایک دن اسی (مذکورہ) زمین پر چل رہی تھی کہ اچانک ایک (گہرے) گڑھے میں گری اور وہیں مرگئی''۔ (بخاری ومسلم)

راویٔ حدیث:

اروی بنت اوس کے حالات مؤلف علیہ الرحمۃ نے ذکر نہیں فرمائے۔ ''اروی'' میں ہمزہ مفتوح اور واؤ مقصور ہے صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ اروی بنت اوس صحابیہ ہیں یا تابعیہ ہیں۔ ''اوس'' میں ہمزہ مفتوح اور واؤ ساکن ہے مشکوٰۃ اور مصابیح کے نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور جامع الاصول میں بصیغۂ تصغیر اوس منقول ہے ''الاکمال'' میں اوس بن ادس نامی ایک صحابی کا ذکر موجود ہے۔

تشریح: نفیل: نون کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور حضرت عمر فاروق کے بہنوئی اور بڑے باکرامت و مستجاب الدعوات تھے۔

اروی: ہمزہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ اسم مقصور ہے۔ صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ ''اروی'' کے بارے میں

معلوم نہیں کہ وہ صحابیہ تھی یا تابعیہ۔

اوس: ہمزہ کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ، مشکاۃ کے نسخوں میں اسی طرح منقول ہے۔ بعض کہتے ہیں مصابیح کے نسخوں میں بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ جامع الاصول میں ''اویس'' ہے یعنی ہمزہ کے ضمہ واؤ کے فتحہ اور یائے ساکنہ کے ساتھ ہے، یعنی ''اویس'' ہمزہ کے فتحہ واؤ کے فتحہ اور یائے ساکنہ کے ساتھ۔

أذا كنت آخذ من ارضها شيًا): یہاں ہمزہ اپنی ذات کے بارے میں انکار ہے۔ جو انکار غیر کو متضمن ہے اور بعد من رسول الله: جہت انکار کے لئے تقریر ہے۔ (سمعت...... شبرًا): شبرًا کا مضاف الیہ 'قدر' یہاں محذوف ہے۔ مراد یہ ہے اگر تھوڑا سا بھی ظلماً غصب کرے۔ (طوق): طاء کے ضمہ اور واو مشددہ مکسورہ کے ساتھ۔ طوّق الله کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالی روز قیامت اس کو ساتھ زمینوں کے برابر بھاری طوق پہنائے گا، ایک نسخہ میں طوق اللہ منقول ہے۔ (الی سبعین ارضین): لفظ ''ارضین'' راء کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ منقول ہے، امام نووی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں: اصل راء کے فتحہ کے ساتھ ہے، سکون کے ساتھ قلیل ہے۔ اس حدیث سے اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ زمین کے بھی سات طبقات ہیں اس کی تائید قرآن کریم کی آیت: ﴿سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلهن﴾ سے بھی ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس سے اقالیم سبعہ مراد لی ہیں ان کو وہم ہوا ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہو تو ظاہر کو ایک بالشت کے بدلے ان میں سے ایک ایک بالشت کا طوق پہنانے کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے برعکس طبقات ارض مراد لیں، تو مفہوم سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ نیچے کی زمین کا حصہ اس زمین کے ہتھیائے ہوئے حصہ کا تابع ہیں۔

فقال له مروان: لا أسألك بينه): ایک نسخہ میں ''ببينةٍ'' کا لفظ منقول ہے، جس میں ایک اضافی باء بھی ہے، مطلب یہ تھا کہ میں آپ سے کوئی دلیل طلب نہیں کروں گا۔ (بعد هٰذا): هٰذا سے سنی گئی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ اور مطلب یہ تھا کہ مجھے تمہارے سچا ہونے کا پختہ یقین ہے، کیونکہ میں تمہاری اندرونی زندگی تک جانتا ہوں، تم کسی پر ظلم ہی نہیں کر سکتے یا مروان کا یہ مطلب تھا کہ تمہارے روایت حدیث میں مجھے کوئی شک نہیں اور نہ اس حدیث کو صحیح ماننے کے لئے میں کسی اور راوی کی تائید کا محتاج ہوں۔ کیونکہ تم خود اپنی معروف حیثیت کے اعتبار سے دو راویوں بلکہ اس سے بھی زائد راویوں کے درجہ میں ہو۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لگتا یوں ہے، جب اروی نے دعویٰ کیا، تو مروان نے حضرت سعید بن زید کو طلب فرمایا۔ اور حضرت سعید سے جواب دعویٰ دینے کا کہا، حضرت سعید نے انکار فرمایا، حضرت سعید کے انکار کے بعد مروان نے اروی سے گواہ طلب کیا، ان کے پاس گواہ تو تھے ہی نہیں، لہٰذا حضرت سعید سے قسم لینے کی ضمن میں یہ گفتگو ہوئی، اور حضرت مروان نے انکی بات تسلیم کرتے ہوئے اس عورت کا دعویٰ خارج کر دیا۔

لیکن اس طرح کرنا مسائل دعویٰ میں بالکل جائز نہیں، اس لئے یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ٹھیک بات وہی ہے جو کرمانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، جو خود روایت سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔

کہ حضرت سعید نے اس زمین کو چھوڑ دیا تھا جس کا دعویٰ اروی نے کیا تھا جیسا کہ عروہ کی نقل اس کے لئے شاید ہے۔

فاعم ہمزہ کے فتحہ اور میم کی کسرہ کے ساتھ، تو اس کو اندھی کر دے۔ (واقتلها في ارضها): ایک نسخہ میں ہے وجعل

قبرها في دارها۔

زمین پر ناحق قبضہ کرنا:

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے:

”من اخذ من الارض شيئًا بغير حقه خسف به الى يوم القيامة الى سبع ارضين“۔

مسند احمد اور طبرانی میں حضرت یعلی بن مرہ سے یوں منقول ہے: ”من اخذ من الارض شيئًا ظلمًا جاء يوم القيامة يحمل ترابها الى المحشر“۔

جب کہ طبرانی اور ضیاء کی ایک اور روایت میں حضرت حکم بن حارث سے یوں منقول ہے: ”من اخذ من طريق المسلمين شيئًا جاء يوم القيامة يحمله من سبع ارضين“۔ انتھیٰ

”جدر“: جیم اور دال دونوں کے ضمہ کے ساتھ اگر چہ دال کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے، یہ ”جدار“ کی جمع ہے۔ ایک نسخہ میں لفظ ”جدر“، جیم کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ منقول ہے جیسے جدار کا معنی دیوار ہے، جدار کی جمع جُدُر جُدْر اور جُدْران آتی ہے۔

کانت صارت کے معنی میں ہے۔ (قبرھا): یہ حقیقتاً یا حکماً۔ یا تو اسی گھڑے میں مٹی ڈال دی گئی تھی کہ کسی نے اس کو باہر نکالنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، یا یہ مطلب ہے کہ وہی زمین اس کا قبرستان بن گئی، (جیسے ہم کہتے ہیں: افغانستان روس کا قبرستان بن گیا)۔

جنگ ”نہاوند“ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت

۵۹۵۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بَعَثَ جَيْشًا وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلاً يُدْعٰى سَارِيَةَ فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ فَقَدِمَ رَسُوْلٌ مِّنَ الْجَيْشِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَقِيْنَا عَدُوَّنَا فَهَزَمُوْنَا فَاِذَا بِصَائِحٍ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ فَاَسْنَدْنَا ظُهُوْرَنَا اِلَى الْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

اخرجه البيهقي في دلائل النبوة ٦/ ٣٧٠

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (جنوبی ہمدان کے ایک شہر) نہاوند کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اس کا سپہ سالار ساریہ نامی آدمی کو مقرر کیا (ایک دن) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (مسجد نبوی میں) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے (اور حاضرین میں اکابر صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ وتابعین بھی تھے) تو انہوں نے (دوران خطبہ) اچانک چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ (یعنی میدان جنگ کا موجودہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلے جاؤ اور پہاڑ کو پشت بنا کر کے نیا مورچہ بنالو لوگوں کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا) اور پھر جب (چند دنوں کے بعد) لشکر کی طرف سے ایک ایلچی آیا تو اس نے (میدانِ جنگ کے حالات سنا کر) کہا کہ امیر المؤمنین! دشمن نے تو ہمیں آ لیا تھا اور ہم شکست سے دوچار ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک کسی شخص کی آواز آئی جو چلا چلا کر

کہہ رہا تھا: ”ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ“ چنانچہ (یہ آواز سن کر) ہم نے (اپنا وہ مورچہ چھوڑ دیا اور پہاڑ کی سمت جا کر) پہاڑ کو اپنا پشت بان بنالیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست سے دوچار کر دیا (اس روایت کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے“۔

راویٔ حدیث:

ساریہ کے حالات مؤلف رحمۃ اللہ علیہ ”الاکمال“ میں ذکر نہیں کئے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ساریہ زنیم کے بیٹے ہیں الخ۔

تشریح: قوله :ان عمرؓ بعث جيشا ...... يدعى سارية :

آمر: میم کی تشدید کے ساتھ، یعنی نہاوند۔

قاموس میں ہے: ساریہ کے والد کا نام زنیم تھا، جن کو حضرت عمرؓ نے نہاوند کے طرف بھیجے گئے لشکر کا امیر بنایا تھا، جن کو حضرت عمرؓ نے خطبہ جمعہ کے دوران نداء دی تھی، لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ذکر نہیں کی جو کہ حقیقت کے مطابق وقوع پذیر ہوئی، یہ آپؓ کی بہت بڑی کرامت اور جلالت شان پر دلالت کرتی ہے، نیز آپ کی خلافت کے حق ہونے کی بھی دلیل ہے۔ (یا ساری): یہ منادیٰ مرخم ہے اصل میں سارية ہے، چنانچہ ایک نسخہ میں بھی سارية ہی منقول ہے۔ (الجبل): (الجبل منصوب ہے الزم فعل محذوف کا مفعول بہ ہے)۔ لقينا بقاف کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ۔ عدونا: یہ مرفوع ہے، ”لقينا“ کا فاعل ہے۔ ایک نسخہ میں لفظ ”لقينا“ قاف کی کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ، جبکہ ”عدونا“ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب منقول ہے۔ (فاذا...... فهزمهم الله تعالىٰ):

اس ایک واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں، ایک تو یہ کہ انہوں نے جنگ نہاوند کا منظر سینکڑوں میل دور مدینہ میں دیکھا، دوسرے یہ کہ ان کی آواز جو مدینہ میں بلند ہوئی تھی سینکڑوں میل دور نہاوند کے مقام تک پہنچی اور وہاں سب لشکر نے ان کو سنا اور تیسرے یہ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں اہل اسلام کو فتح عطا فرمائی۔

کعب احبار کی کرامت

۵۹۵۵: وَعَنْ نُبَيْهَةَ بْنِ وَهْبٍ اَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَائِشَةَ فَذَكَرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَعْبُ مَا مِنْ يَوْمٍ يَطَّلِعُ اِلاَّ نَزَلَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ حَتّٰى يَحُفُّوْا بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْرِبُوْنَ بِاَجْنِحَتِهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا اَمْسَوْا عَرَجُوْا وَهَبَطَ مِثْلُهُمْ فَصَنَعُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْاَرْضُ خَرَجَ فِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ يَزِفُّوْنَهٗ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ١/٥٧ حديث رقم ٩٤

ترجمہ: ''حضرت نبیہۃ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت کعب احبارؒ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب اس مجلس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کی بعض صفات وخصوصیات یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے حالات کا) تذکرہ ہوا تو انہوں نے کہا: ہر روز فجر طلوع ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور (قبر کے اوپر سے گرد وغبار صاف کرنے کے لئے یا انوار قبر سے برکت حاصل کرنے کے لئے) اپنے پروں کو قبر شریف پر مارتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک جب شام ہوتی ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور (انہی کی طرح ستر ہزار) دوسرے فرشتے اترتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح کرتے ہیں (یعنی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پر پھرتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں) یہ سلسلہ (یعنی ہر روز صبح شام اسی طرح ستر ہزار فرشتوں کا اترنا) اس وقت جاری رہے گا جب کہ (قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا اور) قبر شریف شق ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے اٹھیں گے اور ستر ہزار فرشتے (اپنے جلو میں لے کر) محبوب کو حبیب تک پہنچائیں گے''۔

تشریح: (فقال کعب): یہ بات حضرت کعب کو یا تو سابقہ آسمانی عین مذکور پیشینگوئیوں سے معلوم ہوئی ہوگی، یا انہوں نے پہلے زمانے کے بڑے بوڑھوں اور سابقہ آسمانی کتابوں کے عالموں سے سنی ہوں گی، یا یہ کہ خود ان کا کشف اور کراماتی مشاہدہ ہوگا، یہی آخری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس سے ان کی کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہاں ذکر کرنے سے مقصود بھی یہی ہے، یا یہ ان کی کرامت لغوی ہے جو کہ اصل معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وہ شرف بخشا کہ ان کے نام لیوا لوگوں کے ہاتھوں بھی بڑے بڑے کرامات کا ظہور فرمایا۔ جس کو قول (ما من یوم یطلع) سے بیان کیا ہے۔

یطلع باب نصر ینصر سے ہے، اس سے دو وقت مراد ہو سکتا ہے۔ ① طلوع فجر ② طلوع شمس کا وقت

یحفو: حاء اور فاء مشددہ دونوں کے ضمہ کے ساتھ احاطہ کرنا' گھیرنا۔ اسواء: صبح کے وقت میں داخل ہونا۔ عرجوا: راء کے فتحہ کے ساتھ۔ **یزفون** زاء کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ فاء دونوں صورتوں میں مشدد ہے۔

کہ جب آپ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے تو اس وقت بھی ستر ہزار فرشتے جلو میں لے کر محبوب کو حبیب یا محبّ کو محبوب تک پہنچائیں گے۔ محبوب کو حبیب کہنے میں مبالغہ زیادہ ہے، اور لغت کے اعتبار سے بھی بہتر معنی یہی بنتا ہے۔

کیونکہ ضمہ پڑھنے کی صورت میں یہ مثال **زفت العروس الی زوجها** : سے بنتا ہے کہ دلہن کو دولہا تک پہنچایا گیا، اور کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو **زف البعیر یازف الظلیم** سے ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ نر چوپایہ تیزی کے ساتھ مادہ کے طرف گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاموس میں لکھا ہے اس حدیث میں لفظ ''یزفون'' یاء کے ضمہ اور زاء کی کسرہ کے ساتھ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی ضرب کے معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور نصر کے بھی لیکن نصر سے لینا زیادہ بہتر ہے۔

عرضِ مرتب:

خلاصۃ الکرامات:

اولیاء سے کرامات کا صدور اہلسنّت والجماعت کے ہاں برحق ہے صحابہ کرامؓ اوران کے بعد کے حضرات سے کرامات اس تواتر سے ثابت ہیں کہ ان کا انکار کرنا ممکن نہیں اور قرآن پاک سے بھی اس کا ثبوت ہے مثلاً حضرت مریم علیہا السلام کا بغیر مرد کے حاملہ ہونا اور حضرت سلیمان کے وزیر کا آنکھ جھپکنے کی بقدر وقت میں بلقیس کا تخت حاضر کر دینا۔ صحابہ کرامؓ کی کچھ کرامات صاحب مشکوۃ نے ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

①......حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کی کرامت:

یہ دونوں جلیل القدر صحابیؓ اپنے کسی ضروری کام کے سلسلہ میں رات گئے تک حضورؐ کے ساتھ محوگفتگو رہے جب تاریکی زیادہ ہو گئی تو یہ اپنے گھر کیلئے روانہ ہوئے اوران دونوں حضرات کے پاس ایک ایک عصا تھا ان میں سے ایک کا عصا چراغ کی طرح روشن ہوگیا جب ان دونوں کے راستے مختلف ہوئے تو دوسرے کا عصا بھی روشن ہوگیا اس طرح یہ روشنی گھر پہنچنے تک انکے ساتھ رہی۔

②......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کی کرامت:

حضرت جابرؓ اپنے والد کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں رات کو میرے والد نے مجھے بلا کر کہا کہ مجھے اپنے بارے میں یہ گمان ہے کہ کل میں سب سے پہلے شہید ہوں گا میرے ذمہ قرض ہے اس کو ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھنا حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے بارے میں جس طرح ارشاد فرمایا تھا ایسے ہی ہوا یعنی میدان جنگ میں سب سے پہلے ان کے والد ہی شہید ہوئے۔

③......کھانے میں برکت کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت:

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اصحاب صفہ میں سے تین آدمیوں کو کھانا کھلانے کے لئے گھر لے گئے لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا اور نماز پڑھی اور دیر سے گھر تشریف لائے اہلیہ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی اور یہ بتلایا کہ مہمان آپ کے انتظار میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی تاخیر کیوں کردی انہوں نے فرمایا کہ مہمانوں کو کھانا کیوں نہیں کھلایا انہوں نے جواباً کہا کہ مہمانوں نے اکیلے کھانے سے انکار کر دیا ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ کو غصہ آ گیا اور قسم کھائی کہ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا اس پر گھر والوں اور مہمانوں نے بھی کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ کا غصہ ختم ہوا تو ندامت ہوئی اور کھانا منگوا کر کھایا اور سب لوگوں نے بھی کھایا لیکن کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ایک لقمہ اٹھاتے تو کھانا اس سے زیادہ ہو جاتا یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی کرامت تھی۔

④......نجاشی کی قبر پر نور کا ظاہر ہونا:

نجاشی حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا جب انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے مدینہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی جو لوگ حبشہ آتے جاتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ نجاشی کی قبر پر ایک نور دکھائی دیتا ہے یہ ان کی کرامت تھی۔

⑤......نبی کریم ﷺ کے غسل کے وقت کرامت کا ظہور:

نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کا اس بارے میں اختلاف ہوا کہ آیا حضور ﷺ کو کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا بغیر کپڑے اتارے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے ان پر نیند طاری فرما دی پھر ان کو ایک آواز سنائی دی کہ حضور ﷺ کو اس قمیص کے اوپر سے ہی غسل دیا جائے یہ صحابہؓ کی کرامت تھی کہ غیب سے ان کی اس بارے میں رہنمائی ہوئی۔

⑥......حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کرامت:

نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ لشکر سے بچھڑ گئے یا قید ہو گئے لیکن وہاں سے بھاگ آئے اور لشکر کی تلاش میں تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک شیر آ گیا انہوں نے جب اپنا تعارف کرایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں تو وہ شیر آپؓ کا تابع فرمان بن گیا اور آپؓ کا محافظ اور راہنما بن کر آپؓ کو لشکر تک پہنچا دیا۔ یہ حضرت سفینہؓ کی کرامت تھی کہ ایک درندہ آپ کا محافظ اور رہبر بن گیا۔

⑦......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے بارش کا نزول:

ایک مرتبہ اہل مدینہ شدید قحط سے دوچار ہو گئے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ قبر مبارک کے اوپر حجرہ کی چھت میں روشندان کھول دو یہاں تک کہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو اتنی بارش ہوئی کہ قحط کا نام ونشان ختم ہو گیا۔ یہ حضرت عائشہؓ کی کرامت تھی۔

⑧......حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ کی کرامت:

یزید نے جب مدینہ پر حملہ کیا تو تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ تکبیر اور حضرت سعید بن المسیب مسجد نبوی میں موجود تھے لیکن مسجد سے باہر نہیں جا سکتے تھے اس لئے ان کو نماز کے اوقات کا علم کسی اور طریقے سے نہیں ہوتا تھا البتہ ہر نماز کے وقت روضہ رسول ﷺ سے ایک مبہم سی آواز آتی تھی جس سے حضرت سعید بن المسیبؒ کو نماز کے اوقات کا علم ہوتا۔ یہ حضرت سعید بن المسیبؒ کی کرامت تھی۔

⑨......خادم رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت:

حضرت انسؓ نے دس سال تک سرور کونین ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے ان کو مال، عمر، اولاد میں برکت کی دعا دی چنانچہ اس دعا کی برکت سے ان کی عمر ایک سو تین سال یا ننانوے سال ہوئی اور ان کی اولاد کی تعداد ایک سو بیس سے متجاوز تھی اور ان کا باغ ایک سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس کے پھلوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

⑩......حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی کرامت:

قدیم الاسلام صحابی حضرت سعید بن زیدؓ کے خلاف اروٰی نامی ایک عورت نے مروان بن حکم کے دربار میں جھوٹا دعوٰی کیا کہ انہوں نے میری زمین چھین لی ہے تو حضرت سعیدؓ نے اپنی صفائی میں یہ کہا کہ اس حدیث رسول ﷺ کو سننے کے بعد میں کس طرح کسی کی زمین چھین سکتا ہوں مروان نے حدیث پوچھی تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ایک بالشت زمین بھی ظلماً لے لے تو اس کے ساتوں طبقے طوق بنا کر قیامت کے روز اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔ یہ حدیث سن کر مروان نے کہا کہ یہ حدیث سننے کے بعد آپ کی سچائی کے لئے مجھے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں لیکن آپؓ نے وہ اپنی ذاتی زمین اس عورت کو دے دی لیکن یہ دعا بھی کہ اے اللہ اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو یہ اندھی ہو جائے اور اسی زمین میں اس کی موت آئے چنانچہ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ عورت مرنے سے پہلے اندھی ہو گئی اور اسی زمین کے کنویں میں یا کسی گڑھے میں گر کر مر گئی۔ لوگوں نے اس کی لاش نکال کر دفنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اس طرح یہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔

⑪......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت:

حضرت عمرؓ نے ایک لشکر حضرت ساریہ کی زیر قیادت ایران کے ایک شہر نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دوران خطبہ آپ ﷺ نے پکارنا شروع کیا یاسارية الجبل سینکڑوں میل دور یہ آواز ان تک پہنچ گئی اور انہوں نے حضرت عمرؓ کی اس ہدایت پر عمل کیا تو ان کو فتح نصیب ہوئی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ سینکڑوں میل دوران کی آواز پہنچ گئی۔

⑫......حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کی کرامت:

حضرت کعبؓ نے حضرت عائشہؓ کی مجلس میں یہ بتایا کہ ہر صبح اور ہر شام ستر ہزار فرشتے روضہ رسول پر نازل ہوتے ہیں قبر مبارک کو ڈھانپ لیتے ہیں اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور جب حشر برپا ہوگا تو نبی کریم ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اپنے رب تک پہنچیں گے یہ حضرت کعب کی کرامت تھی کہ ان کو فرشتوں کے نزول کا انکشاف ہو گیا تھا۔

صحابہ کرام کی مزید کرامات جن کو صاحب مشکوٰۃ نے بیان نہیں کیا، مندرجہ ذیل ہیں:

علاء بن الحضرمی کے لشکر کو بادل کا سیراب کرنا اور بغیر کشتی کے خلیج عبور کرنا:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ علاء بن حضرمی بحرین کی طرف ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے جس میں میں خود بھی شریک تھا ہمارا راستہ ایک ایسے بے آب جنگل سے تھا جس میں ہمیں سخت پیاس لگی یہاں تک کہ ہم کو موت کا خطرہ ہونے لگا پانی کا کہیں ایک قطرہ نہ ملا تو علاء بن الحضرمی نے نیچے اتر کر دو رکعت نماز ادا کی اور دعا مانگی اے حلیم' اے علیم' اے علی' اے عظیم ہم کو سیراب فرمادے پس فوراً ایک ذرا سا بادل ایک طرف سے اٹھا جو دیکھنے میں پرندے کے ایک بازو کی طرح تھا پھر وہ گرجا اور ہمارے اوپر ایسا برسا کہ ہم نے اپنے پانی کے سب برتن بھر لئے اور اپنی سواریوں کو اچھی طرح پانی پلایا اس کے بعد ہم چلے تو ایک ایسی خلیج میں ہمارا گزر ہوا کہ ایسا پانی ہم نے نہ کبھی پہلے عبور کیا تھا نہ اس کے بعد عبور کیا کسی کشتی کا وہاں پتہ تک نہ مل سکا انہوں نے پھر اتر کر دعا کی پھر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا بسم اللہ پڑھ کر دریا پار ہو جاؤ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے اوپر اوپر گزر گئے خدا کی قسم! نہ ہمارا قدم' نہ کسی اونٹ کا خف' نہ کسی جانور کا کھر تک ذرا تر ہوا اور پورا لشکر چار ہزار آدمیوں کا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خط کی وجہ سے دریائے نیل کا جاری ہونا:

جب مصر فتح ہو گیا تو لوگ حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کے پاس آئے اور جب عجم کے بونہ کا دن منانے کا وقت آیا تو انہوں نے کہا اے امیر جب یہاں قحط پڑتا ہے تو یہاں کی روایات کے مطابق وہ بونہ کی رسم ان ہی کے دستور کے مطابق ادا کئے بغیر نہیں جاتا۔ حضرت عمروؓ نے دریافت کیا وہ رسم کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب مہینے کی ۱۲ تاریخ ہو جاتی ہے تو ہم ایک باکرہ لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس کو زیورات ولباس سے خوب آراستہ کرتے ہیں پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ مکروہ رسم اسلام برداشت نہیں کر سکتا اور جو اسلام سے پہلے رسوم بد ہو چکیں وہ سب ختم ہوئیں آخر جب رسم بونہ کے منانے کا دن آیا تو دریائے نیل میں نہ تھوڑا پانی رہا نہ بہت یہاں تک کہ لوگوں نے یہاں سے جلاوطن ہونے کا ارادہ کر لیا اس پر حضرت عمروؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو یہ قصہ لکھ کر بھیجا انہوں نے اس مضمون کا خط جواباً ارسال فرمایا کہ تم نے جو کیا وہ بالکل درست کیا میں تمہارے پاس ایک خط بھیج رہا ہوں میرے اس خط کو تم دریائے نیل میں ڈال دینا جب وہ خط حضرت عمروؓ کے پاس پہنچا دیکھا تو اس میں یہ مضمون تھا یہ خط ہے اللہ کے ایک بندے عمرؓ کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ وہ شخص تمام مسلمانوں کا امیر مقرر ہوا ہے۔ اما بعد۔ او دریائے نیل اگر تو پہلے سے اپنے ارادے سے چڑھا کرتا تھا تو مت چڑھ ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں اور اگر ایک اللہ واحد قہار کے ارادہ سے چڑھا کرتا تھا اور وہی تجھ کو جاری کیا کرتا تھا تو ہم اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو پھر جاری کر دے چنانچہ حسب حکم یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تو ایک ہی شب میں دریائے نیل میں سولہ سولہ گز پانی آ گیا اور وہ دن ہے اور آج کا دن اللہ تعالیٰ نے اس دستور کو مصریوں سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ابو مسلم پر آگ کا ٹھنڈا اور سلامتی والا ہونا:

حضرت شرحبیل بن مسلم سے روایت ہے کہ اسود بن قیس یمن کی طرف چلا گیا یہ بڑا ظالم شخص تھا اس نے ابو مسلم کو پکڑ کر

بلایا یہ آئے تو اس کمبخت نے کہا کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابو مسلم نے کہا (ایسی خرافات) میں سنتا بھی نہیں (جواب تو کیا دوں) پھر اس نے کہا کہ اچھا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا بے شک میں اس کی گواہی دیتا ہوں پھر مکرر یہ بات مزے لے کر فرماتے رہے آخر اس نے ایک بڑی جگہ ان کے لئے بنوا کر اس میں آگ روشن کی پھر حکم دیا کہ ابو مسلم کو اس میں جھونک دو عجیب بات ہے کہ ابو مسلم جب اس آگ میں ڈالے گئے تو ان پر اس کا اثر ذرا سا بھی نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو اس وقت جب وہ اس میں ڈالے گئے بجھا دیا پھر اسے مشورہ دیا گیا کہ ان کو شہر سے نکال دو تاکہ تمہارے دوسرے ہم مذہبوں کو یہ شخص خراب نہ کرے چنانچہ ان کو نکال دیا گیا۔ ابو مسلم جب مدینہ آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ تھے وہ مسجد شریف کے پاس آئے اور سواری بٹھا کر سب سے پہلے مسجد میں گئے اور ایک ستون کے پیچھے آ کر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے ان کو حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا تو اٹھ کر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے باشندے ہو؟ وہ بولے یمن کا۔ اس پر انہوں نے سوال کیا جس شخص کو اسود عنسی نے جلا دیا تھا تم کو ان کی کچھ خیر و خبر ہے؟ انہوں نے کہا وہ عبداللہ بن ثوب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! سچ بتاؤ وہ تم ہی تو نہ تھے انہوں نے کہا جی ہاں میں ہی تھا پھر کیا تھا مارے خوشی کے انہوں نے اپنے سینے سے لگا لیا اور رو پڑے پھر ان کو اپنے اور ابو بکرؓ کے درمیان لے کر بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اس وقت تک مجھ کو موت نہ دی جب تک کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک شخص ایسا نہ دکھلا دیا جس کے ساتھ راہ خدا میں وہی سلوک ہوا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔

تمیم داری کا آگ کو دھکیل کر گھاٹی میں داخل کر دینا:

حضرت معاویہ بن حرمل بیان کرتے ہیں کہ مقام حرہ میں آگ نمودار ہوئی تو حضرت عمرؓ نے تمیم داری کے پاس آ کر حکم دیا کہ دیکھو یہ آگ لگ رہی ہے اسکی طرف جا کر اسکو ہٹا دو انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میری ہستی کیا ہے اور میں اس قابل کہاں ہوں؟ وہ اصرار فرماتے ہی رہے آخر انکے ساتھ اٹھ کر چل دیئے اور میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا وہ دونوں آگ کی طرف بڑھتے رہے تو تمیم داری اس آگ کو دھکے دے رہے تھے آخر وہ آگ ایک گھاٹی میں جا گھسی اور تمیم داری تھے کہ اسکے پیچھے لگے رہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بات کو بچشم خود دیکھ لے وہ اسکے برابر نہیں ہو سکتا جو خود مشاہدہ نہ کرے تین بار یہ کلمات فرمائے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینا اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچنا:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شکل و شمائل میں حضرت عمرؓ سے مشابہ تھے جب وہ مقام حیرہ میں پہنچے تو لوگوں نے ان سے کہا خبردار رہیے کہیں عجم کے لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں یہ سن کر انہوں نے فرمایا وہ زہر میرے پاس لاؤ (چنانچہ زہر لایا گیا) انہوں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ پڑھ کر پی لیا لیکن ان کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں شراب کا شہد بن جانا:

خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کے سامنے ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس کے ساتھ شراب کا مشکیزہ تھا آپؓ نے دعا کی

اے اللہ! تو اس کو شہد بنا دے وہ شراب شہد بن گئی۔

بعض شہداء کا آسمان پر اٹھالیا جانا:

عروۂ بیر معونہ کے واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ جب اس میں شہادت کا بازار گرم ہوا تو عامر بن طفیلؓ نے ایک شہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ اس پر عمرو بن امیہؓ نے بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں انہوں نے کہا میں نے اس لئے دریافت کیا تھا کہ شہادت کے بعد میں نے بچشم خود معائنہ کیا کہ ان کا جثہ مبارک آسمان کی طرف اتنی دیر تک اٹھایا گیا کہ وہ زمین وآسمان کے درمیان مجھ کو نظر آتا رہا تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر لا کر رکھ دیا گیا اسی قسم کا واقعہ جو حضرت عبداللہؓ حضرت جابرؓ کے والد کے متعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان پر گریہ وزاری نہ کرو فرشتے اپنے بازوؤں کا ان پر اس وقت تک سایہ کیے رہے یہاں تک کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے۔

عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ اصل کرامت تو اتباعِ سنت ہی ہے:

مادی کشف وکرامت سے بہتر روحانی کشف وکرامات ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روحانی کشف وکرامات حاصل ہوتے ہیں' اتباع سنت سے' صرف اتباع ہی ایسی چیز ہے کہ انسان روحانی طور پر صاحب کرامت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان اعمال میں اتنی کشش وجاذبیت ہے جو عنداللہ مقبول ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو اور دعویٰ کرتے ہو: ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [ال عمران ۳۱] میری پیروی کرو۔ فرمایا جو میری اتباع کرے گا وہ صحیح راستے پر ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر آپ کی اتباع کا صلہ اور اجر کیا ہے' وہ یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے محبت کریں گے' بہت سے اعمال ہیں' جن پر بڑے بڑے ثواب حسنات اور درجات ملتے ہیں۔ یعنی تمام اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ ثواب سے دیتے ہیں۔ لیکن اتباعِ سنت ایسی چیز ہے اس کا صلہ' بدلہ اور جزا صرف اپنی محبت ہی سے دیتے ہیں۔ یہ محبت کتنی بڑی چیز ہے اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہے؟ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

ہاں! اور یاد رکھئے کہ جو لوگ کشف وکرامات کی خاطر دعائیں مانگنے میں لگ جاتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ:

ہوا میں اُڑنا شرط نہیں...... پانی پر چلنا شرط نہیں..... کوئی کرامت کے واقعات کا پیش آجانا شرط نہیں۔

بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں جو خود کو گناہوں سے بچالیتا ہو' قرآن مجید نے ان الفاظ میں کہہ دیا:

﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِیَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ [انفال: ۳۴]

''اور (اب) انکے لئے کونسی وجہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے جبکہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں؟ اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں۔ اس کے متولی صرف پرہیزگار ہیں۔ لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(ماخوذ از بیانات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ)

الفصل الاول :

باب وفاة محمد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان

مشکوٰۃ المصابیح کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف "بابٌ" کا لفظ منقول ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں، اصل میں یوں ہے: هٰذا بابٌ فی بیان هجرة اصحابه من مکة وبیان وفاته ﷺ۔ یعنی یہ باب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہجرت مدینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں ہے۔

اور ایک نسخہ میں "باب ما یتعلق بموته ﷺ من المقدمات" کے الفاظ ہیں۔

عرضِ مرتب:

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں "باب" بغیر ترجمہ کے منقول ہے صرف ایک نسخہ میں باب وفاة النبی ﷺ کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی متعلق احادیث کے بیان میں ہے اور زیادہ مناسب بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مشکوٰۃ کے مؤلف کی عادت پر ہے کہ جہاں پر پچھلے باب سے متعلق احادیث نقل کرنا مقصود ہوں تو وہاں تو صرف باب کا لفظ بغیر ترجمہ کے ذکر فرماتے ہیں اور یہاں اس باب کی احادیث کا پچھلے باب یعنی باب الکرامات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ اس باب کی احادیث وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں اس لئے یہ دوسرا نسخہ زیادہ مناسب ہے۔

چونکہ مؤلف کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ جہاں پر پچھلے باب سے متعلق احادیث بیان کرنا چاہتے ہیں تو وہاں باب کا لفظ بغیر ترجمہ کے ذکر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس باب کے بعد جو اگلا باب ہے وہ بغیر ترجمہ کے ہے اس لئے کہ اس میں بھی وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ زیادہ صحیح یہی نسخہ ہے کہ جس میں باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان ہے۔

علالت کی ابتداء:

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتہً مزاج ناساز ہو گیا سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

مرض الوفات کی ابتدا کس دن سے ہوئی؟ تو اس میں بہت سے اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے گیارہویں سال صفر کے آخر میں جبکہ مہینہ ختم ہونے میں ایک یا دو راتیں باقی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت شروع ہو گئی ایک روایت میں مرض کی ابتداء ربیع الاول میں ہوئی علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنی مشہور تصنیف الوفاء میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز ماہ صفر کی اس

تاریخ کو ہوا جبکہ مہینہ ختم ہونے میں ایک یا دو راتیں باقی تھیں (یعنی صفر کے آخری عشرہ میں) اور وصال ۱۲ ربیع الاول کو ہوا سلیمان تیمی جو ایک قابل اعتماد اور ثقہ راوی ہیں انہوں نے بالجزم فرمایا کہ مرض کا آغاز ۲۲ صفر بروز بدھ ہوا اور انتقال پر ملال ۱۲ ربیع الاول بروز بدھ کو ہوا۔

مرض میں شدت:

آپ ﷺ کو جو بخار سر درد لاحق ہوا تھا وہ بڑھتا ہی گیا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی وجہ سے بے چین رہتے اور بستر پر کروٹیں بدلتے رہتے آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا کہ ہم (انبیاء) کو اتنی سخت بیماری سے دوچار ہونا پڑتا ہے اتنا کوئی اور اس میں مبتلا نہیں ہوتا لیکن اجر وثواب بھی ہمیں زیادہ ملتا ہے۔

آپ ﷺ میں جب تک طاقت رہی اس وقت تک آپ ﷺ برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد بروز دوشنبہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگ آپ ﷺ کے منتظر ہیں آپ ﷺ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدت مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے تھے اخیر میں فرمایا کہ ابوبکرؓ کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ بہت رقیق القلب ہیں لیکن آپ ﷺ نے تاکید اور اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ نے سترہ نمازیں نہیں پڑھائیں اور اس شدت مرض کی حالت میں بھی آپ ﷺ نے چالیس غلام آزاد فرمائے۔

آخری وصیتیں:

نبی کریمؐ نے اپنے مرض الوفات میں بار بار جن چیزوں کا حکم دیا وہ تھیں: **الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم** یعنی نمازوں کا اہتمام کرنا اس میں غفلت اور سستی نہ کرنا اور اپنے غلام اور باندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا۔

ایک مرتبہ جب ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! میں تم کو رخصت کرتا ہوں اور تم کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور نیک کاری کو لازم پکڑو اس لئے کہ میں دنیا چھوڑ کر تم سے جدا ہو رہا ہوں۔

مرض الوفات کے اہم واقعات:

①: مرض الوفات میں بہت سے واقعات ہوئے انہیں میں سے اہم واقعہ یہ ہوا کہ بروز جمعرات آپ ﷺ کا ارادہ ایک وصیت لکھوانے کا ہوا اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ سے فرمایا کہ بکری کے شانے کی ہڈی لاؤ (شانے کی ہڈی چوڑی ہوتی ہے اس پر آسانی سے لکھا جا سکتا ہے) کوئی تختہ لاؤ تاکہ ابوبکرؓ کے لئے وصیت لکھ دوں حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے اٹھنا چاہا تاکہ ہڈی

یا تختہ لے آئیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رہنے دو اس کی حاجت نہیں خدا تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے حق میں اختلاف نہیں کریں گے یعنی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بالا جماع پر سب متفق ہو جائیں گے۔

(۴): ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں عبدالمطلب کے بیٹوں کے چہروں میں موت کی علامت اور نشانیاں پہچانتا ہوں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے تم ان سے اس امر یعنی خلافت کو طلب کرو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں کہ اگر میں حضور ﷺ سے خلافت طلب کروں اور وہ مجھے نہ دیں تو کیا پھر بھی لوگ مجھے خلافت سونپ دیں گے؟ یعنی حضور ﷺ کے منع کرنے کے بعد لوگ ہرگز مجھے خلافت نہ دیں گے اس لئے میں آپ ﷺ سے ہرگز اس کا مطالبہ نہیں کروں گا۔

(۵): مرض الوفات میں آپ ﷺ کے پاس سات دینار تھے آپ ﷺ نے وہ دینار صدقہ کر دیئے تا کہ اپنے پیچھے کچھ مال وغیرہ نہ چھوڑیں۔

یوم الوصال:

یہ جان گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت ورسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی کے انوار وتجلیات سے محروم کر دیا بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول میں بروز دوشنبہ (پیر) کو ہوئی اختلاف دو باتوں میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرا یہ کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی۔

مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا یہی روایت زیادہ صحیح ہے اور یہ اختلاف بھی معمولی سا ہے اس لئے کہ چاشت اور زوال میں زیادہ فاصلہ نہیں۔

البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے۔ مشہور قول کی بنا پر وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی جبکہ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دو ربیع الاول تاریخ وصال قرار دی ہے حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس قول کی ایک وجہ بھی ہے وہ یہ کہ حضرت فاطمہ ؓ کا انتقال حضور ﷺ کے انتقال کے ٹھیک چھ ماہ بعد ہوا اور ان کا انتقال ۲ رمضان کو ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انتقال ۲ ربیع الاول کو ہوا لیکن ۱۲ ربیع الاول کا قول زیادہ مشہور ہے۔

جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو بعض لوگوں کو تردد ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے یا نہیں' تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ جو پہلے حضرت جعفرؓ کے عقد میں تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے نکاح میں آئیں پھر صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا انہوں نے حضور ﷺ کے شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا اور کہا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے کہ آپ کے شانوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی وہ اٹھا لی گئی ہے۔

اسی طرح ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وفات کے دن میں نے اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر رکھ کر دیکھا تو میرے ہاتھ میں کئی ہفتے تک مشک کی خوشبو رہی حالانکہ میں کھانے کے وقت اسی طرح وضو وغیرہ کے وقت ہاتھ دھوتی تھی لیکن یہ خوشبو ہاتھ سے نہ جاتی تھی۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک باران کی قوت حافظہ اور جودت فہم کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو غسل دیتے وقت جو پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں میں جمع ہو گیا تھا وہ میں نے اپنی زبان سے اٹھا کر پی لیا تھا اسی کی برکت سے قوت حافظہ وفہم نصیب ہوئی۔

غسل تجہیز وتکفین:

صدیق اکبرؓ کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز وتکفین میں مشغول ہوئے جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ یکلخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو۔ چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہلایا گیا۔

حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں بیٹے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور حضرت اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں کرتا اور عمامہ نہیں تھا بعض حضرات نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کرتا اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ ان تین کے علاوہ تھے لیکن یہ مطلب قرین قیاس نہیں مختار یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ کفن صرف تین کپڑوں میں دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک یہی مطلب مختار ہے اور اسی بناء پر حنفیہ کے نزدیک تین کپڑوں یعنی ازار، قمیص اور لفافہ میں کفن دینا مستحب ہے۔

نمازِ جنازہ:

سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرہ میں آتا اور ہر ایک تنہا نمازِ جنازہ پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آجاتے تھے اس طرح پہلے مردوں نے نماز جنازہ پڑھی پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔

تدفین:

تجہیز وتکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

فرماتے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہٹا کر قبر کھودنا تجویز ہوا لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا کہ مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابوعبیدہ بغلی قبر اور ابوطلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جائے جو شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے چنانچہ ابوطلحہ پہلے آپہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد تیار کی۔

دوشنبہ (پیر) کو دوپہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے چہارشنبہ (بدھ) شب میں آپ دفن ہوئے جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ (منگل) کو سورج ڈھلنے کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحب زادے فضلؓ اور قثمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اتارا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اتارنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقرانؓ نے لحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک بچھادی اور کہا کہ مجھے یہ گوارہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا شخص اس چادر کو اوڑھے لیکن ایک روایت کے مطابق صحابہ نے شقرانؓ کی اس بات کو پسند نہیں کیا اور مٹی ڈالنے سے پہلے وہ چادر نکال لی گئی تھی اسی لئے تمام علماء نے قبر میں میت کے نیچے کسی طرح کی چادر وغیرہ بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک نو کچی اینٹیں کھڑی کر کے بند کی گئی اور قبر مبارک مسنم یعنی اونٹ کی کوہان کی طرح بنائی گئی پھر اس پر سنگریزے بچھا کر پانی چھڑک دیا گیا اسی وجہ سے چاروں ائمہ کے نزدیک قبر کو مسنم بنانا مستحب ہے۔

الفصل الاول:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد

۵۹۵۶: عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ اَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَجَعَلَا يُقْرِءَ انِنَا الْقُرْاٰنَ ثُمَّ جَآءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ ثُمَّ جَآءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيْ عِشْرِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْتُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ فَرْحَهُمْ بِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْيَانَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَآءَ فَمَا جَآءَ حَتّٰى قَرَاْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى فِيْ سُوَرٍ مِثْلِهَا مِنَ الْمُفَصَّلِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری ٦٩٩/٨ حديث رقم ٤٩٤١ و احمد فی المسند ٢٨٤/٤۔

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ہجرت نبوی سے قبل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور

دونوں حضرات نے (آتے ہی) ہمیں قرآن کی تعلیم دینا شروع کر دی تھی پھر حضرت عمار بن یاسر' حضرت بلال بن رباح اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم آئے اور پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ) نزول اجلال فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ (اس دن جب کہ اہل مدینہ کے نصیب جاگے تھے) میں نے مدینہ والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر جتنا فرحاں و شاداں دیکھا تھا اتنا انہیں کسی چیز سے خوش ہوتے نہیں دیکھا میں نے یہاں تک دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں (مارے خوشی کے) یہ نعرے لگا رہے تھے: یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (جو ہماری بستی میں) تشریف لائے ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اوساط مفصل کی ہم مثل سورتوں میں سے سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى سیکھ لی تھی (یا یہ کہ اوساط مفصل کی دوسری ہم مثل سورتوں کے ساتھ ساتھ سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى بھی سیکھ لی تھی")۔ (بخاری)

تشریح: عشرین: اس کی تمیز "رجلاً" محذوف ہے۔

ولائد: ولیدۃ کی جمع ہے، چھوٹی لڑکی۔ مذکر کے لئے ولید کا وزن بمعنی مفعول آتا ہے، بعض مرتبہ ولیدہ نوجوان لڑکی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک شارح نے لکھا ہے ولیدہ بچی اور باندی ہر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (**والصبیان**): یہ جمع ہے صبیٌ کی۔ (**حتی...... سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى**): یعنی میں نے یہ سورت سیکھ لی تھی یہاں ذکر تو مسبب یعنی قراءت کا ہے لیکن مراد سبب (تعلیم) ہے۔ (**فی سورٍ**): لفظ سورٍ سے قبل مضاف 'جملة' یا 'مَعَ' محذوف ہے۔ (**مثلها**): ھا ضمیر سورہ سبح کی طرف راجع ہے، اور مراد باعتبار مقدار کے ہے۔ (**من المفصل**): یہاں مفصل سے اوساط مفصل مراد ہے۔ اس جملہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ اعلیٰ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سورت کی آیت ﴿**قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربه فصلی**﴾ چونکہ صدقہ فطر کے بارے میں ہے اور صدقہ فطر اور نماز عید کا وجوب ۲ ہجری کا واقعہ ہے، اس لئے سورہ الاعلیٰ کو مکی سورہ کہنے پر اشکال واقع ہو سکتا ہے، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں آیتوں یعنی **قد افلح** اور **وذکر اسم ربه فصلی** ○ کے علاوہ باقی پوری سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے، تو پھر مذکورہ اشکال نہیں ہوگا۔

حقیقت میں نہ یہ اشکال صحیح ہے اور نہ یہ احتمال، کیونکہ صحیح تر روایت کے مطابق یہ سورہ اپنی تمام آیتوں کے ساتھ مکہ میں نازل ہوئی، بعد میں جب مدینہ منورہ آ کر صدقہ فطر اور نماز عید کو واجب کیا گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان دونوں آیتوں کی مراد بیان فرمائی، کہ ان کا مضمون دراصل صدقہ فطر اور نماز عید کی اہمیت وفضیلت کے اظہار سے تعلق رکھتا ہے۔

آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں محض مالی عبادتوں (صدقہ وزکوٰۃ اور صلوٰۃ) کی تلقین وترغیب ہے، جس میں اصل مقصد کا بیان نہیں اصل مقصودی چیز کو بعد میں سنت نے اس وقت بیان کیا جب صدقہ فطر اور نماز عید کو واجب قرار دیا گیا۔ بعض محققین نے بھی اسی طرح تفصیل بیان کی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رمز شناسی

۵۹۵۷: وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا مَا شَآءَ وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَہٗ فَبَکٰی اَبُوْ بَکْرٍ قَالَ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا فَعَجِبْنَا لَہٗ فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا اِلٰی ھٰذَا الشَّیْخِ یُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ وَھُوَ یَقُوْلُ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الْمُخَیَّرُ وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ اَعْلَمَنَا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٢٧/٧ حديث رقم ٣٩٠٤ ومسلم في صحيحه ١٨٥٤/٤ حديث رقم ٢٣٨٢/٢ واخرجه الترمذي في السنن ٥٦٨/٥ حديث رقم ٣٦٦٠۔

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مرض وفات کے ایام میں ایک دن' یا جیسا کہ ایک روایت میں وضاحت بھی ہے' وفات سے پانچ راتیں پہلے) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور (ہمیں خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو وہ اس دنیا کی بہار کا انتخاب کر لے جو اللہ دینا چاہے (یا خود بندہ لینا چاہے) اور چاہے تو اس چیز کا انتخاب کر لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (یعنی آخرت کی نعمتیں) تو اس نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں (اور آخرت کے اجر و ثواب) کو اختیار کر لیا ہے (کیونکہ اصل اور ابدی نعمتیں تو وہی ہیں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) رو پڑے اور عرض کیا: (یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (اگر ہماری جانوں کا نذرانہ کچھ کارگر ہو سکے تو) ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان ہوں' ہمارے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان ہو جائیں۔ ہم لوگوں (یعنی وہاں موجود صحابہ) کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تعجب ہوا (کہ آخر اس موقع پر رونے اور جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا باعث کیا چیز بنی ہے؟) چنانچہ کچھ لوگوں نے تو (آپس میں ایک دوسرے سے) یہ بھی کہا کہ اس بزرگ کو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا ہے کہ چاہے دنیا کی بہار کا انتخاب کرے اور چاہے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کا اور یہ بڑے بزرگ کہہ رہے ہیں کہ (یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں؟ (لیکن مراد خود اپنی ذات مبارک تھی) اور چنانچہ جس بندہ کو اختیار دیئے جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے' وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: زھرہ: زاء کے فتحہ کے ساتھ، مراد دنیا کی بہار حسن اور رونقوں کا انتخاب کرنا ہے۔ (ما شاء): یہ مفعول ہے یؤتیہ کا، اور مطلب یہ ہے کہ اگر چاہیں تو طویل عمر تک دنیا میں رہیں اور اس سے نفع حاصل کرنے کو اختیار کریں، یا آخرت کو۔

قولہ: یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فہم کا کمال تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی فوراً سمجھ لیا تھا کہ ذات

رسالت پناہ ﷺ کی مفارقت کا وقت قریب آ گیا ہے۔اور آپ ہمارے درمیان چند ہی دنوں کے مہمان ہیں۔انہوں نے یہ حقیقت یا تو آپ کی شدید علالت کے قرینہ سے پہچانی تھی، یا انہوں نے گہرائی میں جا کر ارشاد گرامی کے رمز کو تلاش کیا کہ دنیا کی عزت اور پر بہار نعمتوں سے منہ موڑ لینا اور آخرت کی ابدی حقیقتوں کو برضا و رغبت اختیار کر لینا، وہ وصف ہے جو صرف اللہ کے نیک ترین بندوں کے مقام تسلیم و رضا اور قرب کو ظاہر کرتا ہے۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بخوبی اس کا بھی علم تھا کہ اس دنیا کی زیب و زینت مقام سید الانبیاء کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

لہٰذا ان کا ذہن اس حقیقت کی طرف منتقل ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ ایک ''بندہ خدا'' کہہ کر دراصل اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ دنیاوی حیات و بقاء کو چھوڑ کر موت اور بقائے حق کو اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے، اس لئے آپ رونے لگے۔

قوله يقال :فدينا ...... هو المخير.

قال: جملہ مستانفہ ہے۔اور ''المخير'' منصوب ہے جب کہ درمیان میں لفظ ''هو''، ضمیر فصل ہے، ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ منقول ہے۔

قوله : وكان ابو بكر اعلمنا: اعلم اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی بلا شبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب لوگوں میں سب سے زیادہ دانا تھے کہ انہوں نے فوراً اس اشارہ کو پہچان لیا کہ جس بندہ کو اختیار دیئے جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے، وہ خود آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔

اور کوئی بعید نہیں اعلمنا فعل ماضی کا صیغہ ہو۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: **قد كان اعلمنا القضية لكنا مافهمنا بالكلية** کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہم کو قضیہ کے بارے میں بتایا تھا لیکن ہم اس کو مکمل طور پر سمجھ نہ پائے۔

آخری ایام کا ایک جامع خطاب

۵۹۵۸: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّيْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّيْ لَاَ نْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا وَاِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّيْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ وَلٰكِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِكُوْا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۳۴۸/۷ حديث رقم ۴۰۴۲ واخرجه مسلم فى صحيحه ۱۷۹۵/۴ حديث رقم (۳۰-۲۲۹۶) واخرجه النسائى فى السنن ۶۱/۴ حديث رقم ۱۹۵۴ و احمد فى المسند ۱۴۸/۴

ترجمہ: ''حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے شہیدوں پر (ان کی

تدفین کے) آٹھ سال بعد نماز پڑھی ایک ایسے شخص کی طرح کہ جو زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو' احد کے شہیدوں پر (ان کی تدفین کے) آٹھ سال بعد نماز پڑھی اور پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تمہارے آگے تمہارا میر منزل ہوں' میں تم پر گواہ ہوں گا' تم سے کیا گیا وعدہ پورا ہونے کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اس وقت بھی اپنے منبر پر بیٹھا ہوا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں' مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھے تم لوگوں کے بارے میں (مجموعی طور پر) اس بات کا تو خدشہ نہیں کہ تم میرے بعد کفر وشرک اختیار کر لو گے البتہ مجھے یہ خدشہ ضرور ہے کہ دنیا میں تمہاری دلچسپی زیادہ ہو جائے گی'' ۔بعض راویوں نے یہاں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں ''اور (دنیا میں تمہاری دلچسپی حد سے زیادہ بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) تم (ملک و دولت اور حکومت واقتدار کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے کا) قتل وقتال کرنے لگو گے اور پھر تم ایسے ہی ہلاک ہو جاؤ گے جیسے پہلے لوگ ہلاک وتباہ ہو گئے تھے'' ۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''قتلی'': قتیل کی جمع ہے۔ مراد شہدائے احد ہیں۔ باقی (اتنے عرصہ کے بعد آنحضرت ﷺ کا ان پر جنازہ کی نماز پڑھنا) یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا۔ یا ان شہداء کی خصوصیات میں سے ہے جب کہ شوافع کے مسلک میں شہداء کے لئے جنازہ کی نماز نہیں ہے، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اُحد کے شہداء کے لئے نماز پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء اُحد کے حق میں دعاء استغفار کیا۔ (**کالمودع...... الاموات**): امام مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُردوں کو وداع کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ ان کے ساتھ اس دنیاوی تعلق کا وہ سلسلہ اب ختم ہونے والا ہے جو دعا واستغفار اور ایصال ثواب کی صورت میں زندگی بھر جاری رہا۔ اور زندوں کو وداع کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ بہت جلد اپنے صحابہ اور متعلقین سے جدا ہو جائیں گے، اور اس دنیا میں ذات رسالت ﷺ کے وجود سے جو نور ہدایت اور فیضان صحبت حاصل ہوتا وہ کسی کو پھر کبھی اس دنیا میں حاصل نہیں ہوگا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے چند دن قبل کا ہے۔ (**ثم طلع...... ''فرط''**): لفظ 'فرط' فاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ فرط: اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قافلہ کو پیچھے چھوڑ کر خود منزل پر پہلے پہنچ جائے تا کہ وہاں قافلہ سے پہلے قیام وطعام اور جملہ آسائش وضروریات کا انتظام درست رکھے۔

آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں تم لوگوں سے پہلے عالم آخرت میں جا رہا ہوں تا کہ وہاں تم لوگوں کی کارسازی اور نجات وشفاعت کے اسباب مہیا کروں، یا یہ کہ حشر میں تمہاری شفاعت چونکہ مجھے کرنی ہے اس لئے تم سے پہلے وہاں پہنچ کر میں شفاعت کے لئے تیار رہوں گا کیونکہ شفیع مشفوع سے پہلے جاتا ہے، جیسا کہ ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''**من کان له فرطان من امتی ادخله الله بهما الجنة**''۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر پوچھا: **فمن کان له فرط من امتك؟** آپ ﷺ نے فرمایا ''**ومن کان لهٗ فرط یا موفقة**''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا: **فمن لم یکن لهٗ فرط من امتك؟** آپ ﷺ نے فرمایا: ''**فانا فرط لامتی لن یصابوا بمثلی**''۔ اس روایت سے بھی امت کے لئے آپ کی شفاعت ثابت ہوتی ہے۔

قوله: وانا علیکم شهید: مگر یعنی میں تمہارے احوال سے مطلع رہوں گا، کیونکہ تمہارے اعمال وحالات وہاں میرے

سامنے پیش کئے جاتے رہیں گے، یا یہ کہ میں تمہارا شاہد ہوں گا سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں، میں تمہاری فرمانبرداری واطاعت اور تمہاری دعوت اسلام قبول کرنے کی گواہی دوں گا۔

قولہ :وان موعدکم الحوض: یعنی آخرت میں حوض کوثر وہ مقام ہے، جہاں پہنچ کر نیک وبد باطن، مؤمن ومنافق کے درمیان خط امتیاز قائم ہوجائے گا، اس طرح محشر میں تمہاری شفاعت خاص کا جو میرا وعدہ ہے وہ حوض کوثر پر پورا ہوگا، کہ وہاں صرف اہل ایمان کو میری شفاعت پر حوض کوثر سے سیراب ہونے کا موقع ملے گا۔ (وانی لانظر): ''میں حوض کوثر دیکھ رہا ہوں'' یہ ارشاد گرامی اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول تھا۔ (وانا فی مقامی ھذا): ھذا: سے اشارہ منبر کی طرف ہے، گویا آپ ﷺ کے لئے حوض کوثر کو آخرت کے پردوں سے بے حجاب کردیا گیا تھا اور آپ ﷺ ظاہری آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

قولہ :وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض: عنقریب میری امت کو جہاد کی برکت سے زمین کے خزانے نصیب ہوں گے، کہ میرے بعد مجاہدین امت کے ہاتھوں بڑے بڑے علاقے فتح ہوں گے، اور وہاں کے لوگ ایمان واسلام قبول کرلیں گے، ان کے خزانے میری امت کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔

قولہ :وانی لست اخشی علیکم): مجموعی حیثیت سے ساری امت دوبارہ گمراہ نہیں ہوگی۔ (ان تشرکوا بعدی): البتہ کچھ بدنصیب لوگ کفر شرک کے اندھیروں کی طرف پھر لوٹ جائیں گے۔ (ولکن..... تنافسوا): (تنافسوا، اصل میں تتنافسوا تھا، ایک تاء کو حذف کردیا گیا ہے) رغبت کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی تم دنیا کی نفیس چیزوں میں رغبت کرنے لگو گے اور تم پوری طرح اس کی طرف مائل ہونے لگو گے کیونکہ منافسہ فانی نعمتوں کے مناسب نہیں بلکہ امور باقیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [المطففین: ٢٦] (اور نعمتوں کے شائقین یعنی کامل اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ اسی (آخرت) کی نعمتوں سے رغبت ودلچسپی رکھیں)۔

قولہ :وزاد بعضھم......: بعض راویوں نے یہاں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں، کہ دنیا میں تمہاری دلچسپی حد سے بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ملک ودولت اور حکومت واقتدار کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو گے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کے متعدد معجزوں کا اظہار ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کا فرمانا: میری امت زمین کے خزانوں کی مالک بنے گی، بالکل سچ اور واقع کے مطابق ثابت ہوا دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں جو یہ خبر دی کہ وہ مرتد نہیں ہوگی، تو ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ کو کفر وارتداد سے بچایا۔ تیسرا یہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا بھی کہ میری امت کے لوگ دنیا میں زیادہ دلچسپی لینے لگیں گے، بالکل صحیح ثابت ہوا۔

وصالِ مبارک کا واقعہ

٥٩٥٩: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ يَوْمِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَاِنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَدَخَلَ

عَلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَبِيَدِهٖ سِوَاكٌ وَاَنَا مُسْنِدَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَيْتُهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهِ وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ السِّوَاكَ فَقُلْتُ اٰخُذُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ وَقُلْتُ اُلَيِّنُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَلَيَّنْتُهٗ فَاَمَرَّهٗ وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فِيْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَيَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهٗ فَجَعَلَ يَقُوْلُ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهٗ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱٤٤/۸حديث رقم ٤٤٤۹ومسلم فی صحيحه ۱۸۹۳/٤حديث رقم (۸٤-۲٤٤۳) و احمد فی المسند ٤۸/٦

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن خصوصی انعامات سے نوازا ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں' میری باری کے دن۔ میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کو جمع کر دیا (جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آخری لمحات میں میرے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے' میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بار بار) ان کی طرف (یعنی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف یا ان کی مسواک کی طرف) دیکھ رہے ہیں۔ مجھے چونکہ معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عام طور پر یا تبدیلی ذائقہ کے وقت خاص طور پر) مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں اس لئے میں نے پوچھا کہ کیا میں ان سے یہ مسواک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے لے لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اشارہ سے بتایا کہ ہاں لے لو۔ میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسواک کرنی چاہی تو اس کے سخت ہونے کی وجہ سے) دشواری محسوس کی' میں نے عرض کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کے لئے اس مسواک کو (اپنے دانتوں سے) نرم کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سر کے اشارہ سے اجازت دی تو میں نے مسواک کو نرم کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مسواک اپنے دانتوں پر پھیری (بالکل آخری لمحات اس طرح گزرے کہ اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اس پانی میں ڈالتے اور (بھگوکر) اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور فرماتے: لا الٰہ الا اللہ موت کے وقت سختیاں ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کے لئے یا آسمان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے) ہاتھ اٹھا کر یہ کہنا شروع کیا: (اے اللہ!) مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما! یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نیچے گر پڑے''۔ (بخاری)

تشریح: قوله :ان من نعم الله ...... بين سحری و نحری:

اس جملہ کے ذریعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے دن تک مرض الموت کی پوری مدت میرے ہی گھر میں رہے، لیکن میری مزید خوش بختی یہ رہی کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی وہ حساب کے اعتبار سے وہی دن تھا جس میں میرے ہاں قیام کی باری آتی۔

جامع الاصول میں لکھا ہے کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی ابتداء سر درد سے ہوئی، اس دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

عائشہ ہی کے ہاں تھے۔اس کے بعد جس دن دردسر اور بیماری میں شدت پیدا ہوئی، تو آپ ﷺ حضرت میمونہ کے ہاں تھے۔پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیماری کے ایام گزارنے کی اجازت طلب فرمائی، چنانچہ سب نے برضا ورغبت آپ کو اجازت دے دی۔اور آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مقیم ہوئے۔جامع الاصول میں مزید لکھا ہے: کہ مرض الموت کی مدت بارہ دن رہی، اور آپ کی وفات ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن چاشت کے وقت ہوئی۔تاریخ کے بارے میں بعض حضرات نے ۱۲ ربیع الاول بیان کی ہے، اکثر روایتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔بعض نے ۲ ربیع الاول بھی لکھا ہے لیکن یہ خبر واحد ہے۔

وبین سحری و نحری: دونوں کے حرف اول پر فتحہ اور ثانی پر سکون ہے) یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام محبوبیت اور کمال قرب وتعلق پر دلالت کرتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد اس حال میں کی کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

النہایہ میں ہے کہ "سحر" سے مراد پھیپھڑا ہے، بعض نے لکھا ہے اس سے بطن کا وہ حصہ مراد ہے جو حلوم ہوتا ہے، یعنی پھیپھڑا۔

ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نحر سے مراد سینہ کا انتہائی اوپری حصہ ہے جہاں ہار پہنا جاتا ہے۔ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سحر سے مراد سینہ ہے، اور اسی کو رئۃ بھی کہا جاتا ہے، نحر سے خاص مقام صدر مراد ہے۔

بہرحال مطلب یہ ہے کہ پاک روح نے جس وقت جسد اطہر سے پرواز کی تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ اور گردن سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ایک روایت میں: "**بین حاقنی و ذاقنی**" کے الفاظ بھی منقول ہیں: کہ آپ کا سر مبارک میری ٹھوڑی اور سینہ کے درمیان تھا۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد طرق کثیرہ سے نقل کیا گیا، اور یہ ارشاد حاکم اور ابن سعد کی روایت **ان رأسه الکریم کان فی حجر علی کرم الله وجهه**، کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا' کے معارض نہیں ہے، کیونکہ اول تو ان دونوں نے جو طرق کثیر سے اس روایت کو نقل کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی سلسلہ ایسا نہیں ہے، جو کسی طرح کی ایک خرابی سے خالی ہو، دوسرا یہ کہ اگر ان طرق کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس روایت کی تاویل کی جائے گی کہ آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں وفات سے پہلے تھا اور وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ مبارک پر تھا۔

قوله: وان الله جمع بین ریقی و ریقه عند موته۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ (نحوی) فرماتے ہیں کہ "ان" ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔یہ جملہ منصوب ہے کیونکہ اس کا عطف "**ان رسول الله**" پر ہے، جس ترکیب کی علت یوں ہوگی کہ من جملہ اللہ کی نعمتوں کے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میرا اور آپ ﷺ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا تھا۔

اگر اس کے برعکس کسرہ دیا جائے تو اس کا عطف جملہ "**ان من نعم الله**" پر ہوگا، اور یہ جملہ محض ایک خبر

شمار ہوگی۔

(میں) ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کسرہ والی روایت صحیح مان لی جائے تو اس کی توجیہہ یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ یہاں ''واؤ'' حالیہ ہے۔ لفظ ''ریق'' راء کے کسرہ کے ساتھ لعاب دہن کو کہا جاتا ہے، دونوں حضرات کے لعاب کے جمع ہونے کی وجہ معلوم ہونا ضروری تھا اس لئے حضرت ام المؤمنین نے نیا کلام بیان کرتے ہوئے قصہ یوں بیان کیا: (دخل علي): علي، عندی کے معنی میں ہے۔ (وانا...... ﷺ): یہاں لفظ مسنده اضافت کے ساتھ ہے، جبکہ ایک نسخہ میں تنوین کے ساتھ، اور لفظ رسول نصب کے ساتھ منقول ہے۔ لفظ مسند، میم کے ضمہ، نون کے کسرہ کے ساتھ مجرد و مزید دونوں سے آتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے مسند الیه استند و اسندته انا کذا۔

(فأشار برأسه ان نعم): یہاں ''نعم'' سے پہلے والا ان تفسیر یہ ہے۔ (و قلت): ایک نسخہ میں ''واؤ'' کے بجائے فاء سے یعنی فقلت ہے۔ (الینهٔ لك): لفظ الینه کے یاء پر تشدید ہے، اور یاء مشدد مکسور ہے۔ (فامرهٔ علی اسنانه): لفظ امرّ، الامرار مصدر سے ماضی کا صیغہ ہے اس کی راء مشدد ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ آخری لمحات میں بھی آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راضی تھے۔ رکوہ :برتن کو کہا جاتا ہے۔ یدیه کو تثنیہ لایا گیا۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اس وقت آپ ﷺ کے مزاج مبارک پر حرارت کا بہت غلبہ تھا اور بھگا ہوا ہاتھ چہرے پر پھیر لینے سے ایک گونہ تسکین مل جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ اس میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے اپنے عجز اور عبودیت کے اظہار کا اشارہ بھی تھا، اس حدیث سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ سکرات الموت کے وقت یہ عمل ہر مریض کو اختیار کرنا چاہئے اگر خود مریض اس پر قادر نہ ہو تو تیمارداروں کو چاہئے کہ وہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے پانی میں اپنا ہاتھ تر کر کے مریض کے چہرے پر پھیریں یا اس کے حلق میں پانی ٹپکائیں، کیونکہ اس سے کرب میں تخفیف ہوتی ہے بلکہ اگر حاجت شدید ہو تو پھر پانی ٹپکانا واجب ہو جاتا ہے۔

قوله :و یقول :لا الٰه الا الله للموت سکرات:

سکرات، سین، کاف، اور راء سب کے فتحہ کے ساتھ، سکرۃ کی جمع ہے، جس کے معنی سختی کے ہیں، اور سکرات سے جانکنی کے وقت کی وہ سختیاں اور دشواریاں مراد ہیں جو اندرونی تپش اور شورش اور مزاج وطبیعت کو پیش آنے والی سخت تلخیوں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں، اور ان سختیوں اور دشواریوں کا سامنا انبیاء اور ارباب حق کو بھی کرنا پڑتا ہے اور صرف حق تعالیٰ کا فضل وکرم ہی اس آڑے وقت میں دستگیری کرتا ہے۔ لہٰذا سکرات الموت سے پناہ مانگنا اور جان بلب مریض کے لئے ان سختیوں میں آسانی کی دعا کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

شمائل ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نزع کے وقت دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے پاس رکھے ہوئے پانی کے پیالہ میں اپنا ہاتھ تر کر کے چہرہ مبارک پر پھیرے جاتے تھے، اور زبان مبارک پر یہ دعا جاری تھی :لا الٰه الا الله ان للموت سکرات۔ اللّٰهم اعنی علی منکرات الموت یاسکرات الموت۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے (کہ الٰہی موت کی ان سختیوں کے وقت میری مدد فرما)۔ راوی کو الفاظ میں شک ہے، آنحضرت ﷺ کو

موت کے وقت سکرات میں مبتلا کرنے کا مقصد آپ کے درجات کی بلندی تھی۔

فی الرفیق الاعلیٰ: یہ ''اجعلنی'' کے ساتھ متعلق ہے رفیق الاعلیٰ میں رفیق اسم جنس ہے، اس کا اطلاق فرد واحد پر بھی ہوتا ہے اور بہت سوں پر بھی۔ یہاں رفیق اعلیٰ سے انبیاء کرام مراد ہیں جو اعلیٰ علین میں پہنچ چکے ہیں۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں اُس دعا کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں یعنی انبیاء کے ساتھ صدیقین کے ساتھ شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ کہ وہی لوگ اچھے رفیق ہیں، چنانچہ یہاں بھی رفیق فعیل کے وزن پر ہے، مراد جمع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وحسن اولٰٓئك رفیقًا﴾ میں ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: یہاں تقدیری عبارت یوں ہے: ''اجعلنی فی مکان رفیق الاعلیٰ'' اور یہاں مقام سے مقام محمود مراد ہے، مطلب یہ ہوگا کہ مجھے مقام محمود میں پہنچا اور اس کو میرے لئے دائمی جگہ بنا۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام جوہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں رفیق اعلیٰ سے جنت مراد ہے، لیکن یہ قول ضعف سے خالی نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں: رفیق فعیل کا وزن بمعنی فاعل ہے اور رفیق اعلیٰ سے مراد اللہ رب العزت ہیں، کیونکہ اللہ رب العزت پر بھی رفیق کا اطلاق منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا بھی رفیق ہے، اسی وجہ سے لفظ ''فی'' استعمال فرمایا، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتی قرب کی تمنی اور چاہت ظاہر ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پرودگار سے وہ قرب حاصل تھا کہ اپنے پروردگار کی محبت میں فناء تھے، اور اپنے پروردگار سے وہ لگاؤ تھا کہ آخری وقت میں بھی خدا کی توحید ہی کا اظہار فرمایا۔ امام جوہری رحمہ اللہ کو معنی سمجھ میں نہیں آیا ہے، امام ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کو یوں ہی نقل کر دیا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے پھر حضرت امام تورپشتی رحمہ اللہ کی کتاب میں دیکھا وہ لکھتے ہیں: قد ذهب بعضهم فی الرفیق الاعلیٰ انه من اسماء الله تعالیٰ۔ کہ یہاں رفیق سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے کیونکہ رفیق اعلیٰ، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

امام ازہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے یہ کہا ہے غلط کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رفیق کہنے سے لفظ رفیق کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں ہوتا (بلکہ یہاں رفیق سے مراد انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت مراد ہے جو اعلیٰ علین میں رہتے ہیں، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وحسن اولٰٓئك رفیقًا﴾ [النساء] جیسے حدیث ''حي ستّیر'' کا اطلاق اللہ کے لئے لازم نہیں، اس کو ایسی تاویلات سے ثابت کیا جا رہا ہے جو کہ قابل فہم نہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ازہری رحمہ اللہ کے اس قول کو رد فرمایا، وہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے لفظ رفیق کو اللہ کے ثابت کرنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے، یعنی کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جس سے اس کا اطلاق کرنا غلط ہو، یہ عین ممکن ہے کہ یہاں لفظ رفیق سے اللہ کی ذات ہی مراد ہو۔

اگر اس سے ملائکہ اور انبیاء مراد ہوتے ~~تو ''مع'' کہا جاتا~~۔ اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتا

ہے:"ان عبداً خیرہٗ بین ان یؤتیہ من زھرۃ الحیاۃ الدنیا ما شأ وبین ما عندہ فاختار ما عندہ"۔
حضرت جعفر کی حدیث فصل ثالث کے آخر میں آرہی ہے:"یا محمد ان اللّٰہ اشتاق الی لقائك"۔اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔
حق تعالیٰ کی ذات جو کہ آپ ﷺ کی اصل منزل تھی،اس کے حصول کے لئے یہ خواہش مستلزم تھی،اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ خواہش ظاہر فرمائی،اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔چنانچہ ارشاد ہے:﴿یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی﴾[الفجر:۲۷ تا ۳۰]۔
آگے پھر لکھتے ہیں:لفظ"فی"کو رفیق پر داخل فرما کر آنحضرت ﷺ کا غایت قربت شدۃ تمکن اور اللہ کی طرف سے رحمتوں کے نزول کی طرف اشارہ فرمایا،اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول مبارک﴿راضیۃ مرضیۃ﴾سے اشارہ فرمایا ہے۔
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نہایہ کی اس تفصیل کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنے والی روایت کے الفاظ"اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ"سے بھی ہوتی ہے۔یہ آپ ﷺ کا حال بھی تھا اور قول بھی۔
قولہ:حتی قبض ومالت یدہ:آپ ﷺ کا دست مبارک دائیں یا بائیں جانب جھک گیا' یا نہ بائیں جھکا اور نہ دائیں۔اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ ﷺ نے کونین سے اعراض فرما کر اصل مکوّن کو اختیار فرمایا جس کے مقابلہ میں تمام کائنات کی کوئی حیثیت نہیں جس کی ملاقات آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اصل منزل تھی،اسی وجہ سے آپ کو انعام بھی سید الثقلین کا دیا گیا۔

نبی ﷺ کا ایک خصوصی اختیار

۵۹۶۰:وَ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ نَبِیٍّ يَمْرُضُ اِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ فِیْ شَكْوَاهُ الَّذِیْ قُبِضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ خُيِّرَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٢٥٥/٨ حدیث رقم ٤٥٨٦ ومسلم فی صحیحه ١٨٩٣/٢ حدیث رقم (٨٦-٢٤٤٤) ومالك فی الموطأ ٢٣٨/١ حدیث رقم ٤٦ من کتاب الجنائز و احمد فی المسند ١٧٦/٦

ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:"جو نبی مرض (یعنی مرض الموت) میں مبتلا ہوتا تو اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا تھا(یعنی چاہے تو دنیا کو اختیار کرلے اور چاہے تو آخرت کی زندگی جو ابدی ہے' اسے اختیار کرلے لیکن ہر بار ہر نبی نے آخرت کی زندگی کو ہی اختیار کیا) پھر نبی کریم ﷺ جب اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی روح قبض کی گئی اس وقت آپ کو شدت کی ہچکی لاحق ہوگئی تو میں نے اس وقت خود نبی کریم ﷺ سے سنا:"اللہ مجھے ایسے لوگوں میں شامل فرما جن سے تو خوش ہے اور جن پر تو نے اپنا فضل وانعام کیا ہوا ہے وہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور نیک لوگ ہیں ان دعائیہ الفاظ سے میں سمجھ گئی کہ نبی کریم ﷺ کو (دنیا یا

آخرت میں رہنے کا) اختیار دے دیا گیا ہے''۔

تشریح: یمرض، راء کے فتحہ کے ساتھ (سمع یسمع) سے ہے۔

''بحة'' بائے موحدہ کے ضمہ اور حائے مہملہ کی تشدید کے ساتھ، آواز میں خرخراہٹ اور بھاری پن پیدا ہونے کے معنی میں ہے۔ النہایہ میں اسی طرح سے نقل ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بحه سے مراد کوئی ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے حلق متاثر ہو جاتا ہے، اور آواز بھاری ہونے کی وجہ سے متغیر ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد کھانسی ہے جو رُک رُک کے آتی ہے۔ قاموس میں اس کا معنی سعال اور سعلة لکھا ہے۔ بہرکیف اس سے اک دقیعہ مراد ہے جس سے اعضاء اور سانس میں تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ (فسمعته یقول): وہ قول تھا الرفیق الاعلی۔ اور رفیق اعلیٰ کی تفصیل کے لئے فرمایا (مع الذین...... والصالحین): اور ان کے انعام کو بیان فرمایا وحسن اولٰئك رفیقًا۔ یہاں اللہ کی ذات اور ان تمام حضرات کو ایک ساتھ مراد لینا ہی بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آخرت میں ان کی معیت نصیب فرمائے، آمین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت

۵۹۶۱: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَ اَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلٰى اَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَااَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَااَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ يَااَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ يَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ۔ (صحیح البخاری)

اخرجه البخاری ۱۴۹/۸ حدیث رقم ۴۴۶۲ وابن ماجه فی السنن ۵۲۲/۱ حدیث رقم ۱۶۳۰ والدارمی فی السنن ۵۴/۱ حدیث رقم ۸۷ و احمد فی المسند ۱۴۱/۳

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرب و تکلیف چھانے لگی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (بے چین ہو کر) کہنے لگی: ہائے میرے باپ کیسی تکلیف میں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو ان سے فرمایا: آج کے بعد تمہارے بابا پر کوئی تکلیف نہ آئے گی (یعنی یہ کرب یہ سبب بیماری کے دکھ کی شدت کی وجہ سے ہے آج کے بعد کوئی دکھ نہ آئے گا۔ یہ دکھ و کرب ظاہر جسم رکھنے کی وجہ سے ہے لیکن آج کے بعد جب اس جسم سے تعلق ختم ہو جائے گا تو صرف روحانی و معنوی علائق باقی رہ جائیں گے پھر سکون ہی سکون ہو جائے گا)۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: اے ابا جان! آپ نے رب کے بلاوے کو قبول کر لیا: اے میرے ابا جان' اے وہ مقدس ذات جس کا مستقر جنت الفردوس ہے' اے میرے ابا جان: ہم جبرائیل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیتے ہیں۔ جب آپ کے (جسد اطہر) کو دفن کیا جا چکا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے بے اختیار نکلا: اے انس (رضی اللہ عنہ) تم نے یہ کیسے گوارہ کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالیں۔ (بخاری)

تشریح: ''ثقل'' ثائے مثلثہ کے فتحہ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ، یعنی جب مرض شدید ہو گیا۔ (جعل): یہ طفق (ہو

جانے) کے معنی میں ہے۔ (يتغشاه الكرب): مصابیح کے نسخہ میں لفظ يتغشى بغیر ضمیر منصوب کے منقول ہے، نیز لفظ کرب بھی نہیں ہے۔ مصابیح کے شارح نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کپڑے سے اپنے منہ کو چھپانے لگے۔ بعض حضرات نے اس کا معنی یہ لکھا ہے کہ شدت مرض کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر بار بار بے ہوشی طاری ہونے لگی۔

اور بعض نسخوں میں ہے: (جعل يتغشاه الكرب) یہاں لفظ "کرب" کو کاف کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ لکھا ہے۔ کرب جان لیوا غم کو کہتے ہیں یہی معنی زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت فاطمہ کی آہ وزاری سے بھی اسی کا اظہار ہوتا ہے۔ (فقالت فاطمه): یہاں فاطمہ سے آنحضرت ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ مراد ہیں۔ (واكرب أباه): لفظ اباه، هاء کے سکون کے ساتھ جو کہ سکتہ کے لئے ہے، یاء، سے پہلے الف ندبہ کے لئے ہے جو کہ کلمات مفیدہ میں مبالغہ کے لئے بطور مدصوت کے استعمال ہوتا ہے۔ (فقال...... اليوم): مطلب یہ تھا کہ کرب وسختی مرض کی شدت کی وجہ سے ہے اور اس کرب وسختی کا احساس واظہار جسم سے تعلق رکھنے کے سبب سے ہے، لیکن آج کے دن کے بعد جب اس جسم سے تعلق ختم ہو چکا ہوگا۔ صرف روحانی ومعنوی علائق باقی رہ جائیں گے۔ تو پھر سکون ہی سکون ہوگا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے آگے مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں: "انه قد حضر من ابيك ما ليس بتارك منه احد الوفاة الى يوم القيامة"۔ یہ آخری موت ہے پھر قیامت تک کوئی موت طاری نہیں ہوگی۔ (فلما مات قالت يا ابتاه):

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: يا ابتاه اصل میں يا ابى ہے، یاء کو تاء سے بدل دیا ہے، کیونکہ "یاء" اور "تاء" دونوں حروف زوائد میں سے ہیں۔ الف مدصوت کے لئے ہے اور هاء سکتہ کے لئے۔ ندبہ کے لئے دو علامتوں میں سے کسی ایک علامت یعنی یاء یا واؤ میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ندبہ اظہار تکلیف اور مدصوت کے لئے ہوتا ہے، اور آخر میں الف کا لانا ندبہ اور نداء کے درمیان فصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، جب کہ وقف کی صورت میں "ۃ" کو بڑھانا یہ الف کے بیان کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ الف خفیف ہوتا ہے، جب وصل کیا جاتا ہے تو اس کو گرا دیا جاتا ہے۔ (اجاب ربًا دعاه): یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول کرلی، کیونکہ آپ ﷺ نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی تھی، لفظ "دعاه" هاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، لیکن جب وقف کر دیا جاتا ہے تو سجع برابر کرنے کے لئے اس کو ساکن کر دیا جاتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں بھی هاء سکتہ کے لئے ہو، اور مفعول محذوف ہو، لیکن یہ توجیہہ جملہ يا ابتاه من جنة الفردوس مأواه میں ٹھیک نہیں بیٹھتی کیونکہ یہاں متعین ہے کہ یہ ہاء آخر میں "ہ" ضمیر ہے، اس کے برعکس جملہ يا ابتاه الى جبريل ننعاه میں دونوں احتمال ممکن ہیں۔

پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قول تمام اصول مصححہ میں من جنة الفردوس میں من: میم کے فتحہ کے ساتھ اور لفظ جنة رفع کے ساتھ منقول ہے۔ ایک نسخہ میں لفظ "من" میم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور لفظ جنة مجرور ہے۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہاں لفظ "من" میم کے فتحہ کے ساتھ اسم موصول ہے البتہ میم کے کسرہ کے ساتھ حرف جر ہونے کا بھی احتمال ہے، اس صورت میں اس سے مراد جنت میں آپ کی جائے قرار ہوگی۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شرح السنہ کے اکثر نسخوں میں من جنة الفردوس میں "من" بطور اسم موصول منقول ہے۔ جب کہ مصابیح کے کچھ نسخوں میں بطور جارہ آیا ہے، لیکن بخاری اور شرح السنہ والا اعراب زیادہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ وامن حضر بئر زمزم ماہ کے قبیل سے ہے۔

نعاہ :النعی مصدر سے موت کی خبر دینے کے معنی میں ہے،ایک شارح نے بھی یہ معنی لکھا ہے۔اور کتاب الازہار میں لکھا ہے: نبکی الیه کہ ہم ان کے سامنے روئیں گے۔بعض حضرات کہتے ہیں:اس کا معنی یہ ہے کہ ہم حضرت جبرائیل سے تعزیت کریں گے۔

تحثو :ت اء کے فتحہ ،اور ثاء کے ضمہ کے ساتھ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار پڑھے تھے:

ماذا علی من ثم تربة أحمد

أن لا يشم مدى الزمان غواليا

صبت علی مصائب لوأنها

صبت علی الایام صرن لیالیا

آفتابِ نبوت کا مدینہ میں طلوع وغروب

الفصل الثانی:

۵۹۶۲:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ لَعِبَتِ الْحَبَشَۃُ بِحِرَابِھِمْ فَرْحًا لِقُدُوْمِہٖ (رواہ ابوداود فی روایۃ الدارمی)قَالَ مَا رَأَیْتُ یَوْمًا قَطُّ کَانَ اَحْسَنَ وَلَا اَضْوَءَ مِنْ یَوْمٍ دَخَلَ عَلَیْنَا فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا رَأَیْتُ یَوْمًا کَانَ اَقْبَحَ وَلَا اَظْلَمَ مِنْ یَوْمٍ مَاتَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (وفی روایۃ الترمذی)قَالَ لَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ اَضَاءَ مِنْھَا کُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمَ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ اَظْلَمَ مِنْھَا کُلُّ شَیْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَیْدِیَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِیْ دَفْنِہٖ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا۔

أخرجه ابو داؤد فی السنن ٥/٢٢١ حدیث رقم ٤٩٢٣ والترمذی فی السنن ٥/٥٤٩ حدیث رقم ٣٦١٨ واخرجه ابن اماجه فی السنن ١/٥٢٢ حدیث رقم ١٦٣١ والدار می ١/٥٤ حدیث رقم ٨٨ و احمد فی المسند ٣/١٦١

ترجمہ:''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو (تمام لوگوں نے بے پناہ خوشی ومسرت کا اظہار کیا یہاں تک کہ) حبشیوں نے (بھی جشن مسرت منانے کے طور پر) نیزوں کے کھیل کرتب دکھائے تھے یہ (روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے' اور دارمی رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس دن سے زیادہ حسین اور روشن دن اور کوئی نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے ہاں (مدینہ میں) تشریف لائے تھے اور میں نے اس دن سے زیادہ برا اور تاریک دن اور کوئی نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی'' اور ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (مدینہ کی) ہر چیز (یعنی در ودیوار وغیرہ) پر نور پھیل گیا جب وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو ہر چیز (غم اندوہ کی) تاریکی میں ڈوب گئی اور آپ ﷺ کی تدفین کے بعد ہم نے اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی بلکہ آپ ﷺ کی تدفین ہی میں مشغول تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا''۔

تشریح: (وعن انس ... الجشبه):

''لعب'' : عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ۔ جشن منانے کے معنی میں ہے۔

حراب، حاء مہملہ کے کسرہ کے ساتھ حربة کی جمع ہے، چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں: خنجر یا سنگین کو خناجر کہتے ہیں۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی آمد کا دن نہایت حسین بھی تھا، بڑا تابناک بھی۔ کیونکہ وہ دن مشتاقان جمال کے لئے وصال وقرب کا دن تھا، ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کا دن تھا نہ صرف یہ کہ ان کے دل ودماغ کھل اٹھے تھے بلکہ ان کے درودیوار تک نور نبوت کی جلوہ ریزی سے جگمگا اٹھے تھے۔

(وما رأيت...... فيه رسول الله ﷺ): اور پھر جب وہ دن آیا کہ آفتاب نبوت اس دنیا سے رخصت ہوا تو مدینہ والوں کی دنیا ہی تاریک ہوگئی ہر سوغم وآندوہ کی تاریکی چھا گئی تھی کیونکہ وہ دن عشاقان جمال نبوت کے لئے فراق کا دن تھا، ان کی مسرتوں اور شادمانیوں کی جدائی کا دن تھا۔ (كل شي): یہ مرفوع ہے کیونکہ اضأ کا فاعل۔ فعل اضأ لازم ہے، اگرچہ کبھی متعدی بھی ہوتا ہے، اور من بیانیہ ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اضاء منها'' میں ضمیر مجرور ''مدینه'' کی طرف راجع ہے۔ حدیث کا یہ حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت مدینہ کے درودیوار ایسے روشن ہوے تھے کہ جس کو اہل مدینہ نے ظاہر نظروں سے محسوس کیا تھا۔

کیونکہ آپ ﷺ کا نور عالم کے لئے شمس صوری بھی تھا اور معنوی بھی۔ یہاں مدینہ کو خاص اس لئے کیا کہ اس کو آپ ﷺ سے بہت قرب حاصل تھا۔

(وما نفضنا ايدينا عن التراب): فعل نفضنا مصدر النفض سے ہے، کسی چیز کو ہلانا تاکہ اس پر لگا گرد وغبار جھڑ جائے۔ (وانا لفي دفنه): یعنی ابھی ہم آپ کی تدفین میں مشغول تھے، فارغ بھی نہیں ہوئے تھے، پہلا جملہ حالیہ ہے۔ (حتى انكرنا قلوبنا): مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان سے آنحضرت ﷺ کے اٹھ جانے کے سبب ہم پر جو تاریکی چھائی تھی وہ ہمیں بالکل واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی کہ ہمارے دلوں کی وہ پاکیزگی اور نورانیت جو ذات رسالت ﷺ کے مشاہدہ وصحبت اور مادۂ وحی کے نتیجہ میں حاصل رہتی تھی اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا، اور ہمارے قلوب میں صدق واخلاص اور مہر وفاء کی وہ پہلی والی کیفیت باقی نہیں رہی ہے، امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد صحابہ اپنے دلوں میں وہ

پہلی والی صفات اور الفت نہیں پاتے تھے کیونکہ وحی کا آنا بند ہو گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی مجلس بھی ختم ہو گئی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انکے دلوں سے ایمان بھی نکل گیا تھا۔ (یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ماہتابِ نبوت کی تدفین

۵۹۶۳: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلاَّ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۳۸/۳حدیث رقم ۱۰۱۸ومالك فی الموطأ ۲۳۱/۱حدیث رقم ۲۷من کتاب الجنائز

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے متعلق صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے (اسی سلسلہ میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں وہ دفن ہونا پسند فرماتا ہے (یا جہاں اللہ کو پسند ہو) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرو۔

تشریح: قوله :لما قبض رسول الله ﷺ اختلفوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کریں۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کیا جائے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ بقیع کے قبرستان میں دفن کرنا زیادہ موزوں ہے، کیونکہ وہاں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ کو مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کیا جائے۔ بعض کی رائے تھی آپ کو اپنے دادا حضرت ابراہیم کے ساتھ دفن کیا جائے۔

یا نفس دفن کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہو گیا تھا، جیسے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں حضرت سالم بن عبید سے روایت کیا ہے، اب صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، اے رسول اللہ کے دوست! کیا رسول کو دفن کر دیں؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں، بالکل دفن کریں گے۔ پوچھا کہاں دفن کریں؟ فرمایا: اسی جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی روح پاکیزہ جگہ میں قبض کرتا ہے اور ایسی جگہ میں قبض کرتا ہے جو اس نبی کو یا اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کرنا چاہئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے، صحابہ سمجھ گئے۔ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ صحیح ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں جو روایت کیا ہے وہ اس روایت کے منافی نہیں اس لئے کہ دونوں سے مراد ایک ہے۔

(فقال ابو بکر ...... شیأ): یعنی میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جس کو میں بھولا نہیں ہوں، چنانچہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ما نسیته کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ شیئاً کی صفت ہے، یا جملہ مستانفہ ہے۔

(قبض ...... یحب): ''یحب'' کے فاعل رسول اللہ اور اللہ تعالیٰ دونوں میں سے ایک ہو سکتے ہیں۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں عبدالرحمٰن ابن ابکر ملیکی ہیں، جن کا

حافظہ اچھا نہیں تھا۔

یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی آئی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ان کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی، تو لوگوں میں سے کچھ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو مسجد نبوی میں آپ کے منبر کے پاس دفن کر دیا جائے۔ کچھ کہنے لگے آپ کو بقیع میں دفن کیا جائے، اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور لوگوں کا یہ ماجرا سننے کے بعد فرمانے لگے، میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی کو اُسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہو، چنانچہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے اسی جگہ آپ کی قبر کھودی۔

یہ ساری تفصیل امام میرک رحمہ اللہ نے کتاب تصحیح المصابیح سے نقل کی ہے۔

حضور ﷺ کا آخری کلام

الفصل الثالث:

۵۹۶۴: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ اِنَّهُ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَرَأْسُهُ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَاَشْخَصَ بَصَرُهُ اِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى قُلْتُ اِذَنْ لَا يَخْتَارُنَا قَالَتْ وَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهٖ وَهُوَ صَحِيْحٌ فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّهُ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ اٰخِرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۵۷/۱۱ حديث رقم ۶۵۰۹ ومسلم في صحيحه ۱۸۹۴/۴ حديث رقم (۲۴۴۴-۸۷)۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی تندرستی کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ جنت کا اس کا مستقر (یعنی وہ منازل عالیہ جو اس کے لئے جنت میں مخصوص ہیں) اس کو دکھا کر اس کو اختیار نہیں دے دیا جاتا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر جب (مرض وفات میں) آنحضرت ﷺ کی موت کا وقت قریب آیا تو اس وقت جب کہ آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اور (شدت مرض سے) آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی پھر افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے چھت (یعنی آسمان) کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا: الٰہی! میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں (مجھے رفیق اعلیٰ میں شامل فرما) میں نے (آپ ﷺ کے یہ الفاظ سنتے ہی) کہا: اب آپ ﷺ ہمیں (یعنی دنیا کی زندگی کو) اختیار نہیں کریں گے (اور آپ نے آخرت کی زندگی کو اختیار کر لیا

ہے) کیونکہ مجھے وہ ارشاد گرامی یاد تھا جو آپ ﷺ نے تندرستی کے زمانہ میں فرمایا تھا کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک اس کا جنتی ٹھکانہ دکھا کر اس کو اختیار نہیں دے دیا جاتا (یعنی آپ ﷺ کا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا گویا جنت میں اپنا مستقر دیکھنا تھا اور اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الاَعْلٰی کے الفاظ آپ ﷺ کے اس فیصلہ کا اعلان ہے کہ ملے ہوئے اختیار کے تحت میں نے دنیا کی زندگی کو چھوڑ کر عالم آخرت کو پسند کر لیا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جو آخری الفاظ نکلے وہ یہی اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الاَعْلٰی کے الفاظ تھے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: وھو صحیح: یہ جملہ حالیہ ہے۔ ای والحال انه فی حال صحته۔ انه: ضمیر شان ہے۔ یری، الاراۃ: فعل مجہول ہے۔ ایک نسخہ میں الرؤیہ مصدر سے معروف منقول ہے۔ مجہول کی صورت میں معنی ہوگا' ان کو دکھلایا جاتا ہے، اور معروف ہونے کی صورت میں معنی ہوگا' وہ اپنے اس مستقر کو جانتا ہے، جو اس کے لئے جنت میں بنایا گیا ہے۔ (ثم یخیر): فعل یخیر منصوب ہے۔ مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مخصوص منازل دکھا کر اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے تو مزید ایام دنیا میں رہیں اور چاہے یہاں ہماری بارگاہ میں آجائیں۔ (واسنه علی فخذی): یہ جملہ حالیہ ہے ساتھ علاً کا جواب بھی ہے۔ (ثم قال ..... الا علی): اس کا مطلب یا تو وہ ہے کہ یا اللہ میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا ہے یا یہ کہ میں آپ سے رفیق اعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔

اذاً: تنوین کے ساتھ ہے، جب کہ ایک نسخہ میں نون کے ساتھ ''اذن'' ہے۔

لا یختارنا: اصلاً تو مرفوع ہے نصب بھی جائز ہے۔ (قالت عرفت انه): امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول عرفت انه سے اس بات کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ اپنی تندرستی کے حالات میں فرمایا کرتے تھے، اور وہ بات یہ تھی: ''انه لن یقبض'' ۔ ایک نسخہ میں صرف ''لن'' کے بجائے حرف ''لم'' کے ساتھ لم یقبض منقول ہے۔ (نبی قط): یہ الفاظ نسخہ ثانی میں منقول الفاظ کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی ہمیشگی ہی مراد ہے۔ (حتی ..... قوله): لفظ قوله منصوب ہے، ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ بھی منقول ہے۔ (اللّٰھم الرفیق الاعلی): امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سب سے پہلے جو الفاظ نکلے تھے وہ اللہ اکبر تھے، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ اپنے زمانہ شیر خوارگی میں دایہ حلیمہؓ کے پاس تھے۔ (ذکرہ ابن حجر)

ایک روایت میں آیا ہے جب روز اول میں اللہ تعالیٰ نے ﴿الست بربکم﴾ فرما کر تمام ارواح عالم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، اس کے جواب میں بلیٰ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی روح پاک نے کہا تھا۔

۵۹۶۵: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْهَا مَرَضِهِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ يَاعَآئِشَةُ مَا اَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِىْ اَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا اَوَانُ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ اَبْهَرِىْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳۱/۸ حدیث رقم ۴۴۲۸ وابو داؤد فی السنن ۶۵۱/۴ حدیث رقم ۴۵۱۳ والدارمی فی السنن ۴۶/۱ حدیث رقم ۶۷ و احمد فی المسند ۱۸/۶۔

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کھانے کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں جو (زہر آلود) کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب تو یوں لگتا ہے کہ جیسے اس زہر کی وجہ سے میں اپنی شہ رگ کو کٹتا ہوا پار ہا ہوں۔“

تشریح: ”اوان“ نون کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ضمہ کے ساتھ ہے، امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظ اوان، پر فتحہ وضمہ ہر دونوں جائز ہے، ضمہ اس لئے کہ یہ مبتداء کی خبر ہے، اور فتحہ اس لئے جائز ہوسکتا ہے کہ اس کی اضافت مبنی کی طرف ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قلت وهذا هو المختار على ما سبق في يوم ولادته و ليلة اسرى به۔

لفظ ”ابھری“ کی تحقیق:

ابھری، ہمزہ اور ھاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ، پہلا حرف ہمزہ ہے پھر باء، پھر ھاء، اس رگ کو کہا جاتا ہے، جس کے ساتھ دل کا تعلق ہوتا ہے، یعنی شہ رگ جب یہ کٹ جاتی ہے تو انسان مر جاتا ہے۔ (من ذالك السم): لفظ سم، سین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ، یعنی ضمہ، فتحہ، کسرہ کے ساتھ، ضمہ بہت مشہور ہے جب کہ فتحہ بھی کثیر الاستعمال ہوتا ہے۔ النہایہ میں ہے: ابھر ایک رگ کا نام ہے جو پیٹھ میں پائی جاتی ہے، یہ دو رگیں ہوتی ہیں۔

بعض نے کہا ہے: کہ اس سے مراد وہ دو کالی رگیں ہیں جو کلائی میں پائی جاتی ہیں۔

بعض کہتے ہیں: اس سے وہ رگیں مراد ہیں جو دل کے اندرونی حصہ میں پائی جاتی ہیں، جب دل کی یہ رگیں کٹ جاتی ہیں، تو انسان مر جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: یہ ایک ایسی رگ ہے جس کا ایک سرا سر میں ہوتا ہے اور دوسرا پاؤں میں، اس کے ساتھ دو مزید ایسی شریان ہوتی ہیں، جو پورے بدن کو محیط ہوتی ہیں۔ ان کا جو حصہ سر میں پایا جاتا ہے، اس کو نامہ کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے: اسكت الله نامته یعنی اللہ اس کو مار دے، حلق سے ہوتی ہوئی گزرتی ہے۔ حلق والے حصہ کو ”ورِیْد کہتے ہیں، اس کا جو حصہ سینہ سے گزرتا ہے، اس کو ابھر کہتے ہیں، جو حصہ پنڈلیوں سے گزرتا ہے، اس کو صافِنْ کہتے ہیں۔ ابھر کے شروع میں جو ہمزہ ہے وہ زائدہ ہے۔

ابن السنی اور ابو نعیم نے کتاب الطب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ”ما زالت اكلة خيبر تعادني كل عام حتى كان هذا اوان قطع ابهري“۔

کہ میں نے جو زہر آلود کھانا خیبر کے موقع پر کھایا تھا ہر سال اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا لیکن اس مرض میں تو اتنا ظاہر ہو رہا ہے کہ رگ جان ہی کٹ جائے گی۔

ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الاكلة “ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے اور فرمایا کہ آپ نے ایک لقمہ ہی کھایا تھا جس کا اس قدر خطرناک اثر ہے، اور کلمہ تعادني تاء کے ضمہ اور دال کی تشدید کے ساتھ، اور کلمہ قطع ماضی کا صیغہ ہے، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے۔

حدیثِ قرطاس

۵۹۶۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوْا اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ فَقَالَ عُمَرُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجْعُ عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبُ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا عَنِّيْ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ اَنْ يَّكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ مُسْلِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمَ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصٰى قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمَ الْخَمِيْسِ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْعُهٗ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِكَتِفٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِيْ ذَرُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَهَا فَنَسِيْتُهَا قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۳۲/۸ حديث رقم ٤٤٣٢ ومسلم في صحيحه ۱۲۵۷/۳ حديث رقم (۲۰-۱٦۳۷) و احمد في المسند ۲۲۲/۱

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (یوم وفات یعنی دوشنبہ سے تین دن قبل پنجشنبہ کے دن) جب رسول اللہ ﷺ پر مرض کا شدید غلبہ ہوا' اس وقت آپ ﷺ کے گھر میں کئی ایک افراد موجود تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں۔ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر وہاں موجود لوگوں سے کہا: (اس وقت) آنحضرت ﷺ پر بیماری کا شدید غلبہ ہے' اور ((ویسے بھی) تمہارے پاس قرآن موجود ہی ہے اور تمہیں (راہ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لئے) یہ اللہ کی کتاب بہت کافی ہے لیکن وہ لوگ جو (اہل بیت میں سے بھی تھے اور دوسرے صحابہؓ میں سے بھی اور اس وقت) گھر میں موجود تھے (اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنے کے بجائے) آپس میں بحث ومباحثہ کرنے لگے' ان میں سے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ (لکھنے کا سامان) لاکر سامنے رکھ دینا چاہئے تا کہ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے کوئی تحریر مرتب فرما دیں اور کچھ لوگ وہی بات کہہ رہے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی (کہ مرض اور تکلیف کی شدت دیکھتے ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ کو کوئی زحمت

نہیں دینی چاہئے) جب ان لوگوں کا اختلاف اور شور وشغب زیادہ ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ (میں نے کوئی بھی چیز لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے کیونکہ کتاب وسنت کی موجودگی ہی تمہارے لئے کافی ہوگی' عبید اللہ رحمہ اللہ (جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کے راوی) ہیں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (یہ واقعہ بیان کر کے) کہا کرتے تھے: مصیبت اور پوری مصیبت یہ ہے کہ ان لوگوں کا اختلاف اور شور وغل رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے وصیت نامہ لکھنے کے ارادہ کے درمیان حائل ہوگیا تھا (کاش وہ لوگ اس طرح اختلاف کا اظہار اور شور وشغب نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ کوئی ایسا وصیت نامہ ضرور مرتب فرما دیتے جو ہر مرحلہ پر ہم سب کی راہنمائی کرتا رہتا) اور سلیمان بن ابی مسلم احول رحمہ اللہ (جو ثقات اور ائمہ دین میں سے ہیں) کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: (آہ) جمعرات کا دن' وہ جمعرات کا دن کیا عجیب تھا (جب ایک زبردست المیہ واقع ہوا تھا) اور یہ کہہ کر رونے لگے اور اتنا روئے کہ (وہاں پڑے ہوئے) سنگریزے) ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے میں نے عرض کیا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کون سی جمعرات کے دن) کیا ہوا تھا (کہ آپ اتنے تاسف بھرے انداز میں اس کو بیان کر رہے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (یہ اس جمعرات کے دن کا ذکر ہے) جب رسول کریم ﷺ کی تکلیف شدت اختیار کر گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے شانہ کی ہڈی لا کر دو تا کہ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے (اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس موجود) لوگوں نے (یہ بات سن کر) اختلاف ونزاع کا اظہار شروع کر دیا حالانکہ نبی کی موجودگی میں نزاع مناسب نہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی کس حالت کی غماز ہے؟ کیا آپ ﷺ مرض کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں؟ آنحضرت ﷺ سے معلوم کرنا چاہئے (کہ آپ ﷺ کیا فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کا کیا منشا ہے؟) اور پھر ان (میں سے بعض) لوگ آپ ﷺ سے بار بار پوچھنے کی کوشش کرنے لگے' آخر کار سرکار رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو' مجھے اپنی حالت پر رہنے دو (یعنی اس وقت میرے پاس شور وشغب مت کرو اور مجھے دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ) کیونکہ اس وقت میں جس حالت میں ہوں اس حالت سے بہتر وافضل ہوں جس کی طرف تم مجھے متوجہ کر رہے ہو اور اس کے بعد (جب لوگوں نے بحث وتکرار ختم کر دی اور ذات رسالت کی طرف متوجہ ہوئے تو) آپ ﷺ نے ان کو تین باتوں کا حکم دیا تھا: ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو' دوسرا یہ کہ (دوسرے ملکوں اور حکومتوں کے) جو وفود آئیں ان کے ساتھ عزت واحترام کا وہی برتاؤ کرو جو میں کرتا تھا' اور تیسری بات پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (یا تو بھول جانے کی وجہ سے یا اختصار کے پیش نظر) خاموشی اختیار کر لی یا یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ تیسری بات بھی بیان کی تھی لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ الفاظ (کہ ابن عباسؓ نے خاموشی اختیار کی' یا یہ کہ' میں اس کو بھول گیا ہوں)' سلیمان کے ہیں'۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :قال :لما حضر رسول الله ﷺ ...... لن تضلوا بعده:

حضر فعل مجہول ہے۔ اس دن کے بعد بھی آپ ﷺ زندہ رہے۔ (وفیهم عمر بن الخطاب): یہ مذکور دونوں جملے جملہ حالیہ ہیں، معترضہ ہیں جو کہ لفظ لما اور اس کے جواب کے درمیان واقع ہو رہے ہیں۔ جواب "لما" آنحضرت کا قول مبارک هلموا ہے، معنی آؤ۔ (اکتب لکم کتاباً): هلموا مجزوم ہے لمّا کے جواب ہونے کی وجہ سے۔ اور آنحضرت کا قول "لن تضلوا بعده" یہ کتاب کی صفت ہے، محلاً منصوب ہے۔

اس جملہ کے تحت امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے: یہ ناممکن اور محال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے، یہ بھی ناممکن اور محال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شریعت میں سے کسی بھی چیز میں تغیر وتبدل کرتے، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تندرست وتوانا ہوتے یا مرض میں مبتلا ہوتے' اور یہ بھی ناممکن اور محال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو بیان کرنا اور نافذ کرنا غیر ضروری سمجھتے، جس کے بیان ونفاذ کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا تھا، اور یہ بھی ناممکن تھا کہ جس چیز کی تلقین وتبلیغ کرنا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واجب اور ضروری قرار دیا تھا، اس کی تلقین وتبلیغ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نظر کر لیتے۔ کیونکہ یہ وہ قبائح ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم بنایا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیزوں کے صدور کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ہاں یہ بات ناممکن اور محال نہیں تھی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے جسمانی مرض میں مبتلا نہ ہوتے جس سے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ نبوت اور شان رسالت کو کوئی نقصان پہنچتا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر کوئی فرق پڑتا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زد میں آ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے جسمانی اور حواس اس حد تک متاثر ہو گئے تھے کہ ایک فعل کو سمجھتے کہ میں کر چکا ہوں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہوتا، تاہم اُس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عصمت کو اس طرح محفوظ رکھا کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے خیال وعمل کا مذکورہ تخالف کسی ایسے معاملہ میں رونما نہیں ہوا، جس کا تعلق دینی وشرعی معمولات وعبادات سے ہوتا، ان مقدمات کو سمجھنے کے بعد اب یہ سمجھیں کہ اس روایت کے اندر جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے آخری ایام میں کوئی نوشتہ مرتب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور پھر اس ارادہ کو پورا نہیں فرمایا، تو اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

بعض حضرات یہ کہتے ہیں: کہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا تھا کہ تحریری طور پر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو منصب خلافت کے لئے نامزد فرما دیں، تاکہ بعد میں عام مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف ونزاعی صورت حال پیدا نہ ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بہت بعید بات ہے، اور بعید از حقیقت ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے کسی کو خلافت کے لئے نامزد کرتے مثلاً حضرت ابوبکر، عمر، حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے نام کو متعین کرنا چاہتے تو اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ نوشتہ یا دستاویز مرتب کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی، صرف زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہہ دینا کافی تھا اور ایسا ہوا بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی ہی میں نماز کی امامت کے لئے متعین فرما کر نہ صرف عملی طور پر ان کی خلافت کی طرف اشارہ فرما دیا تھا بلکہ اپنے ارشاد: **یابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر** کے ذریعہ زبانی طور پر صراحت بھی فرما دی تھی، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ایسا نوشتہ مرتب فرما دینا چاہتے تھے، جس میں خلافت کے اہل اور مستحقین افراد کی نامزدگی کا ایسا طریقہ لکھا ہوتا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امام مہدی کے ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یکے بعد دیگرے بلا کسی اختلاف ونزاع کے خلافت کی تقرری کو بروئے کار لاتا رہتا، تو یہ ایک ایسی بات ہو سکتی ہے جس کو کسی حد تک معقول اور قرین قیاس کہا جا سکتا ہے۔

اور اس صورت میں کہا جائے گا کہ حکمت خداوندی چونکہ یہی تھی کہ خلافت کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے شدہ اور ظاہر ہونے کے بجائے غیر متعین اور پوشیدہ رہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ تحریر مرتب نہ فرما سکے۔

بعض دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منشاء ایک ایسا نوشتہ تیار کرانا تھا جس میں دین وشریعت کے اہم احکام ومسائل کی تدوین وترتیب اوران کی ملخص وضاحت ہوتی، تاکہ بعد میں علماء امت ان احکام وہدایات کے بیان اوران کی وضاحت وترجمانی میں اختلاف ونزاع کا شکار نہ ہوں، اور منصوص علیہ پر امت میں کامل اتفاق واتحاد رہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس قول کے متعلق فرماتے ہیں: جہاں تک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا تعلق ہے، تو ظاہر ہے اس وقت دین وشریعت کے اہم احکام ومسائل کے متعلق کوئی باہمی اختلاف ونزاع نہیں تھا، کہ اس کو ختم کرنے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اتحاد واتفاق قائم کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نوشتہ کے تحریر کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے۔

رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادۂ تحریر کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے زمانہ میں ممکنہ اختلاف ونزاع کے دفعیہ سے تھا! تو یہ بات بھی قرینہ قیاس معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ زمانہ نبوت کے بعد دینی احکام ومسائل کی وضاحت وترجمانی اور مسائل قیاسی میں علماء امت کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا محض امکان کے درجہ کی چیز نہیں تھی، بلکہ ایک حقیقی چیز تھی جس کے بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی تھی، مثلاً ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "**اختلاف امتی رحمة**"۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی: **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم**"۔

اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**علیکم بالسواد الاعظم**" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**وان افتاك المفتون**" اور ویسے بھی تمام لوگوں کا کسی ایک نقطہ پر جمع نہ ہونا اور دین ومذہب میں باہمی اختلاف کا رونما ہونا ایک ایسی ممکن بات ہے جس کی خبر خود قرآن حکیم نے بھی دی ہے مثلاً فرمایا گیا ہے: ﴿**ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك ولذلك خلقهم**﴾۔ (یعنی اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے)۔

اگر زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دینی معاملات ومسائل میں امت (یعنی علماء ومجتہدین) کے درمیان پیدا ہونے والے باہمی اختلاف کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح احکام وہدایات کو مرتب کرانا ہوتا تو اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ان آخری لمحات میں ارادہ نہ فرماتے، بلکہ بہت پہلے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو ان آئندہ اختلافات کی خبر دیا کرتے تھے، مذکورہ نوشتہ تحریر فرمادیتے، یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں کہ دین وشریعت کے وہ تمام احکام ومسائل جن کے نزول اور وجوب ونفاذ کا زمانہ بیس سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا تھا، آخری ایام حیات کے اس مختصر ترین عرصہ میں کس طرح سمیٹے جاسکتے تھے، اور یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان تمام احکام ومسائل کو اس طرح ملخص ومرتب فرمادیتے کہ آئندہ ان کے بارے میں کسی اختلاف کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہ رہ جاتی، لہٰذا اس قول کو تسلیم کرنا ممکن نہیں، ہاں یہ بات تو ایک درجہ میں کہی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ایک ایسا نوشتہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا جس میں ان احکام ومسائل کا ذکر ہو، جو پچھلے زمانوں میں تو موجود تھے، لیکن کتاب وسنت میں ان کا ذکر نہیں ہے، یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوشتہ میں مسلمانوں کے فرقہ ناجیہ کے طور طریقوں اور علامتوں کو ذکر کرنا اور ان گمراہ فرقوں کے احوال کو تفصیلی طور پر بیان کرنا چاہتے تھے جو بعد میں اس امت کے درمیان پیدا ہوتے جیسے معتزلہ، خوارج، روافض، اور تمام بدعتی، لیکن حکمت خداوندی کو یہ منظور نہ تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نوشتہ تیار نہ کرسکے۔

قولہ :ففال عمر کتاب اللہ: اس بات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو کاٹنا نہ تھا، بلکہ ان کا یہ جذبہ تھا کہ اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا شدید غلبہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت کرب میں مبتلا ہیں، لہٰذا زیادہ سے زیادہ راحت وآرام کا موقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا چاہئے۔ (**وعندکم...... کتاب اللہ**): امور دینیہ میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، مطلب یہ تھا کہ تم لوگوں کی دینی زندگی کو سنوارنے اور مستحکم رکھنے کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿**واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً**﴾۔ رہی حدیث وسنت کی بات تو وہ بھی قرآن ہی کے ضمن میں آتی ہے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مخاطب وہ لوگ تھے، جنہوں نے اس وقت بحث ونزاع شروع کر دی تھی، حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض فرمایا تھا نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور یہ کیسا ہوسکتا تھا، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کئی موافقات ہیں، کئی مسائل میں ان کا اتفاق بصورت اختلاف ظاہر ہوا ہے، لہٰذا اس واقعہ کو بھی ان کے موافقات پر ہی محمول کیا جائے، اس صورت میں مخالفت کا الزام ان پر سے اٹھ جائے گا، اس پہلو کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر سکوت فرمایا، یعنی کوئی ہدایت نامہ یا وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

دوسرا یہ کہ ان کی فراست نے جان لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوب وجزم کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ خود صحابہ اور مسلمانوں کی مصلحت کے تحت ہے کہ اگر وہ اس پر عمل کریں تو ان کو اختیار ہے، اگر عمل نہ کریں، تو ان کی مرضی، چنانچہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں ایسا حکم دیتے جو وجوب ولزوم کے ساتھ نہ ہوتا، تو صحابہ کرامؓ کو اس میں اظہار رائے کی پوری آزادی ہوتی، اگر وہ اس میں اشکال وتردد کا اظہار کرتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل کو ضروری قرار نہ دیتے، بلکہ صحابہؓ کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیتے تھے۔

ہاں جو حکم وجوب ولزوم کے طور پر ہوتا، اور اس کی تعمیل ضروری ہوتی، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی رائے اور صوابدید پر نہ چھوڑتے۔

(**واختصموا...... قربوا**): یہاں مفعول الدواۃ والقلم محذوف ہیں۔ (**یکتب لکم رسول اللہ ﷺ**): کلمہ یکتب جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے) تاکہ جو لکھوانا چاہ رہے ہیں اس کی املاء فرما دیں، اور کاتب حضرات لکھ لیں۔ (**فلما اکثروا اللغط**): لام اور غین دونوں کے فتحہ کے ساتھ، اس آواز کو کہا جاتا ہے جس کا مقصد اور مطلب سمجھ نہ آئے، یعنی شور وغوغا۔ (**قال...... قوموا عنی**): یعنی تم میں اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت موجود ہونے کی وجہ سے میں نے کتاب کا ارادہ ترک کر دیا ہے، لہٰذا بحث ومباحثہ کو چھوڑ دیں اور گھروں کو چلے جائیں۔

اس موقع پر امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس وقت یا تو یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مفاد ومصلحت میں کچھ تحریر میں لے آنا خود اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق مناسب سمجھا تھا لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ کچھ نہ لکھنا ہی عین مصلحت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے اور اپنا خیال تبدیل کر دیا، یا یہ ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ وحی کے ذریعہ خدائی ہدایت آنے پر کیا تھا، لیکن پھر بعد میں دوسری وحی کے ذریعہ اس ارادہ کو موقوف کرنے کا حکم آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کا ارادہ ترک فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے: کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کر کے جو یہ فرمایا تھا کہ حسبکم کتاب اللّٰہ اس سے ان کے کمال تفقہ اور دقت فہم ونظر کا اظہار ہوتا ہے۔

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے احکام تحریر فرما دیئے جن پر عمل کرنا عام مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہوسکا، تو ان احکام کے منصوص ہونے کے سبب ان میں اجتہاد وتاویل کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی، اور لوگ ان پر عمل نہ کرنے کی بناء پر عذاب الٰہی کے مستوجب ہو جائیں گے، نیز انہوں نے اپنے قول "حسبکم کتاب اللّٰہ" کے ذریعہ گویا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ما فرطنا فی الکتاب من شیئی﴾ اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی﴾ کی طرف اشارہ کیا۔

(قال عبید اللّٰہ): یہاں عبید اللہ سے عبید اللہ بن عتبۃ بن مسعود ہذلی مراد ہیں، یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بھتیجے ہیں۔ بہت بڑے محدث اور فقہاء سبعہ میں سے ہیں، ان کو بشمول حضرت ابن عباسؓ بہت سارے صحابہ کرام سے سماعت حدیث کا شرف حاصل ہے۔ (فکان ابن عباس "یقول ابن الرزیئۃ): کلمہ الرزیئۃ راء کے فتحہ، اور زاء کے سکون کے ساتھ نیز راء کے بعد یاء ساکنہ ہے پھر ہمزہ اور کبھی آسانی کے لئے یاء کو مشدد پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ شرح البخاری میں منقول ہے، مراد مصیبت ہے۔ (کل الرزیئۃ): یہ تاکید ہے، مصیبت ہے پوری مصیبت۔ (بین رسول اللّٰہ...... ولغطھم): یہ "بین" ظرف متعلق ہے، فعل حال کے ساتھ۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان حضرت عمرؓ اور ان کے مؤیدین کی رائے کے خلاف تھا، وہ اس بات کے حق میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت لکھنے کا موقع ضرور دینا چاہئے تھا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب دلائل النبوہ میں لکھا ہے: کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض کے اس شدید غلبہ کے وقت لکھنے کی زحمت اور تکلیف برداشت نہ کریں، اگر آنحضرت اس وقت کوئی چیز لکھنا ضروری سمجھتے، تو حضرت عمرؓ یا کسی کے بھی اختلاف رائے کے اظہار سے اپنا ارادہ موقوف نہ فرماتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ﴿بلغ ما انزل الیك من ربك﴾۔ (ترجمہ: جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے)۔

چنانچہ جو باتیں لوگوں تک پہنچانی ضروری تھیں ان کی تبلیغ واشاعت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صورت میں کی، اگرچہ دشمنان دین اور مخالفین اسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھ مخالفت کیوں نہ کی، جیسا کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو جزیرہ عرب سے نکالنے کی بھی وصیت فرمائی تھی، اور کوئی وصیت ہوتی تو وہ بھی فرما دیتے، بغیر کسی کی رعایت کئے، اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سفیان ابن عیینہ نے بعض علماء کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ اس وقت آنحضرت، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق لکھنا چاہ رہے تھے، پھر تقدیر الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو ترک کر دیا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کے ابتدائی ایام میں بھی کتابت کا ارادہ فرمایا تھا، اور قلم ودوات منگوالیا تھا، پھر سر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے "وراْساہ" فرما کر کتابت کا ارادہ ترک فرما دیا تھا اور یہ فرمایا: یأبی اللّٰہ والمؤمنون الا ابا بکر اور یہ اس سبب سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز میں اپنا خلیفہ بنایا تھا۔

اور فرمایا: اگر اس نوشتہ سے مراد احکام دین کا بیان اور ان میں رونما ہونے والے اختلاف کے رفع سے متعلق کچھ لکھنا تھا،

حضرت عمرؓ اور دیگران کے ساتھیوں نے اس سے روکا تھا تو ان کا مقصد یہ تھا کہ شدت مرض کے کرب اور بے چینی کی حالت میں آپ ﷺ کو لکھنے کی زحمت کیوں دی جائے۔ دین شریعت کا ایسا کون سا حکم ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ [المائدۃ: ۳] اس ارشاد الٰہی سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ دین وشریعت سے متعلق قیامت تک پیش آنے والی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کا حکم اور مسئلہ کتاب وسنت میں دلالۃً یا صراحتاً موجود نہ ہو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی فہم اور ادراک میں ایک بات یہ بھی آ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کوئی ایسا نوشتہ مرتب فرمانا چاہتے ہیں جس میں دینی احکام کا بطریق اتمام بیان ہو، اس صورت میں اجتہاد کا جواز ختم ہو جائے گا، اور اہل علم پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا، لہٰذا انہوں نے ایک تو آنحضرت ﷺ کو شدت مرض میں لکھنے کی تکلیف سے بچایا، دوسرا یہ کہ ارباب اجتہاد کو انکی فضیلت کی محرومی سے بچایا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرما کر لکھنے کا ارادہ ترک فرمایا، جو کہ حضرت عمرؓ اور ان کے مؤیدین کی استصواب رائے کی دلیل ہے۔ نیز حضرت عمرؓ اپنے موافقات کے اعتبار سے حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ افقہ تھے، اور ان کی فہم وادراک حضرت ابن عباسؓ سے کہیں زیادہ مضبوط اور قوی تھی۔

قولہ: قال ابن عباس یوم الخمیس: یوم: مرفوع ہے وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتداء ہے، اور اس کی خبر محذوف ہے، اور ابن عباسؓ کے قول ''**وما یوم الخمیس**'' تفخیم امر وشدت تعجب کے لئے ہے، جیسا باری تعالیٰ کے قول مبارک ﴿**الحاقة ما الحاقه**﴾ اور ﴿**القارعة ما القارعه**﴾ میں ماء تفخیم امر تعجب کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (**ثم بکی**): کلمہ 'بکی' کا فاعل ابن عباسؓ **عنه** ہے۔

(**حتی بل دمعه الحصی**): یا تو یہ مطلب ہے کہ اتنے زیادہ ہوئے کہ ان کے آنسو گنتی سے باہر تھے، یعنی بہت زیادہ روئے کہ جس سے اس زمین کے سنگریزے بھی تر ہو گئے تھے، جہاں آپ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیوں روئے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

① آنحضرت ﷺ کی وفات یاد آ گئی۔

② یا یہ کہ ان کے گمان کے، مطابق آنحضرت ﷺ اس دن جو نوشتہ مرتب فرمانا چاہتے تھے، وہ چونکہ امت کے حق میں خیر کثیر کا باعث بنتا اس لئے یہ سوچ کر کہ اس نوشتہ کے نہ لکھے جانے سے امت خیر کثیر سے کس طرح محروم ہوگئی، انکا دل بھر آیا، یہ دوسرا احتمال اس موقع سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

قولہ: قلت یاابن عباس! وما یوم الخمیس؟: امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے، جو اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کر رہے ہیں۔

اور مصنف رحمہ اللہ کے اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سلیمان بن ابی مسلم الاحول کا کلام ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعید بن جبیر کا کلام ہے۔

اکتب لکم کتاباً: تمام صحیح اور متلو نسخوں میں مجزوم منقول ہے، لیکن اس میں اشکال یہ پیدا ہوگا کہ جملہ (**لا تضلوا بعده ابدا**) کیوں مجزوم ہے۔ جواب یہ ہے کہ شاید ~~اس سے~~ پہلے شرط مقدر ہے، اصل میں یوں ہو: **ان کتبت لکم وعلمتم به لا**

تضلوا ، تو یہ جزاء ہے شرط مقدر کی ، اور معنی ہوگا جب میں یہ نوشتہ لکھ دوں گا ، تو پھر تم گمراہ نہ ہو گے ۔ ایک نسخہ میں ان لا تضلوا کے الفاظ منقول ہیں ، اس کی ترکیب بالکل واضح ہے کہ اصل میں لئلا تضلوا ہے ، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں : ① میری اس نوشتہ کی وجہ سے تم اختلاف نزاع سے بچ جاؤ گے ② یا یہ کہ مجھے خوف ہے ، میرے اور تم میں نزاع واقع ہوگا ، اس لئے میں یہ نوشتہ لکھنا چاہتا ہوں ۔ (ولا ینبغی...... تنازع) : بعض حضرات کہتے ہیں : یہ جملہ حدیث مرفوع ہے ، جس کو حضرت ابن عباس ؓ نے بطور استدلال کے پیش کیا ہے ، اور نقل کیا ہے ۔

لیکن عبارت کے سیاق سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے ، کہ یہ جملہ حضرت ابن عباس ؓ کا اپنا قول ہے ، جس کو انہوں نے روایت کے درمیان داخل کیا ہے ۔

أھجر : ہمزہ ، ھاء اور جیم تینوں کے فتحہ کے ساتھ ۔

اس جملہ کے معنی میں کئی احتمال ہیں :

ایک احتمال تو یہ ہے : یہ بات آنحضرت کی کس حالت کی غماز ہے ؟ یعنی کیا شدت مرض کے سبب آپ کا کلام مختلط ہو گیا ہے ، جیسے عام بیماروں کی حالت میں بیماروں کی زبان سے کبھی کچھ نکلتا ہے کبھی کچھ ، اس صورت میں یہ استفہام انکاری پر محمول ہو گا ۔ اور ان لوگوں کی بات کو کاٹنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کچھ نہ لکھیں ۔

دوسرا احتمال یہ نقل کیا گیا ہے کہ لفظ اَھَجَرَ دراصل ھجر کا فعل ماضی ہے (بمعنی چھوڑنا) اور اس کا مفعول الحیاۃ محذوف ہے ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : اس کو خبر نہ قرار دیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی فحش گوئی اور ہذیان کے ہوں ، جبکہ قائل حضرت عمر ؓ ہیں ، اور ان سے اس طرح کی بات کا گمان نہیں ہوسکتا ۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : اس موقع پر حضرت عمر ؓ نے جو فرمایا تھا ، اس کو اس بات پر محمول کرنا بالکل جائز نہیں ، کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کو اس لئے ٹھکرایا تھا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے تھے ، بلکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بیماری کی تکلیف ہے ، مزید ایذا انہیں دینی چاہئے ۔ ساتھ یہ بھی ہے کہ شاید اس وقت آپ ﷺ کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلنے جو شدت مرض کے وقت عام بیماروں کے منہ سے نکلتی ہے ، جس کو منافقین ڈھال بنالیں گے ، دین میں فساد پھیلانے کے لئے ۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ جب آنحضرت ﷺ کوئی ایسا حکم بیان فرماتے جو لازم نہیں ہوتا ، اس میں عمل میں لانے سے پہلے مباحثہ کر لیتے تھے ۔

اور جو لازم ہوتا قطعی ہوتا ، اس میں بالکل مباحثہ نہیں فرماتے ، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کی شرائط جب طے ہو رہی تھیں ، تو صحابہ کرام نے مباحثہ فرمایا تھا ۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر فوقیت نصیب فرمائی ، لیکن بحیثیت بشر عوارض سے آپ کی ذات پاک نہیں ، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نماز میں بھول جاتے تھے ۔ ایسے موقعوں میں ہمیں توقف کرنا چاہئے ، تا کہ حقیقت واضح ہو جائے ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تمام باتیں تھیں ، اس لئے انہوں نے بحث فرمائی تھی ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے ، وہ فرماتے ہیں : کلمہ اھجر ، صحیح مسلم میں ہمزہ

استفہام انکاری ہی کے ساتھ منقول ہے۔

اور یہ روایت ان تمام روایات سے زیادہ صحیح ہے، جو بغیر ہمزہ کے منقول ہیں، کیونکہ اس کا معنی ہذیان کے آتے ہیں، یہ حالت آنحضرت ﷺ میں بالکل نہیں پیدا ہوسکتی۔ یہ قائل کی طرف سے استفہام انکاری کے طور پر استعمال ہوا تھا، ان لوگوں کی بات کاٹنے کے لئے جو یہ کہہ رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کچھ نہ لکھیں، گویا اس جملہ کے قائلین یہ کہنا چاہتے تھے کہ کیا تم لوگوں کا یہ خیال ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم حواس وشعور کے ساتھ نہیں دیا ہے؟ بلکہ بیماری کی شدت کے سبب آپ ﷺ کی زبان سے یہ بات یونہی نکل گئی ہے؟ آنحضرت ﷺ کے بارے میں اس طرح کا خیال قائم کرنا نہایت غیر موزوں ہے۔ لہٰذا آپ کے حکم کو پورا کرو، لکھنے کا سامان لا کے رکھدو! تا کہ آپ ﷺ جو لکھنا چاہتے ہیں لکھ دیں۔

اگر دوسری روایات صحیح ہوں تو یہ کہا جائے گا کہ یہ جملہ جس صاحب نے کہا تھا اس سے کہنے میں غلطی ہوگئی ہے کہ جب اس نے آنحضرت ﷺ کی تکلیف اور موت کی نشانیوں کو دیکھا، تو وحشت اور خوف کے مارے بغیر ثبات کے یہ جملہ کہہ دیا کہ کہیں آپ ایسی کوئی بات نہ کہہ جائیں جو آپ کے بعد فتنہ اور گمراہی کا باعث بن جائے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ان روایات کو صحیح مانا جائے، تب بھی اس کو استفہام انکاری کے مقدر ہونے پر محمول کرنا ضروری ہے، یعنی تب استفہام انکاری پر ہی محمول کیا جائے گا، کیونکہ جملہ **(استفهموه)** خود اس کا قرینہ موجود ہے۔

(استفهموه): یہ کلمہ ھا کے کسرہ کے ساتھ ہے، کچھ نسخوں میں ھاء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔

فتح الباری میں ہے: کلمہ **"اهجره"** بخاری شریف کے کتاب المغازی والی روایت کے تمام رواۃ کے ہاں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور کتاب الجہاد کی ایک روایت میں: **بلفظ قالوا هجره بغير همزة** منقول ہیں۔

امام کشمیہنی فرماتے ہیں: **فقالوا هجر محجر** کے الفاظ صحابہ نے کہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا جو قول یہاں ذکر کیا گیا ہے: کہ **اهجر**، **افحش** کے معنی میں ہے، جب کسی کو مرض یا کسی عارضے کی وجہ سے ہذیان ہو جائے اور بے شعور ہو جائے، تو کہا جاتا ہے **هجر الرجل**، یعنی ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، اور **اهجر** اس وقت کہتے ہیں: جب کوئی بدکلامی کرے۔

یہ معنی تو اس وقت ممکن ہے جب کلمہ **هجر**، ھاء کے سکون کے ساتھ ہو، جبکہ تمام روایتیں ھاء کے فتحہ کے ساتھ منقول ہیں۔

بہر کیف اس جگہ قاضی عیاض رحمہ اللہ اور کئی دیگر حضرات کے اقوال موجود ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ان سب کا بہت اچھا خلاصہ ذکر کیا ہے۔ میں امام قرطبی رحمہ اللہ کے خلاصہ کا حاصل پیش کر رہا ہوں، جو کچھ یوں ہے:

"هجر"، راجح قول کے مطابق ہمزہ استفہامیہ کے ساتھ ہے، اور ہمزہ، ھاء، جیم اور راء سب مفتوح ہیں، کیونکہ فعل ماضی کا صیغہ ہے، یہاں اس سے وہ کلام مراد ہے جو بیمار لوگوں کی زبان سے شدت تکلیف کے وقت بغیر شعور وفہم کے نکلتا ہے، جس پر عدم فائدہ کی وجہ سے اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس طرح سے کلام کا آنحضرت ﷺ سے صدور محال ہے، کیونکہ اس طرح کے کلام سے آنحضرت ﷺ حالت صحت ومرض ہر دونوں حالتوں میں محفوظ ہیں۔ کیونکہ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى**﴾

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انی لا اقول فی الغضب والرضا الا حقًا"۔ کہ میں غضب اور رضاء ہر دونوں حالت میں حق ہی بولتا ہوں، میری زبان سے کبھی بھی غلط بات نہیں نکلتی۔

اس بات کو جب آپ نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام احوال میں غلطی سے محفوظ ہیں، بلکہ معصوم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی نہیں ہوسکتی۔

تو یاد رکھیں! قائل نے یہ قول ان لوگوں پر نکیر کرتے ہوئے کہا تھا، جن کی یہ رائے تھی کہ آپ کو تکلیف نہ دی جائے، اور لکھنے کی اشیاء نہ لائی جائیں۔ ان لوگوں کو ہرگز آپ کے حکم سے عدول نہیں کرنا چاہئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی وجہ سے نعوذ باللہ کوئی ہذیان ہوگیا اور بغیر شعور کے آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ آپ تو حق ہی کہتے ہیں، چاہئے جس حالت میں ہو۔

آپ کے احوال عام بیماروں کے احوال سے مختلف ہیں، عام بیماروں پر آپ کو قیاس نہ کیا جائے۔ یہ سب سے اچھا جواب ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ جس نے یہ کلمہ کہا، شاید اس کو کوئی تردد ہوگیا تھا، لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے، کہ آپ کی مجلس میں کبار صحابہ کرام تشریف فرما تھے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ نکیر فرماتے لیکن اس طرح کی کوئی بات کہیں بھی منقول نہیں۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ کلمہ جس کے منہ سے نکلا تھا، دہشت کی وجہ سے نکلا، کہ جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو دیکھا کہ سکرات کی کیفیت ہے تو دہشت زدہ ہوکر کہا کہ آپ کو ہذیان ہوگیا ہے؟ اور آپ دنیا چھوڑ رہے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں: جس نے یہ کلمہ کہا تھا اس کا مقصد یہ ہو کہ ملزوم مراد لیا ہے، کیونکہ ہذیان اس مرض سے پیدا ہوتا ہے جس میں شدید تکلیف اور درد ہو۔

ایک ضعیف قول یہ بھی ہے: قائل کا مقصد شور وغل کرنے والوں کو خاموش کرنا تھا، وہ یہ بتا رہا تھا۔ کہ اس طرح شور وغل بھی ایذا کا باعث ہے مہربانی کر کے اس تکلیف سے تو کم از کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا جائے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ممکن ہے الھجر، مصدر سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، ہمزہ کے ساتھ جس میں ھاء ساکن ہے۔ اور اس کا مفعول بہ الحیات محذوف ہے۔ ماضی کے ساتھ بطور مبالغہ اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے جتنے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے تیسرا احتمال بظاہر راجح معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہنے والا کوئی نو مسلم تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ مقصد اور مقام کے آداب کے خلاف بات ہے، کیونکہ اس طرح کا کلمہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہ سے نہیں نکل سکتا، اگرچہ ویسے ہی کیوں نہ کہے، باقی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

(فذھبوا): ذھب، شرَعَ کے معنی میں ہے۔ **(یردون علیه)**: ان لوگوں نے کھلے بندوں یہ رائے دی تھی، جبکہ حضرت عمرؓ نے اشارۃً اپنی رائے پیش فرمائی تھی۔ **(فقال دعونی)**: دعونی، اترکونی کے معنی میں ہے۔ **(ذرونی)**: یہ بھی دعونی ہی کے معنی میں ہے اور اس کی تاکید ہے، مطلب یہ ہے کہ شور وغل نہ کرو۔

(فالذی انا فیه خیر فما تدعوننی الیه): اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت میں عالم آخرت کے سفر کی آخری تیاری اور پروردگار سے ملنے کے اشتیاق اور ذات حق میں تفکر واستغراق کی اعلیٰ حالت کی طرف متوجہ ہوں،

میری یہ حالت زیادہ افضل ہے، تمہاری اس شور وغل والی حالت سے۔

امام خطابی رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور روایت "اختلاف امتی رحمۃ" کے ذیل میں لکھا ہے، دین وشریعت میں اختلاف کی تین قسمیں ہیں، ایک تو صانع یعنی حق تعالیٰ کے اثبات اور اس کی وحدانیت میں اختلاف، یہ اختلاف (کہ جس کی بنیاد حق تعالیٰ کے وجود وحدانیت سے انکار پر ہوتی ہے) صریح کفر ہے۔

دوسرے: حق تعالیٰ کی صفات اور مشیت میں اختلاف (کہ جس کی بنیاد ذات باری تعالیٰ کی صفات اور مشیت کے انکار پر ہوتی ہے) یہ بدعت اور گمراہی ہے۔

اور تیسرا اختلاف: کہ جس کی بنیاد وہ ہے جو دین وشریعت کے ایسے فروعی احکام ومسائل کے استنباط وبیان سے تعلق رکھتا ہے، یہ رحمت ہے۔ کیونکہ یہ مختلف جہات اور متعدد معنی کا احتمال رکھتے ہیں اور یہی وہ اختلاف ہے، جو ارباب علم واجتہاد کے درمیان ہوتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے علماء ومجتہدین کے لئے رحمت وکرامت قرار دیا ہے۔

امام مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس موقع پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ، میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھدوں، تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے اختلاف کی کیا گنجائش تھی، یعنی فوراً تعمیل کرنے کی بجائے اختلاف کا اظہار کیسے کیا؟ اس کو جواب یہ ہوگا: کہ دراصل وہ اوامر کہ جن کے صدور میں کچھ خارجی قرائن بھی شامل ہوں ان کی حیثیت اور نوعیت تبدیل ہوسکتی ہے، چنانچہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اوامر کی ال وجوب ہے، ان کے نزدیک بھی ان قرائن کے سبب وجوب کا حکم استحباب میں بدل جاتا ہے۔

اسی طرح جو حضرات کہتے ہیں اوامر کی اصل استحباب ہے، ان کے نزدیک بھی قرائن کے سبب استحباب کا حکم وجوب میں بدل جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے قرائن ظاہر ہوئے ہوں جن سے یہ واضح ہوا، کہ اس حکم کی تکمیل واجب اور ضروری نہیں ہے، بلکہ اختیاری ہے۔ لہٰذا صحابہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے تحت جس پہلو کو مناسب جانا اختیار کیا۔ اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام دین وشریعت کے معاملات میں ضرورت کے وقت اجتہاد کا سہارا لیتے تھے۔

رہی یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد نے نوشتہ کے نہ لکھے جانے کے پہلو کو جو اختیار کیا، تو اس کی بنیاد کیا تھی؟ تو ہوسکتا ہے کہ ان کو یہ یقین حاصل ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ اور حکم عدم وجوب کا ہے، واللہ اعلم

(اخرجو...... العرب): اس کی تفصیل باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں گزر چکی ہے۔ (واجیزو الوفد): باہر جو بھی لوگ آپ حضرات کے پاس آئیں، یعنی دوسرے ملکوں سے اور سربراہانِ مملکت کے جو ایلچی اور سفراء تمہارے ہاں آئیں، تو ان کے مراتب اور حیثیت کے مطابق ان کی خاطر مدارت، حسن سلوک اور احسان کا معاملہ اسی انداز سے کرنا ہے، جو میرا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ ایک طرف تو اسلامی اخلاق ومعاملات کی بلندی کا اظہار ہو دوسری طرف ان ایلچیوں اور قاصدوں کو بھی خوشی اور اطمینان ہو، نیز ان کے ساتھ مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر مؤلفۃ القلوب میں سے دوسرے لوگوں کا رجحان اسلام کی طرف بڑھے۔ علماء نے لکھا ہے: حسن سلوک کا یہ حکم ہر قاصد کے

بارے میں ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے، کفار اپنے مصالح میں مسلمانوں کے اچھے برتاؤ سے ضرور متاثر ہوا کرتے ہیں۔

(فنسیتھا): ایک نسخہ میں یہ کلمہ نون کے ضمہ اور سین کی تشدید کے ساتھ منقول ہے۔ (قال سفیان): بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ (ھذا): اس سے قول سکت کے طرف اشارہ ہے، من قول سلیمان اس سے سلیمان احول مراد ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خاموش ہونے والے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے، اور بھولنے والے سعید بن جبیر، امام مہلب۔ تیسری بات یہ تھی کہ حضرت اسامہ کے لشکر کو تیار کر کے بھیجیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے تیسری بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "لا تتخذوا قبری وثنا یعبد" ہو۔ (متفق علیہ)

عرضِ مرتب:......(خلاصہ کلام):

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے اس میں مندرجہ ذیل احتمالات ہیں:

① کسی صحابی کو منصب خلافت کے لئے نامزد کرنا چاہتے تھے۔
② دینی احکام و مسائل مرتب و مدون کر کے لکھوانا چاہتے تھے۔
③ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک خلافت و امارت کے مستحق لوگوں کے نام لکھوانا چاہتے تھے۔
④ پہلے زمانوں کے وہ احکام جو قرآن وحدیث میں نہیں تھے وہ لکھوانا چاہتے تھے۔
⑤ فرقہ ناجیہ اور فرقہ ضالہ کی تفصیلی علامات و عواقب لکھوانا چاہتے تھے۔
⑥ جن باتوں کی بعد میں زبانی وصیت فرمائی تھی ان کو تحریراً لکھوانا چاہتے تھے۔
⑦ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منصب خلافت کے لئے نامزدگی تحریراً لکھوانا چاہتے تھے۔

پہلے دونوں اقوال کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے رد کیا ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھنے کی مخالفت کیوں کی:

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں احکام میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیان کر چکے ہیں بعض کو اہمیت کے پیش نظر لکھوانا چاہتے ہیں تاکہ لوگ ان میں سستی کر کے گمراہ نہ ہوں۔
② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم و فراست سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوب و جزم کے طور پر نہ تھا بلکہ صحابہ کی مصلحت کے پیش نظر تھا جس پر عمل کرنے میں صحابہ کو آزادی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی یہی تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں ایسا حکم دیتے جو واجب نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو اس میں اظہار رائے کی آزادی ہوتی اور جو حکم بطور وجوب ہوتا اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جاتا تھا۔
③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ احساس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسا حکم ہو جس کی تعمیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے

مشکل ہو جائے اور پھر اس کی وجہ سے پوری امت کسی فتنہ و آزمائش سے دوچار ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے الفاظ میں اس خطرہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضور ﷺ کو ترک تحریر کا ارادہ کر لینا چاہئے چنانچہ حضور ﷺ نے بھی اس اشارہ کو سمجھ کر لکھنے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ جس میں یہ آیا کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ جاؤ لوگوں کو یہ بشارت سنا دو کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا جب حضرت ابو ہریرہؓ یہ بشارت سنانے کے لئے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور یہ بشارت ان کو سنائی تو نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے ان کو دوسرے لوگوں کو یہ بشارت سنانے سے منع کر دیا بلکہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر عام لوگوں کو یہ بشارت سنائی گئی تو وہ لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل کرنے میں سستی کرنے لگیں گے چنانچہ حضور ﷺ نے آپ ﷺ کا مشورہ قبول فرمایا اور عام لوگوں تک یہ بشارت پہنچانے سے آپ ﷺ نے منع کر دیا۔

④: یہ واقعہ بھی حضرت عمرؓ کے موافقات میں سے ہے بہت سے مواقع پر حضرت عمرؓ کی رائے حضور اکرم ﷺ کی رائے گرامی کے خلاف تھی لیکن قرآن حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں نازل ہوا اس صورت میں مخالفت کا الزام ہی اٹھ جائے گا کیونکہ ایسے موقعوں پر حضرت عمرؓ کا اتفاق بصورت اختلاف ہوتا تھا۔

⑤: حضرت عمرؓ کے فہم میں یہ بات آگئی تھی کہ آپ ﷺ کوئی ایسا نوشتہ مرتب فرمانا چاہتے ہیں جس میں دینی احکام و مسائل بطریق اتمام بیان ہوں گے اس صورت میں اجتہاد کا جواز ختم ہو جائے گا اور اہل علم و استنباط پر اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا لہٰذا انہوں نے حضور ﷺ کو تکلیف سے بچانے اور ارباب اجتہاد کو ان کی فضیلت سے محروم ہونے سے بچانے کے لئے لکھنے کی مخالفت کی اور آپ ﷺ نے بھی ان کی بات کو رد نہیں کیا بلکہ خود ارادہ ترکِ تحریر کر کے گویا حضرت عمرؓ اور ان کے موافقین کی تائید و تصویب فرمائی۔

شیعہ کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

واقعہ قرطاس کے متعلق حضرات شیعہ فاروق اعظم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آخری وقت میں پیغمبر خدا کو وصیت لکھنے سے منع کیا اور کاغذ نہ لکھنے دیا اس طرح آپ ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی۔

جواب یہ ہے کہ اس حکم کے مخاطب خاص حضرت عمرؓ نہ تھے بلکہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم دوات لانے کو فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ حجرہ نبوی کے حاضرین اکثر حضرات اہل بیت ہی تھے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی تھے اگر حضرت عمرؓ کاغذ و قلم نہیں لائے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو کس نے منع کیا تھا جب حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی کاغذ و قلم نہ لائے تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ و عباسؓ کی بھی یہی رائے تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی کہ ایسی تکلیف اور بیماری کی شدت میں حضور ﷺ کو تکلیف نہ دی جائے پس اگر یہ حکم وجوب اور فرضیت کے لئے تھا تو تمام حاضرین گنہگار اور فرمان نبوی کے مخالف ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی کیا خصوصیت کہ خاص انہیں ہی مورد طعن بنایا جائے۔

نیز اس گفتگو کے بعد آپ ﷺ پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے نہ تو حضور ﷺ نے دوبارہ کاغذ و قلم وغیرہ حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب ؓ میں سے کسی نے اس بارے میں کچھ عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ امر واجب نہ تھا ورنہ حضور ﷺ خود ضرور لکھواتے: قولہ تعالیٰ: یایھاالرسول بلغ ماانزل الیك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته اور حضرت علی ؓ وعباس ؓ وغیرہ حضرات ان پانچ دنوں میں کسی نہ کسی وقت کاغذ و قلم وغیرہ لاکر اس وجوبی امر کی تعمیل کر لیتے حضرت عمر ؓ حجرہ نبوی کے دربان و پاسبان تو نہ تھے کہ کوئی شخص بغیر حضرت عمر ؓ کی اجازت کے کاغذ و قلم لاکر لکھوا نہ سکے۔

حضرت عمر ؓ کی یہ گزارش ایسی تھی جیسے حضرت علی ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ میں سے لفظ رسول اللہ مٹانے کو کہا مگر حضرت علی ؓ نے نہ مانا۔ پس حضرت علی ؓ کا یہ حکم نہ ماننا صورۃً اگرچہ معصیت ہو مگر در حقیقت کمال محبت اور کمال عظمت ہے جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔

اور حضرت عمر ؓ کا یہ فرمانا کہ حسبنا کتاب اللّٰہ ہمیں قرآن کافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں حدیث کی حاجت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جس میں تمام ضروری امور بتلا دیئے گئے ہیں اب دین کا کوئی تازہ حکم باقی نہیں رہا غالباً آپ ﷺ کو بمقتضائے شفقت یہ اندیشہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کے بعد گمراہ نہ ہو جائیں یعنی ہمارے دین میں خلل نہ واقع ہو جائے۔ حضرت عمر ؓ نے ازراہ شفقت و محبت عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اس بیماری میں تکلیف نہ برداشت فرمائیں کتاب اللہ ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے پس حضرت عمر ؓ کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر خواہی ہے' معاذ اللہ نافرمانی اور حکم عدولی نہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی ؓ کی خلافت لکھوانا منظور تھی تو حضرات شیعہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ اس واقعہ سے پہلے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں غدیر خم کے میدان میں حضرت علی ؓ کی ولایت کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور حضرت علی ؓ کو ہر مومن و مومنہ کا مولا بنا دیا تھا اور یہ قصہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا تھا پس اس شہرت اور تواتر اور اعلان عام کے بعد ایک خانگی نوشتہ کی جو ایک مختصر سے حجرہ میں چند اہل بیت کے سامنے ہو کیا ضرورت ہے۔

اب روایت کے الفاظ کی مراد بیان کی جاتی ہے۔

فَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْبَیْتِ: اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت گھر میں موجود تھے نہ کہ اہل بیت سے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت مراد ہیں۔

اِنَّ الرَّزِیَّةَ کُلَّ الرَّزِیَّةِ: حضرت ابن عباس ؓ اس بات پر افسوس کا اظہار کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے اختلاف اور شور و شغب کی وجہ سے اپنے ارادۂ تحریر کو ترک کر دیا اگر صحابہ اختلاف نہ کرتے تو ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کوئی ایسی تحریر لکھوا دیتے جو امت کے لئے ہمیشہ ہدایت و راستی کا ذریعہ بنتی گویا حضرت ابن عباس ؓ کا گمان اس طرف تھا کہ حضور ﷺ کے پاس لکھنے کا سامان لایا جاتا۔

ثُمَّ بَکٰی حَتّٰی بَلَّ: حضرت ابن عباس ؓ کے رونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ اس دن کے ذکر سے ان کو آپ ﷺ کی وفات کا سانحہ یاد آ گیا یا رونے کا سبب یہ تھا کہ ان کے خیال کے مطابق حضور ﷺ کوئی ایسا نوشتہ لکھنا چاہتے تھے جو امت میں باعث

خیر و برکت ہوتا یہ سوچ کر کہ امت خیر کثیر سے محروم ہوگئی آپؐ رونے لگے۔

لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اَبَدًا : آپ ﷺ کے کلام کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دین و شریعت کے احکام و مسائل لکھوانا چاہتے تھے نہ کہ خلافت کے بارے میں کوئی وصیت کرنے کا ارادہ تھا۔

وَلَا یَنْبَغِی عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ : یہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنا جملہ ہے جوانہوں نے روایت کے درمیان ارشاد فرمایا جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصل یہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو آپ ﷺ نے کسی اور موقع پر ارشاد فرمایا تھا لیکن ابن عباسؓ نے بطور استدلال یہاں نقل کر دیا۔

اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ : ہجر کے دو معنی ہیں پہلا معنی ہے ترک کرنا چھوڑ دینا دوسرا معنی ہے بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہذیان ولغو بات کہنا نیز اس کلام کے بارے میں دو احتمال ہیں کہ اس کا قائل کون ہے یا تو حضرت عمرؓ نے یہ ارشاد فرمایا یا یہ جملہ ان لوگوں کا ہے جو کتابت کے قائل تھے۔

اگر حضرت عمرؓ کا یہ فرمان ہو تو ہجر ترک کے معنی میں ہے حضرت عمرؓ یہ فرمانا چاہتے ہیں ابھی چونکہ بیماری کی شدت ہے اس لئے ابھی لکھوانے کی زحمت نہ دی جائے کیا حضور ﷺ اس دنیا کو چھوڑ کر جارہے ہیں آپ ﷺ سے پوچھ لو۔ اگر آپ ﷺ ابھی رحلت فرمارہے ہیں تو پھر آپ ﷺ سے لکھوالیا جائے ورنہ ابھی زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔

اگر یہ مقولہ ان لوگوں کا ہو جن کی رائے حضرت عمرؓ کے خلاف تھی تو ہجر بمعنی ہذیان ہوگا حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حضور ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات وقلم لاکر لکھوالیا جائے ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے جواب میں یہ کہا: اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور ﷺ حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوالیا جائے معاذ اللہ۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے اہجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدوں حرف استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہے اور حرف استفہام مقدر ہے۔

فَالَّذِیْ اَنَا فِیْهِ خَیْرٌ : جس حالت میں میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو یعنی میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق اور ذات حق کے تفکر میں مستغرق ہوں اور تم اپنے لفظی اختلاف ونزاع کے ذریعے میری توجہ ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر رہے ہو حالانکہ میری حالت بہتر ہے اس لئے تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

اَخْرِجُوْا الْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ : اس کی وضاحت باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں بیان ہو چکی ہے نیز جزیرۃ العرب کی تشریح باب الوسوسۃ میں گزر چکی ہے۔

وَاَجِیْزُ الْوَفْدَ : یعنی دوسرے قبائل وممالک کے قاصد اور ایلچی جب تمہارے پاس آئیں تو تم ان کی تعظیم وتکریم، خاطر و مدارات اسی انداز سے کرنا جس طرح میں کرتا تھا۔ اس حکم میں کئی حکمتیں ہیں مثلاً اس طریقے سے اسلامی اخلاق اور معاملات کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے دوسری حکمت یہ کہ ان ایلچیوں اور قاصدوں کو اطمینان وخوشی حاصل ہوگی اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک دیکھ کر مولفۃ القلوب کا اسلام اور مسلمانوں کی طرف رجحان زیادہ ہوگا۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ حکم ہر قاصد وایلچی کے بارے میں ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم بعض حضرات نے اجیزوا کا یہ معنی لکھا ہے کہ وفود کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

وَسَکَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ ......: وہ تیسری بات کیا تھی؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا یا میرے بعد میری قبر کو بت اور سجدہ گاہ نہ بنانا یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔

قَالَ سُفْیَانُ ھٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَیْمَانَ: ملا علی قاریؒ نے علامہ نووی شارح صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے نسیتھا (میں بھول گیا) کہ نسبت سلیمان بن ابو مسلم کی طرف کی ہے یہ صحیح نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ "سکت" کا فاعل حضرت ابن عباسؓ ہیں "نسیتھا" کا فاعل حضرت سعید بن جبیرؒ ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کر رہے ہیں مطلب یہ کہ حضرت سعید بن جبیرؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے سکوت اختیار کیا تھا یا آپ نے تیسری بات ارشاد فرمائی تھی لیکن میں بھول گیا۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ "سکت" کا فاعل حضور ﷺ ہیں اور "نسیتھا" کا فاعل ابن عباسؓ ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہ فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے تیسری بات سے خاموشی اختیار فرمائی یا تیسری بات ارشاد تو فرمائی تھی لیکن میں بھول گیا۔

نزولِ وحی کے منقطع ہو جانے پر ام ایمن رضی اللہ عنہا کی گریہ وزاری

۵۹۶۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰى اُمِّ اَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيْكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ اِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اَبْكِيْ اَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَآءِ وَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٠٧/٤ حديث رقم (١٠٣-٢٤٥٤) وأخرجه ابن ماجه في السنن ٥٢٣/١ حديث رقم ١٦٣٥۔

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آؤ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہاں چلیں اور ان کی زیارت کریں جیسے نبی کریم ﷺ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ بہر حال ہم (تینوں یعنی میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچے تو وہ ہمیں دیکھ کر رونے لگیں تو دونوں حضرات (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) نے فرمایا' آپ کیوں روتی ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول ﷺ کے لئے اللہ کے ہاں جو کچھ بھی ہے وہ بہتر ہی بہتر ہے؟۔ اس پر وہ بولیں کہ میرے رونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں یہ بات نہیں جانتی ہوں کہ اللہ کے ہاں رسول ﷺ کے لئے بہتر ہی بہتر ہے بلکہ میرے رونے کی

16

وجہ یہ ہے کہ آسمان سے وحی آنی بند ہوگئی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی رونے پر آمادہ کردیا چنانچہ وہ دونوں بھی رونے لگے۔

تشریح: (وعن انس...... عنهما): لفظ عنهما یا تو حضرت ابوبکر و عمرؓ دونوں کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے لایا ہے، راوی نے یا یہ حضرت انسؓ کے الفاظ ہیں۔ ایک نسخہ میں عنهم کے الفاظ منقول ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے، راوی نے جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا، کہ حضرت انسؓ کو بھی یہ دعا شامل ہو جائے۔

(بعد وفاة...... ام ایمن): حضرت ام ایمن حبشہ کی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی لونڈی تھی، حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد بطور وراثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں، حضرت آمنہ کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا، ان کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیس دن بعد ان کی وفات ہوئی، ان کے شوہر حضرت زید شروع میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے غلام تھے، پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ھبہ کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ صاحب مصابیح نے حضرت امّ ایمنؓ کے حالات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(نزورها...... یزورها): جملہ یزورها یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے، گویا کہ یہ اس طرح کے سوال کا جواب ہے، کوئی دل میں کہے ہم کیوں ان کے پاس جائیں، جواب ہے: نزورها، کہ ہم ان کی زیارت کریں کہ وہ اس کی حقدار ہے۔ یہ کلمہ جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے، چنانچہ صحیح مسلم کے نسخے میں بھی متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے، جب کہ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ فلما انتهیا منقول ہے، یعنی جب حضرت ابوبکر و عمر پہنچے۔ (الیها...... اعلم): جملہ انی لا اعلم مفعول لہ ہے۔ (ولکن ابکی ان): لان کے معنی میں ہے۔ (الوحیی): اصل میں دکھ کی بات یہ ہے احکام الٰہیہ آپ کے جانے کے بعد آنے بند ہو گئے۔

(قد انقطع...... فهیجتهما): کلمہ هیج، یاء کی تشدید کے ساتھ۔ ابھارنے اور مجبور کرنے کے معنی میں ہے۔ (علی البکاء...... معها): اس معنی میں رونا رہتی دنیا تک جاری وساری رہے گی، کیونکہ یہ اخلاص اور دکھ کے آنسو تھے۔

وصال سے پہلے مسجد نبوی سے امت کو آخری خطاب

۵۹۲۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ وَنَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ عَاصِبًا رَاْسَهٗ بِخِرْقَةٍ حَتّٰی اَهْوٰی نَحْوَ الْمِنْبَرِ فَاسْتَوٰی عَلَیْهِ وَاتَّبَعْنَاهُ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مَقَامِیْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَیْهِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ قَالَ فَلَمْ یَفْطِنْ لَهَا اَحَدٌ غَیْرُ اَبِیْ بَکْرٍ فَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ

16
16

فَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بَلْ نَفْدِيْكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَنْفُسِنَا وَاَمْوَالِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ثُمَّ هَبَطَ فَمَا قَامَ عَلَيْهِ حَتّٰى السَّاعَةَ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٦٧ حديث رقم ٣٦٥٩ والدارمی فی السنن ١/٤٩ حديث رقم ٧٧ و احمد فی المسند ٣/٩١

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنے حجرہ سے نکل کر ہمارے پاس (مسجد تشریف لائے ہم (پہلے سے) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر پٹی باندھ رکھی تھے (جیسا کہ دردسر کا مریض اپنے سر کو باندھے رکھتا ہے) پھر آپ منبر کی طرف بڑھے اور اس پر تشریف فرما ہوئے' آپ کے ساتھ ہم بھی (آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) بیٹھ گئے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حمد وثنا کے بعد) فرمایا: ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اپنی اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں'' پھر فرمایا: ایک بندہ جس کے سامنے (فانی) دنیا ہے اور دنیا کی (فانی) بہاریں پیش کی گئیں لیکن اس نے (مٹ جانے والی دنیا کے مقابلہ میں) آخرت (کی کبھی نہ مٹنے والی نعمتوں) کو پسند کر لیا ہے''۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی (حقیقت) کو سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ سمجھ سکا۔ چنانچہ (زبان رسالت سے یہ الفاظ سن کر) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رونے لگے' پھر بولے (نہیں) یارسول اللہ! (نہیں' ایسی دلدوز بات نہ فرمایئے) ہم اپنے باپوں کو' اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے صدقہ کر دیں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر آئے اور اس وقت تک پھر منبر پر تشریف فرما نہیں ہوئے (یعنی اس دن آپ کا منبر پر بیٹھنا آخری بیٹھنا تھا)۔'' (دارمی)

تشریح: (وعن ابی سعید...... فی المسجد): ونحن فی المسجد، یہ جملہ حالیہ ہے، مفعول یعنی علینا سے حال ہے۔ (عاصبًا راسه): یہ جملہ فعل خرج کے فاعل یعنی رسول اللہ سے حال ہے۔ عاصبًا، رابطًا کے (باندھے ہوئے) معنی میں ہے۔ (فاستوی علیه واتبعناه): کلمہ اتنعنا تاء کے سکون اور ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں تاء کی تشدید اور ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے، یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، تو ہم آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پوری توجہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (من مقامی هذا): اسی مقام سے ایک روایت میں آتا ہے ''ومنبری علی حوضی'' اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ (ثم قال ''ان عبد''): اس عبد کی صفات عظیمًا وعند الله وجيهًا كريمًا محذوف ہے۔ (فاختار الآخرہ): جہاں کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

بعض عارفوں نے بہت خوب کہا ہے کہ اگر کسی سمجھدار کو ایسے دو پیالوں میں سے کسی ایک پیالہ کو چن لینے کا اختیار دیا جائے جن میں سے ایک پیالہ تو مٹی کا ہے، لیکن پائیداری رکھتا ہو، اور دوسرا پیالہ سونے کا ہو، مگر پائیداری نہ رکھتا ہو، تو وہ سمجھدار یقیناً اس پیالہ پر جو اگرچہ سونے کا ہے (مگر غیر پائیدار ہے) مٹی والے پیالہ کو ترجیح دے گا، کیونکہ وہ پائیدار اور باقی رہنے والا ہے، اور اگر کہیں صورت حال اس کے برعکس ہو تو کوئی انتہائی نادان شخص ہو گا، جو سونے کے پیالہ کو چھوڑ کر جلد ضائع ہو جانے والے مٹی کے پیالہ کو پسند کرے گا۔

پس جان لینا چاہئے کہ آخرت کی مثال اس پیالہ کی سی ہ، جو پائیدار بھی ہے، اور سونے کا بھی، جب دنیا کی مثال اس پیالہ کی ہے، جو کہ نہ صرف یہ کہ مٹی کا ہے، بلکہ جلد ضائع ہونے والا ہے، قرآن کریم میں اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(فلم یفطن): مصباح میں نصر اور سمع دونوں سے منقول ہے، جب کہ قاموس میں فطن بہ و الیہ و لہ، کے صلہ کے ساتھ نصر، سمع، اور کرم تینوں سے منقول ہے۔

بعض نسخوں میں طاء کے کسرہ کے ساتھ منقول ہے، وہ سہو قلم ہے، جو کاتب کی قلت فطانت کے سبب پیدا ہوا ہے۔ ''لم یتفطن'' کے معنی میں ہے اور ''لھا'' کی ضمیر مجرور کا مرجع ''نکتہ'' یا ''وفات'' ہے۔

اخذ کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ رفع کی صورت میں یفطن کی خبر فاعل سے بدل ہوگا، اور نصب کی صورت میں مستثنیٰ۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ''حتی'' جارہ ہے، اور الساعه سے مراد قیامت ہے، یعنی اس کے بعد پھر کبھی اپنی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر نہ بیٹھ سکے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے وفات کی پیش بیانی

۵۹۶۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ قَالَ نُعِيَتْ اِلَىَّ نَفْسِيْ فَبَكَتْ قَالَ لَا تَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكَتْ فَرَاٰهَا بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ يَا فَاطِمَةُ رَاَيْنَاكِ بَكَيْتِ ثُمَّ ضَحِكْتِ قَالَتْ اِنَّهُ اَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ قَدْ نُعِيَتْ اِلَيْهِ نَفْسُهُ فَبَكَيْتُ فَقَالَ لِيْ لَاتَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكْتُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَجَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَالْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ۔ (رواہ الدارمی)

أخرجه الدارمي في السنن ۱/۵۱ حديث رقم ۷۹

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب سورۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دے دی گئی ہے۔ حضرت فاطمہؓ (یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی جدائی کا احساس کر کے) رونے لگیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میری بیٹی) روؤ نہیں' میرے اہل خانہ میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملو گی'' (یہ سن کر مارے خوشی کے) حضرت فاطمہؓ ہنسنے لگیں (وہاں موجود) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح (پہلے روتے اور پھر ہنستے) دیکھا تو پوچھا کہ فاطمہ! ہم نے دیکھا کہ پہلے تم رو رہی تھیں پھر ہنسنے لگیں'' حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مجھے یہ بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی موت کی خبر دے دی گئی ہے' یہ سن کر میں رونے لگی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روؤ نہیں' میرے

اہل خانہ میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملوگی تو میں ہنسنے لگی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور (مکہ کی) فتح حاصل ہوگی اور اہل یمن آ گئے جو دل کے نرم ہیں' ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے''۔(دارمی)

تشریح: (وعن ابن عباس...... والفتح): جب سورہ نصر نازل ہوگئی، یہ صورت اصل دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت کا اعلامیہ تھا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور فتح وکامرانی، اور دین میں لوگوں کے جوق در جوق داخل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تسبیح وتحمید کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کا مطلب اس کے سواء کچھ نہ تھا کہ دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جو مقصد تھا، یعنی اتمام دعوت اور تکمیل دین وہ پورا ہوگیا تھا، اور آپ کو تسبیح تحمید اور ذات حق کی طرف کامل توجہ واستغراق کے ذریعہ سفر آخرت کی تیاری کا حکم ملا تھا۔

(قال): یہ کلمہ یا تو مستانفہ بیانیہ ہے، یا حال ہے۔(نعیت الی نفسی): صیغہ مجہول کے ساتھ۔امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: نعیت کے مادہ میں انتہاء (ختم) کرنے کا معنی خود موجود ہے۔ یہ فعل لازمی ہے جس کو الی کے ذریعہ نفسی کی طرف متعدی کیا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں احمد الیك فلاناً، عرب جب کسی کو موت کی خبر دینے جاتے تو کہتے ہیں: نعی المیت ینعاہ۔ یہ خبر پوشیدہ تھی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ﴿فسبح بحمد ربك﴾ کے کلمات مبارکہ سے سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ ان کلمات مبارکہ کو باری تعالیٰ نے اذا جاء سے افواجًا تک بیان کردہ امور کے نتیجہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔(فبکت): ضمیر ھی حضرت فاطمہ کی طرف راجع ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد جدائی اور فراق کے غم میں مبتلا ہوئیں۔(فرآھا...... النبی صلی اللہ علیہ وسلم): بعض ازواج سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جمع کا صیغہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم شان کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔(فقلن): امام طیبی رحمہ اللہ نے یہی لکھا ہے: کہ ''فقلن'' جمع کا صیغہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم شان کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بھی بعید نہیں کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی کچھ دوسری ازواج مطہرات بھی موجود ہوں، اور ان سب نے حضرت فاطمہ کو پہلے روتے، پھر ہنستے دیکھ کر ان سے صورت حال کے بارے میں سوال کیا ہو، ظاہری عبارت یعنی ازواج النبی اور فقلن: کے الفاظ سے یہی احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ حضرت فاطمہ سے مذکورہ بات بہت چپکے سے کہی تھی، اس لئے حضرت فاطمہ کے علاوہ اور کسی نے اس بات کو نہیں سنا اور اسی لئے انہوں نے حضرت فاطمہ سے دریافت کیا۔(یا فاطمہ!...... ضحك): بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے، کہ حضرت فاطمہ نے ان ازواج مطہرات کے پوچھنے پر بھی اس وقت اصل بات نہیں بتائی تھی، بلکہ صرف یہ جواب دیا تھا، کہ یہ میرے اور اباجان کے درمیان ایک راز ہے، میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے یہ بات بتائی تھی۔

(فقالت): صحیح نسخہ میں یہ کلمہ بغیر فاء ''قالت'' منقول ہے۔(انه...... فضحکت): امام اکمل الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح قول کے مطابق حضرت فاطمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں، اگرچہ ایک قول آٹھ ماہ کا، ایک قول تین ماہ کا، ایک قول دو ماہ کا، اور ایک قول ستر دن کا بھی پایا جاتا ہے۔

(وقال...... اھل الیمن): جملہ وجاء اھل الیمن کا عطف جاء نصر اللہ پر ہے، یہ تفسیر ہے قول مبارک ﴿ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجًا﴾ کی، نیز اس بات کی علامت ہے کہ آیت مبارکہ میں الناس سے مراد اہل یمن ہیں۔

(والایمان یمان): یمان سے مراد یمنی ہے، یاء کے بعد الف یاء نسبت کے عوض لایا گیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: یہ قول آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمایا: کہ ایمان کی ابتداء مکہ سے ہوئی اور مکہ تہامہ کا حصہ، اور تہامہ یمن کے علاقوں میں سے تھا، اسی وجہ سے کعبہ کو الکعبة الیمانیہ بھی کہا جاتا تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں: یہ جملہ مبارک مقام تبوک میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، مکہ اور مدینہ تبوک اور یمن کے درمیان پڑتے ہیں، اس سے آنحضرت ﷺ نے یمن کی جانب بڑھنے والے شہر مکہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ابوعبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اھل یمن سے انصار مدینہ مراد ہیں، کیونکہ یہ اصل کے اعتبار سے یمانی ہیں، الیمان کی نسبت ان کی طرف اس لئے فرمائی کہ یہ حضرات ایمان اور مسلمانوں کے پہلے مددگار ہیں۔

شیخ ابوعمر فرماتے ہیں: اس قول سے اہل یمن ہی مراد ہیں، جیسے ظاہری عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایمان کی نسبت جو ان کی طرف کی ہے، تو صرف یہ بتلانے کے لئے کہ اہل یمن میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں ان میں ایمان اتم درجہ کا پایا جاتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے جب کوئی چیز کسی وصف کے ساتھ متصف ہو اور وہ وصف اسی چیز میں اتم ہو تو اس چیز کی نسبت اسی وصف کی طرف ہوتی ہے، لیکن اس سے غیر کی نفی لازم نہیں آتی، کہ ایمان صرف ان میں ہے کسی اور میں نہیں۔

اس لئے یاد رکھیں آنحضرت ﷺ کا قول ”الایمان فی اھل الحجاز“ اور حدیث میں کوئی منافات نہیں، پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں لفظ اھل یمن سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس زمانے میں موحد تھے، نہ کہ تمام اہل یمن، اس وقت کے ہوں یا بعد کے۔

قوله والحكمة يمانية:

والحکمة: حکمت کے لغوی معنی عقل و دانائی کے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں: حکمت ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے کے حکم کو حکمت کہتے ہیں۔ امام طیبی رحمہ اللہ کا قول ہے: کہ حکمت کا لفظ خوب علم حاصل کرنے اور خوب عمل کرنے سے عبارت ہے، قرآن کریم میں حکمت کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے: ﴿یؤت الحکمة من یشاء ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرًا کثیرًا﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ جس کو حکمت ملی، اس کو بڑی خیر کی چیز ملی۔

(یمانیة): یہ لفظ یاء کی تخفیف کے ساتھ، اس میں الف بھی یاء نسبت کے عوض آیا ہے۔ امام مبرد وغیرہ سے یہ بھی منقول ہے، تشدید کے ساتھ بھی ایک لغت ہے۔

جامع الصغیر میں ہے: ”الایمان یمان رواہ الشیخان عن ابن مسعود“۔ ابن عدی نے الکامل میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ ابونعیم رحمہ اللہ نے الحلیة میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے: ”الحکمة تزید الشریف شرفًا وترفع العبد المملوك حتی تجلسه مجالس الملوك“۔ ترجمہ: [حکمت وہ جوہر ہے جو عزت دار و شریف کی عزت و شرف کو زیادہ کرتا ہے، اور ایک مملوک غلام کے مرتبہ و حیثیت کو بڑھا کر بادشاہوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے قابل بنا دیتا ہے]۔ ابن عدی اور ابن ہلال کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے: ”الحکمة عشرة اجزاء تسعة منها فی العزلة و واحد فی الصمت“۔

''حکمت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے تو عزلت یعنی گوشہ نشینی میں ہیں، اور ایک حصہ خاموشی میں''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں وصیت

۵۹۷۰: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ وَارَأْسَاهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكِ لَوْ كَانَ وَاَنَا حَيٌّ فَاَسْتَغْفِرُلَكِ وَاَدْعُوْلَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَاثُكْلِيَاهُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَ ظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِيْ فَلَوْكَانَ ذٰلِكَ لَظَلِلْتَ اٰخِرَ يَوْمِكَ مُعْرِسًا بِبَعْضِ اَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَنَا وَارَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْ اَرَدْتُ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَابْنِهٖ وَاَعْهَدَ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ اَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَاْبَى اللّٰهُ اَوْيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ يَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَاْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/١٢٣ حديث رقم ٥٦٦٦

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے سر درد کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے) کہا: ہائے میرا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا (عائشہ رضی اللہ عنہا!) وہ (یعنی تمہاری موت) اگر ایسی صورت میں آئی کہ میں زندہ ہوا تو تمہارے لئے (سیئات سے) مغفرت طلب کروں گا اور تمہارے (درجات ومراتب کی بلندی کے) لئے دعا کروں گا' حضرت عائشہؓ بولیں: ہائے مصیبت! خدا کی قسم میرا تو خیال ہے کہ آپ موت کو پسند فرماتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا (کہ میں مرگئی) تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی دن کے آخری حصہ میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باشی فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ میرا اپنا سر درد سے پھٹا جارہا ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) (عائشہ رضی اللہ عنہا! چھوڑو اس بات کو اور سنو) میرا قصد تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: کہ میرا ارادہ تھا کہ میں (تمہارے والد) ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے (یعنی تمہارے عزیز بھائی عبدالرحمٰن کو) بلا بھیجوں اور ان کے حق میں وصیت کردوں تا کہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں (یعنی اپنے تئیں خلافت کا دعویٰ نہ کرے) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تا کہ متمنی لوگ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے خود اپنے لئے یا کسی اور کیلئے خلافت کی) تمنا کا اظہار نہ کریں' پھر میں نے اپنے دل میں کہا خود اللہ تعالیٰ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت کو منظور نہیں کریگا) اور مسلمان بھی انکار کرینگے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ خود اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا اور مسلمان بھی انکار کریں گے''۔ (بخاری)

تشریح: (وعن عائشه انها قالت ورأساه): نداء سر کو تھا، لیکن مراد موت تھی۔ (**فقال...... ذاك**): ذاك، کاف کے کسرہ کے ساتھ اس مرض کی طرف اشارہ ہے، جو موت کا باعث بنتی ہے۔ (**وانا حيٌ**): یہ جملہ حالیہ ہے۔ (**فقالت...... واثكلياه**): قاموس میں ہے: **واثكلياه** یہ لفظ ثاء کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ ہے، اس کا اصل معنی موت، ہلاکت محبوب اور لڑکے مرنے کے ہیں، یہ ایک محاوراتی لفظ ہے جو ہر اضطراب و پریشانی کے وقت اہل عرب کی زبان پر آتا ہے، اس سے حقیقت مراد نہیں۔ (**لظللت**): لام کے کسرہ کے ساتھ۔ (**آخر يومك معرسًا**): شادی کرلیں گے، لفظ معرس، میم کے ضمہ، عین کے سکون اور راء کی کسرہ کے ساتھ ہے، جبکہ ایک نسخہ میں راء کی تشدید کے ساتھ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ (**ببعض**

ازواجك): یہ متعلق ہے، عریسًا کے ساتھ۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ اس ناز و انداز اور پیار و محبت کے طور پر کہے، جو ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان تھا، گویا حضرت عائشہ نے یہ کہا کہ میں مرگئی، تو آپ کی بلاء سے آپ ﷺ تو مجھے فوراً بھلا دیں گے، اور اپنی دوسری بیوی میں مشغول ہو جائیں گے۔

لفظ معرسًا کی تحقیق:

کہا جاتا ہے: عرس واعرس۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے، یعنی شب زفاف کرے، پھر اس کا استعمال عام جماع پر ہونے لگا، یہ تو ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے۔

النہایہ میں ہے: تعریس کے معنی ہیں، رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ کرنا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: عرس، اعرس اور اُعیرس، اس وقت کہا جاتا ہے، جب دلہا اپنی دلہن سے شب زفاف کرے، اس سے اسم فاعل معرس آتا ہے، تو صحبت کرنے والا معرس کہلائے گا، عرس نہیں کہا جائے گا۔

قاموس میں ہے: اعرس کا معنی ہے شادی کی اور عرس باهلہ کا معنی ہوتا ہے، صحبت اور جماع کا۔

اگر صلہ میں لفظ القوم آئے، تو رات کے آخری حصے میں پڑاؤ کرنے، اور آرام کرنے کے معنی میں آتا ہے، اسی سے عرسو استعمال ہوتا ہے، اور اسی معنی میں کثیر الاستعمال ہے۔

(فقال النبی...... "وارأساه): یہاں بل اضراب کے لئے ہے۔ یعنی تم اپنے سر کے درد اور موت کا کیا ذکر لے کے بیٹھ گئیں، تمہیں تو میرے سر کے درد اور میرے بارے میں سوچنا چاہئے، میں اس دنیا سے رخت سفر باندھ رہا ہوں، تمہیں تو ابھی بہت دنوں تک زندہ رہنا ہے۔ تمہارے معاملہ سے میرا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ درد سر اصل مرض الموت ہے، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر کا درد اتفاقی ہے، آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرض کی اس یکسانیت میں اس کمال محبت کی طرف لطیف اشارہ ہے، جو ان دونوں کے درمیان تھی۔

کہا جاتا ہے لیلیٰ کے جسم سے جب خون رستا، تو مجنون عامری کے جسم سے بھی خون رہتا تھا۔

(او اردت): یہاں او راوی کا شک ہے۔ (ان یقول القائلون): ایک ترجمہ تو یہ ہے: تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں، مطلب ہے کہ جب میں ابوبکر کو اپنا ولی عہد بنالوں گا، تو پھر بعد میں لوگوں کو کچھ کہنے اور سننے کا موقع نہیں ملے گا۔

ایک ترجمہ یہ ہوگا: کہ کبھی کہنے والے کچھ کہیں، اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے اس ارادہ کی بنیاد یہ تھی کہ اگر میں نے ابوبکر کے لئے خلافت کبریٰ کی وصیت نہ کی تو شاید لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کے لئے خلافت صغریٰ (نماز کی امامت) ہی پر اکتفاء کر لیا تھا، ان کے لئے خلافت کبریٰ کی واضح وصیت کیوں نہ کی، باوجود یہ کہ خلافت صغریٰ میں خلافت کبریٰ کا اشارہ بھی موجود ہے۔

(او یتمنی المتمنون): یہاں لفظ 'او' تفریع کے لئے ہے، نہ کہ شک کے لئے۔ ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ پھر کوئی انا احق منه بالخلافة کا ناپسندیدہ نعرہ نہ لگا بیٹھے، یا کوئی یہ نہ سمجھے کہ خلافت کا حقدار ابوبکر کے علاوہ کوئی اور

ہے۔امام طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: قول ان یقول القائلون یہ مفعول لہ ہے، فعل محذوف کے لئے، تقدیر عبارت یوں ہے:
"اجعل ابا بکر ولی عهدی کراهة ان یقول القائلون لم یعهد رسول الله ﷺ الی ابی بکر الخلافة او یتمنی المتمنون الخلافة"۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرمارہے ہیں: فعل معلل کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں، فعل معلل یہاں خود مذکور ہے اور وہ ہے "اعهد"۔امام طیبی رحمہ اللہ نے محذوف نکالا ہے، وہ ان کی اپنی رائے اور اصل ہوسکتا ہے، واللہ اعلم

(او یدفع الله): یہ راوی کا شک ہے، ویابی المؤمنون، یہ بھی راوی کا شک ہے۔

یہاں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے مذکورہ ارادے پر عمل نہ کرنے کا سبب بیان فرمایا ہے، کہ اول تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہوگا، کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابوبکر ہوں، دوسرے یہ کہ مسلمان بھی ابوبکر کی خلافت کو برضاء ورغبت قبول کریں گے، کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے اپنی بیماری کی حالت میں امامت صغریٰ کے لئے ابوبکر کو منتخب کیا، جو اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی قیادت عظمیٰ کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی سب سے زیادہ اہلیت ابوبکر میں ہے۔

چنانچہ آپ کو جب امامت صغریٰ کے لئے آپ ﷺ نے منتخب فرمایا، تو اکابر صحابہ کرام بھی اس بات کو سمجھ گئے تھے، کہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آپ کا پہلا خلیفہ ہے، اسی وجہ سے بعد میں جب بعض لوگوں کی طرف سے اس بارے میں کسی قدر اختلاف رائے کا اظہار ہوا، تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی خلافت صغریٰ (امامت نماز) سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: "آنحضرت ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کے معاملہ میں منتخب فرمایا، تو یہ کیسے ممکن ہے، کہ ہم ان کو اپنی دنیا کے معاملہ میں منتخب نہ کریں"۔ مسئلہ خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس سے بڑی دلیل اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی، اور قول یابی الله والمؤمنون، اس جملے میں نہ صرف یہ کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے، بلکہ اس میں ان لوگوں کی تکفیر کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو برحق نہیں مانتے، نیز یہاں المؤمنون سے اکثریت کی طرف اشارہ ہے، اس سے جمہور کے ساتھ ایک گروہ کا مخالفت کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: میں نے یہ لکھنا اس لئے ترک کردیا کہ مجھے اعتماد ہے، اللہ تعالیٰ میرے بعد ابوبکر ہی کو خلیفہ بنائیں گے، اگر کوئی اور بننے کی کوشش کرے گا، تو مسلمان اس کو قبول ہی نہیں کریں، اس سے حضرت ابوبکر کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آئندہ پیش آنے والے حالات کی طرف بھی اشارہ ہے۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

مرض الوفات کی ابتداء کیسے ہوئی

۵۹۷۱: وَعَنْهَا قَالَتْ رَجَعَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ جَنَازَةٍ مِنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِيْ وَأَنَا أَجِدُ صُدَاعًا وَأَنَا أَقُوْلُ وَارَأْسَاهُ قَالَ بَلْ أَنَا يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ قَالَ وَمَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِيْ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ قُلْتُ لَكَأَنِّيْ بِكَ وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ

لَرَجَعْتَ اِلٰی بَیْتِیْ فَعَرَّسْتَ فِیْهِ بِبَعْضِ نِسَآئِكَ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بُدِیَٔ فِیْ وَجْعِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه الدارمی ۱/ ۵۱ حدیث رقم ۸۰

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں ایک جنازہ کو دفنانے کے بعد میرے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں شدید درد تھا اور میں کہہ رہی تھی کہ ہائے میرے سر میں بہت درد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات سن کر فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا میرے اپنے سر میں درد ہے اور فرمایا اے عائشہ تمہارا اس میں کیا نقصان ہے۔! اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ (بلکہ اچھی بات ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے) تمہیں غسل دوں اور کفن دوں اور میں تمہاری نماز جنازہ پڑھاؤں اور تمہیں خود دفناؤں یہ بات سن کر میں نے (عائشہ رضی اللہ عنہا) کہا کہ ہاں مجھے تو ابھی سے نظر آ رہا ہے اللہ کی قسم کہ اگر میں مرگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تجہیز و تکفین اور تدفین بھی کر لی تو (مجھے معلوم ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوتے ہی میرے گھر واپس آ کر اپنی کسی بیوی سے شب باشی کریں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ بات سن کر مسکرا دیئے (کیونکہ یہ بات میری غیرت پر دلالت کرتی تھی)۔ پھر اسی دن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت کا آغاز ہوگیا۔

تشریح: من جنازۃ : یہ مفعول لہ ہے۔ (من البقیع): یہ رجع کے ساتھ متعلق ہے۔ (فوجدنی...... صداعًا): لفظ صداع، صاد کے ضمہ کے ساتھ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، تو مجھے اس حالت میں پایا کہ میں سر کے درد میں مبتلا تھی، اور میں کہہ رہی تھی۔ (وانا اقول...... قبلی): (ہائے میرا سر پھٹا جارہا ہے) لفظ ''مت'' میم کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (فغسلتك): یہ لفظ غین کی تخفیف کے ساتھ۔ (وکفنتك): یہ لفظ فاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ (وصلیت علیك ودفنتك): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں وفات پا جاتیں، تو یقیناً ان کو سعادت وسرفرازی کا وہ خصوصی مرتبہ حاصل ہوتا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے اور پھر وفات پانے کی صورت میں ان کو حاصل نہیں ہوگا۔ (قلت لکانی بك): اصل میں یوں ہے: واللّٰہ لکانی ملتبسة بك۔ امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لکانی میں لام قسم کے لئے ہے، اور اس کا جواب قسم محذوف ہے، مذکورہ جملہ ذوالحال اور حال کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

معنی یہ ہے کہ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابھی سے نظر آ رہا ہے۔ (لو فعلت ذالك): ذالك سے غسل وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ فعرست...... : کلمہ عرست، راء کی تشدید کے ساتھ، مصابیح میں ہے: اعرس الرجل باھلہ، اس وقت کہتے ہیں جب آدمی اپنی دلہن سے پہلی بار شب باشی کرے، عام لوگ ماضی کے صیغہ کے ساتھ عرس استعمال کرتے ہیں، لیکن آپ استعمال نہ کریں، یہ حدیث اہل لغت کے خلاف دلیل ہے۔ کہ رات کے آخری حصہ میں آرام کیلئے اترنے کے معنی میں آتا ہے۔ یا مطلق اترنے کے معنی میں ہے، یہاں جماع سے کنایہ ہے، یا استعارہ تبعیہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ (ثم بدی): صیغہ مجہول کے ساتھ۔ شروع ہونے کے معنی میں ہے۔ (فی وجعه الذی مات فیه، رواہ الدارمی)۔

وصالِ نبوی کے بعد حضرت خضر کی تعزیت

۵۹۷۲: وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلاً مِنْ قُرَيْشٍ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ اَلاَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلٰى حَدِّثْنَا عَنْ اَبِى الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا مَرِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِىْ اِلَيْكَ تَكْرِيْمًا لَّكَ وَتَشْرِيْفًا لَّكَ خَاصَّةً لَّكَ يَسْاَلُكَ عَمَّا هُوَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنْكَ يَقُوْلُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَجِدُنِىْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَغْمُوْمًا وَاَجِدُنِىْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَكْرُوْبًا ثُمَّ جَآءَهُ الْيَوْمَ الثَّانِىْ فَقَالَ لَهٗ ذٰلِكَ فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا رَدَّ اَوَّلَ يَوْمٍ ثُمَّ جَآءَهُ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَقَالَ لَهٗ كَمَا قَالَ اَوَّلَ يَوْمٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ وَجَاءَ مَعَهٗ مَلَكٌ يُقَالُ لَهٗ اِسْمٰعِيْلُ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ كُلُّ مَلَكٍ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ فَاسْتَاْذَنَ عَلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهُ كَمَا رَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ هٰذَا مَلَكُ الْمَوْتِ يَسْتَاْذِنُ عَلَيْكَ مَا اسْتَاْذَنَ عَلٰى اٰدَمِيٍّ قَبْلَكَ وَلَا يَسْتَاْذِنُ عَلٰى اٰدَمِيٍّ بَعْدَكَ فَقَالَ ائْذَنْ لَهٗ فَاَذِنَ لَهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِىْ اِلَيْكَ فَاِنْ اَمَرْتَنِىْ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَكَ قَبَضْتُ وَاِنْ اَمَرْتَنِىْ اَنْ اَتْرُكَهٗ تَرَكْتُهٗ فَقَالَ وَتَفْعَلُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ قَالَ نَعَمْ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاُمِرْتُ اَنْ اُطِيْعَكَ قَالَ فَنَظَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَلَكِ الْمَوْتِ اِمْضِ لِمَا اُمِرْتَ بِهٖ فَقَبَضَ رُوْحَهٗ فَلَمَّا تُوُفِّىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَتِ التَّعْزِيَةُ سَمِعُوْا صَوْتًا مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِى اللّٰهِ عِزَاءً مِّنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِّنْ كُلِّ هَالِكٍ وَدَرَكًا مِّنْ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَاتَّقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ فَقَالَ عَلِىٌّ اَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔

رواه البيهقى فى دلائل النبوة ۲۶۷/۷

''حضرت امام جعفر صادق بن محمد اپنے والد (حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ قریش میں سے ایک شخص ان کے والد علی رحمہ اللہ بن حسین (امام زین العابدین) کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت امام علی زین العابدین نے اس سے کہا کہ کیا میں تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں؟ اس شخص نے کہا: ہاں ہمارے سامنے حضرت ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث ضرور بیان کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام (عیادت کرنے اور پیغام خداوندی پہنچانے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکریم و تعظیم کے لئے مجھے آپ (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ (ﷺ) کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) سے وہ چیز دریافت کرتا ہے۔ جس کو وہ آپ ﷺ سے زیادہ جانتا ہے (کیونکہ ظاہر و باطن کون سی چیز اس سے پوشیدہ ہے) تاہم وہ دریافت کرتا ہے کہ آپ (ﷺ) اپنے کو کیسا پاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جبرئیل! میں اپنے آپ کو مغموم پاتا ہوں اور اے جبرئیل میں اپنے آپ کو مضطرب و پریشان محسوس کرتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام (یہ جواب لے کر چلے گئے اور) پھر دوسرے دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ کہا' نبی کریم ﷺ نے بھی جواب میں وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی' تیسرے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور وہی کچھ کہا جو پہلے روز کہا تھا' نبی کریم ﷺ نے جواب میں وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور اسی دن یا اس کے بعد کسی اور دن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی تھا جس کو اسماعیل کہا جاتا ہے اور ایسے ایک لاکھ فرشتوں کا افسر ہے جن میں ایک ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر ہے۔ اس اسماعیل فرشتے نے آپ کی خدمت میں حاضری ہونے کی اجازت مانگی' آنحضرت ﷺ نے اسماعیل فرشتہ کو آنے کی اجازت دی اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (کچھ لمحے توقف کے بعد) کہا کہ یہ موت کا فرشتہ (عزرائیل) بھی حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے' حالانکہ اس فرشتہ موت نے نہ تو کبھی آپ ﷺ سے پہلے کسی سے اجازت مانگی ہے اور نہ کبھی آپ ﷺ کے بعد کسی سے اجازت مانگے گا (یعنی یہ صرف آپ ﷺ کا اعزاز و شرف ہے کہ اس کو آپ ﷺ سے اجازت مانگنے کی ضرورت ہوئی ہے) ورنہ دوسرے آدمیوں کے پاس تو اچانک پہنچتا ہے اور روح قبض کر لیتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرشتہ موت کو اجازت سے آگاہ کیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا (اور آپ ﷺ نے اس سلام کا جواب دیا) اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ (ﷺ) اپنی روح قبض کرنے کا حکم دیں تو قبض کرلوں اور اگر آپ ﷺ یہ حکم دیں کہ میں آپ ﷺ کو چھوڑ دوں تو میں چھوڑ دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے فرشتہ موت! کیا تم (ایسا کرو گے (جیسا میں تمہیں حکم دوں گا) فرشتہ موت نے جواب دیا: بے شک مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے (کہ آپ (ﷺ) کو اختیار دے دوں) اور آپ (ﷺ) جو کچھ فرمائیں اس کی اطاعت کروں۔ امام علی زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (فرشتہ موت کی یہ بات سن کر) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا (گویا ان سے مشورہ چاہا کہ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد! کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو بلا تامل فرشتہ موت سے فرمایا کہ: جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو' چنانچہ فرشتہ موت نے آپ ﷺ کی پاک روح قبض کر لی۔ جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا' اور تعزیت کرنے والے آئے تو لوگوں نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز سنی کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اے اہل بیت اور وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی مہربانی اور اس کی برکتیں نازل ہوں' اللہ کی کتاب یا اللہ کے دین میں ہر مصیبت کے وقت تسکین و تسلی کا سامان موجود ہے' اللہ تعالیٰ ہر ہلاک ہونے والی چیز کا معاوضہ دینے والا اور ہر فوت ہونے والی شے کا تدارک کرنے والا ہے جب صورت یہ ہے تو اللہ کی مدد سے تقویٰ اختیار کرو' اس سے امید رکھو' مصیبت زدہ حقیقت میں وہ شخص ہے؟ جو ثواب سے محروم کر دیا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین) نے کہا: تم جانتے ہو (تعزیت و تسلی کے الفاظ کہنے والا) یہ کون شخص تھا؟ یہ

حضرت خضر علیہ السلام تھے"۔(اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے)۔

(علی بن حسین): لفظ ابیہ سے بدل یا عطف بیان ہے، اور علی بن حسین، حضرت زین العابدین۔

وضاحت:

یہ روایت مرسل ہے کیونکہ حضرت زین العابدین جلیل القدر تابعی ہیں۔

(فقال...... لك): آپ کی تعظیم وتکریم کی خاطر، آپ کے پاس بھیجا ہے، اور یہ صرف آپ کے لئے مخصوص ہے، "یسالك عما هو اعلم به عنك" کہ اللہ تعالیٰ باوجود جاننے کے آپ سے دریافت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے کو کیسے پاتے ہیں؟ یعنی آپ ﷺ کا کیا حال ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے مرید کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔(واجدنی...... مکروبا): مغموم پاتا ہوں، لیکن میں اپنے راز اور غم اپنے آقا کے سامنے پیش کرتا ہوں، ہر حال میں اس کی تعریف کہتا ہوں۔(ثم جاء...... یوم): وہی پہلا حال ہے، حقیقۃً یا اضافۃً۔

(فان...... ترکته): لفظ روح، مذکر ومؤنث دونوں ہوسکتا ہے، ایک نسخہ میں اترکه اور ترکته، دونوں بغیر ضمیر کے "اترك ترکت" کے الفاظ کے ساتھ منقول ہیں۔

(یا ملك الموت...... بذالك): بذالك سے اختیار کے طرف اشارہ ہے، (امرت...... ان اطیعك): مجھے تو یہ حکم ہے، آپ دو کاموں میں سے جس کو پسند فرمالیں گے، اس میں آپ کی تابعداری کروں۔ میرا یہ قول امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے زیادہ بہتر ہے، امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، کلمہ وامرت ان اطیعك کا عطف بذالك امرت پر ہے، جس کا مطلب ہے کہ مجھے تو آپ کی روح قبض کرنے ہی کا حکم ہے۔امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے آنحضرت ﷺ کی کوئی امتیازی شان ظاہر نہیں ہوتی۔

(فقال...... الی لقائك): فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کے لئے بڑا مشتاق ہے، وگرنہ آپ کو مشقت میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی، ہمیں تو اسی لئے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے، کہ ہم آپ کو اپنے محبوب کے پاس لے جائیں۔

(فقال...... امض): لفظ "امض" ہمزہ وصل اور ضاد ہر دونوں کے کسرہ کے ساتھ۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اس جگہ میں امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الوفاء" میں لکھا ہے، آنحضرت نے جب حضرت عزائیل کو روح مبارک قبض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، تو اس کے بعد حضرت جبرائیل فرمانے لگے، "السلام علیك یا رسول الله هذا آخر موطئی لارض...... انما کنت حاجتی فی الدنیا"۔ یارسول اللہ آپ پر سلامتی ہو، یہ زمین پر میری آخری آمد تھی، اب پھر کبھی نہیں آؤں گا، کیونکہ میرا مقصود ختم ہوگیا ہے، میری آنے کی اب کوئی ضرورت نہیں۔اس کے بعد عزائیل نے آنحضرت ﷺ کی روح مبارک قبض کرلی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

ان فی الله، فی کتاب الله کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں یا اللہ کے دین میں۔(عزا): یہ کلمہ عین کے فتحہ کے ساتھ، تسلی کے معنی میں ہے۔(من کل مصیبة): اس سے اشارہ ہے، باری تعالیٰ کے ارشاد:﴿وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة﴾ کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ في الله اصل میں في دين کے معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین میں ہر مصیبت وغم کے موقع پر ''صبر'' کی صورت میں تسلی کا سامان موجود ہے، جس کی تلقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ في الله کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مصیبت وغم کے وقت صبر اور تسکین وتسلی عطا کرنے والا ہے اور ثواب سے نوازنے والا ہے۔صاحب النہایہ فرماتے ہیں: ایک حدیث میں ہے، من لم يتعز بعزاء الله، اس حدیث کے متعلق بعض حضرات فرماتے ہیں: کہ یہاں تعزیت سے مراد مصیبت کے وقت تسلی اور صبر اختیار کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا مراد ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: قول ''في الله'' میں مضاف کو محذوف ماننا جائز ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: ''ان في لقاء الله تعالى تسليًا وتصبرًا من كل مصيبة''۔ترجمہ: [اللہ کی ملاقات ہی ہر مصیبت کی تسلی اور صبر کا ذریعہ ہے]۔علم بیان کی اصطلاح میں اس کو تجرید کہتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے: عربی میں کہا جاتا ہے: وفي الرحمٰن للضعفاء كاف۔آگے آنے والے دو قول یعنی خلفًا اور دركًا بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

(خلفًا): (یہ خاء اور لام دونوں کے فتحہ کے ساتھ) عوض کے معنی میں ہے۔(من كل هالك، ودركًا): لفظ دركًا، دال اور راء کے فتحہ کے ساتھ، تدارک کرنے والے، کے معنی میں ہے (من كل فائت)۔

ارباب حال میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لكل شيء اذا فارقته خلف
وليس لله ان فارقت من عوض

(فبا الله فاتقوا): یعنی جب معاملہ یہ ہے کہ اللہ ہی ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ عطا کرنے والا اور ہر فوت ہونے والی شئے کا تدارک کرنے والا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ کو خوش دلی کے ساتھ قبول کر کے اس کی مدد وتوفیق کے ذریعہ صبر واستقامت اختیار کرو۔رونے دھونے اور بے صبری سے دور رہو۔ان الفاظ میں گویا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کی تلقین ہے: ﴿واصبروا ما صبرك الا بالله﴾ [طہ] (اور صبر کرو! تمہارا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے)۔

ایک روایت میں یہاں یعنی ''فاتقوا'' کے بجائے ''فثقوا'' کا لفظ ہے، جیسا کہ حصن حصين میں بھی منقول ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے، کہ اللہ پر اعتماد کرو، اور کہا جائے گا، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے: ﴿وتوكل علىي الحى الذى لا يموت﴾ (اور اسی حیّ لا یموت اللہ پر توکل رکھو)۔

(واياه فارجوا): مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی سے اپنی امیدیں وابستہ نہ کرو، کیونکہ امید اسی ذات سے وابستہ کی جاسکتی ہے جو معبود ہو، اور معبود اللہ کے سوا کوئی نہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ صبر پر تمہارے لئے اللہ کے ہاں جو اجر وثواب ہے، اس کی پوری پوری امید رکھو۔

لفظ حرم فعل مجہول ہے، انسان مصیبت کے وقت بے صبری کی وجہ سے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے

ہاں وہی صبر زیادہ معتبر ہوتا ہے جو صدمہ کے وقت کیا جاتا ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: فبا اللہ ، میں ''فاء'' جزائیہ ہے، کیونکہ یہ جواب شرط ہے، اور لفظ و باللہ یہ حال ہے۔ جس کو اپنے عامل پر اختصاصا مقدم کیا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فایّای فاعبدون﴾ میں مفعول بہ کو مقدم کیا گیا ہے، یعنی جب اللہ ہی ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ عطا کرنے والا، اور ہر فوت ہونے والی شئے کا تدارک کرنے والا ہے، تو یہی سے مدد طلب کرنی چاہئے۔ قول فاتقوا میں فاء ربط کی تاکید کے لئے ہے، بعینہٖ اسی طرح ''فارجعوا'' کے شروع میں بھی ''فاء'' تاکید ہی کے لئے ہے نہ کہ تخصیص کے لئے، بلکہ فاء لانے سے قرینہ میں مزید برابری ظاہر ہوتی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں ان الفاظ سے اختصاص اور تعادل ہر دونوں مفہوم مراد لئے جا سکتے ہیں، دونوں مفہوموں میں کوئی منافات نہیں۔

(فقال علی): یہاں لفظ ''علی'' میں دو احتمال ممکن ہیں: علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہے، یا اس حدیث کے راوی علی بن حسین زین العابدین ہے کہ انہوں نے وضاحت کے طور پر فرمایا۔

(ھذا ھو خضر علیه السلام): لفظ ''خضر'' خاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ خاء کے کسرہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ۔ تہذیب الاسماء میں لکھا ہے: ضاد کو خاء کے فتحہ کے ساتھ ساکن پڑھنا بھی جائز ہے، اور کسرہ کے ساتھ بھی۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے، کہ حضرت خضر زندہ ہیں، اور اب بھی موجود ہیں۔

(فی دلائل النبوۃ): حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: اس حدیث کے ابتدائی حصہ سے لے کر ''فلما توفي'' تک امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الوفاء'' میں بھی نقل کیا ہے اور اس سے آگے والے حصہ کو ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الحصن'' میں نقل کیا ہے، جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''ولما توفي ﷺ عزتهم الملائكة السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، ان فی الله عزاء من كل مصيبة، وخلفاً من كل فائتٍ فبا الله فثقوا واياه فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته''۔

یعنی جب آنحضرت ﷺ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی، تو فرشتوں نے (غیبی آواز کی صورت میں) صحابہ اور اہل بیت نبوی سے تعزیت کی، اور تعزیت میں وہی الفاظ نقل کئے جو اوپر حدیث میں منقول ہیں، صرف شروع میں السلام لیکم ورحمة الله وبركاته کہا اور آخر میں والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں ایک اور روایت یوں نقل کی ہے: کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک سفید ریش شخص جو نہایت تنومند اور خوش شکل تھا، اچانک حجرۂ نبوی میں داخل ہوا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے: ان فی الله عزاء من كل مصيبة، وعوضًا من كل فائتٍ وخلفًا من كل هالك، فالى الله فانيبوا واليه فارغبوا، ونظره اليكم في البلاء فانظروا، فانما المصاب من لم يجير۔ جب حضرت خضر یہ الفاظ کہہ کر چلے گئے، تو حضرت علی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہاں موجود لوگوں کو بتایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں، اس حدیث کو مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

بھی نقل کیا گیا ہے۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اپنی اس سند کے اعتبار سے تو بالکل ضعیف ہے، لیکن دوسری روایات کے ملنے سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔ ابن حجر کے اس قول سے وہ وہم ختم ہو جاتا ہے، جو کہ امام خضری نے مشکوٰۃ کے حائشہ میں لکھا ہے: کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ اس حدیث کو عبداللہ بن محرز نے برید بن الاصم سے اور انہوں نے زین العابدین سے نقل کیا ہے۔ اور ابن محرز متروک ہے، اہل حدیث کی نظر میں۔ چنانچہ مقدمہ مسلم میں اس کو متروک الحدیث لکھا ہے، لیکن حضری کی یہ بات اس لئے صحیح نہیں، کہ صرف ایک راوی کے متروک ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا ہے، بلکہ جو حدیث ضعیف سند والی طرق کے علاوہ کسی اور سند بلکہ متعدد سندوں سے آتی ہو، وہ لامحالہ ثابت ہوتی ہے، اس کے ثبوت میں شک کی گنجائش نہیں، ہاں صحیح نہ ہونا یہ الگ بات ہے، اور صحیح نہ ہونے سے کوئی نقصان اس لئے لازم نہیں آتا، کیونکہ اس کے ساتھ کوئی حکم شرعی متعلق نہیں، نیز اکثر احکام احادیث حسن سے ثابت ہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ بہت کم پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

بَابٌ

(یہ باب پہلے باب یعنی باب وفاۃ النبی ﷺ کے متممات ولواحق میں سے ہے)

لفظ ''باب'' رفع اور سکون دونوں کے ساتھ منقول ہے۔
مصابیح میں یہ باب بغیر عنوان کے اسی طرح منقول ہے۔ لیکن اس کی ابتدائی چار احادیث مبارکہ آنحضرت ﷺ کی میراث کے متعلق ہیں۔

الفصل الاول :

آپ ﷺ کا کوئی مالی وصیت نہ کرنا

۵۹۷۳: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا شَاةً وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا اَوْصٰى بِشَيْءٍ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۲۵۶/۳ حديث رقم (۱۸-۱۶۳۵) وابن ماجه في السنن ۹۰۰/۲ حديث رقم ۲۶۹۵ و احمد في المسند ۴۴/۶ ،

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ کوئی درہم نہ کوئی بکری چھوڑی نہ اونٹ اور نہ آپ ﷺ نے کسی چیز کی وصیت کی۔

تشریح: (وعن عائشة...... بشيء): اس موقع پر امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ایک اور روایت میں منقول ہے: کہ جب لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے تو حضرت علیؓ کو اپنا وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ نے حیرت سے فرمایا، آپ ﷺ نے کب وصیت فرمائی تھی؟ میں تو آخر وقت تک آپ ﷺ کے پاس رہی، اور جب تک آپ ﷺ کی روح پرواز نہیں کر گئی، آپ ﷺ کا تکیہ بنی بیٹھی رہی (اگر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں) کوئی وصیت کی ہوتی اور ان کو اپنا وصی یعنی اپنے مال وجائیداد کا وارث یا نگران بنایا ہوا ہوتا، تو اس کا علم مجھ سے زیادہ کس کو ہوتا۔
جو لوگ ایسا کہتے ہیں: غلط کہتے ہیں، آپ ﷺ نے تو کسی کو بھی وصی نہیں بنایا، نہ علیؓ کو اور نہ کسی اور کو، جیسا کہ شیعوں کا غلط پروپیگنڈہ ہے، جہاں تک ان احادیث صحیحہ کا تعلق ہے، جن میں کتاب اللہ کے متعلق وصیت کرنے یا غیر قوموں کے ایلچیوں اور وفود کی خاطر داری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کا ذکر ہے، نیز اہل بیت کے متعلق وصیت اور یہود کو جزیرۃ العرب سے نکالنے کی وصیت کا ذکر ہے، وہ دوسرا موضوع ہے، حدیث میں مذکور ''لا اوصی بشیء'' کے ساتھ ان کا کوئی تعلق بھی نہیں، یعنی وہ لا اوصی بشیء کی مراد نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے از قسم مال کسی چیز کے بارے میں کوئی

وصیت نہیں کی کیونکہ جب آپ ﷺ سرے سے کوئی مال جائیداد چھوڑ کر ہی نہیں جا رہے تھے تو وصیت کی نوبت کیوں آتی، رہا بنی نضیر اور فدک وغیرہ کی زمین جائیداد کا معاملہ، تو اس کو آپ ﷺ نے اپنی حیات ہی میں تمام مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا تھا، صرف اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے بقدر اس میں سے لیا تھا۔ (رواہ مسلم): مسلم کے علاوہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو شمائل میں نقل کیا ہے، البتہ اس میں ولا اوصی بشیء کے الفاظ منقول نہیں زرین حبشی جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے راوی ہیں، کہتا ہے: میرا گمان یہ بھی ہے کہ آپ نے غلام اور لونڈی چھوڑیں تھی اور ان کے متعلق بھی کچھ وصیت فرمائی تھی۔ تو س کے متعلق بھی آگے آیا ہے، باقی بعض سیرت نگاروں نے جو یہ لکھا ہے: کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بہت سے اونٹ تھے، دس اونٹنیاں تھیں اور ان اونٹنیوں اور اونٹوں کو نواح مدینہ میں رکھا جاتا تھا، جہاں سے ان اونٹنیوں کا دودھ دوہ کر لوگ روزانہ شام کو لایا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ کے پاس سات بکریاں بھی تھیں، جن کا دودھ آپ ﷺ پیا کرتے تھے۔

تو یہ روایت اول تو اس حیثیت کی نہیں ہے، کہ مذکورہ بالا حدیث کی معارض بن سکے، دوسرے اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ اس بات پر محمول ہوگی کہ وہ اونٹ وغیرہ صدقہ کا مال تھے، اور ان کے ذریعہ جو دودھ حاصل ہوتا، اس کو اصحاب صفہ اور دوسرے مفلس لوگ پیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے متروکات

۵۹۷۴: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِیْ جُوَیْرِیَۃَ قَالَ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِہٖ دِیْنَارًا وَلَا دِرْھَمًا وَّلَا عَبْدًا وَلَا اَمَۃً وَلَاشَیْئًا اِلَّا بَغْلَتَہُ الْبَیْضَآءَ وَسِلَاحَہٗ وَاَرْضًا جَعَلَھَا صَدَقَۃً۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۵٦/۵ حدیث رقم ۲۷۳۹ واخرجه النسائی فی السنن ۲۲۹/٦ حدیث رقم ۳۵۹٤۔

ترجمہ: ''حضرت جویریہؓ کے بھائی حضرت عمرو بن الحارث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی دینار چھوڑا' نہ درہم نہ کوئی غلام اور نہ ہی کوئی لونڈی اور نہ ہی کوئی اور چیز چھوڑی لیکن آپ ﷺ کا ایک سفید خچر تھا (اس کا نام دلدل تھا یہ خچر مقوقس حاکم اسکندریہ نے آپ ﷺ کو بطور تحفہ بھیجا تھا اس کے علاوہ) آپ ﷺ کے کچھ ہتھیار تھے اور تھوڑی سی آپ ﷺ کی زمین تھی جسے آپ ﷺ نے صدقہ قرار دے دیا تھا۔

راویٔ حدیث:

عمرو بن الحارث۔ یہ عمرو بن الحارث خزاعی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی زوجہ محترمہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ کوفہ والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان سے ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔

تشریح: یہ عمرو بن حارث خزاعی ہیں، شمائل ترمذی کے حوالہ سے ان کی صحابیت ثابت ہے، کہ یہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ ہیں، اور ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔ (اخی جویریة): یہ ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بھائی ہیں۔ لفظ جویریہ تصغیر کے وزن فعیل پر ہے۔ (قال...... ولا امة): مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایسی کوئی لونڈی اور غلام نہیں تھا جو رق یعنی بطور مملوک آپ ﷺ کی غلامی میں رہے ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے لونڈی غلاموں کا جوذکر آیا ہے، یا تو وہ سب آپ کی حیات ہی میں مر گئے تھے، یا آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

(ولا شیئاً): یہ تخصیص کے بعد پھر تعمیم ہے۔ (الا بغلة البیضاء): یہ وہ خچر تھی جو آنحضرت ﷺ کی سواری ہی کے لیے مختص تھی۔ (وسلاحه): یہاں ہتھیار سے مراد وہ ہتھیار ہیں جو خاص آپ ﷺ کے استعمال میں رہتے تھے، جیسے تلوار، نیزے، ذرہ، برچھا وغیرہ۔ واضح رہے کہ حدیث میں جو حصر ہے، کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کے پاس صرف یہ چند چیزیں تھیں، وہ حصر اضافی ہے اور اس بات پر مبنی ہے کہ استعمال کے وقت کپڑے اور معمولی گھریلو سامان جیسے چھوٹی موٹی چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، اور نہ یہ چیزیں مال وجائیداد میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ کپڑے وغیرہ چھوڑے تھے۔

(وارضًا جعلها صدقة): اس کے بارے میں ایک شارح نے لکھا ہے کہ "جعلها" کی ضمیر تمام مذکورہ چیزوں یعنی خچر، ہتھیار اور زمین کی طرف راجع ہے، جب کہ بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے، کہ جعلها کی ضمیر صرف زمین کی طرف راجع ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس کو صدقہ کر دیا تھا، کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے زمین کی منفعت کو صدقہ کر دیا تھا، یہاں صدقہ وقف کے حکم میں ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے اس زمین کو اس کے باقی وقائم رہنے تک اپنی حیات ہی میں صدقہ جاریہ باقیہ کر دیا تھا، اس طرح وہ زمین جب تک باقی رہے گی اس کے صدقہ کا ثواب آنحضرت ﷺ کو ملتا رہے گا، پس یہ بات اس کے منافی نہیں ہے، کہ جو باقی چیزیں آپ ﷺ کے پاس تھیں، وہ آپ ﷺ کی وفات ہوتے ہی خود بخود صدقہ ہو گئیں۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں: حدیث میں "زمین" کا جوذکر ہے: اس سے وادی قریٰ کی آدھی زمین، خیبر کی زمین کا پانچواں حصہ، اور بنو نضیر کی زمین وجائداد کا وہ حصہ مراد ہے، جو آپ ﷺ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا، نیز جعلها کی ضمیر مفعول حدیث میں مذکور تینوں چیزوں، یعنی خچر، ہتھار اور زمین کی طرف راجع ہے نہ کہ صرف زمین کی طرف اور یہ بات آنحضرت ﷺ کے یا اس ارشاد سے ثابت ہوتی ہے: "نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقه"۔ کہ ہماری انبیاء کی جماعت میراث نہیں چھوڑتی ہے، ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے، وہ سب صدقہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

آپ ﷺ کا چھوڑا ہوا ترکہ امت کے لئے وقف عام تھا

۵۹۷۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِيْنَارًا مَا

تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَؤُنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٠٦/٥ حديث رقم ٢٧٧٦ ومسلم في صحيحه ١٣٨٢/٣ حديث رقم (٥٥۔١٧٦٠) وابو داوٗد في السنن ٣٧٩/٣ حديث رقم ٢٩٧٤ ومالك في الموطأ ٩٩٣/٢ حديث رقم ٢٨ من كتاب الكلام و احمد في المسند ٤٦٤/٢

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے وارث میرے مرنے کے بعد دینار نہیں بانٹیں گے جو میں چھوڑوں گا وہ میری بیویوں کا خرچہ اور عامل کی اجرت اور اس کے بعد جو ہوگا وہ سب صدقہ ہوگا۔

لفظ لَا تَقْتَسِمُ کی مختلف لغوی تحقیق:

تشریح: متن میں یہ لفظ **لا تقتسم** منقول ہے، جب کہ شرح کے ذیل میں بین القوسین عبارت میں **لا تقسم** منقول ہے، اسی لفظ کو لے کر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح یوں کی ہے: کہ یہ لفظ صیغہ تانیث اور رفع کے ساتھ ہے، اور یہ جملہ ظاہری اسلوب کے اعتبار سے تو خبر کے طور پر ہے، مگر حقیقت میں ''نہی'' کا مفہوم رکھتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں جو کچھ چھوڑ کر جاؤں اس کو میرے ورثاء آپس میں تقسیم نہ کریں۔ کیونکہ میں اپنے ترکہ میں کوئی دینار و درہم نہیں چھوڑوں گا اور جب میں کوئی دینار و درہم چھوڑوں گا ہی نہیں تو میرے بعد ورثاء کے درمیان دینار و درہم تقسیم ہونے کی نوبت بھی نہیں آئے۔

نیز اس میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ یہ جملہ صورۃً تو خبر ہے، اور معنیً 'نہی' ہے۔ اس طرح کی نہی صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ممکن ہے یہ جملہ بمعنی نہی ہو، اور یہ مثل اس قول کے ہے: **علی احب لا یهتدی بمناره** یعنی میرے پاس کوئی دینار ہے ہی نہیں، جس کو تقسیم کیا جا سکے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک نسخہ میں یہ جملہ صیغہ مذکر یقسم کے ساتھ منقول ہے، ایک اور نسخہ میں مجزوم منقول ہے۔ کچھ نسخوں میں باب افتعال یعنی الاقتسام مصدر سے **لا تقتسم** کے الفاظ کے ساتھ مرفوع اور مجزوم بھی منقول ہے۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس جملہ کو اگر جزم میم کے ساتھ پڑھا جائے، تو یہ نہی کا صیغہ ہوگا، اور اگر رفع کے ساتھ پڑھیں تو نفی کا صیغہ ہوگا، نفی کے صیغہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔ اور معنی بھی اسی نفی والے مفہوم کے ساتھ ٹھیک بنتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس حدیث کا معارضہ ان احادیث سے نہیں ہوگا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث نہ چھوڑنے کے متعلق منقول ہیں۔

اگر اس جملہ کو نہی کے معنی میں لیا جائے، تو اس کی توجیہہ یہ کی جائے گی کہ اس سے یہ بات بالکل ہی ثابت نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں کچھ بھی نہیں چھوڑا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں مال چھوڑا ہو، لیکن ورثاء میں اس کے تقسیم سے منع فرمایا۔

میرک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں لکھا ہے: کہ مسلم شریف کی روایت میں **لا یقتسم** کے الفاظ ہیں اور یہاں ''لا'' لا نفی ہے نہ کہ ''لا'' نہی۔ کیونکہ منہی عنہ کے لئے امکان شرط ہے، جب کہ نبی کریم کی ارث غیر ممکن ہے۔ لہٰذا یہ خالصتاً خبر ہے،

کہ وارث آپ کی وراثت اس لئے تقسیم نہیں کریں گے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث چھوڑی ہی نہیں۔

رہی یہ بات کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا تھا کہ منہی عنہ کے لئے پہلے اس کے وجود کا امکان شرط ہے، تو اس امکان سے امکان عقلی مراد ہے، نہ کہ امکان شرعی، کیونکہ امکان شرعی اس میں مقصود نہیں ہوسکتا، وگرنہ تو تعارض آئے گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ''ورثتي'' وارث سے مراد بالقوہ واث ہیں، وگرنہ تو جہاں مال کے تقسیم کا حکم نہیں ہوتا، وہاں وارثوں کا بھی ذکر نہیں ہوتا۔ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ورثتي'' کا مطلب یہ ہے جو بھی ممکنہ طور پر میرے وارث بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ میرے دینار نہیں بانٹیں گے۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال آپ کے بالقوہ وارث تھے، لیکن دلیل شرعی کے ذریعہ انہیں میراث تقسیم کرنے سے منع کر دیا گیا، اور وہ دلیل شرعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (نحنُ معاشر الانبیاء لا نورث) ہے۔

آگے اس ممانعت کی علت بیان فرمائی کہ: (ما ترکت) یہاں ما موصولہ مبتداء ہے اور فعل ترکت موصول کا صلہ ہے، جس میں ضمیر عائد محذوف ہے، اصل میں یوں ہے: الذی ترکتہ۔ (بعد نفقة...... صدقه): جملہ فھو صدقہ کے ضمیر کے ساتھ جو فاء ہے، وہ متضمن معنی شرط ہے یعنی مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہے، جیسا کہ قول الذی یأتینی فلهٗ درهم میں اور ''ھو'' ضمیر متصل ہے، جو کہ تاکید اور تابید کا فائدہ دیتا ہے۔

شرح السنہ میں حضرت سفیان بن عیینہ کے حوالے سے لکھا ہے: وہ فرماتے ہیں: واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا حکم وہ نہیں جو عدت والی عورتوں کا ہوتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی اور سے نکاح کر لینا ان کے لئے جائز نہیں تھا، اس لئے ان کے خرچ کی کفالت اور نفقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے متعلق رہا، نیز عامل سے مراد وہ لوگ ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند خلافت پر فائز ہوئے (پس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوا کہ میرے ترکہ میں سے میری بیویوں کا نفقہ پورا کیا جائے اور میرے خلفاء بھی اپنے مصارف میں خرچ کریں اور پھر جو باقی رہے اس کو فقراء و مستحقین پر صرف کیا جائے، جیسا کہ میں صرف کیا کرتا ہوں)۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کا نفقہ، صفایا، کی آمدنی سے پورا کرتے تھے، جو کہ بنی نضیر کی جائیداد میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھی، جس کا حصہ فدک کی زمین پر مشتمل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقدر نفقہ لینے کے بعد آمدنی کا باقی تمام حصہ مسلمانوں کے مصالح ومصارف میں خرچ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مذکورہ رہن جائیداد کے متولی حضرت ابوبکر ہوئے، اور ان کے بعد یہ تولیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی، پھر جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے اور وہ اپنے ذاتی مال ودولت کی وجہ سے اس زمین وجائیداد کی آمدنی سے مستغنی رہے، تو انہوں نے وہ ساری زمین وجائیداد اپنے اقارب میں سے مروان وغیرہ کو عطا کر دی، جس پر وہ لوگ برابر قابض رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروان وغیرہ کے ورثاء سے وہ زمین وجائیداد واپس لے کر حسب سابق مصارف کے لئے مخصوص کر دیا۔

ہمارے علماء احناف میں سے ایک شارح نے لکھا ہے کہ یہاں اس جملہ کی مراد مال فئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں مالکوں کی طرح تصرف فرمایا کرتے تھے، لیکن وارثوں کو اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا: "بعد نفقة نسائه" ۔ یہ اس لئے فرمایا تھا کہ تمام ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد بھی آپ کے نکاح کے ساتھ مخصوص تھیں اور رحلت کے بعد بھی ان کا تعلق آنحضرت کے ساتھ بعینہٖ اسی طرح برقرار تھا، جیسا آپ کی حیات میں تھا، اس لئے مال فئی ان کا نفقہ اسی طرح واجب تھا، جیسے آپ کی زندگی میں تھا، اور جیسے تمام لوگوں کی بیویوں کا نفقہ ان پر واجب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نفقہ کا جوذکر کیا، وہ باعتبار وراثت کے نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کے حقوق نکاح سے مشغول ہونے اور غیر کے ساتھ نکاح کے ممنوع ہونے کی بناء پر تھا، چنانچہ ازواج مطہرات جب تک بقید حیات رہیں، معتدہ کے حکم میں تھیں، اور معتدہ کا نفقہ شوہر کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں: ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آنحضرت ﷺ کے بعد معتدہ کے حکم میں نہیں تھیں، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، لہٰذا یہ معتدہ کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوتیں۔ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ازواج مطہرات کا حکم نہیں، بلکہ تمام انبیاء کی بیبیوں کا یہی حکم بنتا ہے، لہٰذا بیبیوں کے نفقہ کی استثنیٰ سے کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

دیگر کچھ حضرات کا یہ قول ہے: ازواج مطہرات کے نفقہ کا ذکر اس لئے فرمایا ہے، ایک تو وہ تمام مؤمنین کی مائیں ہیں، جن کا بہت بڑا مرتبہ ہے، نیز انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خاطر بہت تکلیفیں جھیلیں، پھر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی سے نکاح کرنا بھی ان کے لئے جائز نہیں تھا، اس لئے ان کا نفقہ تا حیات اللہ اور رسول کی جانب سے مقرر ہوا، اور مقرر رہا۔ چنانچہ وہ اپنے انہیں مکانات میں رہیں، آپ کی میراث ان میں تقسیم نہیں ہوئی، صرف نفقہ ان کا جاری وساری رہا۔

ایک شارح کہتا ہے: نفقة عامل میں عامل سے مراد، وہ حضرات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی مسند خلافت پر فائز ہوئے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے مصالح کے لئے کام کرتے رہے، لہٰذا ان کو بقدر عمل اس میں سے لینے کی اجازت تھی، اس لئے ان کا بھی استثناء فرمایا' اھ۔

لفظ مُؤْنَةِ عَامِلِیْ کی تحقیق:

شرح المشارق میں ہے: مؤنة، فعولة کے وزن پر مأنت القوم سے بوجھ/ وزن کے معنی میں ہے۔ مأنت القوم کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میں نے پوری قوم کا بوجھ اٹھایا۔

صحاح میں ہے: المؤنه یهمز ولا یهمز۔

فراء کہتے ہیں: مؤنة، الأین مصدر سے فعلة کے وزن پر تھکان اور تکلیف کو کہتے ہیں۔

کچھ حضرات کہتے ہیں: الأوان سے مفعلة کے وزن پر، دشمنی اور عدل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں بھی انسان پر ایک طرح کی بوجھ ہوتی ہیں، اس لئے اس کو بھی مؤنه کہتے ہیں۔ حدیث میں مؤنة کی طرح معونة کے الفاظ اس معنی کے لئے منقول ہیں۔

مؤُنَۃِ عَامِلِیْ کا کیا مطلب ہے؟

بعض محققین کہتے ہیں اس کی مراد میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں: اس سے آپ کے خلفاء مراد ہیں، اور یہی بات زیادہ معتمد علیہ ہے۔

کچھ کہتے ہیں: اس سے وہ اجیر لوگ مراد تھے جن کے پاس آنخضرت ﷺ کے کھجور کے باغات اور زمین تھی، اور وہ اس میں کام کیا کرتے تھے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ اور ابن بطال نے تو اس پر جزم فرمایا ہے۔

بعض کہتے ہیں: اس سے انخضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودنے والے لوگ مراد تھے، لیکن یہ تو بہت ضعیف ہے، اور رجم بالغیب ہے۔ کتاب الخصائص میں امام ابن دحیۃ لکھتے ہیں: **عامل** سے مراد آنخضرت ﷺ کے وہ خدام ہیں، جن کو زکوۃ صدقات جمع کرنے پر آنخضرت ﷺ نے مامور فرمایا تھا، کیونکہ ان کی حیثیت اس میں مزدور جیسی تھی۔ ابن دحیۃ نے اسی حدیث سے جائیداد اور زکوۃ وغیرہ تقسیم کرنے والے لوگوں کی تنخواہ لینے کے مسئلہ پر استدلال کیا ہے۔ کہ جو لوگ ان امور کو انجام دیں، ان کو اسی مد سے زکوۃ لینا جائز ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: **عامل** سے مراد مسلمانوں کے وہ خدمت کرنے والے لوگ ہیں، جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں کی خدمت پر مامور رہتے ہیں۔ اس میں خلیفہ و دیگر تمام حضرات داخل ہیں، جو اس امت کے لئے کام کرتے ہوں۔

تخریج: امام ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اس میں لفظ دینار کے بعد **و لا درھمًا** کے الفاظ بھی منقول ہے۔ بعض حضرات اس پر فرماتے ہیں: دینار اور درہم کی قید لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ: اس سے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جو مال اس سے اوپر ہو، وہ بطریقہ اولی اس وصیت اور حکم میں داخل ہوگا، اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے یہ تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث کا حکم ہے۔

کیونکہ حدیث ہے: "**لا نورث ما ترکنا صدقه**" ترکت میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا، یعنی ہم تمام انبیاء اپنے بعد کوئی وراثت نہیں چھوڑتے، کیونکہ ہم باعتبار وراثت فقراء کے حکم میں ہیں۔ اور صوفیاء کے نزدیک فقر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ملک کی کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے، ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے، وہ یا تو امانت ہوتی ہے، یا وقف یا صدقہ۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے: آنخضرت ﷺ نے گویا یہ فرمایا: ہم انبیاء کی مالی میراث جاری نہیں ہوتی، اور نہ کوئی شخص ان کا وارث قرار پاتا ہے، ہم فقراء و مساکین کے احوال رکھتے ہیں۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں آتا ہے: کہ انبیاء از قسم مال و جائیداد جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ میراث کے طور پر ان کے پسماندگان کا حق نہیں ہوتا، بلکہ صدقہ کا مال ہوتا ہے جس کا مصرف فقراء و مساکین ہوتے ہیں، کیونکہ انبیاء دراصل فقراء میں سے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے نہ انبیاء کی مالی میراث جاری ہوتی ہے، اور نہ کوئی شخص ان کا وارث قرار پاتا ہے، جب ان کی وراثت ہی قائم نہیں ہوتی، لہٰذا ان کے پسماندگان میں سے کسی کو یہ موقع نہیں ملتا ہے۔ کہ وہ ان کا ترکہ پانے کی تمنا میں ان کی موت سے

خوش ہو۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں عام لوگوں کی مخالفت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: عدم وراثت کا یہ حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ دیگر انبیاء اس میں داخل نہیں، کیونکہ حضرت زکریا نے فرمایا ﴿یرثنی ویرث من آل یعقوب﴾ [مریم] یہاں وراثت سے وراثت مالی مراد ہے، نہ کہ نبوت۔ کیونکہ نبوت ہوتی تو حضرت زکریا یوں نہ فرماتے: ﴿وانی خفت الموالی من ورائی﴾ [مریم] اس لئے کہ انبیاء کو اپنے بعد اپنے منصب نبوت کا خوف نہیں ہوتا، کیونکہ یہ تو اللہ کی طرف سے عطاء ہوتی ہے۔ جس میں وراثت کا قانون نہیں چلتا، لیکن ٹھیک وہی ہے جو جمہور نے لیا ہے، اس لئے کہ نسائی کی روایت ہے: ''انا معاشر الانبیاء لا نورث''۔

آیت مبارکہ میں یرثنی سے مراد نبوت ہے، نہ کہ وراثت مالی اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا یہ سلسلہ قائم ودائم رہے، اور نبوت پاکیزہ نسلوں میں جاری وساری رہے۔

اور خوف سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مسند وعظ وارشاد نہیں سنبھالے گا، تو میرے قرابت داروں میں تو کوئی اس مسند کا اہل نہیں، ویسے ظاہری طور پر غلبہ کر کے اس کو حاصل کر لیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ نا اہل ہونے کی وجہ سے میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے کہیں منحرف نہ ہو جائیں۔

یہی تفصیل امام باجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار کی ہے وہ فرماتے ہیں: اہل سنت اس بات پر متفق ہیں، کہ تمام انبیاء کے پسماندگان میں کوئی وارث نہیں بنتا۔

ابن علیہ کہتے ہیں: یہ حکم ہمارے نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔

امامیہ فرقہ مطلق انبیاء کی وارثت کے قائل ہیں، امامیہ کی یہ بات امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں میراث کا جاری نہ ہونا

۵۹۷۶: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔

(متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵/۱۲ حدیث رقم ۶۷۲۶ ومسلم فی صحیحه ۱۳۸۳/۳ حدیث رقم (۵۶-۱۷۶۱) واخرجه ابو داؤد فی السنن ۳۸۱/۳ حدیث رقم ۲۹۷۶ ومالك فی الموطأ ۹۹۳/۲ حدیث رقم ۲۷ من کتاب الکلام و احمد فی المسند ۱۴۵/۶ ۱) فی المخطوطة (حدف)

ترجمه: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ وراثت نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہے''۔

تشریح: (...... ولا نورث): لفظ ''نورث'' واؤ کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ یعنی ہم انبیاء کی وراثت مالی نہیں ہوا کرتی۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ لفظ اصل حرف ''مِنّا'' کے ساتھ ہے یعنی لا یورث مِنّا تھا۔ حرج جر کو حذف کر دیا

گیا، اور ضمیر جمع برابر فعل کے ساتھ متصل رہی، پھر فعل کو غائب سے متکلم کی طرف منتقل کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل ورث بذات خود متعدی نہیں ہوتی۔ اگر چہ بعض لغت والوں نے اس کو متعدی بنفسہٖ بھی شمار کیا ہے، اور حرف ''من'' کے ساتھ بھی متعدی شمار کیا ہے۔

قرآن کریم میں اس کی دونوں لغات استعمال ہوئی ہیں۔ جیسے آیت کریمہ: ﴿یرثنی ویرث من ال یعقوب﴾ میں ہے۔

قاموس میں ہے: ورث، واؤ اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ورث اباہ مستعمل ہے، نیز یعدہ کے وزن پر یرثه، راء کی کسرہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے، باب افعال سے اورثه، وارث بنانے کے معنی میں بھی مستعمل ہے، حدیث میں مذکور لفظ نورث فعل معروف کے ساتھ منقول ہے۔ اور نسخہ میں بھی اسی طرح ضبط کیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے کہ ہم بطور میراث کسی وارث کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑتے۔

صاحب مغرب نے لکھا ہے: ورث اباه ما لا یرث وارثهٗ۔

فهو وارث: یعنی فتحہ کے ساتھ باپ اور مال دونوں موروث ہیں، اسی سے ہے انا معاشر الانبیاء لا نورث۔ لیکن راء کی کسرہ کے ساتھ درایۃً غلط ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا جن لوگوں نے راء کی کسرہ والی لغت کو زیادہ ظاہر قرار دیا ہے ان کا زعم صحیح نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ راء کی کسرہ کے ساتھ پڑھنا درایۃً غلط نہیں۔ اگر روایۃً یہ لغت صحیح ہوتی تو ہم قاموس سے جو معنی مستفاد ہوتا ہے، اس کو کیوں نقل کرتے۔

(ما ترکنا): ضمیر منصوب ''ما'' موصولہ کی طرف راجع ہے۔ (صدقة): یہ جملہ مرفوع ہے، کیونکہ مستانفہ ہے۔ گویا کہ جب یوں کہا گیا: کہ ہم اپنے پسماندگان کے لیے کوئی وراثت نہیں چھوڑتے۔ تو پوچھا گیا: تو آپ ﷺ لوگ جو ترکہ چھوڑیں ان کا کیا کیا جاتا ہے، یا ان کا کیا کرتے ہیں؟ جواب یہ دیا گیا: جو ہم چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہے، چنانچہ خبر کو حذف کر دیا گیا اور حال اس کے عوض باقی رہا، اس کی مثال قرآن کریم میں بھی موجود ہے: جیسے سورہ یوسف میں ہے: ﴿نحن عصبة﴾ [یوسف]۔

باقی شیعہ کا قول کہ ''ما'' موصولہ نہیں، بلکہ نافیہ ہے، اور لفظ صدقه، ترکنا کا مفعول ہے، یہ بہتان اور جھوٹ ہے، کیونکہ لفظ صدقه والی قراءت شاذ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ترکنا کے ساتھ اکثر روایتوں میں ضمیر جمع متکلم کی مذکور ہے، جب کہ لفظ ''فهو'' کچھ نسخوں میں منقول ہے، اس کے ساتھ ساتھ کچھ روایات میں صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا قول ''انا معاشر الانبیاء لا نورث'' موجود ہے، اگر جمہور کا قول نہ لیا جائے تو ان احادیث سابقہ اور لاحقہ میں تناقض پایا جائے گا، اللہ تعالیٰ توضیح کا ساتھی ہے۔

رہی بات یہ کہ ایک روایت ما ترکنا صدقة ہے، بغیر ضمیر منفصل کے ساتھ۔ امام مالک رحمہ اللہ اس کی ترکیب کے متعلق فرماتے ہیں: ''ما'' نافیہ نہیں، بلکہ موصولہ مبتداء ہے اور فعل ترکنا، ماء کا صلہ ہے، جس میں ضمیر عائد محذوف ہے، جب کہ لفظ صدقة خبر ہے۔ امام مالک نے جو اعراب بیان کیا ہے، اس سے تمام روایات متفق اور جمع ہو جاتی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے وصال کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ

۵۹۷۷: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَرَادَ رَحْمَۃَ اُمَّۃٍ مِّنْ عِبَادِہٖ قَبَضَ نَبِیَّھَا قَبْلَھَا فَجَعَلَہٗ لَھَا فَرْطًا وَسَلَفًا بَیْنَ یَدَیْھَا وَاِذَا اَرَادَ ھَلَکَۃَ اُمَّۃٍ عَذَّبَھَا وَنَبِیُّھَا حَیٌّ فَاَھْلَکَھَا وَھُوَ یَنْظُرُ فَاَقَرَّ عَیْنَیْہِ بِھَلَکَتِھَا حِیْنَ کَذَّبُوْہُ وَعَصَوْا اَمْرَہٗ۔ (رواہ مسلم)

اخرجہ مسلم فی صحیحہ ۱۷۹۱/٤ حدیث رقم ۲۸۸۸/۳٤۔

حضرت ابی موسیٰ اشعریؓ نبی کریم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جب کسی امت پر رحمت کا ارادہ کرتا ہے تو اس امت کے نبی کو اس امت سے پہلے اٹھا لیتے ہیں اور اس کو اس امت کے لئے میر منزل اور پیشرو بنا دیتا ہے (یعنی وہ نبی جو اپنی امت سے راضی ہو کر وفات پاتا ہے وہ اپنی امت کا شفیع ہوتا ہے) اور جب وہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس امت پر نبی کی زندگی میں ہی عذاب نازل کرتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اور جب پیغمبر اپنی نافرمان امت کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے''۔

(وعن ابی موسی...... وسلفًا): لفظ فرطًا اور سلفًا دونوں فاء اور لام دونوں کلموں کے فتحہ کے ساتھ، نیز ''سلفًا، فرطًا'' یا رحمۃ کی تفسیر ہے۔ میر منزل، پیش رو، اور شفیع بنا دینے کے معنی میں ہے۔ (بین یدیھا): شرط یہ ہے کہ نبی اپنی امت سے راضی اور خوش ہو جائے۔

(ھلکۃ امۃ): لفظ ھلکۃ، لام اور کاف ہر دونوں کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے، امت کی ہلاکت اس طرح ہوتی ہے کہ (عذبھا...... وھو ینظر): ینظر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ① اس امت کا حشر دیکھتا ہے ② اللہ کی قدر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (فاقر): ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع ہے۔ (عنیہ): لفظ عنیہ، تثنیہ کے ساتھ مبالغہ کے لئے ہے، یعنی نبی خوش ہوتا ہے، کیونکہ وہ امت اپنے اس نبی کو جھٹلاتی تھی، اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتی تھی، جب امت کی ہلاکت کو دیکھتا ہے تو اس کے دل کو تسکین ہو جاتی ہے۔ (بھلکتھا): یہاں تعلیلیہ وسببیہ ہے۔

ذاتِ رسالت سے عقیدت و محبت امت کا سرمایہ ہے

۵۹۷۸: وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اَحَدِکُمْ یَوْمٌ وَّلَا یَرَانِیْ ثُمَّ لَا یَرَانِیْ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ مَعَھُمْ (رواہ مسلم)

اخرجہ مسلم فی صحیحہ ۱۸۳٦/٤ حدیث رقم (۱٤۲-۲۳٦٤) و احمد فی المسند ٤۱۷/۲

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے' تم میں سے کسی پر ایسا دن بھی آئے گا کہ وہ مجھے نہیں دیکھے گا' پھر اس کو مجھے دیکھنا اس سے کہیں زیادہ محبوب ہوگا کہ وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے مال ومتاع کو دیکھے''۔ (مسلم)

تشریح: (وعن ابی هریره...... علی احدکم): یا تو آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کو دیکھنے اور آپ ﷺ کی محبت اختیار کرنے سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجھ سے اتنی زیادہ محبت ہے، کہ اگر وہ مجھے ایک دن نہ دیکھیں تو ان کا اشتیاق واضطراب کہیں بڑھ جائے اور اپنے مال ومتاع اور اہل وعیال کو دیکھنے سے زیادہ اس بات کو پسند کریں گے کہ وہ میرا دیدار کریں، اور میری صحبت میں رہیں۔

یا یہ ارشاد گرامی اس بات کی پیشینگوئی ہے کہ میرے متعلق میری امت کی عقیدت ومحبت میری وفات کے بعد بھی کم نہیں ہو گی۔ اور مسلمان اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ومتاع کی طرف رغبت رکھنے سے کہیں زیادہ یہ چاہیں گے کہ کسی طرح خواب میں میرا دیدار کرلیں، مجھے دیکھیں۔ سیاق کلام کو دیکھتے ہوئے یہی مطلب زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(یوم): اس سے مطلق زمانہ مراد ہے۔ (ولا یرانی): مفعول فیہ حنیئذٍ بھی محذوف ہے۔ (ثم لا یرانی...... معهم): لفظ **معهم** تاکید کے لئے ہے، کیونکہ یہ وہم ہوسکتا ہے کہ **وماله** میں واؤ بمعنی ''او'' ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے بسا اوقات مال زیادہ محبوب ہو جاتا ہے اور کبھی اولاد۔ لہٰذا لفظ **معهم** سے دونوں کی نفی ہوگئی۔ (رواہ مسلم): اس حدیث سے اس مشہور حدیث کے معنی کی طرف اشارہ ہے جو یوں ہے: ''طوبی لمن رانی وامن بی''۔ اس کے لئے خوشخبری ہے جو مجھ پر ایمان لائے اور میری زیارت کرے۔

الفصل الثانی:

وهذا الباب خال عن الفصل الثانی

یہ باب فصل دوم کے بغیر ہے

الفصل الثالث:

وهذا الباب خال عن الفصل الثالث:

یہ باب فصل سوم کے بغیر ہے

بَابُ مَنَاقِبِ قُرَيْشٍ وَذِكْرِ الْقَبَائِلِ

یہ باب قریش کے مناقب اور قبائل کے ذکر کے بیان میں ہے

مناقب جمع ہے منقبت کی اس کا معنی ہے قابلیت' خوبی' فضیلت' مناقب الانسان یعنی انسان کے عمدہ خصائل اور ستودہ اخلاق۔

لفظ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد فہر بن مالک کا لقب تھا بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے اور فہر لقب ہے ان کی اولاد کو قریشی کہا جاتا ہے اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے حافظ علائی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی مؤید ہیں امام شافعیؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک بن نضر نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اس لئے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے لہٰذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمد اللہ متفق ہو گئے۔

قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھا لیتا ہے مگر اس کو کوئی نہیں کھا سکتا اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے تھے کسی سے مغلوب نہیں ہوتے تھے اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

حافظ بدر الدین عینیؒ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں ان کی تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

قبائل جمع ہے قبیلہ کی قبیلہ کا معنی ہے ایک باپ کی اولاد یہاں ذکر القبائل سے عرب کے مختلف قبیلوں کی خصوصیات بیان کرنا مقصود ہے خواہ ان کا تعلق مدح سے ہو یا مذمت سے۔

الفصل الاول :

قریش مکہ کی فضیلت

۵۹۷۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ فِیْ هٰذَا الشَّاْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَکَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِکَافِرِهِمْ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٢٦/٦ حديث رقم ٣٤٩٥ ومسلم في صحيحه ١٤٥١/٣ حديث رقم (٢-١٨١٨) و احمد فى المسند ١٠١/١۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس امر (دین یا خلافت) میں لوگ قریش کے تابع ہیں' ان کے مسلمان مسلمانوں کے اور ان کے کافر کافروں کے تابع ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (...... تبع): لفظ ''تبع'' تاء اور باء دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔ یہ جمع ہے تابع اسم فاعل کا، جیسے لفظ خدمٌ جمع ہے خادمٌ۔ (هٰذا الشأن): لفظ شأن سے دین، اطاعت، اور خلافت تینوں مراد لیا جا سکتا ہے، لیکن دین اور مذہب لینا زیادہ واضح ہے۔ اس کی تائید لفظ ''مسلمهم'' سے بھی ہوتی ہے۔ (و کافرهم...... هم): ایک شارح لکھتا ہے کہ ہمیں تاریخ سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کوئی بھی قریش کا فر نہ رہا تھا۔ تو اس سے خود بخود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیاوی اعتبار سے قریش کو جو سیادت و قیادت کا شرط حاصل تھا، اسلام نے اس کو ختم نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ شرف انہیں نصیب ہوا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: اس ارشاد کا مطلب ہے: اگر لوگ اچھے ہوں تو ان پر اللہ تعالیٰ قریش کے بہترین لوگوں کو بطور حاکم مسلط کریں گے، اور اگر لوگ برے ہوں، تو ان قریش کے برے لوگوں کو مسلط کریں گے (بہر حال اس ارشاد کا مقصد قریش کی قائدانہ حیثیت کو بیان کرنا ہے کہ قیادت و امارت کا جوہر انہی کو نصیب ہے، خواہ وہ اپنے عہد جاہلیت سے وابستہ رہے ہوں یا عہد اسلام سے)۔ جیسے کہا جاتا ہے: **اعمالکم عمالکم**، تمہارے اعمال تمہارے امراء ہیں، یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے امراء بھی آئیں گے، ایک روایت میں ہے: **''کما تکونوا یولی علیکم''**۔ جس طرح تمہارے احوال ہوں گے اس کے مطابق تم پر رہنما مقرر ہوں گے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے: اس ارشاد کا مقصد قریش کی فضیلت کو تمام قبائل پر بیان کرنا ہے، کہ قریش قیادت، امامت میں تمام قبائل پر فوقیت رکھتے ہیں۔

امام مظہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس ارشاد گرامی میں قریش کی مطلق قیادت و امارت کا ذکر ہے، خواہ اس کا تعلق دنیاوی امور

سے ہو، خواہ مذہبی امور سے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ صرف دنیاوی اعتبار سے قریش مکہ تمام قبائل عرب میں سردار قبیلہ کی حیثیت رکھتے تھے، بلکہ اس وقت کے ان کے مذہبی معاملات جیسے اللہ کے گھر کی تولیت وکلید داری اور پانی پلانا وغیرہ کی ذمہ داریوں کا اعزاز بھی انہی کو حاصل تھا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک هذا الشأن سے مراد دین وشریعت ہے، خواہ اس کے وجود کا اعتبار ہو یا عدم کا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے قبول یا عدم قبول کے معاملہ میں تمام لوگ قریش کے پیچھے ہیں، اور قریش پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں، بایں طور کہ ایک تو دین کا ظہور سب سے پہلے قریش میں ہوا، اور سب سے پہلے قریش کے لوگ ایمان لائے اور پھر ان کی اتباع میں دوسرے لوگوں نے بھی ایمان لانا شروع کیا۔

دوسری طرف بھی قریش ہی کے لوگ تھے جنہوں نے دین کی سب سے پہلے مخالفت کی، اور مسلمانوں کی راہ روکنے کے لئے سب سے پہلے آگے آئے، اس طرح قریش کے کافروں کے تابعدار ہوئے۔ چنانچہ انہی لوگوں نے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا، اور اللہ کے احکام سے اعراض کیا۔

امام اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع میں لکھا ہے: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کی روشنی میں حدیث میں مذکور الفاظ کافرهم تبع لکافرهم یہ بھی ان کی مدح ہو جائے گی، حالانکہ کفر تعریف کی چیز نہیں۔

حضرت امام علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں: اگر یہ مطلب لیا جائے، تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ یہاں یہ مدح شرعی نہیں، یہ مدح عرفی کہلائے گی۔

اور مطلب یہ ہے کہ کفر جیسی چیز میں بھی قریش متبوع ہیں، نہ کہ تابع۔ آگے آ بھی رہا ہے (ان الناس تبع القريش في الخير والشر)۔ چنانچہ تاریخ میں ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تمام اہل عرب قریش مکہ کے اسلام لانے کا منتظر تھے، جب اہل اسلام کے ہاتھوں مکہ فتح ہو گیا اور قریش مکہ مسلمان ہو گئے، تو تمام عرب کے لوگ بھی جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلافت قریش ہی میں رہی۔ پھر میں نے امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الطیبی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھا، وہ کہتے ہیں: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید روایت "الناس تبع لقريش في الخير والشر" سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں یہی کچھ کہا گیا ہے، کہ قریش ہر معاملہ میں متبوع ہیں۔ لوگ ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اور ان سے صادر ہونے والے کاموں کو خیر کا کام گردانتے ہیں، جیسے ایک شاعر کہتا ہے:

ونحن التاركون لما سخطنا
ونحن الاخذون لما رضينا

"جو چیز ہمیں ناپسند ہو، ہم اُسے چھوڑ دیتے ہیں، اور جو ہمیں پسند ہو وہ ہم لے لیتے ہیں۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے اس بات کی اشارہ کہ لوگ قریش کی متابعت سے خالی نہ ہوں گے،، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گھٹی اور خمیر میں سیادت وقیادت رکھی ہے، اس لئے خلافت انہی میں رہے گی اور لوگ ان کی خلافت سے انکار نہ کریں گے، وگرنہ اس ارشاد کی مخالفت لازم آئے گی۔ اس طرح تمام ائمہ کے اقوال جمع ہو جاتے ہیں، جو اس حدیث کے

مطالب میں منقول ہیں۔

(متفق علیه): امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب مناقب میں حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے کانوں سے سنا اور میرے دل نے اس کو محفوظ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے "الناس تبع لقریش صالحهم تابع لصالحهم وشرارهم تبع لشرارهم"۔ کہ تمام لوگ قریش کے تابع ہیں، نیک لوگ قریش کے نیک لوگوں کے، اور برے ان کے برے لوگوں کے تابع ہیں۔

خیر وشر دونوں میں قریش ہی سردار ہیں

۵۹۸۰: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔

(رواہ مسلم)

اخرجه امسلم في صحيحه ۱۴۵۱/۳ حديث رقم (۳-۱۸۱۹) و احمد في المسند ۳۷۹/۳

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔

تشریح: (وعن جابر...... لقریش): قریش کی وجہ تسمیہ قاموس میں سبط کے ساتھ لکھا ہے۔

تخریج: جامع صغیر میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے: "قريش صلاح الناس ولا يصلح الناس الا بهم، كما ان الطعام لا يصلح الا بالملح"۔ کہ قریش لوگوں کے مصلح ہیں لوگوں کی اصلاح وقیادت ان کے بغیر ممکن نہیں ان کی مثال نمک کی سی ہے، جس طرح کھانا بغیر نمک کے پھیکا ہوتا ہے اسی طرح قیادت بھی ان کے بغیر تام نہیں۔

ابن عدی نے الکامل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اس کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "قريش خالصه الله تعالٰى فمن نصب بها احرباً سلب ومن اراد خزي في الدنيا والآخرة"۔ "قریش اللہ کے چنے ہوئے لوگ ہیں جو ان سے لڑنے کی کوشش کرے گا، وہ دنیا وآخرت دونوں میں ناکام ہوگا"۔

اسی طرح ابن عدی نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "قريش على مقدمة الناس يوم القيامة ولو لا ان تبطر قريش لا خبرتها بما لمحسنها عند الله من الثواب"۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "قريش ولاة الناس في الخير والشر الى يوم القيامة"۔

مسند احمد کی ایک روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سعدؓ سے مرفوعاً یوں نقل کی گئی ہے: "قريش ولاة هذا لا مر خير الناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم"۔

ابن ابی ذئب سے روایت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شرار قريش خير شرار الناس"۔ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مسند میں ذکر کیا ہے۔

مطلب بن عبداللہ بن حطب اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوة رجل من قريش تعدل قوة رجلين من غيرهم"۔ کہ قریش کے ایک آدمی کی طاقت عام دو آدمیوں کے برابر ہے۔

وامانة رجل من قريش تعدل امانة رجلين من غيرهم"۔ اعتماد کا یہ عالم ہے کہ قریش کے ایک آدمی کے پاس امانت رکھوانا ایسا ہے جیسے عام لوگوں میں دو آدمی کے پاس رکھوانا۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہاشم کو مخاطب کر کے فرمایا: "یا معشر بنی هاشم والذی بعثنی با الحق نبیاً لو اخذت بحلقة الجنة ما بدأت الا بكم"۔

خلافت قریش میں رہنے کی پیشینگوئی

۵۹۸۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ قُرَیْشٍ مَا بَقِیَ مِنْهُمُ اثْنَانِ. (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٥٣٣ حدیث رقم ٣٥٠١ ومسلم فی صحیحه ٣/١٤٥٢ حدیث رقم (٤-١٨٢٠)۔

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جب تک کہ ان میں سے دو آدمی بھی باقی رہیں"۔

تشریح: اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ اور اس جیسی دوسری احادیث کہ جن میں خلافت کا استحقاق قریش کے لئے ذکر کیا گیا ہے اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ خلافت کا منصب قریش ہی کے لئے مخصوص ہے، غیر قریشی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے، چنانچہ اسی بات پر نہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد بھی امت کا اجماع رہا۔ گمراہ لوگوں میں سے جن لوگوں نے اس مسئلہ میں انکار کی راہ اختیار کی، امت کے سواد اعظم نے اسے تسلیم نہیں کیا، اس لئے کہ قریش کے استحقاق خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمایا کہ یہ حکم آخر زمانہ تک برابر جاری و نافذ رہے گا، جب تک اس دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی تھی وہ واقعہ کے اعتبار سے بھی ثابت ہوا، اور اب تک انہی کی خلافت چلی آرہی ہے۔ (امام نووی کا اقتباس ختم ہوا)

امام نووی رحمہ اللہ نے آخری جو نتیجہ ذکر کیا ہے، یہ تاریخی حقیقت کے مطابق نہیں ہے، یہ ان کی زمانے تک کی بات ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کے زمانے تک قریش کی خلافت تھی، لیکن ان کے بعد قریش کی امامت وخلافت تمام عالم اسلام پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، ابتداء میں کچھ اوپر دو سو برس تک کا عرصہ تو ایسا گزرا کہ اس میں اکثر اسلامی علاقوں میں قریش ہی کی بالادستی قائم رہی، پھر خود مختاریوں کا دور شروع ہوا، اور عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کی اپنی اپنی حکومتیں اور بالادستی قائم ہوئی۔

اس سلسلے میں تحقیقی قول یہ ہے کہ یہ خبر دراصل حکم کے معنی میں ہے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر کے اسلوب میں یہ حکم دیا

ہے، کہ جو بھی شخص ایمان واسلام سے بہرہ ور ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ قریش کو اپنا سردار مانے، ان کی اتباع کرے، ان کی قیادت سے انحراف نہ کریں۔

ویسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک اپنے ظاہری مفہوم ہی پر محمول ہے مگر: "ما اقاموا الدین" کے الفاظ کی قید کے ساتھ مقید ہے جو اگلی حدیث میں مذکور ہے، اس صورت میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا: منصب خلافت وامارت اس وقت تک برابر قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے اور جوں ہی دین کو چھوڑ دیں گے، ان کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ اور یہاں الناس سے بعض لوگ مراد ہیں یعنی صرف عرب۔ اس قول کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

تخریج: امام عقبی کی کتاب ذخائر میں لکھا ہے: اس حدیث کی نسبت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے، البتہ اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

قریش کا استحقاق خلافت دین کے ساتھ مشروط تھا

۵۹۸۲: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّيْنَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٥٣٢/٦ حديث رقم ٣٥٠٠ والدارمی فی السنن ٣١٥/٢ حديث رقم ٢٥٢١

ترجمہ: "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "بلاشبہ یہ (امر یعنی منصب خلافت) قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے، جو بھی شخص ان (قریش) کی مخالفت کرے گا اللہ اسے منہ کے بل اوندھا کرے ذلیل کر دے گا"۔ (بخاری)

تشریح: (الا کبه الله): ایک اور روایت میں الا اکبهٔ الله کے الفاظ منقول ہیں۔ (الدین): یہاں "ما" مصدریہ ہے۔ اور وقت کا لفظ مقدر ہے، جو کہ فعل کبه الله کے ساتھ متعلق ہے اور دین سے مراد احکام دین واسلام ہیں۔ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے دین اور اہل دین کی حفاظت کی مدت مراد ہے، یعنی جب تک یہ لوگ دین اور اہل دین کی حفاظت کرتے رہیں گے، امارت ان میں رہے گی۔

بعض شارحین نے لکھا ہے: دین قائم کرنے سے مراد، نماز قائم کرنا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں "ما اقاموا الصلوٰۃ" ہی کے الفاظ منقول ہیں۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ معنی اس وقت صحیح ہوگا جب ما اقاموا کو فعل "کبه" "الله" کے ساتھ متعلق کریں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد قریش کو نماز قائم رکھنے کی تلقین ہے، اور اس بات سے ڈرانا ہے، کہ اگر نماز قائم نہ رکھیں گے، تو ہو سکتا ہے منصب خلافت ہاتھ سے نکل جائے گی۔ دوسرے لوگ ان پر تسلط قائم کر لیں۔ یہ

حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خلافت و امارت قریش کے ساتھ خاص ہے، اور قریش میں بنونضر بن کنانہ جملہ اپنے شاخوں کے ساتھ داخل ہیں، اور سب کا ایک ہی مرتبہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ دینی و دنیوی تمام امور میں سیادت و قیادت کا جوہر اللہ تعالیٰ انہیں میں رکھا ہے۔

شرح طیبی میں امام مظہر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یوں نقل کیا ہے: فرماتے ہیں: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خلافت قریش ہی میں رہے گی، جب تک وہ دین کے محافظ رہیں گے، کسی کی مخالفت انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، بلکہ نقصان پہنچانے والے ہی ذلیل و رسوا ہوں گے۔

باقی امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا جو مفہوم تھا کہ دین سے نماز مراد لینا تب صحیح ہوگا، جب **ما اقاموا الدین** کو فعل "کبہ اللہ" کے متعلق کریں۔ یہ اس صورت میں ہے جب دین کو نماز پر محمول کریں کہ دین کا دارومدار نماز پر ہے اور نماز دین کا ستون ہے، اور اگر لفظ دین کو اس کے اصول فروعی پر محمول کریں، تو پھر اقاموا کو فعل کبہ کے ساتھ متعلق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ جب قریش میں سے کوئی دین کو تبدیل کریں، تو پھر یہ سیادت ان میں کبھی نہیں رہے گی۔

کچھ حضرات نے لکھا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر قریش دین کو قائم کرنا چاہیں گے، دین کو نافذ کرنا چاہیں گے اس پر کوئی ان کی مخالفت کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کریں گے۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں لکھتے ہیں: **وللفظ لا یساعد الا ما علیہ مظہر**۔ کہ الفاظ حدیث سے مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ہی کی تائید ہوتی ہے یہاں الدین سے مطلق دین ہی مراد ہے۔

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظاہر تو یہ ہے کہ دین سے دین ہی مراد ہو، لیکن جن لوگوں نے دین سے نماز مراد لی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، اور ام العبادات ہے، یہ تمام برائیوں کو مٹاتی ہے، دین کی مثال کو نماز سے پیش کیا گیا ہے۔ کہ دین سے مراد نماز وغیرہ اور دیگر احکام ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت مطلب ابن عبداللہ بن حنطب اپنے ابا جان سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ایک روز آنحضرت ﷺ ہمیں جمعہ کے دن وعظ فرما رہے تھے وعظ کے دوران آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**یا ایھا الناس قدموا قریشًا و لا تقدموھا**" کہ اے لوگو! قریش کو آگے بڑھاؤ، ان سے آگے نہ بڑھو، ان سے سیکھو، انہیں نہ سکھاؤ، اس روایت کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب میں نقل کیا ہے۔

قریش میں بارہ خلفاء

۵۹۸۳: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيْزًا اِلٰى اِثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ اَوْ

يَكُوْنَ عَلَيْهِمُ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ ۔(متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲۱۱/۱۳حديث رقم ۷۲۲۲ومسلم فی صحيحه ۱۴۵۳/۳حديث رقم (۷-۱۸۲۱) و احمد فی المسند ۱۰۱/۵۔

ترجمہ: ''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''اسلام کو بارہ خلفاء تک قوت وغلبہ حاصل رہے گا اور وہ بارہ کے بارہ قریش میں سے ہوں گے'' ایک روایت میں یوں ہے کہ'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) لوگوں کے (دینی و مذہبی امور میں استقامت' ملی و ملکی معاملات میں استحکام اور عام نظم ونسق میں عدل وانصاف اور حق وراستی پر مبنی) نظامِ کار کا سلسلہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک کہ ان کے حاکم وہ بارہ شخص ہوں گے جن کا تعلق قریش سے ہوگا'' اور ایک روایت میں یوں ہے کہ'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) دین قیامت تک قائم رہے گا اور ان لوگوں پر ان بارہ خلفاء کی حکومت قائم ہوگی جو قریش میں سے ہوں گے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (الی اثنی عشر خليفةً): امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہاں الی، حتی کی طرح ہے۔ اس کا مابعد ماقبل میں داخل ہے، کیونکہ ایک دوسری روایت میں ہے: **لا يزال الدين قائمًا حتى يكون عليهم اثنا عشر خليفةً**۔ کہ دین قائم رہے گا، تا آنکہ ان میں بارہ خلیفہ آئیں گے۔

صاحب کشاف کہتے ہیں: قرآن کریم کی آیت: ﴿**فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق**﴾ [المائدہ] میں الی مطلق ابتداء غایہ کے لئے ہے، باقی اس کا حکم میں داخل ہونا نہ ہونا ایک ایسا امر ہے جس کا دارومدار دلیل پر ہے، یعنی اگر دلیل یہ بتائے کہ اس کا مابعد ماقبل میں داخل ہے، تو داخل ہوتا ہے جیسے آپ کا قول ''**حفظت القرآن من آوله و آخره**''۔ کیونکہ یہ کلام لایا ہی اسی لئے گیا کہ بتایا جائے میں نے پورا قرآن حفظ کیا ہے۔

اگر دلیل یہ بتائے کہ مابعد ماقبل میں داخل نہیں، تو وہ خارج ہوتا ہے جیسے آیت: ﴿**ثم اتموا الصيام الى الليل**﴾ میں ہے، کیونکہ اگر رات روزے میں داخل ہوتی تو وصال لازم آتا۔

(**كلهم من قريش**): بعض محققین کہتے ہیں: ان خلفاء میں سے چار تو گزر گئے ہیں، اور بقیہ قیامت تک مختلف ادوار میں آتے رہیں گے، ایک قول یہ ہے کہ اصل اس سے مراد ایک زمانہ میں بارہ خلفاء کا پایا جانا ہے، جو اپنی اپنی جگہ خود مختار حیثیت کا دعویٰ کریں گے، اور ان میں سے ہر ایک کی اطاعت کرنے والا الگ الگ گروہ ہوگا۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس حدیث اور اس بارے میں منقول دوسری احادیث کے مفہوم ومعنی کی تعین کے لئے خلفاء سے عادل وانصاف پرور خلفاء اور نیک طینت وپاکباز امراء مراد لیا گیا ہے۔ جو اپنے اوصاف حمیدہ کی بناء پر خلافت کا صحیح مصداق اور منصب امارت کا اہل ہوں۔

اس حدیث میں خلفاء سے خلافت حقیقی مراد ہے، باقی خلفاء راشدین کے بعد جو امراء گزرے ان کو بھی خلیفہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن ان کو خلیفہ کہنا مجازاً ہے۔

شرح السنہ میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے،

کہ صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ میرے بعد تیس سال تک تو خلافت کا نظام قائم رہے گا، اس کے بعد ظلم وجور پر مبنی بادشاہت آجائے گی، اور تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تیس برس کے عرصہ یعنی خلافت راشدہ کے بعد جو نظام حکومت ظاہر ہوا اس کو خلافت نہیں، بلکہ امارت کہنا چاہئے۔ اب یہ حدیث اس مذکورہ حدیث کے مخالف ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: حدیث صحیحہ میں جو خلافت کا لفظ آیا ہے، وہاں خلافت سے مراد خلافت کبریٰ ہے، جو اصل میں خلافت نبوت ہے، جب کہ اس حدیث میں خلافت امارت مراد ہے، چنانچہ چند اور روایات بھی آئی ہیں جن سے میرے بعد تیس سال تک خلافت نبوت رہے گی، پھر بادشاہت آئے گی۔ لیکن اس کو اس کے عدد کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا ہے۔

اس لئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہاں بارہ خلفاء سے مراد وہ عادل خلفاء وامراء مراد ہیں، جو اپنے عدل وانصاف کی بناء پر خلافت کے اہل ہوں گے، جن میں سے کچھ تو آ گئے ہیں، بقیہ عدد قیامت تک پورا ہو کے رہے گا۔

شیعہ لوگوں نے اس حدیث میں بارہ خلفاء کے ذکر کو اس پر محمول کیا ہے کہ وہ اہل بیت میں سے ہوں گے، خواہ وہ منصب خلافت پر حقیقۃً فائز ہوں، یا خلافت کا استحقاق رکھنے کے باوجود منصب خلافت پر فائز نہ ہو سکے۔

ان شیعوں کے مطابق سب سے پہلے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں، پھر حسن، پھر حسین، پھر زین العابدین، پھر محمد باقر، پھر جعفر صادق، پھر موسیٰ کاظم، پھر علی رضا، پھر محمد تقی، پھر علی نقی، پھر حسن عسکری، پھر محمد مہدی۔

یہ تفصیل زبدۃ الاولیاء خواجہ محمد پارس نے کتاب فصل الخطاب میں ذکر کی ہے۔ پھر مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی نے کتاب شواہد النبوۃ کے آخر میں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان تمام اکابرین کے مناقب، کرامات اور ان کے احوال نقل کئے ہیں۔ جو کہ روافض پر ایک طرح کا رد ہے، کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ اہل سنت اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں، حالانکہ یہ روافض خود ہی کھوٹے سکے ہیں، اور فاسد عقیدہ وخیال کے مالک ہیں، اہل حق صحابہ اور اہل بیت سب حضرات سے قلبی محبت رکھتے ہیں۔ نہ خوارج کی طرح اہل بیت کے دشمن ہیں، نہ روافض کی طرح جمہور صحابہ اور اکابرین امت کے دشمن۔

اور ایک روایت میں ہے: (لا یزال ...... او): یہاں لفظ "او" واؤ کی طرح مطلق جمع کے لئے ہے۔ (حتی ...... **علیهم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش**): کہ پے در پے بارہ امام ہوں گے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے، گویا کہ یہ پیشینگوئی ہے۔

قبیلہ اسلم، غفار، اور عصیہ کا ذکر

۵۹۸۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ عُصَيَّةٌ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۴۲/۶ حدیث رقم ۳۵۱۳ والترمذی فی السنن ۶۸۸/۵ حدیث رقم ۳۹۴۸ والدارمی ۳۱۶/۲ حدیث رقم ۲۵۲۵ و احمد فی المسند ۱۵۳/۲

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(قبیلہ) غفار کی اللہ تعالیٰ

مغفرت فرمائے (قبیلہ) اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور (قبیلہ) عصیہ (تو وہ قبیلہ ہے جس) نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: (وعن ابن عمرؓ...... ''غفار''): (لفظ ''غفار'' غین معجمہ کی کسرہ اور فاء وراء کی تخفیف کے ساتھ) مشہور قبیلہ کا نام ہے۔قاموس میں ہے: بنو غفار، کتاب، کے وزن پر ممتاز صحابی ابوذر غفاری کے قبیلہ کا نام ہے۔لفظ غفار مبتداء ہے۔اس کی خبر ''غفر الله لها'' ہے۔

امام ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ اصل میں یوں ہے: اقول فی حقهم غفر الله لها۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہہ یہ بیان فرماتے ہیں، تقدیر عبارت کی ضرورت اس لئے پڑی کہ جملہ انشائیہ کو ایسے جملہ اسمیہ پر محمول کرنا درست نہیں جو ابتدائیہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔

(واسلم): یہ ایک اور قبیلہ ہے۔ (سالمها الله): اس قبیلہ کے لوگوں نے چونکہ لڑائی کے بغیر اسلام قبول کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کے ذریعہ یہ خبر دی کہ یہ وہ قبیلہ ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو پسند نہیں کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس قبیلہ کے لوگوں کو قتل وتباہی سے محفوظ رکھا۔

(وعصية): تصغیر کے وزن پر۔قاموس والے کے مطابق یہی لفظ ہے یہاں عصية سے قبیلہ یا ایک جماعت مراد ہے۔

(عصت الله رسوله): اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ نام بھی آسمان ہی سے اترتے ہیں۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: پہلے والے دونوں جملوں میں خبریہ اور انشایہ ہر دونوں ہونے کا احتمال ہے، البتہ جملہ عصية عصت الله یہ خبریہ ہی ہے۔اس کو دعا پر محمول کرنا بالکل جائز نہیں، تاہم اس قبیلہ کا ذکر جس طرح شکوہ کو ظاہر کرتا ہے، وہ خود بدعا کو مستلزم ہے، لیکن اس مفہوم میں نہیں کہ یہ قبیلہ گناہ ومعصیت میں زیادہ سے زیادہ مبتلا ہو، بلکہ اس مفہوم میں ہے کہ اس قبیلے والوں نے جس عظیم معصیت کا ارتکاب کیا اس پر ان کو دنیا وآخرت میں ذلت وخواری نصیب ہو۔

اور شرح السنہ میں ہے: بعض کہتے ہیں: قبیلہ غفار اور اسلم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے دعا فرمائی کہ یہ دونوں قبیلے بغیر لڑائی کے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

کہا جاتا ہے قبیلہ غفار زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کے مال چرایا کرتا تھا، اور اپنی اس برائی کے سبب عام قبائل میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اس قبیلہ کے دامن پر جو پہلا داغ لگا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مٹائے اور اس قبیلہ والوں کو مغفرت وبخشش سے نوازے۔

اور عصیہ: اس بدنصیب قبیلہ کا نام ہے جس نے مسلمان قاریوں کو بیر معونہ پر مکر وفریب کے ذریعہ بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بڑا رنج تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں اس قبیلہ کے لوگوں پر لعنت اور بدعا فرمایا کرتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح مسلم میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے: وہ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غفار اور اسلم کے حق میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، وہ بہترین کلام ہے، کیونکہ لفظی اعتبار سے بھی بہترین مجانست رکھتا ہے، کہ

انہوں نے سلامتی کی راہ اختیار کی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلامتی ہی کی دعا فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عار کو دھو دے، جوان کے دامن سے وابستہ تھا۔ (متفق علیه): اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حاکم، احمد، اور طبرانی میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: اسلم سالمها الله وغفار غفر الله لها اما والله ما أنا قلته ولكن الله قاله"۔ [قبیلہ اسلم کو اللہ نے سلامت رکھا اور غفار کی اللہ نے مغفرت فرمادی، یہ بات واللہ میں نہیں کہہ رہا، خود اللہ کا فرمان ہے]

طبرانی کی ایک اور روایت حضرت عبدالرحمٰن بن سندر سے ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: "اسلم سالمها الله وغفار غفر الله لها وتجيب اجابو الله" اس حدیث کے آخر میں جو لفظ تجیب آیا ہے، اس کے بارے میں صاحب قاموس کہتا ہے تجیب بھی ایک قبیلہ کا نام ہے، جو کہ تجيب بن کندہ کہلاتا ہے۔

چند دیگر قبائل کا تذکرہ

۵۹۸۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشٌ وَّالْاَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةَ وَاَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَاَشْجَعُ مَوَالِيَّ لَيْسَ لَهُمْ مَوْلٰى دُوْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٤٢/٦ حديث رقم ٣٥١٢ ومسلم في صحيحه ١٩٥٤/٤ حديث رقم (١٨٨-٢٥١٩) والدارمي في السنن ٣١٥/٢ حديث رقم ٣٨٥٣

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" قریش (کے مسلمان یعنی اہل مکہ وغیرہ) انصار یعنی (اہل مدینہ) قبیلہ جہینہ (کے مسلمان) قبیلہ اسلم (کے مسلمان) قبیلہ غفار (کے مسلمان) اور قبیلہ اشجع (کے مسلمان) میرے حمایتی اور مددگار ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہیں ہے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (...... قریش): یہاں قریش سے مراد مسلمانان قریش ہیں چاہے اہل مکہ ہوں یا غیر اہل مکہ۔ (والانصار): یعنی مدینہ والے۔ قاموس میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں عام طور سے اہل صفہ شمار ہوتے ہیں۔ (وجهينه): جهينه تصغیر کے وزن پر ایک قبیلہ کا نام ہے۔ (ومزينة): یہ بھی ایک قبیلہ۔ (واسلم وغفار واشجع): اشجع اس قبیلہ کے جد امجد اعلیٰ کا نام ہے، یہاں اس کی مؤمن اولاد مراد ہے۔ (موالی): میم کے فتحہ، لام کی کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ مولیٰ کی جمع ہے، اور "ی"، متکلم کی طرف مضاف ہے۔ ایک شارح کہتے ہیں: یہ لفظ اضافت اور بغیر اضافت تنوین کے ساتھ دونوں طرح منقول ہے، اگر اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ یہ سارے لوگ میرے دوست اور مددگار ہیں، اور اگر تنوین کے ساتھ پڑھا جائے، تو معنی ہوگا یہ ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں اور خود ان کا مددگار اور دوست اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کوئی نہیں، یا یہ کہ ان کی یہ دوستی اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب لوگ اللہ کے رسول کے مددگار اور اسی کے فرمانبردار ہیں،

اور آنحضرت ﷺ ان کے مددگار و دوست اور کفیل ہیں، اور انہی کے غمخوار ہیں، کیونکہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''لیس لهم مولی دون الله و رسوله''۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں جملہ پہلے والے جملہ کی تاکید ہے، طرداً و عکساً، اللہ کا ذکر یہ تمہید ہے آنحضرت ﷺ کے ذکر کے لئے یعنی اللہ کے نام کے ذکر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر خود موجود ہے، پھر خاص طور سے آنحضرت ﷺ کا ذکر کرنا یہ آنحضرت ﷺ کی عظمت شان کو بتلانے کے لے ہے، کہ اللہ کے ہاں آپ کا کتنا بلند مقام ہے، نیز اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ان حضرات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ اتنا اونچا ہے، کہ اس کی حقیقت اور کنہ تک پہنچنے کی کسی کو بھی قدرت حاصل نہیں۔ (متفق علیہ)

سبقت اسلام کی وجہ سے بعض قبائل کا دوسرے بعض پر فضیلت لے جانا

۵۹۸۶: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْلَمُ وَغِفَّارٌ وَمُزَیْنَۃُ وَجُھَیْنَۃُ خَیْرٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ وَمِنْ بَنِیْ عَامِرٍ وَّالْحَلِیْفَیْنِ مِنْ بَنِیْ اَسَدٍ وَّغَطْفَانَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٤٣/٦ حديث رقم ٣٥٢٣ ومسلم في صحيحه ١٩٥٦/٤ حديث رقم (١٩٤-٢٥٢٢) والترمذي في السنن ٦٨٩/٥ حديث رقم ٣٩٥٢ والدارمي ٣١٦/٢ حديث رقم ٣٨٥٤ و احمد في المسند ٤٢٢/٢۔

ترجمہ: ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم غفار مزینہ اور جهینه: یہ سب قبیلے بنو تمیم اور بنو عامر سے اور دونوں حلیف قبیلوں یعنی بنو اسد اور غطفان سے بہتر ہیں''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (وعن ابی بکرۃ): یہ ثقفی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (قال رسول اللہ...... تمیم): القاموس میں ہے، لفظ تمیم، امیر کے وزن پر ہے، اور یہ اس قبیلہ کے جد امجد کا نام ہے، یہ لفظ منصرف ہے۔ (و من بنی عامر): اس کا عطف بنی تمیم پر ہے۔ اسی لئے حرف جر کو دوبارہ نقل کیا گیا ہے۔ ذو الحلیفین سے مراد آپس میں نصرت و مدد کا عہد کرنے والے دو قبیلے بنی اسد و غطفان مراد ہیں، اسی لئے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بنی اسد و غطفان'' یہ دونوں لفظ حلیفین سے بدل یا عطف بیان ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان قبیلوں کی جو فضیلت ایک دوسرے پر بیان کی گئی ہے یہ اسلام میں مسابقت اور حکم پر عمل کرنے کے اعتبار سے اچھے نقوش چھوڑنے کے لحاظ سے ہے۔

توضیح: یہ حدیث مسلم و بخاری دونوں میں منقول ہے، فرق اتنا ہے کہ بخاری نے حلیفین کا لفظ نقل نہیں کیا ہے۔ یہ بات امام میرک رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

بنوتمیم کی تعریف

۵۹۸۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَازِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْذُ ثَلٰثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْهِمْ سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ هُمْ اَشَدُّ اُمَّتِیْ عَلَى الدَّجَّالِ قَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَكَانَتْ سَبِیَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ اَعْتِقِیْهَا فَاِنَّهَا مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۰/۵حدیث رقم ۲۵۴۳ومسلم فی صحیحه ۱۹۵۷/٤حدیث رقم (۱۹۸-۲۵۲۵)۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں بنوتمیم سے اس وقت سے محبت کرتا ہوں جب سے میں نے ان کی تین خاص خوبیوں کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے (چنانچہ ان کی پہلی خوبی کے بارے میں) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت میں سے بنوتمیم دجال کے مقابلے میں سب سے زیادہ سخت ہوں گے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (ان کی دوسری خوبی کے بارے میں یہ) بیان کیا کہ (ایک مرتبہ بنی تمیم کی طرف سے) صدقات (یعنی زکوٰۃ کے اموال ومویشی وغیرہ) آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ ہماری قوم کے صدقات ہیں'' اور (ان کی تیسری خوبی اس طرح ظاہر ہوئی کہ) بنی تمیم کی ایک لونڈی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کردو کیونکہ یہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (**وعن ابی هریرة قال: ما زلت**): لفظ ''زلت'' زاء کی کسرہ کے ساتھ۔ (**احب بنی تمیم منذ ثلاث**): لفظ ثلاث سے خاص خوبیاں یا کمالات مراد ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ''سمعت'' یہ لفظ ثلاث کی صفت ہے، اور ضمیر عائد اس میں محذوف ہے یہ کلمہ اصل میں سمعتها ہے۔ (**من رسول الله...... فیهم**): فعل یقول فیهم جملہ حالیہ ہے، معنی ومطلب یہ ہے: کہ میں بنوتمیم کو اس وقت سے ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں، جب سے میں نے ان کی تین خاص خوبیوں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں لفظ ثلاث صفت ہے، موصوف محذوف کی، اسی طرح سمعت بھی موصوف محذوف کی صفت ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ''ما'' موصولہ کا صلہ ہے جو کہ محذوف ہے۔ اور قول ''سمعته یقول'' یہ جملہ سمعت من رسول اللہ سے بدل یا بیان ہے، آگے ان تین خوبیوں کی تفصیل ہے:

پہلی خوبی یہ ہے کہ ''وهم اشد امتی علی الدّجال'' یعنی جب دجال لعین کا ظہور ہوگا تو بنی تمیم ہی کے لوگ سب سے زیادہ اس کا مقابلہ کریں گے، اس کے توڑ میں سب سے زیادہ سعی کریں گے اور اس کی تردید میں سب سے آگے رہیں گے، ساتھ ساتھ یہ پیشینگوئی بھی ہے کہ بنوتمیم کی نسل کے لوگ اس کثرت کے ساتھ ظہور دجال کے زمانہ میں بھی ہوں گے۔

(**فجاءت صدقات قومنا**): ان الفاظ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوتمیم کو اس طرح شرف وفضیلت سے نوازا کہ ان کو اپنی

طرف منسوب کر کے ان کی قوم اپنی قوم فرمایا۔ یہ دوسری صفت ہے۔ آگے پھر حضرت ابو ہریرہؓ ان حضرات کی قوم کی ایک لونڈی کے بابت بات کر کے اس سے ان کی ایک اور شرف والی صفت ذکر کرنے لگے ہیں کہ (وکانت سبیة) لفظ سبیه، سین کے فتحہ، باء کے کسرہ کے ساتھ یا باء کے فتحہ اور یاء مشددہ کے ساتھ۔ (منهم عند عائشه):

ابن ملک رحمۃ اللہ نے اس موقع پر لکھا کہ یہ اس حدیث میں یہ دلیل پائی جاتی ہے، کہ عربوں کو غلام بنانا جائز ہے۔ امام علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ابن ملک رحمۃ اللہ کے اس قول پر اعتراض وارد ہوتا، لیکن یہ مقام اس کا متحمل نہیں۔

(فقال): اس قال کی ضمیر فاعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ (اعتقها...... اسماعیل): لفظ "ولد" واؤ کے ضمہ اور لام کی سکون کے ساتھ وُلْد، اولاد کی جمع ہے۔ ایک نسخہ میں 'ولد' واؤ اور لام دونوں کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔

کتاب الصحاح میں ہے: لفظ ولد، واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ لفظ وُلد کی بھی جمع کے طور بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے اسد سے أسد، یہ تیسری صفت ہے، ان لوگوں میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ یہ لونڈی بنو تمیم میں سے ہونے کی بناء پر عربی النسل ہے، اور عرب چونکہ حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں، اس لئے یہ لونڈی حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہوئی، اگرچہ یہ نسلی وصف تمام عرب کا مشترکہ وصف ہے، صرف بنو تمیم کو ایک طرح سے فضل و شرف عطا فرمانا تھا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ (متفق علیہ)

الفصل الثانی:

قریش کی فضیلت

۵۹۸۸: وَعَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُّرِدْ هَوَانَ قُرَيْشٍ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٧١/٥ حديث رقم ٣٩٠٥ و احمد فی المسند ١٧١/١۔

ترجمہ: "حضرت سعد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قریش کو ذلیل کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دے گا"۔

تشریح: (عن سعد...... من یرد): یہ فعل الاردہ سے چاہنے ارادہ کرنے کے معنی میں ہے۔

تخریج: ترمذی رحمۃ اللہ کے علاوہ امام احمد اور حکم رحمۃ اللہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

قریش کی تذلیل کرنے والے کی سزاء

۵۹۸۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَذَقْتَ اَوَّلَ قُرَيْشٍ نَكَالاً فَاَذِقْ اٰخِرَهُمْ نَوَالاً۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٧٢/٥ حديث رقم ٣٩٠٨ و احمد فی المسند ٢٤٢/١۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے میرے رب تو نے قریش کے پہلے لوگوں کو (غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب کے موقع پر ہار کی) تباہی کا مزا چکھایا (اس لئے کہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے مخالف تھے) لیکن (اب وہ اسلام کی نعمت سے دوچار ہو گئے ہیں) تو تو ان کے بعد والوں کو اپنے کرم ونوازش سے نواز دے۔

تشریح: (نکالاً): لفظ نکال، نون کے فتحہ کے ساتھ، بلاء ومصیبت کو کہتے ہیں۔ ایک شارح نے نکالاً کو قحط وغیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عبرت سے تعبیر کیا ہے، کچھ نے سزاء سے۔ (فادق...... نوالاً): نوال، انعام، عطاء، بخشش کو کہتے ہیں۔

قریش کے حق میں کامیابی کی دعا

۵۹۹۰: وَعَنْ اَبِیْ عَامِرِ الْاَ شْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْحَیُّ الْاَ سَدُ وَالْاَ شْعَرُوْنَ لَا يَفِرُّوْنَ فِی الْقِتَالِ وَلَا يَغُلُّوْنَ وَهُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذاحدیث غریب)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٨٧/٥ حديث رقم ٣٩٤٧ و احمد في المسند ١٢٩/٤۔

ترجمہ: ''حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ (جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسد اور اشعری ہیں' یہ نہ کفار کے مقابلہ میں جنگ سے بھاگتے ہیں اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرتے ہیں وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں' اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

دو یمنی قبیلوں کا ذکر

(وعن ابی عامر الاشعری): مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسماء الرجال میں ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

یہ ابو عامر، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چچا ہیں۔ (الاسد): لفظ اَسَد، ہمزہ کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ لفظ سین کے سکون کے ساتھ یمن کے ایک قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے، اور یہ قبیلہ اسی کے نام سے مشہور ومتعارف ہوا، اس قبیلہ کو از دشنوءہ اور از دعمان بھی کہا جاتا ہے، لیکن سین کے ساتھ زیادہ فصیح ہے، آگے آرہا ہے: کہ یہاں اسد سے مراد ازد شنوءہ ہے۔ (والا شعرون): ایک نسخہ میں لاشعریون، یعنی واؤ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے کہ عرب ''ی'''' کے بغیر کہتے ہیں جاتك الا شعرون۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جامع ترمذی اور جامع الاصول کی روایت میں یہ لفظ بغیر یاء کے منقول ہے۔ اور مصابیح میں ''ی'' کے ساتھ یعنی الاشعریون منقول ہے۔ (لا یفرون فی القتال): یہ جملہ الحی اور اسد سے حال ہے، الگ الگ (یعنی حالت جنگ میں لڑتے ہوئے کفار کی صفوں میں گھس جاتے ہیں، بھاگتے نہیں، اس کی مثال قرآن میں ھذان خصمان اختصموا ہے۔ (ولا یغلون): کے فتحہ غین کے ضمہ اور لام کی

تشدید کے ساتھ "باب تفعیل" سے ہے۔(فی المغنم) ۔ (ھم منی): 'منی' سے اتباع کرنے والے یا دوست ہونا مراد ہے۔یعنی میں بھی ان کا دوست اور مددگار ہوں، گویا ان الفاظ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا، کہ ان قبیلوں کے مؤمن ومسلمان تقویٰ کے مقام پر ہیں، اور یہ بات قرآن کریم کے ان الفاظ سے ثابت ہوتی ہے:﴿ان اولیاء ہ الا المتقون﴾ [انفال]:"ان کے (یعنی محمد ﷺ کے) جو بھی دوست ورفیق ہیں، سب متقی وپرہیزگار ہیں"۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے:"الا شعرون فی الناس کصرۃ فیھا مسك" "اشعری لوگوں کی مثال عام لوگوں میں اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو"۔

قبیلہ ازد کی منقبت

۵۹۹۱:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَ لْاَزْدُ اَزْدُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ وَيُرِيْدُ النَّاسُ اَنْ يَّضَعُوْهُمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يَّرْفَعَهُمْ وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّقُوْلُ الرَّجُلُ يَا لَيْتَ اَبِيْ كَانَ اَزْدِيًّا وَيَالَيْتَ اُمِّيْ كَانَتْ اَزْدِيَّةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٨٣ حدیث رقم ٣٩٣٧۔

ترجمہ:"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:"قبیلہ ازد کے لوگ' روئے زمین پر اللہ کے ازد (یعنی اللہ کا لشکر اور اس کے دین کے معاون ومددگار ہیں) لوگ چاہتے ہیں کہ اس قبیلہ کو ذلیل کردیں جب کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو عزت وبلندی عطا کرنا چاہتے ہیں' یقیناً لوگوں پر وہ زمانہ آنے والا ہے جب آدمی یہ کہتا نظر آئے گا کہ کاش میرا باپ قبیلہ ازد سے ہوتا اور کاش میری ماں قبیلہ ازد سے ہوتی"۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے"۔

تشریح:(الازد): یہاں ازد سے ازد شنوءۃ مراد ہیں۔قاموس میں ازد بن الغوث لکھنے کے بعد صاحب قاموس کہتے ہیں: یہ لفظ سین کے ساتھ یعنی اسد، زیادہ مشہور ہے، اسد یا ازد اس قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔انصار مدینہ کا تعلق اسی قبیلہ سے ہے۔اس قبیلہ کا تعلق یمن سے تھا۔

(فی الارض): اللہ تعالیٰ نے اس خوبی کی وجہ سے انہیں رفعت نصیب فرما کر انکی نسبت اپنی طرف کروادی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے فضل وشرف کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے قبیلہ کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ (یرید الناس ان یضعوھم): لوگ ان کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے۔(ویابی...... ان یرفعھم): قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: ازد سے مراد ازد شنوءۃ ہے جو یمن سے تعلق رکھتا تھا، ان کا نسب کچھ یوں ہے:ازد بن غوث بن لیث بن مالك بن کھلان بن سبأ، ان کی نسبت اللہ کی طرف اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ اللہ کا لشکر ہے، کیونکہ یہ اللہ کے رسول کے ناصرین ہیں۔

امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:لفظ ازد اللہ، اپنے میں کئی احتمال رکھتا ہے:

① ان کو اس لقب کے ساتھ متعارف کرانا اس لئے تھا کہ یہ لوگ جنگ میں ثابت قدم رہتے تھے، بھاگتے نہیں تھے، گذشتہ

حدیث میں بھی اس کا ذکر تھا۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی بنیاد اسی پر ہے۔

۲۔ یا اضافت تشریفی اور اختصاصی ہے، جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے، اسی کی طرف اشارہ ہے قول "یرید الناس ان یضعوھم" سے۔

۳۔ اس سے ان کی شجاعت و دلاوری کی طرف اشارہ ہے، گویا یوں ہے: الاسد، اسد اللہ لیکن لفظ ازد مشاکلة ہے، لفظ "س" کو زاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔

مصابیح کے شراح میں سے صاحب الازہار نے اسی کو لیا ہے، لیکن یہ توجیہ اس وقت صحیح ہوگی جب لفظ أسد، ہمزہ کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہو، حالانکہ لفظ أسد لغت میں ہمزہ اور سین دونوں کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے اور قاموس میں اس لفظ کے متعلق صاحب ازھار نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں اس طرح کا کوئی مفہوم موجود نہیں۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ روایت موقوفاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

ہمارے نزدیک حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت بالکل صحیح ہے، یعنی میرک کا کہنا یہ ہے اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت سنداً موقوف ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے، کیونکہ اس طرح کی بات کوئی بھی صحابی راوی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا۔ واللہ اعلم

ناپسندیدہ قبائل

۵۹۹۲: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَكْرَهُ ثَلٰثَةَ اَحْيَاءٍ ثَقِيْفٍ وَبَنِيْ حَنِيْفَةَ وَبَنِيْ اُمَيَّةَ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٨٥/٥ حديث رقم ٣٩٤٣۔

ترجمہ: "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین قبائل یعنی ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ کو ناپسند کرتے تھے۔ یہ روایت ترمذی نے نقل کی اور کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: (وعن عمران بن حصین): حضرت عمران بن حصین اسلمی خزاعی ہیں۔ باپ بیٹے دونوں نے اسلام قبول کیا تھا، دونوں کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ بصرہ میں مقیم تھے۔ اور وہیں ۵۲ھ کو وفات پائی۔

(قال...... احیاء): لفظ احیاء، حی کی جمع ہے، بمعنی قبیلہ۔ (ثقیف): لفظ ثقیف، لفظ امیر فعیل کے وزن پر قبیلہ ہوازن کے جد اعلیٰ کا نام ہے، اس کا اصل نام قسی ابن منبہ ابن بکر ابن ہوازن ہے۔

(وبنی حنیفة): لفظ حنیفہ، لفظ سفینہ کے وزن پر اثال بن لجیم کا لقب ہے، جو اس قبیلہ کے جد اعلیٰ ہے۔ حضرت امام محمد ابن علی ابن ابوطالب کی والدہ محترمہ حفلہ بنت جعفر کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ (وبنی امیة): لفظ امیہ ہمزہ کے ضمہ میم کے فتحہ اور "میم" کی تشدید کے ساتھ، قریش کے مشہور قبائل میں سے ایک ہے۔

علماء فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کر دیا تھا کہ آگے چل کر ان قبائل سے کیسے کیسے فتنے اور کیسے کیسے ظالم لوگ پیدا ہوں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ ثقیف تو وہ قبیلہ ہے

جس میں حجاج بن یوسف جیسا مشہور ظالم پیدا ہوا۔

بنوحنیفہ وہ قبیلہ ہے جس نے مسیلمہ کذاب جیسے فتنہ پرور کو جنم دیا، اور بنوامیہ وہ قبیلہ ہے جس میں عبیداللہ بن زیاد پیدا ہوا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: عبیداللہ بن زیاد بہت کمینہ شخص تھا، منقول ہے! جب اس کی فوج کے لوگ میدان کربلا سے حضرت سید الشہداء حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس کے پاس لائے، تو اس نے اس سر مبارک کو ایک طشت میں رکھوایا، اور چھڑی کے ذریعہ اس پر ضربیں اور کچوکے لگاتا جاتا، اور جگر گوشۂ رسول کی شان میں گستاخانہ بول بکتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں عمارہ ابن عمیر سے نقل کیا ہے، انہوں نے بیان کیا، کہ جب عبیداللہ ابن زیاد میدانِ جنگ میں مارا گیا، تو اس کی دشمن فوج نے اس کی بے سر لاش کو نذر آتش کر دیا پھر اس کی فوج کے لوگوں نے اس کا سر لا کر مسجد کے چبوترے پر رکھ دیا، جہاں اس کے دوسرے ساتھی حوالی موالی بیٹھے ہوئے تھے۔ عمارہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس موقع پر میں بھی وہاں پہنچ گیا، پھر میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں نے چلانا شروع کیا' وہ آیا۔ کہتے ہیں میں نے حضرت کے ساتھ دیکھا تو (کیا دیکھتا ہوں) ایک سانپ آتا ہوا دکھائی دیا، وہ سانپ بڑی تیزی کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد کے سر کی طرف بڑھا اور اس کی ناک میں گھس گیا، تھوڑی دیر اندر رہا اور پھر باہر نکل کر چلتا بنا، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ابھی لوگ سراسیمگی ہی میں تھے کہ اچانک پھر شور ہوا، ''وہ آیا، وہ آیا'' دیکھو وہ سانپ پھر آ رہا ہے، اتنے میں وہ سانپ سر کے پاس پہنچ کر پھر نتھنوں میں گھس گیا، کچھ دیر بعد نکل کر چلتا بنا، اسی طرح دو یا تین بار ہوا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، کتاب الازھار میں بھی یہ روایت اسی طرح ہی منقول ہے۔

(رواہ الترمذی.....غریب)

بنوثقیف کے دو افراد کے بارے میں ایک پیشینگوئی

۵۹۹۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَصْمَةَ يُقَالُ الْكَذَّابُ هُوَ الْمُخْتَارُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ وَالْمُبِيْرُ هُوَ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ اَحْصُوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ اَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ اَلْفًا. (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٨٦/٥ حديث رقم ٣٩٤٤ و احمد في المسند ٢٦/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قبیلہ ثقیف میں ایک انتہا درجہ کا جھوٹا شخص ہوگا اور ایک انتہا درجہ کا مفسد و ہلاکو' حضرت عبداللہ بن عصمہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ (اس جھوٹے شخص کے تعین کے بارے میں) کہتے ہیں کہ علماء کا کہنا ہے ''جھوٹے شخص'' سے مراد مختار بن عبید اور ''مفسد و ہلاکو'' سے مراد حجاج بن یوسف (مشہور ظالم) ہے اور ہشام بن حسان (جو اونچے درجہ کے فقیہ اور علم حدیث میں زبردست درک و مہارت رکھنے والے ایک مشہور متقی و بزرگ ہیں اور جن کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے) کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے جس قدر لوگوں کو (جنگ و معرکہ میں نہیں' بلکہ) یوں ہی پکڑ پکڑ کر اور قید خانہ میں ڈال کر قتل کیا ہے ان کا لوگوں نے شمار کیا تو ان کی

تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہونچی"۔ اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

عبداللہ بن عصمہ۔ "عبداللہ بن عصمہ" بھی کہا جاتا ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ حنفی و یمامی ہیں یہ ابوسعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے اسرائیل اور شریک روایت کرتے ہیں۔ حدیث: ((في ثقيف كذاب ومبير)) (ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ہلاکت میں ڈال دینے والا پیدا ہوگا) یہی روایت کرتے ہیں۔

تشریح: (وعن ابن عمر...... كذاب): كذاب، یہ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ (ومبير): یہ لفظ میم کے ضمہ اور "ب" کی کسرہ کے ساتھ ہے، لفظ "بوار" سے مفسد اور ہلاکو کو پیدا ہونے کے معنی میں ہے۔ لفظ مفسد اور مہلک پر تنوین عوضی ہے۔ صفت "عظیم" محذوف ہے۔ (قال...... عصمة): لفظ عصمة عین کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے، یہ کوفی حنفی ہیں، یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، ان سے روایات نقل کرتے ہیں، پھر ان سے اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شریک رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں۔

(يقال...... عبيد): لفظ عبید تصغیر کے وزن فعیل پر ہے، یہ اس ابن مسعود ثقفی ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اس نے خروج کیا تھا، اور لوگوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مشن پر چلنے کی دعوت دے رہا تھا، لیکن اس کا مقصد لوگوں میں اپنے آپ کو مشہور کر کے قائد بننے کا چکر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کو صرف اس مقصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ شخص نہایت دنیا دار قسم کا تھا، اور دنیا کے حصول کے لئے بڑی تدلیس کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں: یہ مردود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی بغض رکھتا تھا۔

ابن ملک وغیرہ حضرات کا کہنا ہے: اس شخص نے کوفہ میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا، اسی وجہ سے کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے من جملہ جھوٹے دعووں میں ایک یہ بھی تھا، کہ حضرت جبرائیل ان کے پاس وحی لے کے آتے ہیں۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، اس کی اپنی پیدائش ہجرت کے سال ہوئی، لیکن اس کو نہ صحبت کا شرف حاصل ہوا، نہ روایت کا نہ رؤیت کا، اور جتنی بھی چیزیں اس سے منقول ہیں، سب بکواس ہیں۔ ابتداء میں یہ شخص علم و فضل اور تقویٰ کے ساتھ مشہور ہوا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبث باطن کا شکار ہے، اور محض دنیا سازی کے لئے علم و تقویٰ کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، پہلے یہ شخص اہل بیت نبوت سے سخت بغض رکھتا تھا، پھر اچانک اس میں ایسا انقلاب آیا کہ اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے لگا، اہل بیت کے بارے میں اس کی یہ ظاہری محبت اتنی بڑھی کہ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد کھلم کھلا یزید کے لوگوں کا دشمن ہوگیا، اور ان کے بہت سے لوگوں کو حضرت حسین کے قصاص میں موت کی گھاٹ بھی اتارا۔ غرض یہ کہ اس نے حب جاہ و مال میں بہت چولے بدلے، اپنی نت نئی حرکتوں سے طرح طرح کے فتنے جگائے، حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا۔ مکر و فریب اور عیاریوں کے ذریعہ جاہل لوگوں پر نام نہاد روحانی بزرگی و کرامت کا ایسا سکہ جمایا کہ اس کے حامیوں اور معتقدوں کی ایک بڑی جماعت اس کے گرد جمع ہوگئی۔ اس کا حلقہ اثر جوں جوں بڑھتا گیا اتنا

ہی وہ عقیدہ کی خرابی اور خیال کی گمراہی نفس کی خواہشات کا شکار ہوتا گیا، اور ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ اس نے جھوٹ وفریب کاری کے سہارے اس نے پوری خلافت اسلامیہ پر قبضہ کر لینے کا منصوبہ بنایا، اور اپنی فتنہ انگیزیوں کے ذریعہ کوفہ پر قابض بھی ہو گیا تھا۔ آخر کار حضرت مصعب بن زبیرؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا گیا، اور پھر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو مارا گیا۔ یہ شروع میں خارجی پھر زبیری، اور آخر میں رافضی بنا۔ اس کی چوری اس طرح پکڑی جاتی تھی کہ یہ حضرت علیؓ کے متعلق جو بغض رکھتا تھا، بے وقوفی سے کبھی ظاہر ہو جاتا تھا۔

امام میرک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التصحیح سے یہی کچھ نقل کیا ہے، خود مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء الرجال میں اس کے متعلق یہی کچھ لکھا ہے۔

(والمبیر ...... یوسف): لفظ حجاج، حاء، کے فتحہ کے ساتھ لفظ حاج سے مبالغہ کا صیغہ ہے، حج کے لئے آنے والا۔ یہ عبدالملک بن مروان کا زبردست معتمد تھا اور امارت وسلطنت کے معاملہ میں بڑا اثر ورسوخ رکھتا تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو عراق وخراسان کا گورنر بنا رکھا تھا، عبدالملک کے بعد ان کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے زمانہ امات میں وسط شوال ۹۰ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔

(وقال...... حسان): لفظ حسان، حاء کے فتحہ اور سین کی تشدید کے ساتھ، غیر منصرف ہے کبھی منصرف بھی آتا ہے۔

(احصوا): یہ لفظ ہمزہ اور صاد دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔ ضبط اور شمار کرنے کے معنی میں ہے۔ (ما قتل...... صبرًا): لفظ صبر، صاد کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ محبوس، قید وبند میں ڈال کے مارنے کے معنی میں ہے۔

۵۹۹۴: وَرَوٰی مُسْلِمٌ فِی الصَّحِیْحِ حِیْنَ قَتَلَ الْحَجَّاجُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ قَالَتْ اَسْمَاءُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اِنَّ فِیْ ثَقِیْفٍ کَذَّابًا وَمُبِیْرًا فَاَمَّا الْکَذَّابُ فَرَاَیْنَاہُ وَاَمَّا الْمُبِیْرُ فَلَا اَخَالُکَ اِلَّا اِیَّاہُ وَسَیَجِیْءُ تَمَامُ الْحَدِیْثِ فِی الْفَصْلِ الثَّالِثِ۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۹۷۱/۴ حدیث رقم (۲۲۹-۲۵۴۵) و احمد فی المسند ۸۷/۲

ترجمہ: "امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے (جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کر دیا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک انتہا درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک بڑا مفسد و ہلاکو۔ کذاب کو تو ہم دیکھ چکے اور رہا مفسد و ہلاکو تو میرا خیال ہے کہ اے حجاج مفسد و ہلاک تو ہی ہے۔ یہ پوری حدیث تیسری فصل میں آ رہی ہے۔"

تشریح: (وروی...... الصحیح): امام مسلم نے یہ روایت صحیح مسلم ہی میں نقل کی ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام نے اپنی کسی دوسری کتاب میں لکھا۔

(...... اخالك): ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ تو مشہور لغت ہے، ہاں کبھی فتحہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ ایک شارح نے لکھا

"اخال" قیاساً تو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہونا چاہئے لیکن ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ افصح ہے۔ کتاب الازہار میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ والی لغت کو مشہور لکھا ہے۔ معنی یہ ہے: میرا خیال یہ ہے کہ تو وہی ہے۔ (الایاہ): کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یوں ہے فلا اخاله الا ایاك تھا۔ مفعول ثانی کو اہمیت اور تخصیص کی غرض سے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قبیلہ ثقیف کے حق میں دعائے ہدایت

۵۹۹۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيْفٍ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٨٥/٥ حديث رقم ٣٩٤٢ و احمد فی المسند ٣٤٣/٣۔

ترجمہ: "یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے ان کے لئے اللہ سے بددعا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے رب! قبیلۂ ثقیف کو ہدایت عطا فرما"۔

تشریح: (یا رسول اللہ!...... ثقیف): لفظ "ثقیف" نون کی کسرہ کے ساتھ "نبل" تیر کی جمع ہے۔ یہ بات شاید غزوہ طائف کے موقع کی ہے۔

قبیلہ حمیر کے لئے دعا

۵۹۹۶: وَعَنْ عَبْدِالرَّزَّاقِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مِيْنَاءَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ اَحْسِبُهٗ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرًا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَائَهٗ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَائَهٗ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَاَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَاِيْمَانٍ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٨٤/٥ حديث رقم ٣٩٣٩ و احمد فی المسند ٢٧٨/٢

ترجمہ: "حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ اپنے والد مکرم سے اور وہ حضرت مینا سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: (ایک دن) ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں تھے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جس کے بارے میں میرا گمان ہے کہ وہ قبیلہ قیس سے تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبیلۂ حمیر پر لعنت فرمایئے (یعنی ان کے حق میں بددعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنا تو) اس شخص کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ وہ شخص پھر دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ پھر وہ شخص دوسری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوئے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ حمیر پر رحمت نازل فرمائے' ان کے منہ سلام (کرتے) ہیں' ان کے ہاتھ طعام یعنی کھانا کھلاتے ہیں اور وہ اہل امن بھی ہیں اور اہل ایمان بھی''۔ اس روایت کو ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے' اس روایت کو ہم عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ کے طریق سے ہی جانتے ہیں اور مینا رحمہ اللہ سے نقل کی جانے والی روایتیں منکر ہیں (مطلب یہ کہ اگرچہ عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ مسلمہ فقیہ و محدث اور قوی ثقہ راوی ہیں مگر مینا ایک ضعیف راوی ہیں)''۔

راویٔ حدیث:

عبدالرزاق بن ہمام۔ عبدالرزاق بن ہمام نام اور ''ابوبکر'' کنیت ہے۔ شہرت یافتہ حضرات میں سے ہیں۔ ابن جریج اور معمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے احمد واسحاق اور رمادی رضی اللہ عنہم نے روایت کی۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۸۵ سال ہوئی۔

تشریح: (وعن عبد الرزاق عن ابیه): ابیہ سے مراد ہمام ابن حارث نخعی ہیں، یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع کا شرف حاصل ہے۔ ابراہیم نخعی ان کے شاگرد ہیں۔

(وعن میناء): لفظ ''میناء''، میم کی کسرہ ''ی'' کے سکون اور الف ممدودہ کے ساتھ مشہور ضبط یہی ہے۔ البتہ صاحب مطالع کہتے ہیں: مد وقصر ہر دونوں کے ساتھ صحیح ہے۔

شرح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث عبدالرزاق ابن ہمام اسی حدیث کو اپنے مولا کی سند سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان اور ابوہریرہؓ سے اپنے والد محترم کی سند سے نقل کرتے ہیں، لیکن محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں راوی ''میناء'' ضعیف ہے۔

(عن ابی هريره...... احسبه): لفظ احسب، سین کی کسرہ کے ساتھ (ضرب سے) اور سین کے فتحہ کے ساتھ (سمع) ہر دونوں سے آتا ہے، یہاں لفظ احسب، ''ظن'' کے معنی میں ہے۔ (من قیس): قاموس میں لفظ قیس غیلان کی قید کے ساتھ مفتوح منقول ہے، قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام یا لقب ہے، اس کا اصل نام الیاس بن مضر ہے۔

(...... حمیرًا): لفظ 'حمیر' درھم کے وزن پر صنعاء یمن میں مغرب کی جانب ایک مقام کا نام ہے، ان کے جد اعلیٰ کا نام ابن سباء بن یشجب ہے۔ (فقال...... سلام): کہ یہ لوگ کثرت سے سلام کو رواج دینے والے ہیں۔ (وایدیھم طعام): اور کھانا کھلانے والے ہیں۔ ایک شارح لکھتا ہے، لفظ طعام سے پہلے مضاف ذات محذوف ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں، یوں کہنا چاہئے کہ ان کے منہ میں سلام ہی ہے، اور ان کے ہاتھوں میں کھانا، کہ جو ملے کھلاتے رہتے ہیں۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے ابن ملک رحمہ اللہ کی بات کو ہی پسندیدہ قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبیلہ حمیر دو بڑی خوبیوں کے مالک ہیں:

① ان کے ہاں سلام کا بہت چرچا ہے، جب بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں، ان کے منہ سے سلام علیکم ضرور نکلتا ہے۔

۲ دوسری یہ کہ اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو کھانا خوب کھلاتے ہیں، احسان اور حلاوت ایمان دونوں خوبیاں ان میں اتم درجہ کی پائی جاتی ہیں۔

(وهم اهل امن وايمان): یعنی یہ لوگ کامل و پختہ ایمان کے حامل بھی ہیں۔ اور ہر قسم کی آفات و بلیات سے بھی محفوظ و مامون ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ دوس

۵۹۹۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ دَوْسٍ قَالَ مَا كُنْتُ اَرٰى اِنَّ فِيْ دَوْسٍ اَحَدًا فِيْهِ خَيْرٌ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٤٣/٥ حدیث رقم ٣٨٣٨۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا (یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی ایک شاخ) قبیلہ دوس سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت ظاہر کرتے ہوئے) فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ قبیلہ دوس میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جس میں نیکی و بھلائی ہو'' ۔(ترمذی)

تشریح: (وقلت من دوس): لفظ 'دوس' دال کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ، یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔ کتاب الازہار میں تو اسی طرح منقول ہے۔ جبکہ قاموس میں اس قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام عبداللہ منقول ہے۔ پورا نسب یوں ہے: دوس بن عدنان بن عبد اللہ۔

(ماكنت ارى): لفظ أری، ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ فعل مجہول ہے۔ کتاب الازہار میں ہے: اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کی تعریف و تحسین ہے۔ اور ان کے قبیلہ دوس کی مذمت ہے، کہ اگر ابو ہریرہؓ نہ ہوتے تو اس قبیلہ میں کوئی بھی خوبی و بھلائی نہ ہوتی۔

اہل عرب کی منقبت

۵۹۹۸: وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِيْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِيْ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٨٠/٥ حدیث رقم ٣٩٢٧ و احمد فی المسند ٤٤٠/٥۔

ترجمہ: ''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھ سے دشمنی نہ رکھنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے میں نے (یہ سنا تو حیرت سے) عرض کیا: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی (تو دشمنی' دشمنی کا تصور بھی) رکھوں! درانحالیکہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں' اپنی پوری امت کے

محبوب ہیں اور) آپ ﷺ کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اسلام اور اچھے کاموں کی) ہدایت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم عرب سے دشمنی رکھو گے تو گویا مجھ سے دشمنی رکھو گے''۔ اس روایت کو ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: (رسول الله...... دينك): لفظ دينك، نصب کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ جواب نہی ہے، زین العرب نے بھی اس طرح ہی ذکر کیا ہے۔

(قال...... فتبغضني): آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم عام طور پر تمام اہل عرب سے بغض وعداوت رکھو گے، تو چونکہ میں بھی عرب میں شامل ہوں اس لئے مجھ سے بھی تمہارا دشمنی رکھنا لازم ہوگا۔ پس اس اعتبار سے میں نے کہا کہ تم مجھ سے دشمنی نہ رکھنا۔

حاصل یہ ہوا کہ اہل عرب سے بغض رکھنا کبھی سید الخلق ﷺ کے تئیں بغض وعداوت کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے اہل عرب کے تئیں بغض سے اجتناب کریں، کہ کہیں اتنی بڑی خرابی میں پڑنے کی نوبت نہ آئے۔

النہایہ میں ہے: لفظ عرب کی واحد نہیں آتی، اور لفظ عرب کا اطلاق حجاز وتہامہ کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ چاہے وہ شہری ہوں، یا دیہاتی۔ البتہ ان میں جو دیہاتوں میں رہتے ہیں، انہیں اعرابی کہتے ہیں، اور شہریوں کو مطلقاً عرب۔

قاموس میں ہے: لفظ عرب، عین کے ضمہ اور تینوں حروف کی حرکت کے ساتھ عجم کی ضد ہے، لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے، استعمال کے اعتبار سے عام ہے، سب عرب پر ہوتا ہے۔ چاہے شہری ہوں یا دیہاتی، البتہ دیہاتیوں کو اعراب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی واحد نہیں۔

۵۹۹۹: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ شَفَاعَتِيْ وَلَمْ تَنَلْهُ مَوَدَّتِيْ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث حصین بن عمیر ولیس هو عند اهل الحدیث بذلك القوی)۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٨٠ حدیث رقم ٣٩٢٨ و احمد فی المسند ١/٧٢

ترجمہ: ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اہل عرب سے فریب ودغابازی کرے گا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ اس کو میری دوستی میسر ہوگی''۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس روایت کو ہم حصین ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے ہی جانتے ہیں اور محدثین کے نزدیک وہ (حصین بن عمر) اس درجہ کے قوی نہیں ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: (وعن عثمان بن عفان): عثمان بن عفان، منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھا جاتا ہے۔ (قال...... العرب): غش العرب سے ان کی اہانت مراد ہے۔ ایک شارح نے غش کا ترجمہ عرب کے ساتھ بغض رکھنے سے کیا ہے، کہ جو بھی عرب کی اہانت کرے ان سے بغض رکھے۔ (ولم...... مودتی): مودت، سے یا تو یہ مراد تھی، کہ اس شخص کو کبھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا، کہ میں اس کو اپنا دوست رکھوں، یا آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ: اس شخص کو کبھی یہ سعادت حاصل نہیں، ہوسکتی، کہ

وہ مجھے اپنا دوست و محبوب رکھے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں مراد نفی کمال ہے۔

(عند...... القوي): امام ترمذی رحمہ اللہ کے الفاظ کا مطلب تو یہ ہوا کہ عمران ابن حصین چونکہ روایت حدیث میں قوی نہیں سمجھے جاتے، اس لئے ان کی روایت کردہ یہ حدیث "ضعیف" کہلائے گی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں: میں یہ کہتا ہوں! اول تو یہ کہ فضائل کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی معتبر مانی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس روایت کی تائید اُن بہت سی حدیثوں سے ہوتی ہے، جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مثلاً حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: "**حب العرب الایمان وبغضهم نفاق**"۔ اہل عرب کی دوستی ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔

طبرانی رحمہ اللہ رحمہ اللہ نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے: "**حب قريش الايمان وبغضهم كفر، وحب العرب ايمان وبغضهم كفر، فمن احب العرب فقد احبني ومن ابغضني العرب فقد ابغضني**"۔ قریش سے محبت رکھنا، ایمان ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے، نیز عرب سے محبت رکھنا ایمان ہے، عرب سے بغض رکھنا کفر ہے، پس جس نے عرب سے محبت رکھی، اس نے درحقیقت مجھ سے محبت رکھی، اور جس نے عرب سے بغض رکھا، اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا۔

طبرانی رحمہ اللہ نے کبیر میں حضرت سہل ابن سعد سے یہ حدیث نقل کی ہے: "**احبوا قريشاً فانه من احبهم احبه الله**"، قریش کو دوست رکھو، کیونکہ جس نے قریش کو دوست رکھا، اس کو اللہ دوست رکھے گا۔

حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے: "**احبوا الفقراء وجالسوهم واحبوا العرب من قلبك وليردك من الناس ما تعلم من نفسك**"، فقراء و مساکین سے محبت رکھو، اور ان میں بیٹھا کرو، اور اہل عرب سے دلی محبت رکھو، اور چاہئے کہ وہ عیوب کہ جو تم خود اپنے میں پاتے ہو، تمہیں دوسروں کی عیب گیری سے باز رکھیں۔

(یہ تو بطور شواہد ہم نے پیش کی ہیں)

متن میں مذکور حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بھی نقل کیا ہے۔ اسانید کے لحاظ سے ایک اقل درجہ حسن کا بنتا ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن لغیرہ کی زمرے میں آتی ہے۔

عربوں کی ہلاکت، علامات قیامت میں سے ہے

۶۰۰۰: وَعَنْ اُمِّ الْحَرِيْرِ مَوْلَاةِ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مَوْلَايَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٨١ حديث رقم ٣٩٢٩۔

ترجمہ: "حضرت طلحہ ابن مالک کی آزاد کردہ باندی حضرت ام الحریر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے آقا

حضرت طلحہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت اہل عرب کا ہلاک ہوجانا ہے۔

تشریح: (وعن ام الحریر): لفظ الحریر، حاء مہملہ کے فتحہ، راء اولیٰ کی کسرہ کے ساتھ۔ مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اسماء الرجال میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ صاحب مغنی نے بھی اسی اعراب کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ جامع الاصول میں بھی اسی طرح منقول ہے۔ ایک نسخہ حاء کے ضمہ اور راء اولیٰ کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے، کتاب التقریب میں بھی ضمہ اور فتحہ کے ساتھ منقول ہے، کیونکہ صاحب تقریب نے لکھا ہے: بضم الحاء المھملہ مصغرًا ویقال بفتح اولھا۔ یعنی حاء مہملہ کے ضمہ کے ساتھ تصغیر کے وزن پر۔ بعض حضرات کہتے ہیں: حاء پر ضمہ اور لام اولیٰ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ مجہول الحال ہیں، اور طبقہ رابعہ میں سے ہیں۔

(ھلاك العرب): یہاں عرب سے کونسے عرب مراد ہیں؟ اہل عرب سے یا تو مسلمان عرب ہیں، یا جنس عرب۔ یعنی تمام عرب خواہ مسلمان ہوں، یا غیر مسلمان۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عرب کو قیادت و سیاست کا مقام حاصل ہے، تمام غیر عرب ان کے تابع ہیں۔

یاد رہے کہ جب قیامت آئے گی، تو اس وقت صرف بدکار اس دنیا میں ہوں گے، کوئی بھی کلمہ گو موجود نہیں ہوگا اور اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔

مختلف عرب قبیلوں کی خصوصیات

۶۰۰۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُلْكُ فِیْ قُرَيْشٍ وَالْقَضَاءُ فِی الْاَنْصَارِ وَالْاَذَانُ فِی الْحَبْشَةِ وَالْاَمَانَةُ فِی الْاَزْدِ يَعْنِی الْيَمَنَ وَفِیْ رِوَايَةٍ مَوْقُوْفًا۔

أخرجه الترمذي في السنن ٦٨٣/٥ حديث رقم ٣٩٣٦ و احمد في المسند ٣٦٤/٢۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خلافت قریش میں ہے' قضاء انصار میں ہے' اذان اہل حبشہ میں اور امانت ازد (یعنی ازدشنوءَ) میں ہے (جو یمن کا ایک قبیلہ ہے یا یہ کہ) ازد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراد تمام اہل یمن تھے' ایک روایت میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث کے طور پر منقول ہے اور ترمذی نے جو اس روایت کے ناقل ہیں کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ (یعنی سند کے اعتبار سے وہ روایت زیادہ صحیح ہے جو حدیث موقوف کے طور پر نقل ہوئی ہے)''۔

تشریح: (وعن ابی ھریرۃؓ، قال...... الملك): لفظ مُلك، میم کے ضمہ کے ساتھ۔ خلافت مراد ہے۔ (فی قریش): اکثر و بیشتر، یا یہ معنی ہے: قریش ہی اس لائق ہیں، کہ خلافت ان میں رہے، قرائن سے یہی بات زیادہ ظاہر معلوم ہوتی ہے۔ وہ قرینہ مندرجہ ذیل کلمات ہیں۔

(والقضاء فی الانصار): ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ایک جزئی حکم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات انصار کے طیب

خاطر کے لئے فرمائی کیونکہ انصار ہی وہ جماعت ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو ٹھکانہ دیا، ان کی نصرت فرمائی، یہی لوگ دین کے معاون بنے، انہی لوگوں کے شہروں میں دین کی تکمیل ہوئی، ان کے شہر میں مسجد نبوی بنی، اور مسلمان اکٹھے ہوئے۔

کتاب ازہار میں لکھا ہے: کچھ حضرات کہتے ہیں: یہاں قضاء سے مراد نقابت ہے، نقابت کے معنی ہیں نقیب بننا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں انصار کی ہر شاخ قبیلہ کا ایک نقیب مقرر کر دیا تھا۔ کہ وہ اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کرے۔ چنانچہ ان نقیبوں نے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی اور پوری تندہی کے ساتھ انجام دیا۔

کچھ کہتے ہیں: قضاء کا لفظ اپنے معروف معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

بعض کہتے ہیں: قضاء سے مراد مسائل وفروع ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: **اعلمکم بالحلال والحرام معاذ**۔

(**والاذان فی الحبشة**): کیونکہ رئیس المؤذنین حضرت بلال حبشی تھے۔ (**والا مانه فی الازد**): ازد سے ازد شنوءة مراد ہے۔

جن بعض راویوں نے لفظ الیمن، ذکر کیا ہے۔ یہ کوئی منافی بات نہیں، کیونکہ ازدشنوءۃ بھی اصلاً یمنی تھے، لیکن الفاظ کے عموم سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ اس سے مراد پورے اہل یمن ہیں۔ کیونکہ وہ رقیق القلب ہیں۔ اہل امن وایمان ہیں۔ واللہ اعلم۔

اگر یہاں لفظ موقوف کو نصب کے بجائے رفع کے ساتھ لکھتے، تو زیادہ بہتر ہوتا، اس صورت میں معنی یہ ہوتا کہ کچھ لوگوں نے اس حدیث کو ابوہریرہؓ پر موقوف کیا ہے۔ آنحضرت تک سند نہیں پہنچائی۔ لیکن اس طرح کی موقوفات کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے۔ (**رواہ الترمذی وقال هذا**): **هذا** سے سند موقوفہ کی طرف اشارہ ہے، یعنی سند کے اعتبار سے یہ روایت زیادہ اصح ہے، جو موقوف کے طور پر منقول ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو اپنی مسند میں مرفوعاً روایت کیا ہے۔ طبرانی نے ابومعاویہ ازدی سے نقل کیا ہے: "**الامانة فی الازد والحیاء فی قریش**"۔ ترجمہ: امانت داری ازد میں ہے، اور حیاء قریش میں۔

قریش کے بارے میں ایک پیشینگوئی

الفصل الثالث:

۶۰۰۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُطِيعٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۴۰۹/۳ حديث رقم (۸۸-۱۷۸۲) والدارمی ۲۶۰/۲ حديث رقم ۲۳۸۶ و احمد

فی المسند ۳/ ۴۱۲

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مطیع تابعی رحمہ اللہ (جو سادات قریش میں سے ہیں) اپنے والد (حضرت مطیع صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: کہ فتح مکہ کے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''آج (فتح مکہ کے دن) کے بعد سے قیامت کے دن تک کسی قریشی کو حبس وقید کر کے نہیں مارا جائے گا (یہ اور بات ہے کہ اپنے دشمن کے مقابلہ پر جنگ وجدل میں مارے جائیں)۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

عبداللہ بن **مطیع**۔ عبداللہ بن مطیع قرشی وعدوی ہیں۔ مدینہ کے رہنے والوں میں سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان کو ان کے والد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ان کے باپ کا نام ''العاص'' تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''مطیع'' رکھا۔ عبداللہ ''قریش'' کے سرداروں میں سے ہیں۔ مدینہ والوں نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے فسخ بیعت کے بعد انہی کو اپنا امیر متعین کیا تھا۔ واقدی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس موقع پر قریش کے امیر تھے نہ کہ کسی اور کے اور عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ غیر قریش کے امیر تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے حدیث کو سنا اور ان سے شعبی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں ۷۳ھ میں یہ شہید کر دیئے گئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم بنایا تھا۔ مختار ابن ابی عبید نے ان کو کوفہ سے نکال دیا تھا۔

تشریح: حضرت عبداللہ سادات قریش میں سے ہیں، اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں انہی کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ ان کو اپنے باپ سے احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات ان کے شاگرد ہیں، اور ان سے روایت کرتے ہیں، ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ تھے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت تھی۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مختار بن ابی عبید نے پھر ان کو وہاں سے نکال دیا۔

(قال...... لا یقتل): کلمہ ''لا یقتل'' منفی مجہول کا صیغہ ہے۔ (قریشی): یہ اسم منصوب ہے۔ قریش کے طرف منسوب ہے، یاء زائدہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے: قریش کی طرف قرشیٌ، قریشیٌ دونوں طرح سے نسبت کی جاتی ہے۔

(صبراً): صبر سے مراد قید ہو کے مقتول ہونا ہے، جنگ میں مرنا مراد نہیں۔ کتاب ازہار میں بھی یوں ہی منقول ہے۔

(الی یوم القیامۃ): امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض محدثین نے اس ارشاد گرامی کی تاویل یہ کی ہے: کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آج فتح مکہ کے دن کے بعد سے قیامت کے دن تک ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی کہ کوئی قریشی شخص مرتد ہو جائے، اور پھر اسلامی قانون کے مطابق اس کو حبس وقید میں ڈال دیا جائے، اور وہ ارتداد (یعنی کفر) پر ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

اس تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی ایسی مثالیں تو موجود ہیں جب کسی قریشی شخص کو اس بناء پر قید وبند میں ڈال کر موت کے گھاٹ اتارا گیا، کہ وہ اسلام کے دشمنی پر قائم تھا، لیکن ایسی مثال نہیں پائی جاتی، کہ کوئی قریشی مرتد ہو گیا ہو۔ اور ارتداد کے بعد کفر پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے قید وبند کی صعوبتیں سہتے ہوئے قتل ہوا ہو۔

لہٰذا اس ارشاد کا حاصل یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ قریش سے دلوں میں دین وایمان اس طرح راسخ کردے گا کہ وہ دین کو اس مضبوطی سے تھامیں گے کہ ان میں سے کوئی شخص مرتد نہیں ہوگا، جس کے سبب اس کو قید وبند میں ڈال کر قتل کردینے کی نوبت آئے، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: "ان الشیطان قد أیس من جزیرۃ العرب"۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان جزیرۃ العرب سے مایوس ہوگیا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہاں نفی سے نہی مراد ہے، اور اس طرح کی نہی صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں، اگر ہم لیرحمك اللہ کہنے کے بجائے رحمك اللہ، یرحمك اللہ کہیں، تو یہ دعا زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

چنانچہ قرآن میں بھی اس طرح کا کلام آیت: ﴿الزانی لا ینکح الا زانیۃ......﴾ [النور] "بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (یعنی) بدکار عورت سے نکاح کرنا مؤمنوں پر حرام ہے" میں۔

یہ توجیہ ایسی ہے کہ اس سے قریش کی مدح وتعظیم کا پہلو زیادہ ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد اس بات کی ممانعت کرنا ہے، کہ قریش لوگوں کو قید وبند میں ڈال کر مارا جائے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ، طیبی رحمہ اللہ پر چند اعتراضات فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: ھذا الوجه غیر وجیه۔ یہ توجیہ اتنی اچھی نہیں کہ جس کو لیا جائے کیونکہ طیبی رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے۔ ھذا الوجه اقرب الی مدح قریش وتعظیمھم۔ کلام اسی طرح اپنے (اطلاق) عام مفہوم میں باقی ہے۔ میرے نزدیک اس ارشاد کو مطلقاً نہی کے معنی میں لینا صحیح نہیں، کیونکہ کسی قریشی شخص پر حد یا قصاص آسکتا ہے، اور یہ ممکن نہیں بغیر قید وبند کی صعوبت کے، اگر اس طرح کا معاملہ آجائے، تو ایک قریشی کا حکم بھی وہی ہوگا جو غیر قریشی کا ہے، اس پہلو سے دیکھا جائے، تو اس ارشاد گرامی سے قریش کی کوئی زائد فضیلت معلوم نہیں ہوتی۔ اور نہ ان کی تعظیم وثناء کی کوئی بات ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (رواہ مسلم)

حجاج کے سامنے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حق گوئی

۶۰۰۳: وَعَنْ اَبِیْ نَوْفَلٍ مُعَاوِیَةَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ رَاَیْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَیْرِ عَلٰی عَقَبَةِ الْمَدِیْنَةِ قَالَ فَجَعَلَتْ قُرَیْشٌ تَمُرُّ عَلَیْهِ وَالنَّاسُ حَتّٰی مَرَّ عَلَیْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَوَقَفَ عَلَیْهِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَبَا خُبَیْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَبَا خُبَیْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَبَا خُبَیْبٍ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ اَنْهٰكَ عَنْ هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ اَنْهٰكَ عَنْ هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتَ صَوَّامًا قَوَّامًا وَصُوْلًا لِلرَّحِمِ اَمَا وَاللّٰهِ لَاُمَّةٌ اَنْتَ شَرُّهَا لَاُمَّةُ سَوْءٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَاُمَّةٌ خَیْرٌ ثُمَّ نَفَذَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَبَلَغَ الْحَجَّاجَ مَوْقِفُ عَبْدِاللّٰهِ وَقَوْلُهٗ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَاُنْزِلَ عَنْ جِذْعِهٖ فَاُلْقِیَ فِیْ قُبُوْرِ الْیَهُوْدِ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُمِّهٖ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ فَاَبَتْ اَنْ تَاْتِیَهٗ فَاَعَادَ عَلَیْهَا الرَّسُوْلَ لَتَاْتِیَنِّیْ اَوْ لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْكِ مَنْ

يَسْحَبُكِ بِقُرُوْنِكِ قَالَ فَاَبَتْ وَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اٰتِيْكَ حَتّٰى تَبْعَثَ اِلَيَّ مَنْ يَّسْحَبُنِيْ بِقُرُوْنِيْ قَالَ فَقَالَ اَرُوْنِيْ سِبْتِيَّ فَاَخَذَ نَعْلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَتَوَذَّفُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ صَنَعْتُ بِعَدُوِّ اللّٰهِ قَالَتْ رَاَيْتُكَ اَفْسَدْتَّ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَاَفْسَدَ عَلَيْكَ اٰخِرَتَكَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تَقُوْلُ لَهٗ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ اَنَا وَاللّٰهِ ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكُنْتُ بِهٖ اَرْفَعُ طَعَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَامَ اَبِيْ بَكْرٍ مِنَ الدَّوَابِّ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَنِطَاقُ الْمَرْاَةِ الَّتِيْ لَا تَسْتَغْنِيْ عَنْهُ اَمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَّمُبِيْرًا فَاَمَّا الْكَذَّابُ فَرَاَيْنَاهُ وَاَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا اَخَالُكَ اِلَّا اِيَّاهُ قَالَ فَقَامَ فَلَمْ يُرَاجِعْهَا ـ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٩٧١ حديث رقم (٢٢٩-٢٥٤٥)

ترجمہ: ''حضرت ابونوفل معاویہ ابن مسلم تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (کی نعش) کو مدینہ (کے راستہ پر واقع مکہ) کی گھاٹی میں (ایک سولی پر لٹکے ہوئے) دیکھا ابونوفل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے اس نعش کے پاس آنا جانا شروع کیا اور دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے' یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں سے گزرے اور وہاں کھڑے ہوگئے' اور فرمایا' السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب!' خدا کی قسم میں تمہیں اس کام (امر خلافت) سے منع کرتا تھا' آگاہ رہو خدا کی قسم' میں تمہیں اس کام سے منع کرتا تھا' خدا کی قسم میں تمہیں کو اس کام سے منع کرتا تھا۔ (تین مرتبہ یہ الفاظ کہنے کے بعد پھر انہوں نے کہا)' خدا کی قسمیں جانتا ہوں کہ تم بہت زیادہ روزے رکھنے والے' بہت زیادہ شب بیدار و شب خیز اور اہل قرابت سے بہت زیادہ احسان وسلوک کرنے والے تھے' خدا کی قسم! جن لوگوں کی نظر میں تم برے ہو' حقیقت میں وہ خود برے ہیں اور ایک روایت میں لامۃ خیر کے الفاظ ہیں' اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے چلے گئے' جب یہ خبر حجاج کے پاس پہنچی کہ عبداللہ بن عمرؓ نے (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نعش کے پاس) کھڑے ہوکر ایسا ویسا کہا ہے تو اس نے (فوراً) ایک آدمی بھیجا اور نعش کو اس لکڑی (یعنی سولی) پر سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈال دیا گیا' پھر حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (دختر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک آدمی بھیجا (اور ان کو طلب کیا) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے ہاں آنے سے انکار کر دیا' حجاج نے دوبارہ آدمی بھیجا اور کہلایا کہ یا تو فوراً چلی آؤ ورنہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہاری چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہوا یہاں لائے گا۔ ابونوفل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر انکار کر دیا اور حجاج کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی۔ اب تو کسی ایسے شخص کو بھیج کر دیکھ لے جو میری چوٹیاں کو پکڑ کر مجھے کھینچتا ہوا لے جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج (نے یہ سنا تو غصہ سے آگ بگولا ہوگیا اور بڑے غضب ناک انداز میں) بولا: میرے جوتے لاؤ اور جوتے پہن کر اکڑتا اتراتا ہوا تیز تیز چل کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچا اور (زہریلے لہجہ میں) ان سے بولا کہ (ذرا بتانا) تم نے اس دشمن خدا (یعنی اپنے بیٹے ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے ساتھ سلوک کرنے میں مجھے کیسا پایا! حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بولیں: میں نے تو ایسا پایا کہ تو نے اس کی دنیا تباہ کر دی اور اس نے تیری آخرت تباہ کر دی (یعنی اس ظالمانہ قتل نے تجھے عذاب دوزخ کا مستوجب بنا دیا ہے) اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو اے (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کو ''دو کمر بند

والی عورت'' کا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتا تھا؟ (تو سن لے) خدا کی قسم میں بلاشبہ دو کمر بند والی عورت ہوں' ایسے دو کمر بند کہ جن میں ایک کمر بند تو وہ تھا جس کے ذریعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کھانا جانوروں سے محفوظ رکھتی تھی اور دوسرا کمر بند وہ جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی اور یاد رکھ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک نہایت درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک نہایت درجہ کا مفسد و بلا کو جھوٹے آدمی کو تو ہم دیکھ چکے اور مفسد و بلا کو جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی' تو ہمارا خیال ہے کہ تو وہی ہے۔ راوی ابونوفل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ (یہ الفاظ سن کر) حجاج حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا''۔ (صحیح مسلم)

تشریح: (وعن ابی نوفل معاویہ بن مسلم، قال..... المدینۃ): مدینہ کی گھاٹی سے مکہ شہر کا بالائی حصہ مراد ہے، جو شرقی سمت واقع ہے۔ مدینہ کا راستہ چونکہ اس جگہ سے گزرتا ہے، اور مدینہ سے آنے والے یہیں سے مکہ شہر میں داخل ہوتے تھے۔ اس مناسبت سے اس کو مدینہ کی گھاٹی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جب ظالم حجاج بن یوسف کے لشکر نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مسجد حرام میں محصور کر کے نہایت بے دردی سے شہید کیا، تو بعد میں حجاج نے ان کی نعش مبارک کو مذکورہ جگہ سولی پر لٹکا دیا تھا، اور پھر اسی جگہ کے قریب مجون یعنی جنت المعلاۃ میں ان کی تدفین عمل میں آئی، لیکن اب تو ان کی قبر کا کوئی نشان بھی نہیں ہے، یعنی کوئی نہیں بتا سکتا، کہ ان کی قبر کس جگہ تھی۔ اسی طرح جنت المعلاۃ میں دیگر جو صحابہ کرام مدفون ہوئے ان کی قبریں بھی متعین نہیں۔ خود حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی اسی جنت المعلیٰ میں ہے، مگر ان کی قبر بھی اسی طرح غیر متعین تھی۔ ایک زمانے میں کسی بزرگ نے خواب کی بنیاد پر ان کی قبر پر قبہ بنوایا تھا، مگر اب وہ بھی بے نشان ہے۔ واللہ اعلم

(حتی..... ابا خبیب): لفظ ''خبیب'' خاء معجمہ کے ضمہ ''ب'' اولیٰ کے فتحہ کے ساتھ، پھر ''ب'' کے بعد ''ی'' ساکنہ ہے۔ یہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی کنیت ہے، جو کہ آپ کے بڑے بیٹے خبیب رحمہ اللہ کے نام پر رکھی گئی تھی۔ (السلام..... ابا خبیب): حدیث کے اس حصہ سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ اس میت کو بھی تین بار سلام کرنا مستحب ہے جس کو اب تک دفنایا بھی نہ گیا ہو۔ (لقد کنت..... عز ھذا): ھذا سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے سولی کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اس امتحان سے بچنے کی خاطر ان مفسدین سے الجھنے سے بار بار منع کرتا رہتا تھا۔ لیکن بالآخر وہی منظر ہمیں دیکھنا پڑا جس کا ہمیں خوف تھا۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول: آیت: ﴿انما یأکلون فی بطونھم نارًا﴾ کی قبیل سے ہوا، ایسی ہی مثال دوسری جگہ بھی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اعصر خمرًا﴾ یعنی اسباب کے طرف اشارہ ہے۔ (اما علمت): (لفظ ''اما'' تخفیف (بغیر شد) کے ساتھ) فعل علمت کا مفعول ''ك'': محذوف ہے۔ اور (واللہ ان کنت) میں ''ان'' مخفف من المثقلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان یہاں محذوف ہے۔

(صوامًا): مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ روزے رکھنے والا۔ قوامًا، قائم اللیل، (وصولًا): لفظ وصولًا، واؤ کے فتحہ کے ساتھ (صلہ رحمی کرنے والے) یعنی قرابت داری کا بہت زیادہ خیال کرنے والے تھے۔ (للرحم): رحم سے قرابت داری مراد ہے۔ شرح مسلم میں حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول منقول ہے، کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جو صفات یہاں بیان فرمائی

گئی ہیں، یہ صحیح ترین قول ہے۔ایک صفت ان کی ''الامساك'' (بہت برداشت کرنے والا) بھی بعض روایات میں منقول ہے۔
صاحب احواد نے ان کی بہت سی صفات ذکر کی ہیں، بہر حال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان تمام خوبیوں کے مالک تھے، جو حضرت ابن عمرؓ نے ذکر کیں۔

علماء لکھتے ہیں: حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ظالم عدوّ اللہ وغیرہ بدکلمات سے منسوب کرتا تھا۔عبداللہ بن عمرؓ نے ان کی یہ عمدہ صفات ذکر فرما کر حجاج کے الزام تراشی سے ان کی برائت فرمائی، نیز لوگوں کو آپ کی محاسن سے آگاہ فرمایا۔ کیونکہ ابن زبیرؓ مظلوم ومرحوم تھے۔زندہ رہے تو عزت کے ساتھ اور مرے تو شہادت کی موت مرے۔
(لامة سوء): لفظ سوء، سین کے فتحہ کے ساتھ مشہور ہے، اگر چہ ضمہ بھی جائز ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپؓ جو اچھے نہیں لگتے ہیں، یہ اس لئے نہیں کہ آپؓ کوئی برے آدمی ہیں، اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی فہم واعتقاد پراگندہ ہے، جو انہیں اچھے کو برا دکھا رہے ہیں۔

لامة کی ترکیب:

کلمہ لأمة: مبتداء ہے،اور جملہ انت شرها، لأمة کی صفت ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو گروہ تجھے برا کہتا ہے، اصل میں یہی گروہ ظالم ومفسد ہے۔یہاں ظاہراً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو حکم لگایا ہے، یہ فرضی اور تقدیر ہے، یا یہ معنی ہے کہ میرا یہ خیال بطریقہ انکاری ہے۔(وفی روایة...... لأمة خير): اگر ان الفاظ کو صحیح مان لیا جائے، تو بھی یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے استہزاءً وتہکماً فرمائے ہیں۔اس کی مثال بعض حضرات کے اس قول میں ہے:بلد ابو يزيد شر اهلها نعم البلد۔
کہتے ہیں: حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو جب شہر سے نکال دیا گیا، تو اس موقع پر بعض حضرات نے مفسدین کے خلاف یہ جملہ استعمال کیا تھا، اس کا بدترین آدمی شہر کا سب سے بہتر آدمی ہے۔تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ حجاج بن یوسف اور اس کے لوگ جس شخص کو ظالم وباغی کہتے ہیں، وہ ان سب سے بہترین آدمی ہے۔
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسلم میں ہے، ہمارے تمام مشائخ سے لامة خير ہی کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت منقول ہے۔
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح مسلم کے جمہور رواۃ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔
البتہ مشائخ سمرقند سے لامة سوء، کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔اس جملہ کو مشائخ سمرقند سے نقل کرکے اور وہ فرماتے ہیں، یہ خطاء اور تصحیف ہے، یعنی سہو اور تحریف ہے۔لیکن چونکہ یہ روایت صحیح بھی ہے، ساتھ درایۃ کے مطابق بھی ہے، اس لئے خطاء کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

(ثم نفذ): لفظ ''نفذ'' (نصر ینصر سے) نون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ، بمع ذال معجمہ، ذهب (جانے) کے معنی میں ہے۔
(فانزل): فعل مجہول ہے۔(عن جذعه): ضمیر مجرور منصوب علیہ درخت کی طرف راجع ہے۔(فالقی): یہ بھی فعل مجہول ہے، پھینکنے کے معنی میں۔(فی قبور الیهود): یہاں یہود سے ان یہودیوں کا قبرستان مراد ہے جو مکہ میں آتے جاتے فوت ہو جاتے، یا یہ کہ مکہ ہی کے رہنے والے تھے، زمانہ جاہلیت میں۔بہر کیف مکہ میں کوئی جگہ ایسی تھی، جہاں یہود کے لئے قبرستان

مقرر تھا، اب تو اس کا بھی کوئی نام ونشان نہیں ملتا، کہ وہ جگہ کس مقام پہ تھی۔ یہ بات ماقبل والی (یعنی ان کو جنت المعلیٰ میں دفن کیا گیا) کے منافی نہیں، کیونکہ ان کی لاش مبارک کو بعد میں یہاں سے اٹھا کے جنت المعلیٰ میں دفن کیا گیا تھا۔ یہ صحیح تاریخی روایت سے ثابت ہے۔ (لتأتینی): نون وقایہ کی تشدید کے ساتھ، مخاطب کا صیغہ ہے۔ (او ...... الیك من یسحبك): سحب، یسحب، حاء کے فتحہ کے ساتھ گھسیٹنے کے معنی میں آتا ہے۔ (بقرونك): قرون جمع ہے ''قرن'' کی، بالوں کی چوٹی۔ (...... لا آتیك): کلمہ ''اتیك'' ہمزہ کی مد کے ساتھ۔ (ارونی سبتی): لفظ سبتی، سین مہملہ کے کسرہ، باء کے سکون، تاء کے فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ۔ یعنی جوتیاں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کلمہ کو اسی طرح محفوظ کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں: سبتی، سے وہ جوتا مراد ہے جو بغیر بالوں والے چمڑے سے بنائے گئے ہوں۔

ایک صحیح نسخہ میں یہ لفظ سبتیتی، منقول ہے۔ یعنی سین مہملہ کے کسرہ باء کے سکون اور اول کی کسرہ یاء اول کی تشدید، تاء دوم کے فتحہ، اور یاء آخر کی تشدید کے ساتھ۔ النہایہ میں ہے: لفظ سِبتَ، سین مہملہ کی کسرہ کے ساتھ، اس چمڑے کو کہتے ہیں جیسے قرظ، یا کیکر وغیرہ کے پتوں سے دباغت دیا گیا ہو۔ اگر ''سبتْ'' پڑھا جائے تو درخت سلم کے وہ پتے مراد ہوتے ہیں، جن سے جوتی بنائی جائیں، یعنی درخت سلم سے بنائی ہوئی جوتیاں۔ ان کو سبتیہ کہتے ہیں، اور یہ نام اس لئے رکھا جاتا ہے، کہ اس طرح کے چمڑے سے بال گر جاتے ہیں، اور چمڑا بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں، اس طرح کی جوتی بہت نرم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو سبت کہتے ہیں۔ بعض مرتبہ جوتے ہی کو سبت کہہ دیتے ہیں، اور جوتے والے کو صاحب السبتین کہتے ہیں۔

ایک روایت سبتیتین کے الفاظ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ ایک جگہ کی طرف نسبت ہے۔ جو سوق السبت کے نام سے مشہور ہے۔

امام ہروی رحمہ اللہ نے ایک ''یاء'' مخففہ کے ساتھ ''سبت'' سے تثنیہ کے طور پر نقل کیا ہے (یعنی وہ کہتے ہیں یہ لفظ سبت سے تثنیہ کا صیغہ ہے)۔ معنی یہ ہے کہ میرے دونوں جوتے لاؤ، یا میرے جوتے پیش کیے جائیں۔

کتاب مشارق میں ہے: یہ لفظ سبتیتی اسی طرح یا صاحب السبتیتین دونوں دو یاؤں کے ساتھ ہے۔ (فاخذ نعلیه): اخذ، لبس، کے معنی میں ہے، یعنی جوتیاں یا جوتے پہن لے۔ (ثم ...... یتوذف): کلمہ یتوذف، واؤ اور ذال معجمہ مشددہ کے ساتھ ہے۔ ابوعبید رحمہ اللہ کہتے: اس کا معنی ہے وہ تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔ کچھ حضرات نے اکڑ کے ساتھ چلنے کا معنی کیا ہے۔ (...... رأیتنی): یہاں کلمہ رأیتنی، تاء کی کسرہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں کسرہ کو یاء کی طرف مائل کر کے اشباع کے ساتھ منقول ہے۔ جس کا معنی ہے، تو نے مجھے اس معاملہ میں کیسا پایا جو میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا ہے۔ عدو اللہ سے یہ ظالم حضرت اسماء کے بیٹے عبداللہ ابن زبیر مراد لے رہا تھا۔ یہ اس کا اپنا فاسد خیال تھا۔ (قالت :..... اخرتك): یہاں دونوں جملوں میں اسناد سببی ہے۔

لفظ ''نطاقین'' نون کی کسرہ کے ساتھ ''کمر بند'' کو کہتے ہیں، پہلے زمانے میں عورتیں کام کاج کے وقت خصوصی طور پر کمر پہ پٹکا باندھتی تھیں، کہ پردہ رہے، کپڑے ادھر ادھر نہ ہو جائیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ لقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، ہجرت کے موقع پر جب حضرت ابوبکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی

طرف عازم سفر ہوئے، تو حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ کے زادِ راہ کو اپنے کمر بند کے کپڑے کو آدھا کر کے اس سے باندھ دیا تھا، کہ حشرات وغیرہ کھانا وغیرہ میں نہ پڑ جائیں، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ذات النطاقین فرمایا۔ حجاج بن یوسف اپنی خبث باطنی کی بناء پر آنحضرت ﷺ کے قول مبارک ذات نطاقین کو ذم پر محمول کر رہا تھا۔ جب کہ حضرت اسماء کو آنحضرت ﷺ نے یہ لقب خدمت، محبت اور ان کے جذبہ ایثار کی وجہ سے عطا فرمایا تھا، اس لئے انہوں نے حجاج کو جواب اس طریقہ سے دیا، کہ (وہ ظالم جو بداعتقادی اور بد باطنی کی وجہ سے جو مطلب لے رہا تھا) اس کا منہ توڑ جواب بن جائے۔ چنانچہ فرمایا: (انا والله...... الدواب): من الدواب، ارفع کے ساتھ متعلق ہے۔ کہ میں نے اپنے کمر بند کے ایک حصہ سے آنحضرت ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے توشہ دان کے منہ کو اس لئے باندھا تھا کہ چیونٹی، چوہا وغیرہ اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (واما الآخر...... عنه): کہ یہ ایک سلیم الفطرت عورت کے لئے نہایت احترام کی چیز ہے، اب بھی عرب میں اس کی عادت ہے، فقراء لوگ چمڑے کے کمر بند، جب کہ مالدار سونہ چاندی چمڑا پٹکا استعمال کرتے ہیں۔

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تسلیم کیا، کہ وہ ذات نطاقین ہیں، لیکن میری ذات النطاقین ہونے کی وہ وجہ نہیں، اے حجاج! جو تو لے رہا ہے، اس کی کوئی اور شان ہے، جس کے فہم سے تجھے عاری کر دیا گیا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے قول اما احدهما...... کی نظیر باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ﴿ويقولون: هو اذن، قل اذن خير لكم يؤمن للمؤمنين﴾ [التوبہ] : (ان میں سے وہ بھی ہیں، جو پیغمبر کو ایذاء دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لئے ہے، وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے)۔

گویا یہاں یہ کہا گیا: کہ جی ہاں وہ کان کے کچے ہیں، لیکن یہ کان کا کچا ہونا بھلائی، خیر ہے، نہ کہ شر، اول ان کی بات کو تسلیم کیا، پھر اس کی تفسیر اس طریقہ سے کی گئی، جو آنحضرت ﷺ کے حق میں بہتر ہے، حالانکہ کفار اس جملہ سے مذمت کرنا چاہتے تھے، شر مراد لے رہے تھے۔

(اما): بغیر تشدید کے، تنبیہ کے لئے ہے۔ (ان...... حدثنا ان): لفظ "ان" فتحہ کے ساتھ ہے، اگر چہ کسرہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ محدث کا جملہ ہے۔

او اما المبير فلا اخالك): لفظ "اخال" ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، اگر چہ فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ (الا اياه): امام طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس جملہ میں مفعول ثانی کو اہتمام کی غرض سے مقدم کیا گیا ہے، جیسا کہ آیت ﴿وجعلوا لله شركاء الجن﴾ میں شرکاء کو اہتمام کی غرض سے مقدم کیا گیا ہے۔ نیز جار مجرور کو بھی مفعول اول الجن سے اہتمام اور مزید انکار کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔ چنانچہ المبير یہ مفعول مقدم ہے اخالك کا، محکوم علیہ یہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے کئی اہم باتیں ثابت ہو رہی ہیں:

① ایک تو یہ کہ مردہ کو سلام کرنا مستحب ہے، اور اس میں تکرار بھی مستحب ہے۔

② کسی کے مرنے کے بعد اس کی اچھی صفات کو بیان کرنا مستحب ہے۔

③ اس سے خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی منقبت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ظالم حکمران کے دور میں حق بات کہی،

باوجودیکہ وہ جانتے تھے، کہ یہاں جو کچھ ہوگا اس کا ایک ایک لفظ ظالم حجاج تک پہنچے گا۔

۴ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے سامنے اس کی ان خوبیوں اور اوصاف کو بیان کرنا جن کے ذریعہ وہ مشہور تھا، جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجاج بن یوسف کے تمام ان الزامات کی تردید فرمائی، جو وہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ پر لگایا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے سامنے آپ کے محاسن کو اجاگر فرمایا۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہی ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ مظلوم تھے۔ امام علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مظلوم ہونے کو اپنا مذہب فرمایا ہے۔ حالانکہ خوارج کے علاوہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مظلوم تھے۔ یعنی یہ حرف ایک مذہب کی بات نہیں کہ پوری امت کا متفقہ نظریہ ہے۔

(قال): ضمیر فاعل نوفل کی طرف راجع ہے۔ (فلم یراجعها): حضرت اسماءؓ کی جرات و بیباکی اور حق گوئی کا ایسا اثر ہوا کہ ظالم حجاج جیسا شخص ان کی باتیں سن کر خاموش ہوگیا اور جواب دینے کی جرات نہ ہو سکا۔

منقول ہے کہ حضرت اسماء اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کے سانحہ شہادت کے دس دن بعد انتقال فرما گئی، اس وقت ان کی عمر سو/۱۰۰ سال تھی، لیکن اب تک ایک دانت بھی ان کا نہیں ٹوٹا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خلافت کے دعوے سے انکار فرمانا

۶۰۰۴: وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَتَاهُ رَجُلَانِ فِيْ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا اِنَّ النَّاسَ صَنَعُوْا مَا تَرٰى وَاَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَخْرُجَ فَقَالَ يَمْنَعُنِيْ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيَّ دَمَ اَخِي الْمُسْلِمِ قَالَا اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَاَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۸۳/۸ حديث رقم ۴۵۱۳

ترجمہ: ''حضرت نافع رحمہ اللہ (جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں) ان سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے متعلقہ فتنہ کے زمانہ میں (ان کی شہادت سے پہلے) دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے (خلافت و امارت کے بارے میں اختلاف و نزاع اور ہنگامہ آرائی کی صورت میں) جو کچھ کیا ہے وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ آپؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں (جو خلیفہ تھے) آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ (اس اعتبار سے عبدالملک بن مروان کے مقابلہ میں آپ کہیں زیادہ مستحق ہیں کہ خلافت کا دعویٰ کریں جس کی نااہلیت کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ اس کے امراء اور گورنروں میں حجاج بن یوسف جیسا ظالم شخص ہے) پھر کونسی چیز آپ کو مانع ہے کہ آپ (خلافت و امارت کے دعوے اور ظالموں سے بدلہ لینے کے اعلان کے ذریعہ) خروج نہیں کر رہے

ہیں! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (یہ سن کر) فرمایا! جو چیز میرے لئے مانع ہے۔ وہ میرا یہ علم ہے کہ مسلمان بھائی کا خون بہانا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (یعنی لڑو تم لوگوں سے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے)! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ساتھ) ان لوگوں سے یقیناً لڑے یہاں تک کہ فتنہ کفر و شرک کا خاتمہ ہو گیا اور صرف اللہ کا دین اسلام رہ گیا۔ اور (اب) تم یہ چاہتے ہو کہ تم قتال کرو یہاں تک ان (مسلمانوں) میں فتنہ برپا ہو جائے اور غیر دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے''۔ (بخاری)

تشریح: (فقال...... قالا): قالا سے مراد وہی دونوں آدمی ہیں، جنہوں نے یہ بات پیش کی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں: **یمعنی ان الله حرم علی دم اخی**، تو اللہ نے یہ بھی تو فرمایا: ﴿**وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة**﴾ کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔ (**ویکون الله**): یعنی انہوں نے قرآن کریم کی آیت کو اپنے کہے ہوئے پر بطور دلیل پیش کیا۔ (**فقال...... فتنة**): یہاں فتنہ سے شرک مراد ہے۔ (**وکان الدین لله**): دین اللہ ہی کا غالب آچکا ہے۔ آیت کا مدعیٰ تو پورا ہو چکا ہے۔ (**وانتم...... فتنة**): تم جو کہہ رہے ہو، وہ تو اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمانوں میں پھر سے ایک فتنہ جنم لے۔ (**ویکون الدین لغیر الله**): دراصل ان دونوں شخصوں کا خیال یہ تھا کہ اول تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی خلافت کا دعویٰ کریں۔ لیکن اگر وہ اس پر تیار نہ ہوں، تو پھر کم از کم ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائیں جو حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ عام مسلمانوں کو باہمی اختلاف و نزاع جنگ و جدل سے بچانے کے لئے ایسا کوئی بھی اقدام مناسب نہیں، جو مزید افتراق و انتشار کا موجب بنے، اسی احساس کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیرؓ کے حق میں بھی یہی بہتر سمجھتے تھے، کہ وہ خلافت کے مسئلہ میں قتل و قتال کو ترک کر دیں، اور یکسوئی اختیار کر کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

اس کی دلیل آپ کے یہ الفاظ: ''**لقد کنت انهاك عن مثل هذا**'' ہیں۔

خوش قسمت قبیلہ دوس کی حق میں دعا

۶۰۰۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ الطُّفَيْلُ ابْنُ عَمْرٍ والدَّوْسِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ وَعَصَتْ وَاَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَظَنَّ النَّاسُ اَنَّهٗ يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِهِمْ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰۱/۸ حدیث رقم ۴۳۹۲ ومسلم فی صحیحه ۱۹۵۷/۴ حدیث رقم

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) قبیلۂ دوس ہلاک ہو گیا اور انہوں نے نافرمانی کی اور انکار کیا (یعنی اس قبیلہ

کے لوگوں نے قبول اسلام اور اطاعت دین سے انکار کر کے خود کو ہلاکت و تباہی کا مستوجب بنا لیا ہے) لہٰذا آپ ﷺ ان کے لئے بد دعا کیجئے (کہ اللہ تعالیٰ اس پر عذاب مسلط کرے) لوگوں نے (تو یہ سن کر) خیال کیا کہ آپ ﷺ اس قبیلہ کے لئے بد دعا کریں گے' لیکن (آپ ﷺ تو رحمۃ للعالمین ہیں اور لوگوں کو راہ راست دکھا کر فلاح و نجات سے ہمکنار کرنے کے لئے اس دنیا میں مبعوث ہوئے نہ کہ بد دعا کر کے تباہ و برباد کرنے کے لئے' اس لئے) آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت عطا فرما اور اس قبیلہ کے لوگوں کو (مدینہ کی جانب) لا (یعنی ان کو قبول اسلام کے بعد ہجرت کی بھی توفیق عطا فرمایا یہ کہ ان کو اہل اسلام کے طور طریقوں کی طرف مائل فرما اور ان کے دلوں کو قبول اسلام کی طرف پھیر دے)''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (ابن عمرو ...... ﷺ): حضرت عمر بن طفیل دوسی کو ذوالنور کا لقب حاصل تھا، یہ جس وقت مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، اور اسلام قبول فرمایا، آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی تبلیغ کے لئے قبیلہ کی طرف روانہ فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دیجئے، جس کو دیکھ کر لوگ میری تصدیق کریں۔ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی: ''اللهم نور له'' الٰہی اس کو نور عطاء فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً دعا قبول فرمائی اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور جگمگا اٹھا، اب انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے، کہ لوگ اس نور کو میری بدہیئتی پر محمول نہ کرنے لگے۔ اب اس کے بعد وہ نور اس جگہ سے ان کے کوڑے کے ایک سرے میں منتقل ہو گیا، اندھیری رات میں یہ اس طرح جگمگاتا، جیسے مشعل روشن ہو، حضرت طفیل اپنی قوم میں پہنچ کر تبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے۔ ان کے والد محترم ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، لیکن ان کی ماں کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی ان کی تبلیغ پر ایمان لائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت طفیلؓ سابقین اسلام لوگوں میں سے ہیں، ان کے بعد دوسرے نمبر پر قبیلہ دوس میں سے حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ ابن حجرؒ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ مؤلف ؒ نے لکھا ہے، کہ حضرت طفیل ابن عمرو مکہ میں مشرف با اسلام ہوئے، پھر اپنے قبیلہ میں واپس چلے گئے، جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے، تو انہوں نے بھی اپنا قبیلہ اور وطن چھوڑ کر ہجرت کی، یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس موقع پر حاضر ہوئے جب آپ ﷺ خیبر میں تھے، پھر آپ ﷺ کے رحلت فرمانے تک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے پاس رہے۔ جنگ یمامہ کے موقع پر شہید ہوئے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں: حضرت عمر ؓ کے دور میں جنگ یرموک میں شہادت پائی۔ حضرت جابرؓ اور ابو ہریرہؓ ان سے روایت کرتے ہیں، ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔

(فقال): ضمیر فاعل حضرت طفیل کی طرف راجع ہے۔ (ان دوساً هلكت): یہاں هلكت، استحق الهلاك کے معنی میں ہے، یعنی ان لوگوں نے دین سے انکار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے مستوجب بنا لیا ہے۔

(عصت): یہ ما قبل کا بیان ہے۔ (فظن ...... فقال): لوگوں نے خیال کیا، حضرت طفیل کے کہنے پر آنحضرت ﷺ قبیلہ دوس کے حق میں بد دعا کریں گے۔

عربوں سے محبت رکھنے کی وجوہات

۶۰۰۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَّالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ وَّكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه رواه البيهقي في شعب الايمان ۲۳۰/۲ حديث رقم ۱۶۰۰ | الحاكم في المستدرك ۸۷/۴۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین امور وخصائل کی بناء پر عربوں سے محبت کرو۔ ایک تو اس وجہ سے کہ میں عربی ہوں (اور ظاہر ہے کہ جو چیز حبیب کی طرف سے منسوب ہوتی ہے اس کو محبوب ہونا چاہئے) دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ (یعنی قرآن کریم اس زبان میں اترا ہے جو عرب کی زبان ہے اور ان کی زبان ولغت ہی کے ذریعہ اس کی فصاحت وبلاغت جانی جاتی ہے) اور تیسرے اس وجہ سے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)۔

تشریح: (والقرآن): لفظ قرآن منصوب ومرفوع دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ قرآن ان ہی لوگوں کے زبان میں اترا ہے، اور ان کی زبان ولغت ہی کے ذریعہ اس کی فصاحت وبلاغت جانی جاتی ہے۔ اہل عرب ہی نے شارع علیہ السلام سے براہ راست دین وشریعت کا علم حاصل کیا، پھر اس علم کو ہم تک پہنچایا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال،، افعال، عادات، معجزات کو منضبط ومحفوظ کیا، اور اس سرمایہ کو ہم تک منتقل کیا، ہماری ملی تاریخ کی تمام تر عظمت وسربلندی انہی کی مرہون منت ہے، کیونکہ عرب اور اہل عرب ہی اصل میں اسلام کے مددگار اور ہماری ملی زندگی کی جوہری توانائی ہیں، انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکر لی، جان ومال کی قربانیاں دے کر بڑے بڑے علاقے فتح کئے، شہر، شہر، قریہ قریہ اسلام پھیلایا۔ اطراف عالم میں دین کا جھنڈا بلند کیا، مسلمانوں کو جو عزت، برابری اور شان وشوکت حاصل ہوئی، وہ انہی کی جدوجہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان کی نسلی وانسانی خصوصیات کے امین ہیں، اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی، قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی انہی کی زبان میں ہوگا۔ انہی اسباب کی بناء پر کہا گیا ہے **من اسلم فهو عربی**، جو بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا وہ عربی ہے۔

(وكلام اهل الجنة عربی): اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل جہنم کی زبان عربی نہیں ہوگی۔

تخریج: طبرانی رحمہ اللہ نے الکبیر میں، حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں، اور عقیلی رحمہ اللہ نے الضعفاء میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

عرض مرتب:

بندہ نے چاہا کہ ان ابواب میں جو مناقب کے موتی بکھرے پڑے ہیں انہیں کچھ حد تک ایک جگہ یکجا کر دیا جائے تاکہ ایک گونہ

تسکین قلب کا بھی اہتمام ہو جائے کہ ترجمہ کے ساتھ ان عظیم ہستیوں کا ذکر بھی دوبارہ سہ بارہ کر دیا جائے۔

خلاصۃ الباب:

اس باب میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہے:

① مناقب قریش:

قریش کے مناقب میں مختلف احادیث مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں مثلاً:

لوگ قریش کے تابع ہیں:

پہلی حدیث میں فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں مسلمان مسلمان قریش کے تابع ہیں اور کافر لوگ کافر قریشیوں کے تابع ہیں یعنی سب سے پہلے قریش میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور قبائل قریش کے انتظار میں رہے کہ جب قبیلہ قریش اسلام قبول کرے گا تو ہم بھی اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا قبیلہ قریش کے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرے قبائل بھی فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئے۔

حدیث ② میں فرمایا گیا کہ لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔

خلافت قریش کے ساتھ منسلک:

حدیث ③ میں فرمایا گیا کہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک کہ ان میں سے دو شخص بھی باقی ہیں یعنی جب تک دو آدمی بھی قریش میں سے باقی ہیں حکومت قریش کے حصے میں ہی رہے گی۔

حدیث ④ میں ہے یہ امر خلافت قریش میں رہے گا جو بھی ان سے عداوت اور دشمنی رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو الٹا لٹکا دے گا یعنی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوگا۔

حدیث ㉒ میں ہے کہ ملک وبادشاہت قریش کے لئے ہے اور قضاء انصار کے لئے اور اذان حبشہ کے لوگوں کے لئے ہے اور امانت قبیلہ ازد میں ہے۔

اس طرح کی احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ مخصوص ہے قریشی کے ہوتے ہوئے غیر قریشی کو خلافت سونپنا جائز نہیں اور اسی پر صحابہ اور بعد کے حضرات کا اجماع منعقد ہوا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط تمام علماء کے نزدیک ضروری ہے اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے خلاف یہی حدیث پیش فرمائی اور کسی نے بھی ان پر انکار نہیں کیا اور علماء نے اس مسئلہ کو مسائل اجماعیہ میں شمار کیا ہے اسلاف میں سے کسی کا کوئی قول یا فعل اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے تلامذہ نے انہیں احادیث کی وجہ سے امام شافعی کی فضیلت پر استدلال کیا ہے

اس لئے کہ امام شافعیؒ قریشی تھے۔

حدیث ⑤ میں ہے کہ اسلام کو بارہ خلفاء تک قوت وغلبہ حاصل رہے گا اور یہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کے دینی و مذہبی امور میں استقامت' ملی وملکی معاملات میں استحکام اور عام نظم ونسق میں عدل و انصاف اور حق وراستی پر مبنی نظام کارکا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ ان کے حاکم بارہ شخص ہوں گے' جن کا تعلق قریش سے ہوگا ایک اور روایت میں ہے کہ دین برابر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آئے اور ان لوگوں پر بارہ خلیفہ کی حکومت قائم ہو' جو قریش میں سے ہوں گے۔

حدیث ⑩ میں فرمایا ہے کہ جو آدمی قریش کو ذلیل وخوار کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسی شخص کو ذلیل وخوار کردیں گے۔

قریش کے لئے انعام واکرام کی دعا:

حدیث ① میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ تو نے شروع شروع میں قریش کو غزوہ بدر' غزوہ احزاب کے موقعہ پر تباہی کا مزہ چکھایا اس لئے کہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے مخالف تھے لیکن اب وہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوگئے ہیں اس لئے اب ان کو اپنے کرم ونوازش سے نواز دے۔

②......قبیلہ غفار' اسلم' مزینہ' جہینہ کے مناقب:

حدیث ⑥ میں قبیلہ غفار کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے یہ قبیلہ زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کا سامان چرانے کی وجہ سے بدنام تھا اور اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ چونکہ یہ اب مسلمان ہوگئے ہیں اس لئے اے اللہ ان کے اس گناہ کو معاف فرما۔

قبیلہ اسلم کے بارے میں فرمایا کہ قبیلہ اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے چونکہ اس قبیلے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہیں کی تھی بغیر لڑے اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے ان کے لئے سلامتی کی دعا فرمائی۔

حدیث ⑦ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قریش کے مسلمان یعنی اہل مکہ' انصار یعنی اہل مدینہ قبیلہ جھینہ کے مسلمان' قبیلہ اسلم کے مسلمان' قبیلہ غفار کے مسلمان اور قبیلہ اشجع کے مسلمان میرے دوست اور مددگار ہیں یا یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مدد کرنے والے ہیں ان کا مددگار اور دوست اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حدیث ⑧ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبیلہ اسلم' غفار' مزینہ اور جھینہ یہ سب قبیلے بنوتمیم سے اور دو حلیف قبیلوں یعنی بنو اسد اور غطفان سے بہتر ہے اس لئے کہ ان قبیلوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور اپنے اچھے طور طریقوں کا مظاہرہ کیا۔

③......بنوتمیم کی تین خصوصیتیں:

حدیث ⑨ میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بنوتمیم کو اس وقت سے ہمیشہ عزیز اور دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے ان کی تین خاص خوبیوں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

①: ان کی پہلی خوبی نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ میری امت میں سے بنوتمیم ہی وہ لوگ ہوں گے جو دجال کے مقابلہ پر سب سے مضبوط ہوں گے۔

②: نبی کریم ﷺ کو ایک مرتبہ بنوتمیم کی طرف سے صدقات وصول ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ صدقات ہماری قوم کی طرف سے ہیں یعنی انہیں اپنی قوم فرمایا۔

③: ایک لونڈی بنی تمیم سے تعلق رکھتی تھی وہ حضرت عائشہؓ کی ملکیت میں تھی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کردو کیونکہ یہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔

④ قبیلہ اسد اور قبیلہ اشعر کی منقبت:

حدیث ⑭ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبیلہ اسد اور قبیلہ اشعر بہت اچھے قبیلے ہیں یہ دونوں قبیلے نہ کفار کے مقابلہ پر جنگ سے بھاگتے ہیں اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرتے ہیں وہ مجھ سے ہیں یعنی میری سنت پر چلنے والے ہیں یا یہ قبیلے میرے دوست اور مددگار ہیں اور میں ان سے ہوں یعنی ان کا مددگار رہوں۔

⑤...... قبیلہ ازد کے فضائل:

حدیث ③ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبیلہ ازد کے لوگ روئے زمین پر اللہ کے ازد یعنی اللہ کا لشکر اور اس کے دین کے معاون و مددگار ہیں لوگ اس قبیلے کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے برخلاف اس قبیلے کے لوگوں کو عزت و بلندی عطا کرنا چاہتے ہیں یقیناً لوگوں پر وہ زمانہ آنے والا ہے جب آدمی یہ کہتا نظر آئے گا کہ کاش میرا باپ ازدی ہوتا اور کاش میری ماں قبیلہ ازد سے ہوتی۔

حدیث ㉒ میں ہے کہ امانت ازد یعنی ازدشنوہ میں ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔

⑥ قبیلہ ثقیف، بنی حنیفہ، بنی امیہ کا ذکر:

حدیث ⑭ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تین قبیلوں سے ناخوش ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئے وہ قبیلے یہ ہیں ثقیف، بنوحنیفہ، بنو امیہ۔

قبیلہ ثقیف سے ناخوش ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں سے حجاج بن یوسف نے پیدا ہونا تھا اور اس ظالم نے بہت سے صحابہ وتابعین کو شہید کرایا۔

بنوحنیفہ سے ناخوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مسیلمہ کذاب کا تعلق اسی قبیلے سے تھا اور یہ شخص بہت بڑا فتنہ اور جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

بنو امیہ میں سے عبیداللہ بن زیاد پیدا ہوا اور یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا اور یہ یزید کی طرف سے کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا یزید اور عبیداللہ کے علاوہ باقی بنوامیہ نے بھی زیادتیوں میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی تھی نیز نبی کریم ﷺ نے

خواب میں دیکھا کہ بندر منبر نبوی پر بازی یعنی تماشہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر بنی امیہ سے منسلک ہے۔

حدیث ⑰ میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قبیلہ ثقیف کے تیروں نے ہمیں مار ڈالا ان کے لئے بددعا کریں آپ ﷺ نے فرمایا اے میرے رب قبیلہ ثقیف کو ہدایت وتوفیق اسلام عطا فرما۔

⑦ قبیلہ ثقیف میں ایک جلاد اور ایک کذاب کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی:

حدیث ⑮ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں انتہاء درجہ کا ایک جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک انتہا درجے کا مفسد اور ہلاکو۔

علماء فرماتے ہیں کہ کذاب سے مراد مختار بن عبید ہے اور مبیر سے مراد حجاج بن یوسف ہے چنانچہ فصل ثالث میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی تفصیلی روایت ہے کہ جس میں یہ ہے کہ حجاج نے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ کو اپنے پاس بلانے کے لئے کئی مرتبہ آدمی بھیجا لیکن وہ تشریف نہ لائیں تو حجاج خود ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے اللہ کے دشمن (نعوذ باللہ) یعنی ابن زبیرؓ کے ساتھ کیا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ تو نے اس کی دنیا برباد کی اور اس نے تیری آخرت برباد کردی پھر اپنے ذات النطاقین لقب پڑنے کی وجہ بیان فرمائی۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب ہوگا اور ایک جلاد۔ کذاب تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار بن عبید۔ رہا مفسد اور ہلاکو میرا خیال یہ ہے کہ وہ تو ہی ہے یہ سن کر حجاج وہاں سے چلا گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

⑧...... قبیلہ حمیر کی فضیلت:

حدیث ⑰ میں ہے کہ قبیلہ قیس کے ایک آدمی نے آکر نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ قبیلہ حمیر پر بددعا کردیں اور یہ درخواست کئی بار کی لیکن نبی کریم ﷺ ہر بار اس سے منہ پھیر لیتے۔ آخر نبی کریم ﷺ نے یہ دعا کی اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم کر۔ اور ان کی کوئی خوبیاں بیان کیں۔ ① ان کے منہ سلام ہیں یعنی وہ بکثرت ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ ② ان کے ہاتھ طعام ہیں یعنی وہ بکثرت اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ③ وہ اہل امن وایمان ہیں یعنی یہ لوگ کامل و پختہ ایمان کے حامل ہیں اور ہر قسم کی آفات ومصائب سے محفوظ ہیں۔

⑨...... قبیلہ دوس کا ذکر:

حدیث ⑱ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو انہوں نے عرض کیا یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ دوس سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے حیرت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ قبیلہ دوس میں کوئی ایسا شخص بھی ہوسکتا ہے جس میں نیکی اور بھلائی ہو گویا آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تعریف فرمائی اور ان کے قبیلہ

دوس کی مذمت فرمائی کہ سوائے ابو ہریرہؓ کے اس قبیلے میں کوئی بھلائی نہیں۔

قبیلہ دوس کے لئے ہدایت کی دعا:

حدیث ⑳ میں ہے کہ حضرت طفیل بن عمر دوسی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے یقین ہے کہ قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا یعنی اس قبیلہ کے لوگوں نے قبول اسلام اور اطاعت دین سے انکار کر کے خود کو ہلاکت و تباہی کا مستوجب بنالیا لہٰذا آپ ﷺ اس قبیلے کے لئے بددعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب مسلط کر دے لوگوں نے یہ سن کر خیال کیا کہ آنحضرت ﷺ اس قبیلے کے لئے بددعا کریں گے لیکن آپ ﷺ نے دعا فرمائی الٰہی قبیلہ دوس کو راہ راست دکھا اور اس قبیلے کے لوگوں کو مدینہ کی جانب لا یعنی ان کو قبول اسلام کے بعد ہجرت کی بھی توفیق عطا فرمایا یہ کہ ان کو اہل اسلام کے طور طریقوں کی طرف مائل فرما اور ان کے دلوں کو قبول اسلام کی طرف پھیر دے۔

⑩ ...... فضائل عرب:

اس باب کی بعض احادیث میں عرب کے مختلف فضائل بیان کئے گئے ہیں مثلاً عرب سے دشمنی نبی کریم ﷺ سے دشمنی ہے۔

حدیث ⑲ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے دشمنی نہ رکھنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ ﷺ سے دشمنی رکھوں حالانکہ آپ ﷺ کے ذریعہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم عرب سے دشمنی رکھو گے تو گویا مجھ سے دشمنی رکھو گے۔

عرب سے دغا بازی کرنے والا شفاعت سے محروم ہوگا:

حدیث ⑲ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اہل عرب سے فریب و دغا بازی کرے گا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ اس کو میری دوستی کی سعادت حاصل ہوگی۔

عرب سے محبت ایمان کی اور ان سے بغض کفر و نفاق کی علامت ہے:

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اہل عرب سے دوستی رکھنا ایمان ہے اور ان سے دشمنی نفاق ہے۔

طبرانی نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ قریش سے محبت کرنا ایمان ہے اور ان کے ساتھ بغض و عداوت رکھنا کفر ہے عرب سے دوستی رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے جس نے عرب سے محبت کی درحقیقت اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عرب سے بغض رکھا گویا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے قریش سے محبت کرو جس نے قریش سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فقراء و مساکین سے محبت رکھو اور ان میں بیٹھا کرو اور اہل عرب سے دلی محبت رکھو اور

چاہے کہ وہ برائیاں جو تم اپنے اندر پاتے ہو وہ تمہیں دوسروں کی عیب گیری سے روک دیں۔

عرب کے متعلق ایک پیشینگوئی:

حدیث ① میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت اہل عرب کا ہلاک ہونا ہے یعنی جب عرب دنیا سے اٹھ جائیں گے تو سمجھ لو قیامت آ کھڑی ہوئی ہے۔

عرب سے تین وجوہ سے محبت کرنے کا حکم:

حدیث ⑰ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عرب سے تین وجہ سے محبت کرو ایک تو اس وجہ سے کہ میں عرب میں سے ہوں (اور ظاہر ہے کہ جو چیز حبیب کی طرف منسوب ہوتی ہے اس کو محبوب ہونا چاہئے) دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور تیسرے اس وجہ سے کہ جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔

باب مناقب الصحابة رضي الله عنهم

صحابہ کرامؓ کے مناقب کا بیان

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مناقب، منقبت کی جمع ہے، منقبت کے معنی ہیں فضیلت، اور فضیلت اس اچھی خصلت وخصوصیت کو کہتے ہیں جس کے سبب اللہ کے نزدیک یا مخلوق کی نظروں میں شرف، عزت اور بلند قدری حاصل ہوتی ہے، ویسے اصل اعتبار اس شرف وعزت کا ہے جو اللہ کے نزدیک شرف وعزت ہو، مخلوق کی نظر میں حاصل ہونے والی عزت وشرف عارضی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا زیادہ اعتبار نہیں ہوتا، الا یہ کہ یہ عزت وشرف اللہ کے سامنے بلند قدری کا وسیلہ بنتی ہو، تو اس صورت میں اس کا بھی اعتبار ہوگا۔

پس جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص صاحب فضیلت اور بلند قدر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے فکر وعقیدہ، اعمال وکردار، اخلاص واخلاق کی بناء پر اللہ کے نزدیک بلند قدر ہے۔

انسان اس فضیلت وبلند قدری کی طرف کما حقہ اس وقت تک منصوب نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو، اور سلسلہ در سلسلہ نقل ہوتا ہوا ہم تک نہ پہنچا ہو۔

صحابی کس کو کہتے ہیں؟

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: محدثین کے ہاں "صحابی" اس مسلمان کو کہتے ہیں، جس نے حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہو۔ اور ایمان ہی کی حالت میں یعنی دین پر اس کا خاتمہ ہوا ہو، اگرچہ اس درمیان ارتداد بھی خلل انداز ہوا ہو۔

صحابی کو جاننے کا ذریعہ:

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں: جو بھی صحابی ہے، اس کا صحابی ہونا تواتر کے ذریعہ جانا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کا صحابی ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ یا خبر مشہور کے ذریعہ جانا جاتا ہے، یا کوئی صحابی اپنے غیر کے بارے میں بیان کرے کہ وہ صحابی ہے، یا خود صحابی اپنے بارے میں کہے کہ میں صحابی ہوں، بشرطیکہ وہ روایت کے سلسلہ معیار پر پورا اترتا ہو، اور عادل ہو، ویسے یہ بات ملحوظ رہے کہ کتاب وسنت اور اجماع معتبر سے واضح طور پر ثابت ہے کہ تمام صحابہ کرام عدول ہیں۔

افضلیتِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

شرح السنہ میں ابومنصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے، کہ ہمارے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں، اوران میں بھی ترتیب خلافت کا اعتبار ہے، یعنی سب سے افضل حضرت صدیق اکبر ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین، خلفاء اربعہ کے بعد پھر سب سے افضل وہ تمام صحابہ ہیں، جن کو عشرہ مشرہ کہا جاتا ہے، ان کے بعد اصحاب بدر ہیں، ان کے بعد اصحاب اُحد، ان کے بعد بیعت رضوان میں شریک صحابہ ہیں، ان کے بعد وہ انصار صحابہ جنہوں نے دونوں مرتبہ بیعت العقبۃ الاولی اور بیعۃ الاعقبۃ الثانیہ کے موقع پر مکہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔

اسی طرح وہ صحابہ جن کو سابقون الاولون کہا جاتا ہے۔اور جن کو دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا، ان صحابہ سے افضل ہیں، جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: کہ کون دوسری سے افضل ہے۔اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عدول، اہل فضل اور خیار صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں کوئی بھی ایسی بات کہنا جو مرتبہ صحابیت کے منافی ہو، اسی طرح ممنوع ہے، جس طرح دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ممنوع ہے۔

رہی یہ بات کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو باہمی نزاع ہوا، یا باہمی جنگ وجدال کی نوبت آئی، تو اس پر بحث وتمحیص کرنا اوراس سے کوئی نتیجہ نکال کر کسی کی تنقیص کرنا ہمارا مقام نہیں۔

وہ سارے معاملات ان کے اپنے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس نے ان معاملات میں نفسانی تقاضوں، یا دنیاوی اعراض کے تحت شرکت کی ہو۔وہ سب صحابہ اپنے اپنے موقف کے درست اور جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے، اوراپنی باہمی لڑائیوں وتنازعات کی تاویل کرتے تھے، چونکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجتہدانہ مقام ومرتبہ حاصل تھا، اور مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھنے کا حق رکھتے تھے، اس لئے ان کے ان تنازعات کی بناء پر ان میں سے کوئی عدول کے مرتبہ سے خارج نہیں ہوگا، اور نہ اس کی حیثیت ومقام میں کوئی نقص آئے گا۔کیونکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجتہدانہ مقام ومرتبہ حاصل تھا جیسا کہ ان کے بعد آئمہ مجتہدین کو مسائل میں مجتہدانہ مرتبہ حاصل رہا۔اہل سنت والجماع کا مسلک یہ ہے کہ ان کے بارے میں زبان کھولتے وقت محتاط رہا جائے، ان کے حق میں منہ سے وہی بات نکالی جائے جو تعریف اور بھلائی کی ہو۔

الفصل الاول :

صحابہ رضی اللہ عنہم پر زبانِ طعن دراز کرنے کی حرمت

۶۰۰۷: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ِالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۱/۷حدیث رقم ۳۶۷۳ واخرجه مسلم فی صحیحه ۱۹۶۷/۴حدیث رقم (۲۲۲-۲۵۴۱) وابو داؤد فی السنن۴۵/۵حدیث رقم ۴۶۵۸ والترمذی ۶۵۳/۵حدیث رقم ۳۶۸۱ و احمد فی المسند ۱۱/۳

ترجمه: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر اللہ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (وعن ابی سعید...... قال النبی ﷺ): ایک نسخہ میں بجائے لفظ ''نبی'' کے رسول اللہ منقول ہے۔ (لا تسبو اصحابی)۔

لا تسبُّوا کے مخاطب کون ہیں؟

علماء نے اس میں دو احتمال بیان کئے ہیں: ① اس کے مخاطب خود صحابہ میں سے بعض لوگ تھے۔

دلیل:

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک روایت میں اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے، کہ حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، حضرت خالد بن ولید نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو برا کہا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید وغیر حضرات کو خطاب کر کے فرمایا: کہ ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو''، پس میرے صحابہ سے وہ مخصوص صحابہ مراد ہیں، جو ان مخاطب صحابہ یعنی حضرت خالدؓ وغیرہ سے پہلے اسلام لائے تھے۔

② یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ''تم'' کے ذریعہ پوری امت کو مخاطب کیا گیا ہو، اور چونکہ نور نبوت نے پہلے ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ آگے چل کر میری امت ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہیں گے، ان کی شان میں گستاخی کریں گے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں احترام صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات کو پیدا کرنے کے لئے حکم دیا، کہ کوئی شخص میرے کسی صحابی کو برا نہ کہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والے کے بارے میں شرعی حکم:

شرح مسلم میں لکھا ہے: جاننا چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنا حرام ہے، اور سخت بڑے گناہوں میں سے ہے، ہمارا اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے، کہ جو کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہے اس کو سزا دی جائے، بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ میں سے کسی کو بھی برا کہنا گناہ کبیرہ ہے۔

احناف کا مذہب:

ہمارے علماء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جو شخص شیخین رضی اللہ عنہما (ابوبکر وعمر) کو برا کہے وہ مستوجب قتل ہے۔

مشہور کتاب الاشباہ والنظائر کی کتاب السیر میں لکھا ہے: جو بھی کافر اپنے کفر سے توبہ کرلے، اس کے لئے دنیا وآخرت میں معافی ہے، لیکن جو لوگ اس بناء پر کافر قرار پائے ہوں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا تھا، یا شیخین رضی اللہ عنہما یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو برا کہا تھا یا سحر کاری کا مرتکب ہوئے تھے، یا زندیقیت میں مبتلا تھے، پھر توبہ کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کرلیا گیا ہو، تو گرفتار کرنے کے بعد ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی، یعنی ان کو توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا، بلکہ قتل کردیا جائے۔

اسی طرح صاحب اشباہ علامہ زین ابن نجیم رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے، کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو برا کہنا، یا ان پر لعنت کرنا کفر ہے، جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دے وہ مبتدع ہے، صاحب خلاصہ نے بھی یہی حکم لکھا ہے۔

کتاب مناقب کردی میں لکھا ہے: جو شخص شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر ہو، اس کو کافر کہا جائے گا، اسی طرح وہ ان دونوں حضرات سے دلی بغض وعناد رکھے، تو بھی اس کو کافر کہا جائے گا، بایں سبب کہ اس نے ان ہستیوں سے قلبی بغض وعناد رکھا ہے، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی محبت تھی، ہاں اگر یہ صورت ہو کہ کوئی شخص نہ تو شیخین رضی اللہ عنہما پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہو، نہ شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر ہے، نہ ان دونوں سے بغض وعناد رکھتا ہے، نہ ان کو برا کہتا ہے، مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تئیں زیادہ پسندیدگی اور محبت رکھتا ہے، تو وہ محض اس بناء پر ماخوذ نہیں ہوگا۔

شیخین رضی اللہ عنہما کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

① شیخین رضی اللہ عنہما کی تخصیص کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان دونوں کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جس مخصوص طور سے منقول ہیں اس طرح سے کسی اور صحابی کے بارے میں منقول نہیں، آگے علیحدہ باب میں منقول احادیث سے ان شاء اللہ آپ کو خوب واضح ہوجائے گا۔

② یا وجہ تخصیص یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی خلافت پر مسلمانوں کا مکمل اجماع تھا، ان کی قیادت کو کسی طرف سے بھی چیلنج نہیں کیا گیا۔ ان کے برخلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دوسرے حضرات خلفاء کی خلافت پر اس درجہ کا اجماع نہیں ہوسکا تھا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے زمانہ میں بغاوت وخروج کا عمل ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم

(فلو...... ذھبًا): امام برقانی رحمہ اللہ نے اس جملہ کے ساتھ "کل یوم" کے الفاظ بھی زیادہ نقل کئے ہیں۔ (ما بلغ......

نصفی): حدیث کے اس جز سے مراد صحابہ کرام بلند بالا مقام و مرتبہ کا تعین کرنا ہے، کہ ان لوگوں کے کمال اخلاص وللّٰہیت کی بناء پر ان کا ایک چھوٹا سا نیک عمل اپنے بعد والوں کے اسی طرح کے بڑے سے بڑے نیک عمل پر بھاری ہے۔ مثلاً اگر ان صحابہ میں سے کوئی شخص سیر بھر یا آدھ سیر گندم یا جو خدا کی راہ میں خرچ کرے، تو اس عمل پر ان کے جتنا ثواب ملتا تھا اتنا ثواب ان کے بعد والوں کو اس صورت میں بھی نہیں مل سکتا، کہ اگر وہ اللہ کے راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دیں، اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ان کا ایک درہم کا خرچ کرنا آج کل کے ایک لاکھ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا تھا۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ اخلاص وصدق نیت اور جذبہ ایثار وللّٰہیت کا جو کمال ان کے اندر تھا وہ بعد والوں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ ان کا مال پاکیزہ ہوتا تھا۔ اور ان کی اپنی حاجتیں اس بات کا تقاضا کرتی تھیں، کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کریں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی استطاعت کے مطابق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کی راہ میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتے تھے، اپنی تمام ضرورتوں کو پس پشت ڈال دیتے، یہ ان کی راہ حق راہ خدا میں خرچ کرنے کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔

اسی پر قیاس کر کے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انتہائی سخت حالات میں اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کرنے اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے اور دیگر عبادات وطاعات کو پورا کرنے کے لئے ریاضیت ومجاہدہ کے جن سخت مراحل کو طے کیا، اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اس پر ان کو کیا اجر وثواب ملے گا، اور ان کے درجات کس قدر بلند ہوئے ہوں گے، جب کہ یہ خصوصیات ہمارے زمانے کے کسی شخص میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

کلمہ: مُدّ کی تحقیق:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: لفظ "مد" میم کے ضمہ کے ساتھ صاع کے چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں۔ نصیف بمعنی نصف ہے۔ جیسے شعیر بمعنی شعر، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نصیفه، ضمیر مجرور کا مرجع مد بنتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ نصیف ایک پیمانے کا نام ہے جو نصف مد وزن کے برابر ہوتا ہے، اس صورت میں ضمیر کا مرجع لفظ احد ہوگا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نصیف سے نصف حصہ مراد ہوتا ہے۔ یہاں نصیف سے نصف مدُ مراد ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے: یہ ایک مستقل پیمانہ ہے جو "مد" سے کچھ کم وزن کا ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ان انفاق کی فضیلت اور ان کی ذات وقعت کی وجہ سے ہے، نیز ان کا زمانہ بھی بہت بابرکت تھا، زمانے نے بھی ان کے ثواب کو بڑھانے میں بہت کردار ادا کیا، کیونکہ یہ نبوت والا زمانہ تھا۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾

تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے تھے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں

سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (ویسے تو) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی جنت) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے"۔

ویسے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ آیت مبارکہ میں قبل الفتح سے فتح مکہ سے پہلے کا زمانہ مراد ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وقت کے تقدیم وتاخیر کی وجہ سے اعمال کے ثواب میں اتنا تفاوت پڑ گیا تھا تو ہم کس باغ کی مولی ہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔

جن لوگوں نے اسلام کی قوت کے ظہور سے پہلے کہ ابھی تک لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، لڑنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا تھا، اللہ کے راستے میں خرچ کرنا تنگی کی وجہ سے مشکل تھا، اس وقت خرچ کیا ہو، ان کے ثواب کا کیا عالم ہوگا، کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے، یہ تو ان کی انفاق کے متعلق بات ہے ان کے ان مجاہدوں کا کیا ثواب ہوگا جو انہوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ مختلف مواقع میں کیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر ومنزلت اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تخصیص کے متعلق اس حدیث میں بہت کچھ بیان ہوا ہے، اور اس سے پہلے بھی۔ حدیث کا اصل مقصد ان لوگوں کو بدگوئی اور بدزبانی سے اجتناب کی تلقین وہدایت کرنا ہے، جن کو قبول اسلام میں سبقت کی فضیلت وبرتری حاصل ہے، اور جو اپنی اس فضیلت وبرتری کی بناء پر بعد والوں کے لئے یقیناً واجب التعظیم ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تکریم کرنے والے لوگوں کے اچھے الفاظ کو قرآن بنا کر نازل فرمایا، اور الفاظ سکھائے بھی۔ آیت ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (اور ان کے لئے' جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال)۔

تخریج: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابو سعید ہی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے، البتہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ علامہ ابو بکر برقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح سند سے بخاری ومسلم کی شرط پر روایت کیا ہے۔ خیثمہ بن سلیمان اور علی ابن حرب طائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے نقل کیا ہے: "**لا تسبوا اصحاب محمد فلمقام احدهم ساعة خير من عمل احدكم عمره**"۔ "اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا نہ کہو، درحقیقت ان کو اپنی عبادتوں کا وہ مقام حاصل ہے کہ ان کا ساعت بھر کا نیک عمل تمہارے پوری عمر کے نیک اعمال سے بہتر ہے۔"

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع اور اپنی دیگر کتب میں یہ حدیث نقل کی ہے، کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: "**اذا ظهرت الفتن او قال البدع، وسبت اصحابي فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين، لا يقبل الله له صرفًا ولا عدلًا**"۔ فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ ظاہر ہوں گے یا فرمایا کہ بدعتیں معرض وجود میں آئیں گی، جب فتنے ظاہر ہونے لگیں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دی جائیں تو ان علماء پر فرض ہے، جن کو

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق حقیقت کا علم ہے، وہ اپنے علم کو ظاہر کریں، یعنی اس کی اشاعت کریں۔ جو عالم اس طرح نہیں کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے، نیز قیامت والے دن ایسے عالم کی نہ توبہ قبول ہوگی، نہ فدیہ قبول ہوگا۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "**ما ظهر اهل بدعة الا اظهر الله فيهم حجة على لسان من شاء من خلقه**"۔ "جب بھی کوئی اہل بدعت پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اپنے مخلوق میں سے جس کو چاہے دلیل والی زبان عطا فرماتاہ (جوان متبدعین کے فتنہ کوز مین بوس کر دیتے ہیں۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ، محاعلی رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عویمر ابن ساعدہ سے مرفوع روایت کی ہے: "**ان الله اختارنی واختار لی اصحاباً وجعل لی فيهم وزراء وانصاراً واصهاراً فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجعمين ولا يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولا عدلاً**"۔ حضرت عویمرؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا، اور میرے لئے رفقاء بھی منتخب فرمائے، اور پھر ان رفقاء میں سے کچھ کو میرا وزیر، کچھ کو میرا مددگار اور کچھ کو میرا رشتہ دار بنایا، پس جس شخص نے ان کو برا کہا، اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ تو ان کی توبہ قبول کرے گا، اور نہ اس کا فدیہ، یا یہ کہ نفل اس کا مقبول ہوگا نہ فرض۔

علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الضعفاء میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: "**ان الله اختارنی واختار لی اصحاباً وانصاراً وسيأتی قوم يسبونهم ويستنقصونهم فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم**"۔ "اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا، اور میرے لئے میرے رفقاء اور انصار کو بھی منتخب فرمایا، عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو میرے ان رفقاء وانصار کو برا کہیں گے، اور ان کی تنقیص کریں گے، تم لوگ ان کے ساتھ مجالس ہرگز نہ کرنا اور نہ ان سے مشاورت کرنا، نہ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اور نہ ہی ان کے ساتھ نکاح کرنا۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انسؓ سے روایت فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا: "**وعوا لی اصحابی، فو الذی نفسی بيده لو انفقتم مثل احد ذهباً ما بلغتم اعمالهم**"۔ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ کی بات ہی نہ کریں، قسم ہے! اس ذات کی جس کی دست قدرت میں میری جان ہے، اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونہ اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو، تب بھی ان کے معمولی عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔

امام احمد، ابو داؤد، اور ترمذی نے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے: "**لا يبلغنی احد عن احدٍ من اصحابی شيأً فانی احب ان اخرج اليكم وانا سليم الصدر**"۔ میرے صحابہ آپ حضرات اس بات کا خاص اہتمام کریں کہ تم میں سے کوئی کسی کے بارے میں بری بات مجھ سے نہ کہے، کیونکہ مجھے تمہارے حق میں یہ بات پسند ہے کہ جب بھی میری ملاقات تم لوگوں کے ساتھ ہو، تو میرے دل میں کسی کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو، میرا دل بالکل صاف ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وجود امت کے لئے امن وسلامتی کا باعث تھا

۶۰۰۸: وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ

کَثِیْرًا مَا یَرْفَعُ رَأْسَهٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَآءَ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَتَی اَصْحَابِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ وَاَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتٰی اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۹۶۱/٤ حدیث رقم (۲۰۷-۲۵۳۱) ! فی المخطوطة (الوحی)۔

حضرت ابو بردہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ ﷺ اکثر (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور آپ نے اس دن فرمایا: ستارے آسمان کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں' جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آ جائے گی جو موعود ومقدر ہے۔ میں اپنے صحابہ ؓ کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہوں۔ جب میں (اس دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ ؓ کو ان فتنوں کا سامنا ہوگا جو مدعو د ومقدر ہیں اور میرے صحابہ میری اُمت کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں۔ جب میرے صحابہ ؓ (اس دنیا سے) رخصت ہو جائیں گے تو میری اُمت پر وہ چیز آ پڑے گی جو موعود ومقدر ہے۔'' (مسلم)

وعن ابی بردة عن ابیه: ابیه سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں۔ (قال): قال کا فاعل ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں۔ (**رفع یعنی النبی** ﷺ): **یعنی النبی** ﷺ یہ ابو بردہؓ کا قول ہے، اور فعل **یعنی** کی ضمیر فاعل کا مرجع لفظ ''ابیه'' ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ''رفع'' کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کو ذکر کرنے کے بجائے ضمیر ذکر فرمائی، یہ اس لئے فرمایا کہ آپ کا نام نامی ظاہر و باہر تھا اس لئے رفع کا معنی **رفع النبی** ﷺ ہی ہے، (**رأسه...... الی السماء**): آنحضرت کی عادت شریفہ تھی وحی کی انتظار و اشتیاق میں بار بار آسمان کی طرف نگاہیں اٹھایا کرتے تھے۔

علامہ طیبی ؒ لکھتے ہیں: جملہ ''**مما یرفع**'' میں ''من'' بیان کے لئے آیا ہے، یا یہ ''کان'' کی خبر ہے۔ اصل میں یوں تھا **کان کثیرا یرفع رأسه**، اور ''ما'' مصدریہ ہے۔ ۲ ''من'' کو زائدہ مانا جائے تو بھی جائز ہے۔ علی قاری ؒ فرما رہے ہیں یہ جملہ معترضہ ہے جو جملہ حالیہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔

لفظ **امنه**، ہمزہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ، امن کے معنی میں ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ یہ امن وسلامتی اور رحم کے معنی میں ہے، کچھ حضرات کہتے ہیں: **امنه، امین** کی جمع ہے، نگہبان ہونے کے معنی میں ہے کیونکہ امین کا معنی ہے محافظ ہونا، اس کو ایک شارح نے ذکر کیا ہے۔ علامہ طیبی ؒ لکھتے ہیں: اس حدیث سے آمنةً میم کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے، مشہور روایت امنة، یعنی فتحہ میم کے ساتھ امین یا آمن کی جمع ہے، بہرکیف **امن، امان، اَمَنَ اور امنةً**: سب کا ایک معنی ہے۔

(**الی السماء ما توعد**): **ما توعد** سے مراد قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا، ٹکڑے ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑنا ہے، اور ستاروں کے جانے سے مراد ان کا بے نور ہو کر چڑھ جانا ہے، یہ صاحب نہایہ کا قول ہے۔ (**انا امنة لا صحابی**): علامہ طیبی ؒ کہتے ہیں: لفظ **امنه**، کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی جائے تو اس میں دو وجوہ کا احتمال ہوتا ہے، ۱ **امنةً**، مصدر ہوتا ہے، جو کہ مبالغہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے **رجل عدل** کی مثال ہے۔ ۲ **امنة، جمعًا** (لشکر) کے معنی میں

ہوتا ہے، جمعاً کے معنی میں ہو تو یہ ارشاد باری: ﴿شهاباً رصداً﴾ کے قبیل سے ہوگا، کیونکہ رصداً، راصیدین چھوٹے لشکر کے معنی میں ہے، اسی طرح کا ارشاد ﴿ان ابراهیم کان امة قانتاً﴾ اس میں حضرت ابراہیم کو امت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔تو آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں پوری محافظ جماعت کے شمار فرمایا۔

(فاذا ذهبت...... یوعدون): یہاں یوعدون، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے موعود و مقدر چیز سے مراد فتنہ وفساد، اختلافات ونزاعات باہمی جنگ وجدال اور بعض اعرابی قبائل کا مرتد ہو جانا ہے۔ (واصحابی...... اصحابی): اصحابی سے جمیع صحابہ مراد ہیں، کہ جب صحابہ میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ (لتی...... ما یوعدون): امت کے لئے موعود و مقرر چیز سے مراد بداعتقادی و بدعملی کے فتنوں کا اُمڈ پڑنا، اہل خیر کا کم ہو جانا، اہل شر کی کثرت ہونا اور ان کا باقی رہنا پھر ان اہل شر پر قیامت قائم ہونا ہے۔

پس اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل خیر کا وجود شر کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب اہل خیر اٹھتے ہیں تو شر کو در آنے کا موقع مل جاتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا وجود آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے شر سے حفاظت کا مکمل ضامن تھا، کسی بھی معاشرے میں فتنہ کی ابتداء مختلف الذہن اور مختلف الخیال لوگوں کی باہی آویزش اور ایک دوسرے کے خلاف رائے رکھنے سے ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صورت حال یہ تھی کہ جب کسی بھی مسئلہ میں صحابہ کا باہمی اختلاف رائے ہوتا، تو آنحضرت ﷺ وہ پہلو بیان فرما دیتے، جو حقیقت کے مطابق ہوتا، اور تمام صحابہ اسی پر جم جاتے تھے، چنانچہ کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو صورت حال مختلف ہوگئی، صحبت رسول سے محروم مسلمانوں کی کثرت ہوتی گئی، خودرائی کا رجحان پیدا ہونے لگا، عام طور پر خودرائی کی بنیاد ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات ہوتی تھیں، اس لئے فتنے جنم لینے لگے، لیکن اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی، اور وہ لوگ اپنی ذاتی خواہش اور رجحان کو اہمیت نہیں دیتے تھے، بلکہ ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کے قول یا فعل یا دلالت حال سے استشہاد کرتے تھے، اور ذات رسالت پناہ کی صحبت ورفاقت کے انوار سے بھرپور تھے، اس لئے ان کا وجود بہرحال اتنا باعث خیر و برکت تھا کہ فتنوں اور برائیوں کے اندھیرے زیادہ پھیلنے نہیں پائے، لیکن جب ان صحابہ کا وجود بھی اس دنیا سے رخصت ہوگیا تو انوار و برکات میں بہت کمی آگئی، اور تاریکی کو بڑھنے پھیلنے کا موقع ملا۔

اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے ستاروں اور آسمان کی مثال کے ذریعہ پہلے سے بیان فرما دیا تھا، کہ جب ستارے قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے تو آسمان بھی ویران ہو جائے گا، اور تغیر پذیر ہوگا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انہی خوبیوں کے مالک ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے تشبیہ دی اور فرمایا: اصحابی کالنجوم جایهم اقتدیتم اهتدیتم''۔ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ (رواہ مسلم) امام احمد نے اپنی مسند میں بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برکات

۶۰۰۹: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ (متفق علیه وفی روایة لمسلم) قَالَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُبْعَثُ مِنْھُمُ الْبَعْثُ فَیَقُوْلُوْنَ انْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ فِیْکُمْ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُوْجَدُ الرَّجُلُ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّانِیْ فَیَقُوْلُوْنَ ھَلْ فِیْھِمْ مَنْ رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُفْتَحُ لَھُمْ بِہٖ ثُمَّ یُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّالِثُ فَیُقَالُ انْظُرُوْا ھَلْ تَرَوْنَ فِیْھِمْ مَنْ رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَکُوْنُ الْبَعْثُ الرَّابِعُ فَیُقَالُ انْظُرُوْا ھَلْ تَرَوْنَ فِیْھِمْ اَحَدًا رَاٰی مَنْ رَاٰی اَحَدًا رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُوْجَدُ الرَّجُلُ فَیُفْتَحُ لَہٗ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۷حدیث رقم ۳۶۴۹ومسلم فی صحیحه ۱۹۶۲/٤حدیث رقم (۲۰۹-۲۵۳۲) و احمد فی المسند ۷/۳

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور وہ (آپس میں) ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے۔ جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان صحابی رسول موجود ہیں) تو ان لوگوں کو فتح حاصل ہوگی پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے (جس کو تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تابعی موجود ہیں پس (تابعی کی برکت سے) انہیں فتح حاصل ہوگی پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے صحبت یافتہ حضرات کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ (جس کو تبع تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تبع تابعی موجود ہیں) پس (تبع تابعی کی

برکت سے) انہیں فتح حاصل ہوگی (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایسا آئے گا کہ اس وقت لوگوں میں سے ایک لشکر (دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے) بھیجا جائے گا وہ اہل لشکر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھو تمہارے درمیان رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی موجود ہے؟ (تلاش کرنے کے بعد) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک صحابیؓ موجود ہیں، پس (ان صحابی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک دوسرا لشکر (کسی دوسرے علاقہ کی طرف دشمنوں کے مقابلہ پر) بھیجا جائے گا اور پھر وہ اہل لشکر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھو، تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص یعنی تابعی موجود ہیں۔ پس (ان تابعی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک تیسرا لشکر روانہ کیا جائے گا وہ اہل لشکر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھو، تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے۔ جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایسے شخص موجود ہیں، پس (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک چوتھا لشکر روانہ کیا جائے گا اور وہ اہل لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھو تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے یا نہیں جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنے والے کسی شخص کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص موجود ہیں، تو (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی"۔

تشریح: (قال...... فیغزوا): فعل یغزوا، کو مذکر و مؤنث دونوں پڑھنا جائز ہے، یقاتل کے معنی میں ہے۔ (فئام): لفظ "فئام" حرف اول فاء ہے، جو کہ کسرہ کے ساتھ ہے، پھر ہمزہ، اس ہمزہ کو یاء سے بدلنا بھی جائز ہے، فئام سے مراد جماعت ہے، (ومن الناس): صاحب قاموس لکھتے ہیں، لفظ فئام کی واحد لفظاً نہیں آتی البتہ جمع کُتُب کے وزن پر فؤم آتی ہے۔ شرح مسلم میں ہے: (لفظ فئام، فاء کے کسرہ کے ساتھ پھر اس کے بعد ہمزہ)، جماعت کے معنی ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو یاء مخففہ کے ساتھ بلا ہمزہ کے ایک لغت ذکر فرمائی ہے، اور ایک اور لغت امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ سے فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی نقل کی ہے۔ لیکن "فاء" کی کسرہ والی لغت مشہور ہے۔

(فیقولون): ایک نسخہ میں جمع کے بجائے فیقال کا لفظ منقول ہے۔ (هل فیکم من صاحب رسول الله ﷺ): من، موصلہ ہے، اور صلہ صاحب ہے جو کہ فعل ماضی ہے، اور لفظ رسول اللہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک نسخہ میں یہ روایت من زائدہ کے ساتھ منقول ہے، اس اعتبار سے لفظ صاحب، اسم فاعل کا صیغہ ہوگا جو مضاف ہے، لفظ رسول اللہ کی طرف۔ (فیقولون...... لهم): لفظ یفتح مجہول کا صیغہ ہے۔ (هل...... رسول الله ﷺ): یہاں "من صاحب" میں "من" موصولہ ہی ہے۔ (فیقولون...... رسول الله ﷺ): دونوں جگہ یعنی "من صاحب من صاحب اصحاب" من، موصولہ ہیں۔ (فیقولون...... لهم): اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا ذکر تو ہے ہی کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی حقیقت کی پیشینگوئی فرمائی جو آپ ﷺ کے بعد تین چار قرون میں وقوع پذیر ہونے والی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس روایت میں آپ ﷺ کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین کی فضیلت کا باعث خیر و برکت ہونا بھی مذکور ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ روای شاذ ہے، کیوں کہ اکثر روایات میں صرف تین طبقوں کا ذکر ہے، یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین کا۔

(قال): قال کی ضمیر کا مرجع یا تو النبی ہے، یا ابوسعید، اگر ابوسعید مانا جائے، تب بھی یہ روایت مرفوع ہی ہوگی۔ (یأتی...... یبعث): فعل یبعث کے بعد جار مجرور یعنی "فیہ" کا لفظ محذوف ہے۔

(فیقولون...... فیھم): ایک نسخہ میں فیھم کے بجائے ھل فیکم کے الفاظ ہیں۔ (من رأی اصحاب النبی): ایک نسخہ میں لفظ النبی کی جگہ رسول اللہ کے الفاظ ہیں۔ لفظ اصحاب سے پہلے "من" تبعیضیہ محذوف ہے۔ (فیوجد): بعض نسخوں میں وھو یوجد کے الفاظ منقول ہیں۔ (اصحاب...... الرابع): لفظ لجت مصدر ہے۔ اور مضاف ہے، لفظ رابع کا، موصوف محذوف ہے، اصل میں یوں ہے بعث البعث الرابع، یہاں بعث: سے مراد جیش معبوث ہے۔

ایک نسخہ میں فیفتح لہ کے بجائے فیفتح لھم کے الفاظ منقول ہیں، قرن رابع میں اہل خیر کی بہت قلت ہوگئی تھی، اس لئے اکثر روایات میں قرون ثلاثہ کا ذکر ہے، کیونکہ ان تین قرون میں اہل علم اور اہل اصلاح کی بہت کثرت رہی ہے۔ اہل بدعت وفساد کی تعداد کم رہی ہے، چنانچہ مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے:"خیر الناس القرن الذی انا فیہ ثم الثانی ثم الثالث"۔ سب سے بہترین میرا زمانہ ہے، پھر دوسرا (یعنی صحابہ) کا پھر تیسرا (یعنی تابعین) کا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:"خیر الناس قرنی ثم الثانی ثم الثالث ثم یجیء قوم لا خیر فیہ"۔ بہترین لوگ وہ ہیں، جو میرے زمانے میں ہیں، پھر دوسرے زمانہ کے لوگ، پھر تیسرے زمانے کے لوگ اور (پھر جو قوم) آئے گی، اس سے پہلے زمانے جیسے بہترین لوگ نہیں ہوں گے۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے جعدۃ بن ہبیرۃ سے روایت نقل کی ہے:"خیر الناس قرنی الذین انا فیھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم والاٰخرون أراذل"۔ سب سے بہترین میرے زمانے کے لوگ ہیں (جس میں میں ہوں) پھر جو لوگ ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد پھر وہ لوگ ہیں، جو ان کے بعد ہیں، ان کے بعد والے اس سے پہلے والے زمانے جیسے بہترین لوگ نہیں ہوں گے، بلکہ ارذال ہوں گے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے:"خیر امتی اوّلھا وآخرھا اولھم فیھم رسول اللہ وآخرھم فیھم عیسی بن مریم وبین ذلك ھمج اعوج ولیسو منی ولا انا منھم، ادرکونی"۔ میری امت کے بہترین لوگ شروع (حصہ) اور آخر (حصہ) کے لوگ ہوں گے، اول سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی صحابہ، اور آخر سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت ہوں گے، ان کے درمیان بے وقوف اور اعوج لوگ ہوں گے، نہ وہ مجھ میں سے ہیں، اور نہ ہی میں ان میں سے ہوں۔

۶۰۱۰: وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ اُمَّتِىْ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَ هُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيُنْذِرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ وَفِىْ رِوَايَةٍ وَيَحْلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ. (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳/۷حدیث رقم ۲٦٥٠ومسلم فی صحیحه ۱۹٦٤/٤حدیث رقم (۲۱٤-۲۵۳۵) وابو د اود فی السنن ٤٤/٥حدیث رقم ٤٦٥۷ والترمذی فی السنن ٦٥۲/٥حدیث رقم ۳۸٥۹۔

ترجمہ: ''حضرت عمران ابن حصین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ''میری اُمت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں۔ پھر وہ لوگ جوان کے بعد آئیں گے (یعنی تابعی) اور پھر وہ لوگ جوان کے بعد آئیں گے اور پھران کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی طلب کئے بغیر گواہی دیں گے وہ خیانت کریں گے اوران کی دیانت وامانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ وہ جو نذر مانیں گے اوراپس نذر کو پورا نہیں کریں گے اوران میں موٹا پا فربہی نمایاں ہوگی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو (بلا ضرورت و بلا وجہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان کو قسم نہیں دلائی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے: صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو بالترتیب فضیلت حاصل ہے۔

قرن کی تحقیق:

النہایہ میں ہے: قرن، عہد یا زمانہ کو کہتے ہیں۔ قرن کا اطلاق ماہ وسال کے تعین کے اعتبار سے محدود عہد یا زمانہ پر نہیں ہوتا، بلکہ ہر عہد وزمانہ قرن کہلاتا ہے، جو تقریباً یکساں عمر رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہو۔ بعض حضرات نے اس کی مقدار چالیس سال، بعض نے اسی سال اور بعض نے سو سال مقرر کی ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: قرن، قرن یقرن (ضرب) سے مصدر ہے، مطلقاً زمان کو کہا جاتا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ''قرن'' کا اطلاق ماہ وسال کے تعین کے اعتبار سے محدود نہیں ہوتا۔

پس آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قرن سے مراد صحابہ کا قرن ہے، اس قرن کی ابتداء زمانہ رسالت سے ہوتی ہے، اوراس کا آخر وہ زمانہ ہے کہ جب تک ایک صحابی بھی دنیا میں باقی رہا، یعنی ۱۲۰ھ تک۔ دوسرا قرن تابعین کا قرن ہے، جو ۱۰۰ھ سے ۱۷۰ھ تک کے زمانے پر مشتمل ہے، اور تیسرا قرن اتباع تابعین کا قرن ہے، جو تابعین کے قرن کے بعد سے شروع ہو کر تقریباً ۲۲۰ھ تک کے عرصہ پر مشتمل ہے، اس قرن کے بعد مخصوص خیر وبرکت کا سلسلہ ختم ہوگیا، جو قرن اول، قرن ثانی اوراس سے ملے ہوئے دونوں قرون کو زمانی قرن کی نسبت سے کم حاصل رہے، اس کے بعد بدعتوں کا ظہور شروع ہوگیا۔ معتزلہ نے جنم لیا، فلاسفہ اور نام نہاد عقلاء نے سر اٹھایا، ان لوگوں نے دین کو مسخ کرنے کے بیڑہ اٹھایا۔ پھر قرآن کو مخلوق کہنے کا فتنہ اٹھا، جس نے اہل علم کو زبردست امتحان سے دوچار کیا، لوگوں کی دینی زندگی کو گھن لگنے لگا۔ نت نئے افکار وخیالات جنم لینے لگے۔ اختلافات ونزاعات پھیلنے لگے، آخرت کا خوف کم ہوا، دنیا کی طرف رجحان بڑھنے لگا، احکام شریعت اور سنت کی اتباع میں اس قدر خلل ونقصان پڑا کہ اخلاقی زندگی مجروح ہونے لگی، اور لوگوں کا وہ حال ہونے لگا کہ جس کی خبر آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ثم یفشوا الکذب، کہ جھوٹ عام ہوجائے گا' کے الفاظ سے دی تھی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں لفظ ''ثم'' بمنزل اس فاء کے ہے، جو مثال الافضل فالافضل میں ہے۔ یعنی

نزول خیر و برکت کے لحاظ سے رتبہ میں تراخی کو بیان کر رہی ہے، لیکن افضلیت میں ان کا اشتراک ضرور ہے، اس کی انتہاء ایسی حد میں پہنچتی ہے، کہ جہاں اشتراک اپنے اپنے قرن کے لحاظ سے تقسیم ہوکر اپنے موصوف کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے، کہ ان کے بعد آنے والے لوگ اس فضیلت میں داخل نہیں ہو سکتے، جن کا ذکر آگے شروع ہے۔

ایک شارح لکھتے ہیں: مصابیح کے اکثر نسخوں میں ثم ان بعدکم کے الفاظ ہیں جو کہ ٹھیک نہیں، ٹھیک الفاظ ثم ان بعدھم قومًا یشھدون ہیں۔للیستشھدون، صیغہ مجہول کے ساتھ، معنی ہے: حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے ولا یشھدون کے شروع میں جو''واؤ'' ہے، واؤ عاطفہ ہو، جیسے آنے والے جملوں میں ہے۔

حاصل یہ ہے: یہ لوگ گواہی طلب کرنے سے پہلے ہی گواہی دیں گے۔ استشہاد سے قبل گواہی دینا مذموم ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

حدیث کے ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینا ایک بری حرکت ہے، جب کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے، کہ گواہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی دے، اس سے پہلے کہ اس سے گواہی کی درخواست کی جائے۔

بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، لیکن درحقیقت ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی ظاہر کرنے والی حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ فلاں واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے، لیکن اس کے باوجود صاحب معاملہ (یعنی مدعی) نہ تو اس سے گواہی دینے کی درخواست کرتا ہے، اور نہ اس کو عدالت میں بطور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ شخص از خود (بغیر طلب) گواہی دیتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کی گواہی کے کوئی معنی تو ہوگا نہیں، البتہ یہ ضرور ثابت ہوگا کہ وہ اس گواہی کے پردہ میں کوئی فاسد غرض رکھتا ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ صورت ہے کہ ایک شخص کسی واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے، لیکن اس کا گواہ ہونا صاحب معاملہ کو معلوم نہیں، وہ دیکھ رہا ہے کہ اگر میں نے گواہی نہ دی، تو ایک مسلمان بھائی کا حق ڈوب جائے گا، یا اس کو بلاوجہ کوئی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس جذبہ خیر کے ساتھ وہ صاحب معاملہ کو بتاتا ہے کہ میں اس واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہوں، اور اگر تم چاہو تو تمہاری طرف سے عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے سکتا ہوں۔ بغیر طلب گواہی دینے والا ایسا شخص یقینًا قابل تعریف ہوگا، اس کے ساتھ اس حکم میں وہ شخص بھی ملحق کیا جائے گا کہ جس کے پاس حدود کے متعلق کوئی گواہی ہو اس کے چھپانے میں مصلحت ہو۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے: کہ حدیث کا مطلوب حقوق اللہ سے متعلق گواہی دینا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے، جب کہ گواہی کو چھپانے میں کوئی مصلحت نہ ہو، اور دوسری حدیث' حدیث حقوق العباد سے متعلق ہے، یعنی حقوق اللہ میں بغیر طلب کے گواہی دینا ممدوح ہے جب کہ حقوق العباد میں مذموم۔

(ویخونون ولا یؤتمنون): یخونون کہنے کے بعد دوبارہ ولا یؤتمنون کہنا یا تو تاکیداً ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جب ان لوگوں کے پاس امانتیں رکھوائی جائیں گی، تو وہ اس میں خیانت کریں گے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خیانت و بددیانتی میں وہ اس قدر جری اور مشہور ہو جائیں گے، کہ لوگ ان کو امانت دار اور دیانت دار ماننا ہی چھوڑ دیں گے۔ ہاں اگر کسی سے کبھی کبھار کوئی حقیر چیز میں خیانت سرزد ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔

(وینذرون ولا یوفون): ینذر، نصر اور ضرب دونوں سے آتا ہے، یعنی صرف یہ کہ نذر پوری نہیں کریں گے، بلکہ اس بات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیں گے کہ نذر مان کر اس کا پورا نہ کرنا کتنی بری بات ہے۔ حالانکہ نذر پوری کرنا لازم ہے۔ اور اللہ کے جو نیک بندے اس پر عمل کرتے ہیں، ان کی تعریف قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے: ﴿یوفون بالنذر ویخفافون یومًا کان شرہ مستطیرًا﴾ [نوح:۷] (اللہ کے نیک بندے) نذر پوری کرتے ہیں، اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا او فوا بالعقود﴾ اس آیت میں بھی ایمان، نذر، اور عہد و پیماں کو پورا کرنے کا حکم ہے۔ (ویظھر فیھم السمن): لفظ سمن، سین کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ سمن (یعنی نصر اور ضرب) کا اس کا اسم فاعل سامن اور سمین آتا ہے۔

صاحب نہایہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ پیشینگوئی ہے کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ آئیں گے جو فخر و شیخی کی راہ سے اپنے تئیں مالدار اور خوشحال ظاہر کریں گے، اور عزت و شرف کی ان باتوں کا دعویٰ کریں گے جو سرے سے ان میں نہیں ہوں گے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں "فربھی" اور موٹاپے سے مراد مال و دولت جمع کرنا اور تن پروری میں مشغول رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں: مراد یہ ہے کہ بہت کھانے پینے اور تنعم و ترفہ کے سبب موٹاپا پیدا ہوگا، پس یہاں وہ موٹاپا مراد نہیں جو خلقی اور طبعی طور پر ہو۔

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ان میں فربہی پیدا ہوگی) کے الفاظ دراصل اس بات سے کنایہ ہیں کہ دینی معاملات اور احکام کی بجا آوری میں غفلت و کوتاہی کا شکار ہوں گے، اور اوامر و نواہی کو ملحوظ رکھنے کا وہ اہتمام نہیں کریں گے، جو دین و شریعت کے اصل تقاضے ہیں۔ اس بات کو فربہی سے تعبیر کرنے کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ عام طور پر موٹے لوگ سست و کاہل ہوتے ہیں، محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں، نفس کو ریاضت میں ڈالنے سے کتراتے ہیں، اور ان کا زیادہ تر اہتمام نفس کی لذت کوشی، تن پروری اور راحت و آرام کے ساتھ اپنے بستروں پر پڑے رہنے تک محدود رہتا ہے۔

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ علماء نے وضاحت کی ہے کہ وہ فربہی مذموم ہے جو عیش و تنعم کے ذریعہ قصداً پیدا کی جائے، خلقی و طبعی فربہی مذموم نہیں، نہ اس پر اس طرح کی روایتوں کا اطلاق ہوتا ہے، اس وضاحت سے اس روایت کے معنی بھی واضح ہو جاتے ہیں، جس میں فرمایا گیا ہے کہ "ان اللہ یبغض الحبر السمین"۔ کہ اللہ تعالیٰ فربہ (موٹے) عالم کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

۶۰۱۱: وَفِی رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ثُمَّ یَخْلُفُ قَوْمٌ یُحِبُّوْنَ السَّمَانَةَ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٦٣/٤ حديث رقم (٢١٣-٢٥٣٤) ! احمد في المسند ٣٧٨/١ والبخاري في صحيحه ٣/٧ حديث رقم ٣٦٥١ و مسلم ١٩٦٣/٤ حديث رقم (٢١٢-٢٥٣٢) والترمذي ٢/٥ ٦٥ حديث رقم ٣٨٥٩ ! الترمذي في سنة ٤٧٥/٤ حديث رقم ٢٣٠٢ والحاكم في المستدرك ٤٧١/٣۔

ترجمہ: ''اور مسلم کی ایک روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ ''پھران لوگوں کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو موٹاپے کو یعنی فربہی کو پسند کریں گے''۔

تشریح: (وفی روایة لمسلم عن ابی هريرة: ثم يحلف): کلمہ یحلف، لام کے ضمہ کے ساتھ (نصر ینصر سے ہے) مطلب یہ ہے کہ ان محمود صفات والے لوگوں کے بعد یا ان کے پیچھے ایسے لوگ آئیں گے جو ''يحبون السمانة'' (موٹاپے کو پسند کریں گے)۔لفظ السمانة، سین کے ضمہ کے ساتھ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں: **''خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجيئ اقوام تسبق شهادة احدهم يمينه ويمينه شهادته''**۔ سب سے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر ایسی اقوام آئیں گی کہ جن کی گواہی سے قسم پہلے ہوگی، اور گواہی قسم سے پہلے ہوگی۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: **''خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يأتى من بعدهم قوم يتسمنون ويحبون السمن يعطون الشر مادة قبل ان يسألوهم''**۔ سب سے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں، پھران کے بعد وہ جو ان کے قریب ہوں، ان کے بعد وہ جو ان (تابعین) کے قریب ہوں گے، پھران کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو موٹے ہوں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے وہ گواہی طلب کرنے سے پہلے ہی گواہی دیتے پھریں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکریم وتعظیم لازم ہے

الفصل الثانی:

۶۰۱۲: عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرِمُوْا اَصْحَابِىْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكِذْبُ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ اَلَا مَنْ سَرَّهُ بُحْبُوحَةُ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَمِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَآءَ تْهُ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

(رواه النسائى واسناده صحيح ورجاله الصحيح الا براهيم ابن الحسن الخثعمى فانه لم يخرج عنه الشيخان وهو ثقة ثبت)

أخرجه الترمذى فى السنن بنحوه ٤٠٤/٤ حديث رقم ٢١٦٥ و احمد فى المسند ٢٦/١ ! الحاكم فى المستدرك ١٤/١ و احمد فى المسند ٢٥٢/٥ وابن ماجه حبان ٢٠١/١ حديث رقم ١٧٦ ! ذكره السيوطى فى الجامع الصغير ٢٩/٢ ٥ حديث رقم ٨٧٥١ !۔

ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کرو' کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان (تابعین) کے بعد آئیں گے یعنی تبع تابعین اور اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی بغیر مطالبہ کے قسم کھائے گا اور بغیر گواہی طلب کئے گواہی دے گا یاد رکھو' جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ اسے جنت کے بالکل درمیان (کہ جو جنت کی بہترین جگہ ہے) وہاں جگہ ملے تو اس کو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی بن جاتا ہے (جو خود رائے ہوتا ہے اور جماعت سے) علیحدہ وتنہا ہوتا ہے۔ شیطان تو دو شخصوں سے بھی (جو اجتماعیت واتحاد کے ساتھ ہوں) دور بھاگتا ہے اور کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے' کیونکہ ان کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے (جو ان دونوں کو بہکانے سے ہرگز نہیں چوکے گا) نیز جس شخص کو اس کی نیکی خوشی واطمینان بخشے اور اس کی بدی اس کو غمگین ومضطرب کر دے وہ مؤمن ہے''۔

تشریح: (اکرموا اصحابی): سابقین، لاحقین، احیاء واموات سب کا اکرام کرو۔ یہاں خطاب پوری امت کو ہے۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گی جیسا کہ ایک اور روایت میں بھی ہے۔ (حتی ان الرجل): لفظ ''ان'' ہمزہ کے فتحہ وکسرہ ہر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (لیحلف): لیحلف میں لام تاکید ہے۔ (ولا یستحلف ویشهد): جملہ یشهد کا عطف یحلف، یا لیحلف پر ہے، (ولا یستشهد) الا: لفظ الا تنبیہ کے لئے ہے۔ (من سره): سر، احب، کے معنی میں ہے۔ (بحبوحة الجنة): لفظ بحبوحة، دونوں باء کے ضمہ کے ساتھ بحبوحه، جنت کے درمیانی مقام کا نام ہے جو جنت کی بہترین جگہ ہے۔ (فلیلزم الجماعه): جماعة سے امت کا سوادِ اعظم یعنی اکثریت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دینی وملی مسائل ومعاملات میں انہی اصول وتعلیمات کو رہنما بنایا جائے، جو جمہور صحابہ وتابعین اور سلف صالحین سے منقول ہیں، اور انہی کی متابعت اختیار کی جائے۔ معلوم ہوا اس حکم میں صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کی محبت اور ان کی تعظیم وتوقیر بھی شامل ہے۔ (وان الشیطان مع الفذ): لفظ ''فذ'' فاء کے فتحہ اور ذال معجمہ کی تشدید کے ساتھ یہ فرد کا مقارن ہے۔ یعنی صحابہ وتابعین وسلف صالحین حضرات سے صرف نظر کر کے خود رائے بننے والا' ایسا شخص شیطان کا کھلونا بنتا ہے۔ (وهو): ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے۔ (من الاثنین ابعد): ابعد، بعید کے معنی میں ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: لفظ ابعد، یہاں محض زیادتی کے لئے ہے۔ اگر افعل ثلاثہ کے ساتھ ہو تو بمعنی تفضیل ہوگا۔ کیونکہ لفظ بعد عدد اثنین اور ثلاثه میں مشترک ہے۔ یہ نہیں ہے کہ لفظ اثنین میں تو پایا جاتا ہے، ثلاثه میں نہیں۔ لفظ فذ کے معنی میں تو کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ جس کو بیان کیا جائے۔ (ولا یخلون رجل): یہ نہی تاکید وتشدید کے لئے ہے۔ (وساته سیئته): اور بدی وجود میں آئے تو رنجور ونا خوش ہو یہ مؤمن کامل کی علامت ہے۔ (فهو مؤمن): سے کمال ہی مراد ہے، کیونکہ منافق قیامت پر یقین نہیں رکھتا اس کے نزدیک نیکی اور بدی برابر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا یستوی الحسنة ولا السیئة﴾، نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔

(رواه): مصنف رحمہ اللہ نے یہاں بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ لفظ نسائی لگا دیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، البتہ اس کی سند میں ابراہیم بن حسن خثعمی ہیں، بخاری ومسلم اس کی روایت کو نہیں لیتے۔

امام جزری رحمہ اللہ نے اس کو ثقہ اور ثبت کہا ہے بہر کیف یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہے یا حسن ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں، اسی طرح طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی اور ضیاء سب ہی حضرات نے حضرت ابوامامۃ سے مرفوعاً روایت نقل کیا ہے: "اذاسرتك حسنتك، وسأتك سيأتك فانت مؤمن"۔ جب تجھے نیکی کرنے سے خوشی محسوس ہو اور بدی کرنے سے غم اور اضطراب ہو، تو سمجھ لے تو مؤمن ہے (یعنی تجھ میں ایمان کا احساس ہے)۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ سے نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: "من سرته حسنته وسائته سيئته فهو مؤمن"۔ کہ جس شخص کو اس کی نیکی خوش کرے، اور اس کی بدی غمگین کرے، وہ مؤمن ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کی فضیلت

۶۰۱۳: وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِيْ اَوْرَاى مَنْ رَآنِي۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٥١/٥ حديث رقم ٣٨٥٨ ! ذكره السيوطی فی الجامع الصغير ٣٢٧/٢ حديث رقم ٥٣٠٥

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس مسلمان کو (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہوگا یا اس شخص کو دیکھا ہوگا جس نے مجھ کو دیکھا"۔ (ترمذی)

تشریح: ضیاء مقدسی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن فرمایا ہے۔

عبد ابن حمید نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عساکر نے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "طوبى لمن رأني ولمن رأى من رأني ولمن رأى من رأى من رأني"۔ خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مجھے دیکھا، یعنی صحابہ۔ اور ان لوگوں کو جنہوں نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا، یعنی تابعین اور ان لوگوں کو جنہوں نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنے والوں کو دیکھا (یعنی تبع تابعین)۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن بسر سے یہی روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: "طوبىٰ لمن لم دأني وآمن بى وطوبىٰ لمن رأى من رأني ولمن رأني من رأى من رأني وآمن بى طوبىٰ لهم وحسن مأب"۔

ایک شاعر کہتا ہے:

استنشق الأريا من نحو ارضكم
لعلي اراكم او أرى من يراكم

خوشبوئیں تمہاری زمین کی طرف سے پھوٹ پڑی ہیں، شاید میں تمہیں دیکھ لوں، یا ان کو دیکھ لوں جو تمہیں دیکھیں گے۔

یوں لگتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں آپ کی زیارت سے محروم ولوگوں کو تسلی دی ہے کہ جب آنحضرت

ﷺ نے احساس فرمایا، کہ صحابہ وتابعین کے بارے میں بشارت دیکھ کر وہ مسلمان جن کو نہ بارگاہ رسالت کی حاضری وصحبت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور نہ رؤیت صحابہ سے مشرف ہوئے ہیں، اپنی محرومی پر دگر گوں ہوں گے، تو آپ ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: ''طوبٰی لمن رأنی وامن بی وطوبٰی لمن لم یرأنی وآمن بی''۔

کہ مبارک ہو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لائے اور مبارک ہو ان لوگوں کو بھی جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا، پھر بھی مجھ پر ایمان لائے۔ اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا۔

علامہ طیالیسی اور عبد ابن حمید نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت نقل کیا ہے، اس میں بھی آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا ہے: ''طوبٰی لمن رأی وآمن بی وطوبٰی لهم طوبٰی ثم طوبٰی لمن آمن بی ولم یرأنی''۔ اس میں بھی وہی الفاظ ہیں، البتہ لفظ طوبٰی، تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید سے نقل کیا، اس میں بھی فرمایا: ''طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ مَرَّةً وَطُوْبٰی لِمَنْ لَّمْ یَرَنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔'' یعنی خوشحالی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لائے ایک مرتبہ اور خوشحالی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لائے سات مرتبہ۔

اس حدیث میں لمن رأی کے بعد وآمن لی مرۃ اور آخر میں وآمن بی سبع مراتٍ کے الفاظ زیادہ ہیں۔

اسی طرح امام احمد نے مسند میں، اور امام بخاری نے تاریخ میں اسی طرح ابن حبان رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ وغیرہ تمام حضرات نے حضرت ابو امامہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو امامہؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کی سند سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

حاصل یہ ہے: بسا اوقات مفضول میں وہ خوبی پائی جاتی ہے، جو فاضل میں نہیں ہوتی، جیسا کہ ان احادیث میں بیان ہوا، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان بالاعیان تھا، جنہوں نے وحی کو اترتے سنا، آپ کے معجزات دیکھے، جب کہ بعد والوں کا ایمان بالغیب ہے، اس لئے ان کی اس خوبی پر آنحضرت ﷺ نے مبارک باد دی، اور خوشخبری سنائی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض اللہ کے نبی ﷺ سے بغض ہے

۶۰۱۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشَكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۵۳/۵ حدیث رقم ۳۸۶۲ و احمد فی المسند ۸۷/۴۔

ترجمہ: '' حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (پوری امت کو خطاب کر کے) ارشاد فرمایا: '' میرے صحابہؓ کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد تم

ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کونشانہ نہ بنانا (یاد رکھو) جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے' تو وہ میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ تو وہ مجھ سے دشمنی کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے اور جس شخص نے انہیں اذیت پہنچائی اس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے گویا خدا کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے خدا کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ خدا اسے پکڑ لے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: (اللہ اللہ): دونوں لفظ جلالہ منصوب ہیں، کیونکہ یہ مفعول ہے، فعل اتقوا محذوف کا۔ اصل میں یوں ہے: **اتقوا اللہ ثم اتقوا اللہ**۔ (**فی اصحابی**): لفظ "فی" کا مجرور حقھم، یہاں محذوف ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں اللہ سے ڈرنے کا مفہوم یہ ہے، کہ ان کی عزت وتوقیر کی جائے، ان کی عظمت وفضیلت کو ہر حالت میں ملحوظ رکھا جائے، اور صحبت رسول کا جو بلند ترین مقام ان کو حاصل ہے، اس کا حق اداء کیا جائے، یا یہ مطلب ہے: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم انہیں برا مت کہیو، ان کی حق تلفی نہ کرو بلکہ ان کی تعظیم وتکریم وتوقیر کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مشفق باپ اپنی اولاد کے متعلق کسی کو یوں کہے: **اللہ اللہ فی حق اولادی**، میرے اولاد کے حق میں اللہ سے ڈرو، یعنی ان کی حق تلفی نہ کرو۔ یہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یا یہ مطلب ہے: کہ ان کی مخالفت سے بچنا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حق تلفی کر کے میری شفاعت سے محروم نہ ہو جانا۔

(**لا تتخذوھم غرضاً من بعدی**): مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف بدگوئی کے تیر مت پھینکو، ان کی عظمت کے منافی کوئی بات زبان سے نہ نکالو، ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی سے پرہیز کرو۔ لفظ غرضاً غین معجمہ اور راء کے ساتھ کلام قبیح کے ہدف کو کہتے ہیں۔ (**فمن احبھم فبحبی احبھم**): اس کے دو مطالب ہو سکتے ہیں: ① ان کو دوست رکھنے والا اس سبب سے دوست رکھتا ہے کہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلب یہ لکھا ہے: ② کہ ان کو دوست رکھنے والا اس سبب سے دوست رکھتا ہے کہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں، یہ مطلب اگلے جملے کے سیاق میں زیادہ موزوں ہے۔

(**ومن ابغضھم...... ابغضھم**): معنی یہ ہے: میں ان سے اس لئے محبت رکھتا ہوں، کہ وہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اور بغض رکھنے والوں سے اس لئے بغض رکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں، بواسطہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھنے کے، **العیاذ باللہ من ھؤلاء الشیطان**۔

مالکیہ نے خوب لکھا ہے: کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دے انہیں قتل کرنا واجب ہے۔

(**ومن آذاھم فقد آذانی**): یہاں تکلیف سے حکماً تکلیف مراد ہے۔ (**ومن...... اذی اللہ**): اس کی نظیر یہ آیت ہے: ﴿**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**﴾۔

(**ومن...... ان یأخذ**): یعنی اللہ اس کو دنیا یا آخرت میں سزا دے گا، شاید یہ الفاظ آیت مبارکہ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا [الاحزاب] سے ماخوذ ہے۔ "بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان لانے والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، ایذاء پہنچاتے ہیں، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔"

(رواہ..... غریب)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغیر امت کی مثال

۶۰۱۵: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْ اُمَّتِیْ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ لَا یَصْلُحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَھَبَ مِلْحُنَا فَکَیْفَ نَصْلُحُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ٧٢/١٤ حدیث رقم ٣٨٦٣۔

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے درمیان میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کھانا اس وقت تک اچھا یعنی خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک اس میں نمک نہ ہو"۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے (اس حدیث کو سن کر) فرمایا ہمارا نمک جاتا رہا پھر ہم کیسے سنور سکتے ہیں۔ اس روایت کو بغوی رحمہ اللہ نے (اپنی اسناد سے) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے (اسی طرح ابو یعلی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے۔"

تشریح: (وعن انس..... "الا بالملح"): **لا یصلح الطعام الا بالملح**، یہ جملہ وجہ تشبیہ میں انتہائی واضح مثال ہے کیونکہ تشبیہ کے لئے من کل الوجوہ اتحاد ضروری نہیں، کہ کہا جا سکے نمک کا زیادہ ہونا کھانے کو خراب کر دیتا ہے، چنانچہ علماء نحو علم نحو کے متعلق کہتے ہیں: **النحو فی الکلام کالملح فی الطعام**۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھانا بغیر نمک کے لذیذ نہیں ہوتا، ایسا ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغیر امت کامل نہیں۔

(**فقد ذھب ملحفا فکیف نصلح؟**): حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سن کر اپنا جو تاثر بیان کیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ امت کے درمیان صحابہ کا وجود چونکہ امت کے بناؤ اور سوارنے کا ضامن تھا، اس لے اب جب کہ صحابہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، یہ کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ ہم اچھے سنورے ہوئے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس حسرت آمیز قول کو نقل کرنے کی بڑی عارفانہ بات کہہ رہے ہیں، فرماتے ہیں: اگرچہ اس دنیا میں اور امت کے درمیان صحابہ موجود نہیں ہیں، لیکن ہم اچھے بن سکتے ہیں، ان کے اقوال و ارشادات سے ان کی نقل کردہ روایات سے ان کے بلند کردار و حالات کی روشنی سے اور ان کے اخلاق و اوصاف کی پیروی سے، کیونکہ اصل اعتبار تو ان ہی چیزوں کا ہے، نہ کہ ذات اور اجسام کا۔

(رواہ): ضمیر فاعل بغوی کی طرف راجع ہے۔

تخریج: اسی طرح ابو یعلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قیامت کے دن جو صحابی جہاں سے اٹھے گا وہاں کے لوگوں کو جنت لے جائے گا

۲۰۱۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِىْ يَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُوْرًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب وذكر حديث ابن مسعود لا يبلغنی احد فی باب حفظ اللسان)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٥٤ حديث رقم ٣٨٦٥۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو شخص جس سرزمین پر فوت ہوگا وہ اپنی قبر سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس زمین کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہوگا' اور ان کے لئے نور (یعنی جنت کا راستہ دکھانے والا) ہوگا"۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث لا یبلغنی احد...... (جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے اور جس کو صاحب مصابیح نے اس باب میں نقل کیا تھا) پیچھے باب حفظ اللسان میں نقل کی جا چکی ہے"۔

تشریح: (قال...... اصحابی): یہاں پہلا لفظ من زائدہ ہے، جو کہ استغراق کی نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ جب کہ دوسرا من بیانیہ ہے۔ یموت بارض الا بعث، بعث کی ضمیر صحابی کی طرف راجع ہے، جو اس شہر میں مدفون ہوئے تھے۔ ضیاء مقدسی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

(وذکر...... احدی): پوری روایت یوں ہے: "لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیأً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر"۔ میرے کسی صحابی کے متعلق کوئی ناپسندیدہ بات مجھ تک نہ پہنچانا، کہ جس کی وجہ سے بشری تقاضہ کے مطابق میرا دل خراب نہ ہو جائے، کہ جس کی وجہ سے میرے صحابی کو تکلیف پہنچے۔

الفصل الثالث:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے والا مستوجب لعنت ہے

۲۰۱۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِىْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٥٤ حديث رقم ٣٨٦٦

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو تمہاری اس بری حرکت پر اللہ کی لعنت ہو"۔ (ترمذی)

تشریح: (وعن عمرؓ قال:..... شر کم): اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرا کہنے والے کی برائی اور لعنت خود اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے، کیونکہ فتنہ وشر والا تو وہی ہوتا ہے، جب کہ صحابہ اہل خیر میں سے ہیں، اور اس اعتبار سے وہ صرف رضاء ورحمت کے سزاوار ہیں۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: قول لعنة الله على شر كم، یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے، اور ہر اس شخص کو خطاب ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کوئی منافی بات سنے، اس کو یہ کہا جائے کہ کم از کم اپنے نبی کے ساتھ تو انصاف سے کام لو۔

حضرت حسانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجو کرنے والوں کے خلاف فرمایا:

اتهجوه ولست له بكفوء
فشر كما لخير كما الفداء

تو بد بخت میرے نبی کی ہجو کرتا ہے، حالانکہ تو اس کے خاک کے برابر نہیں، تمہارا شر تمہارے خیر پر قربان ہو۔

حدیث میں مذکور حکم اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، کہ اس شخص (کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہے) کی ذات پر لعنت کرنے کی بجائے، اس کے فعل پر لعنت کرنا زیادہ احتیاط کے قرین سے ہے، کیونکہ مقصد کے لحاظ سے تعریض اور توریہ مجادلہ ہیں۔

تخریج: مذکورہ بالا روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے، نیز ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ: "ان اشرار امتی أجرء هم على اصحابی"۔ بلاشبہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں گستاخ ہیں۔

ایک اور حدیث مرفوع میں ہے کہ: "یکون فی آخر الزمان قوم یسمون الرافضة یرفضون الاسلام فاقتلوهم، فانهم مشركون"۔ آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جن کو 'رافضی' کہا جائے گا، یہ لوگ اسلام کے تارک ہوں گے، پس تم ان کو قتل کرنا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے: "وینتحلون حب اهل البیت ولیسوا كذلك و آية ذلك انهم يسبون ابا بكر وعمر" اور وہ لوگ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ وہ ایسے نہیں ہوں گے، ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو برا کہیں گے۔

کتاب صواعق میں بھی اسی طرح روایت ہے۔

اس دنیا میں جو لوگ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، وہ روافض ہیں اور جو لوگ جلیل القدر اہل بیت کے بارے میں برے عقائد وخیالات رکھتے ہیں، وہ خوارج ہیں۔

یہ پیشینگوئی شاید اس حکمت کے تحت ہے کہ جب وہ جلیل القدر ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، اور ان کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہمیشہ جاری رہے، تاکہ جنت میں ان کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے رہیں، اور دشمن سخت سے سخت اور زیادہ سے زیادہ عذاب سے دوچار ہوں، لہٰذا ان

جلیل القدر ہستیوں کو برا کہنے والے ان کے ثواب کے اس اضافہ کا سبب بنتے ہیں، اور خود اپنے گرد عذاب کا گھیرا تنگ کرتے چلے جاتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتداء ہدایت کا ذریعہ ہے

۶۰۱۸: وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَأَلْتُ رَبِّيْ عَنْ اِخْتِلَافِ اَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَاَوْحٰى اِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا اَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ اخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ۔

رواه رزين

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا میں نے اپنے پروردگار سے اپنے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) اختلاف کے بارے میں پوچھا؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے آگاہ کیا کہ اے محمد! تمہارے صحابہ رضی اللہ عنہم میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں (جس طرح ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض زیادہ قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نورِ ہدایت رکھتا ہے) پس جس شخص نے (علمی وفقہی مسائل میں) ان کے اختلاف میں سے جس چیز کو بھی اختیار کرلیا میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں (تم ان کی اتباع وپیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی اتباع وپیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔ (رزین)

(من بعدی فاوحی): اوحی کی ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع ہے، چنانچہ ایک نسخہ میں ہے (الي ...... في السماء)۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھپ اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے مسافروں کو دریا وجنگل کے راستوں کا نشان بتاتے ہیں، جس کی طرف قرآن کریم نے وبالنجم هم يهتدون میں اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح تیرے صحابہ بھی لوگوں کی ہدایت اور روشنی کا سامان ہیں۔

(بعضها اقوی من بعض): اگرچہ فضل مراتب میں فرق ہے۔ (ولكل نور): لیکن نور ان میں سے ہر ایک میں ہے، ہر صحابی اپنے اپنے مرتبہ واستعداد کے مطابق علم وفقہ کا نور ہدایت ضرور رکھتا ہے۔ (فمن اخذ ...... علیه): جملہ مما هم عليه بشيء، کا بیان ہے۔ (من اختلافهم): یہ مما والی "ما" کا بیان اور تفسیر ہے۔ (فهو عندی ...... هدیً): اس سے ثابت ہوا کہ ائمہ دین کا باہمی اختلاف امت کے لئے رحمت ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو دین کے فروعی وعملی مسائل میں ہو نہ کہ اصول دین میں۔

سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: بظاہر یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ اس حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے جس اختلاف کی طرف اشارہ ہے اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو دینی معاملات و مسائل میں رونما ہو، نہ کہ وہ اختلاف جو دنیوی معاملات میں رونما ہو۔ اس وضاحت کی روشنی میں اس ختلاف پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا، جو خلافت و امارت کے سلسلہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہوئے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر لکھتے ہیں: کہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ خلافت و امارت سے متعلق رونما ہونے والے اختلافات بھی، فروع دین میں اختلاف، کے زمرے میں آتے ہیں، کیونکہ اس بارے میں ان کے درمیان جو اختلافات واقع ہوا، وہ اجتہادی اختلاف ہی تھا، نہ کہ کسی دنیاوی غرض اور نفسانی جذبہ وخواہش کے تحت۔ جیسے دنیاوی بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے، اس لئے عام بادشاہوں کے اختلاف پر ان کے اختلاف کو قیاس نہ کیا جائے۔

(**وقال...... كالنجوم**): لہٰذا سب کی اقتداء کرو، یا اکثریت، اگر تمہیں سب کی اقتداء کرنے کا موقع نہ ملے تو (**فبايهم...... اهتديتم**): اسی ارشاد کو سامنے رکھ کر بعض علماء نے فرمایا ہے: **من تبع عالمًا لقي الله سالمًا**۔ جو شخص کسی عالم کی اتباع کرے، وہ اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی حالت میں ملے گا، یہ بات زرین نے ذکر کی ہے۔

علامہ ابن ربیع نے لکھا ہے: کہ اس حدیث **اصحابی كالنجوم**...... کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن مجھے بہت تلاش کرنے کے باوجود یہ حدیث ابن ماجہ میں نہیں ملی۔

البتہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج احادیث رافعی باب آداب القضاء میں اس کو نقل کیا ہے، اور اس حدیث پر طویل گفتگو کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور بیکار ہے بلکہ ابن حزم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بیہقی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے، کہ مسلم کی ایک حدیث سے اس حدیث کے بعض معنی ثابت ہوتے ہیں، مسلم کی حدیث میں ہے: "**النجوم امنة السماء**"۔ ستارے آسمان کے محافظ وامین ہیں، اور اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "**واصحابی امنة لامتي**"۔ اور میرے صحابہ میری امت کے آمین ومحافظ ہیں۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بیہقی نے صحیح کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے جو تشبیہ دی گئی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے، البتہ اقتداء کا معنی ظاہر نہیں، ممکن ہے اقتداء سے اھتداء ہی مراد لی گئی ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اهتداء، اقتداء کی فرع ہے۔

اس حدیث سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے رحلت فرمانے کے بعد سنت مٹ جائے گی، بدعتوں کا ظہور ہوگا، ظلم وجور پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔ ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ابن حاجب میں اس حدیث کے حوالے سے عدالت صحابہ پر طویل گفتگو فرمائی ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ماجہ کی شمار نہیں فرمایا بلکہ جامع الاصول میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں: "**عن ابن المسيب عن عمر بن الخطاب مرفوعًا سألت ربي**...... **اهتديتم** تک، حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، یہ حدیث بھی من جملہ ان احادیث کے جن کو رزین نے تجرید الاصول سے ذکر کیا ہے۔

لیکن ابن اثیر تجرید الاصول کی اس [illegible] واقف نہیں۔ صاحب مشکوۃ نے حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

اخرجه رزين۔ واللہ اعلم

عرضِ مرتب:

یہاں مناسب معلوم ہوا کہ مناقب صحابہ کے باب کا خلاصہ بیان کر دیا جائے' اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کی عظمت شان جاننے کی توفیق عنایت فرمائے' آمین

خلاصة باب مناقب الصحابة رضی اللہ عنہم

اس باب کی احادیث سے صحابہ کرامؓ کے مندرجہ ذیل فضائل مفہوم ہوتے ہیں۔

①: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والا مستحق لعنت ہے:

صحابہ کرام کے ادب واحترام کا حکم اور ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی سے منع مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح حدیث ⑦ میں ہے کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو (اور مکرر فرمایا) پھر فرمایا کہ ان کو میرے بعد (برا کہنے اور طعن وتشنیع کا) نشانہ مت بنا لینا جس نے ان سے محبت کی تو میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی (یعنی تکلیف دینے والا کام کی) اور جس نے اللہ کو تکلیف دی' قریب ہے کہ اللہ اس کی گرفت فرمائے گا۔

اس حدیث میں اور اس طرح کی دوسری احادیث میں اس دشمن کا حال بد بیان کیا گیا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو نشانہ بنایا اور ان کے حق میں بدگوئی کی اور ان پر بہتان باندھے اور ان پر عیب لگائے ان کو کافر بتایا اور ان کے بارے میں کسی طرح بھی جرأت اور جسارت اختیار کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ جس نے ان سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا ہے یہ ان حضرات کے فضائل ومناقب کی وجہ سے ہے کیونکہ حضرات صحابہؓ سے محبت اسی لئے کی جاتی ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تعظیم وتوقیر سے پیش آئے اور جان ومال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمخواری کی' لہٰذا جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہوگا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا عنوان ہے اور حضرات صحابہؓ کے فضائل وہی شخص پہچان سکتا ہے جو ان کے احوال اور ان کی سیرت اور ان کے آثار کے بارے میں غور وفکر کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے ظاہر ہوئے مثلاً ایمان کی طرف سبقت کرنا'

کافروں سے جہاد کرنا' دین کو پھیلانا' شعار اسلام کو ظاہر کرنا' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بلند کرنا اور فرائض وسنن کی تعلیم دینا۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو ہم تک کوئی چیز بھی دین کی نہ پہنچتی' نہ اصول نہ فروع اور نہ ہم فرائض میں سے کوئی فرض جانتے اور نہ سنتوں میں سے کسی سنت کو پہچانتے اور احادیث میں سے کسی چیز کا اہتمام نہ ہوتا۔

لہٰذا جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرے یا ان کو برا کہے وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کی ملت سے خارج ہو گیا کیونکہ ان حضرات پر طعن کرنا صرف اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے بارے میں برائیوں کا اعتقاد رکھا جائے اور ان کی طرف سے دلوں میں کینہ پوشیدہ ہو اور اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب میں جو ان کی تعریف فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی تعریف کی اور ان کے فضائل ومناقب بیان کیے اور ان کی محبت کا حکم دیا' ان سب کا انکار کیا جائے۔

ان حضرات پر طعن کرنا اور ان کو برا کہنا دین سے خارج ہونے کا سبب اس لئے بھی ہے کہ قرآن وحدیث جو کچھ ہم تک پہنچا ہے یہ حضرات اس کا سب سے زیادہ عمدہ اور بہترین واسطہ ہیں جو شخص واسطہ پر طعن کرے وہ اس چیز میں بھی طعن کرنے والا بنے گا جو واسطہ کے ذریعہ پہنچی ہے نقل کرنیوالے کی حیثیت خراب کرنا خود اس چیز کی حیثیت خراب کرنا ہے جس نے اسے نقل کیا ہے۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے جو شخص غور وفکر کرے اور نفاق سے اور زندیقیت اور بے دینی سے اس کا عقیدہ پاک اور صاف ہو وہ اس بات کو بالکل صحیح طریقہ پر سمجھ لے گا جو اخبار وآثار اس بارے میں وارد ہوئے ہیں وہ ان باتوں کی تصدیق کے لئے بالکل کافی ہیں۔

②: صحابہ رضی اللہ عنہم کا وجود امت کے لئے امن وسلامتی کا ذریعہ ہے:

حدیث ② میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ستارے آسمان کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی جو موعود ومقدر ہے یعنی قیامت کے دن آسمانوں کا پھٹ جانا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑنا جیسا کہ قرآن میں ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۔ پھر فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہوں جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر وہ چیز آپڑے گی جو موعود اور مقدر ہے یعنی مراد فتنہ وفساد' اختلافات ونزاعات' باہمی جنگ وجدل اور بعض اعرابی قبائل کا مرتد ہو جانا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہیں جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آپڑے گی جو موعود ومقدر ہے یعنی بداعتقادی وبدعملی کے فتنوں کا امنڈ پڑنا' بدعات کا زور ہو جانا' مسلمانوں پر دینی وملی سانحات وحوادث کا واقع ہونا اہل خیر وبرکت کا اس دنیا سے اٹھ جانا اہل شر کا باقی رہنا اور ان اہل شر پر قیامت قائم ہونا وغیرہ۔

لہٰذا جب تک صحابہ دنیا میں موجود رہے امت ان فتنوں' بدعتوں اور دین میں نئی نئی خرافات سے محفوظ رہی۔

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برکت سے علاقوں کا فتح ہونا:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ لوگ جہاد کے لئے نکلیں گے تو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کیا تم میں کوئی صحابی رسولؐ ہے تلاش سے معلوم ہوگا کہ ایک صحابی رسول لشکر میں موجود ہیں تو ان کی برکت وشوکت سے دشمنوں کے مقابلہ پر ان کو فتح حاصل ہوگی اسی طرح تابعین، اور تبع تابعین کے بارے میں ہے کہ ان کے لشکر میں موجود ہونے سے دشمن پر فتح وکامرانی حاصل ہوگی۔

④ بہترین لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ یعنی صحابہ ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں یعنی تابعی اور پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں اور پھر ان قرنوں کے بعد جن لوگوں کا زمانہ آئے گا ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خود بخود گواہی دیں گے اور کوئی ان سے گواہی نہ چاہے گا جو خیانت کریں گے اور ان کی دیانت پر اعتماد نہ کیا جائے گا اور نذریں مانیں گے لیکن ان کو پورا نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا پیدا ہوگا۔

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم لازم ہے:

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کی تعظیم وتکریم کرو کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان تابعین کے قریب ہیں یعنی تبع تابعین پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے میں ہونے والے فتنہ وفساد کا ذکر کیا جو پچھلی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔

⑥ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی:

حضرت جابرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا ہو اس کو آگ نہ چھوئے گی اسی طرح جس مسلمان نے کسی صحابی کو دیکھا اس کو بھی آگ نہ چھوئے گی یعنی نہ صحابی جہنم میں جائے گا اور نہ تابعی۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم تو نہیں لیکن گناہوں سے محفوظ ہیں اور جن سے کوئی خطاء سرزد ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھیں ایک یہ کہ ان سے خطائیں سرزد ہوئیں تو ان پر دینی احکام وحدود وغیرہ نازل ہوئیں اور ان کا عملاً اجراء ہوا تو ان تمام معاملات میں امت کو رہنمائی ملی پھر انہوں نے اس طریقے سے توبہ کی کہ باقی امت اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔

⑦ صحابہ رضی اللہ عنہم امت کے لئے بمنزلہ نمک کے ہیں کھانے میں:

حضرت انسؓ سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ میری امت کے درمیان میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کھانا اس وقت تک اچھا اور خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نمک نہ ہو۔ حاصل یہ کہ امت کے درمیان صحابہ کا وجود

امت کے بناؤ، سنگھار کا ضامن ہے۔ صحابہ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے اقوال وافعال، ارشادات وہدایات، حالات وسانحات زندگی، اخلاق واوصاف امت کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

⑧: قیامت کے دن جو صحابی جہاں سے اٹھے گا وہاں کے لوگوں کو جنت میں لے جائیگا:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے جو شخص جس زمین میں مرے گا وہاں اپنی قبر سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس زمین کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جائے گا اور ان کے لئے جنت کا راستہ دکھانے والا نور ہوگا۔

گویا صحابہ کا وجود اس دنیا میں باعث رحمت وبرکت ہے اور آخرت میں بھی ان کا وجود باعث سعادت وخیر ہوگا۔

⑨: صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والا مستحق لعنت ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری بری حرکت پر۔

صحابہ جو اہل خیر ہیں اور پوری امت کے محسن ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسی محسن جماعت کو جو بدبخت اور ناشکرے لوگ برا کہیں تو تم ان پر لعنت بھیجو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں گستاخ ہیں۔

⑩ صحابہ رضی اللہ عنہم تمام نجوم ہدایت ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہ کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) میرے بعد واقع ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے جس طرح ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض زیادہ قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے اسی طرح صحابہؓ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نور ہدایت رکھتا ہے پس جس شخص نے (علمی وفقہی مسائل میں) ان اختلاف میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم ان کی پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں جو اختلافات ہوئے ہیں وہ امت کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ ان اختلافات کی وجہ سے صحابہ کو مطعون کرنا اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

بَابُ مُنَاقِبِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب (وفضائل) کا بیان

الفصل الاول:

٦٠١٩: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَمَنَ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْ بَکْرٍ وَعِنْدَ الْبُخَارِیِّ اَبَابَکْرٍ وَّلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَّا تَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا وَلٰکِنْ اُخُوَّۃُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُہٗ لَا تَبْقِیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَۃٌ اِلَّا خَوْخَۃُ اَبِیْ بَکْرٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ رَبِّیْ لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٢/٧ حديث رقم ٣٦٥٤ ومسلم في صحيحه ١٨٥٥/٤ حديث رقم ٢٣٨٢/٢ والدارمي ٤٥١/٢ حديث رقم ٢١٩٠ و احمد في المسند ٢٧٠/١

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وقت اور مال صرف کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر کا ہے۔ اگر میں کسی شخص کو اپنا خلیل یعنی سچا جانی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو ایسا دوست بناتا تاہم اسلامی اخوت ومحبت اپنی جگہ (بلندتر) ہے۔ مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام کھڑکی دروازے بند کردیئے جائیں سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر ہی کو خلیل بناتا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (امن الناس): أمن: ہمزہ کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ۔

(أبو بكر): یہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔

أبا بكر: منصوب ہے، اور یہی ظاہر ہے کیونکہ اسم ان، واقع ہو رہا ہے اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں توجیہہ مشکل ہے۔ (طیبیؒ)

مظہرؒ فرماتے ہیں: اس میں کئی صورتیں ہیں:

پہلی توجیہ: اخفشؒ کے مذہب کے مطابق ''من'' کو زائدہ مان لیں۔

دوسری توجیہ: ان، کو نعم کے معنی میں لیا جائے، جیسا کہ قائل کے اس قول: لعن الله ناقة حملتني اليك کے جواب میں ان وصاحبها میں ''ان'' بمعنی ''نعم'' ہے۔ لہٰذا ''ابوبکر'' مبتدا، امن الناس خبر ہے۔

تیسری توجیہ: ان: کا اسم ضمیر شان ہے، اھ۔ لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی: انه من أمن الناس۔ یا اس کو ''علی بن ابو طالب'' کے قبیل سے مان لیا جائے۔

بعض لوگوں کو وہم ہو گیا اور کہنے لگے کہ: "ابو بکر" خبر ہے ھو مبتداء محذوف ہے، اصل میں ابوبکر سوال کا جواب ہے۔ کہ سائل نے پوچھا: من أمنُّ الناس؟ تو جواب دیا کہ: أبو بکر۔ بعض لوگوں کی مذکورہ بالا توجیہ درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں ان اپنی خبر کے بغیر ہوگا۔

اَمَنَ النَّاسِ کا مطلب:

تورپشتی فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سے اپنا مال اور اپنا وقت، سب سے زیادہ لگانے والا اور سب سے زیادہ سخاوت کرنا والا شخص ابو بکر ہیں۔ امن: من علیه منا سے مشتق ہے، نہ کہ من علیه منه سے۔ چونکہ کسی بھی شخص کا آنحضرت ﷺ پر احسان نہیں ہوسکتا۔ مزید یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدحت میں وارد ہوا ہے۔ اگر أمنّ کو امتنان کے معنی میں لیا جائے گا تو یہ مدحت نہیں، بلکہ مذمت ہو گی۔ چونکہ منة سارے کیے ہوئے پر پانی پھرا دیتا ہے۔ جیسا کہ کہاوت ہے: لان المنة تهدم الصبغة۔ احسان جتانا حسن سلوک کو اکارت کر دیتا ہے۔

وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا کا مطلب:

قاضیؒ فرماتے ہیں: خلیل اس دوست کو کہتے ہیں، جس کی طرف ضروریات وحاجات میں رجوع کیا جائے اور اہم معاملات میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ چونکہ "خلیل" دراصل "خلة" سے مشتق ہے، جس کے معنی "احتیاج" کے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست بناتا، کہ جس کی طرف میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت رجوع کروں اور انے معاملات ومہمات میں اس پر اعتماد کروں، تو ابوبکر کو بناتا، لیکن ایسے تمام امور ومعاملات میں میرا ماوی اور ملجا اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، کہ جس پر میں تمام امور اور تمام احوال میں بھروسہ کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خلیل کہا گیا، جو خَلّة (خاء کے فتحہ کے ساتھ) بمعنی خصلت سے مشتق ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ایسی پاکیزہ خصائل تھے، جو انہی کے ساتھ مخصوص تھے۔

"خلیل" تخلل سے مشتق ہے، کہ ان کی محبت دل کے شغاف میں رچ بس گئی ہے، نفوذ کر گئی ہے، قبضہ جما چکی ہے۔

خلّہ، بمعنی احتیاج ہی سے مشتق ہے، کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام ضروریات وحاجات میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسی پر توکل کرتے تھے۔ اس صورت میں فعیل بمعنی فاعل ہوگا۔ اور حدیث میں فعیل بمعنی مفعول ہے۔ (ولکن اخوة السلام): یہ جملہ درحقیقت جملہ شرطیہ کے مضمون اور فحوائے کلام کا استدراک ہے۔ گویا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے یوں فرمایا کہ: "لیس بینی وبینه خلة ولکن بیننا فی الاسلام أخوة"۔ لہٰذا پہلے خلة کی نفی فرما دی، جو احتیاج پر دلالت کرتی ہے، پھر اُخوت کا ذکر کیا جو محبت والفت میں مساوات کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اگلا جملہ ارشاد فرمایا یعنی (ومودته): یعنی اسلام کی محبت جو دین کی محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ابوبکر سے مودت کسی دنیوی غرض یا نفسانی سبب سے نہیں ہے۔ سید جمال الدینؒ نے ترکیبی اعتبار سے اس عبارت کی مختلف تقدیریں ذکر کی ہیں:

① لكن بيني وبينه أخوة الاسلام۔

② أخوة الاسلام حاصلة۔

③ لكن أخوة الاسلام أفضل۔

جیسا کہ بعض طرق میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ آخری معنی مراد لینے کی تقدیر پر اشکال وارد ہوگا۔ لہٰذا یہ معنی مراد لئے جائیں: (۱) اسلام کی اخوت افضل ہے، سوائے خلت کے (۲) یا یوں کہا جائے کہ 'افضل بمعنی "فاضل" کے ہے (۳) یا اس کا مطلب یہ مراد لیا جائے کہ: اخوة الاسلام التي بيني وبين أبي بكر أفضل من أخوة الاسلام التي بيني وبين غيره أو من أخوة الاسلام التي بينه وبين غيرى۔

پہلا معنی مراد لینا احسن ہے۔ تأمل

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ حدیث عرب کے اس تعاہد پر محمول ہو جوان کے درمیان عقد خلت واخوت کے نام سے رائج تھے۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ: لو كنت متخذا خليلا من الخلق لفقد الخلة وعهد المحبة لا تخذت أبا بكر خليلاً من بين أصحابي ولكن أخوة الاسلام ومودته الشاملة له ولغيره كافية۔ أو أفضل حيث انه خالص لله وعلى وفق رضاه ومن غير ملاحظة من سواه۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اخوة الاسلام میں "ال" عہد کا ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ: ولكن أخوة الاسلام الذى سبق من المسلمين افضل۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بنانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل تھا۔ اور اخوت اسلام اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے لئے چنیدہ چیز اس چیز سے افضل ہوگی جو نبی نے اپنے لئے خود منتخب کی ہو۔ (لا تبقين): فعل مجہول نہی مؤکد بنون تاکید مشددہ ہے۔ ایک نسخہ میں معروف کا صیغہ ہے معروف پڑھنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا: ہرگز باقی مت چھوڑنا۔

خوخة: دونوں خاؤں کے فتحہ کے ساتھ، اور واؤ کے سکون کے ساتھ، روشنی کے لئے کھولے جانے والے اس سوراخ کو کہتے ہیں جو دیوار میں کیا جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: خوخة، اس چھوٹے دروازے (دریچہ، کھڑکی) کو کہتے ہیں جو دو کمروں یا گھروں میں نصب ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے ایک طرف سے دوسری طرف جایا جا سکے۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں مرض وفات کے آخری خطبہ میں ارشاد فرمائی تھیں۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اصل میں یہ اس بات سے کنایہ بھی تھا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ اگر اس کے حقیقی معنی مراد ہوں۔ ابتدا میں مسجد نبوی سے ملے ہوئے مکانات کی کھڑکیاں مسجد شریف کی جانب کھلی ہوئی تھیں، جن کے ذریعے مسجد آتے جاتے تھے۔ یا ان کے مکانوں میں مسجد نبوی کی جانب ایسے روشن دان کھلے ہوئے تھے جن کے ذریعے مسجد کا اندرونی حصہ نظر آتا تھا۔ مرض وفات میں مسجد کی جانب گھروں کی کھڑکیاں بند کرنے کا حکم صادر فرمادیا، سوائے ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی یا روشن دان کے۔ اس حکم کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی تکریم کے اظہار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو تنبیہ بھی فرمادی، کہ لوگوں میں خلافت کے حقدار ابوبکر ہی ہیں۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اس جملہ کے معنی مجازی مراد ہوں، تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے کنایہ ہے کہ خلافت کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ اور اختلاف ونزاع کے دروازے بند کردیئے جائیں، یا نہ کھلیں۔ اس کے مجازی معنی مراد لینا اقوی ہیں۔ کیونکہ یہ بات پایۂ صحت کونہیں پہنچتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا گھر مسجد نبوی کے متصل ہو کہ جس کی کوئی کھڑکی وغیرہ مسجد نبوی میں کھلتی ہو۔ کیونکہ ان کا گھر مدینہ کے عوالی میں تھا۔

مزید یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی خلافت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بطور تمہید کے یہ فرمایا کہ: ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت أبا بکر خلیلا۔ تا کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ لوگوں میں نیابت کے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہمارے لئے یہ بات بطور دلیل کافی وشافی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھانے کے لئے ان کو آگے بڑھایا، اور کسی بھی دوسرے صاحب کو آگے نہ بڑھایا، اھ۔

بعض حضرات کا قول ہے: خوخة ابی بکر سے مراد خوخة بنته عائشة ہے۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام ازواج مطہراتؓ کے گھروں کی کھڑکیاں وغیرہ بند کرنے کا حکم دیا تھا، سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی کھڑکی کے۔ خوخة کی اضافت ابوبکر کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کی اجازت سے امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ لفظ "المسجد" اس بات کی طرف مشیر ہے۔ (ذکرہ السید جمال الدین)

الریاض میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "أن النبی و أمر بسد أبواب الشوارع فی المسجد الا باب أبی بکر"۔ یہ روایت ترمذی اور بوحاتم نے نقل کی ہے۔

ابن اسحاق نے یہ روایت ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے: "فانی لا اعلم رجلا کان أفضل فی الصحبة یداً منه"۔ جبیر بن نفیر سے مروی ہے کہ: "ان ابوابا کانت مفتحة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فأمر بها فسلت غیر باب ابی بکر فقالوا: سد ابوابنا غیر باب خلیله، وبلغه ذلك فقام فیهم فقال: أتقولون سد ابوابنا وترك باب خلیله فلو کان منکم خلیل کان هو خلیلی ولکنی خلیل اللہ فهل انتم تارکون لی صاحبی فقدوا سانی بنفسه وما له وقالی لی: حدق۔ وقلتم: کذب"۔ (لو کنت): صاحب کتاب کے لئے مناسب یہ تھا کہ الفاظ یوں ذکر کرتے: ولو کنت۔ یہاں دونوں معنی مراد لینا درست ہیں۔

تخریج: (۱) یہ روایت احمدؒ، ترمذیؒ اور ابوحاتمؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ (۲) مسند ابی یعلی میں ابن عباسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ ہے: "ابو بکر صاحبی وموسٰی فی الغار، سدوا کل خوخة فی المسجد غیر خوخة أبی بکر"۔ یہ روایت احمد، بخاری اور ابوحاتم نے ذکر کی ہے۔ ابوحاتمؒ کی ابن عباسؓ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ان رسول اللہ ﷺ خرج فی مرضه الذی ما فیه عاصبا رأسه فجلس علی المنبر فحمد اللہ وأثنی علیه ثم قال: انه لیس من الناس أحد أمن علی بنفسه وما له من ابن أبی قحافة ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذته ولکن خلة الاسلام سدوا عنی کل خوخة فی المسجد غیر خوخة أبی بکر"۔ ابوحاتمؒ کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا فرمان

سدوا...... اس بات کی دلیل ہے کہ ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی شخص خلافت کی طمع نہ رکھے۔

۶۰۲۰: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهٗ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۸۵۵/٤ حديث رقم ۲۳۸۳/۳ واخرجه الترمذي في السنن ٥٦٦/٥ حديث رقم ۳٦٥٥ وابن ماجه ۳٦/۱ حديث رقم ۹۳ و احمد في المسند ٤/٤

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں کسی کو ''خلیل'' بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''خلیل'' بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور میرے رفیق و ساتھی ہیں اور تمہارے ساتھی کو (یعنی مجھ کو) اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے''۔ (مسلم)

تشریح: احمدؒ کی روایت میں ''أخي'' کے بعد في الدين اور ''و صاحبي'' کے بعد في الغار کی زیادتی ہے۔ (ذکرہ السیوطی)

(وقد...... خليلا): اس جملہ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے اللہ جل شانہ کے اس قول کی طرف: ﴿وما صاحبكم بمجنون﴾۔ (۲) اس بات کی طرف کہ جو آدمی اپنے رب کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا خلیل بنائے گا، وہ مجنون ہو جائے گا۔ عقل میں خلل واقع ہونے کے سبب کے باعث وہ ذلیل و رسوا ہوگا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اتخذ الله، میں دو اعتبار سے مبالغہ ہے، ایک تو یوں کہ کلام میں تجرید ہے، کہ صاحبكم فرمایا ''اتخذني'' نہیں فرمایا۔ اور دوسرا یہ کہ اتخذ الله صاحبكم نصب کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ یہ مفہوم حدیث سابق میں ''غير ربي'' کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے، لہٰذا دونوں حدیثیں طرفین سے مخالفة پر دلالت کرتی ہیں۔

تخریج: احمدؒ اور بخاریؒ نے ابن الزبیرؓ سے نقل کی ہے۔ احمد اور بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: ''لو كنت متخذا من امتي خليلا دون ربي لا تخذت ابا بكر خليلا ولكن اخي وصاحبي''۔

بخاریؒ کی ایک روایت میں ہے: ''لو كنت متخذا من امتي خليلا لا تخذت خليلا ولكن اخوة الاسلام أفضل''۔

حضرت جندبؓ سے مروی مسلمؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: سمعت رسول الله ﷺ قبل ان يموت بخمس ليال وهو يقول: اني أبرأ الى الله عز وجل ان يكون لي منكم خليل فان الله عز وجل قد اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا ولم كنت متخذا من امتي خليلا لا تخذت ابا بكر خليلا''۔

واحدیؒ نے تفسیر میں ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے کہ: ''قال: قال رسول الله ﷺ ان الله اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا وانه لم يكن نبي الا له في امته خليل الا وان خليلي أبو بكر''۔

حافظ ابوالحسن علی بن عمر الحربی العسکری، ابی بن کعبؓ سے نقل کرتے ہیں: ''انه قال: ان أحدث عهدي بنبيكم ﷺ قبل وفاته بخمس ليال دخلت عليه وهو يقلب يديه وهو يقول: انه لم يكن نبي الا وقد اتخذ من امته خليلا و ان خليلي من امتي أبو بكر بن ابي قحافة الا وان الله تعالى قد اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم

خلیلا"۔ اتخاذ والی احادیث نافیہ اصح اور اُثبت ہیں۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو اجازت عنایت فرمادی تھی۔

بلکہ دونوں خلتیں ثابت ہیں جیسا کہ الفاظ حدیث سے ثابت ہے۔

ایک خلت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باعث عزت ہے۔ اور ایک خلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باعث عزت ہے۔ فی الجملہ یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کے افضل الصحابہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۶۰۲۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ (رواہ مسلم وفی کتاب الحمیدی) اَنَا اَوْلٰى بَدَلَ اَنَا وَلَا۔

أخرجه مسلم في صحيحه ١٨٥٧/٤ حديث رقم (٢٣٨٧/١١) وابو داوٗد في السنن ٤٧/٥ حديث رقم ٤٦٦٠ و احمد في المسند ٣٢٢/٤۔

ترجمہ: "اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰنؓ) کو میرے پاس بلاؤ کہ میں ایک تحریر لکھ دوں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ (اگر میں نے ابوبکر کی خلافت کے بارے میں نہ لکھوایا تو) کہیں خلافت کا کوئی آرزومند آرزو نہ کرے اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ (خلافت کا مستحق) میں ہوں حالانکہ (ابوبکر کی موجودگی میں کوئی بھی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہوسکتا) ابوبکر کے علاوہ کسی کی خلافت کو نہ اللہ چاہے گا اور نہ اہل ایمان تسلیم کریں گے' (مسلم) اور کتاب حمیدی میں انا ولا کے بجائے انا اولی کے الفاظ ہیں"۔

تشریح: (ادعی لی): ہمزہ وصلی کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ، اصل میں ادعوی تھا، نقل وحرکت ہوئی اور واؤ کو حذف کردیا گیا۔ (أباك): بدل ہے۔ (وأخاك): کا ابوبکر پر عطف ہے۔

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ان کے بھائی کو تحریر لکھوانے کے لئے بلایا تھا۔ (ویأبی اللہ والمؤمنون): تقدیری عبارت یوں ہے: یأبی اللہ والمؤمنون خلافة کل أحد الا خلافة أبی بکر۔ یأبی اللہ کا مطلب ہے یمتنع لعدم رضاہ او لعدم قدرہ وقضاہ۔

شرح مسلم میں ہے کہ بعض معتمد نسخوں میں "أنا ولا" ہے، مطلب یہ ہے کہ خلافت کا سب سے بڑا مستحق میں ہوں۔ میرے علاوہ کوئی شخص اس کا حق دار نہیں۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ: انا اولی، یعنی میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ روایت "احوط" ہے، اھ۔ مصنفؒ کا جزم کرنا کہ امام مسلم کی روایت حمیدی کی روایت کے خلاف ہے، یہ بات خود خلاف جزم ہے۔

کیا خلافت صدیق منصوص ہے؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث اہل سنت کے اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صراحتاً منصوص نہیں۔ بلکہ ان کی خلافت پر اجماع صحابہ ہے۔ اور ان کو یہ تقدیم ان کی فضیلت کی وجہ سے تھی۔ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا کسی اور کے خلیفہ بنانے پر کوئی صریح نص موجود ہوتی، تو اولاً انصار و مہاجرین کے درمیان نزاع کی نوبت نہ آتی۔ اور اگر کسی بھی صحابی کے پاس کوئی بھی نص موجود ہوتی، اور وہ ذکر کردیتا، تو صحابہ اس نص کی طرف رجوع کر لیتے، اور اتفاق کر لیتے۔

اور اہل تشیع کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت منصوص تھی اور وصیت ان کے بارے میں تھی مسلمانوں کا ان کے اس بارے میں اتفاق ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ شیعوں کی پہلی تکذیب تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ہوتی ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: **هل عندكم شئ ليس فى القرآن**؟ تو آپ کریم اللہ وجہہ نے فرمایا: **ما عندى الا مافى هذه الصحيفة**...... اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی نص ہوتی تو وہ ضرور ذکر کرتے۔

خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک واضح اشارہ

۶۰۲۲: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَاَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِىْ شَيْءٍ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْهِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ كَاَنَّهَا تُرِيْدُ الْمَوْتَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِىْ فَاْتِىْ اَبَا بَكْرٍ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۱۷/۷ حديث رقم ۳۶۵۹ ومسلم فى صحيحه ۱۸۵۶/۴ حديث رقم (۱۰-۲۳۸٦) واخرجه الترمذى فى السنن ۵/۵۷۴ حديث رقم ۳۶۷٦۔

ترجمہ: "حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں بات چیت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کسی اور وقت آنے کے لئے کہا اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (میرا مکان مدینہ سے دور ہے شاید دوبارہ آنے کا موقع نہ مل سکے اس لئے بعد میں) اگر میں آؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں تو راوی کہتے ہیں کہ اس کہنے سے اس عورت کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ کرنا تھا (یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدمت اقدس میں اس عورت کے آنے کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں مبتلا تھے اور اسے خدشہ ہوا کہ اگر میں کچھ دنوں بعد آئی تو شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جانا"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله: فاتى ......ابا بكر:

یعنی اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس چلی جانا۔ چونکہ وہ مطلقاً میرے خلیفہ ہیں، یا یہ کہ اس معاملہ میں وہ میرے "وصی" ہیں۔ پہلی بات زیادہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص نہیں، بلکہ درحقیقت ان غیب کی باتوں کی پیشینگوئی فرما رہے تھے، جن کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ علم تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس کی تائید ابن عساکر کی ابن عباسؓ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے: "**قال: جاء ت امرأة الى النبى ﷺ تسأله شيئا**

فقال تعدين فقالت: يا رسول الله ان عدت فلم أجدك تعرض بالموت قال؛ ان جئت فلم تجدني فأتي ابا بكر فانه الخليفة من بعدي"۔ [الحديث]

اس روایت کو اسماعیلی نے اپنی معجم میں ذکر کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردوں میں سب سے محبوب ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

۶۰۲۳: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ عَلٰى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ اَيُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالاً فَسَكَتُّ مُخَافَةً اَنْ يَّجْعَلَنِيْ فِيْ اٰخِرِهِمْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٧٤/٨ حديث رقم ٤٣٥٩ ومسلم في صحيحه ١٨٥٦/٤ حديث رقم (٨-٢٣٨٤) وابن ماجه في السنن ٣٨/١ حديث رقم ١٠١

ترجمہ: "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوہ ذات السلاسل لشکر کا امیر بنا کر بھیجا وہ بیان کرتے ہیں کہ (لشکر کی روانگی سے پہلے یا واپسی کے بعد) جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ سے (کہ عورتوں میں وہی کو سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور محبوب تھیں) میں نے عرض کیا: مردوں میں سے (کہ مردوں میں سب سے زیادہ عزیز اور محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ یعنی ابوبکرؓ میں نے پوچھا ان کے بعد پھر کون (آپ کو زیادہ عزیز ومحبوب ہے؟) فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ' اس کے بعد (میرے پوچھنے کے مطابق) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد لوگوں کا ذکر کیا پھر میں اس ڈر سے خاموش ہوگیا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا نام سب سے آخر میں نہ لے جائیں (یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پوچھنے پر دوسرے لوگوں کے نام لیتے رہے تو پھر میں نے آگے نہ پوچھنا ہی بہتر جانا کہ میرا نام کہیں سب سے آخر میں نہ آئے) (بخاری ومسلم)

تشریح: جیش، مضاف ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: **السلاسل رمل ينعقد بعضه ببعض۔** اور جیش کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ جن کی افراد کو ریتلی سرزمین پر بھیجا جاتا تھا۔

یعنی میرا سوال مردوں کے بارے میں تھا۔ تقدیری عبارت: سؤالي عنهم ہے، يامن أحب اليك ہے۔

فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ بزبانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۶۰۲۴: وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰/۷ حدیث رقم ۳۶۷۱ وابو داؤد ۲۶/۵ حدیث رقم ٤٦٢٩۔

ترجمہ: ''حضرت محمد بن حنفیہؒ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فاطمہ الزہرہؓ کے علاوہ کسی اور بیوی سے فرزند ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ان کے سب سے بہتر وافضل کون شخص ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ! پھر میں نے پوچھا کہ ان کے بعد کون شخص سب سے بہتر وافضل ہے؟ انہوں نے فرمایا ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ'' (محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ) مجھے یہ خدشہ ہوا کہ (اگر میں نے پوچھ لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کون شخص سب سے بہتر وافضل ہے تو) تو کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' لہٰذا میں نے (سوال کا عنوان بدل کر یوں) کہا کہ پھر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد) سب سے بہتر وافضل آپ ہیں! انہوں نے (یہ سن کر) فرمایا میں تو بس ایک عام مسلمان ہوں''۔ (صحیح بخاری)

تشریح: ابو بکر: تقدیری عبارت یوں ہے: هو ابو بکر او أبو بکر هو الخیر۔

قوله: ما أنا إلا رجل من المسلمین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی ازراہ تواضع تھا' ورنہ تو انہیں علم تھا کہ بغیر کسی نزاع کے وہ لوگوں میں سے بہترین انسان ہیں۔ کیونکہ یہ معاملہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات ہی میں افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلّم تھی

۶۰۲۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ نَتْرُكَ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَیْنَهُمْ (رواه البخاری وفی روایة لابی داود قال) كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رِضْوَانَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۳/۷ حدیث رقم ۳۶۹۷ واخرجه ابو داؤد فی السنن ۲۶/۵ حدیث رقم ٤٦٢٨ والترمذی فی السنن ۵۸۸/۵ حدیث رقم ۳۷۰۷

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں (صحابہ میں سے) کسی کو بھی ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے (بلکہ انہیں تمام صحابہ پر فضیلت دیتے تھے) ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اور ان کے بعد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے کہ ان کے درمیان کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (بخاری) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں کہا کرتے تھے نبی کریم ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

تشریح: اعتراض: گذشتہ روایات کی مناسبت باب مناقب ھؤلاء الثلاثۃ رضی اللہ عنھم سے بالکل واضح ہے۔

الفصل الثانی:

بزبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مالی قربانی کا اعتراف

۶۰۲۶ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلاَّ وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَا خَلاَ اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبُوْ بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلاً اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٦٦/٥ حدیث رقم ٣٦٥٥ و احمد فی المسند ٢٥٣/٢

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ہم پر کوئی احسان کیا ہو اور ہم نے اس کے احسان کی مکافات نہ کر دی ہو۔ کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ عطا و امداد کا جو عظیم سلوک کیا ہے اس کی مکافات (یعنی کامل بدلہ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کرے گا کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل یعنی جانی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ یاد رکھو تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ) اللہ کے خلیل ہیں (کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو حقیقی دوست نہیں رکھتے''۔ (ترمذی)

تشریح: قولہ :ما لأحد عندنا زید الا وقد کافاناہ: فاء کے بعد ہمزہ ساکنہ ہے۔ ہمزہ میں ابدال بھی درست ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: کافاہ مکافأۃ بمعنی بدلہ دینا، ثواب دینا۔ نیز یہ لفظ انہوں نے مہموز میں ذکر کیا ہے اور کفاہ مؤنتہ کفایۃ: معتل میں ذکر کیا ہے۔ اور بہت واضح سی بات ہے کہ مقام کے مناسب پہلے معنی ہیں۔ بعض معتمد تصحیح شدہ نسخوں میں باء کے ساتھ ہے، لیکن اس کے معنی یہاں واضح نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے دیئے ہوئے کا برابر سر بر یا اس سے بھی زیادہ بدلہ دیا۔ (ماخلا) :ما بمعنی الا ۔ (یدا) :علماء فرماتے ہیں: ید سے مراد نعمت ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں: اسکا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حدیث کا اگلا جملہ بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

صاحب ریاض اتنی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔

(وما...... نفعنی): ''ما'' مصدریہ ہے۔ نفعنی سے پہلے ''مثل'' مضاف مقدر ہے۔ تقدیری عبارت ''مثل ما نفعنی'' ہے۔ (ألا): برائے تنبیہ ہے۔ (وأن...... اللہ): فعیل بمعنی فاعل ہے۔ یا بمعنی مفعول ہے۔ اس مقام پر بمعنی فاعل مراد لینا زیادہ

واضح ہے۔ فتدبر۔ الجامع کی روایت میں ہے کہ:

(ما نفعني مال قط ما نفعني مال ابی بکر): یہ روایت احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ اور ریاض میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "قال: قال رسول الله ﷺ: ما نفعني مال قط ما نفعني مال ابی بکر۔ فبکی ابو بکر وقال: ما انا ومالی الا لك"۔ یہ روایت احمد ابن ماجہ اور حافظ دمشقی نے موافقات میں ذکر کی ہے۔ ابن میسب سے مروی ہے کہ: "أن رسول الله ﷺ قال: ما مال رجل من المسلمین انفع لی من مال ابی بکر۔ وکان رسول الله ﷺ یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسه"۔ یہ روایت عبدالرزاق نے مصنفہ میں نقل کی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: گویا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے: ﴿او صدیقکم﴾۔ ابو حاتم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے، فرماتی ہیں: "أنفق ابو بکر علی النبی ﷺ اربعین الفا"۔ ابو عمر، عروۃ سے نقل کرتے ہیں: "اسلم ابو بکر وله اربعون الفا انفقها کلها علی رسول الله ﷺ وفی سبیل الله"۔ عروہ سے مروی ہے کہ: "اعتق ابو بکر سبعة کانوا یعذبون فی الله، منهم بلال وعا مرين فهيرة"۔ اسماعیل بن قیس سے مروی ہے: "قال اشتری ابو بکر بلا لا وهو مدفوق بالحجارة بخمسین اواق ذهبا فقالوا: لو ابیت الا اوقیة لبعناکه۔ فقال: لو ابیته الا مائة اوقیة لأخذته۔

فضیلتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ بزبانِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۶۰۲۷: وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٦٥ حدیث رقم ٣٦٥٦۔

ترجمہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (حسب ونسب کے اعتبار سے) ہمارے سردار ہیں (علم وعمل اور کارِ خیر کے اعتبار سے) ہم سب سے افضل ہیں اور رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں"۔ (ترمذی)

تشریح: (واحبنا الی رسول الله ﷺ ...... عنه): مجلس میں بھی اور مجلس کے علاوہ بھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حوضِ کوثر پر بھی صحبت رسول اکرم ﷺ حاصل ہوگی

۶۰۲۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِىْ بَكْرٍ اَنْتَ صَاحِبِىْ فِى الْغَارِ وَصَاحِبِىْ عَلَى الْحَوْضِ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٧٢ حدیث رقم ٣٦٧٠

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سے (ایک دن) فرمایا: تم میرے غار کے رفیق و ساتھی ہو اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھی ہو گے''۔ (ترمذی)

تشریح: قوله :انت صاحبی فی الغار صاحبی علی الحوض: اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں جہانوں کے ساتھی ہیں۔ جیسا کہ عالم برزخ میں ان کا ساتھ اب بھی حاصل ہے۔ مسند فردوس دیلمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''ابو بکر منی وأنا منه، وابو بکر اخی فی الدنیا والآخرة''۔ ''ابوبکر مجھ سے ہیں، اور میں ابوبکر سے ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دنیا و آخرت میں بھائی ہیں''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ثانی اثنین اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا﴾ چنانچہ حدیث کا مطلب ہوا: انت صاحبی المخصوص حینئذ او وانت صاحبی بشهادة الله۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ ''صاحبہ'' سے مراد آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر کافر ہے کیونکہ یہ منکر نص جلی کا منکر ہے۔ بخلاف دیگر صحابہ مثل عمر، عثمان یا علی رضی اللہ عنہم کی صحابیت کا منکر شخص۔

خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک اور واضح دلیل

۶۰۲۹: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْبَغِىْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يُؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۷۳/۵ حدیث رقم ۳۶۷۳۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں ان کے لئے موزوں نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ان کی امامت کرے''۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: اور اسی حکم میں قوم کا افضل ترین شخص ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام کے تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ لہٰذا جب یہ بات ثابت ہے تو ثابت ہوا کہ خلافت کے حقدار بھی وہی تھے اور ''فاضل'' کی موجودگی میں ''مفضول'' کو خلیفہ نہیں بنانا چاہیے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ایک بے نظیر مثال

۶۰۳۰: وَعَنْ عُمَرَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِىْ مَالاً فَقُلْتُ الْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَا بَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهٗ يَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَيْتَ لِاَ هْلِكَ فَقُلْتُ مِثْلَهٗ وَاَتٰى اَبُوْ بَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قُلْتُ لَا اَسْبِقُهٗ اِلٰى شَىْءٍ اَبَدًا ۔ (رواه الترمذی وابو داود)

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۳۱۲/۲ حديث رقم ۱۶۷۸ واخرجه الترمذی فی السنن ۵۷٤/۵ حديث رقم ۳٦۷۵ واخرجه الدارمی فی السنن ٤۸۰/۱ حديث رقم ۱٦٦۰

ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں (ایک موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ (یعنی اللہ کی راہ میں اپنے اپنے مال کا کچھ حصہ پیش کرنے) کرنے کا حکم فرمایا اور آپ کا یہ حکم مال کے اعتبار سے میرے موافق پڑ گیا (یعنی حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال بھی تھا) لہٰذا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کسی دن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے کہ (اپنے مال کی زیادتی و فراوانی سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ راہِ خدا میں پیش کروں اور) اس معاملہ میں ان سے سبقت لے جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پس میں نے آدھا مال لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اتنا زیادہ مال و اسباب دیکھ کر) مجھ سے پوچھا: گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا' جتنا لایا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اپنا تمام اثاثہ لے کر حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ابوبکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' ان کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے اپنے دل میں کہا: میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کبھی بھی سبقت حاصل نہیں کر سکتا''۔ (ترمذی' ابوداؤد)

تخریج: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

تشریح: ''عندی'': حال ہے ''مال'' سے، اور جملہ ماقبل سے حال ہے۔

ای والحال انه کان لی مال کثیر فی ذلك الزمان:

قوله :اليوم أسبق أبا بكر إن سبقته يوما من الايام۔

شرطیہ ہے جو ماقبل کے جواب پر دلالت کر رہا ہے۔ یا تقدیری عبارت یوں ہے: **ان سبقته يوما فهذا يومه۔** ''اگر ان پر سبقت لے جا سکتا ہوں تو سبقت لے جانے کا یہی دن ہے''۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: کہ ان، نافیہ ہے، یعنی **ما سبقته يوما قبل ذلك فهذا يومه۔** اس صورت میں یہ استیناف تعلیلی ہو۔ (**وأتى...... عنده**): **ما عنده، كل ما له** (مال لانے کے کسرہ کے ساتھ) سے ابلغ ہے۔ اور **كل ماله** (مال: لام کے فتحہ کے ساتھ) سے أصرح ہے۔ مروی ہے کہ آنحضرت و نے اس موقعہ پر ان دونوں کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ: **ما بينكما كما بين كلمتيكما۔** (مرتبہ و مقام کا) تمہارے درمیان وہی فرق ہے جو تم دونوں کے (مذکورہ) الفاظ میں پایا جاتا ہے۔

اسی مفہوم کے مناسب ابن مسعودؓ سے مروی احمد کی روایت میں یہ آتا ہے کہ: ''**قال: مربی رسول الله ﷺ وابو بكر وعمر وانا أحمد الله عز وجل واصلي على النبي ﷺ فقال: سل تعط۔ ولم اسمعه، فادلج ابو بكر فسرني بما قال النبي ﷺ ثم اتاني عمر فاخبرني بما قال النبي ﷺ فقلت: قد سبقك اليها ابو بكر قال عمر: ما استبقنا بخير الا قد سبقني اليه انه كان سباقا للخيرات۔ فقال عبد الله: ما صليت فريضة ولا تطوعا الا**

دعوت الله في دبر صلاتي: اللهم اني أسألك ايمانا لا برتد ونعيما لا ينفد ومرافقة نبيك ﷺ في اعلى جنت الخلد وانا ارجو أن اكون دعوت بهن البارحة"۔ یہ روایت احمد اور ابن شاہین نے نقل کی ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے، فرماتے ہیں: "قال رسول الله ﷺ: وقد سمع قراءة ابن مسعود ليلاً: من سره ان يقرأ القرآن فليقرأه كما يقرأه ابن ام معبدعبد۔ فلما اصبحت غدوة اليه لأبشره فقال: قد سبق ابو بكر. قال: ما سابقته الى خير قط الا سبقني"۔ یہ روایت احمدؒ نے نقل کی ہے۔ اس کے ہم معنی ایک روایت صحیحین میں بھی مروی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب عتیق پڑنے کی وجہ

۶۰۳۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيْقًا ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥٧٦/٥ حديث رقم ٣٦٧٩ وابن ماجه في السنن ٤٩/١ حديث رقم ١٣٧

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: (ایک دن) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "تم عیقت اللہ یعنی دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہو"۔ اسی دن سے ان کا ایک نام "عتیق" پڑ گیا۔ (ترمذی)

تشریح: (انت...... عتیقا): امام راغبؒ فرماتے ہیں: عتیق، اس کو کہتے ہیں: جو زمانے، مکان یا رتبہ میں مقدم ہو۔ اسی وجہ سے قدم کو عتیق بھی کہتے ہیں۔ اور کریم کو بھی عتیق کہتے ہیں۔ غلامی سے آزادی حاصل کرنے والے کو بھی عتیق کہتے ہیں، اھ۔

بیت اللہ کو بیت عتیق کہنے کی متعدد وجوہ بیان کی جاتی ہیں: (۱) اس کی عزت کی وجہ سے عتیق کہا جاتا ہے۔ (۲) زمانہ قدیم سے ہونے کی وجہ سے (۳) اس کی قدر و منزلت کی وجہ سے (۴) طوفان سے عتیق کی وجہ سے (۵) جبابرہ کے تصرف سے چھٹکارا پا لینے کی وجہ سے عتیق کہتے ہیں۔ پس اسی دن سے ان کا ایک نام عتیق پڑ گیا۔

عرضِ مرتب:

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات بحوالہ مؤلف ذکر فرمائے ہیں، مگر ہم نے وہ حالات یہاں سے حذف کر دیئے ہیں۔

قیامت کے دن حضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ قبر سے اٹھیں گے

۶۰۳۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ

ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِی اَهْلَ الْبَقِيْعِ فَيُحْشَرُوْنَ مَعِیْ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَكَّةَ حَتّٰى اُحْشَرَ بَيْنَ الْحَرَمَيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٨١ حديث رقم ٣٦٩٢

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سب سے پہلے قبر سے اٹھایا جائے گا (یعنی قیامت کے دن جب تمام لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں آئیں گے تو سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور اپنی قبر سے اٹھنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا) میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ (اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے) پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا اور ان کو ان کی قبروں سے اٹھا کر میرے ساتھ جمع کیا جائے گا اور پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا تا آنکہ مجھے حرمین یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان حشر میں پہنچایا جائے گا''۔

تشریح: (فیحشرون معی): اسی معنی میں اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿و ان یحشر الناس ضحی﴾ [طه: ٥٩]

قوله :ثم انتظر أهل مكة حتى احشر بين الحرمين۔

اس جملہ میں درحقیقت اس روایت کی طرف اشارہ ہے: من احب قوما حشر معهم۔ جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے، اس کا حشر انہی کے ساتھ ہوگا۔

امام طیبیؒ ''حتی احشر'' کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ: میں اہل مکہ اور اہل مدینہ کے ساتھ حرم مکہ اور حرم مدینہ کے درمیان حشر میں پہنچایا جاؤں گا۔

ایک شارح فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے کہ میں اور وہ اکٹھے ہوں گے، یہاں تک کہ حرمین کے درمیان لوگوں کا اجتماع ہو جائے گا، اھ۔ یہ بات بظاہر انتظر اهل مكة کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ان دونوں حضرات کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم مکہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور اہل مکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رُخ کریں گے۔ اور یوں حرمین کے درمیان لوگ جمع ہوں گے۔ حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک سے اٹھ کر بقیع قبرستان پہنچیں گے، اور لوگوں کا انتظار کریں گے، وہاں اہل بقیع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوں گے۔ پھر وہاں سے آپ میدان حشر ملک شام میں تمام خلقت کے ساتھ جمع ہوں گے۔

تخریج: الجامع میں یہ حدیث: ''ثم انتظر اهل مكة'' تک ذکر کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔

تنبیہ: مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو مناقب شیخینؓ کے ذیل میں ذکر کیا جاتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امت محمدیہ میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے

۶۰۳۳:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَاَرَانِیْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِیْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِیْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُّ اَنِّیْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اِنَّكَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه ابوداؤد فی السنن ٥/٤١ حديث رقم ٤٦٥٢۔

ترجمہ:''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ تھام لیا اور پھر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری اُمت جنت میں داخل ہوگی''۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (یہ ارشاد سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تاکہ میں بھی جنت کا دروازہ دیکھ لیتا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ابوبکر رضی اللہ عنہ! آگاہ رہو کہ میری اُمت میں سے سب سے پہلے تم ہی جنت میں داخل ہوں گے''۔(ابوداؤد)

تشریح: وددت :دال مہلہ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی أحببت۔

(أما): برائے تنبیہ ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امت محمدیہ میں سب سے افضل شخص ہیں۔اگر ان کو فضیلت حاصل نہ ہوتی تو امت کے لوگوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف ان کو حاصل نہ ہوتا۔نیز یہ کہ امت محمدیہ میں آپؓ ایمان کے اعتبار سے ''اسبق'' ہیں۔جیسا کہ اللہ جل شانہ کا قول ہے کہ:﴿والسابقون السابقون اولئك المقربون فی جنات النعيم﴾ [الواقعة: ١٠ تا ١١]

امام طیبیؒ فرماتے ہیں:حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وددت کہہ کر اظہار تمنا کیا۔حالانکہ تمنّی کا تعلق ایسی چیز سے ہوتا ہے کہ جن کا امکان حصول ممکن نہ ہو تو جواباً ان کو کہا گیا کہ جنت کا دروازہ دیکھنے کی کیا آرزو کرتے ہو۔تمہارے لئے تو وہ چیز مقدر ہے جو اس سے کہیں اعلیٰ وافضل ہے،کہ میری امت میں سے جو شخص سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ آپؓ ہیں۔حرف تنبیہ اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی۔

الفصل الثالث:

عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو عمل ان کے تمام اعمال سے بھاری ہیں

۶۰۳۴:وَعَنْ عُمَرَ ذُكِرَ عِنْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ فَبَكٰى وَقَالَ وَدِدْتُّ اَنَّ عَمَلِیْ كُلَّهٗ مِثْلُ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَاحِدًا مِنْ اَيَّامِهٖ وَلَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ لَيَالِيْهِ اَمَّا لَيْلَتُهٗ فَلَيْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى

الْغَارِ فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهُ حَتّٰى اَدْخَلَ قَبْلَكَ فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ اَصَابَنِيْ دُوْنَكَ فَدَخَلَ فَكَسَحَهُ وَوَجَدَ فِيْ جَانِبِهٖ ثَقْبًا فَشَقَّ اِزَارَهُ وَسَدَّهَا بِهٖ وَبَقِيَ مِنْهَا اِثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَاْسَهُ فِيْ حَجْرِهٖ فَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ رِجْلِهٖ مِنَ الْحِجْرِ وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهُ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ مَا يَجِدُهُ ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ وَاَمَّا يَوْمُهُ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا لَا نُؤَدِّيْ زَكٰوةً فَقَالَ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُّهُمْ عَلَيْهِ وَقُلْتُ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِيْ اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ وَاَنَا حَيٌّ ۔ (رواہ رزین)

رواہ رزین

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا تو وہ رو پڑے اور فرمانے لگے: میں چاہتا ہوں کہ کاش میری پوری زندگی کے اعمال (قدر و قیمت کے اعتبار سے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صرف ایک دن کے عمل کے برابر ہو جاتے۔ یا ان کی ایک رات کے عمل کے برابر ہو جاتے یہ ان کی اس رات کا ذکر ہے جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور غار ثور ان کی پہلی منزل بنا تھا۔ جب وہ دونوں اس غار پر پہنچے (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں داخل ہونا چاہا) تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کے واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں ابھی داخل نہ ہوں، پہلے میں اندر جاتا ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی موذی چیز (جیسے سانپ بچھو وغیرہ) ہو تو وہ مجھے ضرر پہنچائے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور (یہ کہہ کر) آپؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے) غار میں داخل ہو گئے اسے صاف کیا۔ انہوں نے غار کی ایک جانب سوراخ دیکھے ان میں سے بیشتر سوراخوں کو انہوں نے اپنے تہبند سے چیتھڑے پھاڑ کر بند کر دیا اور دو سوراخ (اس وجہ سے) باقی رہ گئے (کہ ان کو بند کرنے کے لئے تہبند کے چیتھڑوں میں سے کچھ نہیں بچا تھا) ان کے منہ پر انہوں نے اپنے دونوں پاؤں رکھ دیئے (تاکہ کسی زہریلے اور موذی جانور کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے) پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب اندر تشریف لے آیئے! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے اور اپنا سر مبارک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ اسی دوران ایک سوراخ کے اندر سے سانپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کاٹ لیا لیکن (وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور) اس ڈر سے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو۔ آخر کار (شدت تکلیف سے) ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے (جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو) پوچھا: ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان مجھے (کسی

زہریلے جانور یعنی سانپ نے) کاٹ لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) اپنا لعاب دہن (ان کے پاؤں پر کاٹی ہوئی جگہ پر) لگادیا اور (تکلیف واذیت کی) جو کیفیت ان کو محسوس ہو رہی تھی وہ فوراً جاتی رہی۔ اسی سانپ کا وہ زہر تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر دوبارہ اثر انداز ہوا اور اسی کے سبب ان کی موت واقع ہوئی اور ان کا وہ دن (کہ جس کے بارے میں میری آرزو ہے کہ کاش میری زندگی بھر کے اعمال ان کے صرف اس دن کے عمل کے برابر قرار پائیں) وہ دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اور بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے ان (قبائل کے) لوگوں نے کہا تھا کہ ہم زکوۃ نہیں دیں گے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ اگر یہ لوگ (زکوۃ میں اونٹ کے پاؤں کے باندھنے کی بقدر) رسی بھی دینے سے مجھے انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے (ان کا یہ فیصلہ سن کر) عرض کیا تھا: اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (یہ بڑا نازک موقع ہے) آپ کو لوگوں سے الفت اور نرمی کا سلوک کریں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (بڑے تیکھے لہجہ میں) مجھے جواب دیا تھا "تم زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے غیور و بہادر اور قوی وغصہ ور تھے؟ اور اب اپنے زمانۂ اسلام میں بزدل و پست ہمت ہو گئے ہو؟ اس حقیقت کو نہ بھولو کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں دین کمزور و ناقص ہو جائے' ایسا میں اپنی زندگی میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا"۔ (رزین)

قوله :ذکر عنده ابو بکر: جملہ حالیہ ہے۔

ولیلة واحدة من لیالیه :

ظاہر یہ ہے کہ واؤ بمعنی او ہے، چونکہ ہر اعتبار سے مبالغہ میں ابلغ ہے۔

یا یہ تقسیم دو الگ الگ وقتوں کے اعتبار سے ہے۔ (أما...... سار) :لیلة، مرفوع ہے، تنوین کے ساتھ۔

ای مسافر وهاجر فیها اورمع رسول الله): ایک نسخہ میں مع النبی ﷺ ہے۔ بعض تصحیح شدہ نسخوں میں لیلة منی علی الفتح ہے منی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے۔ یہ بات زیادہ ظاہر ہے۔ (**والله لا تدخله**): مرفوع ہے، اور ایک نسخہ میں جزم کے ساتھ ہے۔ (**ثقبا**): ثاء مثلثہ کے ضمہ، اور قاف کے فتحہ کے ساتھ، ثقبة کی جمع ہے، جیسا کہ غرفة کی جمع غُرَف آتی ہے۔ ثقب کو قفل اور فلس، مفرد میں یہ دونوں لغات پڑھی جاتی ہیں۔ بمعنی الخرق اور الجحر، لیکن یہاں جمع کے معنی ہی میں ہے۔ (**فشق...... رجلیه حجره**): حاء کے کسرہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ قاموس میں لکھا ہے: کہ **الحجر**، حاء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بمعنی **الحضن** (گود)۔ اور النہایہ میں ہے کہ **الحجر**، حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بمعنی **الحضن** (گود) اور **والثوب** (کپڑا) مصدری معنی میں مستعمل ہو تو، حاء کے فتحہ کے ساتھ فقط اور گر اسم کے طور پر مستعمل ہو، تو حاء کے کسرہ کے ساتھ فقط۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند بھی عبادت تھی، چونکہ عالم کا سونا عبادت ہے، جیسا کہ ظالم کا سونا عبادت ہے۔ اگر چہ دونوں میں اعتباری فرق ہے۔ (**فلدغ...... رجله**): ابوبکر سے بدل البعض ہے۔ اور "فی" کا اضافہ ڈسنے کی شدت کے بیان کیلئے ہے۔ جیسا کہ شاعر کے اس قول میں:

یجرح فی عراقیبها نصلی

ینتبه): باب افتعال سے ہے۔ اور ایک نسخہ میں باب تفعل سے یتنبه ہے۔ یعنی بیداری کے خوف سے حرکت نہ کی۔ نیند پوری ہونے سے پہلے کہیں بیدار نہ ہو جائیں ~~اس وجہ سے~~ آپؓ نے تکلیف پر انتہائی تحمل کا مظاہرہ کیا۔ (**فداك**): فاء کے فتحہ اور

کسرہ کے ساتھ۔قاموس میں ہے کہ:فداہ یفدیه فداء وفدیً ویفتح :اعطی شیئا فانقذہ،اورفداء بروزن کساء اور فدی بروزن علی۔

اورامام اصمعیؒ فرماتے ہیں:فداء ،مد اورقصر کے ساتھ،اگر بطورمصدر مستعمل ہوتو فقط ممدود استعمال ہوتا ہے۔''فاریت'' کے مصدر میں صرف مد کے ساتھ ہے۔البتہ فاء،ان میں ہر جگہ مکسور ہوتا ہے۔اورفراء نے فداك کو مقصور وممدود مگر فاء کے فتحہ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔فداك أبي و أمي،فعل ماضی،مفتوح الاول ہے۔یا اسم ہے،جیسا کہ فراءؒ نے حکایت کیا ہے۔
(کذا فی المشارق)

ایک نسخہ میں علیہ صراحۃً ہے کہ علی موضع اللدغ۔قاف اورضاد معجمہ کے ساتھ،بمعنی رجع۔ (أثر السمّ علیه):
امام طیبیؒ فرماتے ہیں:

قوله :ارتدت العرب وقالوا :لا نؤدی زكاة:ہوسکتا ہے کہ یہ عطف تفسیری ہو۔ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ جب کسی آدمی کو شرعی طور پر حکم دیا جائے کہ زکوٰۃ ادا کرو،اوروہ جواب دے کہ میں ادا نہیں کرتا،تو وہ شخص کافر ہوجائے گا۔(عقالا):عین کے کسرہ کے ساتھ،چھوٹی رسی کو کہتے ہیں۔(فجاهدتهم علیه):یعنی وہ رسی لینے کے لئے یا یہ کہ ان کے منع کرنے کی وجہ سے۔میں ان سے قتال کروں گا۔النہایہ میں ہے کہ:عقال سے مراد وہ رسی ہے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس اونٹ ہوں اوران اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو،اور پھر وہ نصاب کے مطابق ایک یا ایک سے زائد اونٹ زکوٰۃ میں نکالے،تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محصل زکوٰۃ کو عقال سمیت اونٹ سپرد کرے۔کیونکہ مزکیّ پر لازم ہے کہ وہ زکوۃ میں نکالی گئی چیز زکوٰۃ لینے والے کے قبضہ اور سپردگی میں دے،ظاہر ہے کہ اونٹ پوری طرح قبضہ وسپردگی میں اسی وقت آسکتا ہے،جب وہ عقال کے ساتھ بندھا ہوا لیا جائے۔بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ:عقال سے حقوق صدقہ میں سے رسی کے مساوی چیز مراد ہے۔اوربعض کی رائے یہ کہ:اخذ عقالا،اس وقت کہتے ہیں جب مصدق اونٹ وصول کرلے۔اوربعض کہتے ہیں کہ اخذ عقالا،تب کہتے ہیں کہ جب اونٹوں کے ثمن پر قبضہ کرلے۔اوربعض نے کہا کہ نقد لینے کو کہتے ہیں۔

اوربعض حضرات فرماتے ہیں کہ عقال سے مراد ایک سال کی زکوٰۃ ہے۔عرب اخذ المصدق عقال هذا العام،اس وقت کہتے ہیں جب مصدق لوگوں سے صدقہ وصول کرچکے۔اوربعث فلان علی عقال بنی فلان اس وقت کہا جاتا ہے جب مصدق کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا جائے۔عقال کی یہ تفسیر ابوعبیدہ کا مختار ہے۔وہ فرماتے ہیں:هذا اشبه عندی، بالمعنی۔

خطابیؒ فرماتے ہیں:اس جیسے مواقع پر ضرب المثل کے طور پر شیٔ اقل کو ذکر کیا جاتا ہے،نہ کہ شیٔ کثیر کو۔اورلسانِ عرب میں یہ کہیں نہیں کہ عقال سے مراد ایک سال کا صدقہ ہو۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:اسی وجہ سے ابوعبید نے ''بالمعنی'' کہا ہے۔ لہٰذا اُن پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اورمستبعد سمجھنے کا سبب بظاہر یہ ہے کہ شئی حقیر پر مقاتلہ لازم آتا ہے۔اگرچہ مبالغہ کی غرض سے شئی کثیر کو شئی قلیل تعبیر کیا

جاتا ہے، جیسا کہ مبالغہ کے طور پر نفیر اور قطمیر کہا جاتا ہے۔ ابوعبید کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں عقالا کے بجائے "عناقا" کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض روایات میں "جدیا" کا لفظ آیا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: احادیث سے ان دونوں اقوال کی تائید ہوتی ہے۔ قولِ اول کی مؤید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: "انه كان ياخذ مع كل فريضة عقالا فاذا جاء ت الى المدينة باعها ثم تصدق بها"۔ نیز محمد بن سلمہ کی یہ حدیث: "انه كان يعمل الصدقة فى عهد رسول الله ﷺ فكان يامر الرجل اذا جاء بفريضتين ان ياتى بعقالهما وقرانهما"۔ اور قول ثانی کی موید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "انه لم ياخذ الصدقة عام الرحادة فلما احيا الناس بعث عامله فقال: اعقل عنهم عقالين، فاقم فيهم عقالا وائتنى بالآخر، يريد صدقة عامين"، اھ۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عقال کا لفظ ان دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ یہاں عقال کے کونسے معنی مراد ہیں۔ واللہ اعلم

قوله: فقال لى: أجبار فى الجاهلية و خوار فى الإسلام۔

خوّار: واؤ کی تشدید کے ساتھ، بمعنی جبان: یعنی جب کہ تم مسلمان ہو، اور معاملہ اسلامی احکام کا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ان معادن العرب خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الاسلام اذا افقهوا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زمانہ اسلام سے طبائع اصلیہ کے سابقہ احوال میں تبدیلی نہیں آتی، بلکہ ان طبائع کے اثرات امور دینیہ میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ پہلے ان طبائع کے اثرات امورِ نفسانی و عرفی کے تعصب کی نظر ہوتے تھے۔

النہایہ میں "خوار" کے بارے میں لکھتے ہیں: خار، يخور سے مشتق ہے۔ کہ جب قوت، طاقت و دبدبہ کمزور پڑ جائے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دین کے مسئلہ میں ضعف و وہن کا تو ذکر کیا، لیکن یہ نہیں کہا کہ وہ جبار ہیں۔ بلکہ دین میں متصلب اور سخت مراد ہے۔ لیکن جب ان کے زمانہ جاہلیت کا ذکر کیا، تو اس کے ساتھ ہی جبار ہونے کا بھی ذکر کر دیا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہاں ان کا وہم ہے، چونکہ ان کی اس جملہ سے مراد یہ تھی کہ حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں جبار و تسلط ہونے کے ساتھ ساتھ حدود میں بھی تجاوز کر جاتے تھے۔ وقد عفا الله عما سلف۔ لہٰذا زمانہ جاہلیت کا یہ رویہ ان کو کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نیز یہ معنی مراد لینا تحصیل مدعیٰ میں ابلغ ہے۔

قوله: انه قد انقطع الوحى تم الدين......

انه: ضمیر شان ہے۔ اور استیناف تعلیلی ہے۔ (وتم الدين): ایک نسخہ میں "فتم الدين" ہے۔

(اينقص): ضمیر "دین" کی طرف راجع ہے۔ فعل معروف کا صیغہ ہے۔ اور ایک نسخہ میں مجہول کا صیغہ ہے۔ فعل لازم یا فعل متعدی ہونے کی وجہ سے۔ (وأنا حى): جملہ حالیہ ہے۔ عرب کے اس قول کے مطابق جاء زيد والشمس طالعة۔

رواه رزين: الریاض میں لما قبض رسول الله ﷺ "حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ روایت امام نسائیؒ نے ان ہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ اور صحیحین میں اس کے ہم معنی روایت ہے۔ حلبیؒ، قاضی عیاضؒ کی تصنیف حاشية الشفاء میں ابو

الحسن الاشعری سے نقل کرتے ہیں: "لم يزل ابو بكر بعين الرضا من الله"۔ اس کلام سے ان کی کیا مراد ہے؟ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ: لم يزلمؤمنا قبل البعثة و بعدها۔ یہی معنی صحیح اور پسندیدہ ہیں۔

دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں: بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: انه لم يزل بحالة غير مغضوب فيها عليه لعام الله تعالى بانه سيؤمن ويصير من خلاصة الأبرار۔ شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں: اگر اس سے یہی مراد ہے پھر تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام تو برابر ٹھہرے۔ امام اشعریؒ کی یہ عبارت کسی دوسرے کے حق میں ثابت نہیں، لہٰذا درست مطلب یہ ہے کہ: الصديق لم يثبت عنه في حال كفر بالله اھ۔ یہی بات ہم نے اپنے مشائخ اور قابل اقتداء حضرات سے سنی ہے۔ اور ان شاء اللہ یہی درست ہے۔

ابن ظفر بل أنباء نجباء الأبنا میں نقل کرتے ہیں کہ قاضی ابوالحسن احمد بن محمد الزبیدی اپنی کتاب "معالي العرش الى عوالي العرش" میں اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں: کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا: مہاجرین وانصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تھے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وعيشك يا رسول الله أني لم أسجد لصنم قط، مزید فرمایا کہ: زمانہ جاہلیت میں میری عمر اتنی اتنی تھی کہ ابوقحافہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کوٹھڑی لے گئے، جہاں بت رکھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے، یہ تمہارے خدا ہیں۔ ان کو سجدہ کرو، یہ کہا اور وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چل دیئے۔ میں ایک بت کے ذرا قریب ہوا اور اس سے کہا: انی جائع فاطعمنی، میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ، مگر وہ چپ رہا، اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے پھر کہا: انی عار فاكسني، میں برہنہ ہوں، مجھے کپڑے پہنا۔ مگر وہ چپ رہا اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: انی ملق عليك هذه الصخرة فان كنت الها فامنع نفسك، میں تمہیں یہ پتھر اٹھا کر دے ماروں گا، اگر تو واقعی آلہ ہے تو بچ کر دکھا۔ مگر وہ چپ رہا اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے وہ پتھر اسے دے مارا، پتھر لگتے ہی وہ بت منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ میرے والد میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: اے بیٹے! یہ کیا؟ میں نے عرض کیا، وہی کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر میری والدہ کے پاس آیا، اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ میری والدہ کہنے لگیں: اسے چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں مجھ سے سرگوشی کی ہے، میں نے عرض کیا: اماں جان! وہ سرگوشی کیا تھی؟ وہ کہنے لگیں، ایک رات مجھے دردِ زہ ہوا، اس گھڑی میں میرے پاس کوئی بھی نہ تھا، کہ اچانک میں نے ایک ہاتف کو یہ کہتے ہوئے سنا: يا امة الله، على العتيق ابشرى بالولد اعلتيق، اسمه في السماء الصديق، لمحمد صاحب ورفيق۔ اے اللہ کی بندی، ولد عتیق کی خوشخبری ملے، اس کا نام آسمان پر صدیق ہے۔ جو محمد کا صاحب اور رفیق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بات پوری کر چکے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ورود ہوا، وہ فرمانے لگے: صدق ابو بكر اھ۔ اس کی تائید اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: كنت أنا وابو بكر كفرسي رهان۔ چونکہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی کافر رہے ہوتے، تو ان پر یہ بات صادق نہ آتی۔ لو اتخذت احدا خليلا لا تخذت ابا بكر خليلا، فرمانے کی وجہ بھی شاید یہ ہے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کے حالات سے سابقہ پڑا، جس قسم کے حالات سے خلیل اللہ کا واسطہ پڑا تھا۔ مثلاً بتوں کی ٹھکائی، اور والد کی مخالفت وغیرہ۔ واللہ اعلم

عرضِ مرتب:

خلاصۃ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ ہے اور ابوقحافہ عثمان کے بیٹے ہیں پورا نسب یوں ہے عبداللہ بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ۔

ساتویں پشت میں جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے آپؓ کا نسب مل جاتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ پہلے مرد ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے تصدیق کی۔ اور ایمان واسلام کو قبول کیا حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کوئی غزوہ اور اہم واقعہ نہیں ہے جس میں ان کو شرکت، رفاقت اور ہمراہی کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔ یہ واحد شخص ہیں جو نہ تو اپنے زمانہ جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا رہے اور نہ زمانہ اسلام میں کبھی جدا ہوئے۔ جو خود بھی صحابی ہو اس کے ماں باپ بھی صحابی ہوں اس کی اولاد بھی صحابی ہو اور اولاد کی اولاد بھی صحابی ہو یہ عظیم تر خصوصیت اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ صرف سیرت وباطن کے اعتبار سے تمام صحابہ میں بے مثال تھے بلکہ ان کا سراپا اور ظاہری جمال بھی مثالی تھا سفید رنگت، ہلکا جسم، ابھری ہوئی پیشانی، خفیف رخسار اور خوبصورت آنکھیں ان سب نے مل کر ان کی شخصیت کو بڑی دل آویز اور پرکشش بنا دیا تھا واقعہ فیل کے دو سال چار ماہ اور کچھ روز بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور جمادی الثانیہ ۱۳ھ کی بائیسویں تاریخ یا آٹھویں تاریخ کو منگل کے دن مغرب وعشاء کے درمیان ۶۳ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری میت کو میری بیوی اسماء بنت عمیس غسل دیں چنانچہ حضرت اسماء نے آپؓ کو غسل دیا اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ دو سال چار ماہ آپؓ کی خلافت رہی، صحابہؓ اور تابعین کی بہت بڑی تعداد کو آپؓ سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے لیکن رحلت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ تھوڑے دن زندہ رہے اس وجہ سے آپؓ کی روایتوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔

اس باب میں جو احادیث مذکور ہیں ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل مناقب وفضائل مذکور ہیں:

①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے حقدار اور اہل تھے کہ ان کو خلیل بنایا جاتا۔

②: زندگی کے آخری ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں کھلنے والی تمام کھڑکیوں اور روشندانوں کو بند کرنے کا حکم دیا سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے اور جب اس پر بعض حضرات نے سوال واستفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ یہ خدا کا حکم تھا۔

③: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے بھائی اور میرے رفیق وساتھی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں اور میرے غار کے ساتھی ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے غار کے رفیق اور مونس و غمخوار ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے روشندان کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے باقی تمام روشندان بند کر دیئے جائیں۔

④: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت لکھوانے کا ارادہ فرمایا چنانچہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ

اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ایک تحریر لکھوادوں۔ دراصل مجھ کو اندیشہ ہے کہ (اگر میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نہ لکھوایا تو) کہیں خلافت کا کوئی آرزومند آرزو نہ کرے اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ (خلافت کا مستحق) میں ہوں حالانکہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کوئی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہوسکتا) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی خلافت کو نہ اللہ چاہے گا اور نہ اہل ایمان تسلیم کریں گے۔

⑤: ایک حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام مردوں میں سب سے زیادہ محبوب قرار دیا چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگوں میں سے سب سے محبوب کون ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری مراد مردوں میں سے کون سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہؓ کے والد یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

⑥: اسی طرح حضرت محمد بن حنفیہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہترین شخص کون تھا تو انہوں نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر کون تو انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ اور انہوں نے کہا کہ پھر میں نے سوال کا انداز بدلا اور یہ کہا کہ پھر آپؓ ہیں تا کہ کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے دیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں۔ میں تو صرف ایک مسلمان ہوں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل تھے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی کسی شخص کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہ سمجھتے تھے پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو۔

⑦: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بھی ہم پر کوئی احسان کیا ہم نے اس کے احسان کا بدلہ دے دیا لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عطاء وامداد کا جو عظیم سلوک کیا ہے اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا کرے گا۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے نفع دیا۔

⑧: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو امامت کرنا سزاوار نہیں۔ امامت کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو سب سے افضل ہو تو یہ بھی اس پر دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل تھے۔

⑨: حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی قربانی بے دریغ دی اور ایسی مثالیں قائم فرمائیں کہ ہم عصر لوگ بھی ان پر حیران وششدر رہ گئے چنانچہ ایک مرتبہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے آئے اور یہ سوچ کر آدھا مال خدمت اقدس میں پیش کیا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اپنا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا کہ جتنا خدمت میں پیش کیا ہے اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب لے آیا ہوں گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمرؓ ان کی یہ قربانی دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے کہ میں کبھی بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں بڑھ سکتا۔

⑩: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندگی ہی میں جہنم سے آزادی اور چھٹکارے کی خبر سنا دی گئی تھی چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انت عتیق اللہ من النار آپؓ دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہیں اسی دن سے آپؓ کا لقب عتیق پڑ گیا ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دوزخ کی آگ سے بری اور آزاد شخص کو دیکھنا چاہے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

⑪: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ قیامت کے دن میرے بعد سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ قبر سے اٹھیں گے چنانچہ ارشاد ہے کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو زمین سے برآمد ہوں گا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمرؓ پھر جنت البقیع میں مدفون لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ مجھے اہل مکہ و مدینہ کے درمیان میدان حشر میں پہنچایا جائے گا۔

⑫: اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی بھی بشارت سنائی چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (معراج کی رات) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے خواہش کا اظہار کیا کہ کاش میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا اور وہ دروازہ دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگاہ رہو کہ میری امت میں سے جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان میں سب سے پہلے شخص تم ہی ہو گے۔

⑬: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ویسے تو تمام اعمال ایسے ہیں کہ باقی لوگوں کے زندگی بھر کے اعمال ان کے برابر نہیں ہو سکتے لیکن دو عمل ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ کاش میری پوری زندگی کے اعمال (قدر و قیمت کے اعتبار سے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صرف اس ایک دن کے عمل کے برابر ہو جاتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات کے دنوں میں سے ایک دن تھا یا ان کی اس ایک رات کے عمل کے برابر ہو جاتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات کی راتوں میں سے ایک رات تھی۔

رات سے مراد تو ہجرت کی رات ہے جب یہ دونوں حضرات غار ثور میں چھپنے کے لئے وہاں پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے داخل ہو کر اس کی صفائی کی اور سوراخوں کو اپنے تہبند کے چیتھڑے پھاڑ کر بند کیا اور باقی دو سوراخوں میں ایڑھیاں ڈال دیں پہلے خود اس لئے داخل ہوئے تاکہ اگر اس میں کوئی موذی جانور وغیرہ ہو تو وہ مجھے ڈس لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے پورا واقعہ گزر چکا ہے۔

اور دن سے مراد وہ دن ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اور مختلف فتنوں نے سر اٹھایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جوانمردی اور استقلال کے ساتھ ان تمام فتنوں کی سرکوبی فرمائی۔

⑭: ایک اہم بات جو اس باب کی اکثر روایتوں سے سمجھ میں آتی ہے وہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں واضح اشارات۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نام لے کر کسی کو خلافت کے لئے منتخب نہیں فرمایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واضح اشارے فرما دیئے تھے کہ جن کی وجہ سے اس میں کوئی ابہام نہیں رہ گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ حضرت ابو

بکر رضی اللہ عنہ ہوں گے نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس طرح ہوتا تھا جس طرح کہ ایک ولی عہد کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث ④ میں ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ کسی اور وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو پھر کیسے بات بنے گی گویا اس عورت کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی طرف اشارہ کرنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی آنا۔

بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

یہ باب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل کے بیان میں

خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں اور بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے بیانات بھی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ دوم فاروق اعظمؓ سے متعلق چند احادیث درج کی جارہی ہیں ان میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے علاوہ جلیل القدر صحابہ کرام کے بیانات بھی ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں ان کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اسلام کی نعمت سے بہرہ مند فرما کر دین اسلام کو تقویت اور طاقت بخشی۔

اور ان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ان کو حق بات کا الہام ہو جاتا تھا اور ان کے دل ودماغ میں حق کے موافق بات ہی آتی تھی اور ان کی زبان سے جو رائے صادر ہوتی قرآن پاک اس کی تائید میں اترتا۔ ابن مردویہ نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی عقل اور دانست سے جو کچھ ارشاد فرماتے قرآن پاک اس کی تائید میں اترتا۔ اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ قرآن حضرت عمرؓ کی رائے میں سے ایک رائے ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی معاملے میں لوگ ایک بات کہیں اور حضرت عمرؓ دوسری بات کہیں تو قرآن حضرت عمرؓ کی بات کی تائید میں اترے گا۔ ایسے ہی علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ موافقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس سے زیادہ ہیں جن کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی شرح میں ذکر کیا جو دیکھنا چاہے ان کو وہاں دیکھ لے۔

الفصل الاول:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محدث یعنی ملہم ہونے کی بشارت

۶۰۳۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ اَحَدٌ فِیْ اُمَّتِیْ فَاِنَّهٗ عُمَرُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷/حديث رقم ۳۶۸۹ومسلم في صحيحه ۱۸۶٤/٤حديث رقم ۳۶۸۹ والترمذي في السنن ۵۸۱/۵حديث رقم ۳۶۹۳ و احمد عن عائشة ۵۵/۶

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے (سابقہ امتوں کے) لوگوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری اُمت میں کوئی شخص محدث ہوا تو وہ عمر ہوں گے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: من الامم، ما کا بیان ہے۔ گویا تقدیری عبارت: في الذين كانوا قبلكم ہے۔ (محدثون): دال مشددہ کے فتحہ کے ساتھ، یعنی صاحب الہام لوگ۔ ابن وہبؒ نے اس کی تفسیر "صاحب الہام لوگ" کے ساتھ کی ہے۔ یعنی بالفرض اگر کوئی ایک بھی ہو۔ (فانه عمر): یعنی اگر ایک سے زائد ہوتے، پھر تو بطریق اولیٰ حضرت عمر فاروقؓ ہوتے۔ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرب میں محدث اس شخص کو کہتے ہیں، جس کا ظن (یعنی گمان کسی بھی مختلف فیہ بات کے) اس پہلو کو اختیار کرے، جو صحیح ہو، اور آخر میں اس کی رائے اس طرح ثابت و صائب ہو، جیسے کسی بتانے والے نے اس کو بتا رکھا ہو۔ در حقیقت ملاء اعلیٰ کی طرف سے اس کے دل میں کوئی بات ڈالی جاتی ہے۔

فان يك في امتي احد فهو عمر کا مقصود اس امت میں محدث کے وجود کو مشکوک و مشتبہ کرنا نہیں ہے۔ امت محمدی تو پچھلی تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر پچھلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے تو اس امت میں ان کا وجود نا صرف یقینی طور پر ہے بلکہ ان سے زیادہ اور اعلیٰ رتبہ کے حامل ہوں گے، البتہ ان الفاظ کا مقصد تاکید قطعیت ہے۔

اس جملہ میں جو مبالغہ ہے وہ سمجھدار پر مخفی نہیں۔ اس جملہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص (اپنے کسی مخلص ترین دوست کی خصوصی حیثیت اجاگر کرنے کے لئے کہے کہ دنیا میں) اگر کوئی شخص میرا دوست ہے، تو بس وہی (فلاں) ہے، جس طرح اس جملہ کی مراد اس شخص کی دوستی کے درجہ کمال کو نہایت خصوصیت کے ساتھ بیان کرتی ہے، نہ یہ کہ دوستوں کی نفی مقصود ہوتی ہے، (اسی طرح حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی مراد مذکورہ وصف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نہایت خصوصی نسبت کو بیان کرنا ہے) اھ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ کی مراد دوست سے دوستی میں شک پیدا کرنا نہیں، اور نا یہ اظہار تردد ہے، کہ آپ کا کوئی دوست ہے کہ نہیں؟ بلکہ بطور مبالغہ مقصود یہ ہے کہ دوستی تو اس سے ہے اس کے علاوہ تو کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: یہ کلام اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، چونکہ بنی اسرائیل میں تو محدثین کی احتیاج تھی، چونکہ ان کے پاس (ایک عرصہ تک) کوئی نبی نہ تھا اور کتابوں میں تبدیلیاں واقع ہو چکی تھی۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہوتے ہوئے امت کو کسی محدث کی احتیاج نہیں، خصوصاً جب کہ قرآن کریم تبدیل و تحریف سے مأمون ہے۔ (ذکرہ السیوطیؒ)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ شرطیہ اُجیر کے اس قول کے قبیل سے ہے کہ: ان كنت عملت لك فوفني حقي۔ حالانکہ اسے اس کا علم بھی ہے لیکن وہ اپنے کلام میں یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ حق کی ادائیگی سے سبکدوشی میں تمہارا زیادتی کرنا اس شخص کے کام کی مانند ہے جسے استحقاق واضح ہونے کے باوجود شک ہو۔ لہٰذا محدث سے مراد وہ صاحب الہام ہے جو ملہم ہونے میں انبیاء کے درجہ کو پہنچ چکا ہو۔ چنانچہ مطلب یہ ہوگا: لقد كان فيما قبلكم من الأمم انبياء يلهمون من قبل الملأ الاعلى۔ فان يك في امتي احد هذا شانه فهو عمر۔

گویا کہ انہیں ان کے نبی ہونے نہ ہونے میں تردد ہے۔ اسی وجہ سے "ان" استعمال کیا۔ اس کی تائید فصل ثانی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب"۔ اس حدیث میں لو بمنزلہ ان کے فرض کرلیا جائے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہوگی جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہے: **نعم العبد صهيب لو لم يخف الله لم يعصه۔**

قوله :متفق عليه :

امام میرکؒ فرماتے ہیں: یہ الفاظ بخاریؒ کی روایت کے ہیں مسلم کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی روایت کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ تعجب ہے کہ حاکمؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث مناقب عمر میں مسلم کے استدراک میں ذکر کی ہے کہ مسلم نے یہ حدیث نقل ہی نہیں کی ہے۔ حالانکہ مسلمؒ نے مناقب میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

الجامع میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**كان فيما مضى قبلكم من الأمم ناس محدثون، فان يك في امتي منهم احد فانه عمر بن الخطاب**"۔ ابو ہریرہؓ سے یہ روایت احمد اور بخاری نے ذکر کی ہے۔ جب کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہے۔ لہٰذا مصنفؒ کا اس روایت کو "متفق علیہ" قرار دینا تسامح سے خالی نہیں، جیسا کہ امام میرکؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ احمد اور مسلم کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**قد كان يكون في الامم محدثون، فان يك في امتي احد فهو عمر بن الخطاب**"۔ الریاض میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے۔ اور ابو حاتم نے صحیح قرار دی ہے۔ امام بخاریؒ نے ابو ہریرہؓ سے، نیز ایک اور طریق سے اس سے ملتی جلتی روایت ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "**قال: قال رسول الله ﷺ: لقد كان فيمن قبلكم من بني اسرائيل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء، فان يكن في امتي منهم احد فهو عمر**"۔ اور محدثون کا مطلب ہے **ملهمون الصواب**۔ واللہ اعلم۔ اور ممکن ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہو، کہ ان سے فرشتے کلام کرتے ہوں، نہ یہ کہ غیب سے کوئی بات آتی ہو۔ اس اعتبار سے یہ مطلقاً حدیث کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی ایک عظیم الشان فضیلت ہے۔

جس راستے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزریں شیطان اس راستے سے نہیں گزرتا

۶۰۳۶: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اِسْتَاذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ نِسْوَةٌ مِّنْ قُرَیْشٍ یُكَلِّمْنَهٗ وَیَسْتَكْثِرْنَهٗ عَالِیَةً اَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَاذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضْحَكُ فَقَالَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ

اللّٰتِیْ کُنَّ عِنْدِیْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ قَالَ عُمَرُ یَا عَدُوَّاتِ اَنْفُسِهِنَّ اَتَهَبْنَنِیْ وَلَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ نَعَمْ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیْهٍ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا لَقِیَكَ الشَّیْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّكَ ۔ (متفق علیه وقال الحمیدی زاد البرقانی بعد قوله یا رسول اللّٰه ما اضحکك)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤١/٧حدیث رقم ٣٦٨٣ومسلم فی صحیحه ١٨١٣/٤حدیث رقم (٢٢-٢٣٩٦) و احمد فی المسند ١٧٨/٢

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس قریش کی چند خواتین یعنی ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی گفتگو کر رہی تھیں' اور آپ سے (نان ونفقہ کی) زیادتی کی طالب تھیں اور اس گفتگو میں ان کی آواز بلند ہو رہی تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجازت طلب کر کے اندر داخل ہونے لگے۔ تو وہ خواتین (چھپنے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر جلدی سے پردہ کے پیچھے چلی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ مسکرا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (آپ ﷺ کی مسکراہٹ دیکھ کر) کہا: اللہ آپ ﷺ کے دانتوں کو ہمیشہ خنداں رکھے (یعنی دانتوں کا کھلنا مسکراہٹ خوشی کی غماز ہوتی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سدا شاداں وفرحاں رکھے)' لیکن آخر وہ کون سی بات ہے جس نے اس وقت آپ ﷺ کو خنداں کر دیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات پر ہنسی آ گئی کہ وہ عورتیں (کہاں تو) میرے پاس بیٹھی ہوئی (شور مچا رہی) تھیں اور (کہاں) تمہاری آواز سنتے ہی (مارے ڈر کے) پردے کے پیچھے بھاگ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (نے یہ سنا تو ان خواتین کو مخاطب کر کے) بولے: اپنی جان کی دشمنو! (یہ کیسی الٹی بات کی ہے کہ) تم مجھ سے تو ڈرتی ہو (کہ میری آواز سنتے ہی ڈر کے مارے پردے کے پیچھے جا چھپی ہو) اور رسول کریم ﷺ سے نہیں ڈرتیں (کہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ کر شور مچا رہی تھیں؟) ان خواتین نے جواب دیا: ہاں (تم سے ڈرنا ہی چاہئے) کیونکہ تم سخت مزاج اور سخت دل ہو (جب کہ رسول کریم ﷺ نہایت خوش مزاج اور خوش خلق ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب! چھوڑ و اور کوئی بات کرو (ان عورتوں نے جو جواب دیا ہے اس کو اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تم وہ شخص ہو کہ) اگر شیطان تمہیں کسی راستہ پر مل جاتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لیتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور حمیدیؒ نے (اپنی کتاب "جامع بین الصحیحین" میں) کہا ہے کہ برقانیؒ نے (جو خوارزم کے ایک گاؤں برقان کے رہنے والے تھے اور مشہور محدث ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ: یارسول اللہ ﷺ کس چیز نے آپ ﷺ کو ہنسایا ہے؟''

تشریح: قسطلانیؒ فرماتے ہیں، وہ خواتین یہ تھیں: حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن وغیرہ۔ عسقلانیؒ کا کہنا ہے کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج تھیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ چند اور خواتین بھی ہوں۔ لیکن اگلے جملہ: (یکلمنه ویستکثرنه) سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ کہ وہ زیادہ باتیں کر رہی تھیں، اور ان

کے بلند مقام احتشام کا (کما حقہ) لحاظ نہیں رکھ رہی تھیں۔ امام نوویؒ کا فرمانا ہے کہ بہت زیادہ نفقہ طلب کر رہی تھیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: یسئلنہ ویستکثرنہ۔ (عالیة): منصوب علی الحالیۃ ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: مرفوع علی الوصف ہے، اھ۔ ایک روایت میں "رافعاً" ہے۔ (أصواتهن): فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی خوش خلقی اور خوش مزاجی پر بہت زیادہ اعتماد کی وجہ سے عادت و معمول سے ذرا بلند ہوگئی تھی۔

(یا...... اھبننی): ھاء کے فتحہ کے ساتھ۔ عرب کہتے ہیں: ھبت الرجل۔ آپ نے فلاں مرد کی عزت کی۔ یہ مقولہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آپ کسی کی عزت اس کی ہیبت کی وجہ سے کریں۔ فقلن نعم: عورتوں کے اس جواب کا تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری بات سے ہے نا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام باتوں کے ساتھ، ورنہ اشکال لازم آئے گا، جو کہ ظاہر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ (نعم) بطور تاکید کے ہو، اور مقدم ہو۔ (انت...... واغلظ)۔ کہ آپ زیادہ غصہ والے برا کلام کرنے والے پتھر دل آدمی ہیں، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اخلاق کے مالک ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وانك لعلى خلق عظيم﴾ [القلم] دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ: "خيار كم خيار كم لنسائهم"۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: خواتین کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افظ، اور اغلظ کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں زیادہ سخت گو، سخت خو ہو۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بردبار، غم خوار، حد درجہ دل کے نرم تھے۔ بلکہ یہاں ان کی مطلقاً فظاظت وغلظت میں مبالغہ مقصود ہے، اھ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے اندر سخت گوئی اور سخت خوئی دوسروں سے زیادہ ہے، نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں۔ کیونکہ وہ رفیق اور نہایت حلیم تھے۔ لیکن اس پر بخاری میں موجود کتاب الادب، باب التبسم کی اس حدیث: فقلن، انك افظ واغلظ من رسول الله ﷺ سے اشکال لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلام العسل احلى من الخل اور الشتاء أبرد من الصيف کے قبیل سے ہو۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک موجودہ حالت کے مطابق کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔ (ايه): ہمزہ کے کسرہ اور ہاء کی تنوین کے ساتھ، کبھی بلا تنوین پڑھا جاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کوئی اور بات کرو، ان عورتوں نے جو جواب دیا ہے اس کو اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (یا ابن الخطاب): ایک روایت میں یا عمر ہے، یعنی زیادتی طلب کرنا، یعنی جو مضبوط موقف آپکا ہے اس میں زیادتی مطلوب ہے اور اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ (قط الا سلك فجا غير فجك): اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کا بیان ہے، مگر اس طور پر نہیں کہ وہ بالکل معصوم ہیں۔ چونکہ یہ شان ان وساوس سے مانع نہیں جو موجب غفلت ہیں۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایہ، اسم فعل بمعنی امر ہے۔ جب آپ کسی سے یہ کہنا چاہیں: ہاں کہتے رہو، تو ھاء کے کسرہ کے

2

ساتھ۔ ملا کر پڑھنے کی صورت میں تنوین پڑھی جائی گی۔ اور یوں پڑھیں گے: ایه حدثنا، اور جب اس پر سکوت کرو گے تو پھر ؤ ایھا عنا، پڑھیں گے، موقع محل کے اعتبار سے۔

اس حدیث میں ایھا ہونا چاہئے تھا، اور مطلب یہ ہوگا: کف یا ابن الخطاب عن هذا الحدیث۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں مجرور منون ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ایھاً درست ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی جامع میں یہ روایت تو ذکر کی ہے، لیکن یہ کلمہ ذکر نہیں کیا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: روایت صحیح بھی ہے اور دلالیت کے موافق بھی ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا تو خطا قرار دینا چہ معنی دارد۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول أتهبنني ولا تهبن رسول الله ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ تم میری توقیر تو کرتی ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر نہیں کرتی ہو۔

شرح السنہ میں ہے کہ مذکورہ بالا قول عرب کے اس محاورہ سے ہے هبت الرجل۔ عرب کہتے ہیں: هب الناس يهابوك، آپ لوگوں کی عزت کریں، لوگ آپ کی عزت کریں گے۔ اھ کلامہ

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی توقیر کا حکم مطلوب لذاتہ اور جس قدر ہو سکے تعظیم کرنی چاہیے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایه ارشاد فرمانا، درحقیقت ان کی تعظیم وتوقیر زیادہ سے زیادہ بجالانے کی طرف اشارہ ہے، اسی وجہ سے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا: والذی نفسی بیده......۔ کیونکہ یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء پر دلالت کرتا ہے، کہ جس سے بڑھ کر حضور کی طرف سے رضامندی کا اظہار ممکن نہیں، خصوصاً ان کی یہ صفت۔

تورپشتی فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ما لقيك شيطان ' وہ سراپا حق محض تھے' سالکا، حضرت عمر فاروقؓ کے دین کے معاملہ میں متصلب ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کہ وہ دین کے معاملہ میں مسلسل سخت کوشاں رہے، حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی ننگی تلوار بنے رہتے تھے۔ اگر ان کی کسی بات کو روار کھتے تو حضرت عمرؓ وہ کام کرتے رہتے، اور اگر انہیں منع فرما دیتے، وہ رک جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شیطان پر غلبہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی حاصل تھا، وہ شاہی محافظین کی طرح تھے کہ شیطان ان کے راستہ سے ہٹتا جاتا تھا، اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام جہان والوں کیلئے رحمت مهداة بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لئے مذنبین سے عفو ودرگزر پر مامور تھے۔ اور جاہلین سے اعراض کے مامور تھے، آنحضرتؐ ایسے نہ تھے کہ فعل غیر محمود کے مرتکب کے ساتھ درشتی سے پیش آتے، چونکہ ان عادات کے ساتھ صفح وعفو کا تصور (بھی) نہیں کیا جا سکتا، اسی وجہ سے آپ نے تسامح فرمایا، اور حضرت عمرؓ سے ان خواتین کے ہیبت زدہ ہونے کو مستحسن قرار دیا۔

تخریج: امام احمدؒ نے بھی یہ روایت یوں ہی ذکر کی ہے۔ امام نسائی اور ابوحاتمؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: "فلما سمعن صوت عمر انقمعن وسكن، ای ذللن وارتدن عن فقال عمر: يا عدوات أنفسهن"۔ اس روایت میں عورتوں کا جواب مذکور نہیں ہے۔

گویا کہ بعض راویوں نے نسیاناً یا اختصاراً روایت کا یہ ٹکڑا بہت نمایاں ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ یا بعض ثقہ راویوں کی زیادتی ہے، یا بعض راویوں کا ادراج ہے اس جملے پر کلام حدیث کی شرح کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا

۶۰۳۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا اَنَا بِالرُّمَیْصَاءِ امْرَاَةِ اَبِیْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالَ ھٰذَا بِلَالٌ وَرَاَیْتُ قَصْرًا بِفَنَائِہٖ جَارِیَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ ھٰذَا فَقَالُوْا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَہٗ فَاَنْظُرَ اِلَیْہِ فَذَکَرْتُ غَیْرَتَکَ فَقَالَ عُمَرُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَعَلَیْکَ اَغَارُ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٠/٧حدیث رقم ٣٦٧٩ واخرجه مسلم فی صحیحه ١٨٦٣/٤حدیث رقم (٢١-٢٣٩٥) و احمد فی المسند ٣٨٩/٣

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (معراج کی رات میں) جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ابوطلحہ کی زوجہ رمیصاء کو دیکھا۔ پھر میں نے قدموں کی چاپ سنی تو میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے (جس کے چلنے پھرنے کی آواز آ رہی ہے) مجھے (جبرئیل یا کسی اور فرشتہ نے یا داروغہ جنت نے) بتایا کہ یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز (ایک جگہ پہنچ کر) میں نے ایک محل دیکھا' جس کے ایک گوشہ میں (یا صحن میں) ایک نوجوان عورت (یعنی حور جنت) بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا! یہ محل کس کا ہے؟ (اور ہمہ انواع کی یہ نعمتیں جو اس محل میں اور اس محل کے اردگرد ہیں کس کے لئے ہیں) مجھ کو جنتیوں نے (یا اس محل پر متعین فرشتوں نے) بتایا کہ یہ (محل اپنے تمام ساز و سامان اور نعمتوں سمیت) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے ہے (یہ سن کر) میرا ارادہ ہوا کہ محل میں جاؤں اور اس کو اندر سے بھی دیکھوں لیکن پھر (اے عمر) مجھے تمہاری غیرت کا خیال آ گیا (کہ تمہارے محل کے اندر داخل ہونا تمہاری غیرت کے منافی ہوگا اس لئے میں اندر داخل نہیں ہوا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ سنا تو) عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان' کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے داخل ہونے) سے غیرت کروں گا“۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ایک نسخہ میں ”رسول اللہ“ ہے۔

بالرمیصاء: صاد مہملہ کے ساتھ، رمصاء کی تصغیر ہے۔ اس عورت کو کہتے ہیں، جس کی آنکھ کے کونے میں سفید چیپڑ (میل کچیل) جمع ہو۔ رمص، (راء اور میم کے فتحہ کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ اس سفید چیپڑ کو کہتے ہیں جو آنکھ کے کونے میں جمع ہوتا ہے۔ اس جگہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام یا لقب کے طور پر ہے۔ (**امراۃ ابی طلحۃ**): بدل یا عطف بیان ہے۔ مرفوع پڑھنا بھی درست ہے، اور منصوب پڑھنا بھی درست ہے۔ (**وسمعت خشفۃ**): خاء معجمہ اور شین معجمہ کے فتحہ اور فاء کے ساتھ بمعنی حرکت، بروزن حرکۃ۔ ایک نسخہ میں شین کے سکون کے ساتھ، بمعنی آواز ہے، المشارق میں ہے کہ خشفۃ خاء کے فتحہ اور شین کے سکون کے ساتھ ایسی آواز جو سخت نہ ہو۔ ابوعبید کہتے ہیں: فراءؒ کے بقول صوتِ واحد کو کہتے ہیں۔ اور شین کی حرکت کے ساتھ بمعنی حرکت ہے۔ صاحب النہایہ لکھتے ہیں کہ: خشفہ، فتحہ اور سکون کے ساتھ حرکت کے معنی میں ہے۔ یہاں جوتے کی وہ آواز مراد ہے جو چلنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ (**بفنائہ**): فاء کے کسرہ، نون کی تخفیف اور مدّ کے ساتھ، محل کے اطراف

میں پھیلا ہوا حصہ۔ (فقالوا): ایک نسخہ میں قالوا ہے۔ (غیر تك): صاحب قاموس لکھتے ہیں: غار علی امراته وهی علیه تغار، غیرة بالفتح۔

(بأبی أنت وأمی): باء برائے تعدیہ، انت مبتداء، بأبی اس کی خبر۔ تقدیری عبارت یوں ہے: انت مقدی بأبی وأمی كذلك۔ ایک نسخہ میں بأبی وأمی ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے: أنت مفدی بهما اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میرے والدین کو آپ پر فدا کرے۔ (أغار). غیرة سے متکلم کا صیغہ ہے۔ کلام میں ''قلب'' ہوا ہے' اصل میں یوں ہے: أعلیها أغا رمنك؟ اور عبدالعزیز نے یہ زیادتی روایت کی ہے: وهل رفعنی الله الا بك وهل هدانی الله الا بك۔ (ذکرہ لسیوطی)

تخریج: احمد، ترمذی، ابن حبان اور نسائی نے حضرت انسؓ سے، شیخین نے حضرت جابرؓ سے، نیز احمد نے بریدة اور حضرت معاذؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ''دخلت الجنة فاذا أنا بقصر من ذهب۔ فقلت لمن هذا القصر؟ قالوا لشباب من قریش، فظننت انی أنا هو۔ قلت ومن هو؟ قالوا: عمر بن الخطاب، فلو لا ما علمت من غیر تك لدخلت''۔ میں جنت میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں سونے کے ایک محل کے پاس ہوں، میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ کہنے لگے: قریش کے ایک جوان کا ہے، تو مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ جوان میں ہی ہوں۔ میں نے پوچھا: وہ جوان کون ہے؟ انہوں نے کہا: عمر بن خطاب، اگر مجھے تمہارا غیور ہونا معلوم نہ ہوتا، تو میں داخل ہو جاتا۔

احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: ''دخلت الجنة فسمعت خشفة بین یدی فقلت: ما هذه الخشفة؟ فقیل: الغمیصاء بنت ملحان''۔ میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے اپنے آگے ایک آواز سنی، میں نے پوچھا: یہ آواز کیسی ہے؟ کہا گیا: غمیصا بنت ملحان۔

یہ روایت عبد بن حمید نے حضرت انسؓ سے اور طیالسی نے حضرت جابرؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً نقل کی ہے: ''دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت: ما هذه؟ قالوا: هذا بلال۔ ثم دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت: ما هذه؟ قالوا: هذه الغمیصاء بنت ملحان''۔ میں جنت میں داخل ہوا، تو میں نے ایک آہٹ سنی، میں نے کہا: یہ آہٹ کیسی ہے؟ وہ کہنے لگے: یہ بلال ہیں۔ میں جنت میں دوبارہ داخل ہوا، تو میں نے ایک آواز سنی، میں نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ غمیصا بنت ملحان ہیں۔

الریاض میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، فرمایا: قال رسول الله ﷺ: أدخلت الجنة فرایت قصر امن ذهب ولؤلؤ فقلت: لمن هذا القصر؟ قالو: لعمر بن الخطاب فما منعنی ان ادخله الا علمی بغیر تك۔ قال: علیك اغار بأبی انت وأمی علیك اغار''۔ مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو میں نے سونے اور موتیوں کا ایک محل دیکھا، تو میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ عمر بن خطاب کا۔ مجھے اس محل میں داخل ہونے سے نہیں روکا، مگر تمہاری غیرت کے معلوم ہونے' نے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر واری، کیا میں آپ پر غیرت کروں گا، کیا میں آپؐ پر غیرت کروں گا۔

یہ روایت ابوحاتمؒ نے ذکر کی ہے ~~مسلم نے بھی~~ اس روایت کی تخریج کی ہے، لیکن اس میں ''من ذهب ولؤلؤ'' کے الفاظ

نہیں ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "ادخلت الجنة فاذا انا بقصر من ذهب قالوا: لعمر بن الخطاب"۔ میں جنت میں داخل کیا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں نے سونے کے ایک محل کے پاس ہوں، میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے، انہوں نے بتایا کہ عمر بن الخطاب کا۔ اس روایت کی تخریج احمد اور ابو حاتم نے بھی کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ: "قال: بينا انا نائم رايتني في الجنة فاذا انا بامرأة تتوضاء الى جانب قصر قلت: لمن هذا؟ فقالت: لعمر بن الخطاب فذكرت غيرة عمر فوليت مدبرا۔ قال ابو هريرة: فبكى عمر ونحن جميع في ذلك المجلس۔ ثم قال: بأبي أنت وأمي يا رسول الله أعليك أغار"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں، کہ میں ایک عورت کے پاس ہوں جو محل کے ایک طرف وضوء کر رہی ہے، میں نے پوچھا: یہ کس کے لئے ہے؟ وہ بولی عمر بن خطاب کے لئے۔ مجھے عمر کی غیرت یاد آئی، میں پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رو پڑے، ہم سب لوگ اس مجلس میں تھے، پھر فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپؐ پر غیرت کروں گا۔ اس حدیث کی تخریج مسلم، ترمذی اور ابو حاتم نے بھی کی ہے۔

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "لما اصبح رسول الله ﷺ دعا بلالا فقال: يا بلال! بم سبقتني الى الجنة ما دخلت الجنة الا سمعت خشخشك أمامي، دخلت البارحة الجنة فسمعت خشخشتك امامي فاتيت على قصر مربع مشرف من ذهب فقلت: لمن هذا القصر؟ فقالو: لرجل [من العرب ، قلت: انا عربي لمن هذا القصر۔ فقالوا: لرجل] من قريش۔ فقلت: انا قرشي لمن هذا القصر؟ فقالوا: لرجل من امة محمد ﷺ قال: انا محمد لمن هذا القصر؟ قالوا العمر بن الخطاب۔ فقال: يا رسول الله ما اذنت قط الا صليت ركعتين وما اصابني حدث قط الا توضأت عندهٔ رأيت ان لله على ركعتين، قال ﷺ بهما"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سراپا دین تھے

۶۰۳۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٣/٧ حديث رقم ٣٦٩١ ومسلم في صحيحه ١٨٥٩/٤ حديث رقم (١٥-٢٣٩٠) والترمذي في السنن ٤٦٧/٤ حديث رقم ٢٢٨٥ والنسائي في السنن ١١٣/٨ حديث رقم ٥٠١١ و احمد في المسند ٨٦/٣

ترجمہ: "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اس اثناء میں کہ

سو رہا تھا' میں نے دیکھا کہ (میری اُمت کے) کچھ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ سب قمیصیں پہنے ہوئے تھے جن میں بعض کی قمیصیں ان کے سینوں تک تھیں اور بعض کی قمیصیں اس سے بھی چھوٹی تھیں۔ پھر جب عمر بن خطابؓ میرے سامنے پیش ہوئے تو ان کی قمیص اتنی لمبی تھی کہ زمین سے گھسٹ رہی تھی' بعض صحابہ نے (یہ سن کر) پوچھا کہ یارسول اللہ! (عمر رضی اللہ عنہ کی اس لمبی قمیص کی) تعبیر آپ (ﷺ) کیا بیان فرماتے ہیں؟ فرمایا دین و مذہب! (بخاری و مسلم)

تشریح: قولہ :وعلیھم قمص ...... ومنھا مادون ذلك ۔ قمص: قاف اور مم کے ضمہ کے ساتھ، قمیص کی جمع ہے۔ جملہ حال واقعہ ہو رہا ہے۔ (ما یبلغ الثدی): ثاء مثلثہ کے ضمہ، دال کے کسرہ، یاء تحتیہ کی تشدید کے ساتھ، ثدی کی جمع ہے۔ ایک نسخہ میں ثاء کے فتحہ، دال کے سکون اور یاء کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مفرد ہے، اور جنس کے معنی مراد ہیں۔ (ومنھا ما دون ذلك): یعنی بعض کے اس سے چھوٹے تھے، یا ان سے بھی لمبے تھے، یا ان دونوں سے اعم معنی مراد ہیں۔ اور ''دون'' غیر کے معنی میں ہو، جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس قول مبارک: ﴿وانا منا الصالحون ومنادون ذالك﴾ [الجن: ۱۱] میں ہے۔ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: یہاں احتمال ہے کہ دونہ میں جہت اسفل مراد ہو، اور یہی ظاہر ہے، اس صوت میں اس سے مراد اطول ہوگی۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس میں جہت علو مراد ہو، اس صورت میں اس سے مراد اقصر ہوگی، پہلے مفہوم کی تائید حکیم ترمذیؒ کی ایک اور طریق سے ابن مبارک عن یونس عن الزہری سے مروی یہ حدیث ہے: ''فمنھم من کان قمیصه الی سرته، ومنھم من کان قمیصه الی رکبته، ومنھم من کان قمیصه الی انصاف ساقیه''۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: الریاض کی روایت میں: ومنھا ما ھو أسفل من ذلك ہے۔

قولہ :قال :الدین :الدین: منصوب ہے فعل محذوف اولته کے لئے۔ ایک نسخہ میں مرفوع ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: المؤول به ھو الدین۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: قمیص کی تعبیر دین ہے اور قمیص کا گھسٹنے کی تعبیر یہ ہے کہ ان کے آثار جمیلہ باقی رہیں گے۔ اور ان کی وفات کے بعد مسلمانوں میں ان کی سنت حسنہ کی اقتداء کی جاتی رہے گی۔

تخریج: یہ روایت احمد اور ابو حاتم نے بھی نقل کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علوم نبوت کا ایک وافر حصہ ملا

۶۰۳۹ :وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اَنِّيْ لَاَ رٰى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۰/۷ حدیث رقم ۳۶۸۱ ومسلم فی صحیحه ۱۸۵۹/۴ حدیث رقم (۱۶-۲۳۹۱) واخرجه الترمذی فی السنن ۴۶۷/۴ حدیث رقم ۲۲۸۴ والدارمی فی السنن ۱۷۱/۲ حدیث رقم ۲۱۵۴ و احمد فی المسند ۲/

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میں محو خواب تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا' میں نے وہ دودھ پیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ (زیادہ ہونے کے سبب اس دودھ کی) تری اور تازگی میرے ناخنوں سے پھوٹ رہی ہے اور پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب ؓ کو (پینے کے لئے) دے دیا۔ صحابہ ؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس دودھ کی تعبیر میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا: علم!۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :بينا أنا نائم ...... في أظفاري:

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''**اذ رأيت قد حا أتيت به فيه لبن**''۔

انی: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، اور فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ (**لأرى الرى**): راء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، ایک روایت میں ''**يجرى**'' ہے۔

فما اولته: ضمیر لبن کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت میں ''**فما اولت ذلك**'' ہے۔

قال :العلم: منصوب ہے، مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، وجہ پہلے گزر چکی ہے۔

علم سے مراد علم دین ہے۔ واللہ اعلم۔ علماء فرماتے ہیں: عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک اور عالم ہے، جسے عالم مثال کہا جاتا ہے۔ یہ عالم نورانی ہے البتہ عالم جسمانی کے مشابہ ہے۔ اور نیند نورانی روح کو اس عالم مثال کی سیر کرانے کا یک ذریعہ ہے۔ اس عالم مثال میں نظر آنے والی صورتیں غیر جسدی ہوتی ہیں۔ علم کی صورت مثالیہ عالم مثال میں دودھ ہے، (اس لئے اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دودھ پی رہا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس شخص کو خالص و نافع علم نصیب ہوگا۔ علم اور دودھ کے درمیان وجہ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح دودھ انسانی جسم کی پہلی غذا اور بدن کی اصلاح وتقویت کا بنیادی ذریعہ ہے، اسی طرح علم انسانی روح کی پہلی غذا اور اس کی اصلاح وتقویت کا بنیادی ذریعہ ہے۔

بعض حضرات کا فرمانا ہے، کہ عالم مثال نے تجلی علم کا انعکاس صرف چار چیزوں' پانی، دودھ، شراب اور شہد کی صورت میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان چار نہروں کا ذکر کیا ہے۔

پس جس شخص نے (خواب میں) پانی پیا، اس کو علم لدنی عطا ہوگا۔ جس شخص نے دودھ پیا، اس کو اسرار شریعت کا علم حاصل ہوگا۔ جس شخص نے شراب پی، اس کو علم کمال عطا ہوگا۔ اور جس شخص نے شہد پیا، تو اس بطریق وحی علم عطا ہوگا۔ اور بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جنت کی یہ چاروں نہریں درحقیقت خلفاء اربعہ سے عبارت ہیں۔ اور اس اعتبار سے حدیثِ بالا میں دودھ کی نسبت سے صرف حضرت عمر ؓ کا ذکر ہونا نہایت موزوں ہے۔ جہاں تک تعلق ہے علم سے سیرابی کا، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات سیرابی کے وجود کے قائل ہیں، چونکہ استعداد متناہی ہے۔

حدیث کا ظاہری مفہوم ان حضرات کا موید ہے۔ بعض اس کے عدم کے قائل ہیں۔ چونکہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

﴿**وقل رب زدني علما**﴾ [طه:۱۱۴]۔

مزید علم حاصل کرنے کا حکم استعداد کے غیر متناہی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں: جو آدمی زیادت میں نہیں، تو وہ آدمی گھاٹے میں ہے۔ اور توقف بنی آدم کی تسرشت میں نہیں اس پر دلیل آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ فرمان ہے: "منهومان لا يشبعان طالب العلم و طالب الدنيا"۔

اسی بارے میں ابویزید بسطامی قدس اللہ سرہ السامی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: شربت الحب كأسا بعد كأ، فما نفد الشراب ولا رويت۔

تو یہ جواب ممکن ہے کہ جب بقدر استعداد علم حاصل ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دوسرے علم کے لئے مزید استعداد عطا فرما دیتے ہیں، اور پھر نئی پیاس شروع ہو جاتی ہے۔ اسی بارے میں بعض لوگوں کا فرمانا ہے: طالب العلم كشارب البحر كلما ازداد شربا ازداد عطشا۔

اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بدایت پر محمول ہے، عدم نہایت پر دلالت کرنے والی آیت کے نزول سے پہلے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، ابوحاتم اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

خلافتِ عمر میں دین کے مضبوط ہونے کی بشارت

۶۰۴۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُنِيْ عَلٰى قَلِيْبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَخَذَهَا ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَيْنِ وَفِيْ نَزْعِهٖ ضَعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهٗ ضَعْفَهٗ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَاَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرْعَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ. (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۸/۷ حديث رقم ۳۶۶۴ ومسلم في صحيحه ۱۸۶۰/۴ حديث رقم (۱۷-۲۳۹۲)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں محوخواب تھا' میں نے دیکھا کہ ایک بغیر من کے کنویں پر ہوں جہاں ایک ڈول بھی رکھا ہوا ہے۔ میں نے (ڈول کے ذریعہ) اس کنویں سے پانی کھینچا جس قدر کہ اللہ نے چاہا' پھر ابن ابوقحافہ یعنی ابوبکر نے ڈول سنبھالا اور انہوں نے ایک یا دو ڈول پانی کھینچا اور ان کے کھینچنے میں کمزوری تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف کرے پھر وہ ڈول ایک چرس (یعنی بڑے ڈول) میں تبدیل ہو گیا اور عمر بن خطابؓ نے اس کو لے لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی جوان اور طاقتور شخص کو ایسا نہیں پایا جو عمر کی طرح اس چرس کے ذریعہ پانی کھینچتا ہو۔ چنانچہ (انہوں نے اتنا پانی کھینچا کہ نہ صرف تمام لوگ سیراب ہوئے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو سیراب کیا بلکہ) لوگوں نے (پانی کی فراوانی کے سبب) اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔

تشریح: قوله: بينما أنا نائم ..... الله يغفر له ضعفه۔

قلیب: بغیر منڈیر کا کنواں۔ قلیب کی ضد مطویۃ ہے، یعنی پتھروں اور اینٹوں کی منڈیر والا کنواں۔ (علیھا): یعنی کنویں کے اوپر۔

ذنوبا: ذال معجمہ کے فتحہ کے ساتھ، وہ ڈول جس میں پانی ہو، پانی سے بھرا ہوا ڈول، یا بھرا ہوا یا بھرا ہوا نہ ہو۔ (کذا فی القاموس)

(او ذنوبین): راوی کو شک ہے۔ ذنوبین کی روایت صحیح ہے۔ (ذکرہ ابن الملک)۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ "او" بمعنی "بل" ہے۔ لہٰذا راوی کی طرف خطا کی نسبت کی کوئی احتیاج نہیں۔ اور نہ شک وتردد کی نسبت راوی کی طرف کرنے کی۔

تثنیہ میں احتمال ہے کہ اس سے قلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، قطع نظر کرتے ہوئے عدد سے۔ والله يغفر له ضعفه: یہ جملہ حالیہ دعائیہ ہے، معترضہ۔ پانی کھینچنے میں جو ضعف تھا وہ تغیر زمان اور قلتِ اعوان کی وجہ سے تھا۔ ان الفاظ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ ومقام کی تنقیص نہیں ہے۔ غربا: غین کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ، بقول صاحب قاموس بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔ ابن ملک اس پر اضافہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بیل کی کھال کا بنا ہوتا ہے۔ (عبقريا): یاء کی تشدید کے ساتھ، اس کا معنی ہے قوی مرد۔ (نزع): مفعول مطلق ہے۔ (...... ﴾ بعطن): عین اور طاء کے فتحہ کے ساتھ۔ عطن، پانی کے گرد اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: قلیب سے شاید دین کی طرف اشارہ تھا کہ دین ان حقائق کا سرچشمہ ہے، جن پر انسانیت کی حیات وبقاء کا انحصار ہے۔ اور کنویں سے پانی کھینچنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دین کی زمام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کنویں سے ایک یا دو ڈول کھینچنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کا زمانہ خلافت بہت قلیل ہوگا۔ اور (دین اور اس کے توسط سے ملت کی قیادت وزمام کار) ان کے ہاتھوں میں ایک سال یا دو سال رہے گی۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتقل ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ دو سال تین ماہ خلیفہ رہے۔

پانی کھینچنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سست وکمزور پڑ نا پایا تو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ (ان کا زمانہ خلافت میں دین کو کمزور کرنے کی کوشش کی جائے گی، جیسا کہ بعض عرب قبائل کے ارتداد کی صورت میں اضطراب اور باہمی اختلاف کی سی کیفیت پیدا بھی ہوئی۔ یا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابوبکرؓ چونکہ فطرتاً نرم مزاج، بردبار اور بامروت واقع ہوئے ہیں، اس لئے ملکی حکومتی معاملات میں رعب ودبدبہ سے زیادہ کام نہیں لیں گے۔ اس مفہوم کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "ان الله يغفر له ضعفه" سے بھی ہوتی ہے۔ تاہم اس جملہ کا مقصد یہ واضح کرتا ہے کہ ان کی یہ سستی وکمزوری یا نرمی اور مروت ایسی چیز ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل عفو ودرگزر ہے۔ اور جس سے ان کے مرتبہ ومقام پر آنچ نہیں آتی۔ اور ڈول کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ تک پہنچ کر چرس بن جانا، اس طرف اشارہ کرتا ہے، کہ وہ دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے، بڑھانے اور مضبوط کرنے میں ایسی سعی وکوشش کریں گے، جس کا اتفاق نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کسی اور کو حاصل ہوگا۔ اور عبقری کا مطلب ہے قوی۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: في نزعه ضعف، اس سے نہ روان کے مرتبہ ومقام میں فرق پڑتا

ہے، اور نہ حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہونا ثابت ہے۔ اس ارشاد میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کی خلافت کی مدت کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا دورانیہ چونکہ طویل ہوگا، لہٰذا لوگ ان سے بہت زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اسلام کا حلقہ وسیع ہوگا' فتوحات کی کثرت ہوگی اور اموال وغنائم حاصل ہوں گے۔ اور **واللہ یغفر لہ ضعفہ**، اس دعائیہ جملہ کا مقصد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف گناہ اور تقصیر کی نسبت ثابت کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسا جملہ ہے جس سے مسلمان اپنے کلام کو زینت بخشا کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے، کہ یہ جملہ مسلمانوں کا زبان زد تھا۔ کہا کرتے تھے: **افعل کذا واللہ یغفرلك**، یہ کام کر اللہ تیری مغفرت کرے۔ **فنزعت منہا ما شاء اللہ ثم اخذھا ابن ابی قحافۃ**، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ونیابت اور اس دنیا سے پردہ فرمانے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا کے رنج وآلام اور شدائد وتکالیف سے راحت پانے کی طرف اشارہ ہے۔ **ثم أخذھا ابن الخطاب...... وضربوا بعطن** میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مرتدین کا صفایا کریں گے، اور مسلمانوں کا شیرازہ پھر سے اکٹھا کریں گے، فتوحات کی ابتداء ہوگی، اور امور سیدھے ہوئے چلے جائیں گے۔ اور فتوحات اسلام کی جو ابتداء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی، وہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اپنے ثمرات کے ساتھ عروج پر پہنچے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اللہ نے حق جاری کر دیا

۶۰۴۱: وَفِی رِوَایَةِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ ھَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ فَا سْتَحَا لَتْ فِی یَدِہٖ غَرْبًا فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًا یَفْرِیْ فَرِیَّہٗ حَتّٰی رَوَی النَّاسُ وَضَرَبُوْا بِعَطَنٍ ۔ (متفق علیہ)

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۴۱۲/۱۲ حدیث رقم ۷۰۱۹ ومسلم فی صحیحہ ۱۸۶۰/۴ حدیث رقم (۱۷-۲۳۹۲) و احمد فی المسند ۲۷/۲

ترجمہ: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یوں ہے کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس ڈول کو عمر بن خطابؓ نے لے لیا۔ ان کے ہاتھ میں آتے ہی وہ چرس بن گیا۔ میں نے کسی جوان اور طاقتور شخص کو ایسا نہیں پایا جو پانی کھینچنے میں عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چاق وچوبند ہو۔ چنانچہ انہوں نے (اتنا پانی کھینچا کہ) لوگوں کو سیراب کر ڈالا اور (پانی کی فراوانی کے سبب) لوگوں نے اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **فریہ**: فاء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں فاء کے فتحہ، راء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی اپنا کام تندہی سے کرے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ لفظ راء کے سکون اور یاء کی تخفیف کے ساتھ، نیز راء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ مروی ہے، یہ دونوں لغات صحیح ہیں۔ خلیلؒ نے تشدید کی لغت سے ناواقفی کا اظہار کیا ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ: **لم ار شیئا یعمل عملہ ویقطع قطعہ**۔

فری: (راء کے سکون کے ساتھ) اصل میں قطع کرنے کو کہتے ہیں۔عرب کہتے ہیں:ترکته یفری الفری۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں، جب کوئی شخص کام کرے اور نہایت خوب کرے۔ (متفق علیه): الریاض سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت صرف مسلم کی ہے، اور دوسری روایت شیخین اور احمد کی ہے۔اور امام احمدؒ نے یفری فریه کے بعد حتی روی الناس وضربوا بعطن کی زیادتی نقل کی ہے اور بعض طرق میں ہے کہ:رأیت انی انزع علی حوض فاخذ ابو بکر الدلو من یدی فنزع ذنوبین وفی نزعه ضعف والله یغفر له، فاما ابن الخطاب فاخذها حتی تولی الناس والحوض یتفجر۔ یہ روایت شیخین اور احمد نے نقل کی ہے، اس حدیث کی مناسبت باب مناقب الشیخین سے ہے۔مگر چونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدحت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے، اس لئے مصنفؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب کے ذیل میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

الفصل الثانی:

حق گوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۶۰۴۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۷۶ حدیث رقم ۳۶۸۲ و احمد فی المسند ۲/۵۳۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان و قلب پر حق جاری کر دیا ہے۔(ترمذی)

تشریح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: جعل میں اجرا کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ''علی'' کے واسطہ سے متعدی کیا گیا ہے۔اس صورت میں یہ ''ظہور حق'' اور ''استعلاء حق'' کے معنی میں ہوگا۔أی اظهره علی لسان عم واستعلی علی لسانه۔

أجرٰی کی جگہ جعل فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان کی یہ صفت پیدائشی ہے۔جو ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔

تخریج: اور صحیح قرار دیا ہے احمد اور ابو حاتم نے، اس سے ملتی جلتی روایت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔

ایک روایت میں ''وقلبه'' کے بعد ''یقول الحق وان کان مرا'' کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں آتا ہے:''ان الله نزل الحق علی قلب عمر ولسانه''۔ یہ دونوں روایات امام بغویؒ نے فضائل میں ذکر کی ہیں۔

۶۰۴۳: وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ۔

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۳/۳۶۵ حدیث رقم ۲۹۶۲ واخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/۴۰ حدیث رقم ۱۰۸۔

ترجمہ: ''اور ابوداؤد کی روایت میں جو کہ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق کو رکھ دیا ہے وہ اس کے ذریعے بولتے ہیں''۔

تقدیری عبارت یوں ہے: یقول الحق بسبب ذلك الوضع۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے، یا حال ہے۔

۶۰۴۴: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ۔

(رواه البيهقي في دلائل النبوة)

رواه البيهقي في دلائل النبوة ٣٦٩/٦ والبغوي في شرح السنة ٨٦/١٤ حديث رقم ٣٨٧٧۔

ترجمہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم (اہل بیت یا جماعت صحابہ) اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر سکینت وطمانیت جاری ہوتی ہے۔ (اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے)''۔

اسنادی حیثیت: یہ روایت ''موقوف'' ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے: ونحن متوافرون اصحاب رسول اللہ ﷺ۔ (نبعد): ابعاد سے مشتق ہے، بمعنی مستبعد سمجھنا، بعض حضرات فرماتے ہیں: نبعد کا مطلب ہے ہم بعید نہیں جانتے تھے۔ (ان السکینة): یعنی جس سے نفس کو سکون ملے، دل مطمئن ہو جائے اور اعتماد حاصل ہو جائے۔ یعنی ان کے دل کی باتیں ان کی زبان پر جاری ہوتی تھیں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ما رأیت عمر قط الا وکان بین عینیه ملکا یسدده، یعنی میں نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان کوئی فرشتہ ہے، جو ان کو صحیح راستہ بتا رہا ہے۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ وہ واقعی ایسی بات کرتے ہیں کہ جس کا حق یہ تھا کہ نفوس کو سکون حاصل ہو جائے، اور دلوں کو اطمینان ملے۔ یہ ایک امر غیبی تھا۔ جس کا ان کی زبان پر القاء ہوتا تھا۔ یا ''سکینہ'' سے مراد ''فرشتہ'' بھی ہو سکتا ہے، جو حق اور موزوں بات دل میں ڈالتا ہے۔

صاحب النہایہ فرماتے ہیں: اس سکینت سے مراد وہ سکینت ہے جس کا ذکر اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں کیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: سکین، ایک حیوان ہے، جس کی شکل انسانی معلوم ہوتی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد بلی کی شکل کی چیز ہے، جو مسلمانوں کے ہمراہ ان کے لشکروں میں ہوتی تھی، جس کے ظہور کے وقت دشمن شکست کھا جاتا تھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئیں۔ حدیث عمر کے زیادہ مناسب صورۃ مذکورہ ہے۔

اس جگہ ان دونوں اقوال کا مراد لینا تو نہایت بعید ہے۔ اقرب وہ اخری معنی ہیں جس کی طرف تورپشتی رحمہ اللہ نے اولاً اشارہ کیا ہے۔ پورے قرآن کریم میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ

قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ......﴾ [الفتح: ٤] ''وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) خدا ہی کے ہیں اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے'' اور دوسری جگہ بھی انہی الفاظ میں فرمایا:﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الفتح] اور اس جیسی دوسری آیات میں بھی۔ یہ اسی معنی میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت

۶۰۴۵ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا . (رواه احمد والترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٧٧ حديث رقم ٣٦٨٣ وابن ماجه ١/٣٩ حديث رقم ١٠٥

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''اے اللہ! اسلام کو ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے سربلند و غالب کردے چنانچہ اگلے ہی دن جب صبح ہوئی تو عمر بن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی''۔ (احمد' ترمذی)

اسنادی حیثیت: بظاہر یہ روایت مراسیل میں سے ہے۔

تشریح : قوله :اللهم اعز الاسلام بأبى جهل بن هشام او بعمر بن الخطاب :

او برائے تنویع ہے نہ کہ برائے شک۔ اور کوئی بعید نہیں کہ ''او'' اضطراب کے لئے ہو۔

قوله :فاصبح عمر فغدا اعلى النبى ﷺ ۔

(علی النبی ﷺ): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ (مقبلا محذوف سے مل کر) خبر ہے۔ گویا عبارت یوں ہے: غدا مقبلا علی النبی ﷺ۔ یا أقبل کے معنی کی تضمین ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس قول میں: ﴿وغدوا علی حرد قادرین﴾ [القلم: ٢٥] اھ۔ بہر حال پہلے احتمال کی صورت میں غدا، افعال ناقصہ ہے اور اس احتمال کی صورت میں حرف جار ''غدا'' کے متعلق ہے۔

ثم صلی (بصیغہ معروف ہے) ای صلی النبی ﷺ۔ اور ایک نسخہ میں بصیغہ مجہول ہے۔ اس صورت میں عبارت یہ ہوگی: ثم صلی المؤمنون۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

۶۰۴۶ : وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ لِاَبِیْ بَکْرٍ یَا خَیْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَمَا اِنَّکَ اِنْ قُلْتَ ذٰلِکَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رَجُلٍ خَیْرٍ مِّنْ عُمَرَ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

اخرجه ابو داؤد ۱۵۵/۲ حدیث رقم ۱۴۶۸ والنسائی وابن ماجه

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا' اے وہ ذات گرامی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بہتر ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق نے (یہ سن کر) فرمایا: عمر! جب تم نے یہ بات کہی ہے (کہ آنحضرت کے بعد سب سے بہتر انسان میں ہوں) تو تم (خود اپنے بارے میں بھی) سن لو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو''۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: حاکم ابوعبداللہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک دن ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے گا، اس کو انعام میں ایک سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: الضمان صحیح۔ تاوان صحیح ہے۔ ابوجہل نے کہا: ہاں فوراً اداء کروں گا۔ ذرا بھی تاخیر نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ راستہ میں انہیں ایک شخص ملا۔ اس نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: محمد کی طرف جا رہا ہوں۔ ارادہ ہے کہ آج ان کا کام تمام کر دوں۔ اس شخص نے کہا: (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان) بنی ہاشم (کے انتقام) کا تمہیں کوئی خوف نہیں ہے؟ عمرؓ بولے: معلوم ہوتا ہے، تم بھی دلچسپی لینے لگے اور مائل ہو گئے ہو۔ اس شخص نے کہا: اس سے زیادہ قابل تعجب بات نہ بتاؤں، کہ تمہارے بہن اور بہنوئی نے اپنا پرانا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے ہیں۔ یہ سنتے ہیں حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر کی طرف مڑ گئے، وہاں پہنچے تو اس وقت ان کی بہن گھر کے اندر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھیں اور سورۃ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں۔

(رواہ احمد والترمذی): ترمذیؒ کی روایت فأسلم تک ہے۔ ثم صلی...... کے الفاظ ان کی روایت میں موجود نہیں ہیں۔ اور فرمایا: اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابوعمرو بن النضر ہے جس پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے۔ اور فرمایا: اپنے حافظ سے مناکیر روایت کرتا ہے، اھ۔

شرح السنہ میں محی السنہ نے ثم صلی کی زیادتی اسی حدیث کے ذیل میں اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔ (ذکرہ میرک)

ابن الربیع، مختصر المقاصد الحسنة للسخاوی میں فرماتے ہیں: یہ حدیث: ''اللھم اید الاسلام بأحب ھذین الرجلین الیك بأبی جھل او بعمر بن الخطاب''۔ امام احمدؒ، امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حضرات نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اس روایت کو ابن

حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکمؒ مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں "اللھم ايد الدين بعمر بن الخطاب"۔ ایک روایت میں: "اعز الاسلام بعمر" آیا ہے؛ اور فرمایا یہ صحیح الاسناد ہے۔ اسی میں حضرت عائشہ سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصة"۔ اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخین کی شرط یہ ہے مگر انہوں نے اسے نقل نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ جو لوگوں کے زبان زد ہے کہ: "اللھم ايد الاسلام باحد العمرين"۔ میرے علم میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اھ کلامہ

زرکشیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث: اللھم اعز الاسلام۔۔۔۔۔ امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے۔ حاکم حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں: اللھم اعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة۔ اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ اور شیخین کی شرط یہ ہے۔ ابوبکر النارنجی نے عکرمہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، کہ ان سے اللھم ايد الاسلام، یعنی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمانے لگے: معاذ الله، دين الاسلام أعز من ذلك ولكنه قال، اللھم اعز عمر بالدين او أبا جھل۔

میں کہتا ہوں: حدیث میں وارد مفہوم کوئی محدود نہیں، چونکہ یہ مفہوم اللہ جل شانہ کے اس قول ﴿فعززناھا بثالث﴾ [یٰس] کے قبیل سے ہے۔ اسی آیت کا مطلب ہے کہ ہم نے دونوں رسولوں کو تقویت دی۔

یا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول: زينوا القرآن باصواتكم کے قبیل سے ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ کلام میں قلب الفاظ ہوا ہو جیسا کہ عرضت الناقة على الحوض میں ہے۔ اسی وجہ سے "زينوا اصواتكم بالقرآن" کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اگر روایت صحیح ہے اور درایت بھی درست ہے، تو تخطیہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

یہ بات دو جمع دو چار کی طرح واضح ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وجہ سے دین کو اعزاز حاصل ہوا ہے، کہ عبادت اولاً چھپ کر ہوتی تھی پھر سرِ عام ہونے لگی۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿يا أيها النبى حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين﴾ [الانفال]

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس قتل کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میرا گمان نہیں تھا کہ عمر کسی مسلمان کو قتل کرنے کی جرأت کرے گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ اس شخص کا خون رائیگاں قرار پایا، اور عمرؓ اس کے ظلماً قتل کے مقدمہ سے بری کر دیئے گئے۔ اس موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا: عمر، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ پس اس دن سے حضرت عمر کا لقب "فاروق" مشہور ہو گیا۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ خود حضرت عمرؓ سے بھی بیہقی نے الدلائل میں ذکر کی ہے۔ حضرت انسؓ کی حدیث بھی بیہقی نے ذکر کی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت حاکم نے ذکر کی ہے۔ ربیعہ السعدی کی روایت امام بغویؒ نے اپنی معجم میں ذکر کی ہے۔ ابن عباسؓ اور خباب کی روایت ابن عساکر نے تاریخ میں ذکر کی ہے۔ عثمان بن ارقم کی حدیث سعید بن المسیب کی مرسل، اور زہری کی مراسیل ابن سعد نے الطبقات میں ذکر کیے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہیں جو حاکم نے ذکر کی ہے۔ ابن

عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن سعد نے نقل کی ہے۔ ابوبکر صدیق کی حدیث طبرانیؒ نے اوسط میں، ابن مسعودؓ کی حدیث ابن عساکر نے، اور ثوبان کی حدیث طبرانی نے، اور حسنؓ کی مرسل ابن سعد نے ذکر کی ہے۔ ابن عساکر نے دونوں روایات کے الفاظ میں جمع کرتے ہوئے روایت یوں ذکر کی ہے: ''انه دعا بالاول اولا فلما اوحی الیه ان ابا جهل لن یسلم خص عمر بدعائه فأجیب فیه''۔ حالانکہ یہ حدیث لوگوں کے زبانوں پر ان الفاظ کے ساتھ مشہور ہے: ''بأحب العمرین''۔

خوب چھان پھٹک کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حدیث کے طرق میں اس کی کوئی اصل سرے سے موجود نہیں۔ اھ کلام السیوطیؒ

(...... أما): برائے تنبیہ ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: جواب قسم محذوف ہے، جواب شرط ہے علی سبیل الاخبار۔ گویا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کے اس ارشاد گرامی: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر کے ذریعے حضرت عمر فاروقؓ کی بات کی تردید فرمائی۔ اخبار وتردید کے قبیل سے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿وما لکم من نعمة فمن الله﴾۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: تحقیق وہی ہے جو ہم نے ذکر کی۔

اسنادی حیثیت: بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ: المیز ان میں محدثین کی طرف سے اس حدیث کی تضعیف منقول ہے۔ اور میں کہتا ہوں: الجامع کی اس روایت سے مذکورہ بالا حدیث کو تقویت ملتی ہے: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔ یہ حدیث امام ترمذیؒ نے، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ابوبکرؓ سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔

امام بغویؒ فضائل میں ثابت بن الحجاج سے نقل کرتے ہیں، فرمایا: ''خطب عمر ابنت ابی سفیان فابوا ان یزوجوه فقال رسول الله ﷺ: ما بین لابتی المدینة خیر من عمر''۔ اور یہ بات بالکل بے غبار ہے، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمرؓ سب سے بہتر انسان ہیں۔ دلائل پیچھے گزر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

اگر نبوت جاری رہتی تو عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے حقدار تھے

۶۰۴۷: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ ابْنُ الْخَطَّابِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۷۷/۵ حدیث رقم ۳۶۸۴

ترجمہ: ''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: قوله: قال النبی: ایک نسخہ میں ''رسول اللہ'' ہے۔

ترمذیؒ کے ایک نسخہ میں غریب کے ساتھ حسن کی بھی زیادتی ہے۔ یہ زیادتی ابن جوزیؒ نے بھی نقل کی ہے۔ یہ روایت

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور حاکمؒ نے اپنی صحیح میں انہی سے نقل کی ہے۔ اور طبرانیؒ نے عصمۃ بن مالک سے نقل کی ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں: "لو لم ابعث لبعثت یا عمر"۔

۶۰۴۸: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَائَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَاَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَاِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ اِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ يَا عُمَرُ اَلْقَتِ الدُّفَّ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب صحیح)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٧٨/٥ حدیث رقم ٣٦٨٦ و احمد فی المسند ١٥٤/٤

ترجمہ: "حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ جہاد میں تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام لونڈی (جو یا تو سیاہ رنگت ہی رکھتی تھی یا حبشی النسل تھی) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو (اس سفر جہاد سے) صحیح سلامت واپس لائے گا تو میں آپ (ﷺ) کے سامنے دف بجاؤں گی اور (فتح و سلامتی کی شادمانی کے گیت) گاؤں گی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: "اگر تو نے واقعی منت مان رکھی ہے تو دف بجالے ورنہ تجھے اس کی اجازت نہیں"۔ اس لونڈی نے (چونکہ واقعی منت مان رکھی تھی اس لئے) دف بجانا شروع کر دیا۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ (مسجد نبوی میں) داخل ہوئے لیکن وہ لونڈی دف بجانے میں مشغول رہی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور وہ اس وقت بھی دف بجاتی رہی۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تب بھی اس نے اپنا دف بجانا جاری رکھا اور پھر جب عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے (ان کی ہیبت کے مارے جلدی) سے دف اپنی سرین کے نیچے رکھی اور اس پر بیٹھ گئی اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! تم سے شیطان ڈرتا ہے۔ یہ لونڈی میری موجودگی میں دف بجا رہی تھی، پھر ابوبکرؓ آئے تو اس وقت بھی دف بجاتی رہی، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو اس وقت بھی دف بجاتی رہی۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو اس وقت بھی بجاتی رہی، مگر اے عمر! جب تم آئے تو اس لونڈی نے دف رکھ دیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جاء ته: ایک نسخہ میں "جاء ت" ہے۔ (صالحا): ایک روایت میں "سالما" ہے۔ (بالدف): دال کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ افصح اور مشہور ہے۔ یہ لفظ دال کے فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس دف سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے زمانے میں پائی جاتی تھی۔ البتہ گھنگھرو والی دف باتفاق فقہاء مکروہ ہونی چاہئے۔ اس حدیث سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ دف بجانا مباح ہے۔

واللہ ولی دینہ وناصر نبیہ تضرب: جملہ حالیہ ہے۔ (استھا): ہمزہ وصل کے کسرہ کے ساتھ۔ (فقال ان الشیطان لیخاف منك یا عمر): شیطان سے مراد وہ سیاہ فام لڑکی تھی، جو ایک شیطانی کام کر کے ''شیطان الانس'' انسانی شیطان کا مصداق بن گئی تھی۔ یا وہ شیطان مراد ہے جو اس لڑکی پر مسلط تھا، جس نے اس کو ایک مکروہ فعل پر ابھارا۔ بایں طور کہ دف بجانے اور گانے میں وہ حد سے زائد منہمک تھی جس کی وجہ سے تفریح کے طور پر ہونے والے لہو کی حد سے گزر گئی تھی۔ (انی کنت جالسا): استیناف تعلیلی ہے۔ (وھی تضرب): جملہ حالیہ ہے۔ (ثم قعدت علیھا): تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو دف بجانے دی، چونکہ اس نے نذر مانی تھی۔ اس کا نذر ماننا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلامتی کے ساتھ واپس آنے کو اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار کیا۔

چنانچہ معاملہ صنعت لہو سے صنعت حق میں بدل گیا' جو مکروہ تھا وہ مستحب ہو گیا مزید یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر کو مکروہ نہیں سمجھا کہ جس سے نذر پوری ہو جاتی حالانکہ وہ تھوڑا سا بجانے سے حاصل ہو چکا تھا۔ پھر یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے مکروہ کی حد تک پہنچ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو منع فرما دیتے تو معاملہ حد تحریم کو پہنچ جاتا' اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور اس کو اس کے فعل سے باز آ جانے پر اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حد تحریم کو نہ پہنچنے کی صورت میں منع فرمانا ممکن تھا۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ اشکال کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بجاتی رہی، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شیطان سے تعبیر کیا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا: عمر! تم سے شیطان بھی خوف زدہ رہتا ہے۔ حالانکہ ایام منی میں دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو منع کیا تو اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قصہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا دعھما، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ فانھا ایام عید۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان لڑکیوں کے دف بجانے کے عمل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حالات ومقامات مختلف ہوتے ہیں، کبھی کوئی حالت استمرار کا تقاضا کرتی ہے اور کبھی کوئی حالت اس کا تقاضا نہیں کرتی۔

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لڑکیوں کو منع کرنا آداب بشریہ میں کوتاہی سے خالی نہیں۔ اسی وجہ سے اس عمل کو برقرار رکھا، اور سبب استمرار بھی ذکر فرما دیا۔ اور یہاں صورت حال یہ تھی کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لڑکی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس حال میں دیکھتے، تو ہو سکتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کے آداب کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منع نہ کر پاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کو اس لڑکی کے فعل مکروہ کو رکوانے کا سبب بنا دیا۔ اگرچہ یہ کام اس لڑکی کے نذر ماننے کی وجہ سے مندوب ومستحسن ہو گیا تھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد سے اس کے رُک جانے کو برقرار رکھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم منع کو بھی برقرار رکھا تھا، اس قوت الٰہیہ کے ذریعہ جو ارادۂ شیطانی پر غالب تھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر فاروقؓ سے اس لڑکی کے باز آ جانے کا علم تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہو جائے، اور وہ کچھ بھی فرما دیں، جو ارشاد فرمایا، اھ۔

ولا يخفى ان هذه العلة مدخولة، فان الزيادة تبقى معلولة

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس لڑکی کا اپنے اس فعل سے رک جانا بطور انتہاء معروف ہو، کہ جس وقت حضرت عمر فاروقؓ حضور کی مجلس میں تشریف لائے، تو وہ اپنی عادت کے مطابق رُک گئی ہو۔ میرا گمان ہے کہ ماقبل میں بیان کی گئی بات کے مقابلہ میں یہی اظہر واولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

ایک توجیہ یہ بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ دراصل حضرت عمرؓ اس مباح چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، جو برائی کے مشابہ ہو۔ اگر چہ کسی جہت سے وہ برحق کیوں نہ ہو۔ اور اس بات کی تائید اسود بن سریع کی اس روایت سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کی مدح بیان کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تیرا رب مدحت کو بہت پسند کرتا ہے، لاؤ اپنے رب کی مدحت بیان کرو، کہتے ہیں کہ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک آدمی نے اجازت طلب کی۔ راوی کہتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کی آمد کی وجہ سے مجھے خاموش کرا دیا۔ (ابوسلمہ نے اس خاموش کرانے کی کیفیت کا بھی ذکر کیا) فرمایا جیسا کہ بلی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس وہ آدمی آیا کچھ دیر اس نے بات چیت کی، اور پھر چلا گیا۔ میں نے پھر پڑھنا شروع کیا تھا، کہ وہ آدمی پھر لوٹ آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر خاموش کرا دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کون صاحب ہیں؟ کہ جن کی وجہ سے آپ مجھے خاموش کرا دیتے ہیں؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ وہ آدمی ہے، جو باطل کو پسند نہیں کرتا۔ یہ عمر بن الخطاب ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر کی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر باطل کا اطلاق کیا، حالانکہ حق تھا چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد و مدحت پر مشتمل تھا۔ مگر باطل کی جنس سے تھا۔ چونکہ اشعار کی جنس ایک ہے۔

اسی قبیل سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حریرہ لائی، جو میں نے خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی تیار کیا تھا۔ میں نے حضرت سودہؓ سے کہا: تم بھی کھاؤ، انہوں نے انکار کر دیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت میرے اور ان کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: ضرور بضرور کھانا ہوگا، وگرنہ میں یہ حریرہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی انکار کیا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنا ہاتھ حریرہ میں ڈالا اور سودہؓ کے منہ پر مل دیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ران مبارک ان کے آگے کر دی اور سودہ سے کہا: تم بھی اس کے منہ پر مل دو۔ یہ سننا تھا کہ انہوں نے بھی میرے منہ پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ پھر ہنس پڑے۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے (کسی کو) پکار کر کہا: یا عبداللہ!، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ گمان گزرا کہ شاید وہ ابھی اندر داخل ہو جائیں گے، آپؐ نے فرمایا: چلو دونوں اٹھو اور اپنے منہ دھوؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت دیکھ کر میں بھی حضرت عمرؓ سے مسلسل ڈرنے لگی۔

یہ ابن غیلان نے ہاشمی سے روایت کی ہے۔اس روایت کی تخریج ملا نے سیرت میں کی ہے۔

۶۰۴۹: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعَالِيْ فَانْظُرِيْ فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيَيَّ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ إِلٰى رَأْسِهِ فَقَالَ لِيْ أَمَا شَبِعْتِ أَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ أَقُوْلُ لَا لِأَنْظُرَ مَنْزِلَتِيْ عِنْدَهُ إِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلٰى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ قَالَتْ فَرَجَعْتُ۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۷۶ حدیث رقم ۳۶۹۰ و احمد فی المسند ۵/۳۵۳

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ (میرے پاس) بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور وغل اور بچوں کی آوازیں سنیں۔ رسول اللہ ﷺ (یہ جاننے کے لئے کہ کیسا شور وغل ہے) کھڑے ہو گئے آپ ﷺ نے دیکھا (باہر) ایک حبشی عورت اچھل کود رہی ہے اور اس کے چاروں طرف بچے کھڑے ہوئے (تماشہ دیکھ رہے) ہیں۔ آپ ﷺ نے (مجھ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ عائشہ! آؤ تم بھی دیکھ لو۔ چنانچہ میں اٹھ کر آپ ﷺ کے پاس کھڑی ہو گئی اور اپنا گال رسول کریم ﷺ کے کندھے پر رکھ کر آپ ﷺ کے کندھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کا تماشہ دیکھنے لگی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت ﷺ مجھ سے پوچھتے: کیا تمہارا جی نہیں بھرا' کیا تمہارا جی نہیں بھرا؟ اور میں جواب دیتی نہیں' (ابھی میرا جی نہیں بھرا)۔ دراصل میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ ﷺ کے دل میں میری قدر و منزلت کتنی ہے' پھر اچانک عمر رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے تو وہ لوگ جو اس عورت کا تماشہ دیکھ رہے تھے (محض ان کی ہیبت سے یا اس ڈر سے کہ عمر رضی اللہ عنہ اس تماشہ بینی کو پسند نہیں کریں گے' ان کو دیکھتے ہی) اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ انسانوں اور جنوں کے شیطان عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے (کس طرح) بھاگ رہے ہیں''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس کے بعد میں بھی وہاں سے واپس ہو گئی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے''۔

تشریح: (...... لغطًا): لام کے فتحہ اور غین معجمہ کے ساتھ، نا قابل فہم سخت قسم کی آواز۔ (حبشية): حاء اور باء کے فتحہ کے ساتھ۔ (تزفن): زاء کے سکون اور فاء کے کسرہ کے ساتھ، فاء مضموم بھی پڑھا جاتا ہے، بمعنی رقص کرنا۔ (تعالی): لام کے فتحہ کے ساتھ بمعنی تقدمی۔ تعالی سے امر واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ اصل یہ لفظ بلندی پر موجود کوئی شخص پستی پر موجود شخص کو کہتا ہے۔ پھر اس لفظ کے استعمال میں توسعاً تعمیم آ گئی۔ جیسا کہ بیضاویؒ نے اللہ جل شانہ کے اس قول ﴿قل تعالوا﴾ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ لام کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ چونکہ اصل میں تعالیو تھا۔ یاء کا ضمہ، ماقبل کی حرکت سلب کر کے اسے دیدیا گیا، اور یاء التقاء ساکنین کے سبب سے حذف کر دی گئی۔ اس بناء پر لام پر کسرہ پڑھنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ

ہمارے زمانے کے لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے۔ خصوصاً اہل حرمین شریفین میں جمع اور مخاطبہ کے صیغہ میں لام میں اعلال، قلب وحذف کی بناء پر ہے۔ (لحییّ): یاء متکلم کی طرف اضافت ہے۔ لحی: (لام کے فتحہ اور حاء مہملہ کے سکون کے ساتھ) لحیؓ کا تثنیہ ہے، دانت نکلنے کی جگہ۔ (فجعلت): افعال شروع کے معنی میں ہے۔ (ما بين المنكب): أنظر کے لئے ظرف ہے، في ، حرف جر مقدر ہے۔ اصل میں "فيما من المنكب" تھا۔ (اما...... شبعت): مکرر ہے۔ (فقال...... الانس): ایک روایت میں الى شياطين الانس والجن ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خوش خلقی اور صفت جمال کا غلبہ اور دوسری طرف حضرت عمر فاروقؓ پر صفت جلال کا غلبہ کا پتہ چلتا ہے۔

تخریج: ابن السمان نے الموافقة میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے، فرماتی ہیں: "ایک انصاری عورت میرے پاس آئی، اور کہا: میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھوں گی، تو دف بجاؤں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی خبر دی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اس سے کہو، تم نے جو حلف اٹھایا ہے، وہ پورا کرلو۔ پس وہ عورت آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کے قریب دف لے کر کھڑی ہوگئی۔ دف پر دو یا تین تھاپ ہی دی تھی، کہ حضرت عمرؓ نے دستک دی۔ دستک کی آواز سننا تھی کہ دف اس کے ہاتھ سے گر گئی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ کے پیچھے تیزی سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو دیکھ کر کہنے لگیں: اری! تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگی: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، تو ڈر گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ان الشيطان ليفر من حسّ عمرؓ۔ بلاشبہ شیطان تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سے بھی بھاگتا ہے۔

الفصل الثالث:

موافقاتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سے تین کا ذکر

۶۰۵۰: عَنْ اَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی وَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَدْخُلُ عَلٰی نِسَائِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ اَمَرْتَهُنَّ یَحْتَجِبْنَ فَنَزَلَتْ اٰیَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْغَیْرَةِ فَقُلْتُ عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ .

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۸۰ حدیث رقم ۳۲۶۳۔

ترجمہ: "حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تین امور میں اپنے رب سے موافقت کی تین باتوں میں میرے پروردگار کا حکم میری رائے کے مطابق نازل ہوا۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے عرض کیا تھا: "یارسول اللہ (ﷺ) اگر مقام ابراہیم کو ہم نماز پڑھنے کی جگہ بنائیں تو بہتر ہو (یعنی طواف کعبہ کے بعد کی جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اگر وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا)" پس یہ آیت نازل

ہوئی: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ اور بناؤ مقام ابراہیم کونماز کی جگہ'' دوسری میں نے عرض کیا تھا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے سامنے نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں (اور یہ بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت کے مناسب نہیں سمجھتا) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم فرمادیں (تاکہ غیر محرم لوگوں کے سامنے ان کا آنا جانا بند ہو جائے) تو بہتر ہو'' ۔ پس (میرے اس عرض کرنے پر) پردہ کی آیت نازل ہوئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں نے رشک وغیرت والے معاملہ پر اتفاق کرلیا تھا۔ تو میں نے (ان سب کو مخاطب کرکے) کہا تھا: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو آپ کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا''۔ پس میرے انہی الفاظ و مفہوم میں آیت نازل ہوئی''۔

تشریح: (ربی): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: کیا ہی خوبصورت اور لطافت سے پُر عبارت ہے، کہ حسن آداب کی کس قدر رعایت برتی ہے، کہ یوں نہیں کہا: وافقنی ربی۔ باوجود یہ کہ آیات قرآنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور اجتہاد کے موافق نازل ہوتی تھیں۔

بندہ کہتا ہے: شاید کہ عمرؓ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میرا فعل حادث ولاحق ہے اور میرے رب کی قضا قدیم وسابق ہے۔

(في ثلاث): الریاض میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، فرمایا: حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں: وافقت ربي في ثلاث۔ یہ حدیث شیخین اور ابو حاتم نے بھی ذکر کی ہے۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: یہاں صرف تین باتوں کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا، کہ موافقاتِ عمر رضی اللہ عنہ کی تعداد تین سے زائد نہ ہو۔ درحقیقت ان مواقع کی تعداد تین سے کہیں زیادہ ہے۔ ان میں جو زیادہ مشہور ہیں وہ ایک تو بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہے، ایک منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے والا واقعہ ہے۔ اور یہ دونوں قصے صحیح میں موجود ہیں۔ اور جن کی تعداد متعین ہے وہ پندرہ/۱۵ ہیں۔

صاحب الریاض فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے ۹ موافقات لفظی، ۴ معنوی اور ۲ توریہ کے قبیل سے ہیں۔ ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں تو رجوع کریں۔

(قلت...... مصلى): جزاء محذوف ہے: لكان حسنا، یالو برائے تمنی ہے۔ (اتخذوا): خاء معجمہ کے کسرہ کے ساتھ یہ امرِ استحبابی ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے۔ ایک نسخہ میں اتخذوا، خاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ قراء سبعہ میں مدنی اور شامی کی قراءت فتحہ کے ساتھ ہے۔ قاضی فرماتے ہیں: اس قراءت کے مطابق مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے مقام ابراہیم (جو کعبہ سے موسوم ہے) کو قبلہ بنالیا، جس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر بمعنی امر ہے۔ اور یہ ابلغ فی الحکم المقرر ہے۔ گویا کہ امر کیا اور امتثال بھی ہو چکا اور اب خبر دی جارہی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے، تو مقام ابراہیم کا رخ کیا، اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿واتخذوا امن مقام ابراهيم مصلى﴾ [البقرة: ۱۲۵] ''جس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوتے تھے اس کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو''۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: امام شافعیؒ کے مسلک میں ان دو رکعتوں کے وجوب کے بارے میں دو قول ہیں، اھ۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا واجب ہیں۔

(البر): باء موحدہ کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی البار، یعنی صالح۔

طبرانیؒ نے حضرت عائشہ کی حدیث نقل کی ہے، فرماتی ہیں: میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک قعب میں حیس کھا رہی تھی، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لیا وہ ہمارے ساتھ کھانے لگے۔ اچانک ان کی انگلی میری انگلی کو چھوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: حس اواہ لو اطاع فیکن حار اتکن عین۔ اسی وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔

حس: سین کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ، یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا جب کسی انسان کو کوئی ایسی چیز چھوئے، جو اس کو جلا ڈالے مثلاً انگارہ اور ضرب وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد اور میٹھا مرغوب تھا۔ آنحضرت کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اسی معمول کے مطابق حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور ان کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معمول سے زیادہ ٹھہرے، تو میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں استفسار کیا، تو مجھے یہ بتایا گیا کہ ان کی قوم کی کسی عورت نے شہد کی کپی ہدیہ کی تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں سے تھوڑا سا شہد نوش فرما لیا، تو میں نے کہا: اما و اللہ لنحتالن لہ۔۔۔۔۔۔ تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ج ......﴾ [التحریم: ۱] ''اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے''۔

(فقلت...... یبدلہ): تشدید اور تخفیف کے ساتھ۔

۶۰۵۱: وَفِیْ رِوَایَةٍ لِابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُوَا فَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلَاثٍ فِیْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ۔ (متفق علیہ)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۸٦٥/٤ حديث رقم (۲٤-۲۳۹۹)۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تین امور میں اپنے رب سے موافقت کی (تین باتوں میں میرے پروردگار کا حکم میری رائے کے مطابق نازل ہو) ایک تو مقام ابراہیم (کو نماز ادا کرنے کی جگہ قرار دینے) کے بارے میں، دوسرے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے) پردے کے بارے میں اور تیسرے بدر کے قیدیوں کے بارے میں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (بدر): اعادہ جار کے ساتھ بدل تفصیل ہے۔ لیکن دوسری روایت میں صاحب الریاض کے بیان کے موافق مسلم نے ذکر کی ہے۔ واحدیؒ نے اسباب النزول میں اور ابوالفرج حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ نے فرمایا: وافقت ربی فی اربع۔ قلت: یا رسول اللہ لو اتخذت من مقام ابراهیم مصلی؟ فانزل

الله تعالٰی: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ وقلت: يا رسول الله! لو اتخذت على نسائك حجاباً فانه يدخل عليك البار والفاجر، فانزل الله تعالٰى: ﴿واذا سألتموهن متاعا فاسألوهن من وراء حجاب﴾ [الاحزاب: ٥٣] وقلت لأزواج النبی ﷺ: (لتشتهين) او ليبدلنه الله ازواجا خيرا منكن۔ ونزل قوله تعالٰى: ﴿ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين﴾ [المؤمنون: ١٢] الى قوله: ﴿ثم انشأنه خلقا آخر﴾ [المؤمنون: ١٤] قلت: فتبارك الله احسن الخالقين: وفی رواية: فقال ﷺ: تزيد فی القرآن يا عمر۔ فنزل جبريل بها وقال: انها تمام الآية"۔

یہ روایت سجاوندیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کاتب عبداللہ بن ابی سرح سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ جب انہیں یہ آیت لکھوائی گئی تو وہ کہنے لگے: ان كان محمد يوحی اليه فانا كذلك۔

پھر یہ صاحب مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ مروی ہے کہ انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا، اور حضرت عمرؓ نے انہیں عامل مقرر فرمایا تھا۔

اسیرانِ بدر کی بابت مشورہ

۶۰۵۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فُضِّلَ النَّاسَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ بِاَرْبَعٍ بِذِكْرِ الْاُسَارٰى يَوْمَ بَدْرٍ اَمَرَ بِقَتْلِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْ تُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ وَبِذِكْرِهِ الْحِجَابَ اَمَرَ نِسَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَقَالَتْ لَهٗ زَيْنَبُ وَاِنَّكَ عَلَيْنَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ فِيْ بُيُوْتِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَبِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ وَبِرَأْيِهٖ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ كَانَ اَوَّلَ نَاسٍ بَايَعَهٗ۔ (رواه احمد)

أخرجه احمد فی المسند ١/٤٥٦

ترجمہ: ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے (موقوفاً) مروی ہے' فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو چار باتوں کے سبب دیگر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ایک بات تو جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت ان کی رائے تھی' ان کا یہ کہنا تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ یعنی ''اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا (کہ خطاء اجتہادی کا مرتکب مستوجب عذاب نہیں ہوگا تو تم نے جو فدیہ لیا اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ دوسری بات پردہ کی بابت ان کا مشورہ دینا تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ وہ پردہ کیا کریں ام المؤمنین حضرت زینبؓ نے ان سے کہا تھا کہ اے عمر بن خطابؓ! پردہ میں رہنے کی بات ہم سے تم کہہ رہو حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ یعنی ''اور جب تم ان (ازواج النبی) سے کوئی چیز

مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو'۔ تیسری بات وہ دعا تھی جوان کے حق میں نبی کریم ﷺ نے مانگی تھی کہ اے اللہ: عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما اور چوتھی بات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کی رائے تھی کہ انہوں نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کر کے بڑے نازک حالات میں مسلمانوں کی بروقت راہنمائی کی اور اپنی زبردست قوت اجتہاد کے ذریعہ انہی کو خلافت کا اہل و مستحق جان کر) سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کی (اور پھر ان کی پیروی میں اور سب لوگوں نے خلافت صدیق پر بیعت کی)''۔ (احمد)

تشریح: فضل: فاء کے ضمہ اور ضاد معجمہ کی تشدید کے ساتھ۔

الناس: منصوب ہے چونکہ مفعول ثانی ہے، اور نائب فاعل سے مقدم ہے۔

أمر بقتلهم: جملہ مستانفہ ہے، یا حال ہے۔

كتاب: بمعنی مکتوب (نوشتہ) یا بمعنی حکم ہے۔ مسلمانوں کا جنگ بدر کے کفار سے فدیہ لینا خطأً اجتہادی تھی۔ اس خطا کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا اصحاب جمال کی رائے گرامی یہ تھی کہ ان سب سے فدیہ لے کر ان کو رہا کرنے سے دشمنان دین کے مقابلہ کے لئے اگلی تیاریوں میں بڑی مدد ملے گی، اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان رہا ہونے والوں کو ہدایت فرمادے، اور یہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔

جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے گرامی یہ تھی کہ: ان سب کی گردنیں ماردینا مناسب ہے، چونکہ یہ کفر کے امام اور دشمنان دین کے سردار ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سے اصحاب جلال نے ان کی موافقت کی۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنے کمال کے باعث جمالی طبیعت کے مالک تھے، لہٰذا وقتی مصلحت کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف مائل ہوگئے۔ لیکن معاملہ ازل الآزل میں حسن مآل کے موافق پیش آیا۔

تخریج: ایک طریق میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی تو فرمایا: **لقد كان يصيبنا بلاء**۔ یہ روایت واحدیؒ نے اسباب النزول میں سنداً ذکر کی ہے۔ اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ آتے ہیں: **لقد كاد يصيبنا بخلافك شر يا ابن الخطاب**۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: **لو نزل من السماء نار لما نجا منها الا عم**۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اجتہاد سے بھی فیصلہ فرماتے تھے۔

بذكره الحجاب: ضمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے۔

زينب: مراد زینب بنت جحشؓ ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی زاد بہن ہیں، امہات المؤمنین میں سے ہیں۔

(وانك علينا): جار مجرور کا متعلق تحکم یا تغار محذوف ہے۔ **(يا ابن...... بيوتنا)**: جملہ حالیہ ہے۔

فاسألوهن: ہمزہ کے ساتھ اور نقل کے ساتھ، بمعنی اطلوبهن۔ **(من وراء حجاب)**: محذوف کے متعلق ہو کر حال ہے۔ اور حجاب بمعنی ستارۃ۔ **(وبدعوه النبي ﷺ)**: یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں مانگی گئی دعا کی اجابت۔ **(اللهم...... الاسلام)**: **أي أعزه وبرأيه في أبي بكر**: یعنی اپنی قوت اجتہاد کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ اول بننے کا اہل۔ **(كان اول ناس)**: ایک اور صحیح نسخہ میں ''**اول الناس**'' ہے۔

بابعه: یعنی ابوبکر کی بیعت کی اور پھر ان کی پیروی میں اور سب لوگوں نے خلافت صدیقی پر بیعت کی۔ (رواہ احمد):

جنت کا بلندترین مقام پانے والا۔

عرضِ مرتب:

جن کا زیادہ مقصود حصول مال و منال ہو جس کا منشاء حب دنیا ہے اگر چہ وہ دنیا حلال ہی ہو یعنی مال غنیمت۔ اس پر بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔(الأنفال : ٦٧ '٦٨)

''کسی نبی کے لئے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں خوب ان کا خون بہائے تم دنیا کا مال و منال چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارے میں جو تم نے لی ہے ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جنت میں اعلیٰ مرتبہ نصیب ہوگا

٦٠٥٣: وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ الرَّجُلُ اَرْفَعُ اُمَّتِىْ دَرَجَةً فِى الْجَنَّةِ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نَرٰى ذَاكَ الرَّجُلَ اِلَّا عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ۔

(رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ١٣٥٩/٢ حديث رقم ٤٠٧٧

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص میری اُمت میں جنت کا بلندتر مقام و مرتبہ رکھنے والا ہے''۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''اس شخص'' (جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا) کے بارے میں بخدا ہمارا خیال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ اس سے حضرت عمر بن خطاب کی ذات مراد ہے یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے۔'' (ابن ماجہ)

تشریح: قوله :والله ما نرى ...... حتى مضى لسبيله :

ما نرى: نون کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ۔ ان الفاظ میں اس توہم کا بھی دفعیہ ہے کہ: شاید وقتی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لوگوں کا خیال چلا گیا ہو، اور پھر بعد میں وہ خیال بدل گیا ہو۔ (رواه ابن ماجة): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مشارالیہ مبہم تھا، حالانکہ ایسی بات نہیں بلکہ فی الجملہ واضح تھا۔ چنانچہ ابن ماجہ میں عبد الرحمن بن محمد المحاربی عن ابی امامة الباهلی کے طریق میں ہے، فرماتے ہیں: خطبنا رسول الله ﷺ فكان اكثر خطبته حديثا حدثناه عن الدجال وحذرنا منه و كان من قوله انه قال: انه لم تكن فتنة في الارض

منذرأ الله آدم [اعظم] من فتنة الدجال۔ وذكر الحديث الى ان قال: وان من فتنته ان يسلط على نفس واحدة فيقتلها فينشرها بالمنشار حتى يلقى شقتين ثم يقول: انظروا الى عبدى هذا فانى ابعثه الآن ثم لم يزعم ان له ربا غيرى فيبعثه الله فيقول له الخبيث: من ربك؟ فيقول: ربى الله، وانت عدو الله، انت الدجال، والله ما كنت اشد بصيرة بك من اليوم"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ سنایا، تو بڑا خطبہ آپ کا دجال کے متعلق تھا آپؐ نے دجال کا حال ہم سے بیان کیا، اور ہم کو اس سے ڈرایا، تو فرمایا کہ کوئی فتنہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو پیدا کیا زمین میں دجال کے فتنے سے بڑھ کر نہیں۔ ایک فتنہ اس کا یہ ہوگا کہ ایک آدمی پر غالب ہو کر اس کو مار ڈالے گا، بلکہ آری سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا، پھر (اپنے معتقدوں سے) کہے گا، کہ دیکھو، میں اپنے اس بندے کو اب جلاتا ہوں، اب بھی وہ یہ کہے گا کہ میرا رب اور کوئی ہے سوا میرے۔ پھر اس کو زندہ کر دے گا، یہ دجال خبیث کہے گا، تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن ہے، دجال ہے قسم ہے خدا کی! آج مجھے خوب معلوم ہوا کہ تو دجال ہے۔

ابوالحسن طنافسیؒ فرماتے ہیں: محاربیؒ نے ہمیں عبداللہ بن الولید الصافی عن عطیہ عن ابی سعید ایک حدیث بیان کی، فرمایا: "قال رسول الله ﷺ: ذاك الرجل ارفع امتى درجة فى الجنة۔ قال ابو سعيد: والله ما كنا نرى ذلك الرجل الا عمر بن الخطاب حتى مضى لسبيله"۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مرد کا درجہ میری امت میں سب سے بلند ہو گا، جنت میں۔ اور ابو سعید نے کہا: قسم خدا کی! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ مرد جو دجال سے مقابلہ کریں گے، کوئی نہیں، سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، یہاں تک کہ حضرت عمر گزر گئے۔ ابن ماجہ کی حدیث کا سیاق ختم ہوا۔

مصنفؒ کے بیان کردہ حدیث کے سیاق و اختصار پر غور و تامل فرمائیے (اس قدر اختصار کر دیا) کہ حدیث کا مقصود بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ (میرک)

لہٰذا تقریر بالا کی روشنی میں حضرت ابو سعیدؓ کے اس قول "والله ما كنا" کا مطلب یہ ہے، کہ ہمارا گمان اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ دجال کے ہاتھوں قتل ہونے والا شخص حضرت عمرؓ ہی ہوگا۔ حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوئی، تو یہ آشکارا ہوا کہ وہ مقتول کوئی اور شخص ہوگا۔ لیکن اس شخص کی افضلیت پر اشکال لازم آتا ہے لیکن اس اشکال کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے، کہ اپنے زمانے کا وہ افضل شخص ہوگا۔ باب العلامات بين يدى الساعة میں جزریؒ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ دجال کے ہاتھوں قتل ہونے والا شخص حضرت خضر علیہ السلام ہے۔ لہٰذا اس پر تو کوئی اشکال ہی لازم نہیں آتا، اس بناء پر کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ جیسا کہ صحیح ترین قول یہی ہے۔ واللہ اعلم بالحال۔

اعمالِ صالح میں عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوشش کرنے والا کوئی نہ تھا

۶۰۵۴: وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ سَاَلَنِیْ ابْنُ عُمَرَ بَعْضَ شَانِهٖ يَعْنِیْ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حِيْنِ قُبِضَ كَانَ اَجَدَّ وَاَجْوَدَ حَتّٰى انْتَهٰى مِنْ عُمَرَ۔

(رواه البخارى)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٢/٧ حديث رقم ٣٦٨٧

ترجمہ: ''حضرت اسلمؒ (جو حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام اور تابعی ہیں) سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (ایک دن) مجھ سے حضرت عمر فاروقؓ کے کچھ احوال وخصائل دریافت کئے تو میں نے ان کو (بہت سی باتیں) بتائیں اور کہا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی رحلت) کے بعد میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اچھے کاموں میں سب سے زیادہ جدوجہد کرنے والا اور سخاوت کرنے والا رہا ہو''۔ (بخاری)

تشریح: (قال..... شأنه): بعض نسخوں میں: ''عن بعض شأنه'' ہے۔ (فاخبرته..... ﷺ): طیبؒ فرماتے ہیں: یہاں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان عادتوں والا۔ اگلا جملہ، ''من حين قبض رسول الله ﷺ'' پہلے احتمال پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ ان کی مراد ان حالات کا استمرار اور ان پر ثابت قدمی کی ابتداء بیان کرنا ہے۔ حین فتحہ کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں جر کے ساتھ ہے (من عمر): میں أجد اور أجود کا تنازعہ ہے۔ (طیبیؒ)

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: اس روایت کو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت پر محمول کیا جائے، تاکہ (اس کے الفاظ سے جو عموم مفہوم ہوتا ہے) اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات مستثنیٰ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

۶۰۵۵: وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا كُلَّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِينَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُونَ قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَى وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِي بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَى وَأَمَّا مَا تَرٰى مِنْ جَزَعِي فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَمِنْ أَجْلِ أَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ لِي طِلَاعَ الْأَرْضِ ذَهَبًا لَا فْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٣/٧ حديث رقم ٣٦٩٢

ترجمہ: ''حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق (ابولؤلؤ کے خنجر سے) زخمی ہوئے تو کرب یا بے چینی کا اظہار کرنے لگے (یعنی ان کی عیادت کے لئے آنے والوں کو ایسا لگتا تھا جیسے فاروق اعظمؓ کی اذیت سے شدید کرب اور بے چینی میں ہیں جس کا اظہار کراہ وغیرہ کی صورت میں ہو رہا ہے) چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے (یہ صورت دیکھ کر) گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تسلی وتشفی دی اور کہا کہ امیر المؤمنین! یہ جزع وفزع کیسی ہے؟

آپ تو وہ ہستی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے اسے بہت اچھے انداز سے نبھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ آپ سے راضی وخوش تھے (جس کا ثبوت یہ ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے) پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت ومجالست آپ کو نصیب ہوئی اور ان کے ساتھ بھی آپ کی رفاقت بہت اچھی رہی پھر وہ بھی جب آپ سے جدا ہوئے تو آپ سے خوش تھے (اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے آپ ہی کو اپنا جانشین نامزد فرمایا) اور پھر (اپنی خلافت کے زمانہ میں) آپ کو مسلمانوں کی خدمت ورفاقت کا موقع ملا اور ان کی خدمت ورفاقت کا فریضہ بھی آپ نے بڑے احسن طریقے سے نبھایا (کہ مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف، رعایا پروری اور کامیاب ترین حکمرانی میں آپ کے نام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج اٹھا) اب اگر مسلمانوں سے جدا ہوں گے تو اس حال میں جدا ہوں گے کہ تمام مسلمان آپ سے راضی وخوش ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے (یہ سن کر) فرمایا: (اے عباس!) تم نے جو آنحضرتؐ کی صحبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کا جوذکر کیا ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا ہے، اسی طرح تم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت ورفاقت اور ان کی خوشنودی کا جوذکر کیا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا۔ رہی میری بے صبری و بے قراری جو تم دیکھ رہے ہو تو (اس کا تعلق زخم کی تکلیف اور درد و بے چینی پر جزع وفزع سے نہیں ہے بلکہ درحقیقت) یہ تمہارے اور تمہارے اور ساتھیوں کے (بارے میں فکر مندی کے) سبب سے ہے۔ اللہ کی قسم اگر میرے پاس تمام زمین سونا ہوتو میں اس کو اللہ کے عذاب کے بدلے میں قربان کردوں اس سے پہلے کہ میں اللہ کو (یا اللہ کے عذاب) کو دیکھوں''۔ (بخاری)

تشریح: اس کے مثل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فزع عن قلوبهم﴾ أي ازيل عنهم الفزاع۔ جملہ، قول اور مقولہ کے درمیان معترضہ واقع ہو رہا ہے۔ (یا...... ذلك): مرفوع ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ اس قدر پریشان نہ ہوں۔ امام میرکؒ فرماتے ہیں: ایک نسخہ میں ولئن كان ذلك كذا ہے۔ بخاریؒ کے اکثر رواۃ، اور اصل میں جو الفاظ ہیں، وہ کشمھینی کی روایت کے ہیں اور بعض راویوں کے نسخوں میں ولا كان ذلك ہے۔ گویا کہ یہ دعا ہے یعنی آپ جس بات سے ڈرتے ہیں ایسا نہ ہوگا، یا یہ کہ اس زخم سے آپ کی وفات نہیں ہوگی (لقد...... راض): جس کا ثبوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے کہ: ''لو كان بعدي نبي لكان عمر''۔ (لنفارقنهم): اور ایک نسخہ میں ''لفارقتهم'' ہے۔ (وهم عنك راضون): یہ ساری باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ آپ سے راضی ہے اور آپ اللہ سے راضی ہیں۔ لہٰذا آپ تو اللہ جل شانہ کے اس فرمان: ﴿يا أيتها...... مرضيه﴾ کی بشارت کا مصداق ہیں۔ اور موت تو مؤمن کے لئے ''تحفہ'' ہے جو مقام اعلیٰ میں بندہ کو اپنے آقا سے ملائے گا۔ (من): میم کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ، یعنی اللہ کا احسان عظیم ہے۔ (من...... على): جس کے ذریعے اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے سرفراز کیا، لہٰذا میں اس کے فضل وکرم کا منکر نہیں، بلکہ اس کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں، اور حمد وثناء بیان کرتا ہوں۔ (وأما...... به على): کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے ان کو مقدم رکھا اور ان کے معاملات کے سدھارنے میں، میں نے ان کی مدد کی۔

لوگوں کی رضامندی سے اغراض شاید اس وجہ سے فرمایا کہ عوام کا کیا اعتبار ہے؟ اصل دارومدار تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿والله ورسوله احق ان يرضوه﴾ [التوبة: ٦٢] نیز اس بات کی طرف اشارہ مقصود تھا کہ

لوگوں کی رضا مندی درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا اثر ہے۔ اور اسی احسان و کرم کا ایک اثر تو یہ ہے کہ ان پر احسان فرمایا، اور ان کی راہ سجھائی۔ (**فهو ...... أصحابك**): اعادۂ جار کے ساتھ اس کا عطف ہو رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت میرا یہ سارا اضطراب اس ڈر سے ہے کہ کہیں میرے بعد فتنے سر نہ ابھارنے لگیں، فتنہ و فساد کے وہ دروازے جن کو میں نے ملت اسلامیہ پر بڑی مضبوطی سے بند کر رکھا تھا، ڈھیلے نہ پڑ جائیں۔ علاوہ ازیں خود اپنے بارے میں آخرت کا خوف ہے، اور اپنے رب کے عذاب سے مامون و بے خوف نہیں ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ ساری باتیں اس وجہ سے فرمائیں کہ انہیں اس لمحہ اللہ کے حقوق کی بجا آوری میں تقصیر کا خوف دامن گیر تھا، یا یہ کہ اپنی مدحت سن کر کہیں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ (فتح الباری)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: گویا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے آخری لمحات میں جانب خوف کو رجاء پر ترجیح دی، چونکہ انہیں احساس تھا کہ ان کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کس قسم کے فتنے پھوٹیں گے۔ ان کو اہل اسلام پر ترس آ رہا تھا، اور انہیں اس بات کا بخوبی استحضار تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں والوں سے مستغنی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا: ﴿**وان تعذبهم فانهم عبادك**﴾۔

جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا اس وقت ان کا سر اپنے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا، فرمایا: **ظلوم لنفسي غير أني مسلم أصلي صلاتي كلها وأصوم۔** میں اپنے نفس پر بڑا ہی ظلم کرنے والا ہوں، یہ الگ بات ہے کہ میں سب نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں۔

الریاض میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامات و مکاشفات کے ذیل میں عمرو بن الحارث سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اس دوران کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپؓ نے اچانک خطبہ چھوڑا اور با آواز بلند پکار کر کہا: **یا ساریة الجبل**، دو یا تین مرتبہ یہ دہرایا، اور پھر سے محوِ خطبہ ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین فرمانے لگے: ارے یہ تو مجنون ہے، کہ خطبہ چھوڑ چھاڑ کر **یا ساریة الجبل، یا ساریة الجبل** پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کا ان کے پاس آنا ہوا، تو کہنے لگے: اے امیر المؤمنین اپنے بارے میں کیوں لوگوں کی زبانیں کھلوائیں ہیں۔ یہ جو آپؓ نے دوران خطبہ **یا ساریة الجبل** کہا، اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! میں قابو نہ رکھ سکا کہ جس وقت میں نے ساریہ اور ان کے ساتھیوں کو دشمن نے آگے پیچھے سے گھیرے میں لیا ہوا ہے، تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور میں بول پڑا: ساریہ! پہاڑ کی طرف جا۔ اس کے بعد ایک ایلچی ساریہ کا خط لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ جمعۃ المبارک کے روز ہم دشمن سے لڑ رہے تھے اور قریب تھا کہ شکست کھا جاتے، کہ عین جمعہ کے وقت ہم نے کسی کی آواز سنی کہ ساریہ پہاڑ کی طرف جا۔ چنانچہ ہم پہاڑ کی طرف لپکے، چنانچہ ہم دشمنوں پر پل پڑے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے ہمکنار کر دیا۔

میں کہتا ہوں وہ پہلے قصہ کو بیہقی، ابونعیم، الامکانی، ابن اعرابی، خطیب اور ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور دوسرے کو ابوشیخ نے "**العظمة**" میں اپنی سند سے قیس بن حجاج بن جدتہ سے نقل کیا ہے۔

اور تیسرا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب ابو مسلم الخولانی یمن سے مدینہ تشریف لائے، یہ وہ دور تھا کہ جب اسود بن قیس نے یمن

میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور ابو مسلم کو اپنے آپ پر ایمان لانے کا کہا تھا۔ اسود بن قیس نے کہا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ یہ جواب سن کر اس نے بہت بڑا الاؤ روشن کیا اور ابو مسلم خولانی کو سپرد آتش کر دیا۔ مگر دیکھئے خالق کی کرم فرمائی کہ آگ ان کا بال بھی بیگانہ کر سکی۔ بالآخر تنگ آ کر ابو مسلم خولانی کو جلا وطن کر دیا۔ جب ابو مسلم خولانی مدینہ تشریف لائے، اور باب المسجد سے داخل ہوئے، تو حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی فرمایا: **هذا صاحبكم الذى زعم الاسود الكذاب انه يحرقهٔ فنجاه الله منها۔** نہ لوگوں نے اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے ابو مسلم خولانی کا یہ قصہ سنا تھا، اور نہ ہی انہیں دیکھا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے، انہیں گلے سے لگایا، اور کہنے لگے: **ألست عبد الله بن ايوب؟** کیا تم عبداللہ بن ایوب نہیں ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ میں ہی عبداللہ بن ایوب ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ یہ سن کر رونے لگے، اور فرمایا: **الحمد لله الذى لم يمتنى حتى ارانى فى امة محمد ﷺ شبيها بابراهيم الخليل عليه السلام۔** "تمام تر تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے موت نہیں دی حتی کہ امت محمدیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ ایک شخص دکھایا"۔

مروی ہے کہ وہ کسی رات گشت کر رہے تھے کہ ان کا گزر ایک خاتون کے پاس سے ہوا جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی۔ کھڑی ہو جا اور دودھ میں پانی ملا۔ وہ لڑکی کہنے لگی۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔ چونکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وہ خاتون کہنے لگی۔ اری! اسے کیسے پتہ چلے گا، کہ ہم نے دودھ میں پانی ملایا ہے۔ اس لڑکی نے جواب دیا: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم نہ بھی ہوا تو کیا؟ امیر المؤمنین کا رب تو جانتا ہی ہے۔ جب صبح ہوئی، تو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹے عاصم سے کہا: فلاں فلاں گھر میں جاؤ، اس گھر میں ایک لڑکی ہے، اگر وہ شادی شدہ نہ ہو، تو تم اس سے بیاہ کر لو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کوکھ سے کوئی مبارک بچہ پیدا فرما دے۔ حضرت عاصم نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا۔ اس لڑکی سے ایک بچی پیدا ہوئی، جس کا بیاہ عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی۔ اس لڑکی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسے ساری دنیا عمر بن عبدالعزیز کے نام سے جانتی ہے۔ یہ دونوں روایات فضائل کے باب میں ذکر کی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک اعرابی کو ایک پہاڑ سے اترتے ہوئے دیکھا، فرمانے لگے: اس کا بچہ مر گیا ہے۔ اس نے اپنے بچے کے غم میں سات اشعار کہے ہیں۔ اگر کہو تو تمہیں سنواؤں۔ پھر اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ارے او دیہاتی! کہاں سے آ رہا ہے تو؟ اس نے جواب دیا: اس پہاڑ کی چوٹی سے آ رہا ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا: تم وہاں کیا کر رہے تھے؟ کہنے لگا: میں نے وہاں ایک امانت ودیعت رکھوائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا چیز امانت رکھ کر آئے ہو؟ وہ دیہاتی کہنے لگا: میرا ایک بچہ فوت ہو گیا تھا اسے دفنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں وہ مرثیہ تو سناؤ جو تم نے اپنے بچے کے بارے میں کہا ہے۔ وہ دیہاتی ہکا بکا رہ گیا، اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! آپ کو کیا معلوم؟ اللہ کی قسم! وہ مرثیہ ابھی تک تو میری زبان پر بھی نہیں آیا۔ وہ تو میں نے دل ہی دل میں کہا ہے۔ پھر اس نے شعر پڑھنا شروع کئے:

يا غائبا ما يؤوب من سفر
عاجله عند موته على صغره

يا قرة العين كنت لي آنسا
في طول ليلي نعم وفي قصره
ما تقع العين حيثما وقعت
في الحي من الأعلى أثره
شربت كأسا من أبوك شاربه
لا بدمنه له على كبره
بشربها والآنام كلهم
من كان في بدوه وفي حضره
فالحمد لله لا شريك له
في حكمه كان ذا و في قدره
قدر موتا على العباد فما
يقدر خلق يزيد في عره

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ رو پڑے، اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی مبارک بھیگ گئی اور پھر فرمایا: اے اعرابی تو نے سچ کہا۔

اتباع سنت کا اس قدر غلبہ تھا کہ انتظام سلطنت کے سلسلے میں کئی دفعہ سفر کیے مگر کبھی خیمہ ساتھ نہ لیا۔ ایک دفعہ سفر حج میں کل ۸۰ درہم خرچ ہو گئے، اس پر بار بار افسوس کرتے تھے، کہ مجھ سے فضول خرچی ہو گئی ہے۔ ان کا حج کا خرچہ ۱۶ دینار تھا، اس کے باوجود فرمایا کرتے تھے، ہم نے اس مال میں فضول خرچی کی۔ ہمیشہ درخت کے سائے میں ٹھہرتے اور فرش خاک پر اپنا بستر جما لیتے تھے۔ کبھی کسی درخت پر اپنا کمبل تان لیتے تھے اور دوپہر کاٹ لیتے تھے۔

آپ کی کثرت اتباع سنت کا ایک شاہد ہے' یہ روایت جس کو امام احمد نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: حضرت عباسؓ (کے مکان) کا ایک پرنالہ حضرت عمر فاروقؓ کے راستہ میں پڑتا تھا، (ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ) حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن لباس زیب تن فرمایا (اور باہر نکلے) حضرت عباسؓ کے پاس دو چھوٹے جانور تھے، وہ جانور ذبح کئے گئے، حضرت عمر فاروقؓ جب پرنالہ کے نیچے سے گزرے عین اسی وقت ان مذبوحہ جانوروں کا خون پانی کے ساتھ بہتا ہوا پرنالہ سے نیچے گرا، چنانچہ وہ پانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر گر گیا، حضرت عمرؓ نے وہ پرنالہ اکھاڑنے کا حکم دیا، اور واپس آ کر کپڑے اتارے، اور دوسرے پہن لئے، پھر کچھ دیر کے بعد آ کر لوگوں کو نماز پڑھائی، (نماز کے بعد) حضرت عباسؓ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ کی قسم! اس جگہ پر پرنالہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لگوایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم یہ پرنالہ میری کمر پر چڑھ کر اس جگہ لگاؤ، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصب فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

عرضِ مرتب:

اس باب کی احادیث میں حضرت عمر فاروقؓ کے مندرجہ ذیل فضائل مذکور ہیں۔

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ محدث تھے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔
محدث کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ① محدث بمعنی ملہم ہے یعنی جس کے دل میں من جانب اللہ کوئی بات ڈالی جائے۔ ② مجمع البحار میں ہے کہ محدث اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے دل میں کوئی بات ڈالی جائے اور پھر وہ شخص ایمانی فراست وذکاوت کے ذریعہ دوسروں تک اس بات کو پہنچائے۔ ③ بعض نے کہا کہ محدث اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو اپنے گمان سے کوئی بات کہے اور وہی درست ہو اور تجربہ سے اس کی رائے درست ثابت ہو۔ ④ بعض حضرات کے نزدیک محدث وہ شخص ہے جس کے ساتھ فرشتے کلام کرتے ہوں۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شیطان کا خوف زدہ ہونا:

حضرت عمرؓ کی یہ فضیلت کہ شیطان ان سے ڈرتا ہے بہت سی احادیث میں آئی ہے مثلاً
اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ ازواج مطہرات حضور ﷺ سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کر رہی تھیں اس دوران ان کی آوازیں عام معمول سے کچھ زیادہ بلند ہو گئیں اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے تو وہ سب پردے میں چھپ گئیں حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتلایا کہ یہ عورتیں میرے پاس بیٹھی تھیں تمہاری آواز سن کر چھپ گئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے اپنی جان کی دشمنو تم مجھ سے ڈرتی ہو اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں ڈرتی پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم وہ شخص ہو کہ جب شیطان تمہیں دیکھ لیتا ہے تو اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے جس پر تم چلتے ہو۔
اس باب کی حدیث ⑫ میں ہے کہ ایک حبشی لڑکی آپ ﷺ کی اجازت سے آپ ﷺ کی غزوہ سے بخیر وعافیت واپسی کی خوشی میں دف بجا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے تشریف لائے لیکن وہ دف بجاتی رہی اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے تو اس نے دف بجانا چھوڑ دیا اور دف کو اپنے نیچے چھپا لیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمرؓ شیطان تجھ سے ڈرتا ہے یہ لڑکی میری موجودگی میں دف بجاتی رہی پھر ابو بکر، علی، عثمان رضی اللہ عنہم آئے اس وقت بھی بجاتی رہی لیکن تم آئے تو اس نے دف بجانا بند کر دیا اور اس کو چھپا لیا۔
حدیث ⑬ میں بھی اسی طرح کا قصہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرشور آواز سنائی دی پھر بچوں کا شور سنائی دیا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک حبشی عورت اچھل کود کر رہی ہے اور بچے اس کے

گرد کھڑے ہوئے اس کو دیکھ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو بھی یہ کھیل دکھایا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے تو سب لوگ منتشر ہو گئے اور کھیل ختم ہو گیا یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ انسانوں اور جنوں کے شیطان عمرؓ کے خوف سے (کس طرح) بھاگ رہے ہیں۔

③ جنت میں عمرؓ کا محل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا:

حضرت عمرؓ کی یہ فضیلت بھی ہے کہ دنیا میں ان کی حیات ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقعہ پر جنت میں ان کا محل دکھایا گیا جیسا کہ حدیث ③ میں مذکور ہے۔

④ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں دین کو شان وشوکت حاصل ہونے کی پیشینگوئی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں کو پیش کیا جارہا ہے ان سب پر قمیصیں ہیں لیکن ان میں سے بعض پر قمیص صرف سینے تک ہے اور بعض کی قمیص اس سے نیچے ہے اور جب حضرت عمر بن خطابؓ کو پیش کیا گیا تو ان پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ جو زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ نے جب اس خواب کی تعبیر پوچھی تو فرمایا اس سے مراد دین ہے مراد یہ ہے کہ عمرؓ کی ذات سے دین کو تقویت حاصل ہوگی کیونکہ ان کا زمانہ خلافت طویل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جتنی شان وشوکت دین اسلام کو ان کے زمانہ میں حاصل ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اسی طرح اس باب کی حدیث ⑥ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں پر ہیں جس پر ڈول رکھا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈول کے ذریعے اس کنویں سے پانی کھینچا جتنا اللہ نے چاہا پھر وہ ڈول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لے لیا انہوں نے ایک دو ڈول نکالے اور ان کے اس عمل میں کچھ کمزوری تھی پھر ڈول بڑا ہو گیا اور ابن خطاب نے پکڑ لیا حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی جوان اور قوی شخص کو ایسا نہیں پایا جو عمرؓ کی طرح اس ڈول سے پانی کھینچتا ہو۔ انہوں نے اتنا پانی کھینچا کہ نہ صرف تمام لوگ سیراب ہوئے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو سیراب کیا بلکہ لوگوں نے پانی کی فراوانی کی وجہ سے اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آ کر ڈول کے بڑا ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے' بڑھانے اور مضبوط کرنے میں ایسی کوشش کریں گے جس کا اتفاق نہ ان سے پہلے کسی کو ہوا اور نہ بعد میں کسی کو ہوگا۔ نیز ان کا زمانہ خلافت ہر خاص وعام اور ہر چھوٹے بڑے کے لئے دینی ودنیاوی فوائد ومصالح سے بھرپور ہوگا۔

⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی بزرگی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پیا اور اتنا پیا کہ دودھ کی سیرابی اور تری میرے ناخنوں سے نکلنے لگی پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطابؓ کو دے دیا۔ صحابہ نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دودھ سے مراد علم تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرماتے ہوئے علم حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا۔

⑥ موافقاتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

حضرت عمرؓ کی ایک اہم صفت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر حق جاری فرما دیتے تھے اور بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ سوچا یا جو رائے دی تو وحی اسی کی تائید میں نازل ہوئی اور بسا اوقات تو انہیں الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی جو الفاظ حضرت عمرؓ کی زبان سے صادر ہوئے۔ چنانچہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر خود حضرت عمرؓ نے ان کو بیان فرمایا ہے کہ تین باتوں میں میں نے اپنے رب کی موافقت کی۔ ① مقام ابراہیم کو مصلی بنانے میں۔ ② پردے کے بارے میں۔ ③ بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔ اور ایک روایت میں ایک چیز (یعنی واقعہ غیرت) کا اضافہ ہے۔ ان سب کی تفصیل احادیث کی تشریح کے تحت گزر چکی ہے۔

اور یہ سب کچھ آپؓ کے محدث ہونے کا ثمرہ تھا جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور اسی طرح اس باب کی ⑦ حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان وقلب پر حق جاری فرما دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یعنی اہل بیت یا جماعت صحابہ اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی زبان پر سکینت وطمانیت جاری ہوتی ہے یعنی جب کسی معاملہ میں حضرت عمرؓ رائے دیتے ہیں تو دلوں کو سکون وطمانیت حاصل ہوتی اور یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ حق یہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔

⑦ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام دعائے نبوی کا ثمرہ ہے:

اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ ابو جہل کے ذریعے یا عمر بن خطابؓ کے ذریعے دین کو تقویت عطا فرما پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ ابو جہل ایمان نہ لائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی اے اللہ خاص عمرؓ سے دین کو تقویت عطا فرما۔ چنانچہ اس دعا کی برکت سے حضرت عمرؓ ایمان لائے اور دین کی سربلندی اور تقویت کا کام اللہ نے ان سے لیا۔ یہ سب کچھ دعائے نبوی کا ثمرہ تھا۔

⑧ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بزبانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ :

حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر مخاطب کیا اے وہ ذات گرامی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب انسانوں سے بہتر ہے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اے عمرؓ اگر تم میرے بارے میں یہ کہتے ہو تو جان لو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمرؓ سے بہتر ہو۔

⑨ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی انتہاء:

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔ مطلب یہ کہ اگر سلسلہ نبوت جاری رہتا اور بالفرض اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی میرے بعد مبعوث ہوتا تو عمر بن الخطابؓ

اپنی روحانی خصوصیات کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ ان کو نبی بنایا جائے یہ حضرت عمرؓ کی انتہائی فضیلت ہے اس لئے کہ نبوت سے بڑھ کر فضیلت کا اور کوئی درجہ نہیں ہے۔

⑩ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنت میں اعلیٰ مقام:

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص میری امت میں جنت کا بلند ترین مقام پائے گا۔ راوی حدیث حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے گمان کے مطابق اس شخص سے مراد حضرت عمرؓ ہی ہیں کیونکہ اس مقام و مرتبہ کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ تمام اوصاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں آخر زندگی تک بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔

⑪ اعمالِ صالحہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے سرگرم تھے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلم سے حضرت عمرؓ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اچھے کاموں میں سب سے زیادہ سرگرم اور سب سے زیادہ نیک رہا ہو۔

⑫ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری لمحات میں مواخذہ سے ڈرنا:

حضرت عمرؓ جیسا عادل اور منصف شخص کہ جس نے صرف انسانوں میں عدل و انصاف قائم نہیں کیا بلکہ ان کے عدل و انصاف سے جانور تک مستفید ہوئے اور جن کی حق گوئی اور انصاف ضرب المثل تھا بے انصافی، ظلم و جور کا ان کے دورِ خلافت میں نام و نشان تک نہ تھا ان کا جب انتقال ہو رہا تھا تو وہ مواخذہ سے ڈر رہے تھے اور یہ تمنا کر رہے تھے کہ اگر میرے پاس تمام زمین کے برابر سونا ہو تو میں اس کو اللہ کے عذاب کے بدلے میں قربان کردوں قبل اس کے کہ میں اللہ کا عذاب دیکھوں۔ یہ ان کی انتہائی عاجزی اور کسرِ نفسی کی دلیل ہے۔

بَابُ مَنَاقِبِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا

سیّدنا ابوبکر و سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے مناقب کا بیان

پہلے باب میں صرف وہ احادیث بیان کی گئی تھیں کہ جن میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کا ذکر تھا اس کے بعد دوسرے باب میں حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل و مناقب سے تعلق رکھنے والی احادیث بیان کی گئیں تھیں اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند وہ ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں خاص رفیقوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک میں ان دونوں کا خاص الخاص مقام تھا اور بہت سے

موقعوں پر آپ ﷺ نے ان دونوں کا اپنے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ گویا یہ دونوں آپ ﷺ کے شریک حال اور خاص رفیق کار ہیں اور حقیقت بھی یہی تھی کہ یہ دونوں حضرات پیغمبر ﷺ کے وزیر' مشیر با تدبیر' تمام امور کے امین اور تمام اموال و اوقات کے مصاحب وہم نشین تھے۔

الفصل الاول:

شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالِ ایمان کی شہادت

٦٠٥٦ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَّسُوْقُ بَقَرَةً اِذْاَعْیٰی فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَاهُمَا ثُمَّ وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَ هَا فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَ هَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَا رَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَاهُمَا ثُمَّ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/حدیث رقم ٣٤٧١ ومسلم فی صحیحه ١٨٥٧/٤ حدیث رقم (١٣-٢٣٨٨) والترمذی فی السنن ٥٧٥/٥ حدیث رقم ٣٦٧٧

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص ایک گائے کو ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا' جب وہ (چلتے چلتے) تھک گیا تو گائے پر سوار ہو گیا' گائے نے کہا' ہمیں اس کام (یعنی سواری) کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ ہم تو کھیت جوتنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگوں (یعنی حاضرین مجلس) نے (یہ سن کر اظہارِ تعجب کے طور پر) کہا: سبحان اللہ' گائے کلام کرتی ہے (درآنحالیکہ وہ بے زبان چوپایہ ہے؟) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں'' حالانکہ وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہ تھے۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ کے درمیان تھا کہ دفعۃً ایک بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھا لے گیا بکری کے مالک نے بھیڑیئے کا تعاقب کر کے اپنی بکری اس سے چھڑا لی بھیڑیا اس سے بولا: (اب تو تم نے اپنی بکری مجھ سے چھڑا لی ہے لیکن بتاؤ) سبع کے دن بکریوں کا رکھوالا کون ہوگا' جب میرے سوا بکریوں کا چرانے والا کوئی نہ ہوگا۔ (لوگوں نے (یہ واقعہ سن کر اظہار تعجب کیا اور) کہا: سبحان اللہ' بھیڑیا کلام کرتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرا اس پر ایمان ہے اور ابوبکر وعمر بھی'' حالانکہ وہ دونوں موجود نہیں تھے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (بقرة): یعنی گائے کو پیچھے سے ہانک رہا تھا۔ (اذ اعیا): ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور ایک صحیح نسخہ میں اذعیی ہے، عین کے فتحہ اور پہلی یاء کے کسرہ کے ساتھ، اس کا مطلب ہے: آدمی کا چلتے چلتے تھک جانا۔ (حراثة): حاء کے فتحہ کے ساتھ،

یعنی زراعت۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گائے پر سواری کرنا، یا اس پر بوجھ لادنا مناسب نہیں۔(ابن الملکؒ)

لہٰذا یہ حصر اضافی ہے، ماقبل کی تاکید ہے۔علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: علماء نے حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ چوپاؤں اور مویشیوں کو ان مقاصد کے علاوہ عام طور پر ان کا استعمال جن مقاصد کے لئے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کام میں نہ لانا چاہئے۔تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ اس بات کا منشا محض اولویت وفضیلت کی طرف اشارہ کرنا ہے نہ کہ حصر کرنا۔چونکہ یہ معنی مراد نہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔میں کہتا ہوں: یہ بات بالکل بے غبار ہے کہ اس حدیث سے گائے پر سواری کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔خاص طور پر جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر بھی ثابت ہے۔گائے کے ذبح اور اکل سے کلام نہیں چونکہ ان دونوں امور کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہے، پس اکل و ذبح کا مستثنیٰ ہونا شرعاً بھی اور عرفاً بھی ہے۔(بقرة تكلم): میم کے ضمہ کے ساتھ، فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ایک تاء حذف ہوئی ہے۔(فقال...... به): جزاء ہے شرط محذوف کی۔تقدیری عبارت یوں ہے: فان كان الناس يستغربونه ويتعجبون منه فاني لا استغربه و أو من به۔ (أنا...... عمر): شارح کہتے ہیں: اس کا عطف أو من کی ضمیر مستتر پر ہے، اور أنا اس کی تاکید ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: أنا اور اس پر عطف کرنے کا کیا فائدہ؟ حالانکہ یہاں عطف أو من کی ضمیر مستتر پر ہو رہا ہے، جو جار مجرور کی وجہ سے مستغنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر أنا مذکور نہ ہوتا، تو یہ احتمال پیدا ہوسکتا تھا کہ أبو بكر کا عطف ان اور اس کے اسم کے محل پر ہے، اور خبر محذوف ہے۔اس صورت میں تاکید کے معنی نہ پائے جاتے، اور یہ جملہ تبعاً ہوتا، أنا کے ذکر کرنے کی صورت میں اس طرح نہیں ہے، بلکہ أنا کا ذکر کرنا مفیدِ اشتراک ہے۔

(وما هماثم): ثاء مثلثہ کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "فأني او من بذلك ثم أبو بكر وعمر وما هما في القوم يومئذ"۔ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صرف انہی دو حضرات کے ذکر کئے جانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ ان کو مضبوط ایمان واعتقاد اور کامل یقین کا خصوصی درجہ کمال حاصل ہے۔ان پر حقیقت اس قدر آشکارا ہے، کہ تعجب کی کوئی بات ہی نہیں۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اني أو من ذلك...... کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے نے تکلم بقرہ کی جو خبر دی ہے اس کی میں تصدیق کرتا ہوں، اور ابوبکر وعمر بھی اس کی تصدیق کریں گے۔چونکہ ان کی قوت ایمانی اتنی ہے کہ وہ آپ کی بتائی ہوئی خبر کی ضرور تصدیق کریں گے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو آنحضرتؐ نے اس واقعہ کی خبر دی، تو ان دونوں نے اس کی تصدیق کی۔یا یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی کہ جب آپ اس بات پر مطلع ہوئے کہ اس کے وقوع میں ان دونوں کو ذرا بھی تردد اور شک نہیں ہوگا۔اھ۔

آخری احتمال ہی درست ہے، اور اس کی درستگی کی دلیل یہ ہے کہ یہ مقام مدحت ہے، مزید یہ کہ راوی کا قول: وما هماثم بھی اسی پر دلالت کر رہا ہے۔وگرنہ تو ہر مؤمن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فراہم کردہ اطلاع پر لامحالہ ایمان رکھتا ہی ہے، چنانچہ عام مؤمنین اور ان دونوں حضرات کی تصدیق کرنے میں کوئی نہ کوئی فرق تو بہرحال ہے، جیسا کہ اس کی طرف او من به

أنا و أبو بكر و عمر کا اشارہ ہے۔

(بينما...... له): غنم سے پہلے قطعة مضاف محذوف ہے۔ اور له، كائن سے متعلق ہو کر غنم کی صفت ہے۔ (يوم السبع): سین مہملہ کے فتحہ اور باء موحدہ کے سکون کے ساتھ، ایک نسخہ میں پر ضمہ ہے۔ شارح کہتے ہیں: السبع، باء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے، جیسا کہ عضدُ اور عَضْد۔

يوم السبع سے مراد وہ دن ہے کہ جب سارے لوگ مر جائیں گے، اور وحوش باقی رہ جائیں گے۔ سبع، (باء کے ضمہ کے ساتھ) کے معنی "درندہ" کے آتے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ: جب فتنہ وفساد کا دور ہوگا (اور لوگ اپنے اپنے جھگڑوں میں مبتلا ہوں گے یا فتنہ وفساد کے خوف سے مال واسباب چھوڑ کر اپنے گھروں سے بھاگ جائیں گے، تو بکریاں اپنے وارث کے بغیر پھریں گی، اس وقت درندوں اور بھیڑیوں سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس اعتبار سے درندوں کو ہی چرواہا قرار دیا، چونکہ اس وقت بکریوں کے پاس درندوے ہی ہوں گے۔ (اس اعتبار سے وہ درندوں کا دن کہلائے گا۔ از: م)

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تمیم کی لغت کے مطابق یہ لفظ باء کے سکون کے ساتھ ہے، اس صورت میں يوم السبع کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی سخت مصیبتیں آئیں گی، اور فتنے ہوں گے کہ لوگ اپنے مویشی کھلے چھوڑ دیں گے۔ کسی کو اپنے مویشیوں کا دھیان نہیں رہے گا، اور بھیڑیئے بغیر کسی روک ٹوک کے بکریوں کو مزے سے چٹ کریں گے۔ بعض کا کہنا ہے کہ يوم السبع میں سبع باء کے سکون کے ساتھ ہے، اور ضمہ بھی مروی ہے۔ اس سے مراد اہل جاہلیت کی عید کا دن ہے، کہ جس میں تمام لوگ لہو ولعب کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں، اور پنے مویشیوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور درندے آکر کھا جاتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ باء کے سکون کے ساتھ ہے، اور اس سے مراد محشر کی زمین ہے، اور دن سے مراد یوم محشر ہے۔ لیکن یہ توجیہ حدیث کے مابعد جملے سے مناسبت نہیں رکھتا۔

یہ روایت امام احمد نے بھی نقل کی ہے۔

٦٠٥٧: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِیْ قَوْمٍ فَدَعَوُا اللّٰهَ لِعُمَرَ وَقَدْ وُضِعَ عَلٰی سَرِيْرِهٖ اِذَا رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِیْ قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهٗ عَلٰی مَنْكِبِیْ يَقُوْلُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اِنِّیْ لَاَرْجُوْاَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ لِاَنِّیْ كَثِيْرًا مَا كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُنْتُ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَفَعَلْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَالْتَفَتَ فَاِذَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٢/٧ حديث رقم ٣٦٧٧ ومسلم في صحيحه ١٨٥٨/٤ حديث رقم (١٤-٢٣٨٩) وابن ماجه في السنن ٣٧/١ حديث رقم ٩٨۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق کی وفات کے دن) اس وقت میں بھی ان لوگوں کے درمیان کھڑا تھا' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جسد خاکی (نہلانے کے لئے) تختۂ مرگ پر رکھا ہوا تھا اور لوگ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھی واعزاء) کھڑے ہوئے ان کے لئے دعائیں کر

رہے تھے اچانک میرے پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے اپنی کہنی میرے مونڈھے پر رکھی اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے) کہنا شروع کیا "آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو بے شک میں پوری امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (قبر میں یا جنت میں) آپ کو اور آپ کے دونوں دوستوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہی رکھے گا' کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اکثر یہی الفاظ سنتا تھا کہ "میں (فلاں جگہ) تھا اور ابوبکر وعمر بھی (میرے ساتھ تھے) میں نے (امور عبادت سے یا معمولات زندگی میں سے فلاں کام) کیا اور ابوبکر وعمرؓ بھی (میرے شریک کار تھے) میں (فلاں مقام پر) گیا اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ بھی (میرے ساتھ تھے) میں (فلاں مسجد یا فلاں مکان) میں داخل ہوا اور ابوبکر وعمر بھی (میرے ساتھ تھے) میں (فلاں مکان یا فلاں جگہ سے) باہر آیا اور ابوبکر وعمر بھی (میرے ساتھ تھے) میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ الفاظ کہنے والے علی بن ابی طالبؓ تھے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :قال :انی لواقف فی القوم ...... مع صاحبیك :

"فدعوا" کی ضمیر "القوم" کی طرف راجع ہے اور ایک روایت میں یدعون اللہ ہے۔ **(لعمر ...... سریره)**: یہ جملہ حالیہ ہے، اور عمر ذو الحال ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے دن جب ان کی میت تختۂ مرگ پر رکھی ہوئی تھی اور ان کے قریبی ساتھی واعزاء بھی موجود تھے۔ **(اذا ...... مِرفقه)**: میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ، اس کے بالکل بر عکس بھی درست ہے۔ **(علی منکبی)**: میم کے فتحہ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ **(یرحمك الله)**: ایک روایت میں "رحمك الله" ہے۔ **(انی لأرجو)**: ایک نسخہ میں انی کنت لأرجو ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لأنی میں لام تعلیلیہ ہے جو ان یجعلك الله مع صاحبك کے لئے علت ہے۔

ای أرجو أن یجعلك معها فی عالم القدس لانی کثیر ما کنت: "ما" زائدہ ہے جو کثرت میں مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ کے اس قول: ﴿وقلیل ما هم﴾ [ص: ۲۴] کے بالکل برعکس ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بخاری شریف کے نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور "ما" ابہامیہ مؤکدہ ہے۔ جامع الاصول کی روایت میں "ما" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ کنت: ان کی خبر ہے۔ کثیراً ظرف ہے، اور اس کا عامل "کان" ہے جو مقدم ہے۔ اللہ جل شانہ کا یہ قول: ﴿قلیلا ما تشکرون﴾ [الاعراف: ۱۰، المؤمنون: ۷۸، السجدة: ۹، الملك: ۲۳] بھی ترکیبی اعتبار سے بالکل اسی جیسا ہے۔

مصابیح کے اکثر نسخوں میں یہ الفاظ ہیں: **لأنی کثیرا مما کنت**، یعنی ان نسخوں میں "من" موجود ہے جو زائدہ ہے نیز یہ کہ یہ زیادتی بے موقع ومحل ہے۔ الا یہ کہ تکلف سے کام لیا جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ اصل عبارت یوں ہے: **انی أجد کثیرا مما کنت اسمع**۔ میرے نزدیک اس کی ترکیب یوں بھی ہوسکتا ہے کہ "ما" موصولہ بمعنی "مَن" ہو، اور مطلب یوں ہوگا: **لانی فی کثیر من الأوقات ممن کنت**۔

و ابوبکر وعمر: بعض حضرات نے (اس جملہ سے) ضمیر مرفوع متصل بلا تاکید (اسم ظاہر کا) پر عطف درست ہونے پر استدلال کیا ہے۔ نثر میں یہ عطف نحویوں کے ہاں ضعیف ہے۔ اور اس کی نظیر حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول ہے: **کنت وجار لی من الانصار**۔ اسی قبیل سے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ما اشرکنا ولا آباؤنا﴾ [الانعام: ۱۴۸] لا ولاؤ عاطفہ کے بعد ہے۔

اور زائدہ بھی ہے۔اھ

اور ایک روایت میں "فانی کنت لأرجو ان یجعلك الله معهما ہے۔رضی اللہ عنہ اور ایک نسخہ میں عنهم ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی شیخین ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "وانه وضع عمر علی سریره فتکنفه الناس یدعون ویثنون ویصلون علیه قبل ان یرفع وأنا فیهم فلم یرعنی الا رجل قد اخذ بمنکبی من ورائی فالتفت فاذا هو علی ابن ابی طالب فترحم علی عمر وقال: ما خلفت أحدا أحب الی أن القی الله بمثل عمله منك وأیم الله ان کنت لأظن أن یجعلك الله مع صاحبیك وذلك أنی کنت أسمع رسول الله ﷺ یقول: جئت أنا وأبو بکر وعمر، دخلت أنا وأبو بکر وعمر، خرجت أنا وأبو بکر وعمر، وانی کنت لأرجو أن یجلعك الله معهما"۔

الفصل الثانی:

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا مقام علیین سے بھی بلند ہے

۶۰۵۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَیَتَرَاءَ وْنَ اَهْلَ عِلِّیِّیْنَ کَمَا تَرَوْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ فِیْ اُفُقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ وَاَنْعَمَا۔

(رواه فی شرح السنة وروی نحوه ابو داو د والترمذی وابن ماجة)

أخرجه ابو داؤد فی السنن ۲۸۷/٤حدیث رقم ۳۹۸۷ والترمذی فی السنن ٥٦٧/٥حدیث رقم ۳٦٥۸ وابن ماجه فی السنن ۳۷/۱حدیث رقم ۹٦ و احمد فی المسند ۲٦/۳)۱فی الخطوطة(یمنهم)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جنتی لوگ مقام علیین والوں کو (نہایت بلندی پر) اس طرح دیکھیں گے کہ جس طرح تم کنارۂ آسمان کے بہت روشن ستارہ کو دیکھتے ہو اور ابوبکر و عمر علیین والوں میں سے ہیں بلکہ (اپنے اعزاز و مرتبہ کے اعتبار سے) ان سے بڑھے ہوئے ہیں" اس روایت کو بغویؒ نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔ نیز اسی طرح کی روایت ابو داؤدؒ ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے"۔

تشریح: لیتراؤن: یاء کے فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ، رؤیت سے مشتق ہے، باب تفاعل ہے، اصل میں یتراؤن تھا، (الکوکب الدری): دال کے ضمہ اور کسرہ اور یاء تحتیہ کی تشدید کے ساتھ، ہمزہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ الکوکب الدری: بڑے موتی کی طرح چمکدار، اپنے نور سے ظلمت کو دور کرنے والا۔ (أفق السماء): ہمزہ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ، فاء ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔ (قاموس) اور اس سے مراد آسمان کے دونوں کنارے ہیں، اس کی جمع آفاق آتی ہے۔ (وان...... منهم): منهم کا متعلق استقرا محذوف ہے۔ انعما، کا عطف استقرا محذوف پر ہے، درجہ اور رتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اہل علیین کے مراتب سے بھی اور اونچے مراتب کو پہنچ گئے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ انعما کا مطلب ہے نعمتوں میں داخل ہونا جیسا کہ کہا جاتا

ہے: أشمل، شمال میں داخل ہو گیا۔ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مصابیح کے اکثر نسخوں میں لمنهم ہے، یہ لام از روئے روایت زائدہ ہے، چونکہ یہ حدیث ترمذی شریف سے نقل کی ہے، اور ترمذی میں منهم وأنعما کے الفاظ ہیں، لام موجود نہیں ہے۔

امام طیبیؒ نے فرمایا: سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور جامع الاصول میں بھی یہ روایت بغیر لام کے ہے۔

الجامع الصغیر میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ان اهل الجنة ليترأون أهل الغرف من فوقهم كما تراء ون الكوكب الدرى الغابر فى الأفق من المشرق أو المغرب لتفاضل ما ينهم۔ یہ روایت احمد اور شیخین نے ابوسعید سے، اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ الجامع الکبیر کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: قالوا: يا رسول الله تلك منازل الأنبياء لا يبلغها غيرهم، قال: بلى والذى نفسى بيده رجال آمنوا بالله وصدقوا المرسلين۔ یہ روایت ابن حبان اور امام دارمیؒ نے حضرت ابوسعید سے ذکر کی ہے۔ ابن حبان نے یہ روایت سہل بن سعد سے بھی نقل کی ہے۔ سہل بن سعد سے مروی، احمد اور شیخین کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: أن أهل الجنة ليتراء ون اهل الغرف فى الجنة كما تراء ون الكوكب فى السماء۔

ابوسعید سے مروی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، اور ابن حبان کی روایت اور جابر بن سمرہ سے مروی طبرانی کی روایت، اور ابن عمر اور ابو ہریرہؓ سے مروی ابن عساکر کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "ان اهل الدرجات العلى ليراهم من هو أسفل منهم كما ترون الكوكب الطالع فى أفق السماء وان أبا بكر وعمر منهم وأنعما"۔ ابن عساکر میں ابوسعید سے مروی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: أن أهل عليين يشرف أحدهم على الجنة فيضئ وجهه لأهل الجنة كما يضيىء القمر ليلة البدر لأهل الدنيا وان أبا بكر وعمر منهم وأنعما"۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جنت کے اُدھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہیں

۶۰۵۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدَ اكُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰ خِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذى فى السنن ۵ / ۵۷۰ حديث رقم ۳۶۶۴ و احمد فى المسند ۱ / ۸۰۔

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں انبیاء مرسلین کو چھوڑ کر جتنے بھی ادھیڑ عمر والے ہوں گے' خواہ وہ اگلوں میں سے ہوں یا پچھلوں میں سے' ان سب کے سردار ابوبکر وعمر ہوں گے۔" (ترمذی)

تشریح: الکھول: کاف اور ہاء کے ضمہ کے ساتھ، کھل کی جمع ہے۔ صاحب قاموس کے بیان کے مطابق "کہول" وہ شخص ہے جس کی عمر تیس ۳۰، یا چونتیس ۳۴ سال سے اکاون ۵۱، سال تک ہو۔ ظاہر ہے کہ جنت میں تو کوئی بھی ادھیڑ عمر کا نہیں ہوگا، بلکہ سب جوان ہوں گے، اس لئے اُدھیڑ عمر والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ادھیڑ عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے اس قول مبارک میں شیخین کو "سيد اكهول اهل الجنة" کہنا در حقیقت اللہ جل شانہ کے اس

قول: ﴿و آتوا الیتامٰی اموالھم﴾ [النساء: ۲] کے قبیل سے ہے۔

شارح کہتے ہیں: ادھیڑ عمر والوں سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ جنت میں داخل ہوتے وقت ادھیڑ ہوں گے، ان سب کے سردار ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کی سرداری ان مسلمانوں پر ہوگی جو ادھیڑ عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اور جنت میں چونکہ کوئی بھی شخص ادھیڑ عمر نہیں ہوگا، بلکہ ہر شخص تینتیس (۳۳) سال کا ہوگا، لہٰذا جب یہ دونوں حضرات ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ٹھہرے، تو سید الشباب اہل الجنۃ بطریق اولیٰ ہوئے۔ اھ۔ اس میں دو بحثیں ہیں جو مخفی نہیں۔

الاولین: اس سے مراد گذشتہ امتوں کے اولیاء اللہ مراد ہیں۔ جن میں اصحاب کہف، آل فرعون کے اہل ایمان، اور حضرت خضر علیہ السلام بھی شامل ہیں، اس قول کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں، ولی ہیں۔ **(الا النبیین والمرسلین):** اس قید سے حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء ورسل کا بھی استثناء ہوگیا، اور خضر علیہ السلام بھی مستثنیٰ ہوگئے۔ اُن حضرات کے قول کے مطابق کہ جن کا کہنا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ **(رواہ الترمذی):** ترمذی میں یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۶۰۶۰: وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةِ عَنْ عَلِيٍّ۔

أخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۳۶ حديث رقم ۹۵۔

ترجمہ: ''ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے''۔

تشریح: اور الجامع الصغیر میں لکھا ہے کہ: اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ نے ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے، ابویعلی اور ضیاء نے المختارۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، اور طبرانی نے اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابوسعید سے نقل کیا ہے۔

الریاض میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''**کنت مع رسول اللہ ﷺ اذ طلع ابو بکر وعمر فقال رسول اللہ ﷺ: ھذان سید اکھول اھل الجنۃ من الأولین والآخرین الا النبیین والمرسلین یا علی الا تخبرھما**''۔ امام ترمذیؒ یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ امام ترمذیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرکے فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمدؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''**قال: سید اکھول اھل الجنۃ وشبابھا بعد النبیین والمرسلین**''۔ یہ روایت المخلص الذہبی نے بھی نقل کی ہے، لیکن ''**شبابھا**'' کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ البتہ ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: ''**قال علی: فما أخبرت به حتی ماتا ولو کانا حیین ما حدثت به**''۔

لا تخبرھما یا علی: اس جملے سے وہم ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان دونوں حضرات کے بارے میں عجب اور ماموں ہوجانے کا اندیشہ تھا اسی لئے یہ بات ارشاد فرمائی۔ اگرچہ یہ طبائع بشریہ میں سے ہے، لیکن شیخین کا رتبہ حضورؐ کی نگاہ میں کہیں بلند و بالا تھا۔ لہٰذا یہ جملہ ارشاد فرمانے کی حکمت یہ تھی کہ اے علی! یہ بات انہیں تم مت بتانا، میں بتاؤں گا، میرے بتانے پر انہیں زیادہ خوشی ہوگی۔ **سید اکھول اھل الجنۃ** فرمایا، حالانکہ جنت میں کہول کوئی بھی نہ ہوگا، یہ درحقیقت کمال عمر کی طرف اشارہ ہے، چونکہ ادھیڑ پن کی عمر عقلی اعتبار سے شباب سے اکمل ہوتی ہے۔ اور جنت کے مدارج بقدر عقول ہیں، جیسا

کہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا:"یا علی اذا تقرب الناس بأنواع البر فتقرب أنت بأنواع العقل"۔ (اخرجه الخجندی)

شعبی سے مروی ہے، فرمایا:"آخی رسول الله ﷺ بین ابی بکر وعمر فأقبل احدهما آخذا بید صاحبه فقال ﷺ: من سره ان ینظر الی سیدی کهول اهل الجنة فلینظر الی هذین المقبلین"۔ (الغیلانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتداء کا حکم

۶۰۶۱ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَآاَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۸۰حدیث رقم ۳۶۶۳ وابن م ماجه فی السنن ۱/۳۷حدیث رقم ۹۷واحم فی المسند ۵/۳۸۲

ترجمہ: "حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ میں تم میں کتنی دیر باقی رہوں گا تم لوگ میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا اور وہ ابوبکر وعمرؓ ہیں"۔ (ترمذی)

تشریح: (فیکم): ایک روایت میں "الا قلیلا" آیا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "ما بقائی" میں "ما" استفہامیہ ہے۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: لا أدری کم مدة بقائی فیکم أقلیل ام کثیر؟۔

باللذین: دوسرا لام تثنیہ کا صیغہ ہے۔ (من بعدی..... عمر): باللذین سے بدل ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ: وأشار الی أبی بکر وعمر۔

تخریج: یہ الفاظ ہیں: اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر۔ یہ روایت احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت حذیفہؓ سے نقل کی ہے۔ حافظ ابونصر القصار نے ان الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے: "فانهما حبل الله الممدود فمن تمسك تمسك بالعروة الوثقی لا انفصام لها"۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ خصوصی محبت کا انداز

۶۰۶۲ : وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ لَمْ يَرْفَعْ اَحَدٌ رَأْسَهٗ غَيْرُ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَ يَتَبَسَّمَانِ اِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ اِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ اِلَيْهِمَا۔

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۷۱حدیث رقم ۳۶۶۸۔

ترجمہ: "حضرت انس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو (پاسِ ادب سے سب کی نگاہیں نیچی ہو جاتی تھیں یا یہ کہ آپ کی ہیبت سے) کوئی اپنا سر اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ و

عمر رضی اللہ عنہ کے (صرف یہی دو اصحاب تھے جو روئے مبارک کی طرف نظر اٹھانے کی تاب رکھتے تھے) یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے کر مسکراتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے تھے۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: شارح نے نہایت بعید فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں مشغولیت کے باعث اپنا سر مبارک اوپر نہیں اٹھاتے تھے۔(غیر أبی بکر وعمر): مرفوع ہے، "أحد" سے بدل ہونے کی وجہ سے، اور ایک نسخہ میں منصوب ہے، استثناء کی وجہ سے۔

کانایتبسمان الیه :استیناف بیانی ہے،طرفین کا مسکرانا،کمال بے تکلفی پر دلالت ہے۔

تخریج:الریاض میں حضرت انسؓ سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں:"ان رسول اللہ ﷺ کان یخرج علی اصحابه من المهاجرین والانصار وهم جلوس فلا یرفع الیه احد منهم بصره الا ابا بکر وعمر۔ فانهما کانا ینظران الیه وینظر الیهما ویتبسمان الیه ویتبسم الیهما"۔ یہ روایت احمد اور ترمذی دونوں نے ذکر کی ہے۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔المخلص الذہبی اور حافظ دمشقی ،حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں،فرمایا:"کنا نجلس عند النبی و کأن علی رؤوسنا الطیر ما یتکلم، أجدمنا الا ابو بکر وعمر"۔

قیامت میں بھی شیخین رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے

۶۰۶۳:وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ یَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ اَحَدُهُمَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَاٰخِذٌ بِاَیْدِیْهِمَا هٰکَذَا تُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ .

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۷۲/۵ حدیث رقم ۳۶۶۹ وابن ماجه ۳۸/۱ حدیث رقم ۹۹۔

ترجمہ:"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ شریف سے نکل کر مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ میں سے ایک صاحب آپ کے دائیں طرف تھے اور ایک صاحب بائیں طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہم یوں اٹھائے جائیں گے (یعنی ہم تینوں اپنی قبروں سے اسی طرح ایک ساتھ اٹھیں گے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے میدانِ حشر تک پہنچیں گے)۔اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح:أحدهما عن یمینه والآخر عن شماله: بظاہر یہ لف ونشر مرتب ہے۔اور معاملہ چونکہ بدیہی ہے، لہٰذا فہم سامع پر چھوڑا جاتا ہے۔(هو آخذ):اسم فاعل کا صیغہ ہے۔(بأیدیهما): جمع بول کر تثنیہ مراد ہے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کان اور آنکھوں کی طرح امت میں اشرف ہیں

۶۰۶۴ : وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ هٰذَا نِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ ۔ (رواه الترمذی مرسلا)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۷۲/۵ حدیث رقم ۳۶۷۱

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن حنطب (تابعی) سے مروی ہے کہ ''(ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا: یہ دونوں بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں۔(ترمذی مرسلاً)''۔

تشریح: حنطب: حاء مہملہ، نون ساکن اور طاء مہملہ کے ساتھ، بعض رواۃ نے ظاء معجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، (ابن الملک)۔ تابعی ہیں، مگر مؤلف نے اسماء الرجال میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ (ان النبی...... والبصر): (۱) گویا کہ یہ خود کان اور آنکھ ہیں، جیسا کہ عرب بطور مبالغہ کہتے ہیں: رجل عدل۔ (۲) ان کا وجود ملت اسلامیہ میں بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہے۔ (۳) ان دونوں کی وہی حیثیت ہے جو اعضاء جسم میں کان اور آنکھ کی ہے۔ کاف تشبیہ حذف کیا گیا ہے، مبالغہ کی غرض سے۔ لہٰذا یہ تشبیہ بلیغ ہوئی۔ (۴) یہ دونوں میرے لئے عزت، شرف وفضیلت میں بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں۔ اس کی تائید ان بعض حضرات کی اس توجیہ سے بھی ہوتی ہے، جو انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا میں کی ہے: ''اللهم متعنا باسماعنا وأبصارنا أبو بكر وعمر''، کہ سمع اور بصر سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق ہیں۔ قاضی فرماتے ہیں: ان دونوں کو بمنزلہ کان اور آنکھ کے قرار دینا درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ حق سننے اور اس کی اتباع کرنے اور ذات وکائنات میں حق کا مشاہدہ کرنے میں یہ دونوں حریص ہیں۔

سماعت افضل ہے یا بصارت؟

یہ حدیث سمع کی بصر پر فضیلت پر دال ہے۔ نیز بہت سی قرآنی آیات اس کی مؤید ہیں۔ مثلاً اللہ جل شانہ کا یہ قول: ﴿وجعل لكم السمع والأبصار﴾ [النحل: ۷۸]۔ اور اسی طرح کی بہت سی آیات میں سمع کو بصر پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور شاید کہ اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ حصول علم بغیر بصر کے ممکن ہے' بخلاف سمع کے، کہ قوت سماعت کا نہ ہونا گونگا، بہرا ہونے کو لازم ہے۔ واللہ اعلم

(رواه الترمذی مرسلاً): شارح کہتے ہیں: یہ حدیث مرسل ہے، چونکہ اس حدیث کے راوی عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ امام میرک فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ انہیں شرف رؤیت تو حاصل ہے، شرفِ روایت حاصل نہیں ہے۔ لیکن امام سیوطی الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں: أبو بكر وعمر منى بمنزله السمع والبصر من الرأس۔ یہ روایت ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں مطلب بن عبد الله بن حنطب عن أبيه عن جده کے طریق سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ان سے اس روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت مروی نہیں۔ ابونعیم نے الحلیہ میں ابن

عباسؓ سے مرفوعاً اور خطیب نے جابرؓ سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ ملاؒ اپنی سیرت میں ابن مسعودؓ اور ابو ذرؓ سے نقل کرتے ہیں: ''قالا: قال رسول اللہ ﷺ: أبو بكر وعمر في أمتي مثل الشمس والقمر في النجوم''۔

شیخین رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا کے وزیر ہیں

۶۰۶۵: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥٧٦/٥ حديث رقم ٣٦٨٠

ترجمہ: ''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔ آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر تو ''جبرئیل'' اور ''میکائیل'' ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: قوله :ما من نبي الا وله ...... من اهل الارض۔

''وزیر'': کا مطلب ہے موازر (بوجھ اٹھانے والا، سہارا دینے والا) چونکہ وہ بوجھ اٹھاتا ہے، یعنی اپنے امیر کی طرف سے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مشورہ طلب مسئلہ پیش آتا ہے، تو وہ ان سے مشورہ کرتا ہے، جیسا کہ کسی بادشاہ کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو وہ اپنے وزیر سے مشورہ کرتا ہے۔ اسی قبیل سے اللہ جل شانہ کا یہ قول ہے: ﴿واجعل لي وزيرا من اهلي هٰرون أخي اشدد به أزري﴾ [طه: ٢٩، ٣٠، ٣١] ﴿وأشركه في أسري﴾ [طه: ٣٢] یعنی میرے امور کی تدبیر میں ﴿نذكرك...... كثيرا﴾ [طه: ٣٣، ٣٤] ''اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما (یعنی) میرے بھائی ہارون کو اس سے میری وقت کو مضبوط فرما اور اسے میرے کام میں شریک کرتا کہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں'' [طه : ٢٩ تا ٣٤] چونکہ ہئیت اجتماعی کی عبادات الٰہیہ میں بہت زیادہ برکت ہوتی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام (بلکہ تمام فرشتوں) سے افضل ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت میکائیل علیہ السلام سے افضل ہیں۔

(وأما...... عمر): اس جملہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ تمام صحابہ سے افضل واعلیٰ ہیں۔ اور تمام صحابہ تمام لوگوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ میں حرف عطف واؤ اگرچہ مطلق جمع کیلئے ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ صاحب حکمت و دانائی کا کلام ہے اور ممکن نہیں کہ ان دونوں ناموں کے ذکر میں مذکورہ ترتیب حکمت و مصلحت سے خالی ہو۔ (رواه...... غريب): حاکمؒ نے ابو سعیدؓ اور حکیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: ''ان لي وزير من اهل السماء و

وزيرين من اهل الأرض فوزيراى من اهل السماء جبريل وميكائيل ووزيراى من اهل الأرض أبو بكر وعمر"۔ ابن عساکر نے ابوذرؓ سے یہ روایت ان الفاظ سے ذکر کی ہے: "أن لكل نبي وزيرين ووزيراى وصاحباى أبو بكر وعمر"۔ حافظ ابوالحسن علی بن نعیم المصری، حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں: "دخلت على رسول الله ﷺ وأبو بكر عن يمينه وعمر عن يساره قال: فمديده المباركة بين كتفي أبي بكر [ومد يساره بين كتفي عمر] ثم قال لهما: أنتما وزيراى في الدنيا وأنتما وزيراى في الآخرة، هكذا تنشق الارض عني وعنكما وهكذا أزور وانتما رب العالمين"۔ حسن بصریؒ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "مكتوب على ساق العرش او في ساق العرش لا اله الا الله محمد رسول الله وزيراه أبو بكر الصديق وعمر الفاروق"۔ یہ روایت صاحب دیباج نے ذکر کی ہے۔ سمرقندی، عبدالعزیز بن عبدالمطلب عن أبیہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں: "قال: قال رسول الله ﷺ: ان الله عز وجل ايدني من اهل السماء بجبريل وميكائيل ومن أهل الأرض بأبي بكر وعمر"۔ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمان والوں میں سے جبرائیلؑ ومیکائیلؑ اور زمین والوں میں سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ذریعے سے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت خالص خلافت نبوت تھی

٦٠٦٦: وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَاَبُوْ بَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْ بَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَا سْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِىْ فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلاَفَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِى اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ۔ (رواه الترمذي وابوداود)

أخرجه ابو داؤد في السنن ٢٩/٥ حديث قم ٤٦٣٤ والترمذي في السنن ٥٤٠/٤ حديث رقم ٢٢٨٧ واحمد في المسند ٥٠/٥

ترجمہ: "حضرت ابوبکرہؓ (ثقفی) سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اور (اس ترازو میں) آپ ﷺ کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو آپ ﷺ کا وزن زیادہ رہا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا۔ اس کے بعد ترازو اٹھالی گئی۔ رسول اللہ ﷺ اس خواب سے غمگین ہو گئے یعنی اس خواب نے آپ ﷺ کو رنجیدہ کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرما دے گا"۔ (ترمذی)

تشریح: کأن: نون کی تشدید کے ساتھ۔

فوزنت: فعل ماضی مجہول، واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

انت: ضمیر فصل وتاکید ہے۔ یہ ضمیر یہاں اس لئے ذکر کی گئی ہے تا کہ عطف درست ہو سکے۔ (فرجحت): جیم کے فتحہ اور

حاء کے سکون کے ساتھ۔ (أنت): تاکید مجرد ہے۔ (ووزن...... المیزان): اس جملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؓ کے سبب اختلاف فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔ (فاستاء): ہمزہ وصلی، سین ساکن، پھر تاء اور اس کے بعد الف اور آخر میں ہمزہ ہے۔

ایک خواب کی تعبیر:

ترازو کا اٹھالیا جانا اس کی تعبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں انحطاط آجائے گا اور طرح طرح کے فتنے سر اٹھائیں گے، اور وزن زیادہ ہونے کا مطلب یہ نکلا کہ زیادہ وزن والا افضل ہے، کم وزنی کے مقابلے مین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؓ کو نہیں تولا گیا، چونکہ حضرت علیؓ کی خلافت اختلافی تھی۔ صورتحال یہ تھی کہ ایک جماعت حضرت علیؓ کے حق میں تھی، اور ایک جماعت حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھی، لہٰذا ان کی خلافت مجمع علیہا نہ ٹھہری۔

(ابن ملکؒ)

النہایہ میں ہے کہ استاء بروزن افتعل سوء سے مشتق ہے، ساء کا مطاوع ہے۔ عرب کہتے ہیں: استاء فلان بكذا ای ساء ذلك (ناگوار کرنا، تکلیف پہنچانا)۔ ایک روایت میں فاستاء لها ہے، یعنی خواب کی تعبیر پوچھی۔

رہی یہ بات کہ ترازو کے اٹھ جانے سے مذکورہ تعبیر کس بناء پر سمجھی گئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انہی چیزوں کو تولا جاتا ہے، جو آپ میں ایک دوسرے سے لگ بھگ ہوں، جو چیزیں آپس میں بعید و متباین ہوں، ان کو ایک دوسرے کے ساتھ تولنا ''چہ معنی دارد''۔ لہٰذا ترازو اٹھالیا گیا۔

(خلافة نبوة): مضاف' مضاف الیہ ہیں۔ خلافة، الذی رأیته مبتداء محذوف کی خبر ہے، (بعض حضرات نے تقدیری عبارت: هذه خلافة بتائی ہے)۔ (ثم یؤتی الله الملك من یشاء): مطلب یہ ہے کہ خالص خلافتِ نبوت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس کی تعبیر یہ ہے کہ برحق خلافت ختم ہو جائے گی، اور حقیقی خلافت حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت ختم ہوتے ہی، ختم ہو جائے گی۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''خلافت'' کی ''نبوت'' کی طرف اضافت میں درحقیقت اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اور ابوداوٗدؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ مسند احمد میں یہ روایت ابن عمرؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: ''قال: خرج علينا رسول الله ﷺ ذات غدوة بعد طلوع الشمس فقال رأيت قبل الفجر كأني اعطيت المقاليد والموازين فأما المقاليد فهي المفاتيح وأما الموازين فهذه التي يوزن بها و وضعت في كفة و وضعت أمتي في كفة فرجحت ثم جيء بأبي بكر فوزن بهم فرجح، ثم جيء بعمر فوزن به فرجح، ثم بجئ بعثمان فوزن بهم فرجح ثم رفعت''۔ تینوں کی باری میں ایک پلڑے کا جھک جانا، گویا یہ اشارہ تھا کہ ان کی خلافت پر ساری امت مسلمہ متفق ہو گی، اور میزان کا اٹھالیا جانا، بعد میں واقع ہونے والے اختلاف کی طرف اشارہ تھا۔

تعارض:

حدیث باب مندرجہ ذیل حدیث کے متعارض ہے:

أنه ﷺ قال: رأيت الليلة في المنام كأن ثلاثة من اصحابي وزنوا، فوزن ابو بكر فوزن، ثم وزن عمر فوزن، ثم وزن عثمان فنقص صاحبنا وهو صالح۔ اھ۔

جواب: ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہم ان دونوں کو دو مختلف معنی پر محمول کریں گے تاکہ دونوں میں بقدر امکان جمع ہو سکے۔ چونکہ دونوں میں سے کسی ایک کو ملغی قرار دینے سے یہ بہرحال بہتر ہے۔ چنانچہ ''فرجح ابوبکر'' کو ان کی خلافت کے اتفاقی ہونے پر محمول کیا جائے گا اور ''فوزن'' کو ان کی رائے کی موافقت پر اور یہ کہ آپ کی رائے ان حضرات کی آراء پر وزنی تھی۔ پس ان کی رائے موزوں ومعتدل ہو کر آئی۔ حضرات صحابہؓ نے اس میں ان کی رائے کی مخالفت نہ کی۔

مزید احادیث باب:

احادیث باب میں ترمذیؒ کی ابن عمرؓ سے مروی یہ حدیث کہ جسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح قرار دیا ہے: ''قال رسول الله ﷺ: أنا اول من تنشق عنه الأرض ثم ابو بكر ثم عمر ثم آتي اهل البقيع فيحشرون معي ثم أنتظر اهل مكة حتى أحشر بين الحرمين''۔

اس کے مناسب مالک بن انس کا قصہ ہے کہ رشید نے ان سے پوچھا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رتبہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں کیا تھا؟ جواب دیا: ان کے درمیان اس قدر قرب تھا کہ جتنا قرب ان کی وفات کے بعد ان کی قبروں میں ہے۔ یہ جواب سن کر رشید نے کہا: اے مالک! تم نے تو میری تشفی کرادی۔ یہ قصہ بصری اور حافظ السّلفی نے نقل کیا ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک قصہ ابن السمعانی نے الموافقۃ میں علی بن الحسین سے نقل کیا ہے۔ اس مفہوم کی ایک اور روایت جو قلعی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے: ''أن النبي ﷺ استلف من يهودي شيئا الى الحول فقال: أرأيت ان جئت ولم اجدك فالى من أذهب؟ قال: الى أبي بكر۔ قال: فان لم أجده؟ قال: الى عمر۔ قال: ان لم اجده؟ قال: ان استطعت أن تموت اذا مات عمر فمت''۔ اس باب سے متعلق وہ احادیث بھی ہیں جن کو ترمذی اور احمد نے نقل کیا ہے اور اس کو حسن بھی قرار دیا ہے اور ابن ماجہ اور حاکم نے اس کو حضرت حذیفہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ احادیث باب میں حضرت حذیفہ کی مرفوع حدیث کہ جسے احمد، ترمذی کی روایت، کہ جسے ابن ماجہ نے حسن قرار دیا ہے، اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

''اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر''۔ طبرانیؒ نے یہی حدیث ابوالدرداءؓ سے اور حاکمؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔

الفصل الثالث:

زندگی ہی میں حضرات شیخین کے جنتی ہونے کی بشارت

۶۰۶۷: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَطْلَعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

فَاطَّلَعَ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ قَالَ يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ عُمَرُ۔

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٧١ حديثر قم ٣٦٩٤۔

ترجمہ: ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) فرمانے لگے: (دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا جو اہل جنت میں سے ہے'' پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ آپ نے پھر فرمایا: ''(دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا جو اہل جنت میں سے ہے''۔ (پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سامنے سے آتے نظر آئے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: یطلع: طاء کی تشدید کے ساتھ۔ بمعنی یشرف أو یظهر أو یدخل۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی نیکیوں کی تعداد

۶۰۶۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِيْ فِيْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ اِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَاَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِيْ بَكْرٍ۔

رواہ رزین

ترجمہ: ''اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا کسی کی اتنی نیکیاں ہونگی جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں (جن کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں) پھر میں نے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی نیکیوں کے مقابلہ میں ایک نیکی کی مانند ہیں''۔ (رزین)

تشریح: حجری: حاء کے فتحہ اور کسرہ (ہر دو کے) ساتھ۔ قوله: انما جميع حسنات عمر...... اور شاید کہ یہ فضیلت انہیں اسلام میں سبقت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالمرام۔

اگرچہ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ حق ان کے ساتھ تھا جیسا کہ اہل ردّت سے قتال اور اس کے دیگر معاملات میں یہ چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مفقود تھی' چونکہ بہت سے واقعات میں صحابہؓ نے ان کی رائے کی مخالفت کی' ان کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام انکار پر مصر رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ اس کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق پر تھے جیسا کہ احادیث سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ وہ نیکوکار شخص تھے جیسا کہ یہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پس ان میں یہ نقص

شیخین کیلئے ثابت فضائل کے اعتبار سے تھا۔"الریاض القرۃ فی فضائل العشر" کتاب میں امام طبرانی کی تحقیق یہی ہے۔

عرضِ مرتب:

خلاصہ باب مناقب الشیخین :اس باب کی احادیث سے حضرات شیخینؓ کے مندرجہ ذیل مشترکہ فضائل مفہوم ہوتے ہیں۔

① حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کامل الایمان ہونے کی زبان نبوت سے شہادت:

اس باب کی پہلی حدیث میں ایک گائے اور ایک بھیڑیئے کے بولنے اور عام انسانوں کی طرح بات کرنے کا ذکر ہے جس پر عام لوگوں نے متعجب ہو کر سبحان اللہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمرؓ اس پر ایمان لائے ہیں کہ یہ واقعہ حق ہے۔اپنے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ کا بھی نام لے کر گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہونے اور اس بارے میں ان کے اختصاص وامتیاز کی شہادت دی ہے۔ جو صرف ان حضرات کی ہی خصوصیت ہے کوئی اور اس فضیلت میں ان کا سہیم وشریک نہیں۔

② فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما بزبانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ:

اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ پر نازل ہو بے شک میں پوری امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (قبر یا جنت میں) آپ کو آپ کے دونوں دوستوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہی رکھے گا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے بہت موقعوں پر سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے فلاں کام کرنے کے لئے میں گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ بھی گئے اور (مسجد یا فلاں مکان میں) میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمرؓ بھی داخل ہوئے اور میں نکلا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ بھی نکلے۔

اس بیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعی حقیقت کا واضح طور پر اظہار فرما دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ان دونوں صاحبوں اور رفیقوں کے ساتھ خاص الخاص تعلق تھا جو صرف انہیں کا حصہ تھا۔

حافظ بن حضر نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے جعفر صادق کے طریق سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے والد محمد باقر سے انہوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کا کلام روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ روایت ابن عباسؓ کی اس حدیث کے لئے بہت اچھا شاہد ہے کیونکہ یہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی روایت ہے۔

③ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا مقام جنت میں علیین سے بھی بلند ہوگا:

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ عام اہل جنت اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح ہم آسمان کے کنارے پر روشن ستارے کو دیکھتے ہیں یعنی اہل علیین کا مقام ومرتبہ عام جنتیوں سے اتنا بلند ہوگا کہ عام جنتی ان کو اس طرح سے دیکھیں گے جس طرح ہم زمین پر رہ کر آسمان میں چمکنے والے ستارے کو دیکھتے ہیں اور حضرات شیخینؓ کا مقام اہل علیین سے بھی۔

بڑھ کر ہوگا جس کی حد اور انتہاء اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

④ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہوں گے:

جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ باقی امت سے افضل ہیں، دنیا میں اسی طرح ان کو یہ فضیلت جنت میں بھی حاصل ہوگی چنانچہ جو لوگ ادھیڑ عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اعمال صالحہ کی بدولت جنت میں داخل ہونگے تو یہ دونوں حضرات ان کے سردار ہوں گے خواہ ان جنتیوں کا تعلق پہلی امتوں سے ہو یا ان کا تعلق بعد میں آنے والے لوگوں سے ہو۔

⑤ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف واضح اشارہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہارے درمیان اور کتنی زندگی گزاروں گا۔ لہٰذا تم میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ کی پیروی کرنا۔ گویا اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی کہ آپؐ کے بعد یہ دونوں حضرات یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب وخلیفہ ہوں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع کا حکم دیا گویا یہ ان کی خلافت کی طرف ایک بین اور واضح اشارہ ہے۔

⑥ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محبوبانہ اداء:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو اس وقت کسی کو سر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسکراتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکراتے یہ ان حضرات کی آپس میں خاص محبت کی علامت ہے کیونکہ جب آپس میں خصوصی محبت ہو تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے اور انسان محبوب کو دیکھ کر کھل اٹھتا ہے۔

⑦ قیامت کے دن بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھیں گے:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ المراء مع من احب انسان قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے اور اس باب کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمرؓ میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف تھے اور دوسرے بائیں طرف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور فرمایا ہم قیامت کے دن اسی طرح ایک ساتھ اٹھیں گے گویا اس حدیث میں ان حضرات کی آپس میں خصوصی محبت وتعلق کا ذکر ہے۔

⑧ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر باتدبیر تھے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اپنا وزیر قرار دیا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور برتاؤ ان دونوں حضرات کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی حاکم اور صاحب اقتدار کا اپنے معتمد وزیروں کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم اور قابل غور وفکر معاملہ میں ان دونوں حضرات کی رائے لیتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے۔

⑨ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت علی منہاج النبوۃ تھی:

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ترازو اترا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وزن کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پلڑا جھک گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا جھک گیا پھر حضرت عمرؓ وعثمان رضی اللہ عنہ کو وزن کیا گیا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعبیر لی کہ ان دونوں حضرات یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کی خلافت صحیح معنوں میں خلافت نبوت ہوگی۔

⑩ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے جنتی ہونے کی بشارت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے پھر فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا تو حضرت عمرؓ تشریف لائے۔

⑪ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نیکیاں:

حضرت عائشہؓ نے جب یہ دریافت کیا کہ ان تاروں کے برابر کسی کی نیکیاں ہوسکتی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا نام لیا پھر جب حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ کی ساری نیکیاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی کے برابر ہے اس حدیث سے دونوں حضرات کی باقی صحابہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ صرف عمرؓ ہی ایسے شخص ہیں کہ ان کی نیکیاں سب صحابہ سے زیادہ ہیں اور تاروں کے برابر ہیں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی حضرت عمرؓ کی ساری نیکیوں کے برابر ہیں۔ رضی اللہ عنهما وارضاهما۔

بَابُ مَنَاقِبِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا بیان

الفصل الاول:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے

۶۰۶۹ : وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعًا فِيْ بَيْتِهِ كَاشِفًا عَنْ فَخِذَيْهِ اَوْسَاقَيْهِ فَاسْتَاْذَنَ اَبُوْبَكْرٍ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَوّٰى ثِيَابَهٗ

فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ اَبُوْ بَكْرٍ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهٗ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهٗ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَكَ فَقَالَ اَلَا اَسْتَحْيِيْ مِنْ رَّجُلٍ يَسْتَحْيِيْ مِنْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَاِنِّيْ خَشِيْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ الْحَالَةِ اَنْ لَا يَبْلُغَ اِلَيَّ فِيْ حَاجَتِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٨٦٦/٤ حديث رقم (٢٧-٢٤٠٢) و احمد في المسند ٧١/١

ترجمہ: ''اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اندر بلا لیا اور آپ اسی حالت میں رہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کچھ دیر تک بیٹھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے رہے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اندر بلا لیا اور اسی طرح لیٹے رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بھی کچھ دیر تک بیٹھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی (اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے درست کر لئے (یعنی رانیں یا پنڈلیاں ڈھک لیں) جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (اور خدمت اقدس میں حاضر دوسرے لوگ) چلے گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جنبش کی اور نہ ان کی پرواہ کی (بلکہ اسی طرح لیٹے رہے اور اپنے کپڑے بھی درست نہیں کئے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی نہ حرکت کی اور نہ ان کی پرواہ کی۔ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان بہت حیادار آدمی ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے عثمان کو اسی حالت میں بلا لیا (کہ میری رانیں یا پنڈلی کھلی ہوئی ہوں) تو وہ مجھ سے اپنا مقصد پورا نہیں کریں گے (یعنی اگر وہ مجھ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو غلبۂ ادب اور شرم و حیا سے میرے پاس نہیں بیٹھیں گے اور جس مقصد سے یہاں آئے ہیں اس کو پورا کئے بغیر واپس چلے جائیں گے)''۔ (مسلم)

قوله : كان رسول الله ﷺ مضطجعا ...... أو ساقه: امام نوویؒ فرماتے ہیں: مالکی اور دوسرے حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''ران'' جسم کا وہ حصہ نہیں جس کو ''ستر'' میں شمار کیا جائے۔ ان حضرات کا یہ استدلال درست نہیں ہے، چونکہ اول تو یہی بات یقینی نہیں کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رانیں کھولے ہوئے لیٹے تھے، چونکہ راوی کو شک ہے۔ جب الفاظ حدیث سے رانوں کا کھولنا یقینی طور پر ثابت نہیں، تو پھر رانوں کا ستر نہ ہونا یعنی رانیں کھولنے کا جواز اس حدیث سے ثابت کرنا درست نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس کا مطلب یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں کے اوپر سے کرتے کا دامن ہٹا ہوا تھا، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رانیں بالکل کھلی تھیں، کہ ان پر تہبند نہ تھا۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام سے عنقریب ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت و مزاج کے پیش نظر یہی بات زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جو آل و اصحاب کے ساتھ مخالطت و مجالست کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

قولہ :وسوی ثیابہ: یعنی نادرست کپڑوں کو درست کیا، ان الفاظ میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی رانوں یا پنڈلیوں میں سے کوئی بھی عضو پوری طرح کھولے ہوئے نہیں تھے، بلکہ تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا رانوں یا پنڈلیوں پر نہیں تھا۔ چنانچہ وستر فخدیہ (اور اپنی رانوں کو ڈھک لیا) نہیں کہا، بلکہ وسوی ثیابہ کہا۔ اس توجیہ کے بعد نہ تو کوئی اشکال رہا اور نہ مالکیہ کا استدلال رہا۔ واللہ اعلم بالأحوال

فلم تھش لہ: شین کی تشدید کے ساتھ۔ شرح مسلم میں "الھشاشۃ" کا مطلب بشاشت، خندہ روئی اور اچھے انداز سے ملنا بیان کیا ہے۔

لم تبالہ :اور ایک نسخہ میں ہاء سکتہ ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: ما أبالیہ مبالاۃ أی ما اکترث، پرواہ نہ کرنا، توجہ نہ دینا۔ استحیی اور تستحیی، میں دو یائیں ہیں، اور یہی لغت فُصحٰی ہے۔

ابن الملکؒ نے نہایت عجیب وغریب بات کہی کہ: "استحیاء" سے مراد توقیر ہے"۔ اور اسی بات پر جزم کیا ہے۔ (اگلی روایت جو عنقریب آ رہی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ استحیاء کے حقیقی معنی مراد ہیں) اور یہ اس وجہ سے کہ حسن معاملت میں مشاکلت ہوتی ہے۔ جب کہ مشاہدہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھی کے ساتھ کثرت تواضع کے ساتھ پیش آتا ہے، تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ اس شخص کے ساتھ اور زیادہ تواضع کی جائے۔ اور اس طرح کوئی کثیر الانبساط ہے تو وہ انبساط کو واجب کرتا ہے، اور اسی طرح جب کوئی بہت زیادہ ادب آداب کا معاملہ کرتا ہے، تو یہ زیادتی اس کے ساتھی کو اس کے ساتھ بھی آدب کا معاملہ بجا لانے پر ابھارتی ہے۔ تمام احوال مثلاً سکوت، کلام، ضحک، قیام اور اس جیسی دوسری خصال کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

حافظ سخاویؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: کہ مجھ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ ملائکہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کن کن مواقع پر حیاء کی ہے؟ میں نے کہا: کہ مجھے کوئی معتمد علیہ حدیث معلوم نہیں ہے۔ البتہ ہمارے شیخ بدر نسابہ نے اپنی کسی جامع میں جمال کازرونی سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا، اس وقت حضرت انس بن مالکؓ وہاں موودنہ تھے۔

یہ واقعہ دلیل ہے کہ حیاء، حیاء کو واجب کرتی ہے۔ (۲) ملائکہ کا حیاء کرنا درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حیاء کرنے کا باعث بنا، اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوتے ہوتے اس قدر باحیاء ہو گئے کہ دوسرے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حیاء آنے لگی، یعنی کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ حیاء کرنا دوسرے لوگوں کے حیاء کرنے کا سبب بنا۔ واللہ اعلم

حسن، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی شدت حیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان کان لیکون فی البیت والباب علیہ مغلق، ثم یضع عنہ الثوب لیفیض علیہ الماء یمنعہ الحیاء أن یقیم صلبہ۔ (اخرجہ أحمد وصاحب الصفوۃ)۔ اگر آپؓ کبھی نہانے کا ارادہ کرتے، تو گھر میں کواڑ بند کر کے کپڑے اتارنے میں اس قدر شرماتے، کہ پشت سیدھی نہیں کر سکتے۔

(وفی روایۃ قال): امام میرکؒ فرماتے ہیں: مصنفؒ کی اس طرز کا تقاضا یہ ہے کہ دوسری روایت اور اس سے پہلے والی روایت ایک ہی حدیث ہے۔ حالانکہ یہ دونوں جدا جدا حدیثیں ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی، اور دوسری حدیث

سعید بن العاص کی ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں: کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہ صدیقہؓ کی چادر اوڑھے لیئے تھے۔ غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اندر بلالیا، اور اسی حالت میں لیٹے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی ضرورت ومقصد پورا کر کے واپس چلے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حاضری کی اجازت طلب کی، اآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اندر بلالیا۔ اور اسی حالت میں لیٹے رہے، حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنی ضرورت پوری کی اور چل دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے اندر آنے کی اجازت مانگی، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: اپنا کپڑا (یعنی چادر) میرے اوپر ٹھیک سے ڈال دو، فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی حاجت پوری کی، اور لوٹ آیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت وابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی آمد پر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی گھبراہٹ نہیں ہوئی جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر ہوئی؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ۔۔۔۔۔۔ (ان ...... حیی): (بروزن فعیل) بہت زیادہ حیادار۔

(رواہ مسلم): یہ روایت احمدؒ اور ابوحاتمؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ امام احمدؒ، حضرت حفصہؓ سے روایت کرتے ہیں، فرماتی ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پاس تشریف لائے، اور اپنی رانوں پر کپڑا ڈال لیا، اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے اجازت چاہی، تو انہیں اجازت مل گئی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جوں کے توں اسی حالت میں رہے، پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے، انہوں نے بھی اجازت چاہی، انہیں بھی اجازت مل گئی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی سابقہ ہیئت پر رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، انہوں نے بھی اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان حیادار آدمی ہے، میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہیں حساب کتاب کے لئے نہ روکا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عثمان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائی۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ: ''انی سألت عثمان حاجة سرا فقضاها سرا، فسألت الله أن لا يحاسب عثمان، ان النبی ﷺ قال: عثمان رجل ذو حياء فسألت ربی أن لا يقف للحساب فشفعنی فيه''۔ میں نے عثمان سے اپنی ایک حاجت کا سراً ذکر کیا، انہوں نے بھی میری حاجت کو سراً پورا کر دیا، تو میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا: کہ عثمان کا حساب نہ ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فسألت الله ان يحاسب سرًا، میں نے اللہ سے سوال کیا کہ ان کا حساب سراً ہو۔ اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی خصوصیت ہے، چونکہ ایک روایت میں ہے کہ اول من يحاسب أبو بكر ثم عمر ثم علي۔ سب سے پہلے ابوبکر سے حساب ہوگا، پھر عمر، پھر علی سے۔

''حلیہ'' میں ابونعیمؒ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: ''أشد أمتی حياء ابن عفان''، میری امت میں سب سے با حیاء شخص عثمان ابن عفان ہیں۔

ابن عساکر، ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: ''عثمان حيی تستحيی منه الملائكة''۔ عثمان حیادار ہیں، ملائکہ کو ان سے حیاء آتی ہے۔

ابونعیم کی ابن عمرؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ: ''عثمان أحيی أمتی واكرمها''۔ میری امت کا سب سے زیادہ با حیاء اور مکرم شخص عثمان ہے۔ ابونعیم، ابوامامہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: ''أشد هذه الأمة بعد نبيها حياء عثمان بن

عفان"۔ میری امت کا سب سے زیادہ باحیاء عثمان بن عفان ہے۔

ابو یعلی، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "ان عثمان حين يسير تستحيي منه الملائكة"۔ عثمان جب چلتے ہیں، تو ملائکہ کو حیاء آتی ہے۔

الفصل الثانی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہیں

۶۰۷۰: وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَرَفِيْقِي يَعْنِي فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۸۳/۵ حديث رقم ۳۸۹۸ و احمد فی المسند ۷٤/۱

ترجمہ: "حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق (یعنی ہمراہی اور مہربان ساتھی و دوست) ہوتا ہے اور میرے رفیق یعنی جنت میں عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

تشریح: (عثمان): خبر ہے مبتداء کی۔ (یعنی فی الجنة): یہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ یا تو خود حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یا کسی راوی نے کسی قرینے کی بنیاد پر ان الفاظ کے ذریعے یہاں پر وضاحت کی ہے کہ رفیقی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام ہے جو علی الاطلاق تھا کہ دنیا میں بھی اور آخرت دونوں کو شامل ہے۔ نیز الفاظ حدیث سے یہ بات ہرگز مفہوم نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا "رفیق" قرار نہیں دیا تھا۔ اور اس لئے اس حدیث کو اس روایت کے منافی نہیں کہا جا سکتا، جو طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے، کہ: "ان لكل نبي خاصة من اصحابه، وان خاصتي من اصحابي أبو بكر وعمر"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر نبی اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا مقرب اور مخصوص دوست بنا لیتا ہے، میرے اصحاب میں سے میرے مقرب اور مخصوص دوست ابو بکر و عمر ہیں"۔ ہاں اس سے یہ بات ضرور مستفاد ہوتی ہے کہ ہر نبی ایک "رفیق" رکھتا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد رفیق تھے۔ روایات میں جمع کرنے کے لئے اس توجیہ سے کوئی مانع بھی نہیں۔ اور کچھ نہ بھی صحیح کم از کم اتنی بات تو معلوم ہوتی ہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاص طور پر ذکر کرنا درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بلند رتبہ کے پیش نظر ہی تھا۔

۶۰۷۱: وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ۔

أخرجه ابن ماجه فی السنن ٤٠/۱ حديث رقم ۱۰۹

ترجمہ: ''اور ابن ماجہؒ نے بھی یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے اور یہ منقطع ہے''۔

تشریح: قال: اور ایک نسخہ میں ''و قال'' ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے اور یہ منقطع ہے غرابت مضمون حدیث کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اسی لئے امام ترمذیؒ نے وضاحت کی کہ منقطع اس حدیث کو کہتے ہیں؛ جس میں دو راوی مسلسل ساقط ہوں، یا صرف ایک ساقط ہو، یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوئے ہوں، بشرطیکہ پے در پے ساقط نہ ہوئے ہوں۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ لیکن فضائل کے باب میں ضعیف روایت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن عساکرؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لكل نبي خليل في أمته وان خليلي عثمان بن عفان''۔ ہر نبی اپنی امت میں سے کسی کو اپنا مخصوص دوست بنا لیتا ہے اور میرے مخصوص دوست عثمان بن عفان ہیں۔ امام سیوطیؒ نے الجامع میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: ''لكل نبي رفيق في الجنة ورفيقي فيها عثمان''۔ ''ہر نبی کا جنت میں ایک مخصوص دوست ہے، اور جنت میں میرا خاص دوست عثمان ہے''۔ یہ روایت امام ترمذیؒ نے حضرت طلحہؓ سے اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔

الریاض میں زید بن اسلم سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا جب ان کو محاصرہ میں لے رکھا تھا۔ اگر کوئی پتھر پھینکا جاتا، تو ضرور کسی نہ کسی شخص کے سر پر ضرور پڑتا، میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ روشن دان سے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تمہیں یاد ہے کہ میں اور تم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ فلاں فلاں جگہ پر تھے، اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس میرے اور تمہارے علاوہ کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔ حضرت طلحہؓ نے فرمایا: ہاں! مجھے یاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اے طلحہؓ! ہر نبی کے ساتھ اس کے اصحاب میں سے اس کا ایک جنت کا رفیق ہے، اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں''۔ یعنی میں ان کا جنت کا رفیق ہوں۔ حضرت طلحہؓ نے فرمایا: بے شک بجا فرمایا۔ اور پھر لوٹ گئے۔ (احمد)

ترمذیؒ طلحہ بن عبید اللہ سے مختصراً روایت کرتے ہیں کہ: ''لكل نبي رفيق ورفيقي عثمان''۔ ''ہر نبی کا ایک ہمراہی ہوتا ہے اور میرا ہمراہی عثمان ہے''۔ اس روایت میں ''في الجنة'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

جیش العسرہ کے موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بے مثال مالی تعاون

۶۰۷۲: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ

عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٨٤ حدیث رقم ٣٧٠٠ و احمد فی المسند ٤/٧٥

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: اس وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھا جب آپ جَيْشِ الْعُسْرَةِ (غزوۂ تبوک) کی مالی امداد کے لئے ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پُر جوش تلقین سن کر) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سو اونٹ مع ساز و سامان اللہ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں (یعنی اس جنگ کیلئے میں اللہ کی راہ میں سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے پیش کرتا ہوں) اس کے بعد (اسی مجلس میں یا کسی اور موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو اس جنگ کے لئے امداد و معاونت کی طرف ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ دو سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان اللہ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ مع ساز و سامان میرے ذمہ ہیں (حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اس عمل کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا' اس عمل کے بعد اب عثمانؓ جو بھی کریں اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا''۔ (ترمذی)

راویٔ حدیث:

عبدالرحمٰن بن خباب۔ کا ذکر مؤلف رحمہ اللہ نے نہیں کیا ہے۔ ''خباب'' میں خائے معجمہ مفتوح' بائے موحدہ مشدد ہے۔

خباب: خاء معجمہ کے فتحہ اور پہلی باء موحدہ کی تشدید کے ساتھ۔ مؤلفؒ نے اسماء الرجال میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔
یحث: حاء مہملہ کے ضمہ، اور ثاء مثلثہ کی تشدید کے ساتھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ:

ایک شارح کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسلمانوں کی تعداد جنگ بدر میں تین سو تیرہ (۳۱۳)، جنگ اُحد میں سات سو (۷۰۰)، اور حدیبیہ کے موقعہ پر ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰)، فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار (۱۰۰۰۰)، اور غزوہ حنین میں تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) تھی۔ اور یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری غزوہ تھا۔

(فقال..... علي): یعنی مجھ پر نذر لازم ہے۔ تورپشتی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: أحلاس، حلس (حاء کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ) کی جمع ہے۔ حلس، اس باریک چادر کو کہتے ہیں جو گدھے یا خچر پر سوار ہونے کے لئے نیچے رکھا جائے۔
الأقتاب، قتب (قاف اور باء کے فتحہ کے ساتھ) اونٹ کے کوہان کے بقدر چھوٹا کجاوہ، جیسا کہ اونٹ پر پالان ہوتا ہے۔

حض: ضاد معجمہ کی تشدید کے ساتھ۔ (بأحلاسھا...... حض): یعنی تیسری مرتبہ ابھارا، ایک روایت میں "ثم حض علی الجیش" کے الفاظ ہیں۔ (فقال...... اللہ): حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر موقع کی مناسبت سے معاملہ کے شایان شان فرمایا۔ پہلی مرتبہ میں سو (۱۰۰) کا ذمہ لیا۔ دوسری مرتبہ میں دوسو (۲۰۰) اور تیسری مرتبہ میں تین سو (۳۰۰) کا ذمہ لیا۔ اس طرح مجموعی طور پر چھ سو اونٹ اپنی طرف سے پیش کرنے کا ذمہ لیا۔ عنقریب مزید کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ (قال...... فأنا): یعنی خود میں نے دیکھا ہے۔ ایسا نہیں کہ میں سنا ہو۔ ما علی عثمان: "ما" نافیہ بمعنی "لیس" ہے۔ (ما عمل بعد ھذہ): "ما" موصولہ، لیس کا اسم ہے، گویا تقدیری عبارت یوں ہے: لیس علیه ولا یضرہ الذی یعمل فی جمیع عمرہ بعد ھذہ الحسنة۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ ان کے گزشتہ گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن گیا، بلکہ آئندہ بھی اگر بالفرض ان سے سیئات کا صدور ہوا، تو وہ اس عمل کے سبب معاف ہو جائیں گی۔ ایسا ہی ثواب با جماعت نماز کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ اس میں درحقیقت اشارہ تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا خاتمہ بخیر ہوگا۔

ایک شارح فرماتے ہیں: "ما" تو موصولہ ہے، مطلب یہ ہوگا: ما بأس علیه الذی عمله من الذنوب بعد ھذہ العطایا فی سبیل اللہ۔ یا مصدر یہ ہے کہ: ما علی عثمان عمل من النوافل بعد ھذہ العطایا۔ اُس عمل کے بعد عثمان اب اگر نفلی عمل نہ بھی کریں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، چونکہ ان کی یہ نیکی تمام نوافل کے قائم مقام ہے۔ مظہرؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی حرج نہیں، اگر وہ اس عمل کے بعد از قسم نفل، نہ کہ از قسم فرض کوئی عبادت اور نیک کام نہ بھی کریں۔ چونکہ ان کا یہ عمل اتنا عظیم ہے کہ تمام نفل عبادتوں اور نیکیوں کے واسطے کافی ہے۔ اھ۔

قوله: ماعلی عثمان ما عمل بعد ھذہ: سابقہ بات کی تاکید کے لئے بار بار دہرایا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حاطب بن ابی بلتعۃ کی حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسا جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ: "لعل اللہ قد اطلع علی اھل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم"۔ اھ

ان دونوں میں کس قدر فرق ہے عقل مند پر مخفی نہیں۔ چونکہ اول میں جو مذکور ہے، وہ قطعی ہے، اور دوسرے میں جو بات ذکر کی گئی ہے، وہ قطعی نہیں، بلکہ رجاء پر مبنی ہے۔

(رواہ الترمذی): امام احمدؒ نے بھی یہ روایت یوں ہی ذکر کی ہے۔ البتہ اس کے آخر میں یہ الفاظ مزید ہیں کہ: فرأیت رسول اللہ ﷺ یقول بیدہ ھکذا یحرکھا۔ عبدالصمد نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں: یحرك یدہ کالمتعجب۔ ما علی عثمان ما عمل بعدھا۔ ابو عمر فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرہ کے موقع پر ساڑھے نو سو اونٹ اپنی طرف سے پیش کئے۔ اور ہزار کا وعدہ پورا کرنے کے لئے پچاس گھوڑے بھی دیئے۔ ابن شہاب الزہری سے مروی ہے کہ: عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے غزوہ تبوک میں نو سو چالیس (۹۴۰) اونٹ اور ساٹھ (۶۰) گھوڑے دے کر ہزار پورے کئے۔ (قزوینی، حاکمی)

تعارض اور اس کا حل

۶۰۷۳: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ

فِیْ کُمِّہٖ حِیْنَ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَنَثَرَھَا فِیْ حِجْرِہٖ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَلِّبُھَا فِیْ حِجْرِہٖ وَیَقُوْلُ مَاضَرَّ عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ۔ (رواہ احمد)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٨٥ حديث رقم ٣٧٠١ و احمد في المسند ٥/٦٣۔

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جیش عسرہ کی تیاری میں مصروف تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنے کرتہ کی آستین میں بھر کر نبی کریم ﷺ کے پاس لائے اور ان کو آپ ﷺ کی گود میں بکھیر دیا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ ان دیناروں کو اپنی گود میں اُلٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ آج کے اس مالی ایثار کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی گناہ بھی سرزد ہو جائے تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا' یہ الفاظ آپ ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمائے''۔ (احمد)

تشریح: جھز :ھاء کی تشدید کے ساتھ۔ (**حجرہ**): حا کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ۔ (**فرأیت النبی ﷺ یقلبھا**): مؤنث کی ضمیر ''دنانیر'' کی طرف راجع ہے۔ (**بیدہ..... ما عمل**): ما، ضرّ، کا فاعل ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ: **لم یضر عثمان الذی عمل**۔ یعنی ان کے اگلے پچھلے گناہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (**مرتین**): ظرف ہے۔ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اور پچھلی روایت میں تکرار شاید کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اور ان کے اس عمل کا نفع ان کو دونوں جہانوں میں مسلسل پہنچے گا۔ صیغہ اگرچہ تثنیہ کا ہے مگر تکریر اور تکثیر مراد ہے۔ اس کی تائید احمدؒ کی روایت کے ان الفاظ: ''**ویرددھا مرارا**'' سے ہوتی ہے۔

جیش عسرہ کے شرکاء کی تعداد:

سید جمال الدین، جیش عسرہ کے شرکاء کی تعداد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ستر (۷۰) ہزار اور دوسری یہ کہ بیس (۲۰) ہزار۔ دونوں روایتوں کو رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرہ کے ایک تہائی حصہ کو ساز و سامان مہیا کیا۔ لہٰذا وہ ایک ہزار دینار جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی آستین میں بھر کر آنحضرت ﷺ کی خدمت قدس میں لائے تھے، تین سو (۳۰۰) اونٹوں کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔ اھ

الریاض میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے، قال: **شھدت رسول اللہ ﷺ' وقد جاءہ عثمان بن فی جیش العسرۃ بتسعمائۃ أوقیہ من ذھب**۔ فرماتے ہیں: میں اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس موجود تھا جب حضرت عثمان بن عفان جیش عسرۃ کے لئے نوسو (۹۰۰) اوقیہ سونا لے کر آئے تھے۔ یہ روایت حافظ سلفی نے نقل کی ہے۔ اس طرح جیش عشرہ کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کی مالی امداد کے سلسلہ میں متعدد روایات ہیں، جو باہم مختلف ہیں۔ اور جن سے تناقض کا گمان ہو سکتا ہے، اس لئے ان روایات میں تطبیق کی خاطر یہ وضاحت ضروری ہے، کہ دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت حاضر خدمت کیے، جیسا کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ دوران سفر بھی ان پر خرچ کرنا پڑے گا، لہٰذا جا کر ہزار لے آئے۔ پھر جب یہ پتہ چلا کہ یہ بھی کافی نہیں، تو اونٹوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور ہزار کا عدد پورا

کرنے کے لئے گھوڑے بھی لے آئے۔ پھر جب یہ مقدار بھی کافی معلوم نہ ہوئی، تو ہزار اونٹ پورے کر دیئے، اور پہلے دیئے گئے پچاس گھوڑوں پر ۲۰ کا اضافہ فرمایا۔ اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار خرچ کے لئے بھیجے۔ دار قطنی کی ایک روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نظر في وجوه القوم فقال: من يجهز هؤلاء غفر الله له، يعني جيش العسرة، فجهزتهم حتى لم يفقد واعقالا ولا خطاما"۔ (رواہ احمد)۔ یہ روایت امام ترمذیؒ ذکر کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: جیش عسرہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے ہمراہ دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو الٹنے پلٹنے لگے، اور فرمایا: "غفر الله لك يا عثمان! ما أسررت وما أعلنت وما هو كائن الى يوم القيامة ما يبالي ما عمل بعدها"۔ (اخرجه الملاء في سيرته والفضائلي)۔

بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کیلئے اپنا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑھانا

۶۰۷۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَكَّةَ فَبَايَعَ النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِّنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۵۸۵ حديث رقم ۳۷۰۲

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بیعت رضوان کے لئے حکم دیا تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بن کر مکہ گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے (جاں نثاری کی) بیعت لی اور (جب تمام مسلمان بیعت کر چکے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہیں تھے تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ عثمان! اللہ (کے دین) اور اللہ کے رسول کے کام گئے ہوئے ہیں اور (یہ کہہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ہاتھ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا باقی تمام صحابہؓ کے ان ہاتھوں سے کہیں افضل و بہتر تھا جو ان کی طرف سے تھے"۔ (ترمذی)

تشریح: بیعة الرضوان: بیعت رضوان اس بیعت کو کہتے ہیں جو مقام حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی، یہ نام قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جو اس واقعہ سے متعلق نازل ہوئی تھی: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ......﴾ [الفتح: ۱۸] "(اے پیغمبر) صلی اللہ علیہ وسلم جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) انکے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی"۔

ایک روایت میں: انی أهل مكة ہے۔ بعض احکام پہنچانے کی غرض سے روانہ کیا تھا مگر مشہور یہ ہوگیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے قتل کردیا ہے۔ قوله :ان عثمان فی حاجة الله: یعنی اللہ کے دین کی مدد کے لئے گئے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کو اس کی ضرورت تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کی نظیر اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿يخادعون الله والذين آمنوا﴾ [البقرة: ۹] کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ نے اپنی ذات بابرکت کو بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ٹھہرایا تشریفاً وتعظیماً۔ یا یہ کہا جائے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں فی حاجة خلق الله تھا۔ (وحاجة رسوله): (یہ قید) برائے تخصیص ہے۔ یا لفظ جلالہ کا ذکر کلام میں مزید تحسین وتزئین کے لئے ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: هو من باب قوله تعالٰی: ﴿ان الذين يؤذون الله ورسوله﴾ [الأحزاب: ۵۷] في أن رسول الله ﷺ بمنزلة عند الله ومكانة، وان حجته حاجته تعالٰى عن الاحتياج علوًا كبيرًا۔ اھ۔ اور یہ بات تو بالکل واضح ہے ان دونوں سے مراد یہ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی مضمون اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ: يؤذيني ابن آدم،...... واللہ اعلم۔

قوله :فضرب باحدى يديه على الأخرى: یہ فرض کرتے ہوئے کہ وہ زمان ومکان میں زندہ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: یہ بایاں ہاتھ تھا۔ اور بعض فرماتے ہیں: کہ دایاں ہاتھ تھا۔ اور یہی صحیح ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح آ رہی ہے۔ (فكانت...... خبيرا): ایک روایت میں "لعثمان" بھی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں مذکور ہے۔ (لأنفسهم): پس اس موقع پر ان کا غیر موجود ہونا ان کے مرتبہ میں نقصان کا باعث نہ ہوا، بلکہ ان کی فضیلت ومنقبت کا سبب بن گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشین گوئی

۶۰۷۵ : وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنِ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُّ الدَّارَ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دَلْوِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اَشْرِبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِيْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهُ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهُ بِرِجْلِهِ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّيْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا ۔ (رواه الترمذى والنسائى والدارقطنى)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٨٥ حديث رقم ٣٧٠٣ والنسائي في السنن ٦/٢٣٥ حديث رقم ٣٦٠٨ والدار قطني ٤/١٩٦ حديث رقم ٢ من باب وقف المساجد والسقايات

ترجمہ: "حضرت ثمامہ بن حزن قشیری کہتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس تھا (جب اس کو مفسدوں اور باغیوں کی ایک بڑی جماعت نے محاصرہ میں لے رکھا تھا اور اندر گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا چاہتے تھے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اوپر سے جھانک کر ان باغیوں کو مخاطب کیا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں' کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ میں رومہ کنویں کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا تھا کہ کون شخص ہے جو رومہ کے کنویں کو خریدے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنا دے اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (کنویں کو خرید کر وقف کرنے والے) کو اس کنویں کے سبب جنت میں ملے گا۔ تو میں ہی تھا جس نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر) اپنے اصل اور خالص مال سے اس کنویں کو خریدا اور آج تم مجھے اس کنویں کا پانی پینے سے روک رہے ہو یہاں تک کہ میں سمندر کا (یعنی سمندر جیسا) پانی پینے پر مجبور ہوں' لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں اللہ کی قسم ایسا ہی ہے (کہ آپ ہی نے اس کنویں کو خرید کر وقف کیا تھا) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں' کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب مسجد نبوی نمازیوں کی زیادتی کے سبب تنگ پڑنے لگی تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کون شخص ہے جو آل فلاں سے زمین کا قطعہ خرید کر اس سے مسجد کی توسیع کر دے اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (زمین کو خرید کر مسجد کی توسیع کے لئے وقف کرنے والے کو) اس زمین کے سبب جنت میں ملے گا۔ چنانچہ یہ میں تھا جس نے اس زمین کو اپنے اصل اور خالص مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اسی زمین پر (چہ جائیکہ اصل مسجد میں) دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو' لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ میں ہی تھا جس نے جیش عسرۃ (یعنی غزوہ تبوک میں جانے والے لشکر) کی تیاری اپنے مال سے کرائی تھی (اور میری اس مالی خدمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ میرے حسن حال اور حسن مال پر دلالت کرتے ہیں) لوگوں نے (یہ سن کر کہا) ہاں اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں' کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ (ایک دن) رسول کریم مکہ کے پہاڑ ثبیر پر کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور میں بھی تھا اور جب وہ پہاڑ (اپنے اوپر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جوش مسرت سے) ہلنے لگا اور اس کے ہلنے سے پہاڑ پر پتھر نیچے کی سمت اور دامن کوہ میں گرنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور فرمایا: (اے ثبیر! ٹھہر جا' اس وقت تیرے اوپر ایک نبی' ایک صدیق' اور دو (حقیقی) شہید ہیں' لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں' اللہ کی قسم ایسا ہی

ہے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ان لوگوں نے میری باتوں کی تصدیق کی ہے۔ رب کعبہ کی قسم، میں یقیناً شہید ہوں، یہ الفاظ انہوں نے تین بار فرمائے"۔ (ترمذی، نسائی، دارقطنی)

اس واقعہ کی تفصیل "الریاض" وغیرہ میں مذکور ہے۔

راویٔ حدیث:

ثمامة بن حزن۔ یہ ثمامہ حزن قشیری کے بیٹے ہیں۔ ثمامہ میں ثائے مثلثہ مضموم ہے "قشیری" تصغیر کے ساتھ ہے ان کا شمار تابعین کے طبقہ ثانیہ میں سے کیا جاتا ہے ان کی حدیث بصریین روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو انہوں نے دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث کو سنا۔ اسود بن شیبان بصری نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ حزن کی حاء مہملہ پر زبر، زائی پر جزم ہے آخر میں نون ہے۔

تشریح: انشد: شین کے ضمہ کے ساتھ لفظ "اللہ" اور "الاسلام" دونوں اسم منصوب ہیں۔ (**هل ...... يستعذب**): از باب استفعال۔

غیر: مرفوع ہے، نصب پڑھنا بھی جائز ہے۔ بئر: ہمزہ کے ساتھ اور یاء کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ **رومة**: راء پر ضمہ، واؤ ساکن اور پھر میم۔ یہ مدینہ کے اس بڑے کنویں کا نام ہے جو وادیٔ عقیق میں (مسجد قبلتین کے شمالی جانب) واقع ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا تھا۔ مدینہ میں دو عقیق تھے۔ ان دونوں کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ وہ حرمدینہ سے کٹے ہوئے تھے۔ (**من يشترى ...... المسلمين**): **دلاء**: دال کے کسرہ کے ساتھ، دلو کی جمع ہے۔ یہ کنایہ ہے کہ یہ وقف عام تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سقایات (یعنی کنواں، تالاب اور حوض وغیرہ) وقف کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ (اگر واقف اس طرح وقف کرے کہ جس طرح خود وہ شخص اس کنویں سے فائدہ اٹھائے اس طرح دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں) تو یہ وقف کی ہوئی چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ یہ بات ابن الملک رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

يجعل پورا جملہ مفعول لہ یا حال ہے۔ گویا تقدیری عبارت یوں ہے: **من يشترى بئر رومة ارادة أن يجعل** یا یوں ہے کہ **قاصدا أن يجعل دلوه ساويا او مصاحبا مع دلائهم فى الاستقاء ولا يخصها من بينهم بالملكية۔ (مع دلاء المسلمين)**: **جعل** کا مفعول ثانی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ جب مہاجرین مدینہ آئے، تو انہیں مدینہ کا پانی پسند نہ آیا۔ بنی غفار کے کسی آدمی کا ایک کنواں تھا، جسے بئر رومہ کہا جاتا تھا۔ وہ شخص اس کنویں کے پانی کا ایک مشکیزہ ایک مدّ کے عوض فروخت کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص سے فرمایا: "کیا تم یہ کنواں جنت کے کنویں کے بدلے میں بیچو گے؟" اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا اس کنویں کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ لہٰذا مجھ میں اتنی استطاعت نہیں۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من يشترى بئر رومة يجعل دلوه مع دلاء المسلمين**"۔

بخير: یشتری کے متعلق ہے اور "باء" بدل کے لئے ہے۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرب کے اس قول **اشتريت هذا**

بدرھم، اور اس آیت کریمہ: ﴿أولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى﴾ میں ''باء'' بدلیت کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس جملہ کی تقدیری عبارت گویا یوں ہے: ''من يشتريها بثمن معلوم ثم يبدلها بخير منها اى بأفضل وأكمل أو بخير حاصل صلب: صاد مہملہ کے ضمہ کے ساتھ۔

''الریاض'' میں ہے، راوی فرماتے ہیں: یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) درہم میں یہ کنواں خرید لیا، اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اجعل لي مثل الذي جعلته له عينا في الجنة۔ قال: نعم۔ قال: قد اشتريتها وجعلتها للمسلمين۔ (فضائلؒ)

ماء البحر میں اضافت بیانیہ ہے، یعنی سمندر کے مشابہ پانی۔ (فقالوا: نعم): مطرزیؒ فرماتے ہیں: علماء نحو کا کہنا ہے کہ اللهم اس وقت ذکر کیا جاتا ہے، جب مستثنیٰ نہایت عجیب ونادر ہو، تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ شاذ ونادر معاملہ ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے، کہ مستفہم کے جواب میں بطور کلمۂ جحد وتصدیق کے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: اللهم لا ونعم۔ فنزيدها: مرفوع ہے، اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ (ها): ضمیر البقعة کی طرف راجع ہے۔ قوله: فاشتريتها من صلب مالي: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جگہ بیس ہزار یا پچیس ہزار میں خریدی، جیسا کہ دارقطنی کی روایت میں ہے۔ امام بخاریؒ، حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: مسجد نبوی کی دیواریں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اینٹ کی تھیں، اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ اور اس کے ستون کھجور کے تنوں پر مشتمل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں اس مسجد میں کوئی ترمیم وتوسیع نہ ہوئی۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے اس میں اضافہ فرمایا۔ اور مسجد کی تعمیر آنحضرت ﷺ کے عہد کے عین موافق کرائی، بایں طور کہ دیواریں اینٹوں کی بنوائیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنوائی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے بنوائے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی از سر نو تعمیر کرائی، اور اس کو بہت زیادہ وسیع وکشادہ کرایا۔ انہوں نے اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں سے بنوائے۔ اور چھت ساکھو کی لکڑی کی ڈلوائی۔

ابو خیر قزوینی حاکمی، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ میں سے کسی شخص سے فرمایا: ''اے فلاں! تم اپنا گھر مجھے جنت کے ایک گھر کی ضمانت کے بدلے بیچ کیوں نہیں دیتے؛ میں اس کو مسجد حرام کا حصہ بنانا چاہتا ہوں''۔ اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس اس گھر کے علاوہ تو کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اگر میں آپ کو یہ گھر بیچ دوں، تو حقیقت یہ ہے کہ میرے لئے اور میری اولاد کے لئے مکہ میں کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں، تو حضورؐ نے فرمایا: ''مجھے یہ گھر بیچ دو، میں اس گھر کو مسجد کعبہ کا حصہ بنالوں گا، میں تمہیں جنت کے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں''۔ تو وہ آدمی کہنے لگا: بخدا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچی۔ یہ مالک مکان، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ جاہلیت کا دوست تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس شخص کے ہاں تشریف لائے، اور اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ اس سے یہ مکان دس ہزار دینار میں خرید فرمالیا۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ فلاں شخص کے مکان کا ارادہ رکھتے ہیں، تاکہ مسجد کعبہ میں توسیع ہو جائے۔ اور

اس شخص کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ لیجئے اب یہ گھر میرا ہے، کیا آپؐ جنت میں گھر کی ضمانت کے بدلے میں یہ گھر مجھ سے لینے کے لئے تیار ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ گھر جنت کی ضمانت پر لے لیا، اور مسلمانوں کو اس بات کا گواہ بنایا۔ (کذافی الریاض) **(فانتم)**: یہاں ''فاء'' موجود ہے۔ جب کہ اس سے پہلے مواضع میں أنتم سے پہلے ''فاء'' موجود نہیں ہے۔ **(فقالوا اللهم نعم قال)**: بغیر ''فاء'' کے ہے۔ برخلاف آنے والے مواقع کے۔ **(قالوا...... مكة)**: ثبیر، ثاء مثلثہ مفتوحہ، باء موحدہ مکسورہ اور یاء تحتیہ ساکنہ کے بعد راء، مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ مصباح میں لکھا ہے کہ: ثبیر، مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ایک پہاڑ ہے۔ یہ منیٰ سے دکھائی دیتا ہے۔ منیٰ سے مکہ جاتے ہوئے یہ دائیں طرف پڑتا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''ثبیر'' نامی پہاڑ مزدلفہ میں واقع ہے، جو منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب واقع ہے۔ یہ بہت بڑا پہاڑ ہے، منیٰ کے تمام پہاڑوں سے زیادہ اونچا ہے۔

مکہ کے ہر پہاڑ کا نام ''ثبیر'' ہے۔ اھ

مشہور یہ ہے کہ یہ پہاڑ منیٰ سے بلند ہے جمرہ عقبہ سے مسجد خیف کی جانب عرفات کی جانب جاتے ہوئے بائیں طرف۔ یہ تحقیق عزالدین بن جماعہ سے مروی ہے۔

المشارق میں عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ منیٰ جانے والے کے بائیں طرف آتا ہے۔ ابن جماعہؒ فرماتے ہیں: لوگوں کا کہنا ہے کہ: ثبیر مزدلفہ میں واقع ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، جو بسوئے عرفہ گامزن کی راہ میں دائیں طرف رہ جاتا ہے۔

طبریؒ فرماتے ہیں: مکہ میں واقع پہاڑوں میں سے سب سے بڑا ہے۔ قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کے نام سے معروف ہے، اس کا نام ثبیر تھا، وہ اسی پہاڑ میں مدفون ہوا تھا۔ جوہریؒ، سہیلیؒ، اور مطرزی ''المغرب'' میں لکھتے ہیں کہ: ثبیر مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے (یعنی مکہ کے قریب)۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ثبیر، جبل حراء کے مقابل واقع پہاڑ کا نام ہے۔ اھ۔

ایک روایت میں ''**علی ثبیر مكة**''، میں ثبیر کی جگہ ''حراء'' ہے۔

قال: اسكن ثبير یہ جملہ مستانفہ ہے۔ **قوله: فانما عليك نبی و صديق و شهيدان**: یعنی دو حقیقی شہید ہیں۔ کہ گھاؤ سے قتل ہوں گے اور کاری ضرب کے باعث جلد ہی اگلے جہان سدھار جائیں گے۔ ان دو شہیدوں سے مراد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ پس حدیث کے یہ الفاظ اس بات کے منافی نہیں کہ: شہادت حکمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوئی، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت قدیم زہر کے اثر سے ہوئی۔

(قالوا...... أكبر): اللہ اکبر اپنے خصم پر زیادہ سے زیادہ حجت قائم کرنے اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔

(شهدوا...... شهيد): أنی: ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، شهدوا کا مفعول ہے۔ گویا تقدیر یوں ہے: **شهد الناس أني شهيد**۔

(ثلاثا): یعنی اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، تاکہ مدمقابل کے خلاف زیادہ سے زیادہ حجت قائم کی جاسکے۔ اور اس امر پر اظہار تعجب کے لئے بھی کہ یہ لوگ ایک طرف تو میری بات کی تصدیق کر رہے ہیں، اور خود اپنی زبان سے ان حقائق کو تسلیم کر رہے ہیں، جن سے میری منقبت ظاہر ہوتی ہے، اور دوسری طرف باغیانہ کارروائیوں میں بدستور سرگرم ہیں۔ اور فتنہ وفساد

پھیلانے اور مجھے ہلاک کر دینے کے درپے ہیں۔

اس کی نظیر اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿هل يستويان...... لا يعلمون﴾ الزمر: ۲۰]۔اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ نے اللہ کی عبادت کرنے والے اور ایک صنم کے پجاری کی مثال کو دو آدمیوں کی مثال دے کر واضح فرمایا ہے، کہ ایک غلام ہے جس کے کئی شرکاء (یعنی مالکان) ہیں۔ان شرکاء کا باہم اختلاف ونزاع ہے، ان میں سے ہر شریک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے۔ان میں سے ہر ایک کھینچا تانی میں لگا ہوا ہے۔اور وہ (غلام) بیچارا ہکا بکا ہے۔اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا، کہ کیا کروں؟ اپنے کس آقا کی خدمت گزاری کر کے راضی کروں۔اور دوسرا غلام صرف ایک شخص کا مملوک ہے، صرف اور صرف اسی کا ہے۔وہ اپنا ہر پل اس کی خدمت گزاری میں گزارتا ہے۔اس کے عقل وقلب یکسو ہیں (متشوش نہیں)۔هل يستويان مثلاً، فرما کر اللہ جل شانہ نے ان سے پوچھا: ﴿هل يستويان مثلاً﴾، تو ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ کہیں کہ: لا (یعنی نہیں، برابر نہیں ہے)، تو اس پر اللہ جل شانہ نے مزید ارشاد فرمایا: ﴿الحمد لله بل اكثرهم لا يعلمون﴾۔یہ تحقیق امام طیبیؒ نے فرمائی ہے۔

بعض روایات میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "وأشدكم بالله من شهد بيعة الرضوان اذ بعثني رسول الله ﷺ الى المشركين اهل مكة فقال: هذه يدي وهذه يد عثمان۔ فبايع لي فانتشد له رجال"۔ دارقطنی کے اس روایت کے بعد طرق میں ان الفاظ کی زیادتی ہے: "وانشدكم بالله هل تعلمون أن رسول الله ﷺ زوجني احدى ابنتيه بعد الأخرى رضاً لي۔ ورضاً عني۔ قالوا: اللهم نعم"۔

فتنوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے کی شہادت

۶۰۷۶: وَعَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَاَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ۔ (رواه الترمذي وابن ماجة وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذي في السنن ۵۸۶/۵ حديث رقم ۳۷۰۴ وابن ماجه ۴۱/۱ حديث رقم ۱۱۱ و احمد في المسند ۳۵/۵

ترجمہ: "حضرت مرہ بن کعبؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات (اپنے کانوں سے) سنے جن میں آپ ﷺ نے (زمانۂ نبوت کے بعد) وقوع پذیر ہونے والے پُرفتن حادثات کا (بطور پیشینگوئی) ذکر فرمایا تھا' آپ ﷺ نے ان فتنوں کا تعلق بالکل قریبی زمانہ سے قائم کیا (یعنی یہ بھی فرمایا کہ یہ فتنے مستقبل قریب ہی میں وقوع پذیر ہونے والے ہیں نیز عین اس وقت کہ آپ ﷺ کے ان ارشادات کا سلسلہ جاری تھا) ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے سامنے سے گزرا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: یہ شخص ان (پُرفتن و پرآشوب) ایام میں راہ راست پر ہوگا" حضرت مرہؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس شخص کی طرف بڑھا (کہ دیکھوں کہ کون شخص ہے) تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں۔حضرت مرہؓ کا بیان ہے

کہ پھر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ گھما کر آنحضرت ﷺ کو دکھلایا اور پوچھا کہ کیا یہی صاحب ہیں (جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان پرفتن ایام میں یہ شخص راہِ راست پر ہوگا؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔
اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

راویٔ حدیث:

مرۃ کعب۔ یہ ''مرہ'' ہیں۔ ''کعب'' کے بیٹے ہیں۔ اور نہری ہیں۔ ان کا شمار اہل شام میں ہے۔ ان سے کچھ تابعین نے روایت کی۔ ۵۵ھ میں بمقام اردن وفات پائی۔

تشریح: (کعب): مرة: میم کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ۔ مؤلفؒ نے صحابہ کی فصل میں انہیں اہل شام میں شمار کیا ہے۔ تابعین کی ایک جماعت ان سے احادیث روایت کرتی ہے۔ ۵۵ھ میں ''اردن'' میں وفات پائی۔ (قال...... ﷺ): من، زائدہ براہ راست سماع کی تائید ہے۔ (و ذكر الفتن): جملہ حالیہ ہے۔ (فقربها): راء کی تشدید کے ساتھ۔ (مقنع): نون مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔

(على الهدى): حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول: ﴿أولئك على هدى من ربهم﴾ [البقرة: ٥] کے قبیل سے ہے۔ هذا يومئذ على الهدى، مفعول محذوف پر دلالت کر رہا ہے۔ (قال: نعم): راوی کے اس تفصیلی طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ واقعہ کس قدر مستحضر ہے۔

(رواه...... صحيح): الریاض میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے فرمایا: ''ذكر النبي ﷺ فتنة فقربها وعظمها۔ قال: ثم مر رجل مقنع في ملحفة فقال: هذا يومئذ على الحق۔ فانطلقت فأخذت بضبعه فقلت: هذا يا رسول الله؟ قال: هذا فاذا هو عثمان بن عفان''۔ (احمدؒ)۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس کے ہم معنی ایک روایت مرۃ بن کعب سے نقل کی ہے: ''وقال: هذا يومئذ على الحق''۔ اور فرمایا: یہ شخص ان پرفتن ایام میں راہ حق پر ہوگا۔ احمدؒ، مرۃ بن کعبؓ سے راوی ہیں کہ: ''قال: بينما نحن مع رسول الله ﷺ في طريق من طرق المدينة قال: كيف تصنعون في فتنة تثور في اقطار الأرض كأنها صيامي بقر۔ قالوا: فنصنع ماذا يا رسول الله؟ قال: عليكم بهذا وأصحابه۔ قال: فأسرعت حتى عطفت الرجل فقلت: هذا يا نبي الله! قال: هذا فاذا هو عثمان بن عفان''۔ احمد کی ایک روایت میں ہے: ''قال: فأسرعت حتى عييت فلحقت بالرجل فقلت: هذا يا نبي الله''۔۔۔۔۔۔۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دستبردار نہ ہونے کی وصیت

۶۰۷۷: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عُثْمَانُ اِنَّهٗ لَعَلَّ اللّٰهُ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ۔ (رواه الترمذى وابن ماجة وقال الترمذى فى الحديث قصة طويلة)

أخرجه الترمذى فى السنن ٥٨٧/٥ حديث رقم ٣٧٠٥ وابن ماجه فى السنن ٤١/١ حديث رقم ١١٢ و احمد فى

المسند ٧٥/٦

ترجمہ: ''اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے) ارشاد فرمایا کہ اے عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (یعنی خلعت خلافت) پہنائے گا۔ اگر لوگ تمہاری اس قمیص کو اتروانا چاہیں اور تمہیں اس پر مجبور کریں تو ان کی وجہ سے اس قمیص کو (ہرگز) نہ اتارنا۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے اس حدیث کے ضمن میں ایک طویل (دردناک) داستان ہے''۔

تشریح: قال :یا عثمان ایک روایت میں ''لعثمان ذات یوم'' کا اضافہ ہے۔

انہ: ضمیر شان ہے۔ (لعل اللہ): ایک روایت میں: أن اللہ لعلہ۔ (یقمصك): میم کی تشدید کے ساتھ۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ''فلا تخلعه ثلاثا''۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے مطالبہ کریں، کہ منصب خلافت چھوڑ دو، اور معزول ہو جاء، تو تم ان کے کہنے میں آ کر خلافت مت چھوڑ بیٹھنا، کیونکہ وہ لوگ باطل پر ہوں گے، اور تم حق وراستی پر ہو گے۔ اگر تم حق خلافت سے دستبردار ہو گئے تو ایہام وتہمت لازم آئے گی۔ پس یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محاصرہ کے دن خلافت کے باغیوں اور فتنہ پروروں کے آگے گھٹنے ٹیکنے سے باز رکھا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''قمیص'' خلافت سے استعارہ ہے۔

اساس البلاغہ میں لکھتے ہیں: قمصه الله وشی الخلافة، اور ''تقمص لباس العز'' یہ مجاز کے قبیل سے ہے۔ اور اسی قبیل سے اللہ جل شانہ کا یہ قول ہے: الکبریاء ردائی والعظمة از اری ۔ اور عرب کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہے: المجدیین ثوبیه والکرم بین بردیه۔ انتھیٰ

(رواه الترمذی...... ماجه): یہ روایت ابوحاتمؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ (وقال...... غریب): ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''فان أرادك المنافقون علی خلعه فلا تخلعه لهم ولا کرامة یقولها مرتین او ثلاثا''۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''فان أرادك المنافقون خلعه فلا تخلعه حتی تلقانی یا عثمان! ان الله عسی ان یلبسك قمیصا فذکره ثلاث مرات''۔ (احمدؒ) ۔ بعض روایات میں یہ اضافہ ہے: ''وأنشدکم بالله من شهد بیعة الرضوان اذ بعثنی رسول الله ﷺ الی المشرکین أهل مكة فقال: هذه یدی وهذه ید عثمان فبایع لی فاشتد له رجال''۔ دارقطنی نے اس کے بعض طرق میں ان الفاظ کی زیادتی بھی ذکر کی ہے: ''وأنشدکم بالله هل تعلمون أن رسول الله ﷺ زوجنی احدی ابنتیه بعد الأخریٰ رضائی ورضا عنی۔ قالوا: اللهم نعم''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی پیشین گوئی

٦٠٧٨: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِتْنَةً فَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْهَا مَظْلُوْمًا لِعُثْمَانَ۔

(رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب اسنادا)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٨٨/٥ حدیث رقم ٣٧٠٨ و احمد فی المسند ١١٥/٢ ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے (مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہونے والے) ایک فتنہ کا ذکر کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ شخص اس فتنہ میں مظلوم شہید کیا جائے گا''۔

تشریح: اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن غریب ہے''۔

(لعثمان) : یہ ھذا، کا بیان ہے۔ (رواہ...... اسنادا): امام احمدؒ نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: ''وقال: یقتل فیھا ھذا المقنع یومئذ مظلوماً۔ فنظرت فاذا ھو عثمان بن عفان''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باغیوں کے خلاف اقدام نہ کرنے کا فیصلہ

۶۰۷۹: وَعَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ قَالَ قَالَ لِیْ عُثْمَانُ يَوْمَ الدَّارِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ اِلَیَّ عَهْدًا وَّاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٩٠/٥ حدیث رقم ٣٧١١ وابن ماجه فی السنن ٤٢/١ حدیث رقم ١١٣ و احمد فی المسند ٥٨/١

ترجمہ: ''''(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) حضرت ابوسہلہ بیان کرتے ہیں کہ محاصرے کے روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا (کہ مفسدین ومخالفین کے مطالبہ پر منصب خلافت سے دستبردار نہ ہونا، یا یہ کہ قوم کی جفا کاریوں سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانا بلکہ صبر و تحمل کا دامن پکڑے رہنا) اور میں اس عہد پر قائم ہوں۔

تشریح: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

تخریج: (رواہ...... صحیح): امام احمدؒ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں: کہ: ''قال: قال لی رسول اللہ ﷺ: ادعوا لی بعض اصحابی۔ قالت: أبا بکر؟ قال: لا۔ قلت: عمر؟ قال: لا۔ قلت: ابن عمك؟ قال: لا۔ قلت: عثمان؟ قال: نعم۔ فلما جاء قال: تنحی، فجعل یسارہ ولون عثمان یتغیر فلما کان یوم الدار وحصر فیھا قلنا: یا امیر المؤمنین ألا تقاتل؟ قال: لا، ان رسول اللہ ﷺ عھد الی عھدا وانی صابر نفسی علیه''۔

الفصل الثالث:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مصری کو مسکت جواب

۶۰۸۰: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْهَبٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ يُرِيْدُ حَجَّ الْبَيْتِ فَرَاٰى قَوْمًا جُلُوْسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمُ قَالُوْا هٰؤُلَآءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيْهِمْ قَالُوْا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ

قَالَ يَا بْنَ عُمَرَ اِنِّیْ سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِیْ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ اُحُدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهٗ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهٗ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ اُبَيِّنْ لَكَ اَمَّا فِرَارُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَفَا عَنْهُ وَاَمَّا تَغَيُّبُهٗ عَنْ بَدْرٍ فَاِنَّهٗ كَانَتْ تَحْتَهٗ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مَرِيْضَةً فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَكَ اَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهٗ وَاَمَّا تَغَيُّبُهٗ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْكَانَ اَحَدٌ اَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهٗ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ اِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذْهَبْ بِهَا الْاٰنَ مَعَكَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٤/٧ حدیث رقم ٣٦٩٨ والترمذی فی السنن ٥٨٧/٥ حدیث رقم ٣٧٠٦

ترجمه: ''حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ ایک مصری آدمی حج بیت اللہ کے ارادہ سے (مکہ) آیا' اس نے (ایک جگہ) کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اکابرین قریش ہیں۔ اس نے کہا: ان کا شیخ (یعنی علم وفضل کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑا شخص) کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ! تب اس مصری شخص نے (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر) کہا: اے ابن عمر رضی اللہ عنہما! میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں مجھے ان کے بارے میں آگاہ کیجئے۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ جنگ احد کے دن بھاگ کھڑے ہوئے تھے (درآنحالیکہ کفار کے مقابلے سے بھاگنا بہت برا ہے؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوا تھا کہ (اس دن عثمان رضی اللہ عنہ مورچہ سے ہٹ گئے تھے) اس نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے (جس کی بنا پر ان کو وہ اعزاز حاصل نہیں ہوا جس سے اہل بدر سرفراز ہوئے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہاں (عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھے) اس نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ (حدیبیہ میں) بیعت رضوان کے موقع پر موجود نہ تھے اور اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں (عثمان رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک نہیں ہو سکے تھے) اس نے (جو دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں برے خیالات رکھتا تھا۔ جب دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی ہے تو اس حیرت اور خوشی کے اظہار کے طور پر کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر وارد ہونے والے اعتراضات اتنی عظیم اور معتبر ہستی کے ذریعہ ثابت ہو گئے ہیں)۔ زوردار آواز میں کہا: اللہ اکبر لیکن (جبھی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا: (دراصل تم احمقانہ خیالات کا شکار ہو جن باتوں کو تم عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی دلیل سمجھتے ہو اور جن کی واقعاتی تصدیق تم نے مجھ سے کرائی ہے اور وہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو' حقائق کچھ اور ہی ہیں اور اگر ان حقائق کو تم جاننا چاہتے ہو تو) آؤ میں تمہیں وضاحت کے

ساتھ بتاتا ہوں: غزوہ احد کے دن عثمان رضی اللہ عنہ کا بھاگ کھڑا ہونا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کی اس بات کو اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جو بات معاف کی جا چکی ہو اس پر عیب جوئی یا تنقیص کی بنیاد رکھنا نری حماقت ہے) اور جنگ بدر میں عثمان رضی اللہ عنہ جو شریک نہیں ہوئے تھے تو اس کی یہ وجہ پیش آئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہؓ ان کے نکاح میں تھیں اور ان دنوں وہ سخت بیمار تھیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو (جنگ بدر میں جانے سے روک دیا تھا اور ان) سے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے جنگ میں شریک ہونے والوں کے برابر اجر و ثواب اور مال غنیمت میں حصہ ہے۔ اب رہا بیعت رضوان میں عثمان رضی اللہ عنہ کا شریک نہ ہونا تو (پہلے اس حقیقت کو مدنظر رکھو کہ) اگر صحابہ میں کوئی اور شخص (خاندانی طاقت اور وجاہت کے اعتبار سے) مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز آدمی ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اسی کو (اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر اہل مکہ کے پاس) بھیجتے (لیکن خاندانی اعتبار سے چونکہ کوئی اور شخص مکہ والوں کی نظر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز نہیں تھا (بلکہ بعض صحابہؓ نے تو یہی کہہ کر اس مشن پر مکہ جانے سے معذرت کر دی تھی کہ وہاں ہمارے ایسے حامیوں اور عزیزوں کا کوئی جتھا نہیں ہے جو ہماری مدد کرے اور ہمارا پشت پناہ بن کر ہماری محافظت کرے) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا پھر (بیعت رضوان کے وقت) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ (دایاں) ہاتھ اپنے بائیں پر مار کر فرمایا: یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے'' اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس مصری شخص سے کہا: (تمہارے سوالات کے جواب میں) میں نے جو کچھ کہا ہے اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ''۔ (بخاری)

تشریح: **موهب**: الجامع اور المغنی کی تحقیق کے مطابق **موهب**: میم کے فتحہ، واؤ کے سکون، ھاء کے فتحہ اور باء موحدہ کے ساتھ ہے۔ اور القاموس میں ہے کہ: **موهب**: **مقعد** کی طرح ایک اسم ہے۔ علامہ ابن حجر کی شرح میں اس لفظ کو ھاء کے کسرہ کے ساتھ جو نقل کیا ہے وہ وہم سے خالی نہیں ہے۔ مؤلفؒ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا راوی تیمی ہیں۔ یہ ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ وغیرہما سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے شعبہ اور ابو عوانہ روایت کرتے ہیں۔ (**جلوسا**): **جلوس**، **جالسین** کے معنی میں ہے۔ (**فیهم**): چونکہ شیخ کی حیثیت اپنی قوم میں ایسی ہے جیسی نبی کی حیثیت اپنی قوم میں ہو۔

أبین لك: جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ایک نسخہ میں مرفوع ہے، **أنا** مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے، گویا تقدیری عبارت یوں ہے: **أنا أبین ذلك**۔ **عفا عنه**: ایک روایت میں **غفر له** کے الفاظ ہیں۔

قوله: وأما تغیبه' عن بدر فأنه كانت تحته رقیة بنت رسول الله ﷺ: اور یہ بات کس قدر تعلق، خاطر اور رضا کی علامت ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دی اور پھر دوسری بیٹی ام کلثوم نکاح میں دی۔ اسی سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ''ذوالنورین'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مزید یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ''اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا''۔ الریاض میں طبرانیؒ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ: ''**قال: قال رسول الله ﷺ ان الله أوحى الى ان أزوج كريمتي عثمان بن عفان**''۔ فرمایا: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دونوں پیاری بیٹیوں کا نکاح عثمان بن عفانؓ سے کروں''۔

خیثمہ بن سلیمان نے عروۃ بن الزبیر عن عائشہ کے طریق سے "کریمتی": کے بعد یعنی رقیة وام کلثوم کا اضافہ نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ قزوینی اور حافظ ابو بکر اسماعیلی وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ: "قال: لقی النبی ﷺ عثمان عند باب المسجد فقال: یا عثمان! هذا جبریل أخبرنی ان الله قد أمرنی أن أزوجك أم كلثوم بمثل صداق رقية وعلى مثل صحبتها"۔

انہی سے مروی ہے فرمایا: "قال عثمان: لما ماتت امراته بنت رسول الله ﷺ بكيت بكاء شديدا۔ فقال رسول الله: ما يبكيك۔ فقلت: أبى على انقطاع صهرى منك۔ فقال: هذا جبريل بأمر الله عزوجل ان أزوجك أختها"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ان کی زوجہ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی کا انتقال ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تجھ سے رقیہ کی بہن کو بیاہ دوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے ہم معنی روایت مروی ہے، اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: "والذى نفسى بيده لو ان عندى مائة بنت تموت واحدة بعد واحدة زوجتك أخرىٰ حتى لا يبقى من المائة شيء هذا جبريل أخبرنى ان الله عز وجل يأمرنى أن أزوجك أختها وأن أجعل صداقها مثل صداق أختها"۔ (اخرجه الفضائلى)۔

الذخائر میں سعید ابن المسیبؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا، تو فرمانے لگے: کیا تمہیں حفصہ میں کوئی دلچسپی ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سن رکھا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حفصہؓ کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "هل لك فى خير من ذلك اتزوج أنا حفصة وأزوج عثمان خيرا منها ام كلثوم"۔

ابو عمرو یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابو نعیم بصریؒ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹیوں کا نکاح عثمان سے کر دوں"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: كن لما لا ترجوه أرجى منك لما ترجوه فان موسى عليه السلام خرج يلتمس نارا فرجع بالنبوة"۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام بھی آگ کی تلاش میں نکلے تھے، اور نبوت لے کر لوٹے تھے۔

اس غزوہ میں ان کی عدم شرکت ایسی ہی ہے جیسے غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ تاہم یہ بات تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مال میں حضرت علیؓ کا بھی حصہ لگایا تھا، یا نہیں۔ واللہ اعلم۔ بعد میں الریاض میں اس کی تحقیق دیکھی، تو اس میں بھی یہی کچھ تھا۔

فبعثه عثمان: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے، تو ان کے اعزاء اور متعلقین نے مکہ میں ان کی آمد پر ان کا پرتپاک استقبال کیا، سواری پر بٹھا کر ان کو اپنے آگے کیا، اور جو ان سے تعارض کرتا تو یہ اعلان کر دیتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہماری پناہ میں ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آپ عمرہ کی نیت سے خانہ کعبہ کا طواف بھی کر سکتے ہیں۔ مگر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اس پیش کش کو رد کرتے ہوئے فرمایا: حاشا و کلا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں طواف کروں۔

اس دوران یہ خبر مشہور ہوگئی کہ نہ صرف حضرت عثمانؓ کا مصالحتی مشن ناکام ہوگیا ہے، بلکہ اہل مکہ اس حد تک تیخ پا ہیں کہ وہ اپنا لشکر جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اس پر مسلمانوں نے دشمنانِ دین کے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے صحابہ سے اس بات پر بیعت کی، کہ کوئی بھاگے گا نہیں۔ بلکہ ایک خبر یہ بھی آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے قتل کر دیا ہے۔

(هذه لعثمان): یعنی یہ بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوئی، یا ان کو زندہ تصور کرتے ہوئے ان کی طرف سے کی۔ یا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر جھوٹی ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب اس کے تمام فاسد خیالات کی تردید کر چکے تو تہکماً فرمایا: اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یعنی اشکالات اور ان کے جوابات، میں نے تمہیں حقیقی صورتحال سے اس قدر آگاہ کر دیا ہے کہ اب مزید کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ انتہی

یہ روایت امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، مگر معنی ایک ہیں۔

۶۰۸۱: وَعَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ مَوْلٰی عُثْمَانَ قَالَ جَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسِرُّ اِلٰی عُثْمَانَ وَلَوْنُ عُثْمَانَ یَتَغَیَّرُ فَلَمَّا كَانَ یَوْمَ الدَّارِ قُلْنَا اَلَا نُقَاتِلُ قَالَ لَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَیَّ اَمْرًا فَاَنَا صَابِرٌ نَفْسِیْ عَلَیْهِ۔ (رواهما البيهقي في دلائل النبوة)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۵۹۰ حديث رقم ۳۷۱۱ والبيهقي في دلائل النبوة ۶/۳۹۱۔

ترجمہ: ''حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو سہلہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن کا واقعہ ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہے تھے اور (ان باتوں کو سن سن کر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا (اس وقت تو یہ راز کسی پر نہ کھلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپکے چپکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے حالات سے آگاہ کر رہے تھے چنانچہ جب محاصرہ کا دن آیا (اور مفسدوں نے مکان کا محاصرہ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کا چراغ گل کر دینا چاہا) تو ہم نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا کہ (اس خلفشار کو روکنے اور مفسدوں کے خطرناک عزائم کی راہ مارنے کے لئے) کیا ہمارے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں سے لڑیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں: میں لڑائی ہرگز نہیں چاہتا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بات کی وصیت کی تھی اور میں اپنے آپ کو اس وصیت پر صابر رکھے ہوئے ہوں''۔

تشریح: رضي الله عنه: بعض تصحیح شدہ نسخوں میں ''رضي الله عنهما'' ہے، تثنیہ کے ساتھ تغلیباً۔ مؤلفؒ نے اسماء الصحابہ میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ (قال...... یسر): یاء مضمومہ اس کے بعد کسرہ اور پھر تشدید ہے۔ یوم: مرفوع ومنصوب ہر دو طرح مروی ہے۔ ألا: مخفف ومشدد ہر دو طرح درست ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ عهد الي امرا: استیناف تعلیلی ہے۔ یوم صابر: تنوین کے ساتھ ہے۔ (نفسي عليه): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وصیت فرما رہے تھے

کہ صبر کا دامن تھامے رہنا اور قتال پر نہ اتر آنا۔ اس کا یہ مطلب مراد لینا درست نہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اگر وہ خلعت خلافت اتروانا چاہیں، تو اس کُرتہ کو ہرگز نہ اتارنا۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں، تو یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ان کو اس ناپاک چاہت سے روکنے کے لئے اگر مقاتلہ کی نوبت بھی آئے، تو مقاتلہ کرنا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ فصل ثانی کی حدیث کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے، تاکہ دونوں روایات میں توافق رہے۔ اھ

میں (ملاعلی قاری رحمہ اللہ) کہتا ہوں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عہد مرکب تھا کہ منصب خلافت بھی نہ چھوڑنا اور منصب کی حفاظت کی خاطر قتال بھی نہ کرنا۔ بلکہ ثابت قدم رہنا اور صبر کرنا۔ بلکہ "مقام جمع" تک پہنچنے کے لئے یہ عدہ صبر مجرد تھا۔

عرضِ مرتب:

خلاصہ باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ:

کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں:

یہ امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کنیت ابوعبداللہ الاموی قریشی ہے ان کا اسلام لانا اول دور اسلام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے ہی ہوا۔ انہوں نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی اور غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ حضرت رقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ان دنوں بیمار تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معذوری کی بنا پر ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر فرمایا تھا اور مقام حدیبیہ میں جو تحت شجرہ بیعت رضوان واقع ہوئی اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شرکت نہ فرما سکے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صلح کے معاملات طے کرنے کے لئے مکہ بھیج دیا تھا جب بیعت رضوان واقع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو دوسرے دست مبارک پر مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اور ان کو ذوالنورین میں کہا جاتا تھا کیونکہ ان کے عقد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونور نظر یعنی صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آئیں تھیں یہ گورے رنگ کے میانہ قد تھے اور بعض نے کہا کہ گندم گوں تھے خوبصورت چہرے والے آپ کا سینہ چوڑا تھا سر پہ بال بہت زیادہ تھے بڑی داڑھی والے تھے داڑھی کو زرد رنگ لگاتے تھے ۲۴ھ میں محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو ان کو خلیفہ بنایا گیا تھا اسود تجیبی نے جو مصر کا رہنے والا تھا ان کو شہید کیا بعض نے کسی اور کو بتایا ہے شنبہ کے روز جنت البقیع میں دفن کئے گئے عمر مبارک ۸۲ سال کی تھی اور بعض نے ۸۸ سال بیان کی ہے اور دور خلافت بارہ سال سے کچھ دن کم تک رہا۔ ان سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اس باب کی احادیث سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حاصل ہونے فضائل کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) فرشتے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے تھے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفانہ حالت میں بیٹھے ہوئے تھے اور ران یا پنڈلی سے قمیص کا کپڑا ہٹایا ہوا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر آئے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں بیٹھے رہے لیکن جونہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ

گئے اور اپنے کپڑے کو درست کر لیا اس پر حضرت عائشہؓ نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں میں اس سے کیوں نہ حیا کروں۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق قرار دیا اور یہ فرمایا کہ ہر نبی کا رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے راوی حدیث نے فی الجنۃ کی قید لگا کر رفاقت کو جنت کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مطلق ہیں دنیا و آخرت دونوں میں رفاقت کو شامل ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو مطلق ہی رکھا جائے اگر چہ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی رفیق ہو سکتے ہیں۔

③ راہِ خدا میں بے مثال مالی قربانی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر بہت زیادہ مال و دولت خرچ کر کے مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کیا ان میں سے ایک جیش العسرۃ کی تیاری کے لئے مالی تعاون بھی ہے جس میں آپؓ نے ساڑھے نوسو اونٹ مع ساز و سامان کے اور پچاس گھوڑے اور نوسو اوقیہ سونا صدقہ کیا۔

اسی طرح جب مسجد نبوی میں توسیع کے لئے زمین خریدنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم کے بدلے زمین خرید کر مسجد کے لئے وقف کی۔

مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا لوگوں کو پانی حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کو خرید کر وقف کرنے کی ترغیب دی تو آپؓ نے ایک خطیر رقم کے بدلے یہ کنواں خرید کر عام لوگوں کے لئے وقف کر دیا۔

④ بیعت رضوان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنا ہاتھ پیش کرنا:

بیعت رضوان جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے موت پر بیعت لی اور اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والوں کے لئے اپنی خصوصی رضا کا اعلان کیا۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خصوصی فضیلت حاصل ہوئی کہ اگر وہ خود اس موقعہ پر موجود ہوتے اور اپنا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیتے جیسا کہ اور لوگوں نے کیا تو ان کو یہ شرف نصیب نہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ان کے ہاتھ کے قائم مقام ہوا اس لحاظ سے ان کی بیعت گویا سب لوگوں کی بیعت سے افضل و اشرف تھی۔

⑤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنوں کے وقت ہدایت پر ہونے کی بشارت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد فتنوں کے ظاہر ہونے کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ حق پر ہوں گے ان روایتوں میں فتنہ سے مراد خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور ان کا باغیوں کے ہاتھوں شہید ہونا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب زمانے میں وقوع پذیر فتنوں کا ذکر فرمایا اور اس وقت ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے گزرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن حق پر ہوگا تو وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان شاید اللہ تعالیٰ تجھے (خلافت کی) قمیص پہنائے اگر لوگ تجھے اس کے اتارنے پر مجبور کریں تو اس کو نہیں اتارنا (اس لئے کہ وہ باطل پر ہوں گے اور تو حق پر ہوگا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوع پذیر ہونے والے فتنے کا ذکر فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہوگا۔

اسی طرح محاصرہ کے دنوں میں حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عثمان کی اجازت سے تقریر کی اس میں حمد وثناء کے بعد کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں اور باہمی اختلافات کی آزمائش سے دوچار ہوگے وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان حالات میں ہمارا کون ہوگا یعنی ہمیں کس طرح کی اتباع کرنی چاہئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امیر اور اس کے رفقاء کی اتباع لازم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

⑥ جان دے دی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انحراف نہیں کیا:

باغیوں کا مقصود تھا کہ آپؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں لیکن چونکہ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ حکم تھا کہ لوگوں کے کہنے کے باوجود خلافت نہیں چھوڑنی تو آپؓ نے جان کی پرواہ نہ کی جان کی قربانی دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی تعمیل کی۔

دورِ فتن میں سیّدنا عثمانِ غنی کی حمایت کا حکم نبویؐ

۶۰۸۲ : وَعَنْ اَبِیْ حَبِیْبَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الدَّارَ وَعُثْمَانُ مَحْصُوْرٌ فِیْهَا وَاَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ یَسْتَاْذِنُ عُثْمَانَ فِی الْکَلَامِ فَاَذِنَ لَهٗ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ فِتْنَةً وَاخْتِلَافًا اَوْ قَالَ اخْتِلَافًا وَفِتْنَةً فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَمَا تَاْمُرُنَا بِهٖ قَالَ عَلَیْکُمْ بِالْاَمِیْرِ وَاَصْحَابِهٖ وَهُوَ یُشِیْرُ اِلٰی عُثْمَانَ بِذٰلِكَ۔ (رواهما البيهقى فى دلائل النبوة)

رواه البيهقى فى دلائل النبوة ٦/٣٩٣

ترجمہ: ''حضرت ابوحبیبہؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس وقت گئے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس گھر میں محصور کر دیئے گئے تھے انہوں نے سنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے (یا تو خود ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی خاطر یا گھر کا محاصرہ کئے ہوئے مفسدوں کے سامنے) کچھ بات چیت کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دی (کہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو) تب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (جیسا کہ خطبہ و تقریر کا قاعدہ ہے) پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر کہا: (ایک دن) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''میرے بعد تم لوگ فتنوں اور باہمی اختلافات کی آزمائش سے دوچار ہو گے' یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ''اختلافات'' کا اور پھر ''فتنوں'' کا لفظ ارشاد فرمایا۔ (یہ ارشاد گرامی سن کر) وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر (ان فتنوں اور اختلافات کے زمانہ میں) ہمارا کون ہوگا؟ (یعنی اس وقت ہمیں کس شخص کی حمایت اور پیروی کرنی چاہئے کہ جس سے ہمارا دین و دنیا کا فائدہ ہو اور ہم خرابی و نقصان سے بچ سکیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم امیر اور اس کے ساتھیوں کی اطاعت و پیروی کو لازم پکڑو' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (''امیر'' کے لفظ پر زور دیتے ہوئے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے''۔

تشریح: اگلے جملے سے دوسرے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ **فحمد الله وأثنى عليه:** ضمیر لفظ جلالہ کی طرف راجع ہے۔ یہ عطف تفسیری و بیان ہے، یا حمد بمعنی شکر ہے۔ (أو قال: اختلافا و فتنة: راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اختلافاً کہا یا فتنۃً کہا۔ (فقال...... الله): امام طیبیؒ نے فرمایا: اس کا تعلق اختلافاً کے ساتھ ہے۔ گویا تقدیری عبارت یوں ہے: ستلقون اختلافاً بين الأمير ومن خرج عليه فمن تأمرنا أن نتبعه ونلزمه فتكون لنا العاقبة۔

(أو ما تأمرنا به): راوی کو شک ہے کہ یہ الفاظ کہے تھے یا وہ الفاظ کہے تھے۔ البتہ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

(قال...... وهو): ضمیر کا مرجع حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

بَابُ مَنَاقِبِ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةِ رضی اللہ عنہم

ان تینوں (یعنی خلفاء ثلاثہ) رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان

اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا جائے گا جن میں ان تینوں حضرات کے اکٹھے فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں

الفصل الاوّل:

ان تینوں حضرات رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت

۶۰۸۳: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَّاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ

بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَقَالَ اثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيْدَانِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٢/٧ حدیث رقم ٣٦٨٦ وابو داوٗد فی السنن ٤٠/٥ حدیث رقم ٤٦٥١ والترمذی فی السنن ٥٨٣/٥ حدیث رقم ٣٦٩٧ و احمد فی المسند ٣٣١/٥

ترجمہ: ''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم (مدینہ کے مشہور پہاڑ) احد پر چڑھے تو وہ (خوشی کے مارے) ہلنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیر اس پر مارا اور فرمایا: ''ارے اُحد! ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں''۔ (بخاری)

تشریح: صعد: عین کے کسرہ کے ساتھ۔ اثبت أحد: یعنی اے احد اپنے جذبات کو کاملین واصلین کی مانند دبا کر رکھ، ظاہر نہ کر۔ جنیدؒ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا: سماع کے وقت آپ کی ظاہری اور باطنی حالت کیسی ہوتی ہے؟ تو آپؒ نے ان کے جواب میں قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ کہ اہل تمکین ووقار کی صحبت یقیناً مؤثر ہوتی ہے اور اظہار سے خالی ہوتی ہے۔ اسی کے مثل ''جبل'' ثبیر کے متعلق روایت ما قابل میں گزر چکی ہے۔

تخریج: اس حدیث کو احمدؒ، ترمذیؒ اور ابو حاتمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

تعارض:

احمدؒ کی حضرت بریدہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''أن رسول الله ﷺ کان جالسا علی حراء ومعه ابو بکر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله ﷺ، انبت حراء فانه لیس علیك الا نبی أو صدیق أو شهید''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے، کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور ایک شہید کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''ان رسول الله ﷺ کان علی حراء هو وابو بکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر۔ فتحرکت الصخرة فقال رسول الله ﷺ: اهدأ حراء فما علیك الا نبی أو صدیق أو شهید''۔ (ترمذی)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرا پر تھے، آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر بھی تھے، کہ چٹان میں حرکت پیدا ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء، تھم جا کہ تیرے اوپر (اس وقت) ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہی ہے۔

سعد بن ابی وقاص کی روایت میں حضرت علیؓ کا ذکر موجود نہیں ہے۔ یہ دونوں روایات امام مسلمؒ نے ذکر کی ہیں۔ یہ حدیث امام ترمذیؒ نے بھی نقل کی ہے، اور حضرت سعدؓ کا ذکر نہیں کیا۔ اور ''اسکن'' کی جگہ اهدا کا لفظ روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث سعید بن زید سے بھی روایت کی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ پہاڑ پر دس افراد تھے

سوائے ابوعبیدہؓ کے اور فرمایا: اثبت حراء۔ (الحدیث: ۱۶۹۰)

جواب: اختلاف روایات کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں، جو مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اور بعض کے لئے شہادت کی خوشخبری حقیقی شہادت کی تھی، اور باقیوں کے لئے شہادت حکمی کی۔ واللہ اعلم

۶۰۸۴: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ فَجَآءَ رَجُلٌ فَا سْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِا لْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْ بَکْرٍ فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَآءَ رَجُلٌ فَا سْتَفْتَحَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِا لْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِیْ اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُهٗ فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٣/٧ حدیث رقم ٣٦٩٣ ومسلم فی صحیحه ١٨٦٧/٤ حدیث رقم (٢٨-٢٤٠٣) والترمذی فی السنن ٥٨٩/٥ حدیث رقم ٣٧١٠ و احمد فی المسند ٤٠٦/٤

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے باغ میں تھا ایک شخص (باہر دروازہ پر) آیا (جس کے بارے میں اس وقت تک ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ کون شخص ہے) پھر اس نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ ''جاؤ دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو جنت کی (یعنی جنت کے اعلیٰ درجات کی) بشارت دے دو' میں نے جا کر دروازہ کھولا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق ان کو جنت کی بشارت دی اور انہوں نے (اس نعمت عظمیٰ کی بشارت سن کر) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کچھ دیر بعد) پھر ایک شخص نے آ کر دروازہ کھلوایا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جاؤ دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو جنت کی بشارت دے دو' میں نے جا کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق ان کو جنت کی بشارت سنائی اور انہوں نے بھی (یہ بشارت سن کر) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر (کچھ دیر بعد) ایک اور شخص نے آ کر دروازہ کھلوایا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جاؤ دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو ان عظیم آفات و مصائب کے بعد جنت کی بشارت دے دو جن کا وہ (اپنی زندگی میں) شکار ہوگا''۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے چنانچہ میں نے ان کو وہ بات سنائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (اس بات کو سن کر پہلے تو) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر کہا: ''اللہ ہی سے درکار ہے (یعنی میں اللہ سے مدد کا طلب گار رہوں کہ ان آفات و مصائب کے وقت وہی صبر و استقامت عطا فرمائے گا)''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (حیطان): حاء کے کسرہ کے ساتھ جمع ہے۔ (رسول اللّٰہ): ایک نسخہ میں ''النبی'' ہے۔ (ﷺ فحمد اللّٰہ): ایک روایت میں ہے کہ: قال: اللھم حمدا۔ اور ایک روایت میں یہ کہ: قال: الحمد للّٰہ۔ (ثم ..... لی): اس جملہ میں ''لی''

کا اضافہ اس بات کا اشارہ ہے کہ راوی کو یہ واقعہ بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ بشره بالجنة علی بلوی: علیٰ بمعنی مع ہے۔ اور بلوی میں تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔ (اشرف)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اگر علیٰ کو بالجنة کے متعلق کیا جائے، تو مبشر به مرکب ہوگا۔ اور اگر مفعول کی ضمیر سے حال بنایا جائے، تو بشارت مقرون بالانذار ہوگی۔ اس صورت میں مبشر به مرکب نہ ہوگا، اور یہی ظاہر ہے۔ اور علیٰ اپنے معنیٰ میں ہی ہوگا۔ انتھیٰ

اور اظہر پہلا ہے، چونکہ ارباب ولاء کے ہاں تو بلاء بھی نعمت ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ حالانکہ آزمائش تو حضرت عمر فاروقؓ پر بھی آئی۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آنے والی آزمائش نہایت سخت تھی۔ خصوصاً جبکہ ان کا زمانہ طویل تھا۔ اور یاران و مددگار قلیل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باغ میں تشریف لانے کی یہ خاص ترتیب درحقیقت ان حضرات کے اخروی درجات مراتب عالیہ کی ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

تعارض:

الریاض میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ: "أنه خرج الی المسجد فسأل عن النبی ﷺ فقالوا: وجه ههنا۔ فخرجت فی أثره حتی دخل بئر أریس فجلست عند الباب وبابها من جرید حتی قضی رسول الله ﷺ حاجته فتوضأ فقمت الیه......

تشریح تعارض:

① حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ابتداء سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔
② ریاض میں مروی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔
③ ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

جواب:

① ممکن ہے کہ قضایا متعددہ ہوں۔ فلا تعارض
② ممکن ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے پوچھا ہو، ان کے بتانے پر آپؓ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف روانہ ہوئے جیسا کہ الفاظ حدیث سے صراحۃً ثابت ہو رہا ہے: "انه خرج الی المسجد وفسأل عن النبی ﷺ فقالوا: وجه ههنا، فخرجت فی اثره"۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستہ میں ہی تھے کہ ابوموسیٰ اشعری کی ان سے ملاقات ہوگئی ہو، پھر دونوں اکٹھے باغ کی طرف چل پڑے۔ حضورؐ باغ کے اندر تشریف لے گئے ہوں اور آپؓ باہر پھاٹک پر رہ گئے ہوں۔

چنانچہ خلاصہ کلام یہ کہ واقعہ ایک ہی ہے، ایک روایت میں تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ بیان کیا۔ دوسری روایت میں اختصار

کے ساتھ قصہ ذکر کیا۔ ایک روایت میں اپنے بوّاب ہونے کا تذکرہ کیا، اور دوسری روایت میں اس حوالہ سے کچھ بھی نہیں کہا۔

الفصل الثانی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ان کا ذکر خلافت کی ترتیب سے ہوتا تھا

۶۰۸۵: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ . (رواه الترمذی)

أخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲٦/٥ حدیث رقم ٤٦٢٨ اخرجه الترمذی فی السنن ٥٨٨/٥ حدیث رقم ٣٨٠٧ و احمد فی المسند ١٤/٢

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہم یوں کہا کرتے تھے: ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان سے اللہ راضی ہو"۔ (ترمذی)

تشریح: ورسول الله ﷺ حی: جملہ حالیہ ہے، قول و مقولہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔ (رضی الله عنهم): شارحؒ فرماتے ہیں: "ابوبکر" اپنے معطوفات سے مل کر مبتداء "رضی الله عنهم" خبر ہے۔ اور یہ جملہ محل نصب میں قول کا مقولہ ہے۔ ورسول الله حی: جملہ معترضہ ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: کنا نذکر هؤلاء الثلاثة بأن الله تعالٰی رضی عنهم۔ اور بعض نسخوں میں: حی کے بعد أفضل أمة النبی ﷺ أبو بكر وعمر وعثمان رضی الله عنهم کے الفاظ ہیں۔ اور باقی صحابہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے۔ (الترمذی)

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① ابن عمرؓ سے مروی ترمذیؒ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "قال: كنا نفاضل علیی عهد رسول الله ﷺ فنقول: ابو بكر ثم عمر ثم عثمان، فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فلا ینكره"۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم فضیلت دیا کرتے تھے، چنانچہ ہم کہتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان ہیں۔ یہ بات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی تو آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی۔

② ان سے ایک اور روایت میں یہ مروی ہے کہ: "كنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله ﷺ فنفضل أبا بكر ثم عمر ثم عثمان"۔ یہ روایت امام بخاریؒ نے ذکر کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ہم فوقیت دیا کرتے تھے، چنانچہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیا کرتے تھے پھر عمر فاروقؓ کو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو۔

③ ابوداؤدؒ نے اور حافظ نے الموافقات میں انہی سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ: "كنا نقول ورسول الله ﷺ حی: أفضل أمة محمد بعده أبو بكر ثم عمر ثم عثمان"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہم کہا کرتے تھے: امت محمدیہ میں اس امت کے نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر اور پھر عثمان ہے۔

④ انہی سے مروی ہے، فرمایا: "اجتمع المهاجرون والأنصار علی أن خیر هذه الأمة بعد نبیها أبو بكر وعمر

وعثمان"۔ مہاجرین وانصار کا اس پر اتفاق تھا کہ اس امت کے نبی کے بعد سب سے افضل ابو بکر پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

⑤ انہی سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ: "كنا نتحدث في حياة رسول الله ﷺ وأصحابه أوفر ما كانوا أن خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر ثم عثمان"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہم کہا کرتے تھے، اور اصحاب رسول کی بھی ایک بڑی تعداد تھی اس امت کے نبی کے بعد سب سے افضل ابو بکرؓ پھر عمرؓ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں روایات خیثم بن سعد نے نقل کی ہیں۔

⑥ اس کے ہم معنی ایک روایت حاکمؒ نے اس اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے: "فيبلغ ذلك النبي ﷺ فلا ينكره"۔ (كذا في الرياض النضرة)۔ چنانچہ یہ بات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتی تھی، مگر آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی۔

الفصل الثالث:

٦٠٨٦: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِىَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ صَالِحٌ كَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ نِيْطَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِيْطَ عُمَرُ بِاَبِىْ بَكْرٍ وَنِيْطَ عُثْمَانُ بِعُمَرَ قَالَ جَابِرٌ فَلَمَّا قُمْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَمَّا الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَّا نَوْطُ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَهُمْ وُلَاةُ الْاَمْرِ الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ بِهٖ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه ابو داؤد في السنن ٥ / ٣٠ حديث رقم ٤٦٣٦

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات مجھے ایک صالح شخص خواب میں دکھلایا گیا گویا کہ وہ ابو بکر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لٹکے ہوئے یعنی جڑے ہوئے ہیں اور عمر ابو بکر کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور عثمان، عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں: جب ہم لوگ (یہ سن کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھے تو (اپنے اجتہاد اور ظن غالب کے مطابق) ہم نے (آپس میں) کہا کہ "نیک شخص" سے مراد تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور رہا "بعض کا بعض کے ساتھ معلق یعنی جڑنا" تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ تینوں حضرات (یعنی حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم مذکورہ ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے) دین کے والی ہوں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے"۔ (ابوداؤد)

تشریح: (...... أري): ہمزہ کے ضمہ، راء کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ۔ ...... نيط): نون کی کسرہ کے ساتھ۔ (برسول...... بعمر): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر یوں کہنا چاہئے تھا: نفسي الليلة وابو بكر نيط بي۔ لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجرید کی گئی، اور رسول اللہ کو رجل صالح سے تعبیر کرنے میں انتہائی تفخیم ہے۔

رجل صالح: أري، کی ضمیر مرفوع کا بیان ہے، علیٰ سبیل التجرید۔ یہ دعویٰ اس وقت تام ہوسکتا ہے کہ أري راء کے فتحہ کے

ساتھ بصیغہ مجہول و متکلم ہو، جیسا کہ ایک نسخہ میں ایسا ہی ہے۔ لیکن أری، صیغہ ماضی مجہول، اور رجل صالح کو مفعول ما لم یسم فاعله کے الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے اس کی تائید اگلے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ (قال...... ﷺ): اپنے اجتہاد اور ظن غالب کے مطابق ہم نے آپس میں کہا، وگرنہ یہاں یہ احتمال بھی ہوسکتا تھا کہ مثلاً رجل صالح سے مراد حضرت علیؓ ہوں، کہ انہوں نے یہ خواب دیکھا ہو، اور پھر آنحضرت ﷺ کو اپنا خواب بتایا ہو، یا نور نبوت سے آپ ﷺ پر یہ خواب منکشف ہو گیا ہو اور پھر آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے ذکر کر دیا ہو، لیکن کسی حکمت کے پیش نظر مخفی رکھا۔ (فهم ولاة الأمر): الأمر کا مضاف الیہ الدین محذوف ہے۔ الذی...... : الریاض میں باب ما جاء في مناقب أبی بکر وعمر وعلی کے ذیل میں جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کرتے ہیں، فرمایا: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”يطلع عليكم من تحت الصور رجل من اهل الجنة فطلع ابو بكر فهنأناه۔ ثم لبث هنيهة ثم قال: يطلع عليكم من تحت هذا الصور رجل من أهل الجنة۔ فطلع عمر فهنأ ناه ثم قال: يطلع عليكم من تحت هذا الصور رجل من اهل الجنة اللهم اجعله عليًا ثلاث مرات فطلع علي“۔ (أخرجه أحمد)۔ اہل جنت میں سے ایک شخص کھجور کے درختوں میں سے تمہارے سامنے نمودار ہوگا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، ہم نے انہیں مبارک باد دی۔ پھر کچھ ٹھہر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کھجور کے اس جھنڈ کے تلے سے ایک جنتی شخص نمودار ہوگا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نمودار ہوئے، ہم نے انہیں مبارک باد دی، پھر فرمایا: کھجور کے اس جھنڈ تلے سے ایک جنتی شخص نمودار ہوگا، اللہ کرے وہ علی ہو، یہ تین مرتبہ فرمایا: چنانچہ حضرت علیؓ نمودار ہوئے۔

(الصور): کھجور کے درختوں کا جھنڈ۔ حضرت علیؓ کی وہ حدیث کہ جس میں حضرات شیخینؓ اور حضرت علیؓ کی منقبت کا بیان ہے 'باب مناقب العشرة' کے تحت فصل ثانی میں عنقریب آرہی ہے۔

عرضِ مرتب:

اس باب کی چار احادیث میں مندرجہ ذیل فضائل مذکور ہیں:

① حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہہ کر پکارا اور حضرت عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کہہ کر اس سے گویا اس طرف اشارہ تھا کہ یہ دونوں حضرات درجہ شہادت پر فائز ہوں گے۔

② ان تینوں حضرات کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کو جنت مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد ملے گی۔

③ صحابہ کرام کے درمیان یہ تینوں حضرات اسی ترتیب سے مشہور تھے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام تھا پھر حضرت عمرؓ کا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور یہ کہ ان تینوں حضرات کو دربار نبوت میں خصوصیت حاصل تھی۔

④ ان تینوں حضرات کی خلافت کی ترتیب پر غیبی طور پر اشارہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوگی پھر حضرت عمرؓ کی اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔

بَابُ مَنَاقِبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے مناقب کا بیان

امام احمدؒ اور امام نسائیؒ وغیرہما فرماتے ہیں: جید اسانید کے ساتھ جس قدر احادیث حضرت علیؓ کرم اللہ وجھہ کے بارے میں منقول ہیں، اتنی اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کے حق میں منقول نہیں ہیں۔ اس کثرت کا سبب یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ متاخر ہیں، اور ان کے زمانے میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ونزاع کی خراب صورت حال پیدا ہوگئی تھی، بلکہ خود سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کرنے والوں اور انؓ کے خلاف جنگیں لڑنے والوں کا ایک بڑا طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مخالفین علیؓ کی تردید میں ان احادیث کو پھیلانے میں نہایت جدوجہد کی۔ ورنہ جہاں تک خلفاء ثلاثہؓ کے مناقب کا تعلق ہے تو وہ حضرت علیؓ کے مناقب کے موازی بلکہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔ (سیوطی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں اور کتب احادیث میں جو ان کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بنسبت دوسرے صحابہ کرام کے مناقب وفضائل سے زیادہ ہیں البتہ ان میں سے بعض روایتیں موضوع بھی ہیں۔ چنانچہ شیخ مجدالدین شیرازی فرماتے ہیں کہ بعض روایات جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بیان کی جاتی ہیں وہ موضوع ہیں اور ان کا باطل اور موضوع ہونا بداہت عقل سے ہی معلوم ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لوگوں نے بے شمار احادیث وضع کی ہیں خاص کر وہ احادیث جو وصایا نامی کتاب میں ذکر کی گئی ہیں اور ہر حدیث کے شروع میں یا علی تحریر ہے اس کتاب کی تمام احادیث موضوع ہیں سوائے ایک حدیث کے جس میں ہے "یاعلی انت منی بمنزلة هارون من موسٰی" جس کی تشریح آئندہ اوراق میں بیان کی جائے گی (انشاءاللہ)

امام احمد وامام نسائیؒ وغیرہ محدثین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل میں جتنی احادیث اسانید جیدہ کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اتنی احادیث کسی اور صحابی کے بارے میں نہیں ہیں۔ ملا علی قاریؒ اس کا سبب یہ ذکر فرماتے ہیں کہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت بعد میں ہوا اور ان کے دور خلافت میں اختلاف بہت زیادہ ہوئے اور ان کے مخالفین اور محاربین بہت تھے تو اس زمانہ کے صحابہ کرام نے ان احادیث کو بہت زیادہ پھیلایا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تھیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب اور ان کی خصوصیات کو بیان فرمایا تاکہ حضرت علی کے مخالفین کا منہ بند ہو جائے اور عام مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیح مقام کو پہچان لیں اور معاندین کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (نعوذ باللہ) بدظن نہ ہوں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کی احادیث زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو پہلے خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کے برابر ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ ہیں اسی طرح علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیدر بھی کہا جاتا تھا

جو درحقیقت ان کے نانا اسد کا نام تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ فاطمہ نے اپنے والد کے نام پر آپ کا نام حیدر رکھا لیکن ابوطالب آئے تو انہوں نے اس نام کو پسند نہ کیا اور آپ کا نام علی رکھا۔

سہل بن سعد سے مروی ہے کہ آل مروان میں سے ایک شخص مدینہ پر گورنر مقرر ہوا اس نے حضرت سہل بن سعد کو بلا کر کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) برا بھلا کہہ تو انہوں نے انکار کر دیا اس نے کہا کہ جب تو نے انکار کر دیا ہے تو اب یوں کہہ: لعن اللہ ابا تراب تو سہل نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب نام بہت پسند تھا اور جب کوئی آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارتا تو آپ خوش ہوتے تھے اور ابوتراب نام پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ حضرت فاطمہؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے اور میرے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے وہ ناراض ہو کر باہر چلے گئے ہیں اور یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ دیکھو علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ وہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور پہلو سے چادر اتری ہوئی ہے آپؓ کے جسم پر مٹی لگی ہوئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: قم اباتراب اے ابوتراب اٹھ۔ اس وقت سے آپؓ کا نام ابوتراب پڑ گیا۔

الفصل الاول:

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کی وضاحت

۶۰۸۷: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٧١/٧ حديث رقم ٣٧٠٦ واخرجه مسلم في صحيحه ١٨٧٠/٤ حديث رقم (٣٠-٢٤٠٤) والترمذي في السنن ٥٩٦/٥ حديث رقم ٣٧٢٤ واخرجه ابن ماجه ٤٢/١ حديث رقم ١١٥ و احمد في المسند ١٧٧/١

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا: (دنیا و آخرت میں قرابت و مرتبہ میں اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے) تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی زندگی کے آخری غزوہ غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے جاتے وقت حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کی خبر گیری و حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس پر منافقین نے حضرت علیؓ کو طعنہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بوجھ سمجھتے ہوئے اور بے قدر جان کر مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے منافقین کا یہ طعنہ سنا تو فوراً ہی ہتھیار لے کر نکل کھڑے ہوئے اور ''جرف'' (جو مدینہ سے تقریباً تین میل شمال میں واقع ہے) نامی جگہ پر کہ

جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: یا رسول اللہ! منافقین کا میرے بارے میں ایسا ایسا زعم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں۔ میں نے تو تمہیں مدینہ میں اپنے اہل وعیال کا خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔ لہٰذا جاؤ، میرے اور اپنے اہل خانہ کا خیال رکھنا۔ اور مزید یہ فرمایا کہ: اے علی! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی آیت کریمہ کی تفسیر تھا: ﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ﴾ [الاعراف: ۱۴۲]

اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا اولین استحقاق حضرت علیؓ کا تھا درست نہیں، چونکہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنے اہل خانہ کا خلیفہ بنانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد امت محمدیہ کی خلافت کے اول حقدار ہوں۔ قیاس پر مبنی استدلال تو یوں خارج از امکان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ اس حدیث سے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر ان کے تئیں اپنی قربت ووابستگی اور اعتماد کو ظاہر کرنا تھا۔ شرح مسلم میں مذکور ہے: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث روافض اور تمام اہل تشیع فرقوں کے ان دلائل میں سے ہے کہ جن کی بناء پر وہ یہ کہتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کا اولین استحقاق حضرت علیؓ کا تھا۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وصیت بھی کی تھی۔ ان کے بقول تمام صحابہ کافر ہو گئے، اس وجہ سے کہ ان صحابہؓ نے خلافت کے بارے میں حضرت علیؓ پر دوسروں کو مقدم کیا۔ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو کافر قرار دیا، چونکہ حضرت علیؓ نے اپنا حق طلب نہیں کیا۔

لہٰذا ایسے لوگوں کے کافر ہونے کے بارے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں، چونکہ جو شخص تمام امت کو کافر کہے، خصوصاً طبقہ اول پر کفر کا فتویٰ جاری کرے، اس نے پوری شریعت کو غیر معتبر قرار دے دیا، اور اسلام کی ساری عمارت کو ڈھا دیا۔ یہ حدیث ان گمراہ لوگوں کا مستدل نہیں بن سکتی۔ اس حدیث سے تو حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں نہ تو اس بات کا بیان ہے کہ وہ دوسرے تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، اور نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ وہ ہوں گے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ غزوہ تبوک کے لئے جاتے وقت حضرت علیؓ کو خلیفہ بناتے وقت ارشاد فرمایا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہارون علیہ السلام مشبہ بہ ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ بنے ہی کیا تھے، چونکہ ان کی وفات موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس سال قبل ہو گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ اس وقت بنایا تھا جب وہ اپنے ربّ سے مناجات کے لئے جا رہے تھے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: علم المعانی کے اعتبار سے مِنّی: خبر ہے، مبتداء کی۔ من: اتصالیہ ہے۔ اور خبر کا متعلق خاص ہے۔ اور باء زائدہ ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں: ﴿فان آمنوا بمثل ما آمنتم به﴾ [البقرۃ: ۱۳۷] یعنی فان آمنوا ایمانا مثل ایمانکم۔ حدیث کی تقدیری عبارت یوں ہوگی: أنت متصل بی ونازل منی بمنزلة هارون من موسٰی۔ ان الفاظ کے ذریعے حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دینا تو واضح ہے۔ لیکن وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوئی تھی، اس بات کی وضاحت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (الا انه لا نبی بعدی) کہ ان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت ووابستگی

نبوت کے اعتبار سے نہیں۔ البتہ خلافت کے اعتبار سے ہے، چونکہ خلافت مرتبہ میں نبوت کے قریب ہے۔ لیکن خلافت کا اعتبار بھی دونوں صورتوں کو متحمل ہوسکتا ہے کہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اپنی زندگی میں ایک خاص عرصہ کے لئے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنانا تھا یا اپنی وفات کے بعد۔ دوسری صورت تو یوں خارج از امکان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ الفاظ سے یہ بات متعین ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا سفر غزوہ تبوک کے لئے تھا۔ انتھیٰ

اس کے خلاصہ کے طور پر بات یوں کہی جاسکتی ہے، کہ حضرت علیؓ کی وہ خلافت جزوی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں عمل میں آئی تھی، وہ جزوی خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی کلی خلافت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ جزوی خلافت بھی جو غزوہ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی کے بعد ختم ہوگئی تھی۔

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان "الا أنه لا نبی بعدی": کو اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے اتریں گے تو نبی کے طور پر نہیں اتریں گے بلکہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ کرنے والے اور اسلامی امراء و حکام میں سے ایک امیر و حاکم بن کر اتریں گے۔ اور لوگوں کو بھی شریعت محمدی ہی کی دعوت دیں گے۔ میں کہتا ہوں: حدیث کے الفاظ اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی حیثیت میں اتریں، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع کے طور پر دین محمدیؐ کے اجراء و نفاذ اور اسوۂ رسالت محمدی کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیں۔ اور کوئی مستبعد نہیں کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں ان کی راہنمائی وحی کے ذریعے ہو۔ مذکورہ بات کی طرف اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک میں موجود ہے، فرمایا: "لو كان موسىٰ حيا لما كان وسعه الا اتباعی"۔ یعنی وصف نبوت و رسالت سے متصف ہونے کے باوجود اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر اس میں نبوت و رسالت کی صفت کا لحاظ رکھا جائے، تو پھر یہ کوئی باعث فضیلت بات نہیں۔ لہٰذا لا نبی بعد کا مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" اس اعتبار سے ہیں، کہ نئے پیدا ہونے والا انبیوں کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اس حدیث میں حضرت علیؓ کا ذکر اس حدیث کے منافی نہیں جو صراحت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ چونکہ دو حدیثوں کا مفہوم فرضی اور تقدیری ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امر محال کو فرض کر کے گویا یوں فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد اگر نبوت کا دروازہ کھلا رہتا، تو میرے صحابہ میں سے متعدد لوگ نبی ہوتے، لیکن (یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ لو عاش ابراهیم لكان نبيا کا بھی یہی مطلب ہے۔ "علماء أمتی كأنبياء بنی اسرائیل"، میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں حفاظِ حدیث مثلاً زرکشیؒ، عسقلانیؒ، دمیریؒ اور امام سیوطیؒ نے تصریح کی ہے، کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔ اس روایت میں بھی یہ اضافہ نظر سے گزرا کہ: ولو كان لكنته، لیکن خطیبؒ فرماتے ہیں: ہمارے علم کے مطابق یہ زیادتی ابن الازہر کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں۔ اور ابن الازہر کا حل یہ ہے کہ یہ وضع الحدیث ہے۔ ابن النجارؒ فرماتے ہیں: متن تو صحیح ہے، البتہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔ واللہ اعلم

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الریاض میں ہے کہ یہ روایت شیخین نے بھی ذکر کی ہے۔ اور ترمذیؒ اور ابو حاکمؒ نے بھی نقل کی ہے، لیکن ان کی روایت میں: الا أنه لا نبي بعدي کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

② احمدؒ، مسلمؒ اور ابو حاتمؒ سے مروی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: "قال: خلف رسول الله ﷺ عليا في غزوة تبوك فقال: يا رسول الله! تخلفني في النساء والصبيان، قال: أما ترضى أن تكون مني منزلة هارون من موسىٰ الا أنه لا نبي بعدي"۔ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو جانشین بنایا، تو حضرت علیؓ کہنے لگے: یارسول اللہ! آپؐ مجھے عورتوں اور بچوں میں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

③ أسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے فرمایا: میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: "اللهم انى أقول كما قال أخي موسىٰ: اللهم اجعل وزيرا من أهلي أخي عليا أشدد به أزري وأشركه في أمري كي نسبحك كثيرا ونذكرك كثيرا أنك كنت بنا بصيرا"۔ (أخرجه احمد فى المناقب)۔ اے اللہ میں بھی ویسے ہی کہتا ہوں جسے میرے بھائی موسیٰ نے کہا تھا:

④ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "قال رسول الله ﷺ: لعلي في غزوة تبوك: أما ترضى أن يكون لك من الأجر مثل ما لي ولك من الغنم مالي"۔ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا: تمہارا اجر میرے اجر کے مثل ہو، اور تمہارے لئے اتنا ہی مال غنیمت ہو، جتنا میرے لئے ہو۔

⑤ ابن ماجہؒ، اور ابو بکر الطبریؒ اپنے جزء میں ابو سعید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں: "علي مني بمنزلة هارون من موسى الا أنه لا نبي بعدي"۔ کہ علی میرے نزدیک ایسے ہی ہیں، جیسے ہارونؑ، موسیٰ کے ہاں مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

⑥ خطیبؒ نے حضرت براءؓ سے اور دیلمیؒ نے مسند فردوس میں یہ روایت ابن عمرؓ سے ان الفاظ سے نقل کی ہے: "علي مني بمنزلة رأسي من بدني"۔ علی کی مجھ سے وہی نسبت ہے جو نسبت میرے سر کو میرے بدن سے ہے۔

محبت علی رضی اللہ عنہ ایمان کی اور بغض علی رضی اللہ عنہ نفاق کی علامت ہے

۶۰۸۸: وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِىْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيَّ اَنْ لَّا يُحِبَّنِىْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِىْ اِلَّا مُنَافِقٌ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۸۶/۱حديث رقم (۱۳۱-۷۸) والترمذى فى السنن ۵۹۴/۵حديث رقم

۳۷۱۷ والنسائی فی ۱۱۵/۸ حدیث رقم ۵۰۱۸ و احمد فی المسند ۸٤/۱

ترجمہ: ''حضرت زر بن حبش (تابعی) کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا (یعنی اُگایا) اور ذی روح کو پیدا کیا درحقیقت نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا تھا کہ جو (کامل) مؤمن ہوگا وہ مجھ سے (یعنی علی رضی اللہ عنہ سے) محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا''۔ (مسلم)

تشریح: (زر): زاء کے کسرہ اور راء کی تشدید کے ساتھ۔ (ابن حبیش): جیم مہملہ کے ضمہ اور باء موحدہ کے فتحہ کے ساتھ، اس کے بعد یاء تحتیہ اور پھر شین معجمہ ہے۔ (انه): ضمیر شان ہے۔ (لعهد): یعنی اس قدر تاکید مبالغہ فرمایا، گویا کہ مجھ سے عہد لیا۔ ایک نسخہ میں ھاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر مرفوع النبی الامیؐ کی طرف مضاف ہو کر الیّ کے متعلق محذوف کا فاعل ہے۔ (ان لا یحبنی): میں أن مصدر یہ ہے یا تفسیر یہ ہے۔ عہد، قول کے معنی کو متضمن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ سے ایسی محبت رکھے جو شرعی تقاضوں کے ہم آہنگ، واقع کے مطابق اور نقصان وزیادتی سے خالی ہو۔ چنانچہ نصیری اور خارجی اس حدیث میں مذکور ''مؤمن'' کے مصداق سے خارج ہوگئے۔ چنانچہ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے اور شیخین سے بغض رکھتا ہے اس کی یہ محبت شرعی تقاضوں کے ہم آہنگ نہ ہوگی۔ جیسا کہ سید جمال الدینؒ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ان کی عبارت اس مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے بلکہ موہمہ ہے' چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ای لا یحبنی حبا مشروعا فلا منقض حینئذ بمن یحبه و یبغض أبا بکر و عمر۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① امام ترمذیؒ نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: ''**عهد الی من غیر قسم**''۔ اور فرمایا: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

② حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من أحبنی وأحب هذین وأباهما وأمهما کان معی فی درجتی یوم القیامة**''۔ جس شخص نے مجھ سے اور ان دونوں (یعنی حسن وحسین) سے اور ان دونوں کے باپ اور ان دونوں کی ماں سے محبت رکھی، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔

③ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ: ''**لا یحب علیا منافقا ولا یبغضه مؤمن**''۔ کوئی منافق علی سے محبت نہیں کرے گا اور کوئی مؤمن ان سے عدوات نہیں رکھے گا۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

④ مسند احمد میں انہیؓ (امّ سلمہ رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''**لا یبغضك مؤمن ولا یحبك منافق**''۔ کوئی مؤمن تم سے بغض نہیں رکھے گا اور کوئی منافق تم سے محبت نہیں کرے گا۔

⑤ امام احمدؒ نے مناقب کے باب میں المطلب بن عبداللہ بن حطب عن اُبیہ کی سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر کیا ہے:

''یا أیها الناس أوصیکم بحب ذوی قرابتی أخی وابن عمی علی بن أبی طالب، فانه لا یحبه الا مؤمن ولا یبغضه الا منافق من أحبه فقد أحبنی ومن أبغضه فقد أبغضنی''۔ اے لوگو! میں تمہیں دوہری قرابت والے یعنی اپنے بھائی اور اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب سے محبت کی وصیت کرتا ہوں، جو مؤمن ہوگا وہ مجھ سے محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا۔

⑥ امام احمدؒ، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان السعید کل السعید حق السعید من أحب علیا فی حیاته وبعد موته''۔ بلا شبہ خوش بخت، پورا خوش بخت، خوش بخت کہلوانے کا حقدار وہ شخص ہے جس نے علی سے اس کے جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی محبت رکھی۔

⑦ امام حاکمؒ، حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: ''حب العرب ایمان وبغضهم نفاق''۔ عرب سے محبت ایمان (کا جزو) ہے اور ان سے بغض نفاق ہے۔

⑧ ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: حب ابی بکر و عمر ایمان و بغضها نفاق۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان ہے اور ان دونوں سے بغض نفاق ہے۔

⑨ ابن عساکرؒ کی حضرت جابرؓ سے مروی ایک روایت میں آتا ہے: ''حب أبی بکر وعمر من الایمان وبغضها کفر، وحب الأنصار من الایمان وبغضهم کفر وحب العرب من الایمان وبغضهم کفر، ومن سب اصحابی فعلیه لعنة الله ومن حفظنی فیهم فأنا أحفظه یوم القیامة''۔

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ انصار کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اہل عرب کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے، اور جس شخص نے میرے صحابہؓ کو سب وشتم کیا، اس پر اللہ کی لعنت ہو، اور جس شخص نے صحابہؓ کو بچایا، اس کو قیامت کے دن میں بچاؤں گا۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی علامت ہے

۶۰۸۹: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَاَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا قَالَ انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ

اَنْ تَکُوْنَ لَکَ حُمُرُ النِّعَمِ (متفق علیه وذکر حدیث البرآء) قَالَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ فِیْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِیْرِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه حدیث رقم ۴۲۱۰ومسلم فی صحیحه ۱۸۷۲/۴حدیث رقم (۳۳-۲۴۰۶) والترمذی فی السنن ۵۹۶/۵حدیث رقم ۳۷۲۴اخرجه ابن ماجه فی السنن ۴۳/۱حدیث رقم ۱۱۳ و احمد فی المسند ۳۳۱/۱

ترجمہ:''حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن فرمایا: کل میں یہ علم (جو کہ کمانداری کی علامت ہے) ایک ایسے شخص کو دوں جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں'' (چنانچہ تمام صحابہؓ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصّہ میں آتی ہے) اور جب صبح ہوئی تو ہر شخص اس خواہش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ علم اسی کو ملے' آپ ﷺ نے (تمام صحابہؓ پر نظر ڈال کر) فرمایا کہ ''علی بن ابی طالب کہاں ہیں'' (دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس وجہ اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے (اور اس عذر کی بناء پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور وہ آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی ہی نہیں' اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو علم عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں ان لوگوں (دشمنوں) سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) کے علاقہ میں پہنچو' پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو حقوق اللہ سے باخبر کرو جو ان پر واجب ہیں (اور پھر اگر وہ دعوتِ اسلام کو ٹھکرا دیں) تو ان سے جزیہ طلب کرو' اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں) (اے علی رضی اللہ عنہ) اللہ کی قسم' اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے' یہ تمہارے لئے حاصل ہونے والے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: قال: یوم خیبر: یہ ارشاد خیبر کے محاصرے کے زمانے میں یا غزوہ خیبر کے آخری روز فرمایا۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ: ''فلما کان مساء اللیلة التی فتحها الله فی صباحه''۔ قال رسول الله ﷺ۔

(قال...... الرایة): الرایة، اس جھنڈے کو کہتے ہیں جو امارت کی علامت ہوتا ہے۔ (غدا): فی حرف جر مقدر ہے۔ (علی): سببیت کے معنی میں ہے۔ (یحب...... ورسوله): اس ارشاد گرامی میں اللہ جل شانہ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: ﴿یحبهم ویحبونه﴾ [المائدة: ٥٤] اس کے ذیل میں بحث ہے جو طویل بھی ہے، اور عجیب نادر بھی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے، کہ: ''قال: فبات الناس یدوکون لیلتهم ایهم یعطی''۔ فرماتے ہیں: چنانچہ لوگوں نے اس انتظار و شوق میں

پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ کس کو حاصل ہوتا ہے۔ **الدوك**: غور وخوض ہوتا ہے۔ **غدا عليه**: صبح کے وقت آنا۔ (**أن يعطاها**): ضمیر مؤنث ''الراية'' کی طرف راجع ہے۔ یہ جھنڈا فتح مندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ **یرجون** ''**كلهم**'' کے معنی کی رعایت رکھتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ اور **أن يعطا** میں واحد کا صیغہ لایا گیا لفظ کی رعایت کی مناسبت سے۔

فقال این علي بن ابی طالب: یہ جملہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؓ اس موقع پر ''مرید'' تھے نا کہ مراد۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر یہ کلام یوں ہونا چاہئے تھا: **أين علي، مالي لا أراه حاضرا**۔ تاکہ **هو يا رسول الله يشتكي عينيه** اس کا جواب ہوتا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے: ﴿**ما لي لا أرى الهدهد**﴾ [النمل: ۲] گویا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جیسے موقع پر حضرت علیؓ کی غیبوبیت کو مستبعد جانا، خصوصاً جب کہ آنحضرت ﷺ یہ اعلان بھی فرما چکے تھے: ''**لأعطين هذه الراية**......''۔ مزید برآں یہ کہ سارے کے سارے لوگ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے آن موجود تھے۔ **هو** کو **يشتكي عينيه** پر مقدم کرنا، پھر عدم حضور کا اظہار کرنا یہ اسلوب تاکید کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ (**أرسلوا**): سین کے کسرہ کے ساتھ۔ (**فبصق**): ایک روایت میں یہ الفاظ: **فلما جاء بصق** ہیں۔ (**في عينيه**): ایک روایت میں ہے کہ: **فدعا له**۔ (**فبرأ**): راء کے فتحہ کے ساتھ، کبھی کسرہ بھی پڑھ دیا جاتا ہے۔ **أقاتلهم**: ہمزہ مقدرہ کے ساتھ، یا بغیر ہمزہ کے دونوں طرح درست ہے۔

یہاں ایک جملہ محذوف ہے وہ یہ ہے کہ: **وهي فان أبو عنه فاطلب الجزية۔ فان أبوا فقاتلهم حتى يسلموا حنيفة أو حكما** ۔ یا اس کا مطلب ہے۔ **ينقادوا**۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے اس قول: **أقاتلهم حتى يكونوا مثلنا** کو مستحسن سمجھا اور ان کی اس نیت کو بھی قابل تعریف قرار دیا، کہ وہ بھی ہماری مثل ہدایت یافتہ ہو کر اعلاء دین کریں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ان کی نیت کے موافق عمل پر ابھارتے ہوئے ارشاد فرمایا: (**فو الله**...... **النعيم**) اس سے مراد سرخ اونٹ ہیں، چونکہ عرب کے ہاں سب سے اعلیٰ وعمدہ چوپایہ سرخ اونٹوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ حتی کہ کسی شئی کے قیمتی ہونے کو بیان کرنے کے لئے سرخ اونٹ کو ضرب المثل کے طور پر پیش کرتے ہیں، چونکہ (جیسا کہ اوپر گزرا) کہ ان کے ہاں اس سے زیادہ بڑی کوئی چیز نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: امور آخرت کو دنیاوی سامان سے تشبیہ، تقریب الی الأفہام کے لئے ہے، وگرنہ تو حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں سے بہت تھوڑا سا حصہ، وساری کی ساری دنیا بلکہ کئی دنیاؤں سے بہت ہے۔ میں کہتا ہوں: **فو الله**......، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی جو راہ نمائی فرمائی تھی، کہ کفار کو اپنے اسلام کی دعوت دیں، تو اسی کی تاکید کے لئے آپ ﷺ نے آگے کے جملے قسم کھا کر ارشاد فرمائے: اس پر تاکید راہنمائی کی وجہ یہ احساس تھا کہ جنگ وقتال کی صورت میں اگرچہ مالِ غنیمت مثلاً اعلیٰ وعمدہ اونٹ اور چوپائے وغیرہ حاصل ہیں، لیکن اگر کفار کو نرمی وبردباری کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ دعوت کی اکثر بارآور ہو جاتی ہے اور مخالفین اسلام کی بڑی تعداد جنگ وجدل کے بغیر مسلمان ہو جاتی ہے، جو اسلام کا اصل منشاء ومقصد ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ کتاب النکاح کو کتاب الیسر والخراج سے مقدم ذکر کرنے کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک

مؤمن کو وجود بخشنا، ہزار کفار کو معدوم کرنے سے بہتر ہے۔ **حمر**: حاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ أحمر کی جمع ہے اور حمُر، میم کے ضمہ کے ساتھ حمار کی جمع ہے۔

نعم: نون اور عین کے فتحہ کے ساتھ (عین مکسور بھی پڑھا جاتا ہے، بحوالہ قاموس) بمعنی اونٹ، بکری یا صرف اونٹ۔ **(نِعم)**: نون کے کسرہ کے ساتھ نعمة کی جمع ہے۔ **(متفق علیه)**

طبرانی نے ابورافع سے مرفوعاً یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "**لأن یهدی الله علی یدیك رجلا خیر لك بما طلعت علیه الشمس**"۔ یعنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ: آنحضرت ﷺ کی اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس اس قدر مال ہو اور وہ اس کو صدقہ کردے، تو اس سے بھی بہتر ہے۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الریاض میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی مسلم شریف کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: "**قال: قال رسول الله ﷺ یوم خیبر: لأعطین هذه الرایة رجلا یحب الله ورسوله یفتح الله علیه، وقال عمر: فما أحببت الامارة [الا یومئذ] فتشارفت۔ فدعا رسول الله ﷺ علیا فأعطاه ایاها وقال: امش ولا تلتفت۔ فسار علی شیئا ثم وقف ولم یلتفت۔ فصرخ: یا رسول الله علی ما أقاتل فقال رسول الله ﷺ: قاتلهم حتی یشهدوا أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله فاذا فعلوا ذلك فقد منعوا دماءهم وأموالهم الا بحقها۔ وحسابهم علی الله عز وجل**"۔ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جھنڈا میں ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا۔ اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن کے علاوہ کبھی بھی امارت کی آرزو نہیں کی، حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں یہ امید لئے آپؐ کے سامنے رہا کہ آپ ﷺ مجھے اس کام کے لئے بلالیں۔ راوی کہتے ہیں، کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا، تو آپؐ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو عطا فرمایا، اور آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور کسی طرف توجہ نہ کرو، یہاں تک کہ اللہ تجھے (تیرے ہاتھوں) فتح عطا فرمائے۔ راوی کہتے ہیں، کہ پھر حضرتؓ کچھ چلے اور پھر ٹھہر گئے اور کسی طرف توجہ نہیں کی، پھر چیخ کر بولے: اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بات پر قتال کروں؟ آپؐ نے فرمایا: تم ان لوگوں سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دیں۔ تو جب وہ لوگ اس بات کی گواہی دے دیں، تو انہوں نے اپنا خون اور مال تم سے محفوظ کرلیا۔

② سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ: "**قال: کان علی قد تخلف عن رسول الله ﷺ فی خیبر وکان به رمد فقال: أنا أتخلف عن رسول الله ﷺ فخرج علی فلحق بالنبی ﷺ۔ فلما کانت اللیلة التی فتحها الله فی صباحها قال رسول الله ﷺ: لأعطین الرایة، أولیأخذن الرایة غداً رجل یحبه الله ورسوله، أو قال: یحب الله ورسوله یفتح الله علیه۔ فاذا نحن بعلی وما نرجوه۔ فقال:**

هذا علي فأعطاه رسول الله ﷺ ففتح الله عليه"۔ حضرت علیؓ غزوہ خیبر میں نبی کریم ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے، کیوں کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، پھر حضرت علیؓ فرمانے لگے کہ کیا میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہوں؟ پھر حضرت علیؓ نکلے اور جا کر نبی کریم ﷺ سے مل گئے، تو جب اس رات کی شام ہوئی کہ جس کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کل یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دونگا، یا یہ جھنڈا کل وہ آدمی لے گا، کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں، یا آپؐ نے فرمایا: وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو۔ اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا پھر اچانک ہم نے حضرت علیؓ کو دیکھا اور ہمیں اس کی امید نہیں تھی کہ یہ جھنڈا حضرت علی کو عطا کیا جائے گا، تو لوگوں نے عرض کیا: یہ حضرت علی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر فتح عطا فرما دی۔

۳ امام احمدؒ مناقب میں حضرت بریدہؓ سے نقل کرتے ہیں، فرمایا: "حاصرنا خيبر فأخذ اللواء أبو بكر فانصرف ولم يفتح له ثم أخذ عمر من الغد فخرج ولم يفتح له وأصاب الناس يومئذ شدة۔ فقال رسول الله ﷺ: اني دافع غدًا الى رجل يحبه الله ورسوله ويحب الله ورسوله لا يرجع حتى يفتح عليه فبتنا طيبة أنفسنا أن الفتح غداً، فلما أصبح ﷺ قام قائما فدعا باللواء والناس على مصافهم، فدعا عليا وهو أرمد فنفل في عينه ودفع اللواء اليه ففتح له۔ قال بريدة: وأنا ممن تطول لها"۔ ہم نے خیبر کا محاصرہ کیا، جھنڈا ابو بکر نے تھام لیا، پس وہ لوٹ آئے انہیں فتح حاصل نہ ہوئی، پھر اگلے دن حضرت عمر فاروقؓ نے جھنڈا تھام لیا، چنانچہ وہ نکلے، انہیں بھی فتح حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت لوگ سختی میں تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کل میں یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا۔ وہ فتح یاب ہونے تک واپس نہیں لوٹے گا، چنانچہ ہم نے وہ رات دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے گزاری کہ کل فتح ہو جائے گی، چنانچہ اگلی صبح رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور جھنڈا منگوایا، لوگ اپنی صفوں میں تھے، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا، تو ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور جھنڈا ان کے سپرد فرما دیا، چنانچہ حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہوئی۔ حضرت بریدہ فرماتے ہیں میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو اس جھنڈے کے طلبگار تھے۔

۴ سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ راوی ہیں انہوں نے فرمایا: "بعث رسول الله ﷺ أبا بكر الصديق برايته وكانت بيضاء الى بعض حصون خيبر فقاتل ورجع ولم يكن فتح وقد جهد، ثم بعث عمر بن الخطاب فقاتل ولم يكن فتح وقد جهد، فقال رسول الله ﷺ: لأعطين الراية غداً رجلا يحب الله ورسوله يفتح الله على يديه ليس بفرار۔ فدعا رسول الله ﷺ عليا وهو أرمد فتفل في عينيه ثم قال: خذ هذه الراية فامض حتى يفتح الله عليك۔ قال سلمة: فخرج والله بها يهرول هرولة وأنا خلفه نتبع أثره حتى ركز رايته في رضم من حجارة تحت الحصن۔ فاطلع اليه يهودي من رأس الحصن فقال: من أنت؟ قال: أن علي بن أبي طالب۔ قال اليهودي: علوتم وما أنزل على موسى أو كما قال۔ فما رجع حتى فتح الله

علی یدیہ"۔

رسول اللہ ﷺ فاعطا فیھا: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نگاہیں اٹھا اٹھا کر جھنڈے کی طرف دیکھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے وہ جھنڈا مجھے عنایت فرما دیا۔

وذکر حدیث البراء ...... :ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں؛ اس حدیث کا تعلق چونکہ حضانۃ سے تھا لہٰذا اسے وہاں ذکر کر دیا گیا۔ البتہ وہ حدیث حضرت علی، جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر مشتمل ہے۔

الفصل الثانی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مؤمن کے ولی ہیں

۶۰۹۰: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجہ الترمذی فی السنن ۵/۰ ۹۰ حدیث رقم ۳۷۱۲ و احمد فی المسند ۴/۴۳۷

ترجمہ: "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میں علی سے ہوں نیز وہ علی تمام ایمان والوں کے دوست و مددگار ہیں"۔ (ترمذی)

تشریح: (...... منہ): یعنی نسب و نسل میں، مسابقت میں، محبت وغیرہ میں بھی محض قرابت ہی نہیں وگرنہ تو قرابت کی فضیلت تو اوروں کو بھی حاصل تھی۔ (وھو ولی کل مؤمن): ابن الملکؒ نے ولی کے تین معنی بیان کئے: (۱) حبیب (۲) مددگار (۳) ذمہ دار

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿انما ولیکم اللہ رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ ویؤتون الزکاۃ وھم راکعون﴾ [المائدۃ: ۵۵]

صاحب کشاف فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ اعتراض درست نہیں کہ اس سے مراد حضرت علیؓ کیسے ہو سکتے ہیں چونکہ صیغہ جات جمع کے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے یہ اسلوبِ کلام ترغیب کے لئے اختیار فرمایا کہ لوگ ان اعمال سے متصف ہوں تا کہ انہیں بھی یہ ثواب حاصل ہو سکے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے برّ و احسان پر اس قدر حرص مؤمن کی جبلت میں ہونی چاہئے۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں: وھم راکعون کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں تخشع اختیار کرنے والے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ یؤتون سے حالِ مخصوص ہے۔ عبارت کی تقدیر یوں ہوگی کہ: یؤتون الزکاۃ فی حال رکوعھم فی الصلاۃ حرصا علی الاحسان وما رعۃ الیہ۔ یہ آیت کریمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک سائل نے سوال کیا، حضرت علیؓ نے اسی حالت میں اپنی انگوٹھی اتار کر اس شخص کی طرف ڈال دی، انتھی۔ یہ حدیث ابن جریر، ابن

ابی حاتم اور ابن مردویہ نے مختلف الفاظ سے نقل کی ہے قاضیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے اہل تشیع نے حضرت علیؓ کی امامت پر استدلال کیا ہے۔ ان لوگوں کا زعم ہے کہ یہاں ''ولی'' سے مراد امور کا متولی، اور امور میں تصرف کا حق رکھنے والا مراد ہے۔

بظاہر مراد یہ ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے کفار سے موالاۃ پر نہی وارد فرمائی تو ساتھ ہی اس بات کا ذکر بھی فرمایا، کہ دوستی کن لوگوں سے ہو؟ **هو ولي كل مؤمن** فرمایا نہ کہ **اولياء كم** تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ **اصالةً و لايةً** اللہ ہی کے لئے ہے۔ نبی اور مومنوں کو ولایت بالتبع ہے۔ مزید یہ ہے کہ جمع کو واحد پر محمول کرنا بھی خلافِ ظاہر ہے۔ سید معین الدین صفویؒ فرماتے ہیں: اس آیت کا ماقبل بیانگِ دہل یہ اعلان کر رہا ہے، کہ یہاں ولایت سے مراد **تولي الأمور** اور **استحقاق للتصرف** نہیں ہے جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمع کا صیغہ **مبادرت الى الصدقه**، کی ترغیب کیلئے ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی صدقہ کرنے میں جلدی کرے گا۔ وہ اس آیت کریمہ کا مصداق ہوگا۔ لہٰذا اس آیت سے حضرت علیؓ کی امامت کے مسئلہ پر استدلال درست نہیں۔ انتہیٰ

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ: عموم لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس کا اولین مصداق تو حضرت علیؓ ہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ معاملہ حقیقت کے اعتبار سے ان میں محصور ہے۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الریاض میں عمران بن حصینؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا، جس کا امیر حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا۔ پس وہ (حضرت علیؓ) ایک چھوٹا لشکر لے کر روانہ ہو گئے، اور مال غنیمت میں سے ایک باندی لے لی، لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری، اور چار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باہم عہد کیا، کہ نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہونے پر انہیں بتائیں گے، کہ جو کچھ حضرت علیؓ نے کیا ہے، مسلمانوں کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس لوٹتے تو پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے سلام عرض کرتے، اور اس کے بعد اپنے گھر جاتے تھے، چنانچہ جب یہ لشکر سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا تو ان چار آدمیوں میں سے ایک کھڑا ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے قصہ بیان کیا۔ اور عرض کیا کہ دیکھئے حضرت علیؓ نے یہ کیا کیا؟ آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا، پھر دوسرا کھڑا ہوا، اور اس نے بھی وہی کچھ کہا، جو پہلے نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منہ پھیر لیا، تیسرے کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا جب چوتھے نے اپنی بات پوری کی، تو نبی اکرم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار نمایاں تھے، اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ''علی سے تم کیا چاہتے ہو؟ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، اور وہ میرے بعد ہر مؤمن کے ولی ہیں''۔ امام ترمذیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

② احمدؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''**فأقبل رسول الله ﷺ على الاربع وقد تغير وجهه فقال: دعوا عليا، علي مني وأنا منه وهو ولي كل مؤمن من بعدي**''۔ رسول اللہ ﷺ ان چار افراد کی طرف متوجہ ہوئے آنحضرت ﷺ کا

رخ زیبا متغیر ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''علی کو چھوڑ دو، علی مجھ سے ہے، اور میں اس (علی) میں سے ہوں، علی میرے بعد ہر مسلمان کے 'ولی' ہیں''۔

۳۔ اس حدیث کا ایک طریق حضرت بریدہ سے ہے۔

۴۔ اس حدیث کی اصل بخاری شریف میں مروی ہے۔

۵۔ امام احمدؒ مناقب میں ابورافع سے نقل کرتے ہیں، فرمایا: ''لما قتل علی اصحاب الأولوية يوم قال جبريل: يا رسول الله ان هذه (لهی) الواساة، فقال له النبی ﷺ: انه منی وأنا منه۔ فقال جبريل: وأنا منكما يا رسول الله''۔ جنگ احد کے دن جب اصحاب اُولویت مقتول ہو گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: یارسول اللہ! بلاشبہ یہی مواسات ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا: یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ یہ سن کر جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اور یارسول اللہ میں آپ دونوں سے ہوں۔

۶۰۹۱: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

(رواه احمد والترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۵۹۱ حديث رقم ۳۷۱۳ و احمد فی المسند ۳۶۸

ترجمہ: ''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جس کا دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں''۔ (رواہ احمد والترمذی)

تشریح:

۱۔ ''من كنت أمولاه فعلی مولاه۔ من الولی ضد العدو أی من كنت أحبه فعلی يحبه''۔ مولا: ولی سے مشتق ہے، عدو کا متضاد ہے۔ یعنی میں جس سے محبت کرتا ہوں' علی بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ من يتولانی فعلی يتولاد۔

صاحب النہایہ نے المولی کے بہت سے معانی بیان کئے ہیں: (۱) رب (۲) مالک (۳) سید (۴) منعم (۵) معتق (۶) ناصر (۷) محبّ (۸) تابع (۹) پڑوسی، (۱۰) چچازاد، (۱۱) حلیف (۱۲) عقید (۱۳) صہر (۱۴) عبد، (۱۵) معتق، (۱۶) منعم علیہ۔ احادیث میں ان معانی میں سے اکثر معنی استعمال ہوئے ہیں، موقع محل کے مناسبت سے ہر جگہ مختلف معنی مراد ہیں۔ مندرجہ بالا اکثر معانی من كنت مولاه کی وضاحت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد ولاء السلام ہے۔ یعنی وہ معنی مراد ہیں جو اس آیت میں مراد ہیں: ﴿ذلك بان...... لهم﴾ [محمد:۱۱]، نیز حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے یہ جو فرمایا تھا کہ: أصبحت مولی كل مؤمن أی: والی كل مؤمن۔

اس کا شان ورود یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ: لست مولالی انما مولای رسول الله ﷺ: فقال ﷺ: من كنت مولاه فعلی مولاه''۔ آپ میرے مولیٰ نہیں ہیں، میرے مولیٰ رسول اللہ ﷺ ہیں، تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: میں جس کا مولیٰ ہوں، علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔

قاضی کی شرح المصابیح میں یہ بات مذکور ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ متصرف ہیں۔ مزید یہ کہ حدیث بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو بھی ان معاملات میں تصرف کا پورا پورا حق ہے، جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تصرف کا حق حاصل ہے۔ من جملہ ان کے مؤمنین کے امور بھی ہیں، لہٰذا حضرت علیؓ ان کے امام بھی ٹھہرے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ولایت سے مراد امامت (یعنی مسلمانوں کے امور میں حق تصرف) لینا درست نہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں مستقل متصرف تو حضور ﷺ ہی ہیں، لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ یہاں ولاء کو محبت اور ولایت اسلام وغیرہ کے معنی پر محمول کیا جائے۔

اس حدیث کا شان ورود حافظ شمس الدین الجزریؒ ابن اسحاق سے یہ نقل کرتے ہیں کہ: حضرت علیؓ نے یمن میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے کچھ کہا، جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حج سے فارغ ہوئے تو خطبہ میں حضرت علیؓ کی قدر و منزلت پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی۔ اور ان کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں کی تردید فرمائی، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، اور اس کا سبب جیسا کہ ذہبی نے روایت کیا ہے، اور صحیح بھی قرار دیا ہے وہ یوں ہے: **أنه خرج معه الى اليمن، فرأى منه جفوة نقضه للنبى ﷺ فجعل يتغير وجهه عليه السلام ويقول: يا بريدة! ألست أولى بالمؤمنين من أنفسهم؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: من كنت مولاه فعلى مولاه۔**

تخریج: (رواه الترمذى)۔ الجامع میں ہے کہ: یہ روایت امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت براء سے، حضرت بریدہ سے امام احمد، امام ترمذی اور امام نسائی نے، اور زید بن ارقم سے ضیاء نے نقل کی ہے۔

مصنفؒ کا یہ کہنا کہ: ''زید بن ارقم کی اس روایت کو امام ترمذی اور امام احمدؒ نے نقل کیا ہے''۔ تسامح سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو جامع کی مذکورہ بالا تصریح)

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① احمدؒ، نسائی، اور حاکم کی حضرت بریدہؓ سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ''**من كنت وليه فعلى وليه**۔

② محاملی نے اپنی اَمالی میں ابن عباسؓ سے یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی ہے: ''**على ابن ابى طالب مولى من كنت مولاه**۔

اسنادی حیثیت: قصہ مختصر! یہ حدیث بلا شبہ بالکل صحیح ہے۔ بلکہ بعض حفاظ نے تو اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔ احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث تیس (۳۰) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سنی ہے۔ اور صحابہ نے اس کی گواہی دی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انکے ایام خلافت میں منازعہ کیا گیا۔ اس کی مزید تحقیق فصل ثالث میں حضرت براء کی حدیث کے تحت آئے گی۔

حضور ﷺ کا فرمان کہ میرا پیغام علی رضی اللہ عنہ پہنچا سکتے ہیں

۶۰۹۲ :وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ ۔ (رواه الترمذی ورواه احمد عن ابی جنادة)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٩٣ حديث رقم ٣٧١٦ وابن ماجه ٤٤/١ حديث رقم ١١٩ و احمد في المسند ١٦٤/٤۔

ترجمہ: ''حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں' میری طرف سے (نبذ عہد کی ذمہ داری) کوئی ادا نہ کرے سوائے میرے اور علی کے (ترمذی اور احمدؒ نے اس روایت کو ''ابو جنادہ'' سے نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله :علي مني وأنا من علي :اس پر کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

الا انا اوعلي: بظاہر یوں کہنا چاہئے تھا: لا يؤدى عني الا علي، لیکن علي مني وأنا منه کے معنی میں اتصال کی تاکید کے لئے أنا کو ذکر فرمایا ہے۔

تخریج: (رواه الترمذي): الجامع میں مذکور تحقیق کے موافق اس حدیث کو احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی حبشی سے نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ نے یہ حدیث أبي جناده سے روایت کی ہے۔ ممکن ہے کہ احمد کی ۲ روایتیں ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھائی ہیں

۶۰۹۳ :وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اٰخٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ فَقَالَ اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٥٩٥ حديث رقم ٣٧٢٠۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (آپ ﷺ کے پاس) اس حال میں آئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے اور صحابہؓ کے درمیان تو مواخات کا رشتہ قائم فرمادیا لیکن کسی سے میرا مواخات رشتہ قائم نہیں فرمایا (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے (ان سے) ارشاد فرمایا: تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے''۔

تشریح: آخي: ہمزہ کے مد کے ساتھ۔ (بين اصحابه): یعنی دو دو افراد کے درمیان، جیسا کہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان کے درمیان۔ (فقال): ایک روایت میں ہے کہ: یا رسول اللہ۔ (آخيت...... ولم تؤاخ): ہمزہ کے ساتھ

اس ہمزہ کو واؤ سے بدل کر پڑھنا بھی درست ہے۔

مناقب میں احمد، عمر ابن عبد الله عن ابیه عن جده کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ: نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے لوگوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا اور حضرت علیؓ کو یونہی رہنے دیا۔حتی کہ وہ آخر میں تن تنہا رہ گئے، لیکن ان کا کسی کے ساتھ بھائی چارہ مقرر نہ فرمایا۔حضرت علیؓ نے آنحضرت سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے لوگوں کے درمیان تو بھائی چارہ قائم فرمادیا، اور مجھے چھوڑ دیا۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ نہیں دیکھتے کہ تمہیں میں نے اپنے لئے چھوڑا ہے تم میرے بھائی ہو، میں تمہارا بھائی ہوں۔اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا: أنا عبد الله وأخو رسوله لايد عيها بعد الا كذاب۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندے تھے

۶۰۹۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيْرٌ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ائْتِنِيْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِيَ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهُ عَلِيٌّ فَاَكَلَ مَعَهُ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۵۹۵ حديث رقم ۳۷۲۱

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے (بھنا یا پکا ہوا) پرندہ رکھا ہوا تھا' آپ ﷺ نے (دعا کرتے ہوئے) فرمایا ''اے اللہ! تیری مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے''۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ (بھنا ہوا پرندہ) تناول کیا۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ''غریب'' ہے۔''

تشریح: ...... طیر: اور ایک روایت میں ہے کہ: أهدت امرأة من الانصار الى رسول الله ﷺ طبرين بين رغيفين فقدمت اليه۔ (فقال...... اليك): اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: والى رسولك۔ (ياكل): رفع کے ساتھ ہے۔اور ایک نسخہ میں جزم کے ساتھ ہے۔

اسنادی حیثیت: (معی...... غریب): سند کے اعتبار سے غریب ہے یا باعتبار متن غریب ہے اور ممکن ہے کہ ہر دو اعتبار سے غریب ہو۔ابن جوزیؒ کا کہنا تو یہ ہے کہ: یہ حدیث ''موضوع'' ہے۔لیکن امام حاکمؒ کا فرمانا ہے، کہ یہ موضوع نہیں ہے۔مختصر میں مذکور ہے کہ: یہ روایت تو بہت سے طرق سے منقول ہے مگر وہ سارے طرق ضعیف ہیں۔

تخریج: الریاض میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمدؒ نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بحمد اللہ ہم حضرت علیؓ کے فضلؓ، قدم فی الاسلام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق قرابت، حضورؐ کے ساتھ مواُخات، سے ناواقف نہیں ہیں۔اور حضرت علیؓ کی محبت کے مسئلہ میں اقوی دلائل کو لیتے ہیں، ہم اس جیسی روایت کو لے کر تحریف الغالین، تاویل الجاہلین اور انتحال المبطلین کے لئے دروازہ نہیں کھولنا چاہتے۔

یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس کی محافظت بھی ضروری ہے اور دفاع بھی۔لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس مسئلہ میں ہم حق کی مدد و نصرت

کریں اور سچائی کو پیش کریں، یہ حدیث وہ ہے کہ جس میں حضرت علی کے مبتدعین تدلیس سے کام لیتے ہیں۔ اسی حدیث کو لیتے ہوئے خلافت صدیق میں طعن کرتے ہیں، حالانکہ اسلام میں اس امت کا پہلا مجمع علیہ فیصلہ ہی یہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دین کا مضبوط ترین ستون بھی ابوبکر صدیق ہی ہیں۔

اس حدیث میں مختلف توجیہات ذکر کی گئی ہیں:

① فضیلت شیخین کی روایات صحیح ہیں اور یہ حدیث صحت کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں، لہٰذا یہ روایت معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ کی عبارت: **هذا الحديث لا يقاوم ما أوجب تقديم ابى بكر والقول بخيريته من الأخبار الصحاح منضما اليها اجماع الصحابة لمكان سنده، فان فيه لأهل النقل مقالا۔**

② یہ روایت اجماع صحابہ کے خلاف ہے، مزید یہ کہ اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ بھی اس اجماع صحابہ میں شریک ہیں اور وہ اس پر عمر بھی قائم رہے اور ان سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **ولا يجوز حمل أمثاله على ما يخالف الاجماع، لاسيما والصحابى الذى يرويه ممن دخل فى هذا الاجماع واستقام عليه مدة عمره، ولم ينقل عنه خلافه۔ فلو يثبت عنه هذا الحديث فالسبيل أن يؤول على وجه لا ينقض عليه ما اعتقده، ولا يخالف ما هو أصح منه متنا واسنادا** اور بالفرض یہ حدیث حضرت انسؓ سے ثابت ہو تو اس میں ایسی تاویل کرنا ضروری ہے جو اعتقاد مسلمین کے خلاف بھی نہ ہو اور اس حدیث سے زیادہ صحیح روایت کے مخالف بھی نہ ہو۔ چنانچہ اس میں دو تاویلیں کی گئی ہیں۔

① **ائتنى بمن هو من احب خلقك اليك، مثل قولهم فلان اعقل الناس وافضلهم اى: من اعقلهم وافضلهم۔**

② **ائتنى باحب خلقك اليك من بنى عمى......** نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلق کلام بھی فرمایا کرتے تھے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ مقید مراد ہوتا تھا، اور یوں بھی ہوتا کہ کلام میں تعمیم ہوتی تھی مگر تخصیص مراد ہوتی تھی، اصحاب فہم وبصیرت قرینۂ حالیہ، وقت کی نزاکت اور معاملہ کی نوعیت کے اعتبار سے ایسی چیزیں کماحقہ سمجھ لیتے تھے۔

۶۰۹۵: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِذَا كُنْتُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَانِيْ وَاِذَا سَكَتُّ ابْتَدَأَنِيْ۔

(رواه الترمذى وقال هذ حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذى فى السنن ۵/۵۹۵ حديث رقم ۳۷۲۲

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی چیز کا سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیتے اور جب میں (سوال کرنے سے) خاموش رہتا (یعنی مانگنے سے حجاب برتتا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم از خود عطا فرما دیتے تھے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: اس جملہ کا ایک مطلب تو وہ ہے جو مذکورہ بالا ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ: اگر کوئی بات پوچھی ہوتی تھی، تو جواب ارشاد فرما دیتے تھے۔ (واذا سكت ابتدأني): یعنی جب میں خاموش رہتا تو مجھ سے آغاز تکلم

فرماتے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسن ادب میں سے ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔اس تفویض امر پر عطائے اولیٰ نصیب ہوتا ہے کہ جس کا منشاء تعظیم ہو۔اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "من شغله ذكري عن مسألتي اعطيته أفضل ما أعطي السائلين"۔

ابن سعدؒ، حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں: "أنه قيل له: مالك اكثر أصحاب رسول الله ﷺ قال: اني كنت اذا سألته آتاني واذا سكت ابتدأني"۔

عرض مرتب:

سیاق وسباق اس حدیث کے اس مفہوم کو متعین کر دیتا ہے، جو ہم نے ترجمہ کے ذیل میں اختیار کیا۔

علی رضی اللہ عنہ دار الحکمت کے دروازہ ہیں

۶۰۹۶: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب وقال روى بعضهم هذا الحديث عن شريك ولم يذكروا فيه عن الصنابحي ولا نعرف هذا الحديث عن احد من الثقات غير شريك)

أخرجه الترمذي في السنن ۵۹۶/۵ حديث رقم ۳۷۲۳

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں اور علی اس گھر کا دروازہ ہیں" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ "بعض راویوں نے اس حدیث کو شریک تابعیؒ سے نقل کیا ہے لیکن ان کی اس حدیث کی اسناد میں صنابحیؒ کا ذکر نہیں ہے (جیسا کہ اور روایتوں کے سلسلہ اسناد میں اس نام کا ذکر آتا ہے) نیز اس روایت کو ثقات میں سے شریکؒ کے علاوہ اور کسی سے ہم نہیں جانتے۔"

تشریح: (قال...... الحكمة): ایک روایت میں ہے کہ: أنا مدينة العلم "میں علم کا شہر ہوں"۔ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: أنا دار العلم۔ "میں علم کا گھر ہوں"۔ (وعلي بابها): یعنی علم کے دروازے میں سے ایک دروازہ ہیں۔ایک اور روایت میں ان الفاظ: فمن ارادا لعلم فليأته من بابه۔ "جو شخص تحصیل علم کی آرزو رکھتا ہو اس کو اس دروازے سے آنا چاہئے" کا اضافہ ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خصوصی طور پر ذکر کرنا ان کی فضیلت وتکریم کو ظاہر کرتا ہے۔اور واقع میں حضرت علیؓ ایسا رتبہ رکھتے تھے۔چونکہ حضرت علیؓ بعض صحابہ کی بہ نسبت زیادہ علم وفضیلت رکھتے تھے۔صحابہ کرام بمنزلہ علم کے دروازوں کے تھے۔چنانچہ اس کی تائید اس فرمان نبوی سے ہوتی ہے: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "أصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم"۔ "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔ علاوہ ازیں یہ بات محقق ہے کہ تابعینؒ نے مختلف علوم شرعیہ جیسے قراۃ، تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ تن تنہا حضرت علیؓ سے اخذ نہیں

کئے بلکہ تمام صحابہؓ سے اَخذ کئے۔ لہٰذا اس کے علاوہ چارہ کار نہیں کہ ''بابیت'' کو تنہا حضرت علیؓ کے حق میں منحصر نہ رکھا جائے۔ ہاں البتہ بابِ قضا میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ چنانچہ ان کے حق میں وارد ہے کہ: انه اقضاکم (علی تم سب سے بڑے قاضی ہیں)۔ جیسا کہ حضرت اُبی کے حق میں فرمایا: انه اقرأکم (ابی تم سب سے بڑے قاری ہیں) اور حضرت زید بن ثابتؓ کے حق میں فرمایا: انه أفرضکم (زید تم سب سے بڑے علم الفرائض کو جاننے والے ہیں) اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے حق میں فرمایا: انه اعلمکم بالحلال والحرام (معاذ بن جبل تم میں حلال وحرام کا علم سب سے زیادہ رکھنے والے ہیں)۔ مزید برآں الریاض میں مروی حضرت معقل بن یسارؓ کی یہ حدیث بھی حضرت علیؓ کی علمی جلالت شان کو نمایاں کرتی ہے: قال: وضأت رسول الله ﷺ فقال: هل لك في فاطمة (تعودها) فقلت: نعم۔ فقام متوكئا علي۔ فقال انه سيحمل ثقلها غيرك ويكون أجرها لك''۔ قال: فكأنه لم يكن علي شئ حتى دخلنا على فاطمة فقلنا: كيف تجدينك؟ قالت: لقد اشتدحزني واشتدت فاقتي وطال سقمي۔ قال عبد الله بن أحمد بن حنبل: وجدت بخط أبي في هذا الحديث قال: او ما ترضين أن زوجك أقدمهم سلما، وأكثرهم علما، وأعظمهم حلما۔ اخرجه أحمد۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کروایا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا خیال ہے ہم فاطمہ کی عیادت نہ کر آئیں؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام میرا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: عنقریب اس کا بوجھ تیرے علاوہ کوئی اور اٹھائے گا، اور اس کا اجر تجھے ملے گا''۔ احمدؒ مناقب میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: لوگوں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: علیؓ کیسے آدمی ہیں؟ تو جواب دیا: كان قد ملئى جوفه حكما وعلما وبأسا ونجدة مع قرابته من رسول الله ﷺ۔

سعید ابن المسیب سے مروی ہے کہ: ''عمر كان يتعوذ من معضلة ليس لها أبو حسن'' یہ روایت بھی امام احمدؒ نے ذکر کی ہے۔

(شريك): غیر، مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک نسخہ میں مجرور ہے، اَحد سے بدل ہونے کی وجہ سے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں ''غير شريك'' کے بجائے عن شريك کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

اسنادی حیثیت: یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ: ''أنا مدينة العلم وعلى بابها'' اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں مناقب کے باب میں ابن عباسؓ سے نقل کرنے کے بعد صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (۲) ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: كم خلق افتضحوا فيه۔ (۳) یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ابوحاتمؒ اور یحییٰ بن سعید نے یوں ہی فرمایا ہے۔ (۴) دارقطنیؒ کی رائے یہ ہے کہ: یہ حدیث ثابت ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: یہ حدیث منکر ہے۔ اور یوں ہی امام بخاریؒ نے فرمایا ہے، کہ اس حدیث کا کوئی بھی طریق صحیح نہیں۔ ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (۵) ابن دقیق العید کا کہنا ہے کہ: محدثین اس حدیث کو ثابت نہیں مانتے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: یہ باطل ہے۔ تاہم حافظ ابوسعید العلائیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث باعتبار طرق کے حسن ہے۔ نہ صحیح ہے نہ ضعیف، چہ جائیکہ اسے موضوع قرار دیا جائے۔ (ذکرہ الزرکشی)

حافظ عسقلانیؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ حدیث حسن ہے، نہ کہ صحیح۔ جیسا کہ حاکمؒ نے فرمایا۔ اور

نہ یہ موضوع ہے جیسا کہ ابن جوزیؒ نے فرمایا۔امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: موضوعات پر تعقبات کے ذیل میں علائیؒ اور عسقلانیؒ کے کلام کو میں نے بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فردوس کی ایک روایت میں ہے کہ:''أنا مدینه العلم وأبو بکر أساسها وعمر حیطانها وعثمان سقفها وعلي بابها''۔یعنی: میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس شہر کے بنیادیں ہیں، عمر اس شہر کی فصیل ہیں، عثمان اس شہر کی چھت ہیں، اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔بعض لوگوں نے اس کا بڑا عجیب جواب دیا: عليٌّ فعیل کے وزن پر ہے، علو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔علي بابها، یہ جملہ اللہ جل شانہ کے اس قول کی قبیل سے ہے: صراط علي مستقیم کہ علی کو تنوین اور رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے جیسا کہ یعقوب کی قرأت میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرگوشی

۶۰۹۷ : وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا يَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاهُ فَقَالَ النَّاسُ لَقَدْ طَالَ نَجْوَاهُ مَعَ ابْنِ عَمِّهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاانْتَجَيْتُهٗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ انْتَجَاهُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۹۷/۵ حدیث رقم ۳۷۲۶

ترجمہ: ''حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ طائف کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کرنے لگے (یعنی ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی خاص مسئلہ پر ان کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں اور جب ان باتوں کا سلسلہ کچھ دراز ہو گیا) تو (منافقین نے یا صحابہؓ میں سے عام) لوگوں نے کہا: اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی دیر تک سرگوشی کی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنا تو) فرمایا: علی کے ساتھ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی ہے''۔(ترمذی)

تشریح: فانتجاه: از باب افتعال، نجوی سے مشتق ہے۔(لکن): مشدد و مخفف دونوں پڑھا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا کہ بعض باتیں علی تک چپکے چپکے پہنچاؤں، اس لئے حکم الٰہی کی تعمیل میں میں نے ان کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کی ہیں، لہٰذا اس صورت میں گویا اللہ نے ان سے سرگوشی کی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ اللہ جل شانہ کے اس قول کی نظیر ہے:﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج﴾ [الانفال : ۱۷]

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ اسرار الٰہیہ اور امور غیبیہ تھے۔

ممکن ہے کہ مذکورہ بالا سرگوشی اسی آیت کریمہ:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً﴾ [المجادلة: ۱۲] ''مومنو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) خیرات دے دیا کرو۔یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور پاکیزگی کی بات ہے۔اور اگر خیرات تم کو میسر نہ ہو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے'' کے نزول کے بعد کی ہو۔اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ امر ندب کے لئے ہے یا وجوب کے لئے۔لیکن اتنی بات یقینی ہے یہ حکم منسوخ ہے اور

ناسخ یہ آیت ہے: ﴿أ أشفقتم...... ﴾۔ یہ آیت اگر چہ از روئے تلاوت اس (منسوخ) کے ساتھ ملی ہوئی ہے مگر نزولاً متصل نہیں ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:"ان فی کتاب اللہ آیة ما عمل بھا أحد غیری کان لی دینار فصرفته، فکنت اذا ناجیته تصدقت بدرھم"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور خصوصیت

۶۰۹۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ یَا عَلِیُّ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ یُجْنِبُ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَغَیْرَکَ قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْمُنْذِرِ فَقُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ مَا مَعْنٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ یَسْتَطْرِقُہٗ جُنُبًا غَیْرِیْ وَغَیْرُکَ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۹۷/۵ حدیث رقم ۳۷۲۷

ترجمہ: ''حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے ارشاد فرمایا تھا: اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ جنابت (یعنی ناپاکی) کی حالت میں مسجد میں داخل ہو'' علی بن منذر کا بیان ہے کہ میں نے ضرار ابن صردؓ سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا (اس کے معنی یہ ہیں کہ) میرے اور تمہارے سوا کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ جنابت (یعنی ناپاکی) کی حالت میں مسجد کو گزرگاہ بنائے اور اس کے اندر آئے جائے۔ اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (لیکن جزریؒ کا کہنا یہ ہے کہ متفقہ طور پر تمام محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے)''۔

تشریح: (...... یجنب): یاء کے ضمہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر یجنب فاعل ہے، لا یحل کا اور (فی ھذا المسجد) یجنب کے لئے ظرف ہے۔ اس پر اشکال وارد ہوتا ہے، اسی وجہ سے ضرار بن صرد نے اسے أحد کی صفت قرار دیا ہے۔ (غیری وغیرك): منصوب علی الاستثناء ہے۔ بہت سے نسخوں میں اس کو رفع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بظاہر کوئی اور وجہ رفع نہیں کہ اسے مبتداء محذوف کی خبر مان لیا جائے اور تقدیری عبارت یوں ہوگی: ھو غیری وغیرك۔ (قال...... المنذر): مؤلفؒ فرماتے ہیں: یہ کوفی ہیں اور ''طریقی'' معروف ہیں۔ ابن عیینہ اور ولید بن مسلم سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں امام ترمذیؒ، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔ ابن ابی حاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں' میں نے ان سے سماع کیا ہے۔ یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں: ''یہ کٹر شیعہ تھا البتہ ثقہ تھا اور ۲۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی''۔ (فقلت لضرار): ضاد معجمہ کے کسرہ کے ساتھ۔ (صرد): صاد مہملہ کے ضمہ، راء کے فتحہ اور دال کی تنوین کے ساتھ، ان کی کنیت ابونعیم الکوفی الطحان ہے۔ معمر بن سلیمان وغیرہ سے سماع کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں علی بن المنذر بھی ہیں۔ (ما معنی...... وغیرك): قاضیؒ شرح میں فرماتے ہیں: لا یحل لأحد یستطرقه جنبا غیری وغیرك۔ یہ مفہوم اسی وقت درست قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ ''یجنب'' کو ''لأحد'' کی صفت بنیاد

جائے اور جار کا متعلق محذوف ہو۔ اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی: لا یحل لاحد تصیبه الجنابة یمر فی [هذا] المسجد غیری و غیرك۔ اور ان دونوں حضرات کے گھروں کے دروازوں کا راستہ مسجد سے ہو کر گزرتا ہو۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "هذا المسجد" کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس خصوصی حکم کا تعلق صرف اسی مسجد سے ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کا دروازہ اور حضرت علیؓ کی رہائش گاہ کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ اس کی تائید فصل ثالث کی ابن عباس کی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت علیؓ کے علاوہ دیگر حضرات کے دروازے بند کرنے کا حکم ہے۔

اس مسئلہ سے متعلقہ بحث فصل ثالث میں "امر سد الأبواب الا باب علی" کے ذیل میں عنقریب آرہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی محبت کا اظہار

۶۰۹۹: وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِمْ عَلِيٌّ قَالَتْ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِىْ حَتّٰى تُرِيَنِىْ عَلِيًّا۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۰۱/۵ حدیث رقم ۳۷۳۷

ترجمہ: "حضرت اُم عطیہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی جنگی مہم پر) ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اُم عطیہؓ فرماتی ہیں کہ اس موقعہ پر (جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو الوداع کر رہے تھے یا لشکر کی واپسی کا دن قریب تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا! "الٰہی مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علی کا دیدار (عافیت وسلامتی کے ساتھ واپس لا کر) مجھ کو نہ کرا دے"۔ (ترمذی)

تشریح: (عطیة...... لا تمتنی): تاء مضارع کے ضمہ، اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔ (حتی ترینی): تاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ۔ حضرت علیؓ کی وفات پر حضرت حسنؓ نے فرمایا: "تم سے ایک ایسا آدمی رخصت ہو گیا کہ اس کے علم کو اولین پہنچ نہ پائے، اور نہ آخرین پہنچ پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس شان سے "سریہ" میں روانہ فرماتے تھے، کہ دائیں جبرائیل، اور بائیں میکائیلؑ ہوا کرتے تھے، بغیر فتح مندی کے واپس نہیں لوٹتے تھے"۔ (اخرجہ احمد)

الفصل الثالث:

۶۱۰۰: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يُبْغِضُهٗ مُؤْمِنٌ۔ (رواه احمد والترمذی وقال هذا حدیث غریب اسنادا)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۹٤/۵ حدیث رقم ۳۷۱۷ و احمد فی المسند ۲۹۲/۶۔

ترجمہ: "حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق علیؓ کو دوست

نہیں رکھتا اور (کامل) مومن علی رضی اللہ عنہ سے بغض اور دشمنی نہیں رکھتا۔ اس روایت کو احمدؒ و ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث باعتبار اسناد کے غریب ہے"۔

تشریح: (رواہ...... اسنادا): اس روایت کے مؤیدات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنا گویا (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنا ہے

۶۱۰۱: وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِيْ۔ (رواه احمد)

أخرجه احمد في المسند ٦/٣٢٣

ترجمہ: "حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (نسب ونسل کے اعتبار سے) علی رضی اللہ عنہ کو گالی دے (یعنی برا بھلا کہا اس نے حقیقت میں مجھے گالی دی۔ (یعنی مجھے برا بھلا کہا)"۔ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں بدگوئی اور فحش کلامی کرنا گویا میری شان میں بدگوئی اور فحش کلامی ہے۔ پس حدیث کا مقتضاء یہ ہے کہ: جو شخص حضرت علیؓ کی شان میں بدگوئی کرے، اس کو کافر قرار دینا چاہئے یا یہ کہا جائے کہ یہ حدیث دراصل تہدید و وعید پر محمول ہے' یا یہ کہ بدگوئی کرنے والے کو کافر اس صورت میں قرار دیا جائے گا جب کہ وہ ان کی شان میں بدگوئی کو حلال سمجھے۔ واللہ اعلم

تخریج: اس روایت کو حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ نیز طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ: "من سبّ اصحابي فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين"۔ 'جس نے میرے صحابہ کی شان میں بدگوئی کی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو'۔ اور طبرانیؒ ہی نے حضرت علیؓ سے یوں نقل کیا ہے، کہ "من سبّ الانبياء قتل، ومن سبّ اصحابي جلد"۔ انبیاء کی شان میں بدگوئی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے، اور میرے صحابہ کی شان میں بدگوئی کرنے والے کو کوڑے لگائے جائیں۔

الریاض میں حضرت عمرو بن شاش الاسلمی سے جو اصحاب حدیبیہ میں سے ہیں، مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت علیؓ کے ہمراہ بسوئے یمن سفر میں نکلا' حضرت علیؓ نے دوران سفر میرے ساتھ بے مروتی کا سلوک کیا۔ چنانچہ مجھے غصہ آیا۔ جب میں مدینہ واپس لوٹا، تو میں نے مسجد میں ان کی شکایت کا اظہار کیا۔ ہوتے ہوتے یہ بات صحابہ کرامؓ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو نگاہوں سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ يقول: حدد الي النظر، مجھے گھور کے دیکھا حتی کہ جب میں بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يا عمرو! والله لقد آذيتني، اے عمر! اللہ کی قسم تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، آپ کو تکلیف پہنچانے سے۔

فرمایا: "بلى، من آذى عليا فقد آذاني"۔

اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام

دے کر حضرت علیؓ کی طرف بھیجا: أنت سید فی الدنیا، سید فی الآخرۃ، من احبک فقد احبنی، وحبیبک حبیبی، وحبیبی حبیب اللہ، وعدوک عدوی وعدوی عدو اللہ، الویل لمن أبغضک۔ ''تو دنیا میں سردار ہے آخرت میں سردار ہے، جس شخص نے تجھ سے محبت رکھی، اس نے مجھ سے محبت رکھی، اور تیرا دوست میرا دوست، اور میرا دوست اللہ کا دوست، اور تیرا دشمن میرا دشمن، اور میرا دشمن اللہ کا دشمن، ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو تجھ سے بغض رکھے''۔

اس روایت کو امام احمدؒ نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت میں مروی ہے فرماتے ہیں: ''لقد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من سبّ علیا فقد سبنی ومن سبنی فقد سبّ اللہ ومن سب اللہ عز وجل أکبه اللہ علی منخرہ''۔ ''اللہ کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے علی کو برا بھلا کہا، اس نے درحقیقت مجھ کو برا بھلا کہا، اور جس نے مجھ کو برا بھلا کہا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہا اور جس شخص نے اللہ عز وجل کو برا بھلا کہا، اللہ ناک کے بل اسے اوندھا گرائے گا''۔ یہ روایت ابو عبد اللہ الجلائیؒ نے نقل کی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''من سب علیا فقد سبنی''۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت عروہ بن الزبیر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے بارے میں کچھ کہا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو کہا: ''کیا تم اس صاحب قبر کو جانتے ہو؟ یہ صاحبِ قبر محمد بن عبد اللہ بن [عبد] المطلب ہیں۔ علی کا تذکرہ خیر کے علاوہ مت کرنا۔ چونکہ اگر تم ان کی تنقیص کرو گے، تو ان صاحب قبر کو اذیت پہنچاؤ گے۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے مناقب میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''ایک دن لوگوں نے حضرت علیؓ کی شکایت کی، تو آنحضرت ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: میں نے سنا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''یا أیها الناس لا تشکو علیا، فو اللہ انه لأحسن فی ذات اللہ، او قال: فی سبیل اللہ''۔ ''اے لوگو! علی کی شکایت مت کرو، اللہ کی قسم! وہ اللہ کے معاملہ میں بہت اچھا ہے، یا یہ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں''۔ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص بات میں مشابہت

۶۱۰۲ : وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْكَ مَثَلٌ مِّنْ عِيْسٰى اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَانِيْ عَلٰى اَنْ يَّبْهَتَنِيْ۔ (رواه احمد)

أخرجه الحمد فی المسند ۱ / ۱۶۰

ترجمہ: ''حضرت علیؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''تم میں عیسیٰ علیہ السلام سے ایک طرح کی مشابہت ہے یہودیوں نے ان (عیسیٰ) سے اس قدر بغض وعناد رکھا کہ ان کی والدہ (مریم) پر (زنا کی) تہمت لگائی اور عیسائیوں نے ان سے اس قدر محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ ومقام پر پہنچا دیا جس کے وہ حق دار نہیں

ہیں (یعنی ان کو ''اللہ'' یا ''ابن اللہ'' کہنے لگے)''(یہ حدیث بیان کرنے) کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا (مجھے یقین ہے کہ اس ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح میرے بارے میں بھی) دو شخص یعنی دو گروہ اس طرح ہلاک (یعنی گمراہ) ہوں گے کہ ان میں سے ایک تو جو مجھ سے محبت رکھنے والا ہوگا اور اس محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا' مجھ کو ان اوصاف کا حامل قرار دے گا جن کا میں حق دار نہیں ہوں اور ایک جو مجھ سے بغض وعناد رکھنے والا ہوگا' میری دشمنی سے مغلوب ہو کر مجھ پر تہمت لگائے گا''۔ (احمد)

تشریح: (أبغضه اليهود): یعنی بغض میں تفریط سے کام لیا۔ (حتى بهتوا أمه): بهتوا، باب منع سے ہے، بمعنی ان کئے کام کا الزام لگانا۔ انہوں نے ان کی ماں مریم پر زنا کا بہتان باندھا۔ (و أحبته النصارٰى): انہوں نے بھی محبت میں تفریط سے کام لیا۔ (حتى ...... له): باوجود یہ کہ خود ان میں بھی اس رتبہ میں اختلاف تھا۔ (ثم قال): روایت کا اگلا حصہ ''موقوف'' ہے۔ (يهلك في): یعنی میرے بارے میں گمراہی کا شکار ہوں گے۔ (رجلان): ایک گروہ ''رافضی'' اور دوسرا گروہ ''خارجی'' ہے۔ (محب مفرط): میم کے ضمہ اور فاء کے سکون کے ساتھ، محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ (يقرظني): راء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی يمدحني۔ (بما لس في): یعنی مجھے تمام صحابہ پر فضیلت دے گا، یا انبیاء پر فضیلت دے گا یا مقام الوہیت پر فائز قرار دے گا، جیسے ''نصیریہ'' فرقہ نے کیا۔ (و مبغض): بغض کے ساتھ مفرط کی قید نہیں لگائی چونکہ بغض تو اصلاً بھی ممنوع ہے۔ بخلاف محبت کے، کہ محبت اصلاً ممدوح ہے۔ (شنآني): (شین کے فتحہ کے ساتھ نون پر فتحہ اور سکون دونوں درست ہیں، یہ لفظ بغیر ہمزہ کے بھی حکایت کیا گیا ہے) بمعنی عداوت۔ (على ان يبهتني): یعنی مجھ پر بہتان لگائے گا، اور مجھے جھوٹا اور عاصی قرار دے گا۔ (رواه احمد): امام احمدؒ نے یہ روایت اپنی مسند میں ذکر کی ہے۔

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: ليحبني اقوام حتى يدخلوا النار في حبي، ويبغضني اقوام حتى يدخلوا النار في بغضي۔ ''کچھ گروہ مجھ سے محبت رکھیں گے، یہاں تک کہ میری محبت (میں غلو) کے سبب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور کچھ گروہ مجھ سے دشمنی رکھیں گے یہاں تک کہ میری دشمنی کے سبب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے''۔ یہ روایت امام احمد نے مناقب میں ذکر فرمائی ہے۔ سدی سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: اللهم العن كل مبغض لنا و كل محب لنا غال۔ ''یا اللہ! ہم سے دشمنی رکھنے والے پر لعنت کر اور ہمارے غالی محبت کرنے والے پر بھی لعنت کر''۔ یہ روایت بھی امام احمدؒ نے مناقب میں نقل کی ہے۔

واقعہ غدیر خم

۶۱۰۳: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّيْ اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهٗ عُمَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهٗ هَنِيْئًا يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ

وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ۔ (رواہ احمد)

أخرجه الترمذي في ٥٩١/٥ حديث رقم ٣٧١٣ وابن ماجه في السنن ٤٣/١ حديث رقم ١١٦ و احمد في المسند ٢٨٠/٤

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب غدیر خم میں وقوف کیا تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ کو جمع کیا اور جیسا کہ ایک روایت میں ہے اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنا کر اس پر کھڑے ہوئے اور پھر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: ''(اے میرے اصحاب!) کیا تم نہیں جانتے کہ اہل ایمان پر میں ان کی جانوں سے سے زیادہ حق رکھتا ہوں؟ سب نے عرض کیا: جی ہاں' اس کے بعد آپ ﷺ نے یوں فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں ہر مومن پر اس کی جان سے زیادہ حقدار ہوں صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں' تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جس شخص کا میں دوست ہوں علی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے تو اس کو اپنا دوست بنا اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اسے اپنا دشمن قرار دے'' (اس واقعہ کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو ان سے کہنے لگے: اے ابن ابی طالب! مبارک ہو تم تو صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی ہر مومن مرد و عورت کے دوست بن گئے۔ (یعنی ہر آن و ہر لحہ ہر مومن مرد و عورت کے دوست و محبوب ہو)۔

تشریح: غدیر خم: کی تحقیق حدیث: ۶۱۴۰ کے تحت ملاحظہ فرمایئے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

واحب من أحبه وأبغض من أبغضه وانصر من نصره واخذل من خذله وأدر الحق معه حيث دار۔

اے اللہ! تو اس شخص کو محبوب رکھ جو علی کو محبوب رکھے اور اس شخص سے بغض رکھ جو علی سے بغض رکھے، اور اس شخص کی مدد کر جو علی کی مدد کرے، اور اس شخص کو رسوا کر جو علی کو رسوا کرے اور حق کو علی کے ساتھ پھیر دے، کہ جدھر علی پھرے ادھر ہی حق پھرے''۔

عرض مرتب: تفصیل قبل ازیں گزر چکی۔

خاتونِ جنت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح

۶۱۰۴: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَطَبَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ ثُمَّ خَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائي في السنن ٦٢/٦ حديث رقم ٣٢٢١

ترجمہ: ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ وہ چھوٹی (کم سن) ہے پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہؓ سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا''۔ (نسائی)

31

باب علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام ابواب (دروازوں کو) بند کرنے کا حکم

۶۱۰۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِسَدِّ الْاَ بْوَابِ اِلَّا بَا بَ عَلِيٍّ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۹۹/۵ حديث رقم ۳۷۳۲ و احمد فی المسند ۱۷۵/۱

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد نبوی کے اندر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے سوا سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

تشریح: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

(...... **الأبواب**): یعنی مسجد نبوی میں کھلنے والے دروازے۔ (**في المسجد الا باب علي**): اس وجہ سے دربار نبوت سے مندرجہ ذیل فرمان جاری ہوا: **لا يحل لأحد في هذا المسجد غيري وغيرك**۔ اس حدیث اور مناقب ابوبکر کے باب کی حدیث میں ''حضرت ابوبکرؓ کے دریچے کے علاوہ اور صحابہؓ کے گھروں کے ان دریچوں کو بند کر دینے کے حکم'' کوئی تضاد نہیں، چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلقہ حکم کے بارے میں خود حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حکم اپنے زمانۂ مرض الموت میں دیا تھا' جب کہ حدیثِ باب میں حضرت علیؓ سے متعلق میں کوئی صراحت نہیں ہے' لہٰذا حدیث باب کو اس پر محمول کیا جائے گا، کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پہلے صادر فرمایا تھا' اس توجیہ سے علماء کے اس قول کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس حکم کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلقہ حدیث، حدیثِ باب سے زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے، چونکہ وہ حدیث ''متفق علیہ'' ہے، اور جب کہ اس حدیث کے بارے میں مؤلف کا کہنا ہے کہ ''غریب'' ہے۔ (**رواه مسلم**): یعنی یہ حدیث غریب ہے' خواہ متن وسند کے اعتبار سے ''غریب'' ہو یا معنی ومفہوم کے اعتبار سے۔ لیکن اس حدیث کو امام احمدؒ اور ضیاء نے حضرت زید بن ارقمؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**انی امرت بسدّ هذه الابواب غير باب علي**''۔ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ علی کے دروازے کے علاوہ اور سب دروازے بند کرا دوں''۔ الریاض میں احمد کی حضرت زید بن ارقمؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں: **كان لنفر من اصحاب رسول الله ﷺ أبواب شارعة في المسجد قال: فقال: يوما سدوا هذه الأبواب الا باب علي قال: فتكلم فيه ناس۔ فقام رسول الله ﷺ، فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: أما بعد فاني أمرت بسد هذه الابواب غير باب علي، فقال فيه قائلكم۔ واني والله ما سددت شيئا ولا فتحته ولكن أمرت بشيء فاتبعته۔** بعض صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دروازوں کو بند کرو، سوائے علی کے دروازے کے، فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے اس سلسلہ میں بات چیت کی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے' اللہ کی حمد وثناء بیان کی، اور پھر فرمایا: امابعد! میں نے یہ حکم دیا کہ علی کے علاوہ باقی لوگوں کے دروازے بند کروا دو۔ اس بارے میں تمہارے ایک کہنے والے نے کہا، اور میں اللہ کی قسم نہ کسی چیز کو بند کرتا ہوں اور نہ کھولتا

ہوں، لیکن مجھے کسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے تو اس کی اتباع کرتا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: لقد أوتی علی بن أبی طالب ثلاث خصال، لأن یکون لی واحدة منهن أحب الی من حمر النعم، زوجه [رسول الله] ﷺ ابنته وولدت له، وسد الأبواب الا بابه فی المسجد واعطاه الرایة یوم خیبر۔ ''اللہ کی قسم! حضرت علی مرتضیٰ کو تین خصلتیں ایسی ملی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی مل جاتی، تو میرے نزدیک تمام دنیا سے بھی زیادہ محبوب ہوتی: (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا نکاح اپنی بیٹی سے کیا، اور پھر ان سے اولاد بھی ہوئی، مسجد میں کھلنے والے دروازے بند کر دیئے سوائے علی کے دروازے کے، اور غزوۂ خیبر میں ان کو جھنڈا عنایت فرمایا''۔ یہ حدیث امام احمدؒ نے نقل کی ہے۔ عبداللہ بن شریک عن عبداللہ بن ارقم الکنانی سے روایت ہے کہ فرمایا: ''خرجنا الی المدینة زمن الجمل فلقینا سعد بن مالك فقال: أمر رسول الله ﷺ بسد الأبواب الشارعة فی السمجد وترك باب علی''۔ جنگ جمل کے زمانہ میں ہم مدینہ کی طرف نکلے، ہماری ملاقات سعد بن مالک سے ہوئی انہوں نے کہا؛ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے دروازوں کے بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازہ کو بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ حدیث بھی امام احمدؒ نے نقل کی ہے۔

سعدیؒ فرماتے ہیں: عبداللہ بن شریک ''کذاب'' ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن شریک غالی شیعہ تھا''۔ مذکورہ بالا حدیث ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی منقول ہے، مگر یہ حدیث ''صحیح'' نہیں ہے۔ صحیح حدیث وہی ہے جو صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا یبقی باب فی المسجد الاسد الا باب أبی بکر''۔ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے، سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے''۔

حضرت علیؓ سے متعلقہ حدیث بھی اگر ''صحیح'' ہو تو ان دونوں حدیثوں کو الگ الگ حالات پر محمول کیا جائے گا، تاکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے۔ واللہ اعلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی معاملہ

۶۱۰۶: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ لِيْ مَنْزِلَةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَكُنْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْخَلَائِقِ اٰتِيْهِ بِاَعْلٰى سَحَرٍ فَاَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاِنْ تَنَحْنَحَ انْصَرَفْتُ اِلٰى اَهْلِيْ وَاِلَّا دَخَلْتُ عَلَيْهِ۔ (رواہ النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۱۲/۳ حدیث رقم ۱۲۱۳ و احمد فی المسند ۸۵/۱

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں مجھ کو ایسی قدر و منزلت حاصل تھی جو مخلوق میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی' میں آپ ﷺ کے پاس صبح سویرے (بالکل اندھیرے منہ) پہنچ جاتا تھا (پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر طلب اجازت کے لئے) کہتا: السلام علیک یا نبی اللہ! (اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو!) اگر آپ ﷺ (میرا سلام سن کر) کھنکھار دیتے تو میں (یہ سمجھ کر اس وقت آپ ﷺ مشغول ہیں یا کوئی شرعی یا عرفی رکاوٹ

ایسی ہے جس کے سبب مجھ کو اندر نہیں جانا چاہئے) اپنے گھر واپس چلا آتا اور اگر آپ ﷺ نہ کھنکھارتے تو میں (بے تکلف) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا''۔ (نسائی)

تشریح: منزلة: مراد ''قرب'' ہے۔ لم تكن لاحد من الخلائق: اس جملہ میں کس قدر مبالغہ ہے، کہ ''صحابہ'' کی جگہ ''جمیع خلائق'' کی تعبیر اختیار فرمائی، حالانکہ جمیع خلائق ان گنت ہے۔ (آتیہ): (مد کے ساتھ) جملہ مستانفہ ہے۔ منزلت کا ''بیان'' ہے۔ (بأعلى سحر): یعنی سحری کے اول اول وقت۔ صاحب کشاف کا کہنا ہے کہ اس سے رات کا آخری چھٹا حصہ مراد ہے۔ (والا ان لم يتنخنح): (یعنی بالکل اندھیرے منہ) شرط محذوف ہے۔

حضور ﷺ کی دُعا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شفایاب ہو جانا

۶۱۰۷: وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَغْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَآءً فَصَبِّرْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَا قَالَ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اَوِ اشْفِهٖ شَكَّ الرَّاوِيْ قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجْعِيْ بَعْدُ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٢٣/٥ حديث رقم ٣٥٦٤ و احمد فی المسند ١٠٧/١

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) میں سخت بیمار ہو گیا اور (حسن اتفاق سے) رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے (اس وقت) گزر ہوا جب میں (مرض کی شدت سے بے تاب ہو کر بآواز بلند) یہ دعا مانگ رہا تھا: اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ پہنچا تو مجھ کو (موت دے کر مرض کی اذیت سے نجات اور ابدی) سکون عطا فرما اور اگر ابھی وقت نہیں آیا ہے تو (صحت بحال کر کے) مجھ کو صحت وتندرستی عطا فرما اور اگر یہ بیماری امتحان وآزمائش ہے تو مجھے صبر وبرداشت کی قوت عطا فرما (تاکہ میں بے تابی وبے قراری کا اظہار نہ کروں) رسول اللہ ﷺ نے (مجھے یوں دعا مانگتے سنا تو) فرمایا کہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے؟ انہوں نے وہ الفاظ آپ ﷺ کے سامنے دہرائے جو (دعا مانگتے وقت کہے تھے)۔ آپ ﷺ نے (دعا کے الفاظ سننے کے بعد) اپنے پاؤں سے علی رضی اللہ عنہ کو مارا اور پھر یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اس (علی رضی اللہ عنہ) کو عافیت عطا فرما'' یا یہ فرمایا کہ اس کو شفا عطا فرما''۔ یہ راوی کا شک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اس دعا کے بعد پھر میں اس بیماری میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔

تشریح: اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شاکیا: ''شاکی'' بمعنی [مریض] یہ گزر کہیں جاتے ہوئے اتفاقاً ہوا، یا عیادت کی خاطر ہی تشریف آوری ہوئی تھی۔

فارفغنی: (فاء کے فتحہ اور غین معجمہ کے سکون کے ساتھ) صحت بحال کر کے مجھ کو راحت وکشادگی عطا فرما، چونکہ تیری عطا کردہ عافیت کا دامن نہایت وسیع ہے۔ ایک صحیح نسخہ میں (غین معجمہ کے بجائے) عین مہملہ ہے۔

پہلی لغت کی تائید النہایہ میں موجود حضرت علیؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: أرفغ لكم [آل عمران: ٥٥] [لمعاش]۔

أرفغ بمعنی ''اوسع'' ہے۔عیش رافغ: واسع۔ یہ تحقیق امام طیبیؒ نے ذکر فرمائی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''أرفغنی'' باب افعال سے ہے۔ واللہ اعلم بالحال۔قاموس میں ہے کہ: الرفغ: السعة والخصب (وسعت وخوش حالی)۔الصحاح میں مزید فرماتے ہیں کہ: عرب کہتے ہیں: رفغ عیشه رفاغة، بمعنی اتسع، عیش رافغ ورفیغ بمعنی واسع طیب۔ ترفغ الرجل بمعنی توسع فی رفاغته، من العیش۔امام میرکؒ فرماتے ہیں: بظاہر یوں لگتا ہے کہ رفغ فعل لازم ہے،لہٰذا امام طیبیؒ کا حدیث کی شرح میں ''وسع لی عیشی'' فرمانا خالی از تاویل نہیں۔میں کہتا ہوں: ان کی اس سے مراد (تاویل) حذف وایصال ہے۔

مزید یہ فرمایا کہ: ہمارے سماع صحیح میں یہ لفظ ''فأرفعنی'' ہے،عین مہملہ کے ساتھ،رفع سے مشتق ہے۔ یہ معنی بالکل واضح ہے۔اس مقام پر یہی معنی مراد لینا ''انسب'' ہے۔جیسا کہ متأمل پر مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس مقام پر ٹھیک ٹھیک تأمل کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معنی مراد لینا مطلوب کے مناسب نہیں، چونکہ ''رفع'' بمعنی ''قبض ''متعدی ہے۔اسی قبیل سے اللہ جل شانہ کا یہ قول بھی ہے۔﴿رافعك الی﴾۔ہاں البتہ اگر روایت صحیح ہوتو تقدیری عبارت نکالی جاسکتی ہے کہ فارفع، ای المرض عنی۔ (وان کان): کا عطف پہلے والے ''ان کان'' پر ہے،فتأمل اور ضمیر ''المرض'' کی طرف عائد ہے۔ (بلاء): یعنی میرے نصیب میں لکھی ہوئی قضا کا موجب ہے۔ (فصبرنی): (باء موحدہ کے کسرہ کے ساتھ) یعنی مجھے بیماری پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرما، بیماری ہر جزع فزع کرنے والوں میں سے مت بنا۔ اس جملہ میں درحقیقت اس فرمانِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے:﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ......﴾ [النحل: ۱۲۷] ''اور صبر ہی کرو اور تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیشی کرتے ہیں اس سے تنگ دِل نہ ہونا''۔

(فضربه برجله): تاکہ وہ اس معاملہ میں اپنی غفلت پر متنبہ ہو جائیں۔حرف شکایت لبوں پر لانے سے باز رہیں،اور آنحضرت ﷺ کے پائے مبارک کے ضرب کی برکت سے بہرہ ور ہوں،اور آنجناب ﷺ کی قدم بقدم،کمال متابعت ان کو حاصل ہو۔(وقال اللهم عافه): ھائے ضمیر کے ساتھ،ایک نسخہ میں ھائے سکتہ ہے۔نیز یہی اختلاف نسخ:(أواشفه) میں بھی ہے۔(شك الراوی): یہ جملہ بعد کے کسی راوی کا ہے:(ا) آنحضرت ﷺ کے اس ارشادگرامی میں حضرت علیؓ اور ان جیسے دوسرے حضرات کو تنبیہ ہے کہ مریض کو بیماری میں یہ دعا مانگنی چاہئے:اللهم عافنی، اشفنی۔اے اللہ مجھ کو عافیت عطا فرما۔ اے اللہ مجھ کو شفاء عطا فرما۔(۲) دعا میں تردید کا پہلو نہیں ہونا چاہئے۔چونکہ اللہ تعالیٰ پر جبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ایک صحیح روایت میں حضرت علیؓ کا ایک شعر مروی ہے جس کا ایک مصرع یہ ہے:

أنا الذی سمّتنی أمی حیدرة

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔

حیدرة شیر کا نام ہے۔آپؓ کی والدہ فاطمہ نے آپؓ کا نام اپنے والد کے نام پر حیدر رکھا۔جب أبو طالب گھر واپس لوٹے تو انہیں یہ نام پسند نہ آیا۔اور تبدیل کر کے ان کا نام ''علی'' رکھا۔

سہل بن سعدؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: آلِ مروان کا ایک شخص مدینہ کا گورنر مقرر ہوا۔ راوی کہتے ہیں گورنر نے سہل بن سعد کو طلب کیا۔ جب سہل اس گورنر کے ہاں پہنچے، تو اس نے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے کا حکم دیا، سہل نے اس سے انکار کر دیا۔ وہ گورنر کہنے لگا: حضرت علیؓ کو بُرا بھلا نہیں کہتے، تو نہ کہو۔ یہ کہہ کر اس نے فوراً کہا: لعن الله أبا تراب۔ یہ جملہ سن کر سہل نے کہا: حضرت علیؓ کو ابوتراب سے زیادہ پسندیدہ کوئی نام نہیں تھا۔ انہیں جب اس نام سے پکارا جاتا، تو وہ خوش ہوتے۔ گورنر نے ان سے کہا: یہ کیا قصہ ہے؟ ان کا نام ابوتراب کیسے پڑا؟ سہل نے کہا: یہ کنیت اس طرح پڑی کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت علیؓ کو گھر میں نہ پایا۔ پوچھا: تیرا چچیرا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: میرے اور ان کے درمیان کچھ اَن بن ہوگئی تھی۔ وہ مجھ سے ناراض ہوکر غصہ میں گھر سے چلے گئے ہیں، آج تو انہوں نے میرے ہاں قیلولہ بھی نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جا کر دیکھیں، علی کہاں ہیں؟ حضرت انسؓ نے بتایا: یارسول اللہ! وہ تو مسجد میں سوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فوراً مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ حضرت علیؓ محوِ خواب ہیں ان کی چادر کندھے سے کھسک کر الگ ہوئی پڑی ہے اور پہلو گرد آلود ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے جسم کے اوپر سے مٹی صاف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے: اٹھو، اے ابوتراب! اٹھو اے ابوتراب! یہ روایت شیخین نے نقل کی ہے۔

الریاض میں ابوسعید تیمی سے مروی ہے فرمایا: ہم بچے تھے، اپنے کندھے پر کپڑا ڈال کر بازار میں بیچا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اچانک سامنے سے حضرت علیؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ہم کہنے لگے: بزرك اشكم: حضرت علیؓ نے پوچھا: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ عظیم البطن ہیں، یہ سن کر فرمانے لگے: ہاں اس کے اوپر کے دھڑ میں علم اور نیچے کے دھڑ میں طعام ہے۔

ابوضحاک ابولبید سے روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، کہ انہوں نے اپنے سر سے عمامہ ہٹایا تو ان کا سر میری ہتھیلی کی طرح تھا، سر پر انگلیوں کی لکیروں کی طرح بال تھے۔ (اخرجه ابن الضحاك)

ابوضحاک کی قیس بن عباد سے مروی روایت میں ہے کہتے ہیں: میں طلب علم کے لئے مدینہ آیا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے جسم پر دو چادریں ہیں، اور اس کی دو مینڈھیاں ہیں اور حضرت عمرؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہنے لگے: حضرت علیؓ۔ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں، چونکہ ممکن ہے کہ بال سر کے درمیانی حصہ سے ہٹ گئے ہوں۔ اور اطراف میں لٹکتے ہوئے بالوں کی دو مینڈھیاں بنالی ہوں۔

ابواب کی جو ترتیب چلی آرہی تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان چاروں بزرگوں کے مناقب بیان کرنے کے لئے ایک مستقل باب قائم فرماتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا، ممکن ہے کہ یہاں ان ابواب میں مقصود یہ ہو کہ صرف ان صحابہ کے مناقب ذکر کئے جائیں جن کا ذکر عشرہ مبشرہ کے ضمن میں آئے گا۔

فصل ثانی میں حضرت علیؓ کی روایت عنقریب آرہی ہے جو صرف اور صرف ان چاروں حضرات کے مناقب پر مشتمل ہے۔

عرضِ مرتب:

خلاصہ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب:

کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں:

یہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؓ ہیں ان کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے قریشی ہیں۔ اکثر اقوال کے اعتبار سے مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اس وقت ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہوا ہے کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ۱۵ سال تھی بعض نے کہا ۱۶ سال تھی اور بعض نے آٹھ سال اور بعض نے دس سال بیان کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے سوائے غزوہ تبوک کے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور اسی سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تمہیں میری جانب سے وہی حیثیت حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھی یہ گندم گوں تھے اور کھلا ہوا گیہوں کا رنگ تھا آنکھیں بڑی بڑی تھیں لمبائی کے اعتبار سے کوتاہ قامتی کی طرف زیادہ مائل تھے، پیٹ بڑا تھا، زیادہ بال والے چوڑی داڑھی والے تھے سر کے بال وسط سے اڑے ہوئے تھے سر اور داڑھی مبارک دونوں سفید تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن جمعہ کا روز تھا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ بنائے گئے اور عبدالرحمان بن ملجم مرادی نے کوفہ میں ۱۸ رمضان المبارک کو جمعہ کی صبح آپؓ پر تلوار سے حملہ کیا تھا زخمی ہونے کے تین رات بعد انتقال فرما گئے آپ رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی۔ صبح کے وقت آپ کو دفن کیا گیا آپ کی عمر ۶۳ سال تھی بعض نے کہا ۶۵ سال۔ بعض نے ستر اور بعض نے اٹھاون سال بتلائی ہے آپ کی مدت خلافت چار سال نو ماہ کچھ دن ہے۔ آپ سے آپ کے صاحبزادے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محمد رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ:

فرقہ خوارج کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طاقت استعمال کی جو تاریخ میں جنگ نہروان کے نام سے مشہور ہے جس کے نتیجے میں ان میں سے اکثر کا خاتمہ ہو گیا کچھ باقی رہ گئے ان باقی رہ جانے والوں میں سے تین شخص برک بن عبداللہ، عمرو بن ابی تیمی اور عبدالرحمان بن ملجم مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے انہوں نے صورت حال پر تبادلہ خیال کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سارا فتنہ ان لوگوں کی وجہ سے ہے، جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے ان کو کسی طرح ختم کر دیا جائے اس سلسلہ میں انہوں نے تین حضرات کو متعین طور پر نامزد کیا۔ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ برک نے کہا کہ معاویہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ عمرو تیمی نے کہا کہ عمرو بن العاص کو ختم کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عبدالرحمان بن ملجم نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں پھر انہوں نے آپس میں اس پر عہد و پیمان کیا اور اس کے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ہم میں سے ہر ایک ۱۷ رمضان المبارک کو جب کہ یہ لوگ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے نکل رہے ہوں حملہ کر کے اپنا کام

کریں گے اس دور میں نماز کی امامت خلیفہ وقت یا ان کے مقرر کیے ہوئے امیر ہی کراتے تھے۔

اپنے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق برک ابن عبداللہ حضرت امیر معاویہؓ کے دارالحکومت دمشق روانہ ہوگیا اور عمرو تمیمی مصر کی طرف روانہ ہوگیا' جہاں کے امیر وحاکم حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور عبدالرحمان بن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دارالحکومت کوفہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

۱۷ رمضان المبارک کی صبح فجر کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت معاویہؓ تشریف لے جارہے تھے برک نے تلوار سے حملہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کچھ محسوس ہوگیا اور انہوں نے دوڑ کر اپنے کو بچانا چاہا پھر بھی برک کی تلوار سے ان کی ایک سرین پر گہرا زخم آگیا برک کو گرفتار کرلیا گیا (اور بعد میں قتل کردیا گیا) زخم کے علاج کے لئے طبیب کو بلایا گیا اس نے زخم دیکھ کر کہا کہ جس تلوار کا زخم ہے اس کو زہر میں بجھایا گیا ہے اس کے علاج کی ایک ہی صورت ہے کہ گرم لوہے سے زخم کو داغ دیا جائے اس طرح امید ہے کہ زہر سارے جسم میں سرایت نہیں کرسکے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی دوا تیار کر کے پلاؤں جس کا اثر یہ ہوگا کہ اس کے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہوسکے گی حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ گرم لوہے کے داغ کو تو میں برداشت نہ کرسکوں گا اس لئے مجھے وہ دوا تیار کر کے پلا دی جائے میرے لئے دو بیٹے یزید اور عبداللہ کافی ہیں۔ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت معاویہ صحت یاب ہوگئے۔

عمرو تمیمی اپنے پروگرام کے مطابق حضرت عمرو بن العاصؓ کو ختم کرنے کے لئے مصر پہنچ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ۱۷ رمضان کی رات میں حضرت عمرو بن العاص کو ایسی شدید تکلیف ہوگئی کہ وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں نہیں آسکے تھے انہوں نے ایک دوسرے صاحب خارجہ بن حبیب کو نماز پڑھانے کا حکم دیا چنانچہ وہ آئے اور نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر کھڑے ہوئے تو عمرو تمیمی نے ان کو عمرو بن العاص سمجھ کر تلوار سے وار کیا وہ وہیں شہید ہوگئے۔ عمرو گرفتار کرلیا گیا لوگ اس کو پکڑ کر مصر کے امیر وحاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس لے گئے اس نے دیکھا کہ لوگ ان کو امیر کے لفظ سے مخاطب کر رہے ہیں اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ مصر کے امیر وحاکم حضرت عمرو بن العاصؓ ہیں اس نے کہا میں نے جس شخص کو قتل کیا وہ کون تھا؟ بتلایا گیا وہ خارجہ بن حبیب تھے اس بدبخت نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کر کے کہا اے فاسق میں نے تجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا تو نے یہ ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ وہ تھا جو ہوگیا اس کے بعد خارجہ بن حبیب کے قصاص میں عمرو تمیمی کو قتل کردیا گیا۔

ان میں سے تیسرا خبیث ترین اور شقی ترین بدبخت عبدالرحمان بن ملجم اپنے پروگرام کے مطابق کوفہ پہنچ گیا تھا ۱۷ رمضان کو فجر سے پہلے مسجد کے راستے میں چھپ کر بیٹھ گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے نکل کر الصلوۃ الصلوۃ پکارتے ہوئے اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہوئے مسجد تشریف لاتے۔ اس دن حسب معمول اسی طرح تشریف لارہے تھے کہ اس بدبخت ابن ملجم نے سامنے آکر اچانک آپ کی پیشانی پر تلوار سے وار کیا اور بھاگا لیکن تعاقب کر کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس قاتل ابن ملجم کے بارے میں جیسا چاہوں گا فیصلہ کروں گا اور اگر میں اس میں فوت ہوجاؤں تو پھر اس کو شرعی قانون قصاص کے مطابق

قتل کر دیا جائے لیکن مثلہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کٹ کھنے کتے کو بھی مارا جائے تو اس کو مثلہ نہ کیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لعین ابن ملجم کی ضرب کے نتیجہ میں واصل بحق ہو گئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بدبخت کو قتل کر دیا گیا اور غیظ وغضب سے بھرے ہوئے لوگوں نے اس کی لاش کو جلا بھی دیا۔

اس باب کی احادیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل مناقب مفہوم ہوتے ہیں۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت، قرابت و رشتہ داری، مرتبہ و مقام اور دینی مددگار کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے نہ کہ خلافت و امامت بلافصل کے اعتبار سے۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔ اور یہ مضمون کئی روایتوں میں ہے آیا ہے جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا یعنی اگایا اور ذی روح کو پیدا کیا مجھے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلایا تھا کہ جو کامل مؤمن ہوگا وہ مجھ سے محبت رکھے گا اور جو منافق ہو گا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا اسی طرح مسند احمد اور جامع الترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں (حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ) سے محبت کی اور ان کے ماں، باپ (فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ) سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ سے منافق محبت نہیں رکھتا اور مؤمن علی سے بغض نہیں رکھتا انہیں کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علی رضی اللہ عنہ کو برا کہا در حقیقت اس نے مجھے برا کہا۔

③: علی رضی اللہ عنہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھی ہیں اور محبّ بھی:

اس باب کی تیسری حدیث میں ہے کہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہوگا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ اگلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کے لئے ایک پرندہ بھونا ہوا رکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ یا اللہ آپ کی مخلوق میں سے جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اس کو بھیج دیجئے تاکہ وہ میرے ساتھ یہ کھانا کھائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کھانا تناول فرمایا۔

④ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور علی رضی اللہ عنہ تمام اہل ایمان کے دوست و مددگار ہیں در حقیقت یہ ارشاد گرامی کمال قرب وتعلق، اخلاص یگانگت اور نسب و نسل میں

باہمی اشتراک سے کنایہ ہے۔

اسی طرح حضرت زیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس کا دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں نیز حضرت حبشی بن جنادہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور میری طرف (نبذ عہد کی ذمہ داری) کوئی ادا نہ کرے سوائے خود میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں میں مواخات اور بھائی چارہ کا تعلق قائم فرمایا اور دو دو صحابیوں کو آپس میں بھائی بند قرار دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غمگین ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے کسی سے میرا بھائی چارہ قائم نہیں کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

نبی کریم ﷺ نے کسی جنگی مہم پر ایک لشکر روانہ فرمایا تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے ام عطیہ راویہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے ہوئے سنا الٰہی مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علی رضی اللہ عنہ کو (عافیت و سلامتی کے ساتھ واپس لا کر) مجھ کو نہ دکھا دے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے تکلفی کا تعلق تھا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی نظر میں مجھ کو ایسی قدر و منزلت حاصل تھی جو خلقت میں کسی کو حاصل نہیں تھی۔ میں آپ ﷺ کے ہاں صبح سویرے (بالکل منہ اندھیرے) پہنچ جاتا تھا۔ اجازت طلب کرنے کے لئے سلام کرتا۔ حضور ﷺ اگر میرا سلام سن کر کھنکارتے تو میں یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ ﷺ کسی کام میں مشغول ہیں اپنے گھر واپس چلا آتا ورنہ بے تکلف آنحضرت ﷺ کے پاس چلا جاتا۔

۵ عطاء و بخشش کا خصوصی معاملہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگتا تو آپ ﷺ عطا فرما دیتے اور جب میں خاموش رہتا یعنی مانگنے سے حجاب برتتا تو آپ ﷺ از خود دے دیتے تھے۔

۶ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکمت و دانائی کا دروازہ ہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس گھر کا دروازہ ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طبقہ صحابہ میں علم و حکمت کا جو خصوصی درجہ کمال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا وہ چند ہی صحابہ کو نصیب ہوا اور اس اعتبار سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اگر اکثر صحابہ کی بنسبت سب سے زیادہ علمی فضیلت و بزرگی رکھنے والا کہا جائے تو یہ غیر موزوں نہیں ہوگا۔

۷ چند متفرق خصوصیات:

۱: غزوہ حنین کے موقعہ پر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی فرمائی جب سرگوشی دراز ہوگئی تو منافقین نے یا صحابہ میں سے عام لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی اپنے چچا زاد کے ساتھ سرگوشی لمبی ہوگئی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے ان سے سرگوشی کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں نے ان سے وہی باتیں کی ہیں

جن کے بتانے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا۔

②: حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس مسجد میں میرے اور تیرے علاوہ کسی کو حالت جنابت میں گزرنے کی اجازت نہیں ہے۔

③: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام سے ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے یہودیوں نے ان سے بغض وعناد رکھا اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور عیسائیوں نے ان سے محبت تو کی لیکن اتنا غلو کیا کہ ان کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا جو ان کے لئے ثابت نہیں تھا۔ حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ اے علی رضی اللہ عنہ تیرے بارے میں بھی اسی کے دو طبقے اور گروہ ہوں گے اور وہ دونوں ہی گمراہ ہوں جیسا کہ آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی یہی فرمایا۔

④: حضور ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی خاتونِ جنت کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اور یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کردوں۔

⑤: نبی کریم ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا' سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔

⑧ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضور ﷺ کی دُعائیں:

غدیر خم کے موقعہ پر جبکہ بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور ﷺ کو کوئی غلط بات بطور شکایت کے کہی جو محض غلط فہمی پر مبنی تھی تو حضور ﷺ نے یہ فرمایا اے للہ میں جس کا دوست ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا دوست ہے الٰہی تو اس کو دوست رکھ جو علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے اور اس شخص کو اپنا دشمن قرار دے جو علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ اگر میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے تو مجھے موت دے کر اس بیماری سے راحت دے اگر میرا وقت دور ہے تو میری صحت بحال کر کے میری زندگی میں کشادگی اور وسعت پیدا فرما اور اگر یہ آپ کی طرف سے آزمائش ہے تو مجھے صبر کی توفیق عطا فرما۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کیا دعا مانگ رہے ہو انہوں نے اپنی دعا لوٹائی تو حضور ﷺ نے ان کو محبت سے پاؤں کی ضرب لگائی اور یہ دعا فرمائی اے اللہ اس کو عافیت دے یا یہ فرمایا اے اللہ اس کو شفا عطا فرما چنانچہ دعا قبول ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ تکلیف پھر کبھی نہیں ہوئی۔

بَابُ مَنَاقِبِ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُمْ

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان

مؤلف رحمہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اس باب میں صرف ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب ذکر کریں، خواہ وہ مناقب کسی ایک حدیث میں یا الگ الگ حدیثوں میں وارد ہوئے ہوں۔ اس باب میں اس بات کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس مبارک

جماعت (عشرہ مبشرہ) کو اس ترتیب کے ساتھ تمام صحابہؓ پر فضیلت و برتری حاصل ہے کہ پہلے خلفاء اربعہ سب سے افضل ہیں، اور پھر باقی حضرات دیگر تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ''النقایہ'' میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

عرضِ مرتب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں اپنے اصحاب کرام میں سے خصوصیت کے ساتھ دس حضرات کو نامزد کر کے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ وہ دس حضرات یہ ہیں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔ یہ سب حضرات قریشی ہیں اور ان کی افضلیت، مناقب و فضائل کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ دوسرے صحابہ کے حق میں نہیں آئی ہیں۔ تاہم صحابہ کی اس مبارک جماعت کو اس ترتیب کے ساتھ تمام صحابہ پر فضیلت حاصل ہے کہ پہلے خلفاء اربعہ سب سے افضل ہیں اور پھر باقی چھ حضرات دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

واضح رہے کہ جنت کی یہ خصوصی بشارت صرف انہیں دس صحابہ کو نہیں سنائی گئی بلکہ اہل جنت ہونے کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج اور بعض دیگر صحابہ کے حق میں بھی وارد ہوئی ہے صرف ان دس صحابہ کے ذکر کے لئے اس علیحدہ باب قائم کرنے کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کسی ایک حدیث میں یا الگ الگ حدیثوں میں مختلف خصوصی حیثیتوں سے ان کا جو ذکر آیا ہے وہ یکجا ہو جائے۔

الفصل الاول:

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی طور پر راضی تھے

۶۱۰۸: عَنْ عُمَرَ قَالَ مَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَ مْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَسَمّٰى عَلِيًّا وَعُثْمَانَ وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَسَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ۔

(رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷/۰۹ ۵حديث رقم ۳۷۰۰

ترجمہ: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (اپنی وفات کے وقت ارباب حل وعقد اور اصحاب شوریٰ کو مستحقین خلافت کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے) فرمایا تھا: اس امر (یعنی منصب خلافت) کا ان لوگوں سے زیادہ کوئی مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش ہونے کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نام لئے: علیؓ عثمانؓ زبیرؓ طلحہؓ سعد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم''۔ (بخاری)

تشریح: (الذین ...... راض): یعنی کمال درجہ راضی تھے، اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راضی اور خوش ہونا یقینی طور پر سب کو معلوم بھی تھا، کسی کو راضی ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ تھا۔

یا راضی رہنے سے مراد یہ ہے کہ جس کو خلافت کا اہل شمار فرماتے تھے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ نے احق بالخلافت کی علت ورسول اللہ ﷺ عنھم راض بتائی۔ حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے راضی تھے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے سبب آنحضرت ﷺ دیگر صحابہ کی بہ نسبت ان حضرات سے زیادہ راضی اور خوش تھے' مزید یہ کہ یہ سارے حضرت قریشی تھے، اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان الائمة من قریش کے باعث احقؒ بھی تھے۔

(فسمی علیا): یعنی پھر اس طائفہ مرضیہ کے نام گنوائے۔ (وعثمان...... الرحمن): لہٰذا یہ سب حضرات اپنے زمانے کے افضل ترین اشخاص ٹھہرے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کے کفن دفن سے فارغ ہوئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب نے اتفاق کرلیا، ان چاروں حضرات کے حالات زندگی عنقریب علیحدہ علیحدہ آگے آرہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اس موقع پر عشرہ مبشرہ میں سے محض چھ حضرات کا ذکر اس لئے کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور خود حضرت عمر فاروقؓ کا سب سے زیادہ افضل ہونا تو سب کو معلوم تھا۔ تیسرے صحابی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عمرؓ سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ اور چوتھے صحابی حضرت سعید بن زیدؓ چونکہ آپؓ کے بہنوئی تھے، اس لئے غایت احتیاط کے پیش نظر ان کا نام ذکر نہیں کیا۔ مدائنی کی اسانید سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعید بن زیدؓ کا اسم گرامی بھی ان حضرات کی فہرست میں ذکر فرمایا تھا، جن سے رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے خوشی وراضی تشریف لے گئے، البتہ اس خوف سے کہ کوئی یہ تہمت نہ دھر دے کہ مستحقین خلافت کی فہرست میں سعید بن زیدؓ کا نام محض قرابت داری کی وجہ سے آیا ہے، ان کا نام اصحاب شوریٰ میں ذکر نہیں فرمایا۔

ابن جوزیؒ نے "منهاج اهل الاصابة فی محبة الصحابة" میں بھی اسی معنی کی ایک روایت ذکر کی ہے۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ احد میں حضور ﷺ کی حفاظت کرنا

۶۱۰۹: وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَا زِمٍ قَالَ رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳۵۹/۷ حديث رقم ۴۰۶۳ وابن ماجه فی السنن ۴۶/۱ حديث رقم ۱۲۸۔

ترجمہ: "قیس بن ابی حازم (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جو (سالہا سال بعد بھی) بالکل بیکار اور شل تھا' انہوں نے اس ہاتھ سے غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کو (کفار کے حملوں سے) محفوظ رکھا تھا"۔ (بخاری)

تشریح: (قال...... شلاء): لام کی تشدید کے ساتھ، بروزن فعلاء، شلل، بمعنی "نقص فی الکف" سے مشتق ہے۔ بعض حضرات کا زعم ہے کہ شل کے معنی "قطع" ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ (وقی): جملہ مستانفہ ہے، بیان علت ہے۔

عرض مرتب: ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مؤلف حضرت قیس بن ابی حازم اور سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کے

حالات یہاں ذکر فرمائے تھے مگر ہم نے یہاں سے حذف کر دیئے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں

۶۱۱۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْتِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ قَالَ الزُّبَيْرُ اَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًا وَحَوَارِيِّ الزُّبَيْرُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥٢/٦حديث رقم ٢٨٤٦ومسلم في صحيحه ١٨٧٩/٤حديث رقم (٤٨-٢٤١٥) والترمذي في السنن ٦٠٤/٥حديث رقم ٣٧٤٤ وابن ماجه ٤٥/١حديث رقم و احمد في المسند ٣١٤/٣

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (غزوۂ احزاب (یعنی غزوۂ خندق) کے موقع پر) ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون شخص ہے جو (دشمن کے) لشکر کی خبر میرے پاس لائے گا؟ زبیر نے عرض کیا: میں لاؤں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے حواری (یعنی خاص دوست اور معاون) ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں''۔(بخاری و مسلم)

تشریح: (قوله :قال :قال النبي): ایک نسخہ میں ''رسول اللہ'' ہے۔(ﷺ من يأتيني): لام کلمہ کے اثبات کے ساتھ ہے، چونکہ ''من'' موصولہ ہے، نہ کہ شرطیہ۔ ایک صحیح نسخہ میں لام کلمہ کے حذف کے ساتھ ہے۔ یہ حذف تخفیفاً ہے، یا ''من' کو شرطیہ ماننے کی تقدیر پر ہے۔ اور جواب شرط محذوف ہے۔ من يأتيني کا معنی ہے من يجيئني۔ (...... حواريا): یاء کی تشدید کے ساتھ، اور مخففہ پڑھنا بھی درست ہے۔ (وحواري): یائے مشددہ کے فتحہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں یاء پر کسرہ ہے۔ ایک نسخہ میں ''حواريي'' ہے۔ شرح مسلم میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: محققین نے یاء کے کسرہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ اھ۔ آخر الذکر ضبط کی توجیہ یہ ہے کہ یاء مشددہ کے بعد متکلم کی یاء ضمیر پر فتحہ ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان: ﴿ان ولي الله الذي نزل الكتاب﴾ میں وارد قرأت متواترہ ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ یاء اضافت ساکن ہو، وصلاً حذف ہو جائے اور وقف کی حالت میں برقرار رہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ یاء مشددہ مکسورہ ہو فقط، جیسا کہ سوسیؒ کی ایک روایت میں ﴿ان ولي الله......﴾ یائے مشددہ کے کسرہ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ واضح رہے کہ یاء مشددہ کو مفتوح پڑھا جائے، یا بغیر اضافت کے مکسور پڑھا جائے، رسم الخط کے مطابق صرف ایک یاء لکھی جانی چاہئے، جیسا کہ بعض تصحیح شدہ نسخوں میں مکتوب ہے۔ ان صحیح نسخوں میں امام جزریؒ کا نسخہ بھی شامل ہے۔ امام نوویؒ کی نقل سے ظاہر ہے۔ اور رسم قرآنی کے موافق بھی ہے۔ یاء مشددہ کے بعد دوسری یاء نہ ہونے کی صورت میں یہ لفظ ''حواري'' یاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے گا، جیسا کہ ﴿قال الحواريون﴾ میں ایک قراءت ہے۔ یاء کی تخفیف کے ساتھ یہ قراءت شاذ ہے۔ دوسری یاء ضمیر متکلم ہے، جو کبھی مفتوح، کبھی ساکن، اور کبھی التقائے ساکنین کی وجہ سے مکسور پڑھی جاتی ہے۔

شرح السنہ میں حواری کے معنی ''ناصر'' بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے حواریین سے مراد ان کے انصار ہیں۔ ان

کے مددگاروں کا نام حواری اس وجہ سے پڑا کہ وہ کپڑے بہت اُجلے دھویا کرتے تھے۔

الجامع کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **ان لكل نبى حواريا وان حوارى الزبير**۔ یہ روایت امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ اور حضرت علیؓ سے اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے روایت کیا ہے۔ الریاض کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **قال رسول الله ﷺ: ان لكل نبى حواريا وحوارى الزبير**۔ اس روایت کی تخریج امام بخاری، ترمذیؒ اور حاکم رحمہم اللہ نے کی ہے۔ البتہ امام حاکمؒ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: **ندب رسول الله ﷺ يوم الخندق فانتدب الزبير ثم ندبهم فانتدب الزبير [ثم ندبهم فانتدب الزبير] فقال النبى ﷺ: لكل نبى حوارى وحوارى الزبير**۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **حسن صحيح**۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر سے ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے: **لكل نبى حوارى والزبير حوارى وابن عمتى**۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ

۶۱۱۱: وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِىْ بَنِىْ قُرَيْظَةَ فَيَاتِيْنِىْ بِخَبَرِهِمْ فَانْطَلَقْتُ فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ فِدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٨٠/٧حديث رقم ٣٧٢٠ومسلم فى صحيحه ١٨٧٩/٤حديث رقم (٤٩-٢٤١٦) والترمذى فى السنن ٦٠٤/٥حديث رقم ٣٧٤٣ابن ماجه ٤٥/١حديث رقم ١٢٣ و احمد فى المسند ١٦٦/١

ترجمہ: ''حضرت زبیرؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کون ہے جو بنو قریظہ (کے یہودیوں) میں جائے اور ان کے بارے میں اہم باتوں سے مجھے باخبر کرے''۔ چنانچہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) میں روانہ ہو گیا اور جب (ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے) واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین مجھ پر جمع کر دیئے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں''۔ (بخاریؒ و مسلم)

تشریح: (فداك أبى و أمى): فداك، فاء کے فتحہ کے ساتھ، کبھی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ ''میرے ماں باپ تم پر قربان'' اس جملہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دربارِ نبوت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی کیا قدر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو کس قدر سراہا۔ کوئی بھی شخص یہ الفاظ یقیناً اسی ہستی کے بارے میں استعمال کرتا ہے، جس کو وہ نہایت معزز و مکرم سمجھتا ہے، اور اس کی تعظیم کرتا ہے۔

صاحب النہایہ فرماتے ہیں: حدیث میں آتا ہے: **فاغفر فداء لك ما اقتفينا**۔ اس لفظ کا اطلاق اللہ جل شانہ کی جناب میں مجاز و استعارہ پر محمول ہے۔ چونکہ مکارہ پر وہ شخص فدا ہوتا ہے، جس کو کوئی ناپسندیدہ بات پیش آئے۔ لہٰذا فداء سے مراد

''تعظیم'' ہے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں، کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ منقول ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ کسی دوسرے صحابی کے لئے بھی ارشاد فرمایا تھا۔ امام احمد کی ایک روایت میں حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ماں، باپ دونوں مجھ پر دو مرتبہ جمع فرمائے (یعنی یوں فرمایا کہ: میرے ماں باپ تم پر واری) ایک تو جنگ اُحد کے موقع پر (اور دوسری مرتبہ بنو قریظہ کے خلاف کارروائی کے موقع پر، از: م) اور مشہور یہ ہے کہ جنگ اُحد کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ سعد بن مالکؓ کو ارشاد فرمایا تھا۔ یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ ان دونوں حضرات کیلئے ارشاد فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ کے بارے میں یہ جملہ اس وجہ سے مشہور ہو گیا ہو چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی بار بار تذکرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ، اپنے ماں باپ مجھ پر جمع کئے۔ ایک مرتبہ تو اُحد کے موقع پر اور دوسری مرتبہ بنو قریظہ کے موقع پر۔ حضرت عروہ سے مروی ہے کہ حضرت زبیرؓ نے جنگ جمل کی صبح، اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: برخودار! میرے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں (دورانِ جنگ) زخمی نہ ہوا ہو۔ حتی کے میرا چہرہ بھی۔ امام ترمذیؒ یہ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے عرض کیا: دوسرے اصحابِ رسول کی طرح آپ بھی احادیث رسول کیوں نہیں بیان کرتے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! قبول اسلام کے بعد سے میں حضور سے جدا نہیں ہوا، لیکن میں نے یہ سن رکھا ہے: **من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار۔**

حضرت سعد بن مالکؓ کو حضور ﷺ کا فرمانا ''فداك ابی و امی''

۶۱۱۲: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ اَبَوَيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنِّيْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَوْمَ اُحُدٍ يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٥٨/٧ حديث رقم ٤٠٥٩ ومسلم في صحيحه ١٨٧٦/٤ حديث رقم (٤١-٢٤١١) والترمذي في السنن ٦٠٨/٥ حديث رقم ٣٧٥٥ وابن ماجه ٤٦/١ حديث رقم ١٢٩ و احمد في المسند ١٢٤/١

ترجمہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن مالکؓ کے نبی کریم ﷺ کو کسی کے لئے اپنے والدین کو جمع کرتے ہوئے نہیں سنا (یعنی میرے والدین تم پر قربان ہوں)۔ چنانچہ غزوہ احد کے دن (جبکہ سعدؓ دشمن کافروں کو آپ ﷺ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے جواں مردی کے ساتھ تیر مار مار کر ان کو پیچھے ہٹا رہے تھے) میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: (الا...... أمي): حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت اور حضرت علیؓ کی اس حدیث کے درمیان

مطابقت کے لئے یہ کہا جائے گا کہ:

① دراصل حضرت علیؓ کو معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ حضرت زبیرؓ کے حق میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔

② ان کی مراد یہ تھی کہ جنگ احد کے دن یہ جملہ سعد بن مالکؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے بارے میں فرماتے ہوئے میں نے نہیں سنا۔ اھ۔

③ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ خود میں نے کسی واسطہ کے بغیر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سعد بن مالکؓ کے علاوہ اور کسی کے حق میں نہیں سنا۔ پس ان کا یہ کہنا اس بات کے منافی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ حضرت زبیرؓ کے حق میں فرمایا ہو۔ اور اس کا علم حضرت علیؓ کو بالواسطہ ہوا ہو۔

عرض مرتب:

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حالات ذکر فرمائے تھے مگر ہم نے یہاں سے حذف کر دیئے ہیں۔ اور الاکمال کے تحت درج کر دیئے ہیں۔

راہِ خدا میں سب سے پہلے تیر چلانے والے صحابیؓ

۶۱۱۳: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّیْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸۳/۷ حدیث رقم ۳۷۲۸ و مسلم فی صحیحه ۲۲۷۷/۴ حدیث رقم (۱۲-۲۹۶۶) والترمذی فی السنن ۵۰۲/۴ حدیث رقم ۲۳۶۵ وابن ماجه فی ۴۷/۱ حدیث رقم ۱۳۱ و احمد فی المسند ۱۷۴/۱

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں پہلا عربی (مسلمان) ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (العرب): پر لام جنس کا ہے۔ (رمی ...... الله): یہ جملہ العرب کی صفت ہے' اس جملہ کی ترکیب شاعر کے اس قول کی طرح ہے: ولقد أمر علی اللئیم یسبنی۔ (طیبیؒ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رمی سبهم فی سبیل الله یہ جملہ أوّل کی صفت ہے أی: اول عربی رمی اور ''العرب'' پر جو لام جنسیہ داخل ہے یہ عہد ذہنی کا ہے۔ (متفق علیه): یہ روایت مکمل طور پر ''الریاض'' میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی گئی ہے: ''ولقد کنا نغزو مع رسول الله ﷺ ما لنا طعام الا ورق الحبلة وهذا السمر، حتی ان کان أحدنا لیضع کما تضع الشاة ماله خلط''۔ (شیخان) عامر بن سعد سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''بینا سعد فی ابله فجاء ابنه عمر فلما راه سعد قال: اعوذ بالله من شر الراکب، فقال له: نزلت فی ابلك وترکت [بنیك] یتنازعون الملك بینهم۔ فضرب سعد صدره وقال: اسکت سمعت رسول الله ﷺ یقول: ان الله یحب العبد التقی الغنی

الخفي"۔ (أخرجه مسلم: ۴/ ۲۲۷۷، حدیث رقم ۲۹۶۵)

اس دوران کے حضرت سعدؓ اپنے اونٹوں کے پاس تھے کہ ان کے صاحبزادے عمر آئے، حضرت سعدؓ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا: أعوذ بالله من شر الراکب۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے نے ان سے کہا: آپ یہاں اونٹوں میں مشغول ہیں اور اپنے بیٹوں کو ملک گیری میں جھگڑے کے لئے چھوڑا ہوا، حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: خاموش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ ایسے بندہ کو پسند کرتا ہے جو "تقی" ہو "غنی" ہو (اور) "خفی" ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا رجل صالح کے خطاب کا مستحق ہونا

۶۱۱۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَهِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْدِمَهُ الْمَدِيْنَةِ لَيْلَةً فَقَالَ لَيْتَ رَجُلاً صَالِحًا يَحْرُسُنِيْ إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سَلَاحٍ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ اَنَا سَعْدٌ قَالَ مَاجَاءَ بِكَ قَالَ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ اَحْرُسُهُ فَدَعَالَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸۱/۶ حديث رقم ۲۸۸۵ ومسلم في صحيحه ۱۸۷۵/۴ حديث رقم (۴۹-۲۴۱۰) واخرجه الترمذي في السنن ۶۰۸/۵ حديث رقم ۳۷۵۶ و احمد في المسند ۳۹۱/۱۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ کسی غزوہ سے واپس) مدینہ آ کر (دشمنانِ اسلام سے خطرہ کے سبب) رات بھر سوئے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کاش کوئی نیک مرد (آج کی رات) میرے لیے پہرہ داری کرتا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمایا ہی تھا کہ) اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی (جیسے کوئی شخص تلوار و کمان سنبھالے باہر چوکی پہرے پر ہو اور اس کے ہتھیار کھڑ کھڑا رہے ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آواز سن کر) پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!): میں سعدؓ ہوں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا: (اتنی رات گئے) یہاں تم کیسے آ گئے؟ سعدؓ بولے: میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خوف پیدا ہوا کہ (کہیں دشمنان دین آپ کو تکلیف پہنچائیں) لہٰذا میں یہاں حاضر ہو گیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری کروں (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کو دعائیں دیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اطمینان سے) سو گئے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (سھر): از باب فرح، بمعنی جاگنا، ایک روایت میں سھر کے بجائے "أرق" کا لفظ ہے۔ (المدینة لیلة): ایک روایت میں "ذات لیلة" ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مقدمه، مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف، چونکہ یہ "المدینة" میں عامل ہے۔ منصوب بر ظرفیت ہے، مضاف مقدر ہے، وقت یا زمانا اور "لیلة" اس مضاف مقدر سے "بدل البعض" ہے۔ گویا تقدیری عبارت یوں ہے: سھر لیلة من اللیالی وقت قدومه المدینة من لبعض الغزوات۔ (فقال...... صالحا): ایک روایت میں "من اصحابی" کے الفاظ آئے ہیں۔ (یحرسنی): راء کے ضمہ کے ساتھ ایک روایت میں "اللیلة" آیا ہے۔ (اذ سمعنا): ایک روایت میں "فسمعنا" ہے۔ (صوت سلاح): سین کے کسرہ کے ساتھ، ایک روایت میں

"خشخشة السلاح" کے الفاظ آئے ہیں۔ (فقال...... أحرسه): ایک روایت میں "أحرسك" ہے۔ (فدعا...... نام): ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں حتی سمعنا غطیطه۔ (متفق علیه): "الریاض" میں ہے کہ اس حدیث کو امام سلمہؒ اور امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اِس اُمت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں

۶۱۱۵: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه حدیث رقم ٤٣٨٢ ومسلم فی صحیحه ١٨٨١/٤ حدیث رقم (٥٣-٢٤١٩) والترمذی فی السنن ٦٢٥/٥ حدیث رقم ٣٧٩٦ وابن ماجه ٤٩/١ حدیث رقم ١٣٦ و احمد فی المسند ١٨١

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر اُمت کا ایک "امین" ہوتا ہے (کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد اور اپنے نفس کے بارے میں خیانت نہیں کرتا) اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (أمة): ایک روایت میں ہے کہ: [ان] لکل أمة۔ (أمین): یعنی قابل بھروسہ، معتمد اور پسندیدہ آدمی۔ (وأمین هذه الأمة): ایک روایت میں ہے کہ: وان أمین أیتها الأمة۔ (أبو عبیدة بن الجراح): راء کی تشدید کے ساتھ، ابو عبیدہ بن الجراح کو امین کے لقب سے موسوم فرمایا، حالانکہ یہ صفت دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی موجود تھی، چونکہ دوسرے صحابہ کرام کی بہ نسبت ان میں اس صفت کا غلبہ تھا۔ بعض حضرات نے یہ سبب ذکر کیا ہے کہ خود ان میں دوسرے صفات کے بہ نسبت اس صفت کا غلبہ تھا۔

امام احمدؒ نے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ان لکل نبی أمینا وأمینی أبو عبیدة بن الجراح۔ ہر نبی کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ: جاء السید والعاقب الی النبی ﷺ، فقالا: یا رسول الله! بعث معنا أمینك، فقال: "سأبعث معکم أمینا حق أمین"۔ فتشرفت لها الناس فبعث أبا عبیدة۔

سید اور عاقب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ اپنا آمین بھیج دیجئے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: عنقریب ایک ایسا امین شخص میں تمہارے ساتھ بھیجوں گا جو واقعی امین ہوگا۔ چنانچہ لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمادیا۔

عن عروة بن الزبیر: قال: لما قدم عمر بن الخطاب بن الشام تلقاه أمراء الأخبار وعظماء الروم، فقال عمر: أین أخی؟ قالوا: من؟ قال: أبو عبیدة۔ قالوا: یأتیك الآن، فلما أتاه نزل فاعتنقه ثم دخل علیه بینه فلم یر فی بیته الا سیفه وترسه ورحله، فقال عمر: ألا اتخذت ما اتخذ أصحابك؟ فقال: یا أمیر المؤمنین

هذا يبلغني المقيل لا فرجه الصفوة والفضائلي، وزاد بعد قوله ويأتيك الآن، فجاء على فاقة محظومة بحبل، وفي رواية أن عمر قال له: اذهب بنا الى منزلك۔ قال: فدخل منزله فلم يرشيئا قال: اين متاعك؟ ما أرى الا لبدا وصحفة وسبفا وأنت أمير؟ أعندك طعام؟ فقام أبو عبيدة الى جوبة فأخذ منها كرات، فبكى عمر وقال: غرتنا الدينا كلنا غيرك يا أبا عبيدة۔ ''کاش! آپ کچھ اسباب تو رکھ لیتے، سیدنا ابوعبیدہؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین ہماری یہی حالت ہمیں بہت جلد ہماری آرام گاہ تک پہنچا دے گی''۔

امارتِ شام کے زمانہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

ألا رُبّ مبيض لثيابه مدنس لدينه، ألا رُبّ مُكرِم لنفسه وهو لها مهين باد روا السيئات القديمات بالحسنات الحادثات احدكم عمل من سيئات ما بينه وبين السماء ثم عمل حسنة لعلت فوق سيئاته حتى اتقهرهن۔ ''خبردار! بہت سے لوگ اپنا لباس اجلا رکھتے ہیں مگر اپنا دین میلا رکھتے ہیں۔ خبردار! بہت سے لوگ اپنے نفس کو عزیز رکھتے ہیں، مگر وہی ذلیل دشمن ہے لوگو! اپنی پرانی برائیوں کو نئی نیکیوں سے دور کرلو، اگر کسی نے زمین وآسمان کے خلاء کو بھر دینے والی برائیاں بھی کی ہونگی اور پھر وہ ان کے بعد نیکی کرے گا تو وہ نیکی ان سب پر غالب آجائے گی، اور سب کو دبا لے گی''۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا اپنی امانت کی وجہ سے مستحق خلافت ہونا

۶۱۱۶: وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَۃَ وَسُئِلَتْ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَہٗ قَالَتْ اَبُوْبَکْرٍ فَقِیْلَ ثُمَّ مَنْ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ عُمَرُ قِیْلَ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ قَالَتْ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ ابْنُ الْجَرَّاحِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٨٥٦/٤ حديث رقم ٢٣٨٥/٩ و احمد في المسند ٦٣/٦۔

ترجمہ: ''حضرت ابن ابی ملیکہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت سنا جب ان سے سوال گیا کہ (فرض کیجئے) اگر رسول اللہ ﷺ خلافت کے لئے (صراحۃً) کسی کو نامزد فرماتے تو آپ کس کو (خلافت کے لئے) منتخب فرماتے؟) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو! پھر ان سے سوال کیا گیا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد (خلافت کے لئے) کس کو نامزد فرماتے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: عمر رضی اللہ عنہ کو! پھر سوال کیا گیا کہ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو (خلافت کے لیے) منتخب فرماتے؟ حضرت عائشہ جواب دیا: ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو''۔ (مسلم)

تشریح: قال سمعت عائشه و سئلت: جملہ حالیہ ہے۔ ثم من): اسم موصول بمعنی الذی ہے۔ قوله : قالت ابو عبيدة بن الجراح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعتقاد یہ تھا کہ شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد باقی اصحاب شوریٰ میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ہی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور حق دار ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کی برکت سے حرا کا حرکت کرنے سے رک جانا

۶۱۱۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى حِرَآءَ هُوَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِهْدَءْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَلَمْ يَذْكُرْ عَلِيًّا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۸۸۰/۴ حدیث رقم (۵۰-۲۴۱۷) وابو داؤد ۴۰/۵ حدیث رقم ۴۶۵۱ والترمذی فی السنن ۶۰۹/۵ حدیث رقم ۳۷۵۷ وابن ماجه ۴۸/۱ حدیث رقم و احمد فی المسند ۳۳۱/۵

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ (ان کے پیروں کے نیچے کی) چٹان حرکت کرنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹان کو مخاطب کر کے فرمایا: ٹھہر جا' تیرے اوپر کوئی دوسرا نہیں کھڑا ہے۔ یا نبی ہے یا صدیق ہے یا شہداء (کھڑے) ہیں۔ اور بعض راویوں نے ''سعد بن ابی وقاص'' کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا''۔

تشریح: (حراء): حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ منصرف ہے۔ البتہ کبھی غیر منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔ (هو...... الله): ایک نسخہ میں ''رسول الله'' کے بجائے ''النبی'' کا لفظ ہے۔ (ﷺ اهدأ): دال کے فتحہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ بمعنی ''أشكن''۔ (فما عليك الانبی أو صديق أو شهيد): مراد جنس ہے۔ چونکہ اس حدیث میں صدیق کے بعد مذکور تمام حضرات شہداء ہیں۔ ''أو'' برائے تنویع یا بمعنی واؤ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک معجزہ تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہداء کی شہادت کی پیشینگوئی فرمائی' چنانچہ حضرت عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شہادت تو بالکل مشہور بات ہے۔ ترکِ قتال کے بعد واپسی پر بصرہ کے قریب وادی سباع میں حضرت زبیرؓ کا قتل ہونا، اسی طرح حضرت طلحہؓ کا قتال سے علیحدگی اختیار کرنا اور پھر ان کو تیر لگنا جس کے نتیجہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ اور یہ ثابت ہوا کہ جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو وہ شہید ہے۔ نیز ان حضرات کی فضیلت کا بیان ہے، پتھروں میں بھی تمیز ہوتی ہے۔ تزکیہ جائز ہے۔ سید جمال الدینؒ نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔

(عليا): زاد، کا لفظ کسی ناقل کا تسامح ہے۔ چونکہ اس راوی کی روایت میں حضرت علیؓ کے بجائے حضرت سعد بن ابی وقاص کا ذکر معاوضہ اور مبادلہ کی صورت ہے نہ کہ اضافی کی۔

ماقبل میں یہ گزرا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص، وادی عقیق میں واقع اپنے محل میں فوت ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شہادت کی موت سے سرفراز نہیں ہوئے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی یہ توجیہ کی جائے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب حضرات کو تغلیباً ''شہید'' فرمایا تھا۔ یا جیسا کہ سید جمال الدینؒ نے لکھا ہے: یہ کہنا مناسب ہے کہ حضرت سعدؓ کی موت کسی

ایسے مرض کے سبب واقع ہوئی تھی، جس میں مبتلا ہو کر مرنے والا ''شہید'' کے حکم میں ہوتا ہے، اھ۔ سید جمال الدینؒ کی ذکر کردہ یہ توجیہ بھی درحقیقت تغلیب ہی کی ایک نوع ہے۔

عبداللہ بن سالم عن سعید بن زید سے مروی ہے فرماتے ہیں: **كنا مع رسول الله ﷺ على حراء فتحرك فقال: اثبت حراء! فما عليك الا نبي أو صديق أو شهيد. قيل: من هم يا رسول الله؟ قال رسول الله ﷺ: أبو بكر وعمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير وسعد بن مالك وعبد الرحمٰن بن عوف قال: قيل: فمن العاشر؟ قال أنا. (أخرجه الترمذي وقال حسن صحيح)**۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جبل حراء پر تھے، کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حراء! تھم جا۔ تجھ پر کوئی نہیں سوائے ایک نبی، ایک صدیق اور شہید کے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن مالک اور عبدالرحمٰن بن عوف۔ راوی کہتے ہیں: (حضرت سعید سے) عرض کیا گیا: اور دسواں کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''میں''۔

عرضِ مرتب:

مرقاۃ میں اس حدیث کی عربی عبارت یوں ہی ہے، جیسی یہاں مذکور ہے۔ ہم نے ترجمہ بھی اسی عبارت کے مطابق کیا ہے۔ مگر ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ الریاض میں ہے کہ: ان کی موت مدینہ میں ان کے بستر پر واقع ہوئی۔ لہٰذا ان کی شہادت کے بارے میں بھی یہی شہید حکمی کی توجیہ کی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت سعد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات ان کے بستر پر ہوئی، یا یہ کہ یہ حضرات بھی صدیقین میں سے ہیں۔ اور یہ بات کوئی بعید نہیں۔ چونکہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ……﴾ [الحديد: ۱۹] ''اور جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے یہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں''۔

الفصل الثانی:

حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا ذکر

۶۱۱۸: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ ابْنِ

الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ . (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٠٥/٥ حديث رقم ٣٧٤٧ و احمد فی المسند ١٩٣/١۔

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں' عمرؓ جنت میں ہیں' عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں' علیؓ جنت میں ہیں' طلحہ جنت میں ہیں' عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنت میں ہیں' سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہیں' سعید بن زیدؓ جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ جنت میں ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: (أن النبی...... الجنة): بظاہر عشرہ مبشرہ کے اسماء کی ترتیب بالا' آنحضرت ﷺ کی ارشاد فرمودہ ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ راوی نے اپنا نام درمیان میں ذکر کیا ہے۔ وگرنہ تواضع کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنا اسم گرامی آخر میں ذکر کرتے۔ لہٰذا یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کے اسماء کی اس ترتیب پر اعتماد کیا جائے۔

۶۱۱۹: وَرَوَاهُ ابْنِ مَاجَةِ عَنْ سَعِيْدِ بْنُ زَيْدٍ۔

أخرجه ابن ماجه ٤٨/١ حديث رقم ١٣٣

ترجمہ: ''ابن ماجہ نے اس روایت کو سعید بن زید سے نقل کیا ہے''۔

تخریج: اس روایت کو امام احمدؒ، ضیاء اور دار قطنیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

چند خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کی خصوصی صفات

۶۱۲۰: وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْ بَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَقْرَؤُهُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح وروى عن معمر عن قتادة مرسلا وفيه وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ)۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٢٣/٥ حديث رقم ٣٧٩٠ وابن ماجه ٥٥/١ حديث رقم ١٥٤ و احمد فی المسند ٢٨١/٣

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اُمت میں ابوبکرؓ ہی میری اُمت کے لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ رحمدل ہیں (کہ وہ نہایت لطف و مہربانی اور دردمندی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور ان کو نجات کے راستہ پر گامزن کرتے ہیں) اور میری اُمت کے لوگوں میں عمرؓ اللہ کے دین کے معاملات میں سب سے زیادہ سخت ہیں (کہ نہایت سختی اور مضبوطی کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں) اور میری اُمت کے لوگوں میں عثمانؓ سب سے زیادہ سچے حیادار ہیں اور میری اُمت کے لوگوں میں سب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیںؓ اور میری اُمت کے لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کی

تلاوت کرنے والے اور سب سے بڑے ماہر تجوید قرآن ابی بن کعب ہیں اور میری اُمت میں حلال و حرام کے سب سے زیادہ واقف معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور ہر اُمت میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں۔ (احمد اور ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس حدیث کو معمرؒ نے بھی قتادہ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے (اور معمر کی) اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''میری اُمت کے لوگوں میں حق کے مطابق سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

تشریح: أشدهم في أمر الله: ایک روایت میں أقواهم في دين الله ہے۔ (وفيه): یعنی اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ (واقضاهم علي) یعنی صحابہ کرام میں شریعت کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت علیؓ ہیں۔ (قاله الشارحؒ): اس جملہ کا زیادہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ خصومت کے مسائل میں سے قضاء کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے۔ امام نوویؒ اپنے فتاویٰ میں اس جملہ کے بارے میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ: اقضا كم عليؓ فرمانے سے أقضى من أبي بكر وعمر ہونا لازم نہیں آتا۔ چونکہ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں کہ اس کلام کے مخاطبین میں شیخین بھی تھے۔ اور اگر ثابت ہو بھی، تب بھی حضرت علیؓ کے أقضٰی ہونے سے ان کا اعلم من غيره ہونا لازم نہیں۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ أعلم من غيره سے، تو اس سے ان کا افضل ہونا لازم نہیں آتا یعنی فضیلت میں بڑھ جانا، ثواب میں بڑھ جانے کو مستلزم نہیں۔ (كذا في الازهار)

میں کہتا ہوں اس میں بحث ہے چونکہ ہمارے نزدیک مدار ظاہر پر ہے اس لئے ہم سرائر پر مطلع نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم۔ اور جہاں تک بات ہے اس حدیث کی: ما فضلكم ابوبكر بفضل صوم ولا صلاة ولكن بشئ و قرفي قلبه۔ کی تو امام غزالی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ما فضل ابوبكر الناس بكثرة صلاة ولا بكثرة صوم۔ عراقی فرماتے ہیں مجھے یہ حدیث مرفوع میں نہیں ملی؛ حکیم ترمذی نے اس کو بکر بن عبداللہ مزنی کے قول کے طور پر ذکر کیا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت

٦١٢١: وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهُ حَتَّى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٠٢/٥ حديث رقم ٣٧٣٨ و احمد في المسند ١٦٥/١۔

ترجمہ: ''حضرت زبیر سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم پر دو زرہیں تھیں (دورانِ جنگ ایک موقع پر) آپ ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا (تاکہ دشمن کے لشکر کا جائزہ لیں اور مجاہدین اسلام کو اونچی جگہ سے دکھائی دیں) لیکن (دونوں زرہوں کے بوجھ کے باعث) اوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ طلحہؓ نے (آپ ﷺ کو

چٹان پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے فوراً) آپ ﷺ کے نیچے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ چٹان پر (بآسانی) چڑھ گئے اور پھر میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہؓ نے (جنت کو) واجب کرلیا''۔

(ترمذی)

تشریح: (احد): اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿خذوا احذركم﴾ اور ﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کی خاطر آپ ﷺ نے دو زرہیں اس روز پہن رکھی تھیں، زرہ بھی سامانِ جنگ میں سے ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آخر الذکر آیت کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: **ألا ان القوة الرمي**۔ اور ایک روایت میں ہے کہ **فذهب لينهض على صخرة**۔

فقعد طلحة تحته: یعنی حضرت نے طلحہ خود بنفس نفیس نیچے بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں اپنی قدر و منزلت کو بلند کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ: **فبرك طلحة تحته**۔ (**حتى استوى**): ایک روایت میں **فصعد** کا لفظ ہے۔ (**على الصخرة..... طلحة**): ایک روایت میں **الجنة**، کا لفظ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ طلحہؓ نے اپنے اس عمل کے ذریعہ یا اپنے ان مجاہدانہ کارناموں کے ذریعے جو انہوں نے اس جنگ میں انجام دیئے ہیں، اپنے لئے جنت کا استحقاق اور وجوب پیدا کرلیا ہے' انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو آنحضرت ﷺ کی ڈھال بنالیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی طرف آنے والے تمام تیر اپنے بدن پر روک دیئے تھے۔ ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا۔ حتیٰ کہ ان کا ہاتھ تو عمر بھر کے لئے شل ہوگیا، اسی (۸۰) سے زیادہ زخم ان کے بدن پر شمار کیے گئے (یہاں تک کہ ان کا عضو مخصوص بھی زخمی ہونے سے نہیں بچا تھا)۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کی سند پر کلام فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد کے دن ایک دشمن دین عتبہ بن وقاص نے آنحضرت ﷺ کو ایک پتھر کھینچ کر مارا، جس کی چوٹ سے آپ ﷺ کا دائیں طرف کا دندان مبارک شہید ہوگیا، اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہوگیا، اور ایک بد بخت عبداللہ بن شہاب زہری کے حملہ کے نتیجے میں آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پر سخت زخم آیا، اور خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہوگئیں' اسی جنگ کے دوران آنحضرت ﷺ ایک گڑھے میں بھی گر گئے تھے جو گڑھے دشمنوں نے میدان جنگ میں پوشیدہ طور پر کھود کر اوپر سے اس طرح برابر کر دیا تھا کہ نادانستگی میں جس مسلمان کا پیر اس کے اوپر پڑے وہ گڑے میں جا گرے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک گڑھے میں آنحضرت ﷺ بھی گر پڑے تھے' حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر فوراً آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھاما، اور حضرت طلحہ بن عبداللہ نے آپ ﷺ کو اٹھایا اور گڑھے سے باہر نکال کر کھڑا کر دیا' چہرہ مبارک کے زخموں سے نکلنے والے خون کو ابو سعید خدریؓ نے اپنے منہ سے چوسا' اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**من مس دمه دمي لم تمسه النار**''۔ (**اخرجه ابن اسحاق**)۔ ''جس کے خون کو میرا خون چھو گیا، اس کو دوزخ کی آگ چھونے بھی نہیں پائے گی''۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشینگوئی

۶۱۲۲: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا وَفِىْ رِوَايَةٍ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔

(رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٠٢/٥ حدیث رقم ٣٧٣٩ وابن ماجه ٤٦/١ حدیث رقم ١٢٥

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ کی طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: ''جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ وہ زمین پر چلتے پھرتے ایسے شخص کو دیکھے جس نے اپنا عہد پورا کر لیا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس شخص کو (یعنی طلحہ بن عبید اللہ کو) دیکھ لے''۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے شہید کا دیدار کرنا چاہے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے''۔

(ترمذی)

تشریح: (...... قال): جملہ مستانفہ ہے یا حالیہ ہے۔ (من أحب...... نحبه): نحب کے معنی ہیں، نذر کرنا، منت ماننا، یہاں اس سے مراد موت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ مر چکے ہیں، اگرچہ زندہ ہیں۔ (فلینظر الی هذا): امام سیوطیؒ مختصر النهایه میں فرماتے ہیں: نحب کے معنی ہیں، نذر ماننا۔ گویا کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ میدانِ جنگ میں اللہ کے دشمنوں پر اپنی جان صدقہ کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے اس عہد کو پورا کیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نحب سے مراد موت ہے۔ گویا کہ انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ مرتے دم تک قتال کریں گے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نذر اور نحب کے معنی ہیں: مدت و وقت۔ عرب کہتے ہیں: قضى فلانا نحبه، جب کوئی دشمن مر جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۵ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الاعراف: ۲۳] ''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اسکو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا'' کو دونوں معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ نذر کا معنی مراد لینے کی صورت میں اس کا یہ مطلب ہوگا: فمنهم من قضى نذره فيما عاهد الله عليه من الصدق في مواطن القتال والنصرة لرسول الله ﷺ۔

اور موت کے معنی مراد لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا: فمنهم من مات في سبيل الله وذلك أنهم عاهدوا الله أن يبذلوا نفوسهم في سبيل الله۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی جان سپرد کر دی ہے (مطلب یہ ہے کہ) یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ کے راستے میں موت کا ذائقہ چکھیں گے۔ اگرچہ یہ زندہ ہیں اور اس مفہوم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ارشادِ گرامی دلالت کررہا ہے: من سره ان ينظر الى شهيد......۔

جنگ احد کے دن حضرت طلحہؓ نے خود کو آنحضرت ﷺ کی ڈھال بنالیا تھا، اور فرمایا کرتے تھے: اس دن میرا سارے کا سارا جسم چھلنی ہوگیا۔ حتیٰ کہ عضوِ مخصوص بھی۔ بعد میں جب صحابہ کرام غزوہ اُحد کا ذکر کرتے تو فرماتے تھے کہ جنگ کا وہ پورا دن طلحہ (کی سرفروشی اور جانثاری) کا دن تھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: دوسری روایت کی روشنی میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ کو "شہید" کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہو کہ مآل کار حضرت طلحہ کو شہادت کی موت، حسن خاتمہ' بلکہ کمالِ حسن خاتمہ کی سعادت نصیب ہوگی۔

شارح شرح الطیبی لکھتے ہیں: ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابوحفص سہروردی نے فرمایا: ان هذا ليس على سبيل المجاز مغيابه التعبير بالحال عن المآل، بل هو ظاهر في معناه جلي من حيث فحواه، اذا الموت عبارة عن الغيبوبة عن عالم الشهادة وقد كان هذا حاله من الا نجذاب بكليته الى عالم الملكوت، وهذا انما يثبت بعد احكام المقدمات منن كمال التقوى والزهد في الدنيا والخروج من الارتهان بنظر الخلق، وامتطاء صهوة الاخلاص، وكمال الشغل بالله عز وجل بتناوب اعمال القلب والقالب وصدق العزيمة في العزلة، واغتنام الوحدة والفرار عن مساكنة الانس بالجلساء والأخوان۔ (رواه الترمذی)

تخریج: دوسری روایت میں امام حاکم نے بھی موافقت کی ہے۔ البتہ "من سره" کی جگہ "من أحب" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے، اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ، اور ابوسعید سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: طلحة شهيد يمشي على وجه الارض۔ امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت معاویہؓ سے، اور ابن عساکرؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں: طلحة ممن قضى نحبه۔ الریاض میں موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس گیا، تو انہوں نے کہا: ألا أبشرك سمعت رسول الله ﷺ يقول: "طلحة من قضى نحبه"۔ امام ترمذیؒ یہ روایت ذکر کرکے فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔

ریاض میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں ان کے ہاں ایک صاحبزادہ پیدا ہوا تھا۔ اس کی کثرت عبادت کی وجہ سے اس کا نام سجاد پڑ گیا۔ اس صاحبزادہ کا نام محمد اور ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے صاحبزادے کا نام محمد اور ان کی کنیت ابوسلیمان مقرر فرمائی اور فرمایا: "لا أجمع بين اسمي وكنيتي"۔ (دار قطنی)۔ مروی ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس سے قتیل گزرا، تو فرمایا: اس کے باپ کے ساتھ حسن سلوک نے اس سجاد کو قتل کر ڈالا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں حضور ﷺ کے پڑوسی ہیں

۶۱۲۳: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعَتْ اُذُنَيَّ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَايَ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۰۳/۵ حدیث رقم ۳۷۴۱

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہوئے سنے: ''طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسائے ہیں''۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: (أذني): ذال کے ضمہ اور سکون کے ساتھ۔ (من...... ﷺ): فی، فم کی حالت جری ہے۔ أذني کا لفظ مبالغۃً فرمایا، جیسا کہ کہتے ہیں: رأیت بعینی۔ (یقول): ایک روایت میں ''وهو یقول'' ہے۔ (طلحة...... الجنة): یہ جملہ کنایۃً اس کمال قرب و تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو ان دونوں حضرات اور نبی کریم ﷺ کے مابین تھا۔

تخریج: امام حاکمؒ نے بھی اس روایت کو یوں ہی ذکر فرمایا ہے۔

۶۱۲۴: وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۰۷/۵ حدیث رقم ۳۷۵۱۔

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! سعد جب آپ سے دعا مانگے تو تو اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرما۔

تشریح: (أن...... استجب): الدعاء مفعول بہ محذوف ہے۔ (لسعد): ترمذی کی روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سعد بن ابی وقاص ہیں۔

۶۱۲۵: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ يَّعْنِیْ يَوْمَ اُحُدٍ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۲۴/۱۴ حدیث رقم ۳۹۲۲۔

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان کے حق میں) اس دن یعنی غزوۂ احد کے دن یوں دعا فرمائی اے اللہ! اس (سعدؓ) کی تیراندازی میں شدت و قوت عطا فرما اور اس کی دعا قبول کر''۔

(شرح السنۃ)

تشریح: (...... احد): یہ تفسیر حضرت سعدؓ کے بعد کے راویوں میں سے کسی کی ہے۔ (اشدد): دال اول کے ضمہ کے ساتھ۔ (رمیته): راء کے فتحہ، میم کے سکون کے ساتھ۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدد سهمه۔

توضیح: یہ روایت امام ترمذیؒ نے قیس سے بھی نقل کی ہے: أن النبی ﷺ قال: الحدیث۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۱۲۶: وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ مَاجَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ اِلَّا لِسَعْدٍ قَالَ لَهٗ يَوْمَ --

أُحُدٍ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ وَقَالَ لَهُ إِرْمِ أَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٠٧ حدیث رقم ٣٧٥٣ و احمد فی المسند ٩٢/١

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ کو سعدؓ کے سوا کسی کے لئے جمع نہیں فرمایا چنانچہ غزوۂ احد کے دن ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ''(اے سعد!) تیر چلا' تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں''۔ (نیز (اس دن) آپ ﷺ نے سعدؓ کو مخاطب کر کے یوں بھی فرمایا: ''تیر چلا! اے طاقتور لڑکے!۔ (ترمذی)

تشریح: (...... أمه): ایک روایت میں ''أبویه'' ہے۔ (لأحد الا لسعد): یعنی جنگ احد کے موقع پر یہ جملہ کسی اور کے حق میں ارشاد نہیں فرمایا۔ یا یہ کہ انہوں نے یہ جملہ کسی اور کے بارے میں نہیں سنا۔ پہلے احتمال کی تائید اس آنے والے جملے سے بھی ہوتی ہے۔ (قال له): یعنی ان سے فرمایا، کسی اور سے نہیں فرمایا۔ (یوم أحد...... أمي): فداك، فاء کے فتحہ کے ساتھ، اور کبھی کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ (الحزور): حاء مہملہ، زاء اور واؤ مشددہ کے فتحہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں زاء کے سکون اور واؤ کی تخفیف کے ساتھ ہے، بمعنی شیر کا بچہ۔ (ذکرہ شارح)۔

النہایۃ میں ہے کہ: وهو الذی قارب البلوغ، والجمع الحزاورة۔ (ذکره الطیبی)۔

سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: اس کے اصل معنی تو یہی ہیں۔ البتہ اس سے یہاں مراد الشاب ہے، چونکہ حضرت سعدؓ اس وقت تک حد بلوغ سے تجاوز کر چکے تھے۔ ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ سترہ سال (۱۷) کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ لہٰذا یہاں اس سے مراد یہ ہوگا کہ وہ شجاعت و بہادری میں کمال مردانگی کے بلوغ کے قریب تھے۔ قاموس میں ہے کہ: الحزور کعملس، الغلام القوی' الرجل القوی۔

سعد بن مالکؓ کے علاوہ دوسرے راویوں کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جو احد کے دن یہ فرما رہے تھے: ارم فداك أبي و امي۔ (مسلم وترمذی)۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا ہے۔ اس روایت کو ایک اور طریق سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ما سمعت رسول الله ﷺ: یفدی أحدا بأبویه۔ (الحدیث)۔ اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ایک اور طریق سے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے: ما سمعت رسول الله ﷺ: أفدی رجلا غیر سعد، فانه قال یوم أحد ویوم حنین ''ارم فداك أمي وأبي''۔ (الملاء فی سیرته)۔ انہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں: جمع رسول الله ﷺ: له أبویه یوم أحد قال؛ کان رجل من المشرکین قد أحرق المسلمین فقال له النبي ﷺ: ''ارم فداك أبي وأمي'' قال: فنزعت له بسهم لیس فیه نصل، فأصبت جبینه فسقط وانکشفت عورته، فضحك رسول الله ﷺ حتی رأیت نواجذه۔ (الشیخان)۔ ترمذیؒ کی ایک روایت میں ہے کہ: جمع أبویه یوم أحد۔ اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں: نثل لي رسول الله ﷺ كنانته یوم أحد وقال: ''ارم فداك أبي وأمي''۔ (شیخین)۔ الریاض میں ہے کہ: ان سعدا کان ممن لزم بیته فی الفتنة وأمر أهله أن لا یخبروه من أخبار الناس بشيء حتی تجتمع الأمة علی الامام۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: أن رسول الله ﷺ عاده عام حجة الوداع بمكة من مرضٍ أشفي فیه فقال سعد: یا رسول الله! قد خفت أن أموت بالأرض التي هاجرت منها، فقال

ﷺ، ''اللھم اشف سعدا اللھم اشف سعدا''۔ اس روایت میں وصیت کا ذکر بھی ہے۔ اور ''الثلث کبیر'' کے الفاظ بھی ہیں۔

اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ: أن صدقتك من مالك صدقة، وأن نفقتك على عيالك صدقة، وأن ما تأكل امرأتك من مالك صدقة۔ (اخرجه الشيخان)

حضور ﷺ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ماموں فرمانا

۶۱۲۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلَ سَعْدٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ فَلْيُرِنِيْ اِمْرُؤٌ خَالَهٗ (رواه الترمذی) وَقَالَ كَانَ سَعْدٌ مِّنْ بَنِيْ زُهْرَةَ وَكَانَتْ اُمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ زُهْرَةَ فَلِذٰلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِيْ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلْيُكْرِمَنَّ بَدَلَ فَلْيُرِنِيْ.

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۰۷/۵ حدیث رقم ۳۷۵۲

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) سعد بن ابی وقاص (مجلس مبارک میں) آئے تو نبی کریم ﷺ نے (ان کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: ''یہ میرے ماموں ہیں۔ اگر کسی شخص کے ایسے ماموں ہوں تو وہ مجھ کو دکھائے''۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ سعدؓ کا تعلق (قریش کے ایک قبیلہ) بنو زہرہ سے تھا اور (چونکہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا) اس اعتبار سے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں نیز مصابیح میں فَلْيُرِنِيْ (تو وہ مجھ کو دکھائے) کے بجائے فلیکرمن (تو وہ اپنے اس ماموں کی تکریم کرے) کے الفاظ مذکور ہیں (ابن حجرؒ نے اس تبدیلی کو ''تصحیف'' کہا ہے اور ملا علی قاریؒ نے تو ''تحریف'' قرار دیا ہے)''۔

تشریح: (فلیرنی): یاء کے ضمہ، اور راء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی فلیبصرنی۔

زھرۃ: زاء کے ضمہ کے ساتھ، قریش کی ایک شاخ ہے۔ زہرہ عورت کا نام ہے جو کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب کی بیوی تھی۔

فلیکرمن: باب افعال سے امر غائب تاکید کا صیغہ ہے۔

قولہ وفی المصابیح...... ابن حجرؒ نے اس تبدیلی کو تصحیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ تصحیف نہیں، بلکہ تحریف ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فاء سے پتہ چلتا ہے کہ شرط مقدر ہے۔ ھذا اسم اشارہ، مزید تمیز اور کمال تعین کے لئے لایا گیا ہے۔ لہٰذا یہ ان کے اکرام کی طرح ہے اور مطلب یہ ہوگا:

أی أنا أكرم خالی هذا، وإذا كان كذلك فليتبع كل سنتی، فليكرم من كل أحد خاله۔

کتاب کی روایت (جیسا کہ ترمذیؒ اور الجامع میں ہے)، کے مطابق تقدیری عبارت یوں ہوگی: أنا أميز خالی كمال تمييز وتعيين لأباهي به الناس، فليرني كل امرئ خاله مثل خالي۔ کمال تمیز میں اس کے مثل شاعر کا یہ قول ہے:

اولئك آبائي فجئني بمثلهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

الفصل الثالث:

۶۱۲۸ : وَعَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِىْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّىْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَاَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةُ وَوَرَقُ السَّمُرِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهٗ خِلْطٌ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْاَسَدٍ تُعَزِّرُنِىْ عَلَى الْاِسْلَامِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِىْ وَكَانُوْا وَشَوْابِهٖ اِلٰى عُمَرَ وَقَالُوْا لَا يُحْسِنُ الصَّلَاةَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۸۳/۷حديث رقم ۳۷۲۸ومسلم فى صحيحه ۲۲۷۷/۴حديث رقم (۱۲-۲۹۶۶) واخرجه الترمذى فى السنن ۵۰۲/۵حديث رقم ۲۳۶۵ و احمد فى المسند ۱۷۴/۱

ترجمہ: ''حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: یقیناً میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں مصروف ہوتے تھے اور ہمارے پاس سوائے کیکر کی پھلیوں کے (جو لوبیہ کے مشابہ ہوتی ہیں) اور اس کے پتوں کے' خوراک نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی' (جنہیں ہم پیٹ میں پہنچا کر بھوک کی آگ کچھ ٹھنڈی کر لیتے تھے) اور ہم لوگ بکری کی مینگنیوں کی مثل خشک پاخانہ کیا کرتے تھے جو (خشک ہونے کے باعث آپس میں جڑا ہوا نہیں ہوتا تھا پھر (اب وہ زمانہ بھی دیکھنا پڑ رہا ہے کہ) بنو اسد مجھ کو اسلام (یعنی نماز) کے بارے میں نصیحت (یا تنبیہ) کرتے ہیں۔ (بخدا اگر میں اب بھی بنو اسد کی نصیحت کا محتاج اور دین کے بارے میں ان سے کمتر ہوں) تو پھر اس میں کیا شبہ کہ میں بد نصیب ہی رہا اور میرے اعمال ضائع و برباد ہو گئے۔ (یہ سعدؓ نے اس وجہ سے کہا کہ) بنو اسد نے حضرت عمر فاروقؓ سے سعد کی چغل خوری اور شکایت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (......سبیل اللہ): اس حصہ کی شرح تحقیق کے ساتھ ماقبل میں گزر چکی ہے۔ حدیث کے اتنے ٹکڑے کی تخریج شیخین نے بھی کی ہے۔

(نغزو...... الحبلة): حاء مہملہ کے ضمہ اور باء موحدہ کے سکون کے ساتھ، کیکر کی پھلیاں جو لوبیا کے مشابہ ہوتی ہیں۔

قال ابن الاعرابی: بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ثمر العضاۃ (خاردار درخت کا پھل) ہے۔

السمر: سین مہملہ کے فتحہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ، ایک مشہور و معروف درخت ہے۔ اس کا واحد سمرة ہے۔ اسی وجہ سے اصحابِ سمرہ کہا جاتا ہے۔ (قاموس)

(وان): مخففہ من المثقلہ ہے۔ (کان أحدنا لیضع): لام ''لام فارقہ'' ہے (ماله خلط): خاء معجمہ کے کسرہ کے ساتھ۔ (تعزرنی): زاء کی تشدید کے ساتھ۔ (علی الاسلام): اسلام سے مراد نماز ہے، چونکہ نماز دین کا ستون ہے یا یہ کہ دین اسلام کے احکامات میں سب سے عمدہ و اعلیٰ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ مجھے آداب سکھاتے پھرتے ہیں اور مجھے نماز سکھا رہے ہیں،

اور مجھے شرم دلاتے ہیں، کہ تمہیں نماز اچھی طرح پڑھنا نہیں آتی۔ (لقد خبت): خاء معجمہ کے کسرہ، اور باء موحدہ کے سکون کے ساتھ۔ (اذاً): تنوین کے ساتھ۔ (و كانوا): ضمیر کا مرجع بنو اسد ہیں۔ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب حضرت عمرؓ نے حضرت سعد کو عراق کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ (وشوا): شین مخففہ کے فتحہ کے ساتھ۔

لا يحسن الصلاة: یعنی یا تو نماز کے ارکان یا شرائط یا سنن کی ادائیگی، اور آداب وغیرہ کی رعایت نہیں رکھتے۔

النہایہ میں ہے کہ: التعزير الاعانة والتوقير والنصرة مرة بعد مرة۔ تعزیر کا مطلب اعانت، توقیر، اور بار بار مدد و نصرت کرنا ہے۔ اسی معنی میں اللہ جل شانہ کا یہ قول: ﴿وتعزروه وتوقروه﴾۔ [الفتح: ۹] ہے۔

فرمایا: "تعزیر" کے اصل معنی ہیں منع و رد۔ اسی وجہ سے ایسی تادیب کو بھی تعزیر کہتے ہیں جو حد سے کم ہو۔ چونکہ تعزیر بھی جان کو گناہ کی طرف معاودت سے روکتی ہے۔ لہٰذا التعزیر کا لفظ اضداد میں سے ہوا۔ اسی معنی میں حضرت سعد کی یہ حدیث ہے:

أصبحت بنو أسد تعزني على الاسلام أى توقفني عليه وقيل توبخني على التقصير فيه۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: تعزرني على الاسلام میں نماز کو اسلام سے تعبیر کرنا، اللہ جل شانہ کے اس قول کی نظیر ہے: ﴿وما كان الله ليضيع ايمانكم﴾ [البقرة: ۱۴۳]

یہ درحقیقت اس بات کا ایذان ہے کہ نماز دین کا ستون اور اسلام کی چوٹی ہے۔

(متفق عليه): حضرت جابر بن سمرةؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: شكا اهل الكوفة سعد بن مالك الى عمر فقالوا: لا يحسن الصلاة، قال سعد: أما أنا فكنت أصلي بهم صلاة رسول الله ﷺ أمد في الأوليين وأخفف في الأخريين، فقال عمر: ذاك الظن بك أبا اسحاق قال: فبعث رجالا يسألون عنه في مساجد الكوفة قال: فلا يأتون مسجدا من مساجد الكوفة الا أثنوا عليه خيرا وقالوا معروفا حتى أتوا مسجدا من مساجد بني عبس قال: فقال رجل يقال له أبا سعدة: اللهم انه كان لا يسير بالسرية ولا يعدل في القضية ولا يقسم بالسوية۔ قال، فقال سعد: أما والله لأدعون بثلاث اللهم ان كان كاذبا فأطل عمره وأطل فقره وعرضه للفتن، فكان بعد ذلك يقول اذا سئل: شيخ كبير مفتون أصابتني دعوة سعد۔ قال جابر بن سمرة: فأنا رأيته بعد قد سقط حاجباه على عينيه من الكبر، وانه يتعرض للجوارى في الطريق فيغمزهن۔

ایک روایت میں ہے کہ: وأما أنا فأمد في الأوليين وأحذف في الأخريين، ولا آلو ما اقتديت به من صلاة رسول الله ﷺ۔ قال عمر: صدقت ذلك الظن بك أو ظني بك أبا اسحاق۔ (بخاری)۔ برقانی نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین قرار دیتے ہوئے اس حدیث کی تصریح کی ہے۔ اور فرمایا: عبدالملك بن عمير راوی نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ: فأنا رأيته يتعرض للاماء في السكك، واذا قيل له: كيف أنت يا أبا سعدة؟ قال: كبير مفتون أصابتني دعوة سعد۔ اس روایت میں حضرت سعدؓ کی بددعا کے یہ الفاظ آئے ہیں: اللهم ان كان كاذبا فاعم بصره، وأطل عمره، اور پھر باقی بات ذکر کی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تیسرے نمبر پر اسلام قبول کرنا

۶۱۲۹: وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ رَاَیْتُنِیْ وَاَنَا ثَالِثُ الْاِ سْلَامِ وَمَا اَسْلَمَ اَحَدٌ اِلاَّ فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ اَسْلَمْتُ فِیْهِ وَلَقَدْ مَکَثْتُ سَبْعَةَ اَیَّامٍ وَاِنِّیْ لَثُلُثُ الْاِ سْلَامِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸۳/۷ حديث رقم ۳۷۲۷ وابن ماجه في السنن ۴۷/۱ حديث رقم ۱۳۲

ترجمہ: ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے بارے میں (دوسروں سے زیادہ) جانتا ہوں' اسلام قبول کرنے والوں میں میرا نمبر تیسرا ہے اور جس روز میں مشرف باسلام ہوا' اسی روز ہی دوسرے لوگ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ میں نے سات روز اسی حالت میں گزارے کہ میں مشرف باسلام ہونے والوں میں تیسرے نمبر پر ہوں۔'' (بخاری)

تشریح: قوله: رأيتنی فأنا ثالث الاسلام اسلمت فيه:

دوسرے دو افراد حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر تھے۔ (سیوطی)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کا قبول ایمان ان حضرات سے متاخر ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ کی مراد یہ ہو کہ آزاد اور بالغ افراد میں ہم تین افراد کے علاوہ اور کوئی شخص ان سات دنوں میں مسلمان نہیں ہوا۔

قوله: وانی لثلث الاسلام: لام کے ضمہ اور سکون کے ساتھ، ابوعبداللہ فرماتے ہیں: ثلث الاسلام کا مطلب یہ ہے کہ میں اسلام قبول کرنے والا تیسرا فرد تھا۔ بعض محققین فرماتے ہیں: کہ حضرت سعدؓ کو شاید اور لوگوں کے اسلام کی خبر نہ ہوگی، ورنہ تو حضرت عمارؓ کی اس روایت: رأيت رسول الله ﷺ وما معه الا خمسة أعبدو امرأتان وأبو بكر، حضرت عمارؓ کہتے ہیں: (کہ جب میں نے پہلی بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، تو اس وقت پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ایک ابوبکرؓ کے علاوہ اور کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان نہیں تھا) سے یہ اشکال پیدا ہوگا کہ حضرت علیؓ جو قبول اسلام کے وقت نابالغ تھے اور حضرت زید بن حارثہ غلام کے بارے میں یہ بات ثابت ہے کہ ان دونوں نے بھی پہلے ہی دن اسلام قبول کر لیا تھا۔ (رواہ البخاری): امام بغویؒ نے اپنی معجم میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ وقال: ما أسلم أحد قبلي وقال ستة أيام۔

جابر بن سعد عن أبيه کی روایت میں ہے: قال: لقد رأيتني وأنا ثلث الاسلام۔ (بخاری)۔ فضائلی کی روایت میں ہے کہ: ان الاثنين أبو بكر وعلي۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سخاوت

۶۱۳۰: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لِنِسَآئِهٖ اِنَّ اَمْرَکُنَّ مِمَّا یُهِمُّنِیْ مِنْ بَعْدِیْ وَلَنْ یَصْبِرَ عَلَیْکُنَّ اِلاَّ الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّیْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ یَعْنِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِاَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ سَقَی اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِیْلِ الْجَنَّةِ وَکَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ

تَصَدَّقَ عَلٰی اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِحَدِیْقَةٍ بِیْعَتْ بِاَرْبَعِیْنَ اَلْفًا۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٠٦/٥ حديث رقم ٣٧٤٩ و احمد فی المسند ٧٧/٦

ترجمه: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی پاکیزہ بیویوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے: تمہارا معاملہ کچھ اس نوعیت کا ہے کہ مجھ کو میرے بعد کے فکر میں ڈالتا ہے اور تمہارے ساتھ مشکل معاملات میں ہرگز صبر نہیں کریں گے سوائے صابرین اور صدیقین کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (صابر اور صدیق سے آپ ﷺ کی مراد وہ لوگ ہیں) جو صدقہ دینے والے اور کار خیر کرنے والے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے حضرت ابوسلمہ تابعیؒ کے سامنے (ان کے والد بزرگوار کے زبردست مالی ایثار پر اظہار تشکر اور جذبۂ منت گزاری کے تحت) کہا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرمائے'' اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات (کے خرچہ) کے لئے ایک باغ دیا تھا جو چالیس ہزار دینار میں فروخت گیا تھا''۔

تشریح: قوله عائشة: الریاض میں سند یوں مذکور ہے: عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن عن عائشة۔ یهمنی: یاء کے فتحہ، ھاء کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ، ایک نسخہ میں یاء کے ضمہ، ھاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ شیخین کی ایک روایت میں ''یهمنی'' ہے۔

من بعد: یعنی میری وفات کے بعد۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے ان ازواج کے لئے کوئی ترکہ نہ چھوڑا تھا اور انہوں نے آیت تخییر کے وقت دنیوی زندگی پر اخروی زندگی کو ترجیح دی تھی۔

قوله : سقی ......الجنة: جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اسی معنی میں اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا﴾ [الانسان: ۱۷، ۱۸] ''اور وہاں ان کو ایسے مشروب پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے''۔ کہتے ہیں: شراب سلسل وسلسال وسلسبیل۔ باء کا اضافہ ہونے کی وجہ سے یہ کلمہ خماسی بن گیا اور کلمہ کی دلالت غایت سلاست پر ہونے لگی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب ہے: سل سبیل الیها۔

(وكان ابن عوف): یہ راوی کا کلام ہے۔ عائشہ سے حال ہے۔ اور عامل قالت ہے۔ (طیبیؒ)۔ بعید نہیں کہ یہ جملہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد فرمودہ ہو۔ جو انہوں نے متصدقین کی وضاحت کے لئے فرمایا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ: وقد رصد ازواج النبی ﷺ بمال بیع بأربعین ألفا۔ انہوں نے ازواج مطہرات کو ایسا مال (بطور ہدیہ) دیا تھا جو چالیس ہزار میں فروخت ہوا۔ اس روایت کو بھی امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے: أوصی بحديقة لأمهات المؤمنين بيعت بأربعمائة الف۔ ازواج مطہرات کے لئے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ میں فروخت ہوا۔ امام ترمذیؒ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

زہریؒ سے مروی ہے کہ:تصدق عبد الرحمٰن بن عوف علی عهد رسول الله ﷺ بشطر ماله اربعة آلاف، ثم تصدق بأربعين ألف دينار، ثم حمل على خمسمائة فرس في سبيل الله، ثم حمل على ألف وخمسمائة راحلة في سبيل الله، وكان عامة ماله من التجارة۔ (الصفوة)۔

حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے: أوصى عبد الرحمٰن بن عوف بخمسين ألف دينار في سبيل الله۔ (الفضائل) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ (صدقہ کرنے) کی وصیت فرمائی۔

محمد سے مروی ہے فرمایا: بلغني أن عبد الرحمن بن عوف توفي وكان فيما خلفه ذهب قطع بالفؤس حتى مجلت أيدي الرجال منه۔ وترك أربع نسوة، فاصاب كل امرأة ثمانون الفا ۔ (الصفوة)۔ مجھے یہ بات پہنچی کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے ترکہ میں سونا چھوڑا، وہ سونا کلہاڑیوں سے کاٹا گیا، حتی کہ لوگوں کے ہاتھ آبلہ دار ہو گئے۔ اور چار بیویاں چھوڑیں، ہر ایک عورت نے (۸۰) ہزار پائے۔

صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے فرمایا:صالحنا امرأة عبد الرحمٰن التي طلقها في مرضه من ثلث الثمن بثلاثة وثلاثين ألفا۔ وفي رواية :من ربع الثمن۔ (أخرجه ابو عمرو)

طائیؒ فرماتے ہیں:قسم ميراثه على ستة عشر سهما، فبلغ نصيب كل امرأة مائتي ألف درهم۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ترکہ سولہ (۱٦) سہام پر تقسیم ہوا، اور ہر بیوی کے حصہ میں دو دو لاکھ درہم آئے۔

٦١٣١ :وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِاَ زْوَاجِهٖ اِنَّ الَّذِیْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِیْ هُوَا لصَّادِقُ الْبَارُّ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ۔

(رواه احمد)

أخرجه احمد في المسند ٢٩٩/٦۔

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی ازواج سے یوں فرماتے ہوئے سنا: ''حقیقت یہ ہے کہ میری وفات کے بعد جو شخص مٹھیاں بھر بھر کر تم پر خرچ کرے گا (یعنی پوری فراخ دلی اور کامل سخاوت کے ساتھ تمہارے مصارف میں اپنا مال خرچ کرے گا) وہ صادق اور محسن ہوگا! اے اللہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کی نہر سلسبیل سے سیراب فرما''۔ (احمد)

تشریح: البار: راء کی تشدید کے ساتھ، مراد صاحب احسان۔

اللهم اسق: ہمزہ وصلی اور قطعی کے ساتھ ہے۔

(رواه أحمد): اس میں آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ (طیبی)۔ کوئی بعید نہیں کہ یہ جملہ بھی انہی ام المؤمنین کا ارشاد فرمودہ ہو۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو امین حق الامین کا خطاب

۶۱۳۲: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَآءَ اَهْلُ نَجْرَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلًا اَمِيْنًا فَقَالَ لَاَ بْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ رَجُلًا اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ قَالَ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ جَرَّاحٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۳/۷ حدیث رقم ۳۷۴۵ ومسلم فی صحیحه ۱۸۸۲/۴ حدیث رقم (۵۵۔۲۴۲۰) الترمذی فی السنن ۶۲۰/۵ حدیث رقم ۳۷۹۶ وابن ماجه ۴۸/۱ حدیث رقم ۱۳۵ و احمد فی المسند ۳۹۸/۵۔

ترجمه: ''حضرت حذیفہ (بن الیمانؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار تھے) کہتے ہیں کہ نجران کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس (حاکم و قاضی بنا کر) ایسے شخص کو بھیجئے جو امانت دار ہو (یعنی ہمارے حقوق میں کوئی خیانت نہ کرے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً میں ایک ایسے ایماندار شخص کو (حاکم یا قاضی بنا کر) تمہارے طرف بھیجوں گا جو حقیقت میں امین کہلانے کا مستحق ہے۔ (یہ سن کر) لوگ اس شرف کے حصول کی تمنا اور انتظار کرنے لگے (کہ دیکھیں کون شخص اس منصب کا شرف و امتیاز حاصل کرتا ہے) حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو (نجران کا حکم بنا کر) بھیجا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (قال...... نجران): نون کے فتحہ، جیم کے سکون کے ساتھ، یمن میں واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ جو سن چھ ہجری میں فتح ہوا۔ اسی جگہ کو نجران بن زیدان بن سبا۔ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اس نام کی کچھ اور جگہیں بھی ہیں مگر بظاہر یہی مراد ہے۔

حق أمين: قدمت خير مقدم کی طرح مفعول مطلق ہے۔

جو امین کہلوانے کے لائق ہو۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ مؤکد ہے اسی لئے اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس مثال میں: ان زيد العالم حق عالم وجد عالم، کہ عالم، حقا وجدا کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ ایسا عالم ہے جو علم (علمی مسائل) میں بے انتہاء کوشش کرتا ہے، اور بقدر استطاعت کوشش کرنے میں ذرہ بھر بھی سستی نہیں کرتا۔ اسی قبیل سے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وجاهدوا فی الله حق جهاده﴾ کہ جاهدوا جهادا فی الله حقا خالصا لوجهه کے معنی میں ہے، کہ تحصیل مبالغہ کے لئے تقدیم و تاخیر کر کے حق کو جہاد کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

قوله: فاستشرف لها الناس: اس تمنا اور اظہار کا تعلق جاہ طلبی کے جذبہ اور تحصیل منصب کی خواہش سے ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس تمنا و اشتیاق کی بنیاد صفت امانت سے متصف قرار پانے کی طلب و خواہش تھی۔

مستحقِ خلافت حضرات کا ذکر

۶۱۳۳: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَابَكْرٍ تَجِدُوْهُ اَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا اَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِيًّا وَلَا اَرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَاْخُذُبِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

(رواہ احمد)

أخرجه احمد في المسند ۱۰۹/۱

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے (رسول اللہ ﷺ) سوال کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کے بعد ہم کس کو اپنا امیر مقرر کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد ابوبکر کو اپنا امیر ومقرر کرو گے تو ان کو امانت دار دنیا سے مستغنی اور آخرت کی طرف راغب پاؤ گے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کرو گے تو ان کو (بار امانت وامارت اٹھانے میں) بہت مضبوط امانت دار اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف پاؤ گے اور اگر علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کرو گے درآنحالیکہ میرا خیال یہ نہیں ہے کہ تم ان کو (اختلاف ونزاع کے بغیر) اپنا امیر ومقرر کرو گے۔ (تاہم جب بناؤ گے) تو تم ان کو راہ راست دکھانے والا اور کامل ہدایت یافتہ بھی پاؤ گے جو تمہیں صراط مستقیم پر گامزن کریں گے''۔ (احمد)

تشریح: (...... نؤمر): نون کے ضمہ، ہمزہ کے فتحہ اور میم مشددہ کے کسرہ اور راء کے ساتھ۔ ایک صحیح نسخہ میں نون کے بجائے تاء فوقانی کے ساتھ ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: آپ اپنے بعد ہمارا امیر کس شخص کو مقرر فرمائیں گے؟ آنے والا جملہ پہلے مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ (قال...... أمينا): یعنی دین کے معاملہ میں وہ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے، اس کی بنیاد امانت وعدل ہوگی۔ (زاهدا...... الآخرة): اس سے پتہ چلتا ہے خلیفہ میں یہ خوبی ہونی چاہیے تاکہ اخلاص کا منبع ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ تجدوه مسلما أمينا (تم ان کو امانت دار مسلمان پاؤ گے) اور ایک روایت میں ہے کہ تجدوه قويا في أمر الله ضعيفا في نفسه (تم ان کو اللہ کے معاملے میں مضبوط پاؤ گے، اور خود ان کی ذات کے معاملے میں ضعیف پاؤ گے)۔ (أمينا): یعنی ان سے کسی قسم کی خیانت نہ دیکھو گے۔

لومة دونوں اسموں کو نکرہ لانے میں مبالغہ ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا: لا يخاف شيئا قط من لوم أحد من اللوام، یعنی کبھی بھی کسی بھی ملامتی کی کسی بھی قسم کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: تجدوه قويا في أمر الله قويا في نفسه۔ تم ان کو اللہ کے معاملے میں بھی مضبوط پاؤ گے اور خود ان کی ذات کے معاملہ میں بھی۔

قوله وان تؤمر واعليا.... الطريق المستقيم:

أرا: ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، جملہ حالیہ ہے: أي والحال أني لا أظنكم۔ (مهديا): میم کے فتحہ اور یاء تحتانیہ کی تشدید

کے ساتھ۔ (یأخذ...... المستقیم): امام طیبیؒ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا منشاء یہ تھا کہ اے امتیو! میرے بعد (اہل اسلام کی قیادت وسربراہی کا) معاملہ تمہارے سپرد ہے۔ چونکہ تم (دین وملت کے بارے میں) امین ہو، مجتہد ہو، اجتہاد کے نتیجے میں صحیح فیصلہ پر قادر ہو، تم لوگوں کا اجماع واتحاد حق وسچائی کے علاوہ کسی بات پر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مذکورہ لوگ غیر منقطع سلسلہ کی مانند ہیں، نامعلوم کہ ان میں کون اکمل ہو۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ: سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا خلافت کے بارے میں ان کے تقدم کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر صراحۃً نہیں کیا، لیکن ولا أرکم سے اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مقدم ہیں۔ بعض لوگوں نے دور از کار بات کہی کہ ولا أراکم فاعلین کا تعلق حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت سے ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا منشاء یہ ہو کہ لا أراکم فاعلین تامیر علی مقدما علی کلھم چونکہ آپ کو قضاء وقدر کے اس فیصلہ کا علم دے دیا گیا تھا کہ حضرت علی دوسرے خلفائے راشدین کے مقابلے میں لمبی عمر پائیں گے۔ لہٰذا اگر حضرت علیؓ کو خلافت ملتی تو دوسرے حضرات کی خلافت کا موقع ہی نہ آتا، حالانکہ آنحضرت ودوسرے حضرات کی خلافت کا فیصلہ بھی فرما چکے تھے، لہٰذا یہ متعین ہوگیا کہ انکم غیر فاعلین۔ اور ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم وھو الموفق والمعین۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: قالوا یا رسول اللہ ألا تستخلف؟ قال: "لا، انی ان استخلفت علیکم فعصیتم خلیفتی نزل العذاب"۔ قالوا: ألا نستخلف أبا بکر؟ قال: "ان تستخلفوه تجدوه قویا فی أمر اللہ ضعیفًا فی نفسه"۔ قالوا ألا نستخلف عمر؟ قال: "ان تستخلفوه تجدوه قویا فی أمر اللہ قویا فی بدنه"۔ قالوا: ألا نستخلف علیا؟ قال: "ان تستخلفوه تجدوه هادیا مهدیا یسلك بکم الطریق المستقیم"۔ (خرجه ابن السمان)۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، چونکہ اگر میں نے تمہارا خلیفہ مقرر کردیا اور پھر تم نے میرے خلیفہ کی نافرمانی کی، تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم ابوبکر صدیق کو خلیفہ نہ بنالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ابوبکر کو امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو اللہ کے معاملے میں مضبوط پاؤ گے اور خود ان کی ذات کے معاملے میں ضعیف پاؤ گے۔ صحابہ نے پھر عرض کیا، ہم عمر فاروق کو خلیفہ نہ بنالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم عمر فاروق کو امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو اللہ کے معاملے میں بھی مضبوط پاؤ گے، اور خود ان کی ذات کے معاملے میں بھی۔ صحابہ نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ بنالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم علیؓ کو خلیفہ بناؤ گے تو تم ان کو راہ راست دکھانے والا بھی پاؤ گے اور کامل ہدایت یافتہ بھی۔ جو تمہیں صراط مستقیم پر چلائیں گے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خصوصی صفات کا ذکر

۶۱۳۴: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِيْ اِبْنَتَهٗ وَحَمَلَنِيْ اِلٰى دَارِالْهِجْرَةِ وَصَحِبَنِيْ فِي الْغَارِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِّنْ مَالِهٖ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهٗ مِنْ صَدِيْقٍ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ

اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥٩١/٥ حديث رقم ٣٧١٤

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوبکر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے اپنی صاجزادی (عائشہؓ) کا نکاح مجھ سے کر دیا' اپنی اونٹنی پر مجھ کو سوار کر کے مجھ کو دار ہجرت (یعنی مدینہ) لے آئے' (سفر ہجرت کے دوران) غار ثور میں میرے ساتھی رہے اور اپنے مال سے بلالؓ کو (خرید کر) آزاد کیا (اور میری خدمت میں دے دیا)۔ اللہ تعالیٰ عمر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ وہ جو سچ بات کہتے ہیں خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اور حق گوئی نے ان کو علیحدہ چھوڑ دیا اس وجہ سے ان کا کوئی دوست نہیں۔ اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' ان سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' اے اللہ! حق کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکھ کہ جدھر علی رہے (ادھر ہی حق رہے)''۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: (قال...... بکر): اس سے پتہ چلا کہ زندوں کو بھی رحمت کی دعا دینا درست ہے۔ (زوجنی ابنته): ہمزہ وصلی ہے۔ اور جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی تواضع تھی وگرنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی صاجزادی کو قبول کرنا بھی ایک احسان تھا۔ (وحملنی...... الهجرة): یعنی اپنے اونٹ پر سوار کیا، اگرچہ قبول ثمن کے ساتھ ہی کیا۔ (وصحبنی فی الغار): یعنی اس وقت میرا یارِ غار بنا، جب کہ مجھے اغیار نے چھوڑ دیا۔ (مرا): لوگوں پر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔ (ترکه الحق): استیناف بیانی ہے۔ (وما...... صديق): جملہ حالیہ ہے۔ یعنی برحق بات کہنے نے اس کو یہاں تک پہنچا دیا۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: **صيره قول الحق بهذه الصفة أو خلاه بهذه الحالة، وهى أنه لا صديق له اكتفاء برضا الله ورسوله۔** (ان کا کوئی دوست نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا دوست نہیں جو دوستی کے ناتے ان سے رعایتی سلوک اور مداہنت کی توقع رکھے، ورنہ جہاں تک مطلق دوستی کا تعلق ہے تو (سارے ہی مخلص اور سچے مسلمان ان کے دوست تھے اور سب سے بڑھ کر تو) صدیق اکبر ہی ان کے صدیق تھے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ترکه...... یہ جملہ، **يقول الحق ولو كان برا** کے لئے ''مبینہ'' ہے۔

ما له من صديق: اگر ترک بمعنی خلی ہو تو یہ جملہ مفعول سے حال ہے اور اگر صیّر کے معنی کو متضمن ہو تو مفعول ثانی ہے۔ (**معه...... دار**): ضمیر کا مرجع علیؓ بھی ہو سکتے ہیں اور الحق بھی۔

عرضِ مرتب:

اس باب کی احادیث دو طرح کی ہیں بعض وہ ہیں جو تمام عشرہ مبشرہ کے فضائل یا ان میں سے بعض کے مشترکہ فضائل پر مشتمل ہیں اور بعض احادیث وہ ہیں جو ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فضائل پر مشتمل ہیں پہلے وہ فضائل ذکر کیے جائیں گے جو تمام عشرہ مبشرہ یا ان میں سے بعض کے متعلق ہیں۔

وہ احادیث جو تمام عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہیں

①: حضرت عبدالرحمن بن عوف کی حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مندرجہ ذیل دس حضرات کا نام لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت سعید بن زید' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

②: امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کس کو امیر مقرر کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر فرمایا کہ اگر تم ان کو امیر مقرر کرو گے تو تم ان کو امین' دنیا سے اعراض کرنے والا اور آخرت کی رغبت کرنے والا پاؤ گے اور اگر تم عمر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو تم ان کو امانت دار' قوی اور احکام الٰہی میں ملامت کرنے والے سے نہ ڈرنے والا پاؤ گے اور اگر تم علی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرو گے اور میرا خیال ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے لیکن اگر تم ان کو امیر بنالو تو تم ان کو ہادی' مہدی پاؤ گے جو تمہیں پکڑ کر سیدھے راستے پر لے جائے گا۔

③: جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ اس نے اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کیا اور اپنے اونٹ پر مجھے مدینہ تک سوار کرایا' اپنے مال سے بلالؓ کو آزاد کرایا اور غار میں میرے ساتھ رہا اور اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کہ جو حق بات کہتا ہے اگر چہ وہ تلخ ہو اور حق گوئی کی وجہ سے اس کا کوئی دوست نہیں اور اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کہ جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اے اللہ حق کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھیر دے۔

④: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حران پہاڑ پر تھے کہ اس نے حرکت کرنا شروع کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چٹان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی' صدیق اور شہداء ہیں۔

⑤: صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپؓ نے اپنی مرض الوفات میں فرمایا کہ خلافت کے مستحق وہ لوگ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی راضی اور خوش تھے پھر حضرت علی' حضرت عثمان' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔

⑥: جامع الترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور احکام الٰہیہ میں سب سے سخت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سب سے سچے حیاء والے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ علم الفرائض کے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں۔ قرآن کے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔ حلال وحرام کے بڑے عالم معاذ بن جبلؓ ہیں اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے علی رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں۔

اب وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جو ان میں سے ہر ایک کے بارے میں علیحدہ علیحدہ وارد ہوئی ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

①: جامع الترمذی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زمین پر چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔

②: امام بخاری نے اپنی صحیح میں قیس بن ابی حازم سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہؓ کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ شل تھا انہوں نے غزوہ احد میں اپنے ہاتھ کے ذریعے حضور ﷺ کی دشمنوں کے تیروں سے حفاظت کی تھی۔

③: امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں حضور ﷺ نے دو زرہیں زیب تن فرمائیں جب چٹان پر چڑھنے لگے تو زرہوں کے بوجھ سے چٹان پر نہ چڑھ سکے تو حضرت طلحہؓ نیچے بیٹھ گئے حضور ﷺ ان پر قدم رکھ کر چٹان پر چڑھ گئے اور فرمایا کہ طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

①: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے دن فرمایا دشمن قوم کی خبر میرے پاس کون لائے گا تو حضرت زبیرؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری یعنی خاص دوست و مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں۔

②: جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے حضور ﷺ کے منہ مبارک سے یہ الفاظ سنے کہ آپ ﷺ نے فرمایا طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

③: صحیحین میں حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بنو قریظہ کے ہاں جا کر وہاں کی اطلاع اور صورت حال کون معلوم کر کے میرے پاس لائے گا تو یہ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور صورت حال معلوم کر کے حضور ﷺ کو بتلا دی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

①: جامع الترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ اپنے بعد میں تمہارے بارے میں فکر مند ہوں تم پر صابر اور صدیق ہی خرچ کریں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صدیق کی وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد صدقہ دینے والے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کی نہر سلسبیل سے سیراب کرے کہ انہوں نے ازواج مطہرات کو ایک باغ دیا جو چالیس ہزار درہم یا دینار کا فروخت ہوا۔

②: حضرت ام سلمہ کی روایت امام احمدؒ نے نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے حضور ﷺ کو اپنی ازواج سے یہ فرماتے ہوئے

سنا کہ تم پر صادق الایمان صاحب احسان شخص لپ بھر بھر کے خرچ کرے گا پھر فرمایا کہ اے اللہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرما۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

①: شیخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضرت سعدؓ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فداك ابی و امی فرماتے ہوئے نہیں سنا۔ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تیر چلا اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

②: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے تشریف لائے اور کسی وقتی خطرے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آرہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مرد صالح آکر پہرا دیتا اتنے میں ہتھیاروں کی آواز سنائی دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر آنے والے نے بتایا کہ میں سعدؓ ہوں اور آنے کی وجہ یہ بتائی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے جانا چاہئے تو میں آگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی اور سو گئے۔

③: حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں عرب میں سب سے پہلا راہ خدا میں تیر چلانے والا ہوں یہ روایت بھی صحیحین کی ہے۔

④: شرح السنہ میں ہے کہ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا دی کہ اے اللہ اس کی تیراندازی میں قوت عطا فرما اور اس کی دعا کو قبول فرما۔ اسی طرح ترمذی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ سعد کی دعا کو قبول فرما جب بھی یہ دعا کرے۔

⑤: ترمذی میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں کوئی میرے ماموں جیسا لا کر تو دکھائے۔

⑥: قیس بن ابی حازم حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے راہ خدا میں سب سے پہلے تیر چلایا اور ہم صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں جاتے تو کھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا کیکر کے پتے اور پھلیاں کھاتے جس کی وجہ سے ہمیں مینگنیوں کی طرح اجابت ہوتی۔ اب یہ بنو اسد مجھ پر نماز اچھی طرح نہ پڑھنے کا الزام لگاتے ہیں۔

⑦: بخاری میں حضرت سعدؓ کی روایت ہے کہ میں اپنے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں اور میں تیسرا شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا اسلام لانے کے بعد سات دن تک میں ہی مسلمانوں کی تعداد کا تہائی تھا۔

ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

①: صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

②: صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو خلیفہ مقرر کرتے تو کس کو مقرر کرتے تو انہوں نے

فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔سوال کیا گیا پھر کس کو انہوں نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر پوچھا گیا کہ پھر کس کو مقرر کرتے تو انہوں نے فرمایا ابوعبیدہؓ کو۔

③: صحیحین میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اہل نجران نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا ہمارے لئے کوئی امانت دار شخص کو مقرر فرمادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو امیر بنا کر تمہارے پاس بھیجوں گا جو امین ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو امین کہا جائے پھر حضرت ابوعبیدہؓ کو نجران کا حاکم وامیر بنا کر بھیجا۔

بَابُ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان

(ایک صحیح نسخہ میں ''ورضی اللہ عنہم'' کا اضافہ ہے۔عرض مرتب: جیسا کہ ہمارے مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے)

عرضِ مرتب:

اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔

①: پہلا قول یہ ہے کہ اہل بیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ رشتہ دار مراد ہیں کہ جن کے لئے شرعاً زکوۃ لینا حرام ہے اس میں حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم کی اولاد داخل ہے گویا اس سے مراد بنو ہاشم ہیں۔

②: اہل بیت سے مراد اہل وعیال ہیں اس صورت میں اہلبیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شامل ہوں گی جس پر آیت کریمہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا کا سیاق دال ہے۔

③: عام عرف میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں اور اس پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں مثلاً ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے پاس سے گزرتے تو یہ فرماتے :الصلوة يا اهل البيت: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی یہ روایت ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ ایک خادم نے آ کر خبر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے دروازہ پر کھڑے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ تم کنارے پر ہو جاؤ تو میں گھر کے اندر چلی گئی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ اندر تشریف لائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کو اپنی گود میں بٹھایا اور ایک ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکڑا اور ان کو اپنے ساتھ چمٹالیا اور ان سب پر اپنی سیاہ کملی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھے ہوئے تھے لپیٹ دی اور فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو اور مجھے اپنے ساتھ ملا لیجئے نہ کہ آگ سے۔

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری یہ مسجد عورتوں میں سے حائضہ پر اور مردوں میں سے جنبی پر حرام ہے (یعنی ہر جنبی اور حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا حرام ہے) سوائے میرے اور میرے اہل بیت کے کہ وہ علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں کہ ان کے لئے حرام نہیں ہے اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

حاصل یہ کہ اہل بیت کا اطلاق ان چاروں حضرات پر مشہور ومعروف ہے علماء کرام نے ان سب اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ بیت تین طرح کے ہیں۔ ① بیت نسب۔ ② بیت سکنی۔ ③ بیت ولادت۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں نسب کے اعتبار سے کیونکہ جد قریب کی اولاد کو بیت اور گھر کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فلاں کا گھر عظمت و بزرگی والا ہے اور ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلبیت ہیں سکنی کے اعتبار سے اور عرف عام میں بھی آدمی کی بیویوں کو اس کے اہل اور گھر والے کہا جاتا ہے اور اولاد مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت ہے ولادت کے اعتبار سے اہل بیت باعتبار ولادت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کو شامل ہے لیکن حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم باعتبار زیادتی فضل وعظمت کے اور خصوصی محبت وتعلق کی وجہ سے ممتاز ومخصوص ہیں اور ان کے فضائل ومناقب اور عظمتوں کے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔

مؤلف نے باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض بنو ہاشم کو، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو ذکر کیا ہے اور ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید کو بھی اس باب میں ذکر کیا یا تو ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت وعنایت کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اہل بیت میں شمار فرمایا تھا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر اس باب میں نہیں کیا بلکہ ان کے فضائل کے لئے علیحدہ سے باب مقرر کیا اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ان کے مخصوص مناقب وفضائل ہیں جو انہیں کے ساتھ خاص ہیں یا عرف عام کا لحاظ رکھتے ہوئے ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شامل نہیں کیا اور ان کے لئے علیحدہ باب باندھا۔

ایک تنبیہ:

یہاں یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر کی بیویو تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت ومشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری وباطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دیا جائے۔ جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۃ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوگا کہ یہاں اہلبیت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ

قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ اہل بیت کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہی کی طرف جاتا ہے۔

عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے اہل بیت کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے اسی طرح فارسی میں اہل خانہ اور اردو میں گھر والے یا گھر والی بیوی ہی کو کہا جاتا ہے ماں' بہن' بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لئے اہل بیت اور گھر والوں کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ الغرض اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔ البتہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جب سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دونوں نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعا فرمائی: **اللّٰهم هؤلاء اهل بيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا**۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورہ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ''اہل البیت'' کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے اس میں اور لفظ اہل البیت کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہو گئے اس بنیاد پر یہ حضرات بھی لفظ اہل البیت کا صحیح مصداق ہیں لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ یہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو شامل ہے جیسا کہ سیاق کلام پکار رہا ہے ازواج مطہرات کو اس آیت نکالنا اور غیر ازواج کے ساتھ اس آیت کو خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

الفصل الاول:

مباہلہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی' فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلانا

۶۱۳۵: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَكُمْ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٨٧١/٤ حديث رقم (٣٢-٢٤٠٤) واخرجه الترمذي في السنن ٢١٠/٤ حديث رقم ٢٩٩٩۔

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا...... نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی' فاطمہ' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور کہا اے اللہ! یہ میرے گھر والے

ہیں"۔ (مسلم)

تشریح: اس آیت کو آیت مباہلہ کہتے ہیں: ﴿ندع أبناء نا وأبناء کم﴾ آیت کا ابتدائی حصہ یوں ہے: ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ [آل عمران: ٦١] "پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت الحال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاویں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔"

یہ دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ قرابت واخوت کے باعث حضرت علیؓ کو اپنی جگہ (اپنے گھر کا ایک فرد) سمجھتے تھے۔ (وفاطمة): چونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے اقارب میں سے اخص الخواص تھیں۔ ان دونوں حضرات کو بمنزلہ اپنی اولاد کے شمار فرماتے تھے۔

اہل بیت کا اولین مصداق ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں

٦١٣٦: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَاَدْخَلَهُ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَاَدْخَلَ مَعَهُ ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٨٨٣/٤ حديث رقم (٦١-٢٤٢٤) وابو داؤد في السنن ٣١٥/٤ حديث رقم ٤٠٣٢ والترمذي في السنن ٦٥٦/٥ حديث رقم ٣٨٧١ و احمد في المسند ١٦٢/٦

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ایک دن صبح کو نبی کریم ﷺ (گھر سے) نکلے اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر سیاہ بالوں کی ایک منقش کملی تھی اتنے میں حسن بن علی آئے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی کملی کے اندر لے لیا پھر حسینؓ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی حسنؓ کے ساتھ کملی کے اندر لے لیا' پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی میں لے لیا اور پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (یعنی اے اہل بیت!) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو (گناہوں اور برائیوں کی) پلیدی (اور غیر اخلاقی و غیر انسانی باتوں کے میل کچیل میں آلودہ ہونے) سے بچائے (جیسا کہ اکثر لوگ آلودہ ہو جاتے ہیں) اور تم کو مکمل طور پر پاک صاف رکھے"۔ (مسلم)

تشریح: (...... غداة): ایک روایت میں ذات غدوة آیا ہے۔ (وعلیه مرط): میم کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔ (مرحل): حاء مہملہ مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔ (من شعر): عین کے فتحہ اور سکون کے ساتھ۔ ایک روایت میں فأدخله

فيه ہے۔ (ثم...... معه): یعنی ان کو بھی داخل کر لیا، یا چونکہ وہ چھوٹے تھے۔ اس لئے خود داخل ہو گئے۔ ایک روایت میں فأدخله فيه. (ثم...... فأدخلها): انہیں بھی کملی میں شامل کر لیا۔ ایک روایت میں فأدخلها کے بعد فيه بھی ہے۔ (ثم...... فأدخله): ایک روایت میں فأدخله فيه ہے۔ (أهل بيت): منصوب علی الفداء یا منصوب علی المدحت ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: رجس، استعارہ ہے ذنب سے، اور طھرا استعارہ ہے تقویٰ سے۔ قبیح کام کا مرتکب شخص قبیح کاموں میں لت پت ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کا جسم گندگیوں سے آلودہ ہو جاتا ہے اور نیکیوں کو پاک کپڑے کی طرف حفاظت سے لکھا جاتا ہے۔

تخریج: یہ حدیث امام احمدؒ نے واثلہؓ سے ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نقل کی ہے، جو اس حدیث کے آخر میں آئے ہیں: **اللهم هؤلاء أهل بيتي وأهل بيتي أحق.**

الریاض میں حضرت سعد سے مروی ہے: **قال: أمر معاوية سعدا أن يسب أبا تراب فقال: أما ما ذكرت ثلاثا قالهن رسول الله ﷺ، فلن أسبه لأن يكون في واحدة منهن أحب الى من حمر النعم، سمعت رسول الله ﷺ يقول له، وخلفه في بعض مغازيه فقال علي: تخلفني مع النساء والصبيان؟ فقال له رسول الله ﷺ: أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ الا أنه لا نبي بعدى وسمعته يقول يوم خيبر: لأعطين الراية وذكر القصة، ولما نزلت هذه الآية: ﴿تعالوا ندع أبنانا وابناء كم﴾ دعا رسول الله ﷺ عليا وفاطمة والحسن والحسين وقال: "اللهم هؤلاء أهل بيتي".** (اخرجه مسلم والترمذی). معاویہؓ نے سعدؓ سے پوچھا کہ تم ابو تراب کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے انہوں نے فرمایا: جب مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ تین باتیں یاد ہیں، میں اُنہیں کبھی برا نہیں کہوں گا، اِن تینوں میں سے ایک کا میرے لئے ہونا میرے نزدیک سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، چنانچہ رسولؐ نے علیؓ کو کسی جنگ میں جاتے ہوئے چھوڑ دیا، علیؓ کہنے لگے یا رسولؐ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اِس مقام پر فائز نہیں ہونا چاہتے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو مقرر کیا تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ وہ نبی تھے، اور میرے بعد نبوت نہیں، دوسری چیز جنگ خیبر کے موقع پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: کہ آج میں جھنڈا اُس شخص کے ہاتھ میں دونگا، جو اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا ہو، اور وہ بھی اِس سے محبت کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں: کہ ہم سب چاہتے تھے کہ آج جھنڈا اسے دے دیا جائے، لیکن آپؐ نے علیؓ کو بلایا، وہ حاضر ہوئے تو ان کی آنکھ دُکھ رہی تھی، آپؐ نے ان کی آنکھ میں لعاب ڈالا، اور جھنڈا انہیں دے دیا، پھر اللہ نے انہی کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی، اور تیسری بات جب یہ آیت نازل ہوئی: **ندع ابناء نا...... الاية.** (آیت مباہلہ) تو آپ نے فاطمہؓ علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بلا کر فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ **قالت أم سلمة: وانا معهم يا رسول الله؟ قال: "أنت علىٰ مكانك وأنت علىٰ خير"**. حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں: **قالت: بينا رسول الله فى بيته يوماً اذ قالت الخادم: ان عليا وفاطمة بالسدد ...... معهم فيما جللهم به.** ایک دن میں آنحضرت ﷺ کے پاس گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ خادم نے آکر بتایا کہ علی اور فاطمہ باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر مجھ سے فرمایا: اٹھو اور میرا اہل بیت سے ایک

کنارے پر ہو جاؤ۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: چنانچہ میں کھڑی ہوئی اور گھر کے ایک قریبی گوشے میں چلی گئی۔ علیؓ اور فاطمہؓ اندر داخل ہو گئے، ان کے ساتھ حسن و حسین بھی تھے جو اس وقت ننھے منھے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو اپنی آغوش مبارک میں بٹھا لیا۔ اور دونوں کو بوسہ دیا۔ اپنے ایک دست مبارک سے حضرت علیؓ کو ایک طرف اور دوسرے ہاتھ مبارک سے حضرت فاطمہؓ کو دوسری طرف گلے سے لگایا۔ اور پھر حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو بوسہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی کالی کملی ان سب پر ڈالی جو اس وقت جسم مبارک پر موجود تھی، اور فرمایا: "اللھم الیك لا الی النار أنا و أھل بیتی"۔ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، مجھ کو اور میرے اہل بیت کو اپنی طرف لا، آگ کی طرف نہ بلا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر درود و سلام ہو اور میں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "و أنت"۔ 'اور تم بھی'۔ (احمد)۔ بظاہر یہ واقعہ ام سلمہؓ کے گھر میں بار بار پیش آیا ہے۔ ام سلمہ کو ان کے ساتھ شریک نہ کرنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب دیگر اہل بیت پر آپ ﷺ اپنی کملی کئے ہوئے تھے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان پانچ حضرات کے بارے میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ۔ یہ روایت امام احمدؒ نے مناقب میں ذکر کی ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے: أن رسول اللہ ﷺ کان یمر بباب فاطمة اذا خرج الی صلوٰة الفجر یقول الصلاة یا أھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (احمد)۔ آنحضرت ﷺ جب نماز فجر کے لئے مسجد میں آتے تو راستہ میں حضرت فاطمہؓ کے گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے یوں فرماتے تھے: الصلاة یا اھل البیت" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: أنا و أیاك وھذین یعنی حسنا وحسینا وھذا الراقد یعنی علیا فی مکان واحد یوم القیامة. (اخرجه احمد)۔ میں، تم اور یہ دونوں یعنی حسن و حسین اور یہ سویا ہوا یعنی علی، قیامت کے دن ایک جگہ ہوں گے۔ (احمدؒ)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا: لما نزلت: ﴿قل لا أسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی﴾، قالوا: یا رسول اللہ من قرابتك ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم؟ قال: "علی وفاطمة وابناھما"۔ (اخرجه أحمد فی المناقب)۔ جب یہ آیت: ﴿قل لا اسئلکم علیه أجرا الا المودة فی القربی﴾ نازل ہوئی، تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں کہ ان سے محبت رکھنا ہمارے لئے واجب ہے؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے لئے جنت میں مرضعہ

۶۱۳۷: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي جَنَّةٍ. (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲٤٤/۳ حدیث رقم ۱۳۸۲ واخرجه ابن ماجه ٤۸٤/۱ حدیث رقم ۱۵۱۱ و احمد فی المسند ۳۰۰/٤

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے فرزند) ابراہیم کا (شیر خوارگی کی عمر میں) انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابراہیم کو جنت میں (پہنچا دیا گیا ہے اور وہاں) ایک دودھ پلانے والی یعنی دایہ اس کے لیے (مقرر ہوگئی) ہے (جو اس کے دودھ پلانے کے زمانہ کو پورا کرے گی)''۔ (بخاری)

تشریح: (قال...... مرضعا): میم کے ضمہ، اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ۔ ایک صحیح نسخہ میں میم اور راء کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی رضاعت مکمل کرنے کی جگہ۔ (فی الجنة): یہ حدیث ظاہراً اس بات کی دلیل ہے کہ پاک باز لوگ مرنے کے بعد اسی وقت جنت میں پہنچا دیے جاتے ہیں، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موعود جنت وجود میں آ چکی ہے، اور موجود ہے۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں: مرضعا کا لفظ دو طرح سے پڑھا گیا ہے: () میم کے فتحہ کے ساتھ، یعنی مصدر میمی بمعنی ''دودھ پلانا''۔ (۲) میم کے ضمہ کے ساتھ، یعنی جو اس کے دودھ پلانے کے زمانے کو پورا کرے گی۔ کہتے ہیں: امرأة مرضع، بغیر ہاء کے، أرضعت المرضعة، مرضعة کا لفظ نائب عن الفعل ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں روایتوں میں سے فتحہ والی روایت درست ہے۔ چونکہ عرب جب (رضاعت کے) فعل کا ارادہ کرتے ہیں، تو اسم کے ساتھ تاء تانیث لگا دیتے ہیں۔ اور جب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دودھ پلانے والی ہے تو ہاء کو ساقط کر دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: امرأة مرضع. اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی لذتوں اور روزی میں سے ایسی چیز اس کے لئے مقرر فرمائیں گے، جو رضاعت کے قائم مقام ہوگی، تو گویا کہ یہ بچہ اس شیر خوار کے رتبہ میں ہے کہ جس کی مدت رضاعت مکمل نہیں ہوئی، لہٰذا اس حدیث میں اس لفظ کا مصدر کے طور پر استعمال ہونا ہی درست ہے۔ اور اگر حسب روایت ہوتا تو حق یہ تھا کہ تائے تانیث کے ساتھ ذکر کیا جاتا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ اس تقدیر پر ہے کہ حالت ارضاع کی منظر کشی مقصود ہو کہ مرضعہ اپنا پستان بچہ کے منہ میں دیئے ہوئے ہو، گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے، وگرنہ نہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں

۶۱۳۸ : وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهٗ فَاَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ مَا تَخْفٰى مَشْيَتُهَا مِنْ مَشْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰهَا قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ ثُمَّ اَجْلَسَهَا ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَآءً شَدِيْدًا فَلَمَّا رَاٰى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَاِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِاُفْشِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرَّهٗ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَالِيْ عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا اَخْبَرْتِنِيْ قَالَتْ اَمَّا الْاٰنَ فَنَعَمْ اَمَّا حِيْنَ سَارَّنِيْ فِي الْاَمْرِ الْاَوَّلِ فَاِنَّهٗ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْاٰنَ كُلَّ

سَنَةٍ مَرَّةً وَاِنَّهٗ عَارَضَنِیْ بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَآ اُرٰى الْاَجَلَ اِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ فَاِنِّيْ نِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَكِ فَبَكَيْتُ فَلَمَّا رَاٰى جَزَعِيْ سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ اَلَا تَرْضِيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْنِسَآءَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَسَارَّنِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ يُقْبَضُ فِيْ وَجْعِهٖ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ اَوَّلُ اَهْلِ بَيْتِهٖ اَتْبَعُهٗ فَضَحِكْتُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷۹/۱۱حديث رقم ۶۲۸۵ومسلم في صحيحه ۱۹۰۴/۴حديث رقم (۹۸-۲۴۵۰) واخرجه ابن ماجه في السنن ۵۱۸/۱حديث رقم ۱۶۲۱

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں (آپ ﷺ کے مرض الموت سے کچھ ہی پہلے یا ایام مرض الموت کے دوران ایک دن) آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ فاطمہؓ آئیں' ان کی چال کی وضع اور ہیئت رسول اللہ ﷺ کی چال کی وضع اور ہیئت سے (ذرا بھی) مختلف نہیں تھی (یعنی آپ ﷺ کے اور فاطمہؓ کے چلنے کا انداز اس قدر یکساں تھا کہ کوئی بھی ان دونوں کی چال میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا) بہر حال آپ ﷺ نے جب فاطمہؓ کو (آتے) دیکھا تو فرمایا: میری بیٹی خوش آمدید پھر آپ ﷺ نے ان کو (اپنے پاس) بٹھا لیا اور چپکے چپکے ان سے باتیں کیں' اتنے میں فاطمہؓ زور زور سے رونے لگیں' آپ ﷺ نے دیکھا کہ فاطمہؓ بہت رنجیدہ ہو گئی ہیں تو پھر ان سے سرگوشی کرنے لگے تو فاطمہ ؓ اک دَم کھلکھلا کر ہنس دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ (استنجاء وغیرہ کے لئے یا نماز پڑھنے کے لئے وہاں سے) اٹھ کر چلے گئے تو میں نے فاطمہؓ سے پوچھا کہ تم سے آپ ﷺ نے چپکے چپکے کیا باتیں کیں؟ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ: رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر کرنے والی نہیں ہوں (اس وقت تو میں خاموش ہو گئی لیکن) جب آپ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو (ایک دن) میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ (ایک ماں ہونے کی حیثیت سے یا دینی اخوت اور باہمی محبت و تعلق رکھنے کے اعتبار سے) تم پر میرا جو حق ہے اس کا واسطہ اور قسم دے کر کہتی ہوں کہ میں تم سے اس کے علاوہ اور کچھ طلب نہیں کرتی کہ مجھ کو اس سرگوشی کے بارے میں بتا دو جو (اس دن) آپ ﷺ نے تم سے کی تھی۔ فاطمہؓ بولیں: ہاں اب (جب کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اس راز کو ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے ہوئے) میں بتاتی ہوں کہ آپ ﷺ نے جو پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی تھی تو اس میں مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جرائیل علیہ السلام مجھ سے سال بھر میں ایک مرتبہ (یعنی رمضان میں) قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال (رمضان میں) انہوں نے مجھ سے (قرآن کا) دو بار دور کیا اور اس کا مطلب میں نے یہ نکالا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے' پس (اے فاطمہ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ) اللہ سے ڈرتی رہنا (یعنی تقویٰ پر قائم رہنا یا یہ کہ جہاں تک ہو سکے زیادہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا) اور (اللہ کی اطاعت و عبادت میں مشغول رہنے اور معصیت سے بچنے کے لئے جو بھی تکلیف اور مشقتیں اٹھانا پڑیں اور جو بھی آفت و حادثہ پیش آئے خصوصاً میری موت کے سانحہ پر) صبر کرنا' بلاشبہ میں تمہارے لئے بالخصوص بہترین پیش رو ہوں''۔ (یہ تو وہ بات تھی جس کو سن کر اور آنحضرت ﷺ کی جدائی کا احساس کر کے) میں رونے لگی تھی اور پھر جب آپ ﷺ نے مجھ کو بہت زیادہ بے چین پایا اور بے صبر پایا تو دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور اس وقت یوں فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم جنت میں (تمام) عورتوں یا (خاص طور پر) (مومن عورتوں کی

سردار ہوگی''۔ (یہ سن کر میں ہنسنے لگی تھی) اور ایک روایت میں حضرت فاطمہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی مرتبہ) مجھ سے سرگوشی کی تو اس میں یہ فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں وفات پا جائیں گے اور (یہ سن کر) میں رونے لگی تھی، پھر (دوسری مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سرگوشی کی اس میں مجھ کو یہ بتایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملوں گی (یعنی یہ تسلی دی تھی کہ بے چین نہ ہو، میری وفات کے بعد بہت جلد تم بھی اس دنیا سے رخصت ہو کر میرے پاس آ جاؤ گی) چنانچہ (یہ سن کر) میں ہنسنے لگی تھی''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: منصوب علی الاختصاص ہے۔ یا بتقدیر اعنی ضمیر مبہم کی تفسیر ہے۔ اور خبر آگے آ رہی ہے۔ **(عنده)**: جالسين یا مجتمعين محذوف کے متعلق ہے۔ ایک روایت میں **لم تغادر منهن واحدة** کے الفاظ آئے ہیں۔ اور ایک روایت میں **فأقبلت فاطمة تمشي** کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں **ما تخطيء** ہے۔ **(مشيتها)**: میم کے کسرہ کے ساتھ۔ **(من...... الله)**: ایک نسخہ میں **مشية النبي** ﷺ اور ایک روایت میں **شيئاً** کا اضافہ بھی ہے۔

(عنده): ایک روایت میں ہے کہ **عن يمينه أو شماله**. **(ثم سارها)**: راء کی تشدید کے ساتھ، ایک روایت میں **فسارها** ہے۔ **(فبكت...... حزنها)**: حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں حاء اور زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں **جزعها** ہے، ایک روایت میں ہے کہ **فضحكت فقلت لها: خصك رسول الله ﷺ من بين نسائه بالسرار، ثم أنت تبكين**۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: **سألتها ما قال لك رسول الله ﷺ**. **(سره)**: سین کے کسرہ کے ساتھ۔ **(عليك...... الحق)**: ''ما'' موصولہ ہے۔ **(لما)**: لام کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ، بمعنی **ألا**. **(أخبرتني)**: ایک نسخہ میں تاء کے اشباع کے ساتھ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ **لما حدثتني ما قال لك رسول الله ﷺ** امام طیبیؒ فرماتے ہیں عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: **ما أطلب منك الا اخبارى اياى بما سارك**. جیسا کہ عرب کہتے ہیں: **أنشدك بالله ألا فعلت**. ایک روایت میں ہے کہ **في المرة الأولى**. **(فانه...... يعارضني)**: ایک روایت میں **يعارضه** ہے۔ **يعارضني، معارضه** بمعنی **مقابلة** سے مشتق ہے۔ عرب کہتے ہیں: **عارضت الكتاب بالكتاب، أى: قابلته.** (كذا في النهاية)۔ اس ''معارضہ'' میں پیش نظر یہ تھا کہ محافظت، دوسرا یہ کہ ناسخ و منسوخ ظاہر ہوتا رہے، اس حدیث سے ''مدارسة'' کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ **(وانه)**: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔ **(عارضني به العام)**: ایک روایت میں ہے کہ **أنه عارضه الآن**. **(مرتين)**: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری رمضان کے بعد کی ہے۔ **(ولا أرى)**: ہمزہ کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی **لا أظن**. اور ایک روایت میں ہے کہ **واني لا أرى**. **(الأجل)**: مضاف محذوف ہے. **أى: انتهاء الأجل**. **(فاني)**: ایک روایت میں **فانه** ہے۔ **(نعم السلف)**: بمعنی **فرط**. **(أنا لك)**: سلف ہوں خصوصاً تمہارے لئے۔ جملہ بتاویل **مقول في حق**، خبر ہے، **فاني** کے لئے۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: **أنا** مخصوص بالمدح ہے۔ اور **لك** بیان ہے۔ گویا کہ اصل کلام یوں ہے کہ: **نعم السلف أنا، قيل لمن؟ قيل لك**. **(فبكيت)**: ایک روایت میں ہے کہ **قالت: فبكيت للذى رأيت**. **(قال)**: ایک روایت میں **فقال** ہے۔ **(يا...... ترضين)**: ایک روایت میں **أما ترضين** ہے۔ **(أنه...... الجنة)**: (۱) ساری جنت کی عورتوں کی سردار اس امت کی

عورتوں کے لئے مخصوص جنت کی سردار۔ ایک روایت میں ہے کہ سيدة نساء لأهل هذه الأمة . (أو...... المؤمنين): راوی کو شک ہے۔ البتہ حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے، حضرت فاطمہ افضل النساء ہیں مطلقاً، حتی کہ خدیجہ، عائشہ، مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہن سے بھی۔ (والاختلاف كمامر).

أتبعه: ہمزہ کے فتحہ، تاء کے سکون اور یاء کے فتحہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں تاء فوقیہ کی تشدید اور باء موحدہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ أتبعه: مجرد سے ہے۔ ایک نسخہ میں مزید فیہ سے ہے۔ ایک روایت میں حتى اذا قبض سألتها کے بعد یہ الفاظ ہیں: فقالت انه حدثني أنه كان جبريل يعارضه القرآن كل عام مرة وأنه عارضني به في العام مرتين، هذا ولا أرى الا قد حضر أجلي، وانك أول أهلي لحوقابي، ونعم السلف أنا لك، ثم سارني۔ حدیث کا اگلا ٹکڑا پچھلی حدیث کی طرح ہے۔

وعن عائشة قالت: ما رأيت أحدا...... ......أخرجه الترمذي أبو داؤد والنسائي. وقال الترمذي: حسن غريب.

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عادات، چال چلن خصلتوں اور اٹھنے بیٹھنے میں فاطمہ بنت محمدؐ سے زیادہ آپؐ سے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا، جب فاطمہؓ آتیں، تو آپ کھڑے ہو کر ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اسی طرح جب نبی کریمؐ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو آپؓ (یعنی فاطمہؓ) بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو جاتیں، آپؐ کا بوسہ لیتیں، اور آپؐ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں، چنانچہ جب نبی کریمؐ بیمار ہوئے تو فاطمہؓ آئیں اور آپؐ پر گر گئیں، آپؐ کا بوسہ لیا، پھر سر اٹھا کر رونے لگیں، پھر دوبارہ آپؐ پر گریں اور سر اٹھا کر ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، پہلے تو میں سمجھتی تھی کہ وہ عورتوں میں سب سے زیادہ عقل مند ہیں، لیکن بہر حال عورت تھیں، پھر جب آپؐ فوت ہوئے، تو میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، آپؓ کیوں گر کر سر اٹھا کر روئیں، اور دوسری مرتبہ ہنسیں، انہوں نے کہا کہ آپؐ حیاتِ طیبہ میں، میں نے یہ راز چھپایا، بات یہ ہے کہ پہلے آپؐ نے مجھے بتایا کہ آپؐ اس مرض میں وفات پا جائیں گے، اس پر میں رونے لگی، اور دوسری مرتبہ فرمایا کہ تم اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملوگی (یعنی جنت میں) اس پر میں ہنسنے لگی۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

قالت عائشة: ما رأيت أحدا قط أصدق من فاطمة غير أبيها۔ امام حاکم نے ابوسعید سے روایت کیا ہے: فاطمة سيدة نساء اهل الجنة الا مريم بنت عمران۔

عرضِ مرتب:

کچھ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں:

یہ فاطمۃ الکبریٰ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ ہیں ایک روایت کے مطابق یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ دنیا و آخرت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں جیسا کہ اس زیر بحث حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ایک روایت میں ہے کہ دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھایا اور سرگوشی کی اور سرگوشی

میں ایک یہ بات بھی فرمائی کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔ رمضان المبارک ۱ھ میں ان کا نکاح حضرت علی ابن ابی طالب سے ہوا اور ذی الحجہ میں رخصتی عمل میں آئی ان کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے حضرت حسن، حضرت حسین، اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم اور تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چھ ماہ بعد انتقال ہوا اور ایک روایت کے مطابق تین ماہ بعد انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور حضرت عباسؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ شب میں دفن کی گئیں ان سے حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ سچا نہیں پایا انہوں نے فرمایا کہ جب کہ ان دونوں کے درمیان کسی بات میں کشیدگی تھی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی سے دریافت فرمالیجئے کیونکہ یہ جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔

فضیلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مسئلہ:

اس بارے میں دو مسئلے ہیں۔ پہلا مسئلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم بنت عمران کے درمیان فضیلت کا تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام مومن خواتین سے افضل ہیں حتیٰ کہ حضرت مریم، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن سے بھی چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اس کے برعکس بعض روایتوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں سے افضل و برتر قرار دیا گیا ہے لیکن حضرت مریم علیہا السلام کا استثناء کیا گیا ہے اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس امت کی عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مریم علیہا السلام کو اپنی قوم کی عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ تو یہ روایتیں بظاہر آپس میں متعارض ہیں۔

اس تعارض کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ ویسے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام عالم کی عورتوں سے افضل ہیں بشمول حضرت مریم علیہا السلام کے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و بزرگی حق تعالیٰ کی طرف سے بتدریج نازل ہوئی پہلے صرف اس امت کی عورتوں پر فضیلت بتلائی گئی پھر ان کے درجہ کو بڑھا کر تمام عالم کی عورتوں پر ان کو افضل و برتر قرار دے دیا گیا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بتدریج معلوم ہوئی اس لئے بعض روایتوں میں حضرت مریم علیہا السلام کا استثناء کیا گیا اور یہ روایتیں پہلے کی ہیں اور بعض روایتوں میں مطلقاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سب سے افضل قرار دے دیا گیا اور یہ روایتیں بعد کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان افضلیت کا۔ تو اس میں مختلف رائیں ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ بلند ہے بنسبت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اور یہ حضرات اس کی دو وجہیں ذکر فرماتے ہیں ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں لہٰذا وہ جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں لہٰذا وہ جنت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گی اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلند و اعلیٰ ہے۔ لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں، تو، علی، حسن اور حسین ایک مکان واایک مقام میں ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے قائلین یہ وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور اجتہاد کرتی تھیں اس لئے ان کا رتبہ بلند ہے۔

علامہ سیوطیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں پہلا مذہب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں اور یہی صحیح ترین ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ دونوں کا مقام ومرتبہ برابر ہے اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ توقف کیا جائے چنانچہ بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ توقف ہی کے قائل ہیں۔ لیکن امام مالکؒ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت کا ٹکڑا اور جگر گوشہ ہیں اور میں کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت کے ٹکڑے پر فضیلت نہیں دیتا۔

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں ہمارا پسندیدہ اور مختار مذہب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں پھر ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں پھر حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت میں بھی اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہر ایک افضل ہے مختلف جہات اور حیثیتوں سے۔

بعض حضرات کے نزدیک افضلیت کا مدار کثرت ثواب اور زیادتی حسنات پر ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رتبہ بلند ہے اور بعض کے نزدیک افضلیت کا معیار شرافت ذات طہارت طینت اور پاکی جوہر پر ہے اس اعتبار سے کوئی بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے نہیں بڑھ سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے

۶۱۳۹ : وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّىْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِىْ وَفِىْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِىْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِىْ مَا اٰذَاهَا ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰۵۱/۷ حديث رقم ۳۷٦۷ ومسلم في صحيحه ۱۹۰۳/٤ حديث رقم (۹٤-۲٤٤۹) وابو داؤد في السنن ۵۵۸/۲ حديث رقم ۲۰۷۱ واخرجه الترمذي ٦۵٦/۵ حديث رقم ۳۸٦۹ واخرجه ابن ماجه في السنن ٦٤۳/۱ حديث رقم ۱۹۹۸ و احمد في المسند ۲۰۷۱

ترجمہ: ''حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہؓ ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور ایک روایت میں یہ لفظ (بھی) ہیں: ''جو چیز فاطمہ کو مشکوک معلوم ہوتی وہ مجھ کو بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے اور جو چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف دیتی ہے وہ چیز مجھ کو بھی تکلیف دیتی ہے''۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: فاطمة: ایک روایت میں اِن فاطمة کے الفاظ آئے ہیں۔

بضعة: باءِ موحدہ کے فتحہ کے ساتھ بضعة، النہایہ میں ہے کہ بضعة کے باء پر کبھی کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ قاموس میں

ہے: البضعة: باءِ موحدہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ باء کے ضمہ، اور کسرہ کے ساتھ، اور ضاد معجمہ کے سکون کے ساتھ حکایت کیا ہے۔

امام مالکؒ نے کیا ہی خوب بات کہی: لا أفضل أحدا علی بضعة رسول الله ﷺ. (فمن...... أغضبنی): اصل یوں ہے: فکأنه أغضبنی یعنی حضور سے اس کلام میں تشبیہ بلیغ ہے، چنانچہ اس توضیح سے سہیلی کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ: سبّ فاطمه کفر ہے۔ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ اس قسم کا کلام مبالغہ پر محمول ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے اس کے شواہد:

۱۔ اسی قبیل سے آنحضرت ﷺ کا یہ قول مبارک: ...... من آذی مسلماً فقد آذانی، من آذانی فقد آذی الله۔ ابن عساکر نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی، تحقیق اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی تحقیق اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ اور اسی قبیل سے یہ فرمان نبوی ہے، جس کو امام احمدؒ اور بخاریؒ نے تاریخ میں معاویہ اور ابن حبان کے واسطہ سے حضرت براءؓ سے نقل کیا ہے: من أحب الانصار فقد أحبه الله، و من أبغض الانصار أبغضه الله. جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ بھی اس سے محبت رکھے گا، اور جو شخص انصار سے بغض رکھے گا اللہ بھی اس سے بغض رکھے گا۔

اسی قبیل سے الاوسط میں مروی حضرت انسؓ کی یہ (مرفوع) حدیث ہے: ''حب قریش ایمان و بغضهم کفر، وحب العرب ایمان و بغضهم کفر، فمن أحب العرب فقد أحبنی و من أبغض العرب فقد ابغضنی''.

رابنی الشئ یریب: أی شککنی و أدهمنی ما استیقنه. یسؤنی ما یسؤها ویزعجنی ما أزعجها.

أرابنی یریب ارابة: شککنی و أدهمنی ما استیقنه: ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: بظاہر دونوں جدا لغات ہیں، مزید فیہ کو مزیت حاصل ہے۔ أرابها سے مزید فیہ کی تائید ہوتی ہے۔ تمام نسخ اس پر متفق ہیں کہ یہاں پر یریبنی، یائے مضارع کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

عرضِ مرتب:

اس واقعہ کے بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

①: حضرت مسورؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا بنی ہشام بن مغیرہ (یعنی ابوجہل کا خاندان) مجھ سے اجازت مانگ رہے ہیں کہ وہ علی بن ابی طالب کا نکاح کریں میں اس کی اجازت نہیں دیتا (اور تین بار یہ ارشاد فرمایا) اور فرمایا مگر یہ کہ علی رضی اللہ عنہ چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے۔ سوائے اس کے نہیں وہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ الیٰ آخر الحدیث۔

②: حضرت مسورؓ ہی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے لئے پیغام نکاح بھیجا جبکہ ان کے پاس حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ موجود تھیں جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو وہ حضور ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کی وجہ سے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔

مسورؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا امابعد میں نے ابوالعاص بن ربیع کا نکاح کرایا اس نے جو بات کی اس کو سچ کر دکھایا فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فتنہ اور آزمائش میں ڈالے اور خدا کی قسم اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کسی شخص کے نکاح میں کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔

③: حضرت مسورؓ ہی سے اس طرح کی روایت ہے اس میں مزید یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن اللہ کی قسم اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔

اسی طرح کی مزید اور روایات بھی ہیں۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں بیان فرمائیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی۔

①: شرح مسلم میں ہے کہ علماء نے فرمایا وہ نبی کریم ﷺ کو ایذا دینا حرام ہے خواہ کسی حال میں ہو اور خواہ کسی طریقے سے بھی ہو نیز وہ ایذا اگرچہ ایسے کام سے ہو جو فی نفسہ مباح اور جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح کی اجازت نہ دینا دو وجہ سے تھا ایک اس وجہ سے کہ یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف اور ایذا کا باعث بنتا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف سے حضور ﷺ کو ایذا اور تکلیف پہنچتی اور حضور ﷺ کی ایذا اور تکلیف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شفقت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسری شادی کر لیتے تو سوکن کے ساتھ جو فطری اور غیر اختیاری رنجش اور بغض ہوتا ہے تو خطرہ تھا کہ کہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس رنجش اور بغض میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

②: بعض حضرات فرماتے ہیں حضور ﷺ کا اجازت نہ دینا یہ نکاح سے منع کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ حضور ﷺ کو اللہ کے فضل سے معلوم تھا کہ یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔

③: یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ”لا آذن الا ان یحب علی ......“ عبداللہ بن داؤد کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حرام کر دیا تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح کریں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ...... یعنی رسول اللہ ﷺ نے لا آذن فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تو ان کے لئے نکاح کرنا حلال نہیں تھا مگر یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت دے دیں۔

④: عمر بن داؤد فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ ”فاطمة بضعة منی یریبنی مارابها ویؤذینی ما آذاها“ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حرام تھا کہ وہ کہیں اور نکاح کر کے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتے کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ...... تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو۔

صواعق میں حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے اندر سے ایک منادی پکارے گا۔ اے جمع ہونے والو اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھیں نیچی کر لو فاطمہ رضی اللہ عنہا پل صراط پر بنت محمد ﷺ گزرنے والی ہیں پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا ستر ہزار حورعین کے جلو میں بجلی کی طرح پل صراط سے گزر جائیں گی۔

اہل بیت کے حقوق کی پاسداری ہدایت کا ذریعہ ہے

۶۱۴۰ : وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا بِمَآءٍ يُّدْعٰى خُمًّا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُّوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتٰبِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ . (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۸۷۳/۴ حدیث رقم (۳۶-۲۴۰۸) واخرجه الدارمی فی السنن ۵۲۴/۲ حدیث رقم ۳۳۱۶ و احمد فی المسند ۱۴/۳

ترجمہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مکہ و مدینہ کے درمیان پانی والے مقام پر کہ جس کا نام ''خم'' ہے خطاب عام کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے' پہلے اللہ کی حمد وثنا کی' پھر لوگوں کو (اچھی باتوں اور اچھے اعمال کی) وعظ ونصیحت فرمائی۔ پھر فرمایا: امابعد (حمد وثنا کے بعد)۔ اے لوگو! آگاہ ہو' میں (تمہارے ہی مانند) ایک انسان ہوں (اس امتیاز کے ساتھ کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر وحی آتی ہے) وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا فرستادہ (یعنی ملک الموت عزرائیل علیہ السلام مجھ کو اس دنیا سے لے جانے کے لئے یا تو تنہا یا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ) آئے گے اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں گا میں تمہارے درمیان دو عظیم بانفیس چیزیں چھوڑ جاؤں گا۔ جن میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت (یعنی دین و دنیا کی فلاح و کامیابی تک لے جانے والی راہ راست کا بیان) اور نور ہے پس تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو (یعنی اپنے مسائل کا حل اسی کی روشنی میں تلاش کرو اور اسی کو اپنا رہنما اور مستدل بناؤ' اس کو یاد کر کے اپنے سینوں میں محفوظ کرو اور اس کے علوم و معارف کو حاصل کرو) غرض یہ کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو کتاب اللہ کے بارے میں خوب جوش دلایا اور اس کی طرف راغب کیا' پھر فرمایا اور (ان دو عظیم چیزوں میں سے دوسری چیز) میرے اہل ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے (حقوق کی ادائیگی کے) بارے میں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں ایک روایت میں (جن میں سے ایک کتاب اللہ'' کی جگہ) یہ الفاظ ہیں: کتاب اللہ اللہ کی رسی ہے' جو شخص کتاب اللہ کی اطاعت کرے گا (یعنی اس پر ایمان لائے گا اس کو یاد کرے گا اخلاص کے ساتھ اس کا علم حاصل کرے گا اور اس پر عمل پیرا رہے گا) تو وہ راہ ہدایت پر رہے گا اور جو شخص اس کو چھوڑ دے گا (یعنی نہ تو اس پر ایمان لائے گا نہ اس کو یاد کرے گا نہ اس کے علم و عمل میں مخلص ہوگا) تو وہ گمراہ ہوگا''۔ (مسلم)

تشریح: (خما): خاء کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ، ایک مشہور بستی کا نام ہے۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ غدیر، پانی کے حوض اور تالاب کو کہتے ہیں۔ بظاہر یہاں کبھی پانی کا تالاب رہا ہوگا۔ اسی

مناسبت سے اس جگہ کو غدیر خم کہتے ہیں۔(أما بعد):اصل عبارت یوں ہے: بعد الحمد و الثناء. (ألا):لام مخففہ کے ساتھ، برائے تنبیہ۔(فأجیب):منصوب ہے۔(ثقلین): ثاء اور قاف دونوں پر فتحہ ہے۔صاحب الفائق فرماتے ہیں: ثقل (ثاء کے کسرہ کے ساتھ) بوجھ اور سامان جو سواری پر لادا جائے۔بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ثقل اعلیٰ و نفیس چیز کو کہتے ہیں۔

انس و جن کو ثقلین کہنے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں:

① جن و انس کو ثقلین اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کے بوجھ ہیں۔یعنی جس طرح جانور کی پشت پر بوجھ لادتے ہیں، اسی طرح زمین نے ان دونوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔

② ثقلین یعنی جن و انس زمین کی متاع ہیں، کہ انہی سے دنیا کی آبادی ہے۔

③ تمام جانداروں میں سے جن و انس کو ''تمییز'' کا ملکہ عطا کیا گیا ہے۔چنانچہ اس اعتبار سے انس و جن ایک قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

یہاں اس حدیث میں بھی لفظ ثقلین کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں:

① کتاب اللہ اور اہل بیت کو ''دو عظیم چیزیں'' ان کے عظیم المرتبت ہونے کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

② ان پر عمل کرنا مشکل اور بھاری ہے، ہر شخص ان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

③ یہ دونوں یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت، دین کی متاع ہیں، کہ ان کے ذریعے دین کی اصلاح اور آبادی ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ:﴿انا سنلقی علیك قولاً ثقیلاً﴾ میں قولاً ثقیلاً کی تفسیر اوامر و نواہی سے کی گئی ہے، چونکہ امتثال اوامر اور اجتناب عن النواہی بغیر مشقت کے ممکن نہیں۔

(ذکر کم اللہ):از باب تفعیل ہے۔

أحذر کموہ. فی أهل بیتی:ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کیا، دو وجوہ سے:(۱) اہتمام شان (۲) علت کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں، اللہ سے ڈرو، ان کو تکلیف مت دو، ان کا خیال رکھو، ان کی حفاظت کرو، رعایت کرو، ان کا اکرام کرو، ان سے محبت رکھو، ان کا احترام کرو۔

ابن الملک ؒ فرماتے ہیں: کتاب کو پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اور عترت کو پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ:

①)ان سے محبت کی جائے ② ان کی سیرت اختیار کی جائے ③ ان کو قولاً و فعلاً کسی بھی طرح ایذا نہ دی جائے۔

اس حدیث میں اہل بیت سے مراد یہ افراد ہیں: ① آپ ﷺ کے قرابت دار ② آپ ﷺ کے جدّ قریب کی اولاد ③ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات۔

آگے ایک حدیث میں عترة کے الفاظ ہیں۔

أذکر اللہ فی أهل بیتی کے تکرار کی وجہ یا تو مبالغہ کے لئے ہے یا ممکن ہے کہ اوّل سے آل و اولاد مراد ہو اور ثانی سے ازواج مطہرات ﷺ مراد ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے: أنه ﷺ قال: اني أوشك ...... بما تخلفوني فيهما.

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ذوالجناحین کا لقب

۶۱۴۱ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اَلسَّلَا مُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِى الْجَنَاحَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷۵/۷حدیث رقم ۳۷۰۹

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ (ابن عمر) جب ابن جعفر (یعنی جعفر کے بیٹے کو عبداللہ) کے سلام کرتے تو یوں کہتے: اے دو بازوؤں والے کے بیٹے تجھ پر سلامتی ہو''۔ (ذوالجناحین جعفرؓ کا لقب تھا۔) (بخاری)

تشریح: (أنه كان): یہاں دو احتمال ہیں: (۱) اس سے ابن عمرؓ مراد ہیں (۲) زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اکرمؐ مراد ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کا محبوب ہونے کی دعا

۶۱۴۲ : وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ بْنَ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ يَقُوْلُ اِنِّىْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹٤/۷حدیث رقم ۳۷٤۹ومسلم فی صحیحه ۱۸۸۳/٤حدیث رقم (۵۹-۲٤۲۲) والترمذی فی السنن ٦۲۰/۵حدیث رقم ۳۷۸۳۔

ترجمہ: ''حضرت براءؓ (بن عازب) سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) نبی کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حسن بن علیؓ آپ ﷺ کے کاندھے پر سوار تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے (اے اللہ!) میں اس سے (بہت) محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: الحسن مرفوع ہے۔ عاتقه: بروزن فاعل۔

عرضِ مرتب:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق:

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے نواسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی ان کا علوق بطن فاطمہ رضی اللہ عنہا میں حضرت حسنؓ کی ولادت کے پچاس رات کے بعد ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ہی ان کا نام حسینؓ رکھا ان کو شہد چٹایا۔ ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کر کے لعاب مبارک عطا فرمایا اور ان کے عقیقہ کرنے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے عقیقہ کے بالوں کے

برابر چاندی صدقہ کی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ان کی عمر صرف چھ یا سات سال تھی لیکن یہ چھ سات سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وشفقت ومحبت میں گزرے جمعہ کے دن دسویں محرم ۶۱ھ کربلا میں اجلہ اور کوفہ عراق کے درمیان کربلا میں شہید ہو گئے۔ سنان بن انس نخعی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا تھا۔ اس کو سنان بن ابی سنان بھی کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کو شمر بن ذی الجوشن نے شہید کیا تھا اور خولی بن یزید اصبحی نے جو قبیلہ حمیر کا ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹا اور اس کو لے کر عبداللہ بن زیاد کے پاس لایا اور یہ شعر پڑھے ؎

اوقر رکابی فضۃ وذہبا

انی قلت الملک المحجبا

قتلت خیر الناس اما وابا

وخیرھم اذ ینسبون نسبا

''میری اونٹنی کو چاندی اور سونے سے بھر دے اس لئے کہ میں نے ایک ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے جو کسی سے ملنے والا نہیں تھا میں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے تمام لوگوں میں بہتر ہے اور جب لوگ نسب بیان کریں تو وہ تمام لوگوں میں بہتر ہے۔''

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شمر نے ان کی اولاد اور بھائی اور اہل بیت میں سے تئیس آدمیوں کو شہید کیا ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے علی زین العابدین اور فاطمہ، سکینہ آپ رضی اللہ عنہ کی دونوں صاحبزادیاں روایت کرتی ہیں اور شہادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اٹھاون برس تھی۔ عبداللہ بن زیاد بھی عاشورا کے دن ۶۷ھ میں قتل کیا گیا اس کو ابراہیم بن مالک اشتر نخعی نے میدان جنگ میں قتل کیا اور اس کے سر کو مختار کے پاس بھیجا اور مختار نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے علی بن حسین کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والے کے لئے دعا

۶۱۴۳ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ طَائِفَةٍ مِّنَ النَّهَارِ حَتّٰی اَتٰی خِبَآءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ اَثَمَّ لُكَعُ اَثَمَّ لُكَعُ يَعْنِیْ حَسَنًا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ يَسْعٰی حَتّٰی اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۳۹/٤ حديث رقم ۲۱۲۲ ومسلم في صحيحه ۱۸۸۲/٤ حديث رقم (۵۷-۲٤۲۱) وابن ماجه ۵۱/۱ حديث رقم ۱٤۲ و احمد في المسند ۲٤۹/۲

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے کسی حصہ میں باہر نکلا

یہاں تک کہ جب آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہاں منا ہے کیا یہاں منا ہے؟ آپ ﷺ کی مراد اس سے حضرت حسنؓ کی ذات تھی (جن کو ڈھونڈتے ہوئے آپ ﷺ آئے تھے) ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ حسنؓ دوڑتے ہوئے آئے، پھر حسنؓ آپ ﷺ کے گلے سے اور آپ ﷺ حسنؓ کے گلے سے لپٹ گئے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس شخص سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے۔

تشریح: (حتی...... فاطمة): خباء: خاء معجمہ کے کسرہ، بائے موحدہ، اس کے بعد الف پھر ہمزہ، بمعنی بیت. (نووی)۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: اس میں مجاز ہے۔ جیسا کہ المشفر کا استعمال ہے الشفه پر۔

ایک روایت میں مخبأ (بمعنی مخدع) آیا۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں خباب فاطمة ہے۔ بظاہر اس میں تغیر ہوئی ہے۔ یہ بات محل نظر ہے چونکہ مصابیح کے شارح کا کہنا ہے کہ الخباب: بالفتح مقدم الباب۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد حضرت فاطمہؓ کا حجرہ ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد گھر کا اردگرد ہے۔ امام جزریؒ فرماتے ہیں: جناب: جیم کے فتحہ، نون اور بائے موحدہ کے ساتھ بمعنی فنائے دار۔ (اثم): ثائے مثلثہ کے فتحہ، اور میم کی تشدید کے ساتھ، بمعنی أهناك.
(لکع): اس لفظ کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے، ہم اولاً وہ تمام جوں کا توں ذکر کریں گے اس کے بعد خلاصہ ذکر کریں گے۔

① بضم اللام وفتح الكاف من غير انصراف كعمر وزفر.

② هو ليس بمعدول، وانما هو مثل نغر وصرف، فحقه أن ينون، لانهٗ ليس بمعدول.

③ اللكع كعمرف ولا يصرف.

④ قال شارح اللكع الصبى الصغير معدول من اللكع بكسر القاف يقال: لكع الرجل لكعا فهو لكع اذا خسّ.

⑤ في القاموس: اللكع كصرد اللئيم والعبد والأحمق. ومن لايتبعه لمنطق ولا غيره. ويقال في النداء: يالكع! ولا يصرف في المعرفة لأنه معدول من لكع.

⑥ وفي النهاية: اللكع عند العرب العبد، ثم استعمل في الحمق والذم، وقيل يطلق على الصغير، ومنه الحديث. أنه جاء لطلب الحسن بن على قال: أثم لكع؟ فان أطلق على الكبرى أريد به الضعيف العلم والعقل.

⑦ قال ابن الملك: لكع بضم اللام وفتح الكاف الصغير قدرا أو جثة، والثانى هو المراد.

⑧ وقال غيره يقال للصبى الصغير لكع مصروفا ذهابا الى صغر جثته، ويطلب على العبد واللئيم والأحمق لصغر قدرهم.

خلاصۃ الاقوال:

① یہ لفظ لام کے ضمہ اور کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

۲ یہ لفظ منصرف وغیر منصرف ہر دو پڑھا جاتا ہے۔

۳ نغر اور صرف کے مانند مانیں تو منصرف، اور عمر وزفر کی مانند مانیں، تو غیر منصرف۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے دو مسلم فرقوں میں صلح کرانے کی پیشنگوئی

۶۱۴۴ : وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَيْهِ اُخْرٰى وَيَقُوْلُ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ . (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٣٠٦/٥ حديث رقم ٢٧٠٤ واخرجه ابو داوٗد فی السنن ٤٨/٥ حديث رقم ٤٦٦٢ والترمذی فی السنن ٦١٦/٥ حديث رقم ٣٧٧٣ والنسائی فی السنن ١٠٧/٣ حديث رقم ١٤١٠

ترجمہ: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا کہ حسن بن علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (دائیں یا بائیں) پہلو میں تھے کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (وعظ ونصیحت میں تخاطب کے لئے) لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی (پیار ومحبت بھری نظروں سے) حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ ”یہ میرا بیٹا“ ”سید“ ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا“۔ (صحیح بخاری)

تشریح: (قال...... علی): مرفوع ومنصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ (أخری): الذخائر کی ایک روایت میں ہے کہ ینظر الی الناس مرة والیه مرة. (ویقول...... سید): اصل میں سیود تھا۔ واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ: سید اس شخص کو کہتے ہیں جو غصہ سے مغلوب نہ ہوتا ہو۔ بعض نے کہا کہ: سید اس شخص کو کہتے ہیں جو نیکی میں فائق ہو۔ آگے آنے والے کلام کی روشنی میں پہلے معنی مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ مگر دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ چونکہ سید کا اطلاق درحقیقت اس شخص پر ہوتا ہے جو نسب وحسب، علم وعمل میں سردار ہو۔ (ولعل اللّٰہ): رجاء کا صیغہ استعمال کرنا درحقیقت اشارہ ہے کہ اللہ پر کوئی شئے واجب نہیں۔ لہٰذا لعل اللّٰہ کے معنی ہوئے: أرجوا منه سبحانه. (أن...... به): باء سببیہ ہے۔ (بین...... المسلمین): امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شرف وفضل کے لئے اتنی بات بھی کافی ہے، لہٰذا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”سیّد“ قرار دیا ہو، اس کو ”اسود“ کہنے کا تک نہیں بنتا۔ اور فئتین کو عظمتین سے موصوف کیا چونکہ اس وقت مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے تھے، ایک فرقہ ان کے ساتھ تھا اور ایک فرقہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا، اور اس وقت اس منصب کے سب سے زیادہ حق دار بھی آپ ہی تھے۔ چنانچہ ان کا زہد وتقویٰ اور اپنے نانا کی امت پر شفقت نے ترک ملک ودنیا اور رغبت فیما عند اللہ پر مجبور کر دیا۔ خدا کی قسم! مجھ کو یہ گوارا نہیں کہ امت محمدیہ کے اس معاملہ میں...... امت محمدیہ میں سے کسی کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے (امت کو خونریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دست برداری کا) یہ فیصلہ ان کے بعض ساتھیوں پر اس حد تک شاق گزرا کہ ان کی مجلس میں پہنچ کر ان کو یوں مخاطب کرتے: السلام علیك یا عار المؤمنین. سیدنا

حسنؓ (نہایت تحمل وبردباری کے ساتھ) ان سے فرماتے: العار خير من النار. عار، نار سے بہتر ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں فریق ملت اسلامیہ ہی کے فرد ہیں۔ اس فتنہ کی وجہ سے کوئی بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں، چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں گروہوں کو مسلمان قرار دیا ہے، باوجود یہ کہ ان میں سے ایک گروہ مصیب تھا، اور ایک مخطی تھا۔ مواضع شبہ میں ہر متاول کو یہی تاویل کرنی چاہئے، اگرچہ وہ (متاول) اس میں مخطی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس وجہ سے اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل بغی کی شہادت مقبول ہے، اور ان کے قاضی کی قضاء بھی نافذ ہوگی۔

مشاجرات صحابہ میں تمام سلف اور بزرگان دین نے ہمیشہ اپنی زبانیں بند رکھیں۔ اسلاف فرماتے تھے: **تلك دماء طهر الله عنها أيدينا فلا نلوث به أسلنتنا.** جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان کے خون سے دور رکھا ہے تو پھر ہم اپنی زبانوں کو ان پر تنقید وتبصرہ اور ان پر نکتہ چینی سے کیوں ملوث کریں۔

حضرت ابی بکرہ سے مروی ہے: **(قال: كان رسول الله ﷺ يصلي بنا وكان الحسن يجيئ وهو صغير ......أخرجه أبو حاتم، وأخرجه أحمد بمعناه، ولم يقل ريحانتي من الدنيا)**

(اخرجه ابو حاتم): امام احمدؒ نے بھی اس کے ہم معنی روایت ذکر کی ہے، مگر اس میں **ريحانتي من الدنيا** کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ حسن بن حسن اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **والله بعد ان ولي لم يهرق في خلافته ملء محجمة دم.** اللہ کی قسم! ان کے زمانہ ولایت میں مجھ برابر بھی کسی کا (ناحق) خون نہیں بہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: **قال: كنا نصلي مع النبي ﷺ العشاء فاذا سجد وثب الحسن والحسين على ظهره، فاذا رفع رأسه أخذهما بيده من خلفه أخذا رفيقاً، فيضعهما على الأرض، فاذا عاد عادا، حتى قضى صلاته فأقعدهما على فخذيه قال: فقمت اليه فقلت: يا رسول الله! أردهما فبرقت برقة فقال: الحقا بأمكما. قال: فمكث ضوءها حتى دخلا.**

(أخرجه أحمد)

اور جب سجدے میں جاتے تو وہ دونوں دوبارہ آپ ﷺ کی پشت پر چڑھ جاتے، یہاں تک کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز مکمل فرمالی۔ پھر دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھالیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان دونوں کو پہنچا آؤں، اسی وقت آسمانی بجلی چمکی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے فرمایا: **الحقا بأمكما:** جاؤ اپنی ماں کے پاس چلے چلو، جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: بجلی کی چمک اس وقت باقی رہی، یہاں تک کہ وہ دونوں گھر میں داخل ہوگئے۔ (احمدؒ)

حضرت معاویہؓ سے مروی ہے: **قال: كان رسول الله ﷺ يمص لسان الحسن أو اشفته، وانه لن يعذب الله لسانا أو شفة مصها رسسول الله ﷺ.**

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: اے معاویہ! خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل پیرا ہو، اور اعمال طاعت بجالائے، وہ شخص خلیفہ نہیں ہے جو ظلم کو اپنا مذہب بنالے، اور سنن کو معطل کردے۔ اور دنیا کو ماں باپ بنالے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما میرے دو پھول ہیں

۶۱۴۵ : وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ نُعْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَوَ سَاَلَهٗ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ شُعْبَةُ اَحْسِبُهٗ يُقْتَلُ الذُّبَابَ قَالَ اَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْاَلُوْنِیْ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوْا اِبْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هُمَا رَيْحَانَیَّ مِنَ الدُّنْيَا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۵/۷ حدیث رقم ۳۷۵۳ والترمذی فی السنن ۶۱۵/۵ حدیث رقم ۳۷۷۰

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعمؒ سے مروی ہے' کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا جبکہ (اہل کوفہ میں سے) کسی شخص نے ان سے محرم کے بارے میں پوچھا تھا (اس روایت کو حضرت عبدالرحمٰنؒ سے روایت کرنے والے راوی) حضرت شعبہؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ سوال کرنے والے نے مکھی کو مار ڈالنے کا حکم دریافت کیا تھا۔ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عراق یعنی کوفہ کے لوگ مجھ سے مکھی مار ڈالنے کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ یہ ''دونوں دنیا کے میرے دو پھول ہیں''۔ (بخاری)

راویٔ حدیث:

عبدالرحمٰن بن ابی نعم۔ کا نام مؤلف نے ''الاکمال'' میں ذکر نہیں فرمایا۔ واضح رہے کہ مغنی' نسخ معتمدہ اور تمام نسخوں میں ''نعم'' نون کے ضمہ اور عین کے سکون کے ساتھ ہے۔ مرقات کے فوقانی اور تحتانی میں بھی عین مہملہ کے ساتھ ہے۔ البتہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن ابی غنم کے حالات ذکر فرمائے ہیں۔ ''غنم'' غین معجمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح: (...... نعم): المغنی میں لکھا ہے کہ نعم نون کے ضمہ اور عین کے سکون کے ساتھ ہے۔ معتمد نسخوں اور دیگر موجود تمام نسخوں میں بھی یوں ہی ہے۔ مؤلفؒ نے اسماء الرجال میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ اسماء میں ذکر کرتے ہیں کہ ''غبد الرحمن ابن أبی غنم''۔ غین معجمہ کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ۔ (قال...... المحرم): جملہ حالیہ ہے۔ (قال شعبة): اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔ مؤلفؒ نے اسماء میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ الذخائر میں ابن عمر کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: وقد سئل عن المحرم. (قال): ایک روایت میں فقال ہے۔

کوفہ اور بصرہ کو ''عراق عرب'' کہا جاتا ہے۔ (یسألونی): نون کی تشدید و تخفیف کے ساتھ، (عن الذباب): عبارت میں حذفِ مضاف ہے۔ اصل میں عن قتل الذباب ہے۔ بعض نسخوں میں موجود بھی ہے۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: ''قال اهل العراق'' حال ہے ''سمعت'' سے اور ''قد'' مقدر ہے۔ اصل یوں تھا: سمعت قول عبد الله۔ ''سأله رجل عن المحرم'' یہ جملہ بھی حال ہے۔ ''قال شعبة أحسبه یقتل الذباب'' یہ جملہ بعض راویوں کا ہے، جس میں سائل کے سوال واستفتاء کی تفسیر کی گئی ہے۔ معنوی تقدیر یوں ہے: ما تقول فی شأن المحرم یقتل الذباب اھ۔

(وقد قتلوا...... ﷺ): یسألونی کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔(وقال): ایک روایت میں "وقد قال" ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔(هما...... ریحانی): تمام نسخوں میں اس لفظ کونون کے فتحہ اور یائے متکلم کی تشدید کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔اس پر کلام عنقریب آئے گا۔الذخائر (کی روایت) میں ہے کہ هما ریحانتای.

لفظ ریحان کی لغوی وصفوی تحقیق:

ریحان مخفف ہے،ریحان بروزن فیعلان سے، روح سے مشتق ہے۔

کہتے ہیں:سبحان الله وریحانه. أی أسبح الله واسترزقه.

صاحب النہایہ لکھتے ہیں: الریحان الرحمة والراحة والرزق، وبه سمی الولد ریحانا، وکل نبت طیب الریح من أنواع الشموم.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں "من الدنیا" کے الفاظ ،آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارکہ:"حبب الی من الدنیا الطیب والنساء" کی طرح واقع ہوئے ہیں ۔أی: نصیبی منها،اور ریحانی منصوب علی المدح ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: صاحب الفائق کے ظاہر کلام سے یوں لگتا ہے کہ انہوں نے ریحانی کومبتداء کی خبر بنایا ہے،اور من الدنیا کو فی الدنیا کے معنی میں قرار دیا ہے۔رفع کے علاوہ والی روایت مشکل ہے،اور شاید کہ اس روایت کا مبنی وہ روایات ہیں کہ جن میں ریحانتای، ریحانای یا ریحانی،نون کے کسرہ اور یاء کی تخفیف کے ساتھ۔ اس صوورت میں تقدیری عبارت: کانا ریحانی ہوگی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے علی بن ابی طالب سے فرمایا:"سلام علیك یا أبا الریحانین، فعن قلیل یذهب رکناك والله خلیفتی علیك" فلما قبض رسول اللّٰه ﷺ قال علی: هذا أحد الرکنین. فلما ماتت فاطمة قال هذا الرکن الآخر.

جب آنحضرت ﷺ وفات پا گئے،تو حضرت علیؓ فرمانے لگے: دو رکنوں میں سے ایک رکن یہ تھا، جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا،تو کہنے لگے: یہ دوسرا رکن تھا (رواہ البخاری)۔عبدالرحمٰن بن أبی نعم سے (متن سے ملتی جلتی ایک) روایت ہے:أن رجلا من اهل العراق سأل ابن عمر عن دم البعوض یصیب الثوب؟ فقال ابن عمر: انظروا الی هذا یسأل عن دم البعوض، وقد قتلوا ابن بنت رسول اللّٰه ﷺ، وسمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول: الحسن والحسین هما ریحانتای من الدنیا".اس حدیث کوامام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔اور صحیح قرار دیا ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی حضور ﷺ کے ساتھ مشابہت

۶۱۴۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَالَ فِي الْحُسَيْنِ اَيْضًا كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری صحیحه ۷/۹٤ حدیث رقم ۳۷٤۸ والترمذی فی السنن ٦۱۸/٥ حدیث رقم ۳۷۷۸۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا حسن بن علیؓ کے علاوہ کوئی نہیں تھا نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے''۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث پر تفصیلی کلام فصل ثانی کی حضرت علیؓ کی حدیث کے ذیل میں آئے گا۔

تخریج: اس روایت کو امام ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

۶۱۴۷ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی صَدْرِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷/۱۰۰ حدیث رقم ۳۷٥٦ والترمذی ٦۳۸/٥ حدیث رقم ۳۸۲٤ وابن ماجه السنن ٥۸/۱ حدیث رقم ۱٦٦

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے سینۂ مبارک سے لپٹا کر یوں دعا فرمائی تھی: اے اللہ! اس کو حکمت عطا فرما''۔ اور ایک روایت میں (دعا کے) یہ الفاظ آئے ہیں کہ اے اللہ! اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما''۔ (بخاری)

تشریح: (...... ضمنی): میم کی تشدید کے ساتھ۔ (فقال:..... الحکمة): یعنی علم وعمل میں پختگی۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿یؤتی الحکمة من یشاء ومن یؤتی الحکمة فقد أوتی خیرا کثیرا﴾ سینے سے لگا کر بھینچنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ سینہ منبع علوم اور معدن حکم ہے۔ حکمت سے مراد حکمت فلسفہ نہیں۔ النہایہ میں لکھا ہے: **الحکمة عبارة عن معرفة الفضلاء الاشیاء بأفضل العلوم، والحکیم الذی یحکم الاشیاء ویتقنها۔** افضل ترین علم کے ذریعہ ''فضلاء'' کی معرفت سے عبارت ہے۔

فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: یہاں حکمت سے کیا مراد ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے: حکمت سے مراد صحت گفتار ہے۔ بعض کہتے ہیں: حکمت سے مراد فہم من جانب اللہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے: حکمت سے مراد وہ چیز ہے جس کی صحت کی شہادت عقل دے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: حکمت سے مراد وہ نور ہے جس کے ذریعے الہام و وسوسہ اور نور کے درمیان فرق ہو سکے۔ بعض نے فرمایا کہ: حکمت سے مراد سرعتِ جواب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی مرادیں بیان کی گئی ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ان تعریفات میں کوئی تضاد نہیں۔

عباراتنا شتی وحسنك واحد ☆ کل الی ذاك الجمال یشیر

ہماری عبارتیں مختلف ہیں، تیرا حسن ایک ہی ہے، اور یہ سب اس جمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

(**وفی...... الکتاب**): حضرت ابن عباسؓ سے حکایت ہے، وہ فرماتے ہیں: **جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه أفهام الرجال**. سارے کا سارا علم قرآن کریم میں ہے لیکن مردوں کی عقلیں اس سے قاصر ہیں۔

روایت بالا سے ان حضرات کے قول کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے حکمت کی تعریف ''علم الکتاب'' سے کی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ''ترجمان الکتاب'' کہا جاتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حکمت سے مراد بظاہر سنت ہے۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿**یعلمهم الکتاب والحکمة**﴾ [البقرة: ۱۲۹] ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: زیادہ واضح بات یہ ہے کہ کتاب سے مراد الفاظ اور قراءت ہے۔ اور حکمت سے مراد قرآن کے احکام کی معرفت اور آیات کی تبیین ہے۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انہی دونوں ناموں کے ساتھ مشہور تھے۔ یعنی قراءت وتفسیر میں مشہور تھے۔ عطف چونکہ تغایر کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا الکتاب پر الحکمة کے عطف کا مقتضی یہ ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہو۔ آگے ایک حدیث میں آ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فقہ کی دعا دی تھی۔ فقہ نام ہے کتاب وسنت کے اصول وفروع جاننے کا۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ جامع العلوم تھے۔

عرضِ مرتب:

کچھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں: حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباسؓ کے بیٹے ہیں ان کی والدہ لبابہ حارث کی بیٹی اور ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے ان کی عمر ۱۳ سال یا ۱۵ سال تھی اور بعض نے ۱۰ سال بیان کی ہے امت محمدیہ کے بڑے عالم اور بہترین اشخاص میں سے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی فہم وہنر، تفسیر قرآن کی ان کو دعا دی تھی انہوں نے جبرائیل امین کو دو مرتبہ دیکھا تھا۔ مسروق کا قول ہے کہ میں جب عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ حسین وجمیل ہیں اور جب وہ بات چیت کرتے تھے تو میں کہتا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح وبلیغ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں یہ بہت مقرب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے نزدیک ان کو جگہ دیتے تھے اور جلیل القدر صحابہؓ کے ساتھ مشورہ کرنے میں ان کو بھی شریک فرمایا کرتے تھے۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ بمقام طائف ۶۸ھ میں ابن زبیرؓ کے زمانہ میں اکہتر برس کی عمر میں وفات پائی ان سے صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت نے روایت کی ہے یہ گورے رنگ والے لمبے قد کے تھے۔ ان کے رنگ میں زردی کی آمیزش تھی۔ موٹے تازے حسین وخوش رو تھے ان کے سر پر کافی بال تھے جن میں مہندی لگاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دین کی سمجھ کی دعا

۶۱۲۸ : **وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلاَءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءً فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ** ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٤٤/١ حديث رقم ١٤٣ ومسلم في صحيحه ١٩٢٧/٤ حديث رقم (١٣٨-٢٤٧٧) و احمد في المسند ٣١٤/١

ترجمه: ''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا۔ جب آپ ﷺ بیت الخلاء سے نکلے تو فرمایا: یہ (پانی) کس نے رکھا ہے؟ آپ ﷺ کو خبر دی گئی (کہ یہ پانی عبداللہ بن عباس نے رکھا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو دین کی فہم عطا فرما''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (قال...... الخلاء): خاء کے فتحہ اور مد کے ساتھ، (قضائے حاجت کی جگہ)۔ (فوضعت له وضوءًا): واؤ کے فتحہ کے ساتھ، وضو کا پانی۔

(فقه): قاف مشددہ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اجعله فقیها عالما۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی منقبت

۶۱۴۹: وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَاْخُذُهٗ وَالْحَسَنَ فَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَاِنِّيْ اُحِبُّهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُنِيْ فَيُقْعِدُنِيْ عَلٰى فَخِذِهٖ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلٰى فَخِذِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَضُمُّهُمَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّيْ اَرْحَمُهُمَا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸۸/۷ حدیث رقم ۳۷۳۵ واخرجه الترمذی فی السنن ۶۲۰/۵ حدیث رقم ۳۷۸۳ و احمد فی المسند ۳۶۹/۵۔

ترجمه: ''اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اُن کو اور امام حسنؓ کو پکڑ کر فرماتے تھے: اے اللہ! ان دونوں سے محبت فرما کہ میں بھی ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ران مبارک پر بٹھاتے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دوسری ران مبارک پر بٹھاتے پھر ان دونوں کو ملا کر فرمایا کرتے تھے: اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں بھی ان پر شفقت و مہربانی کرتا ہوں''۔

(بخاری)

تشریح: اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان حضرات سے محبت اللہ کی خاطر تھی، اسی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ: اللهم أحبهما۔ آپ ﷺ کا یہ جملہ ان حضرات کی عظیم الشان منقبت کو ظاہر کرتا ہے۔ ''الذخائر'' کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: اللهم انی أحبهما فأحبهما، یا جیسا کہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ (کان...... فیقعدنی): یاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ۔ (ویقعد...... یضمهما): مصابیح اور جامع الاصول کے نسخوں میں یہ الفاظ یوں ہی ہیں، اس صورت میں عبارت میں التفات من المتکلم الی الغیبة ہوگا۔ (طیبیؒ)

بظاہر أن یضمنا کے الفاظ متکلم کی تغلیب کے طور پر ارشاد فرمائے، جیسا کہ یضمهما میں غائب کی تغلیب ہے۔ اس تغلیب کو ''التفات'' کہنا مسامحت ہے۔ (قوله: اللهم ارحمهما ......) ارحمها: اس رحمت سے کوئی خاص رحمت مراد ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی رحمت نا صرف تمام مسلمانوں پر ہے بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۱۵۰ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِيْ اِمَارَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمَارَةِ وَاِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ وَاِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ بَعْدَهٗ (متفق عليه وفی رواية لمسلم نحوه وفي واخر) اُوْصِيْكُمْ بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ صَالِحِيْكُمْ۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ۹۶/۷حديث رقم ۳۷۳۰ومسلم فی صحيحه ۱۸۸٤/٤حديث رقم (۶۳-۲٤۲۶) واخرجه الترمذی فی السنن ۶۳۵/۵حديث رقم ۳۸۱۶ و احمد فی المسند ۲۰/۲

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کا امیر بنایا تو کچھ لوگوں نے اس کی امارت کے بارے میں طعنہ زنی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ اس (اسامہ) کی امارت پر معترض ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ (زید) کی امارت پر بھی طعنہ زنی (اور اعتراض) کر چکے ہو اور اللہ کی قسم! وہ (زید) امارت کے قابل بھی تھا اور تمام لوگوں سے مجھے محبوب وعزیز تر بھی تھا اور اس کے بعد یہ (اسامہ) بھی مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب وعزیز تر ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ ''لوگو! میں تمہیں اس کے (اسامہ کے) بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ یقیناً یہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہے''۔

تشریح: (علیھم...... فطعن): عین کے فتحہ کے ساتھ از باب منع، کسی کو عزت ونسب میں طعنہ دینا، داغ دار کرنا۔ ضمہ کے ساتھ، نیزہ اور ہاتھ دے مارنا کے معنی میں آتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ دو لغتیں ہیں۔ (فی امارته): ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ۔ (فقال رسول اللہ): ایک نسخہ میں ''نبی اللہ'' ہے۔

أبیه: اس سے۔ (من قبل): مضاف الیہ ھذا محذوف ہے۔ یا امارة ابنه. امام طیبیؒ نے فرمایا: فقد كنتم طعنتم یہ جزاء ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی عادتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے تم لوگوں نے اس کے باپ کے مسئلہ میں بھی طعن کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ترکیبی اعتبار سے) اس آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ان يسرق فقد سرق أخ له من قبل﴾۔

(وأيم اللہ): بمعنی واللہ. (ان): مخفف ہے۔ ضمیر شان محذوف ہے۔ (للامارة): مالکی کے نسخہ میں ''وأيم اللہ لقد كان'' کے الفاظ ہیں۔ اور ایک نسخہ میں ان كان خليقا ہے۔

غزوہ موتہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ:

نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے فرماتی ہیں: ما بعث رسول اللہ ﷺ زيد بن حارثة فی جيش قط

الا امرہ علیهم۔

بعض محققین نے فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

① غلام کو امیر بنانا جائز ہے۔

② بڑوں پر چھوٹوں کو، اور فاضل پر مفضول کو امیر بنانا درست ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: پہلے زید پھر اسامہ کو امیر بنانا ممکن ہے کہ اس بات کی تلافی ہو کہ باپ بیٹے نے آزادی کو چھوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کو ترجیح دی تھی۔

(وفی..... نحوہ): یعنی ماقبل متفق علیہ حدیث کی مانند الفاظ ہیں۔

مراد یہ ہے کہ یہ تمہارے ان صالحین میں سے ہیں جن میں صلاح غالب ہے، وگرنہ تو سارے ہی صحابہ صالحین تھے، یہ خطاب چند مخصوص افراد کو تھا جو اس وقت موجود تھے، یا ان کے ہمراہیوں کو تھا۔

عرضِ مرتب:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا تعارف: حضرت زید بن حارثہؓ کی کنیت ابو اسامہ ہے ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ ہیں جو بنی معن سے تھیں۔ زید بن حارثہ کو ان کی والدہ اپنی قوم کے پاس ملانے کے لئے لائیں تو بنی معن پر بنی قیس کے ایک لشکر نے حملہ کر دیا اور بہت لوٹ مار کی اور یہ لٹیرے حضرت زیدؓ کو بھی اٹھا کر لے گئے ان کی عمر اس وقت آٹھ سال بتلائی جاتی ہے یہ نو عمر لڑکے تھے ان کو بازار عکاظ میں لے گئے اور فروخت کرنے کے لئے ان کو پیش کر دیا چنانچہ ان کو حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لئے چار سو درہم کے بدلے میں خرید لیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قبضہ کر لیا پھر اس تمام واقعہ کا پتہ زید بن حارثہؓ کے خاندان والوں کو چلا تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کعب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فدیہ دے کر ان کو لے جانا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو کلی اختیار دے دیا کہ اگر وہ گھر جانا چاہیں تو خوشی سے اپنے والد کے ہمراہ چلے جائیں اور اگر چاہیں تو میرے پاس رہیں۔ حضرت زیدؓ نے اپنے گھر والوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی اور والد اور چچا کے ہمراہ نہیں گئے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اور اخلاق کریمانہ ان کے دل میں گھر کر چکے تھے۔ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مقام حجر میں لے گئے اور حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو گواہ رہو میں نے زید کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے وہ میرے وارث ہیں اور میں ان کا وارث ہوں اس کے بعد وہ زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پکارے جانے لگے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے احکامات نازل فرمائے اور یہ آیت نازل ہوئی: ادعوهم لآباء هم هو اقسط عندالله یعنی لے پالک لڑکوں کو ان کے والدین کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف اور راستی کی ہے تو پھر ان کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ یہ زید بن حارثہ مردوں میں سے سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں ایک قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دس سال بڑے تھے اور دوسرے قول کے اعتبار سے بیس سال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ام ایمن اپنی آزاد کردہ سے کرایا ان سے اسامہ پیدا ہوئے اس کے بعد ان کا نکاح زینب بنت جحش سے ہوا۔ ان زید بن حارثہ کو محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ

نے کسی صحابی کا نام قرآن پاک میں ان کے سوانہیں لیا جیسا کہ قرآن میں ہے: فلما قضٰی زید منها وطرا زوجنكها ان سے ان کے بیٹے حضرت اسامہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے۔غزوہ موتہ میں جب کہ یہ لشکر کے امیر تھے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شہید ہوئے۔اس وقت ان کی عمر پچپن سال تھی۔رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

آدمی کا مولیٰ اس کے اہل بیت میں شامل ہوتا ہے

۶۱۵۱ : وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ حَا رِثَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكُنَّا نَدْعُوْهُ اِلَّا زَيْدَ ابْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (متفق عليه وذكر حديث) الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ۷/۸ حديث رقم ۴۷۸۲ ومسلم في صحيحه ۱۸۸۴/۴ حديث رقم (۶۲-۲۴۲۵)۔

ترجمہ:''یہ بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے آزاد کیے ہوئے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو ہم لوگ صرف زید بن محمد ہی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: تم ان کو ان کے باپ کے نام کی نسبت سے پکارا اور بلایا کرو''۔(بخاری و مسلم) اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا اَنْتَ مِنِّيْ (تم مجھ سے ہو) بلوغ صغیر اور (اس کی حضانت کے باب میں گزر چکی ہے۔

تشریح: اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شخص کا غلام بھی اس کے اہل بیت میں سے ہوتا ہے۔قوله :ما كنا ندعوه الا زيد بن محمد: امام نوویؒ فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، اور ان کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔عرب میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے غلاموں وغیرہ کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے، چنانچہ وہ منہ بولا بیٹا ان کا بیٹا شمار کیا جاتا تھا،حتیٰ کہ میراث بھی جاری ہوتی، اور اس کی طرف منسوب بھی کیا جاتا تھا۔(حتى نزل القرآن): یعنی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿أدعوهم لأبائهم﴾۔مکمل آیت یوں ہے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ......۔

''اور اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں قرار دیا۔یہ تو تمہارے اپنے ہی منہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ درست بات کہتا ہے اور صحیح راہ دکھاتا ہے۔تم ان کو ان کے باپوں کے نام کی نسبت سے پکارو اور بلایا کرو اس لئے کہ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ عدل و انصاف کی مظہر ہے اور اگر ان کے باپ تمہیں معلوم نہ ہوں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں''۔

اس آیت کے نزول کے بعد لوگ انہیں''زید بن حارثہؓ'' کہنے لگے۔(حصانته): (حاء کے کسرہ کے ساتھ، فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے)۔

عرض مرتب:

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں، جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگر چہ جائز ہو، مگر پھر بھی بہتر نہیں، کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے۔
(معارف القران حصہ ہفتم صفحہ: ۸۵، سورۂ احزاب آیت: ۴)

الفصل الثانی:

قرآن اور اہل بیت کو مضبوطی سے تھامنے والا گمراہ نہ ہوگا

۶۱۵۲ : عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءَ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۲۱/۵ حدیث رقم ۳۷۸۶ و احمد فی المسند ۱۴/۳ ۔

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کے حج کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی قصواء نامی اونٹنی پر بیٹھے دیکھا آپ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری اولاد میرے اہل بیت"۔ (ترمذی)

تشریح: القصواء: قاف کے فتحہ کے ساتھ، ممدود و مقصور دونوں طرح درست ہے۔ وجہ تسمیہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کا کان کٹا ہوا تھا، بلکہ اس کا لقب تھا۔ یخطب: جملہ حالیہ ہے۔ ما: موصولہ ہے۔

کتاب اللہ: منصوب ہے۔ (۱) ما أخذتم به میں موجود "ما" کا بیان ہے، (۲) بدل ہے، (۳) أعنی فعل محذوف کے لئے مفعول بہ ہے۔ ایک نسخہ میں یہ مرفوع ہے۔ هو مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ (وعترتی) محل نصب میں ہے یا مرفوع ہے۔ (أهل بيتی): اس کا اعراب بھی ماقبل کی طرح ہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عترة الرجل أهل بيته ورهطه الادنون.

عترة چونکہ متعدد معانی میں مستعمل ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی مراد کو "أهل بيتی" کے ذریعہ سے متعین فرما دیا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی اولاد، اور آپ ؐ کے قراب دار اور جدّ قریب کی اولاد ہے، اور آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔ اھ

ان أخذتم به: "ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا" سے مراد ان کی محبت رکھنا، ان کی حرمت کی حفاظت، ان کی روایات پر عمل کرنا، ان کے اقوال پر اعتماد کرنا ہے، یہ بات دوسرے حضرات صحابہ کرام کے منافی نہیں۔

چونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم". نیز اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾

سید جمال الدینؒ نے اس پر یہ بات اضافی فرمائی کہ: اذا لم يكن مخالفا للدين، بشرطیکہ دین کے خلاف نہ ہو۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے عترتي اهل بيتي کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے۔ یہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی سیرت شریعت وطریقت کے مطابق ہی ہوگی (مخالف نہ ہوگی)۔

۶۱۵۳ : وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا۔

أخرجه الترمذي في السنن ٦٢٢/٥ حديث رقم ٣٧٨٨ والدارمي في السنن ٥٢٤/٢ حديث رقم ٣٣١٦ و احمد في المسند ٣٦٦/٤

ترجمہ: "حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک ان میں دوسری سے عظیم تر ہے۔ وہ ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور وہ ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلا دی گئی ہے دوسری میری اولاد میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ میرے پاس آ پہنچیں گے پس تم لوگ سوچ لو کہ تم میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرتے ہو اور کیسے پیش آتے ہو"۔ (ترمذی)

تشریح: بعدی: ایک نسخہ میں "بعد موتی" ہے۔

كتاب الله: منصوب ومرفوع ہر دو طرح مروی ہے۔ اسی جگہ مرفوع پڑھنا زیادہ واضح ہے۔ جس کا قرینہ اگلا جملہ ہے۔

(اني تارك فيكم): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: كتاب الله اور اهل بيت کا ساتھ ساتھ ذکر کرنا یوں ہے، گویا یہ دونوں چیزیں آنحضرت ﷺ کی جڑواں اولاد ہیں۔

ولن يتفرقا حتي يردا على الحوض فانظروا كيف تخلفوني فيهما. فانظروا، تأمل، غور وفکر کے معنی میں ہے۔ تخلفوني: نون مشددہ ومخفف ہر دو طرح مروی ہے۔

اس روایت کو امام احمدؒ اور طبرانیؒ نے زید بن ثابتؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"اني تارك فيكم خليفتين: كتاب الله حبل ممدود ما بين السماء والأرض وعترتي أهل بيتي وانهما لن يفترقا حتي يردا على الحوض".

عرضِ مرتب:

اس سے ملتی جلتی ایک روایت ماقبل میں بھی گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائیے: حدیث: ۵۱۴۰۔

سیّدنا علی، فاطمہ، حسنین رضی اللہ عنہم سے محبت ودشمنی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ودشمنی ہے

۶۱۵۴ : وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٥٦/٥ حديث رقم ٣٨٧٠ وابن ماجه ٥٢/١ حديث رقم ١٤٥ اخرجه احمد فی المسند ٤٤٢/٢ و احمد فی المسند ٤٤٢/٢

ترجمہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمایا کہ ''جو کوئی ان سے لڑے میں اس سے لڑوں گا اور جو کوئی ان سے مصالحت رکھے میں اس سے مصالحت کروں گا''۔ (ترمذی)

تشریح: (ان...... والحسین): لام سببیہ ہے۔ (أنا حرب): یعنی ان کے حقوق کے معاملے میں، میں لڑائی کروں گا۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من أحبنی وأحب هذين وأباهما وأمهما كان معی فی درجتی يوم القيامة''۔ ''جس نے مجھ کو دوست رکھا، اور ان دونوں سے محبت کی اور ان دونوں کے باپ (یعنی علیؓ) اور ان دونوں کی ماں (یعنی فاطمہ) سے محبت رکھے گا، تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا''۔ احمد اور ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور فرمایا: ''كان معی فی الجنة'' تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

(لمن حاربهم): أنا حرب میں مبالغہ ہے، اس کی نظیر رجل عدل ہے۔ (وسلم): سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، بمعنی مسالم ومصالح۔ (لمن سالمهم): ارشادگرامی کا حاصل یہ ہے کہ: من أحبهم أحبنی، ومن أبغضهم أبغضنی. (رواه الترمذی).

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین تھے

۶۱۵۵ : وَعَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِيْ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُ اَیُّ النَّاسِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَقِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٥٨/٥ حديث رقم ٣٨٧٤۔

ترجمہ: ''حضرت جمیع بن عمیر (تابعی) کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنی پھوپھی کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سوال کیا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔ پھر سوال کیا گیا: اور مردوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند (علی مرتضیٰؓ) سے''۔ (ترمذی)

راوی حدیث:

جمیع بن عمیر۔ یہ جمیع بن عمیر تیمی کوفہ کے رہنے والوں میں سے ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کو سنا ہے۔علاء بن صالح اور صدقہ بن المثنی نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے۔''جمیع''اور''عمیر'' دونوں اسم تصغیر کے ساتھ ہیں۔

تشریح: (قالت...... الترمذی): الریاض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: سئلت أی الناس أحب الی رسول اللہ ﷺ؟ قالت: فاطمة. فقیل من الرجال؟ قال: زوجها. ان کان ما علمت صواما قواما''۔اس روایت کی تخریج امام ترمذیؒ نے کی ہے،اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ازہار میں ہے کہ: اس روایت کو سدی نے نقل کیا ہے،اور امام حاکمؒ نے فرمایا: السدی شیعی یسبّ الشیخین. اھ۔

(محدثین نے) ذکر کیا ہے کہ سدی نامی دو افراد گزرے ہیں۔ایک سدی کبیر تھے، جو سنی تھے اور دوسرے صغری جو رافضی تھا۔امام سیوطیؒ شرح التقریب میں فرماتے ہیں: کسی حدیث کے موضوع ہونے کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ راوی رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کے فضائل پر مشتمل ہو۔شیخ حافظ علی بن عراق تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة میں فرماتے ہیں، روایت کے موضوع ہونے کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ روایت اہل بیت کے محارب کی مذمت میں ہو۔

حافظ محدث برہان ناجی سے مروی ہے کہ یہ روایت کے موضوع کی ایک نشانی ہے کہ اس روایت میں نبیوں جیسے ثواب وغیرہ کا ذکر ہو۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: سیوطیؒ اور ابن عراق کا کلام علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ قید بھی لگی ہو، اذا وجد فیه مبالغة زائدة غیر معروفة فی مدح أهل البیت أو ذم أعدائهم وگرنہ تو اہل بیت کی فضیلت اور اہل بیت سے محاربت رکھنے والے شخص کی مذمت علمائے اہل سنت اور آئمہ کے نزدیک مجمع علیہ ہے۔

وبهذا یندفع الاشکال والله اعلم بالاحوال.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ایذا پہنچانا گویا حضور ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے

۶۱۵۲ : وَعَنْ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَّاَنَاعِنْدَهٗ فَقَالَ مَآ اَغْضَبَكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ اِذَا تَلَا قَوْابَيْنَهُمْ تَلَا قَوْابِوُجُوْهٍ مُّبْشَرَةٍ وَاِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَابِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ آذٰى عَمِّىْ فَقَدْ اٰذَانِىْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُاَبِيْهِ۔

(رواہ الترمذی وفی المصابیح عن المطلب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦١٠ حدیث رقم ٣٧٥٨ و احمد فی المسند ٤/ ١٦٥

ترجمہ: ''حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن) میں آنحضرتؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے (یعنی کسی نے کوئی ایسی حرکت کردی تھی یا کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں وہ آپ ﷺ کے پاس آئے) آپ ﷺ نے پوچھا کہ ایسی کیا بات پیش آ گئی جس سے تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے: اے اللہ کے رسول! ہمارے (یعنی بنی ہاشم) اور (باقی) قریش کے درمیان کیا (بیگانگی) ہے کہ جب وہ (قریش) آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کشادہ روئی سے ملتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ ملاقات کرتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے۔ رسول اللہ ﷺ (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر قریش کے اس برے رویہ پر) سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ غصہ کی شدت سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک وہ تم (اہل بیت) کو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے دوست نہیں رکھے گا''۔ اور پھر فرمایا: لوگو! جان لو! جس شخص نے خصوصاً میرے چچا کو ایذا دی' اس نے (گویا) مجھے ایذا دی' کیونکہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے''۔ (ترمذی) اور مصابیح میں (عبدالمطلب بن ربیعہ کی جگہ) مطلب بن ربیعہ ہے (جبکہ صحیح عبدالمطلب بن ربیعہ ہی ہے جو ترمذی نے نقل کیا ہے''۔

تشریح: مؤلفؒ نے ان کو فصل صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ (مغضبا): مفعول کے صیغہ کے ساتھ۔ (اذا...... مبشرۃ): مفعول کے صیغہ کے ساتھ، ابشار سے مشتق ہے۔ یہ لفظ از باب تفعیل بھی مروی ہے۔ اور بعض نسخوں میں بھی ہے۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: کذا فی جامع الترمذی. اور جامع الاصول میں مسفرۃ ہے بمعنی مضیئۃ، الاسفار سے فاعل کے صیغہ کے ساتھ۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ لفظ میم کے ضمہ، باء کے سکون اور شین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان مؤدم مبشر، یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب أدمۃ اور مبشرۃ دونوں محمود ہوں۔ اھ

(واذا لقونا): قاف کے ضمہ کے ساتھ، (لقونا بغیر ذلك) والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان، یا تو مطلق ایمان سے مراد ہے۔

صنو: صاد کے کسرہ، اور نون کے سکون کے ساتھ بمعنی مثل۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الجامع میں ہے کہ: امام ترمذیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں: العباس عم رسول اللہ وان عم الرجل صنو أبیه ''عباس، رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، اور آدمی کا چچا اس کے باپ کے مشابہ ہوتا ہے''۔

② ابن عساکر، حضرت علیؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: العباس عمی، وصنو أبی فمن شاء فلیباہ بعمه. ''عباس

میرے چچا ہیں، اور میرے والد کے مشابہ ہیں، پس جو شخص چاہے اپنے چچا سے مقابلہ کر لے"۔

(۳) ذخائر العقبیٰ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ان العباس قال: یا رسول اللّٰہ انا لنخرج فنری قریشا تتحدث، فاذا رأونا سکتوا، فغضب رسول اللّٰہ ﷺ ودر عرق الغضب بین عینیه ثم قال: "واللّٰہ لا یدخل قلب امرئ ایمان حتی یحبکم للّٰہ ولقرابتی"۔

(۴) حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "نبینا خیر الأنبیاء وهو أبوك، وشهیدنا خیر الشهداء وهو عم أبیك حمزة، ومنا من له جناحان یطیر بهما فی الجنة حیث شاء وهو ابن عمك، ومنا سبط هذه الأمة الحسن والحسین وهما ابناك ومنا المهدی"۔ (اخرجه الطبرانی فی معجمه)

حضور ﷺ کا فرمان عباسؓ میرا ہے اور میں عباس کا

۶۱۵۷ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۱۰/۵ حدیث رقم ۳۷۵۹

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں"۔ (ترمذی)

تشریح: (...... منّی): (۱) میرے اقارب میں سے ہیں، (۲) میرے اہل بیت میں سے ہیں، (۳) میرے متصلین میں سے ہیں۔

تخریج: اس روایت کو امام حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کو بخشش کی دعا

۶۱۵۸ : وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ اِذَا كَانَ غَدَاةُ الْاِثْنَيْنِ فَأْتِنِیْ اَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتّٰی اَدْعُوَلَهُمْ بِدَعْوَةٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَكَ فَغَدَا وَغَدَوْنَا مَعَهٗ وَاَلْبَسَنَا كِسَائَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَاتُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِیْ وَلَدِهٖ (رواہ الترمذی وزاد رزین وَاجْعَلِ الْخِلاَ فَةَ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ وقال الترمذی هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۱۱/۵ حدیث رقم ۳۷۶۲۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (میرے والد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پیر کی صبح تم اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آنا تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں جس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع پہنچائے۔ چنانچہ (جب پیر کا دن آیا تو) صبح کے وقت حضرت عباس رضی اللہ

عنہ اوران کے ساتھ ہم سب (ان کی اولاد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ہم سب کواڑھائی اور پھریوں دعافرمائی اے اللہ! عباس کواوران کی اولادکوبخش دے اورظاہروباطن کی ایسی بخشش عطافرماجو کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔الٰہی! عباس کوان کی اولاد میں قائم ومحفوظ رکھ۔ترمذی اوررزینؒ نے اس دعاکے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ امارت وبادشاہی کوان کی اولاد میں باقی رکھ"!۔ترمذی نے کہاہے کہ یہ حدیث غریب ہے"۔

تشریح:(قال...... الاثنین):ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے،ایک شاعرکاشعرہے:

کل سر جاوز الاثنین شاع

اس مصرع میں لفظ الاثنین کے ہمزہ کوشاعر نے بھی وصلی پڑھاہے،حالانکہ ضرورت شاعری کی وجہ سے،اس کوقطعی کے طور پر پڑھنادرست تھا۔اس ہمزہ کووصلی بنانے کی وجہ سے شعروزن سے ہٹ گیااورلحن شمارکیاگیا۔

(فاتنی...... ولدك):(واؤاورلام کے فتحہ کے ساتھ،نیز واؤ کے ضمہ اورلام کے سکون کے ساتھ)۔(حتی...... لهم): امام طیبیؒ فرماتے ہیں:ترمذی شریف کے نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے۔البتہ جامع الاصول اورمصابیح کے بعض نسخوں میں "لکم" ہے۔اھ

ایک شارح نے فغدا کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوقراردیاہے۔یہ نہایت عجیب وغریب ہے۔مغفرة ظاهرة و باطنة:یعنی ان کے تمام ظاہری وباطنی گناہ معاف فرما۔

(اللهم...... غریب):امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل میں اس بات کی طرف اشارہ تھاکہ یہ میرے خواص میں سے ہیں،یہ سب لوگ بمنزلہ فردواحد کے ہیں کہ جن کوایک چادر نے ڈھانپ رکھا۔

اوراس بات کاسوال تھاکہ اے اللہ ان پراپنی رحمت اس طرح پھیلاجس طرح ان پرمیں اپنی چادرپھیلائے ہوئے ہوں ان کوآخرت میں میرے جھنڈے تلے جمع فرمااوراس جہان میں ان کومیرے جھنڈے تلے اعلاء کلمۃ اللہ اوردعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں لگائے رکھ اور"اللهم احفظ فی ولده" کامطلب یہ ہے کہ اے اللہ توان کااکرام فرماان کے معاملہ کی نگہبانی فرماکہ کہیں یہ اپنی اولادکے معاملہ میں ضائع نہ ہوجائیں۔

واجعل الخلافة باقية فی عقبه: کابھی یہی مطلب ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کادومرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کودیکھنا

۶۱۵۹ : وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰى جِبْرَئِيْلَ مَرَّتَيْنِ وَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٣٧/٥ حدیث رقم ٣٨٢٢۔

ترجمہ:"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہماسے مروی ہے کہ انہوں نے دوبارحضرت جبرئیل علیہ السلام کودیکھااوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دومرتبہ دعافرمائی"۔(ترمذی)

تشریح: (رأی...... مرتین): ابن نجار، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں: **دخلت أنا وأبی علی النبی ﷺ، فلما فرجنا من عنده قلت لأبی: أما رأیت الرجل......**

(رسول اللہ...... مرتین): یعنی ایک مرتبہ اعطاء حکمت کی دعا دی، ملاحظہ ہو حدیث: ۶۱۴۷
اور ایک مرتبہ تعلیم فقاہت کی دعا دی تھی جب انہوں نے خدمت گزاری میں وضوء کے لئے پانی بھر کر رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو حدیث: ۶۱۴۸۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکمت کی دعا

۶۱۶۰ : وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ دَعَا لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّؤْتِیَنِی اللّٰهُ الْحِکْمَةَ مَرَّتَیْنِ۔
(رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۳۸/۵ حدیث رقم ۳۸۲۳۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے دو مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو حکمت عطا فرمائے''۔ (ترمذی)

تشریح: حکمت سے مراد شریعت کے اصول وفروع کا علم عطا فرما۔ (مرتین): ایک مرتبہ لفظ حکمت ارشاد فرمایا، اور ایک بار لفظ فقہ ارشاد فرمایا۔ بظاہر یہ دو الگ الگ مجلسوں کی دعائیں ہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالمساکین پڑنے کی وجہ

۶۱۶۱ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ جَعْفَرُ یُحِبُّ الْمَسَاکِیْنَ وَیَجْلِسُ اِلَیْهِمْ وَیُحَدِّثُهُمْ وَیُحَدِّثُوْنَهٗ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَنِّیْهِ بِاَبِی الْمَسَاکِیْنَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۱۳/۵ حدیث رقم ۳۷۶۳ وابن ماجه ۱۳۸۱/۲ حدیث رقم ۴۱۲۵۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جعفر بن ابی طالب مساکین سے بہت محبت رکھتے تھے' اور ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے اور ان سے (دلجوئی وغمخواری کی) باتیں کرتے اور مساکین ان سے (اپنے دکھ درد کی) باتیں کیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے (اسی بناء پر) ان کی کنیت ''ابوالمساکین'' رکھ دی تھی''۔ (ترمذی)

تشریح: کان: ایک صحیح نسخہ میں ''وکان'' ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ کنیت ماقبل مذکور صفات کے غلبہ کی وجہ سے رکھی تھی۔

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب اسی مناسبت سے تجویز فرمائی تھی کہ وہ بیٹھنے اور لیٹنے کے لئے ''فرش خاک'' زیادہ پسند کرتے تھے۔ یا جیسا کہ صوفی کو ''ابوالوقت'' اور مسافر کو ''ابن السبیل'' (مخصوص معنوی مناسبت سے) کہا جاتا ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا جنت میں فرشتوں کے ساتھ محوِ پرواز ہونا

۶۱۶۲ : وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ جَعْفَرًا يَطِيْرُ فِي الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلٰئِكَةِ.

(رواه الترمذی وقال حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦١٢/٥ حديث رقم ٣٧٦٣

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جعفر کو دیکھا وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: روحانی پروں کے ساتھ یا جسمانی پروں کے ساتھ۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں

۶۱۶۳: وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦١٤/٥ حديث رقم ٣٧٦٨ وابن ماجه ٤٤/١ حديث رقم ١١٨ و احمد فی المسند ٣/٣

ترجمہ: ''حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: (۱) امام احمدؒ نے ابوسعیدؓ سے، (۲) طبرانیؒ نے عمر، علی، جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے، (۳) ابن عدیؒ نے کامل میں ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے، (۴) امام ابن ماجہؒ اور امام حاکمؒ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة وأبوهما خير منهما''. (۵) اس روایت کو امام طبرانیؒ نے قرۃ اور مالک بن الحویرث سے، (۶) اور امام حاکمؒ نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ (۷) امام احمد، ابویعلی، ابن حبان، طبرانی اور حاکم نے اس روایت کو ابوسعید سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ''الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة الا ابنى الخال عيسىٰ بن مريم ويحيىٰ بن ذكريا وفاطمة سيدة نساء اهل الجنة الا ما كان من مريم بنت عمران''.

۶۱۶۴ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَایَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (رواه الترمذی وقد سبق فی الفصل الاول)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦١٥/٥ حديث رقم ٣٧٧٠۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسن اور حسین میرے دنیا کے دو پھول ہیں''۔ یہ حدیث فصل اول میں گزر چکی ہے۔

تشریح: ریحانی: نون کے فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، اور ایک صحیح نسخہ میں ریحانای، اور ایک اور نسخہ میں ریحانی، نون کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: صاحب مشکوٰۃ کے ان الفاظ میں صاحب مصابیح پر اعتراض کی طرف اشارہ ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: له اعتراض (دوطرح سے) کالعدم ہے:

① فصل اول کی روایت بخاری کی ہے جو اپنی جگہ پر ذکر ہوئی۔ [ملاحظہ ہو، حدیث: ۶۱۴۵] اور یہ روایت ترمذی کی ہے جو اپنے موقع محل پر ذکر کی گئی ہے، لہٰذا تکرار نہ رہا۔

② ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں فی الجملہ تغایر ہے، (بخاری کی روایت میں هما ريحاني من الدنيا ہے)۔

نواسے بھی حکماً بیٹے ہوتے ہیں

۶۱۶۵ : وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ قُلْتُ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ فَكَشَفَهٗ فَاِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ فَقَالَ هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٦١٤ حديث رقم ٣٧٦٩۔

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید (بن حارثہ) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رات میں اپنی کسی حاجت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے گھر کے اندر سے) اس حال میں باہر تشریف لائے کہ کسی چیز کو اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی' پھر جب میں نے اپنی ضرورت کو عرض کر دیا تو پھر میں نے عرض کیا: (یارسول اللہ) کہ یہ کیا چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لپیٹ رکھی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حسنؓ و حسینؓ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کولھوں پر تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گود میں لے کر چادر سے لپیٹ رکھا تھا) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں (حکماً) میرے بیٹے ہیں اور (حقیقتاً) میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور ہر اس شخص سے محبت فرما جو ان دونوں سے محبت کرے''۔ (ترمذی)

تشریح: القاموس میں ہے کہ الطرق: الاتيان بالليل كالطروق، لہٰذا کلام میں صنعت تجرید ہے، یا تاکید ہے، اس صورت میں یہ اتیتہ کے معنی میں ہوگا۔ (ذات ليلة): کوئی خاص رات مراد نہیں، بلکہ مطلقاً رات مراد ہے۔ ذات: مقحمہ ہے، جو ابہام کی تاکید کے لئے ہے۔ (في بعض الحاجة): اس وقت درپیش کسی حاجت کے سلسلے میں۔

فكشفه: (۱) أي: أزال ما عليه من الحجاب۔ (۲) أي: فكشف الحجاب عنه.

وركيه: واؤ کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ، قاموس میں ہے کہ یہ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اور کتف کی طرح ہے، بمعنی ما فوق الفخذ. (اللهم...... يحبهما): حضرت اسامہؓ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ دعا فرمانا، شاید ان کو اس طرف

رغبت دلانا تھا کہ وہ حضرات حسنین سے زیادہ سے زیادہ محبت رکھیں۔(رواہ...... الترمذی).

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی خبر

۶۱۶۶: وَعَنْ سَلْمٰی قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ وَهِیَ تَبْكِیْ فَقُلْتُ مَا یُبْكِیْكِ قَالَتْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِیْ فِی الْمَنَامِ وَعَلٰی رَاْسِهٖ وَلِحْیَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَا لَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَهِدْتُّ قَتْلَ الْحُسَیْنِ اٰنِفًا۔ (رواه الترمذی وقال حدیث غریب)

أخرجه الترمذي في السنن ٦١٥/٥ حديث رقم ٣٧٧١۔

ترجمہ: ''حضرت سلمٰی (جو حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں) بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اس حال میں کہ وہ رو رہی تھیں میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا یعنی اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اور داڑھی خاک آلود ہے پھر جب میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاک آلود کیوں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ابھی حسین کی قتل گاہ میں موجود تھا۔ (اور وہاں دیکھ رہا تھا کہ میرے جگر کے ٹکڑے کو ظالموں نے کس بے دردی کے ساتھ شہید کیا)۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: امام احمدؒ مناقب میں عن الربيع بن منذر عن أبيه نقل کرتے ہیں، فرمایا: كان حسن بن علي يقول: من دمعت عيناه فينا دمعة او قطرت عيناه فينا قطرة آتاه الله عز وجل الجنة حسن بن علی فرمایا کرتے تھے، جس شخص کی آنکھیں ہماری محبت میں اشک بار ہوئی، اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

يبكيك ؟ از باب افعال معروف کا صیغہ ہے۔ یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کلام ہے، یا کسی اور راوی کا ہے۔ (آنفاً): ہمزہ کے مد کے ساتھ اور قصر بھی درست ہے۔

اسنادی حیثیت:

امام میرکؒ نے فرمایا: اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اور فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے، اس کی سند میں حسن بن اُسامہ ہیں جن کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ولم يصح خبره. ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: لیکن فصل ثالث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنے والی حدیث سے (مذکورہ بالا روایت کو) تقویت ملتی ہے۔ (ملاحظہ ہو روایت: ۶۱۸۱)

۶۱۶۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ اَهْلِ بَیْتِكَ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ وَكَانَ یَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِیْ لِیَ ابْنَیَّ فَیَشُمُّهُمَا وَیَضُمُّهُمَا اِلَیْهِ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذي في السنن ٦١٥/٥ حديث رقم ٣٧٧٢۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کون شخص آپ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ اور (انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ) آپ ﷺ (کسی وقت حسن و حسینؓ کو گھر میں نہ دیکھتے تو) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ۔ پھر جب (حسن و حسین رضی اللہ عنہما آجاتے تو) آپ ان دونوں کے جسموں کو سونگھتے (کیونکہ وہ آپ ﷺ کے پھول تھے) انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: لی: یاء کے سکون اور فتحہ کے ساتھ۔ ابنی: تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ (فشمهما): شین کے ضمہ کے ساتھ کبھی فتح بھی پڑھا جاتا ہے۔ القاموس میں ہے کہ: الشم: حس الأنف، شممته بالكسر، أشمه بالفتح، وشممته أشمه بالضم: صاحب قاموس کے علاوہ لکھتے ہیں کہ: ''شممت الشئ'' من باب فرح، وجاء من باب نصر لقة فيه. (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب): الذخائر میں ہے کہ: (یہ حدیث) حسن غریب ہے۔ یعلی بن مرۃ سے روایت ہے فرماتے ہیں: جاء الحسن والحسين يستبقان الى رسول الله ﷺ، فجاء احدهما قبل الآخر فجعل يده فی عنقه فصمه الى بطنه ﷺ ثم جاء الآخر فجعل يده الأخرى في رقبته ثم ضمه الى بطنه و قبل هذا ثم قبل هذا ثم قال: ''انی أحبهما فأحبوهما أيها الناس! الولد مبخلة مجبنة مجهلة'' (رواہ احمد) ''حضرت حسن اور حسین ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ لگائی، دونوں میں سے ایک سبقت لے گیا، آنحضرت ﷺ نے ان کی گردن میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اپنے بطن مبارک سے چمٹا لیا، پھر دوسرا آیا، تو آنحضرت ﷺ نے ان کی گردن میں بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے اپنے بطن مبارک سے چمٹا لیا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو بھی بوسہ دیا، پھر فرمایا: بلاشبہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تم لوگ بھی ان دونوں سے محبت رکھو، اے لوگو! اولاد بخل، بزدلی اور جہالت کا سبب ہے۔

حضرات حسنین ؓ کو خطبہ چھوڑ کر گود میں اُٹھانا

۶۱۶۸ : وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا اِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَعَلَيْهِمَا قَمِيْصَانِ اَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثِرَانِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ نَظَرْتُ اِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثِرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ وَرَفَعْتُهُمَا۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه ابو داؤد فی السنن ٦٦٣/٥ حديث رقم ١١٠٩ والترمذی فی السنن ٦١٦/٥ حديث رقم ٣٧٧٤ والنسائی فی السنن ١٩٢/٣ حديث رقم ١٥٨٥ وابن ماجه فی السنن ١١٩٠/٢ حديث رقم ٣٦٠٠

ترجمہ: ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک حسنؓ و حسینؓ آگئے۔ وہ دونوں سرخ کرتے پہنے ہوئے تھے اور (کم سنی و ناتوانی کے سبب) اس طرح

چل کر آ رہے تھے کہ گر گر پڑتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ (ان کو دیکھ کر منبر سے اتر آئے اور ان دونوں کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور پھر ان کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا (کہ ان سے چلا نہیں جا رہا ہے اور) گرتے پڑتے چلے آ رہے ہیں تو (ان کی محبت میں) مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے اپنے (دینی وعظ و نصیحت بیان احکام و مسائل کا سلسلہ) منقطع کیا اور (منبر سے اتر کر) ان کو گود میں اٹھا لیا''۔

(ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

تشریح: (...... علیھما): ایک نسخہ میں واؤ حالیہ کا اضافہ بھی ہے۔ (قمیصان احمران): قمیصوں میں سرخ دھاریاں تھی۔ (یمشیان ویعثرن): ثاء مثلثہ کے ضمہ کے ساتھ، تینوں حرکتیں پڑھنا درست ہے۔ القاموس میں ہے: عثر کضرب ونصر وعلم وکرم۔ کشاف کی روایت میں یعثران ویقومان کے الفاظ ہیں۔ (و وضعھما ...... اللہ): کلام اللہ میں سچ فرمایا: ﴿انما ...... أولاد﴾ یہ خطاب بالکل عام ہے۔ کشاف کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثم أخذ فی خطبته. (رواہ ...... النسائی): امام ترمذیؒ نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں

۶۱۶۹ : وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦١٧/٥ حدیث رقم ٣٧٧٥ وابن ماجه فی السنن ٥١/١ حدیث رقم ١٤٤ و احمد فی المسند ١٧٢/٤

ترجمہ: ''حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں اور جس شخص نے حسینؓ سے محبت رکھی اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت رکھی۔ حسین میری اولاد میں سے ہیں۔'' (ترمذی)

تشریح: (قال ...... حسین): قاضی فرماتے ہیں:

تخریج: اسی طرح سعید بن منصورؒ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

خالد بن معدان سے مروی ہے فرمایا: وفد المقدم بن معدی کرب و عمرو بن الأسود الی معاویة فقال له وقال: (ﷺ): هذا منی وحسین من علی.

(معاویة: اتراها مصیبة، وقد وضعه رسول الله ﷺ فی حجره): کیا تم اس کو مصیبت سمجھتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی گود میں رکھا ہے اور فرمایا ہے حسن مجھ سے ہے، اور حسین علی سے ہے۔

روی أحمد وابن عساکر عن المقدام بن معدی کرب مرفوعا: الحسن منی والحسین من علی.
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کو والدین کے درمیان تقسیم فرما دیا، بڑے بچے کو نانا اور چھوٹے بچے کو باپ کا قرار دیا، جیسا کہ معروف ہے۔

عرض مرتب:

ہمارے پاک و ہند میں بھی بعینہ یہ رواج ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں میرا بیٹا ہے، اور فلاں تمہارا بیٹا ہے۔ اسی طرح سگی اولاد بھی کہتے ہے کہ میں امی کا بیٹا ہوں، دوسرا کہتا ہے میں ابو کا بیٹا ہوں۔

الجامع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: حسین منی وأنا منه أحب الله من أحب حسینا، الحسن والحسین سبطان من الاسباط"۔ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ محبت فرمائے اس شخص سے کہ جو حسین سے محبت رکھے، حسن اور حسین اسباط میں سے ایک سبط ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں، امام ترمذی، نسائی اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں یعلی بن مرۃ سے نقل کیا ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت

۶۱۷۰ : وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ اَشْبَهَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۱۸/۵ حدیث رقم ۳۷۷۹ و احمد فی المسند ۹۹/۱۔

ترجمہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''حسنؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے لے کر سینہ تک کے حصہ میں بہت مشابہ ہیں اور حسینؓ نبی کریم کے سینہ کے بعد سے جسم کے نچلے حصہ (یعنی پنڈلی اور پاؤں وغیرہ) میں بہت مشابہ ہیں''۔

تشریح: (...... أشبه): فعل ماضی ہے۔ (الرأس): امام طیبیؒ نے فرمایا: ''اشبہ'' کی ضمیر فاعل سے بدل ہے یا مفعول سے بدل البعض ہے، نیز یہی ترکیب آگے مذکور ما كان أسفل من ذلك کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اپنے والدین کے ساتھ کوئی زیادہ مشابہ نہیں تھی۔

اس روایت کو ابو حاتم نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی منقبت

۶۱۷۱ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِاُمِّيْ دَعِيْنِيْ اٰتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُصَلِّيَ مَعَهُ الْمَغْرِبَ وَاَسْئَلَهُ اَنْ يَسْتَغْفِرَلِيْ وَلَكِ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلّٰى

حَتّٰی صَلَّی الْعِشَآءَ ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهٗ فَسَمِعَ صَوْتِیْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا حُذَیْفَةُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَاحَاجَتُكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ یَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ اَنْ یُّسَلِّمَ عَلَیَّ وَیُبَشِّرَنِیْ بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَیِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦١٩/٥ حدیث رقم ٣٧٨١ و احمد فی المسند ٣٩١/٥

ترجمہ: ''حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مغرب کی نماز جا کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھوں اور پھر آپ ﷺ سے درخواست کروں کہ وہ میرے اور آپ کے لئے بخشش و مغفرت کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ (میری والدہ نے مجھے اجازت دے دی اور) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی (مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد) آپ ﷺ نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ پھر آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر آپ واپس گھر تشریف لے جانے لگے تو میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جب آپ ﷺ نے میری آواز (یعنی میرے قدموں یا جوتوں کی آواز) سن لی (یا یہ کہ میں نے کسی سے کوئی بات کی جس کی آواز آپ نے بھی سن لی)' چنانچہ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ کیا (یہ شخص) حذیفہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں' (یا رسول اللہ!) (جو اس وقت اپنے گھر جانے کے بجائے میرے پیچھے پیچھے آرہے ہو) اللہ تمہیں اور تمہاری ماں کو عفو و بخشش سے نوازے' (دیکھو) یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا' اس (فرشتہ) نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت لی ہے کہ (زمین پر) آ کر مجھ کو سلام کرے اور مجھ کو یہ خوش خبری سنائے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: (آتی): اثبات یاء کے ساتھ، جملہ مستانفہ ہے۔

(شاید یا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے خاصے فاصلے پر ہو گا اور ان کی والدہ یا تو خود اپنی تنہائی کی وجہ سے یا حذیفہ کے تئیں احتیاط کے پیش نظر ان کو اس وقت دور جانے سے منع کر رہی ہوں گی)

(**فقال...... حذیفة**): یہ جواب نور نبوت کی روشنی میں دیا۔ یا اپنی فراست سے دیا۔ **حذیفة**: مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ عبارت کی تقدیر یوں ہو گی: **أهذا أو هو أو أنت حذیفة؟** (**قلت...... لأمك**): یہ جملہ حاجت سابقہ کا بیان ہے۔ اگلا جملہ مستانفہ ہے۔ (**ان هذا**): کا مشار الیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک محسوس تھا، اور حضرت حذیفہؓ کے نزدیک حکماً ملحوظ تھا۔ اس میں اس مقصد کی اہمیت و عظمت کی طرف اشارہ ہے جس کے لئے وہ فرشتہ زمین پر اترا تھا۔ (**استأذن...... غریب**): الذخائر میں لکھا ہے کہ: اس کو امام احمد اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: یہ ''حسن غریب'' ہے۔

عرض مرتب:

واضح رہے کہ ہمارے مرقات کے نسخہ میں متن کے الفاظ وقال: هذا حديث غريب کے الفاظ ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سواری

۶۱۷۲ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلًا الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦٢٠ حديث رقم ٣٧٨٤ وابن ماجه فی السنن ١/ ٢١٦ حديث رقم ٦٥٨۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن بن علی کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ کسی شخص نے کہا: اے (خوش نصیب) منے! کیسی اچھی سواری پر تم سوار ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا ''اور سوار بھی تو کتنا اچھا ہے''۔ (ترمذی)

تشریح: (...... عن علی): ایک روایت میں حاملاً للحسن کے الفاظ آئے ہیں۔ (فقال...... المركب): مخصوص بالمدح هو محذوف ہے۔ (ركبت): مفعول کی ضمیر محذوف ہے ای ركبته.

حضرت زید اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے

۶۱۷۳ : وَعَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ فَرَضَ لِاُسَامَةَ فِيْ ثَلٰثَةِ الْاٰفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَفَرَضَ لِعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ فِيْ ثَلٰثَةِ الْاٰفٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِاَبِيْهِ لِمَا فَضَّلْتَ اُسَامَةَ عَلَيَّ فَوَ اللّٰهِ مَا سَبَقَنِيْ اِلٰى مَشْهَدٍ قَالَ لِاَنَّ زَيْدًا كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِيْكَ وَكَانَ اُسَامَةُ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَاٰثَرْتُ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِبِّيْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦٣٤ حديث رقم ٣٨١٣

ترجمہ: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (اپنے زمانہ خلافت میں) اسامہؓ بن زید کی سالانہ تنخواہ ساڑھے تین ہزار درہم اور اپنے فرزند عبداللہ کی تین ہزار درہم مقرر فرمائی۔ اس پر عبداللہ نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی؟ (کہ میری تنخواہ اس سے پانچ سو درہم کم رکھی) حالانکہ اللہ کی قسم! اسامہؓ نے کسی جنگ میں مجھ پر سبقت و بازی حاصل نہیں کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہؓ کا باپ (زیدؓ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ سے (یعنی مجھ سے) زیادہ عزیز و محبوب تھے۔ لہٰذا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب (اسامہ) کو اپنے محبوب (یعنی تم) پر ترجیح دی۔ (ترمذی)

تشریح: (فواللہ...... مشھد): علمی اور عملی کسی بھی خیر کی مجلس۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہاں ''مشھد'' سے مراد میدان جنگ اور معرکۂ کفار ہے (کان...... أبیك): یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''أحب'' ہونا ''افضل'' ہونے کو لازم نہیں۔
(فآثرت): ہمزہ ممدودہ کے ساتھ۔ (حب...... ﷺ): حاء کے کسرہ کے ساتھ، اس پر ضمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ بمعنی محبوب۔
(رواہ الترمذی)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اپنے اقارب کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دینا

٦١٧٤: وَعَنْ جَبَلَةَ بْنِ حَارِثَةَ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ مَعِيَ اَخِيْ زَيْدًا قَالَ هُوَذَا فَاِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ اَمْنَعْهُ قَالَ زَيْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا اَخْتَارُ عَلَيْكَ اَحَدًا قَالَ فَرَاَيْتُ رَاْیَ اَخِيْ اَفْضَلَ مِنْ رَاْيِيْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٣٤/٥ حديث رقم ٣٨١٥

ترجمہ: ''حضرت جبلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زید (یہاں) موجود ہے (اور اپنی مرضی کا مختار ہے) اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو منع نہیں کروں گا۔' زید نے (یہ سن کر) کہا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں آپ ﷺ (کی صحبت وخدمت میں رہنے کی سعادت) پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دیتا (خواہ وہ بھائی یا والدین ہی کیوں نہ ہوں) جبلہ کہتے ہیں کہ میں نے (زید کا یہ مضبوط فیصلہ سنا تو) مان لیا کہ میرے بھائی کی رائے میری رائے سے بہتر ہے''۔ (ترمذی)

راویٔ حدیث:

جبلۃ بن حارثہ۔ یہ جبلہ بن حارثہ کلبی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ ''زید بن حارثہ'' کے بھائی ہیں۔ یہ زید بن حارثہ سے عمر میں بڑے ہیں۔ ان سے ابواسحٰق سبیعی اور دوسرے محدثین نے احادیث کی روایت کی ہے۔

تشریح: ''جبلہ'' میں جیم مفتوح اور بائے موحدہ ہے۔
(قال...... زیدا): بیان ہے یا بدل ہے۔ (قال ھو ذا): ھو ضمیر ''زید' کی طرف راجع ہے ''ذا'' سے ''زید'' کی طرف اشارہ ہے۔
اور یہ وہ سعادت ہے جو دنیا اور آخرت کی بہترین خیر ہے۔

مرض الوفات میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دعا

٦١٧٥: وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبَطْتُ وَهَبَطَ النَّاسُ –

الْمَدِيْنَةَ فَدَ خَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اُصِمْتَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَيَّ وَيَرْفَعُهُمَا فَاَعْرِفُ اَنَّهٗ يَدْعُوْلِيْ۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٣٥/٥ حديث رقم ٣٨١٧ و احمد فی المسند ٢٠١/٥۔

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مرض وفات میں) بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہو گئے تو' میں اور دوسرے لوگ مدینہ میں قیام پزیر ہو گئے۔ چنانچہ' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ پر خاموشی طاری تھی (یعنی شدت مرض وضعف کے سبب طاقت گویائی بھی باقی نہیں رہ گئی تھی) چنانچہ (مجھ کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے کچھ نہیں بولے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھ پر رکھتے اور پھر اٹھاتے (نور ولایت اور ظہور فراست کے سبب) میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: (رسول...... هبطت): میں اپنے مکان سے جو نواح شہر کے بالائی حصہ میں تھا، مدینہ میں اترا۔ (المدینة): عبارت میں حذف وایصال ہے۔ أی الیها. جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے: ﴿واختار موسی قومه﴾. أی: منهم۔ شراح کا کہنا ہے کہ حدیث میں لفظ هبطت، ذکر فرمانا بالکل بجا ہے، چونکہ وہ عوالی میں رہا کرتے تھے۔ مدینہ کا رخ کسی بھی طرف سے کیا جائے، اس پر ھبوط کا اطلاق بالکل درست ہے۔ چونکہ مدینہ نشیبی زمین میں واقعہ تھا، سیلاب وغیرہ کا پانی بہہ کر یہیں اتر آتا تھا، مدینہ کے تمام اطراف ونواح ہر طرف سے مدینہ سے بلند تھے۔ (أصمت): مجہول کا صیغہ ہے۔ کہتے ہیں: أصمت العليل جس وقت کہ زبان بند ہو جائے۔ (أنه يدعولي): چونکہ وہ مجھ سے محبت فرماتے تھے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدمتگار بھی تھا، اس لئے میری رعایت فرماتے تھے، حتی کہ غیر موجودگی میں۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی محبت

٦١٧٦ : وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّنَحِّيَ مُخَاطَ اُسَامَةَ قَالَتْ عَآئِشَةُ دَعْنِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِيْ اَفْعَلُ وَقَالَ يَا عَآئِشَةُ اَحِبِّيْهِ فَاِنِّيْ اُحِبُّهٗ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٣٦/٥ حديث رقم ٣٨١٨۔

ترجمہ: ''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ (کے بچپن میں ان) کی ناک کو صاف کرنا چاہا (جیسا کہ بچوں کی ناک صاف کر دیا کرتے ہیں) تو میں نے (اس بات کو خلاف ادب جان کر کہ میری موجودگی میں اسامہ کی ناک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف کریں) عرض کیا کہ آپ رہنے دیجئے یہ کام میں کر دوں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہؓ اسامہ کو محبوب رکھو کیونکہ میں اس کو عزیز ومحبوب رکھتا ہوں''۔ (ترمذی)

تشریح: (أن ينحی): حائے مکسورہ کی تشدید کے ساتھ بمعنی يزيل. (مخاط): میم کے ضمہ کے ساتھ، ناک کی

ریزش۔

۶۱۷۷: وَعَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَآءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَاذِنَانِ فَقَالَا لِاُسَامَةَ اسْتَاذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَا جَآءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّيْ اَدْرِيْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَ خَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْاَلُكَ اَيُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جِئْنٰكَ نَسْاَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ قَالَ اَحَبُّ اَهْلِيْ اِلَيَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتُ عَلَيْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ۔ (رواه الترمذی وذکر اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُاَبِيْهِ فی کتاب الزکوة)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٣٦/٥ حديث رقم ٣٨١٩

ترجمہ: ”حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں (آپ ﷺ کے دروازہ پر) بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس آئے جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت کے طلب گار تھے۔ چنانچہ ان دونوں نے اسامہؓ سے (جو ان دنوں چھوٹی عمر کے تھے) کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے ہماری حاضری کی اجازت طلب کرو۔ میں نے (گھر کے اندر جا کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضری کی اجازت کے طلب گار ہیں۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ دونوں کس مقصد سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھ کو معلوم نہیں' آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن میں جانتا ہوں' جاؤ ان دونوں کو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ دونوں حضرات اندر آئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں یہ سوال لے کر آئے ہیں کہ آپ (ﷺ) کے اہل بیت میں سے کون شخص آپ (ﷺ) کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہ بنت محمد (ﷺ) مجھ کو زیادہ محبوب ہے۔ ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ ہمارے سوال کا تعلق آپ کے گھر والوں یعنی آپ کی اولاد و ازواج سے نہیں ہے (بلکہ آپ کے دوسرے اقارب و متعلقین سے ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر والوں میں سے وہ شخص میرے نزدیک زیادہ عزیز و محبوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام و فضل کیا اور میں نے بھی اس کو انعام و احسان سے نوازا اور وہ اسامہ بن زیدؓ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: پھر اسامہ کے بعد کون شخص (آپ ﷺ کو زیادہ محبوب و عزیز) ہے آپ ﷺ نے فرمایا: پھر علی بن طالب ہیں (یہ سن کر) حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنے چچا (یعنی مجھ) کو اپنے گھر والوں میں آخر میں رکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علیؓ نے ہجرت میں تم پر سبقت لی ہے۔ (ترمذی) اور روایت ان عم الرجل صنوابیه ”یعنی آدمی کا چچا اس کے والد کی مانند ہوتا ہے“ (جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ہے) پیچھے کتاب الزکوۃ میں نقل کی جا چکی ہے“۔

تشریح: (ائذن): ہمزہ ساکنہ کے ساتھ، ہمزہ کو یاء کے ساتھ بھی بدلا جا سکتا ہے۔

(قالا..... طالب): ایک نسخہ میں ”ثم“ نہیں ہے۔ یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ زیادہ عزیز و محبوب ہونا افضلیت کو لازم

نہیں۔ چنانچہ یہ بات بالا جماع مسلّم ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت اسامہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: أي أهلك أحب اليك مطلق ہے۔ مگر اس سے مقید مراد ہے اور من الرجال کی قید ہے، اس کلام کا مقید ہونا مابعد کلام سے سمجھ آتا ہے۔ مصابیح کے نسخوں میں ما جئناك نسألك عن اهلك کے ساتھ من النساء کی قید بھی موجود ہے۔

جامع الترمذیؒ اور جامع الاصول میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے۔ یوں تو سارے ہی صحابہ منعم علیہم ہیں، من اللہ بھی اور من الرسول بھی۔ مگر کتاب اللہ کی اس آیت میں منصوص طور پر جس کو منعم علیہ من اللہ ورسولہ قرار دیا ہے، وہ حضرت زیدؓ ہیں۔ اس میں نا کوئی اختلاف ہے نا کوئی شک ہے۔ یہ آیت اگرچہ حضرت زیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی لیکن کوئی بعید نہیں کہ ان دونوں نعمتوں میں حضرت اسامہؓ اپنے والد کے تابع ہوں۔

اور جیسا کہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل پر جن انعامات کا ذکر ہے ان انعامات کی نسبت ان کے آل واولاد کی طرف کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا گیا: ﴿أنعمت عليكم﴾، حالانکہ یہ انعامات ان کے آباؤ اجداد پر کیے گئے تھے۔

دیلمی، فردوس میں عائش بن ربیعہ سے نقل کرتے ہیں: خير أخوتي علي وخير اعمامي حمزة. "میرے بھائیوں میں سے بہترین بھائی علی ہیں، اور میرے چچوں میں سے بہترین چچا حمزہ ہیں"۔

الفصل الثالث:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پیار کرنا

۶۱۷۸: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلّٰى اَبُوْبَكْرِ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِيْ وَمَعَهٗ عَلِيٌّ فَرَاَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهٗ عَلٰى عَاتِقِهٖ وَقَالَ بِاَبِيْ شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۷/۹۵ حديث رقم ۳۷۵۰

ترجمہ: "حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اپنے زمانہ خلافت میں یا اس سے پہلے ایک دن) عصر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور (کہیں جانے کے لئے) چلنے لگے اس دوران ان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے (راستہ میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حسنؓ کو دیکھا جو بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو ان کو اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا (ازراہ خوش طبعی) بولے: میرا باپ قربان ہو یہ (حسنؓ) نبی کریم ﷺ سے بہت مشابہ ہے علی کے مشابہ نہیں ہے (یہ سن کر) حضرت علی رضی اللہ عنہ (اظہار خوشی کے طور پر) ہنسنے لگے"۔ (بخاری)

تشریح: (الحسن...... بأبي): امام طیبیؒ (اس جملہ کی ترکیب ذکر کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ تقدیری عبارت یوں ہو: هو مفدى بأبي اور (شبيه بالنبي ﷺ) خبر ثانی ہو۔ (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) یا تقدیری عبارت یوں ہے: أفديه بأبي، اس صورت میں شبيه خبر ہوگا مبتداء محذوف ہوگا۔ اور اس کی تنکیر میں ایک قسم کی لطافت ہے، اور اس میں

تفد یہ کی علت کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ ہے شبیہ ہونا۔ یہ روایت حضرت علیؓ کی اس حدیث کے (قطعاً) معارض نہیں: لم أر قبله ولا بعده مثله. میں نے ان کا مثل نہ ان سے پہلے دیکھا، نہ ان کے بعد دیکھا۔

چونکہ منفی، عموم شبہ پر محمول ہے۔ اور اثبات کا محل معظم شبہ ہے۔ جیسا کہ اس بات کی طرف امام طیبیؒ نے فی تنکیرہ لطف کہہ کر اشارہ فرمایا۔ کہ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ شباہت کی ایک نوع مراد ہے۔ (وعلی یضحك): جملہ حالیہ ہے۔ (رواہ البخاری): امام میرکؒ فرماتے ہیں: مشکوٰۃ کے نسخوں میں شبیہ منصوب واقع ہوا ہے لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ یہ (وجہ اعراب بالکل) ظاہر ہے۔ لیکن بخاری کی تمام روایات میں لیس شبیہ ہے، یعنی مرفوع ہے۔ (اس صورت میں) اس کے اعراب میں (کچھ) خفا ہے۔ بعض حضرات نے کہا: لیس حرف عطف ہے، کوفیوں کے مذہب کے مطابق۔ بعض نے کہا ہے کہ: ہوسکتا ہے کہ شبیہ، لیس کا اسم ہو، اور اس کی خبر ضمیر متصل ہو جو لفظ شبیہ کی موجودگی کے باعث استغناءً حذف کر دی گئی ہو۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے یوم النحر کے خطبے میں ہے کہ: ألیس ذو الحجة. اھ۔ پہلی وجہ اعراب کا ظاہر ہونا مخفی نہیں، چونکہ یہ تکلف سے خالی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ دونوں توجیہات کا قابل تعسف ہونا مخفی نہیں۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لیس کا اسم ضمیر شان ہے۔ اور شبیه، مبتداء محذوف کی خبر ہے: أی: هو شبيه، جملہ خبر لیس ہے۔

یہ ترکیب زیادہ واضح ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: (یک نہ شد دو شد) بخلاف کلام سابق کے کہ یہ توجیہ دوہرے تعسف کو لازم ہے۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الذخائر میں موجود عقبہ بن حارث کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: "قال: رأیت أبا بكر حمل الحسن علی رقبته وهو يقول: بأبی شبيه بالنبی ﷺ ليس شبيها بعلی وهو يضحك" اس روایت کی تخریج امام بخاریؒ نے کی ہے۔

② اور ایک روایت میں ہے کہ: "خرجت مع أبی بكر من صلاة العصر بعد وفاة رسول الله ﷺ وعلی يمشی الی جانبه، فمر الحسن يلعب مع الغلمان فاحتمله علی قبته. يعنی أبا بكر. وهو يقول......" (الحدیث) اس حدیث سے فرقۂ غرابیہ پر بھی رد ہوتا ہے۔ الشفاء کے حواشی میں ہے کہ یہ رافضیوں کا ایک طائفہ ہے۔ ان کی وجہ تسمیہ ان کا یہ جملہ ہے: كان محمد اشبه بعلی من الغراب بالغراب فبعث الله جبريل الی علی فغلط.

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جب ابن زیاد کے پاس لایا گیا

۶۱۷۹ : وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِیَ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنِ زِیَادٍ بِرَاْسِ الْحُسَیْنِ فَجَعَلَ فِیْ طَسْتٍ فَجُعِلَ یَنْكُتُ وَقَالَ فِیْ حُسْنِهٖ شَیْئًا قَالَ اَنَسٌ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَةِ (رواه البخاری وفی رواية الترمذی) قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِیَادٍ فَجِیْءَ

بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِقَضِيْبٍ فِي اَنْفِهٖ وَيَقُوْلُ مَا رَاَيْتُ مِثْلَ هٰذَا حُسْنًا فَقُلْتُ اَمَا اِنَّهٗ كَانَ مِنْ اَشْبَهِهِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٩٤/٧ حديث رقم ٣٧٤٨ والترمذي في السنن ٦١٨/٥ حديث رقم ٣٧٧٨

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک (تن پاک سے جدا کر کے) عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لا کر ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ بد بخت اپنی چھڑی سے اس سر مبارک کو چھیڑنے لگا (یعنی حضرت حسینؓ کے بارے میں اپنی نفرت وحقارت ظاہر کرنے کے لئے چھڑی کا سرا بار بار ناک وغیرہ پر مارتا رہا) پھر اس نے انکی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (اس بد بخت کی یہ حرکت دیکھ کر اور اس کے الفاظ کو سن کر) کہا' خدا کی قسم! یہ وہ (مقدس انسان) ہے جو (اہل بیت میں) سب سے زیادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھا۔ اس وقت حضرت حسینؓ کا سر مبارک وسمہ سے رنگا ہوا تھا (بخاری) اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس وقت میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا۔ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا' ابن زیاد ان کی ناک پر چھڑی مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ایسا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا میں نے ابن زیاد سے کہا: (تجھے معلوم بھی ہے) یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے''۔

تشریح: (فجعل): صیغہ مجہول کے ساتھ، بمعنی وضع. (رأس...... طست): طاء کے فتحہ، اور سین مہملہ کے سکون کے ساتھ، اس لفظ کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔ (فجعل): کا فاعل ابن زیاد ہے۔ (ینکت): یاء کے فتحہ، کاف کے ضمہ، اور فوقانیہ کے ساتھ بمعنی: یضرب. (برأس القضيب): ناک پر مارتا رہا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ النہایہ میں ہے کہ: ینکت أی ینکر ویحدث بنفسه یہ اصل میں النکت بالعصا سے مشتق ہے، نکت الأرض بالقضیب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی قضیب کے کونے سے زمین پر کچھ یوں کرے جیسا کہ کوئی متفکر وموہوم آدمی کرتا ہے۔ (قال انس...... أشبههم): ''هم'' سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا اہل بیت ہیں۔ (مخضوبا بالوسمة): سین کے فتحہ کے ساتھ، کبھی سکون پڑھا جاتا ہے۔ بعض شراح فرماتے ہیں: وسمہ ایک بوٹی ہے، جس کا خضاب کیا جاتا ہے، جو سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اور ایک لغت سین کے سکون کے ساتھ بھی ہے۔ المصباح میں ہے کہ: اہل حجاز کی لغت سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ نیز یہ لغت سکون سے افصح ہے۔ بلکہ امام زہریؒ نے سکون کی لغت کا انکار کیا ہے۔ اور فرمایا: کلام العرب بالکسر، نبت یخضب بعروقه اھ۔ (وسمة): واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے، ضمہ پڑھنا خطا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس ''وسمة'' کے سین پر فتحہ بھی جائز ہے۔ القاموس میں ہے کہ: الوسمة وكفرحة ورق النيل أو نبات يخضب بورقه. کوئی بوٹی ہے کہ جس کے پتوں سے رنگا جاتا ہے۔ النہایہ میں ہے کہ: الوسم نبت يخضب به . (يضرب...... حسنا): حاء مہملہ کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ مفہوم سیاق سے مناسبت نہیں رکھتا، الا یہ کہ اس کو استہزاء پر محمول کیا جائے، اھ۔ چنانچہ یہ استہزاء علی المکابرہ پر محمول ہے۔ (فقلت: أما): میم کی تخفیف کے ساتھ، برائے تنبیہ ہے۔

تخریج: طبرانیؒ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **فجعل یجعل قضیبا فی یدہ فی عینیہ وأنفہ، فقلت: ارفع قضیبك فقد رأیت رسول الله ﷺ فی موضعه.**

بزارؒ کی روایت میں ہے کہ: "**قال: فقلت له: انی رأیت رسول الله ﷺ یشم حیث یقع قضیبك. قال: فانقبض**". (کذا فی فتح الباری).

الذخائر میں عمارۃ بن عمیر کی روایت میں ہے کہ: "**قال: لما جیئ برأس بن زیاد وأصحابه فصرت فی المسجد فی الرحبة فانتهیت الیهم وهم یقولون: قد جاء ت قد جاء ت فاذاحیة قد جاء ت تتخال الرؤوس حتی دخلت فی منخر عبد الله بن زیاد مکثت هنیهة ثم خرجت فذهبت حتی تغیب ثم قالوا: قد جاء ت ففعلت ذلك مرتین أو ثلاثا**". (اخرجه الترمذی وقال حسن صحیح).

عرض مرتب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت (۶۱۷۰) کے معارض ہے۔

۶۱۸۰ : **وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ رَاَيْتُ حُلْمًا مُنْكِرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ اِنَّهٗ شَدِيْدٌ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ رَاَيْتُ كَاَنَّ قِطْعَةً مِّنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِىْ حِجْرِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِىْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ وَكَانَ فِىْ حِجْرِىْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِىْ حِجْرِهٖ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّى الْتِفَاتَةٌ فَاِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ الدُّمُوْعَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَانَبِىَّ اللّٰهِ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ مَالَكَ قَالَ اَتَانِىْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِىْ اِنَّ اُمَّتِىْ سَتَقْتُلُ ابْنِىْ هٰذَا فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِىْ بِتُرْبَةٍ مِّنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَاءَ۔**

رواہ البیهقی فی دلائل النبوۃ۔

"حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے (جو عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی ہیں)۔ روایت ہے کہ وہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کی رات میں میں نے ایک خوفناک 'عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ام فضل نے عرض کیا' سخت ڈراؤنا ہے (نہ تو میں اس کو بیان کرنا پسند کرتی ہوں اور نہ آپ اس کو سن کر پسند کریں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مجھ کو سناؤ تو سہی) آخر وہ کیا ہے؟ ام فضل نے کہا: میں نے دیکھا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے تو بہت اچھا اور مبارک خواب دیکھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) ان شاء اللہ فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور اس لڑکے کو تمہاری گود میں دیا جائے گا (کیونکہ خاندان کی عورتوں میں تمہارا [illegible]

رشتہ بڑا ہے اور تم اس لڑکے کی زیادہ بہتر طور پر تربیت کر سکو گی) چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسینؓ پیدا ہوئے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اس لڑکے کو میری گود میں دیا گیا۔ پھر ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور حسینؓ کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہو گئی اور پھر (مڑ کر میں نے جو آپ ﷺ کی طرف نظر اٹھائی) تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ ام فضل کہتی ہیں میں نے (گھبرا کر) پوچھا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان' آپ ﷺ کو کیا ہوا؟ (جو رو رہے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: (ابھی) میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت (یعنی مسلمانوں ہی میں سے بعض لوگوں کی جماعت) میرے اس بیٹے کو (نہایت ظالمانہ طریقے سے) عنقریب قتل کر دے گی' میں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) پوچھا: کیا اس بیٹے کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (اسی بیٹے کو) بلکہ جبرئیل علیہ السلام تو میرے پاس اس خاک زمین سے کچھ سرخ رنگ کی مٹی بھی لے کر آئے تھے (جہاں میرے اس جگر کے ٹکڑے کا خون بہایا جائے گا)''۔

(أنها...... حلما): حاء مہملہ کے ضمہ، لام کے سکون، دونوں کے ضمہ کے ساتھ بھی درست ہے، چنانچہ النہایہ میں ہے کہ: **الحلم بضمتين وبضم فسكون ما يراه النائم.** **(منكرا)**: کاف مخففہ کے فتحہ کے ساتھ۔ **(قال...... قطعت)**: صیغہ مجہول کے ساتھ، اگلا فعل بھی مجہول ہے۔ **(فوضعت في حجري)**: حاء مہملہ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ اور فتحہ کا معنوی فرق ماقبل میں گزر چکا ہے، کہ: **لاحجر بالكسر أشهر في الحضن وبالفتح في التربية.** **(فقال...... في حجره)**: ایک نسخہ میں "**في حجري**" ہے۔ **(نهريقان)**: ہاء کے فتحہ کے ساتھ، ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔ **(قال...... جبريل)**: ایک نسخہ میں **علیه السلام** ہے، یہ فرمانا برائے زیادتی تاکید کے تھا۔ **(قال...... تربته)**: یعنی اس جگہ سے کچھ مٹی بھی لے کر آئے تھے، جہاں ان کا خون بہایا جائے گا۔ **(حمراء)**: حاء مہملہ کے فتحہ کے ساتھ، تربۃ کی صفت ہے۔

الذخائر میں سلمٰی سے مروی ہے: **قالت: دخلت على أم سلمة وهي تبكي فقلت: ما يبكيك؟ قالت: رأيت رسول الله ﷺ تعني في المنام وعلى راسه ولحيته التراب، فقلت: ما لك يا رسول الله، قال: "شهدت قتل الحسين آنفا".** (اخرجه الترمذي وقال: حديث غريب، والبغوي في الحسان).

عرض مرتب:

مذکورہ بالا حدیث مشکوٰۃ کے متن میں من وعن ماقبل میں گزر چکی ہے، ملاحظہ ہو حدیث: ۶۱۶۶

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشینگوئی اور اطلاع

۶۱۸۱ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ ذَاتَ يَوْمٍ بِنِصْفِ النَّهَارِ أَشْعَثَ أَغْبَرَ بِيَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِيهَا دَمٌ فَقُلْتُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهٖ لَمْ أَزَلْ أَلْتَقِطُهُ مُنْذُ الْيَوْمِ فَأُحْصِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتُ فَأَجِدُ قُتِلَ ذٰلِكَ الْوَقْتَ۔

(رواهما البيهقي في دلائل النبوة واحمد الاخير)

احمد في المسند ۱/ ۲٤۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا۔ ایک دن دوپہر میں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی سونے والا کسی کو دیکھتا ہے (یعنی خواب میں دیکھا) کہ آپ ﷺ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جس میں خون ہے۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! یہ کیا ہے؟ (یعنی کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ آپ نہایت پریشان حال اور گرد آلود ہیں اور ایک خون بھری بوتل آپ کے ہاتھ میں ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج (قتل گاہ حسین میں) صبح سے اب تک اس بوتل میں جمع کر رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (اس خواب کے بعد میری آنکھ کھل گئی) اور پھر میں نے اس وقت کو یاد رکھا (جس وقت یہ خواب دیکھا تھا) چنانچہ (جب قتل حسینؓ کی خبر آئی) تو مجھے بعد میں علم ہوا کہ اسی وقت انہیں قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور اس دوسری روایت کو احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

(ذات...... النهار): الذخائر میں وهو قائم کے الفاظ بھی ہیں۔ (أشعث أغبر): حال ہیں۔ (بيده...... هذا): کا مشارالیہ "دم" ہے۔ (أزل): ایک نسخہ میں "ولم أزل" ہے۔

عرض مرتب:

مرقاۃ والے مشکوٰۃ کے نسخہ میں بھی ولم أزل ہے۔

هذ ادم الحسين وأصحابه، لم ازل: کی ترکیب:

هذا: مبتدا، دم: (۱) خبر ہے (۲) هذا سے بدل ہے۔ اور لم أزل "هذا" کی خبر ہے۔ یا لم أزل: هذا کی خبر ثانی ہے۔

عرض مرتب:

ولم أزل کی تقدیری پر بظاہر ترکیب یوں ہوگی: کہ اس کا عطف "دم الحسين" پر ہوگا۔

فأحصى ذلك الوقت: یہ کلام ابن عباسؓ کا ہے۔

فأحصى ذلك الوقت فأجد قتل ذلك الوقت: اس عبارت کی معنوی تقدیر یہ ہے: حفظت تاريخ ذلك الوقت من زمن الرؤيا فوجدته قتل في ذلك الوقت.

ماضی کے بجائے مضارع کی تعبیر اختیار کرنا استحضار حال کے لئے ہے۔ لیکن یہ بات تب ہی ممکن ہے کہ خواب میں ...ئی وقت مخصوص دکھلایا گیا ہوتا، اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان بھی فرمایا ہوتا: هذا دم الحسين واصحابه يقتلون في وقت كذا لیکن لم أزل ألتقطه منذ اليوم سے اشکال وارد ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے نے خواب میں دیکھا، گویا کہ اس بات کو کئی سال گزر گئے، پھر آخری سال عاشوراء کے دن آنحضرت ﷺ نے اس کیفیت کے

ساتھ دیکھا ہو۔ اور ابن عباسؓ نے وہ وقت اور کیفیت یاد کر لی، جو بالکل موافق ٹھہری۔ واللہ اعلم

الذخائر میں یہ حدیث: فأحصى ذلك الوقت فأجد...... ، کے بغیر ہے۔ یعنی الذخائر کی روایت میں صرف لم أزل التقطه منذ اليوم فوجدته قد قتل في ذلك اليوم کے الفاظ ہیں، اس روایت کو ابن بنت منیع، ابو عمر اور حافظ سلفی نے نقل کیا ہے۔

وعن علي قال: دخلت...... أن فاضتا. أخرجه أحمد.

اہل بیت سے محبت حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت کی وجہ سے کرو

۶۱۸۲: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِّنْ نِعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٢٢/٥ حديث رقم ٣٧٨٩

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے محبت رکھو کیونکہ وہی تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور تمہاری پرورش کرتا ہے اور اس بناء پر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو مجھ سے محبت رکھو اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی وجہ سے محبت رکھو“۔ (ترمذی)

تشریح: ایک نسخہ میں یغذوکم کے بعد ”به“ کا اضافہ بھی ہے۔ (یغذوکم): یاء کے فتحہ اور ذال معجمہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ (من نعمة): ایک صحیح نسخہ میں من نعمه ہے۔ (نعم): نون کے کسرہ، عین کے فتحہ اور میم کے ساتھ ہے، ضمیر کی طرف مضاف ہے، عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: ان كنتم لا تحبون الله الا لما يغذوكم به من نعمة فأحبوه،

ایک نسخہ میں فأحبونی کے بجائے وأحبونی ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔

محبت اہل بیت باعث نجات ہے

۶۱۸۳: وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّ مِثْلَ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔ (رواه احمد)

رواه احمد

هذا الحديث رقم ليس موجوداً في مسند الامام احمد، وقد اخرجه الحاكم في المستدرك ١٥١/٣

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر یوں کہا' میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ 'یاد رکھو تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو نوح کی کشتی کی ہے کہ

جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پالی اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا"۔ (احمد)

(وهو آخذ بباب الكعبة): "بباب الكعبة" آخذ کے متعلق ہے۔ اس جملہ کو ذکر کرنا اس حدیث کے اثبات کو مؤکد کرنے کے لئے ہے۔ (سمعت النبی): ایک نسخہ میں سمعت النبی ﷺ ہے۔

عرضِ مرتب:

واضح رہے کہ ہمارے نسخہ میں بھی عبارت یوں ہی ہے: سمعت النبی ﷺ۔

ابو ذرؓ کی ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: من عرفني فأنا من قد عرفني، ومن أنكرني فأنا أبو ذر، سمعت النبي ﷺ يقول: ألا ان مثل أهل بيتي...... ۔ حضرت ابو ذرؓ کا اشارہ اس حدیث کی طرف تھا: عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا أظلت الخضراء ولا أقلت الغبراء أصدق من أبي ذر.

عرض مرتب: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث اور اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث آگے بھی آ رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، حدیث: ۴۲۳۸، ۴۲۳۹۔

(مثل): میم کے فتحہ اور ثائے مثلثہ کے ساتھ۔ (فيكم مثل سفينة نوح): ہلاکت سے نجات پانے کا راستہ وہی ہے جو نوح علیہ السلام کی قوم کے افراد نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ جو شخص ان سے محبت رکھے گا ان کی متابعت کرے گا، دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جائے گا۔

امام احمدؒ، حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: ان مثل العلماء في الأرض كمثل النجوم في السماء، يهتدى بها في ظلمات البر والبحر، فاذا انطمست النجوم أو شك أن تضل الهداة.

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: عن علي قال: قال رسول الله ﷺ: النجوم أمان لأهل السماء فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السماء، وأهل بيتي أمان لأهل الأرض فاذا ذهب أهل بيتي ذهب أهل الأرض.

عرضِ مرتب:

خلاصۃ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ

باب کے آغاز میں اہل بیت کے مصداق کے متعلق مختلف اقوال بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ تھا کہ اہل بیت سے مراد بنو ہاشم یعنی حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد ہیں جن کے لئے شرعاً زکوۃ لینا جائز نہیں۔ مؤلف کے صنیع سے اسی کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ انہوں نے حضرت عقیل کے علاوہ باقی تمام کے فضائل کی احادیث اس باب میں ذکر فرمائی ہیں نیز قوم کا مولیٰ اسی قوم میں شمار ہوتا ہے اس لئے اس مناسبت سے حضرت زید بن حارثہؓ اور

ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید کے فضائل سے متعلق احادیث بھی بیان کی گئی ہیں۔

اس باب میں مندرجہ ذیل حضرات کے مناقب وفضائل بیان کیے گئے ہیں:

①: مناقب اہل بیتؓ۔

②: مناقب سیدہ فاطمۃ الزہراؓ۔

③: مناقب حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم۔

④: مناقب حضرات حسنینؓ۔

⑤: مناقب حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب۔

⑥: مناقب عبداللہ بن عباسؓ۔

⑦: مناقب جعفرؓ بن ابی طالب۔

⑧: مناقب زید بن حارثہؓ۔

⑨: مناقب اسامہ بن زیدؓ۔

⑩: مناقب ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ۔

①: مناقب اہل بیت النبی ﷺ:

حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے خطاب عام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں دین و دنیا کی بھلائی اور کامیابی مضمر ہے اس لئے اس کو مضبوطی سے تھامو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور کمی کرنے کے سبب ہوگا اور یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن قصواء نامی اونٹنی پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب دوسرے میری اولاد میرے اہل بیت۔

اسی طرح حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت ہے اس میں مزید یہ فرمایا کہ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ میرے پاس پہنچیں گے پس تم لوگ سوچ لو کہ میرے بعد تم ان سے کیا معاملہ کرو گے اور کیسے پیش آؤ گے۔

اہل بیت سے محبت کا امر فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تم اللہ سے محبت رکھو کیونکہ وہی تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہی تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت کو عزیز و محبوب رکھو۔

اہل بیت سے محبت کو سفینہ نجات قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگو سنو تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو نوح کی کشتی کی تھی جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔

۲: مناقب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

صحیحین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بٹھا کر سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غم اور ملال کو دیکھا تو پھر سرگوشی کی جس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس رونے اور بعد میں ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے یہ فرما کر بتانے سے انکار کر دیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ جب سرگوشی کی تو فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خلاف معمول اس سال دو مرتبہ میرے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا میرا خیال ہے کہ میرے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سرگوشی کی تو فرمایا کیا تو اس پر راضی اور خوش نہیں ہے کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے آ کر ملوگی یہ سن کر میں ہنس دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خفا کیا اس نے مجھے خفا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بری معلوم ہوتی ہے وہ مجھ کو بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دکھ دیتی ہے وہ مجھ کو بھی دکھ دیتی ہے۔

۳: مناقب حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم:

بہت سی احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں حضرات کو اپنے اہل بیت قرار دیا ہے درحقیقت ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں حضرات کو اپنے اہل بیت میں شامل کیا ہے کیونکہ باب کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اہل بیت کا اول مصداق ازواج مطہرات ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت سعدؓ کی روایت ہے کہ جب آیت مباہلہ یعنی فقل تعالوا ندع...... نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر ایک سیاہ بالوں کی کملی تھی اتنے میں حضرت حسنؓ آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی کملی کے اندر لے لیا پھر حضرت حسینؓ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت انما یرید اللہ لیذھب...... تلاوت فرمائی ان چاروں حضرات کے دوست و دشمن کو اپنا دوست و دشمن قرار دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ان سے لڑے میں اس سے ~~لڑوں گا~~ جو کوئی ان سے مصالحت رکھے میں اس سے مصالحت رکھوں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ پھر پوچھا گیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سے محبت تھی تو انہوں نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

حضرت حذیفہؓ نے اپنی والدہ کی اجازت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اور اپنی والدہ کی بخشش کی دعا کرائیں۔ نماز مغرب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء تک نوافل میں مشغول رہے پھر عشاء کی نماز پڑھی عشاء کے بعد یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سن کر ان کو پہچان لیا ان کو اور ان کی والدہ کو مغفرت کی دعا دینے کے بعد فرمایا کہ یہ فرشتہ آج رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت چاہی اور یہ کہ مجھے یہ خوشخبری سنائے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

④ مناقب حضرات حسنینؓ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف کیا کم ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنینؓ سے بہت محبت بھی تھی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے کبھی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گزرتے رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھی ان کا خیال کرتے جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انہیں گود میں لیتے، کبھی کندھے پر سوار کرتے، ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگھتے اور فرماتے انکم لمن ریحان اللہ تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔

امام بخاری نے حضرت عدی بن ثابتؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوتے تھے اور یوں دعا کر رہے تھے اللھم انی احبه فاحبه اے اللہ یہ مجھے محبوب ہے آپ بھی اسے اپنا محبوب بنا لیجئے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ ان سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی مار دے تو کیا کفارہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسہ رسولؐ (حضرت حسینؓ) کو قتل کر دیا حالانکہ آپ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا ھما ریحانتای من الدنیا یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں۔ (اس وقت مسئلہ نہ پوچھا کہ یہ فعل جائز ہے یا ناجائز)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کسی ضرورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کولہوں پر یعنی گود میں کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو عرض کیا یہ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ہٹا دی میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسنؓ اور دوسری جانب حسینؓ ہیں اور فرمایا ھذان ابنای و ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما۔

اسی طرح اللھم انی احبھما فاحبھما کے دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور ایک بار ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے دونوں نواسے آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے پاس بٹھایا

پھر باقی خطبہ پورا کیا۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسینا حسین سبط من الاسباط** حسینؓ میرے ہیں اور میں حسینؓ کا ہوں جو حسینؓ سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے حسینؓ میرے ایک نواسے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ اور دونوں بھائیوں کو سید اشباب اہل الجنۃ فرمایا۔

مختلف روایات میں نبی کریم ﷺ نے حضرت حسینؓ کی شہادت کی پیشین گوئی دی ایک مرتبہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں حضور ﷺ کو گرد آلود دیکھا حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں حسینؓ کی شہادت کے وقت موجود تھا اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کو گرد آلود دیکھا آپ ﷺ کے ہاتھ میں خون سے بھری ہوئی شیشی تھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پوچھنے پر فرمایا کہ یہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج قتل گاہ حسین میں صبح سے اب تک جمع کرتا رہا ہوں اسی طرح ان کی والدہ حضرت ام الفضل کا واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ ان کی زیر پرورش تھے ایک مرتبہ انہوں نے حضرت حسینؓ کو حضور ﷺ کو گود میں رکھا حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے خبر دی ہے عنقریب میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی اور وہ میرے پاس اس زمین کی مٹی بھی لائے تھے جو کہ سرخ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخینؓ کا معاملہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کا رہا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ کو کندھے پر اٹھا لیا اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو گود میں اٹھا لیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے وظائف کے بقدر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت بیان فرمائی ایک مرتبہ یمن سے کچھ حلے (چادروں کے جوڑے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپؓ نے وہ صحابہؓ کے لڑکوں میں تقسیم کر دیئے اور حضرات حسنینؓ کے لئے ان سے بہتر حلے منگوائے اور ان دونوں بھائیوں کو دیئے اور فرمایا اب میرا دل خوش ہوا۔

نیز یہ دونوں شہزادے اخلاق و کردار اور ظاہری شکل و صورت میں بھی اپنے نانا جناب نبی کریم ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔

⑤: مناقب عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب:

نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے متعلق فرمایا اے لوگو جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس لئے کہ کسی بھی شخص کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے اہتمام سے دعا فرماتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اور ان کی اولاد کو اپنی چادر سے ڈھانپ کر یہ دعا دی **اللھم اغفر للعباس و ولدہ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ لا تغادر ذنبہ اللھم احفظہ فی ولدہ۔**

اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا...... یعنی اس وقت تو فدیہ دینا ہی ہوگا لیکن اگر تمہارے دلوں میں ایمان ہوگا تو تم کو اس فدیہ کے مال سے بہتر مال بھی ملے گا اور اللہ پاک تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو مال مجھ سے بطور فدیہ لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مال سے بہت زیادہ مال بھی عطا فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میرا اللہ آخرت میں بھی میرے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بہت احترام کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی حضرت عباسؓ کی عظمت شان کے معترف تھے ان سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے معلوم کرتے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑ گیا تو انہوں نے حضرت عباسؓ سے دعا کی درخواست کی حضرت عباسؓ نے دعا کی تو اللہ پاک نے باران رحمت نازل فرمائی۔

⑥ مناقب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ اور انکی اولاد کے لئے دعا فرمائی تھی خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو علم وحکمت، تفقہ فی الدین اور علم تفسیر قرآن کی جو دعائیں زبان نبوت سے ملی ہیں ان کی مثال اور کہیں مشکل سے ملے گی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت الخلاء تشریف لے جانے کے وقت انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ پانی کس نے رکھا ہے انہوں نے عرض کیا میں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی: **اللهم فقهه في الدين** اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے **وعلمه التاويل**۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینے سے چمٹا کر یہ دعا دی: **اللهم علمه الحكمة**۔ اسی مضمون کی دعائیں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ حدیث وسیرت کی متعدد کتابوں میں مذکور ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دو بار دیکھا ہے۔

اکابر صحابہ کرامؓ آپؓ کو حبر الامۃ ترجمان القرآن، بحر العلم، امام التفسیر جیسے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اکابر صحابہ کے موجود ہوتے ہوئے بھی ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت محمد بن الحنفیہ نے فرمایا: **اليوم مات رباني هذه الامة** آج اس امت کا ایک اللہ والا چلا گیا۔

⑦ مناقب جعفرؓ بن ابی طالب:

حضرت جعفرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن العم اور سابقین اولین میں سے ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے پہلے صرف اکتیس شخص ہی مسلمان ہوئے تھے انہوں نے ۵ نبوی میں اپنی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس کے ساتھ ہجرت کی اور تقریباً چودہ سال دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنے بچوں سے دور دیار غیر میں گزارے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے اور چند ماہ کے بعد ہی غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے ان کی شہادت سے پہلے جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے دونوں ہاتھوں کے بدلے میں ان کو دو پر عطا فرمادیئے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں اسی لئے ان کو جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین کہا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ سے ملتے تو اس طرح سلام کرتے **السلام عليك يا ابن ذي الجناحين**۔

حضرت جعفرؓ غریبوں، مسکینوں کا بہت خیال کرتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں جعفرؓ سے جب بھی کوئی بات دریافت کرتا وہ پہلے مجھے اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے پھر میری بات کا جواب دیتے وہ مساکین کے بارے میں بہترین شخص تھے اسی لئے ان کا لقب ابوالمساکین پڑ گیا تھا۔

وہ صورت و سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے انتہائی مشابہ تھے خود زبان نبوت نے اس کی شہادت ان الفاظ میں مرحمت فرمائی اشبھت خلقی و خلقی تمہاری شکل وصورت اور سیرت و کردار میرے مشابہ ہے۔

⑧ مناقب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما:

حضرت زید بن حارثہ کے فضائل و مناقب کا شمار مشکل ہے انکو رسول اللہ ﷺ سے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت تھی اس لئے انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ آزاد ہو کر اپنے وطن جانے کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غلام ہو کر رہنے کو ترجیح دی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے غیر معمولی تعلق تھا اسی لئے ان کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا تھا اور ان کی زندگی کا خاص حصہ اسی طرح گزرا کہ صحابہ کرام انہیں زید بن محمد ﷺ ہی کہتے تھے حتیٰ کہ جب آیت کریمہ ادعوھم لآبائھم نازل ہوئی جس میں نسب کو اپنے اصل والد سے جوڑنے کا حکم ہے تب صحابہ کرام نے زید بن حارثہ کہنا شروع کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں ان کی محبت بیٹے کی محبت ہی کی طرح رہی اور آپ ﷺ اس محبت وتعلق کا اظہار صحابہ کرام اور حضرت زیدؓ سے کرتے بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان کی بہادری اور قائدانہ صلاحیت پر بڑا اعتماد تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے جب بھی حضرت زیدؓ کو کسی غزوہ میں بھیجا ہمیشہ لشکر کا امیر انہیں ہی بنایا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ خود غزوہ میں تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ زیدؓ کو بنا کر جاتے۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر ملنے پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا اپنے بھائی زیدؓ کے لئے دعا مغفرت کرو وہ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے۔

⑨ مناقب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما:

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے پورا بچپن آغوشِ نبوت ہی میں گزرا۔ آپ کا تعلق ان کے ساتھ بالکل ایسا تھا جیساے دادا کا اپنے پوتے کے ساتھ ہوتا ہے آپ ﷺ انہیں گود میں لیتے اور ضرورت پڑنے پر اپنے دست مبارک سے ان کی ناک بھی صاف فرما دیتے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان کی ناک صاف کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ ﷺ رہنے دیجئے میں صاف کئے دیتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بچہ مجھے محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کیا کرو۔

کبھی کبھی آپ ﷺ اپنے نواسے حضرت حسن اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر یہ دعا فرماتے اے اللہ یہ دونوں بچے مجھے محبوب ہیں آپ بھی ان کو محبوب بنا لیجئے۔

غزوہ موتہ میں جس میں ان کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے یہ بھی اپنے والد کی سرکردگی میں شریک غزوہ ہوئے اور اپنی

آنکھوں سے اپنے باپ کی شہادت دیکھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے بالکل آخر میں اسی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا اس لشکر میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام تھے اس وقت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر کل ۲۰ سال تھی بعض حضرات کو اس پر اشکال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں اُسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اشکال ہے تو تم ان کے والد زید کی امارت پر بھی اشکال کر چکے ہو حالانکہ واللہ وہ امارت کے اہل تھے اور واللہ مجھے انتہائی محبوب تھے۔ اسی طرح یہ اسامہ بھی واللہ امارت کے اہل ہیں اور وہ مجھے انتہائی محبوب بھی ہیں ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم لوگوں کو اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ وہ تم لوگوں کے صالحین میں سے ہیں۔

اس لشکر کی مقام جرف سے جو مدینہ سے کچھ دور ہے روانگی سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کی سنگینی کی اطلاع ملی تو یہ لشکر مقام جرف سے واپس مدینہ آ گیا جب حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بولنا بند ہو چکا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے اور پھر دعا کرنے کے انداز میں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرما رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ بھی حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے صحابہ کرامؓ کے وظائف مقرر فرمائے تھے اس میں مراتب کے لحاظ سے کمی بیشی کی تھی اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ تین ہزار درہم اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کا وظیفہ تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کیا تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ابا جان اُسامہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر فضیلت دینے کی کیا وجہ ہے وہ تو کبھی بھی کسی معرکہ میں مجھ سے سبقت نہیں لے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہؓ کے والد زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب اور اُسامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دی ہے۔

⑩: مناقب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ ابراہیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند تھے حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ تھیں پیدا ہوئے۔ سولہ یا اٹھارہ ماہ کی عمر میں انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابراہیم کو جنت میں پہنچا دیا گیا ہے اور وہاں اس کے لئے ایک دودھ پلانے والی یعنی دایہ مقرر ہو گئی ہے۔

بَابُ مَنَاقِبِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ رضی اللہ عنہن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مناقب کا بیان

عرض مرتب: ایک نسخہ میں "و رضی اللہ عنہن" ہے۔ یہ زیادتی ہمارے نسخہ میں بھی موجود ہے۔

الفصل الاول:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس امت کی عورتوں سے افضل ہیں

۶۱۸۴ : عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَآءِ هَا مَرْيَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآئِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ (متفق عليه وفى رواية قال ابو كريب) وَاَشَارَ وَكِيْعٌ اِلَى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ٤٧٠/٦حديث رقم ٣٤٣٢ومسلم فى صحيحه ١٨٨٦/٤حديث رقم (٦٩-٢٤٣٠) والترمذى فى السنن ٦٥٩/٥حديث رقم ٣٨٧٧۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مریم بنت عمران اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں' اور خدیجہؓ بنت خویلد اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابو کریب نے یہ بیان کیا کہ حضرت وکیع نے (جو حفاظ حدیث میں سے ہیں اور حضرت امام مالکؒ اور ان کے ہمعصروں کے ہم پلہ ہیں) آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ اس حدیث کے مطابق یہ دونوں خواتین اپنی امتوں میں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل و اشرف ہیں۔''

تشریح: (مریم...... خویلد): تصغیر کے ساتھ ہے۔ قرطبیؒ نے فرمایا: ھا، ضمیر کا مرجع مذکور نہیں ہے، البتہ حالت ومشاہدہ اس کی تفسیر کر رہا ہے، یعنی دنیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک بظاہر عبارت یوں ہے: خير نسائها: خبر مقدم ہے۔ اور ضمیر مریم علیہا السلام کی طرف راجع ہے۔ گویا عبارت کی تقدیری یوں ہے: مريم خير نساء زمانها.

تخریج: امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے بھی اس روایت کو یوں ہی ذکر کیا ہے۔

حارث کی عروہ سے نقل کردہ ایک مرسل روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: خديجة خير نساء عالمها، ومريم خير نساء عالمها، وفاطمة خير نساء عالمها.

(وفی...... کریب): تصغیر کے ساتھ ہے۔ (واشار...... الارض): تورپشتی رحمہ اللہ نے فرمایا: ھا، ضمیر کا مرجع ان دونوں خواتین کی اپنی اپنی امت ہے۔ گویا عبارت کی تقدیر یوں ہے: خير نساء الامة التى كانت فيهم مريم...... وخير نسائها: کا تکرار بھی اسی مفہوم کی تنبیہ ہے کہ دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔ وکیعؒ نے آسمان وزمین کی طرف اشارہ کر کے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ دونوں خواتین آسمان کے نیچے، زمین کے اوپر بسنے والوں سے زیادہ بہتر ہیں۔ امام وکیعؒ کا یہ اشارہ خير نسائها کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، چونکہ اس صورت میں سماء کی طرف درست نہیں، مزید یہ کہ (آسمان وزمین) دو الگ الگ چیزیں ہیں، ان کی طرف واحد کی ضمیر لوٹانا کیوں کر درست ہوگا۔

قاضیؒ فرماتے ہیں: (۱) ضمیر مفرد کی اس لئے لائی گئی کہ جملہ طبقات آسمان وزمین مراد ہیں، (۲) اس کا مطلب یہ ہے: مريم خير من صعد بروحهن الى السماء وخديجة خير نساء على الارض. اور اس حدیث کا ورود آپ ﷺ کی حیات

مبارکہ میں ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ضمیر آسمان وزمین کی طرف مجازاً لوٹ سکتی ہے جب کہ زمین وآسمان کو عالم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿ان الله لا یخفی علیه شیء فی الأرض ولا فی السماء﴾۔ صاحب کشاف اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: أی لا یخفی علیه شیء فی العالم، کہ آسمان وزمین کو عالم سے تعبیر کیا۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے: ﴿الحمد لله الذی له ما فی السموٰت وما فی الأرض وله الحمد فی الآخرة﴾ اس کا مطلب ہے: له الحمد فی الدنیا والآخرة۔ کہ آسمان وزمین کو دنیا سے تعبیر کیا گیا۔

اس تاویل کی تائید فصل ثانی میں آنے والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: حسبك من نساء العالمین مریم. اور وکیع کی تفسیر اس صورت میں درست ہو سکتی ہے کہ وہ حدیث کی کسی مبہم بات کی وضاحت کریں۔ اور اس حدیث میں دونوں باتیں مبہم ہیں۔ اھ

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کا زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ: کل واحدة منهما خیر من نساء الأرض فی عصرها. ان دونوں میں افضل کون ہے؟ تو یہ معاملہ مسکوت عنہ ہے۔ (ذکرہ الجزریؒ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ اور جبرائیل علیہ السلام کا سلام اور جنت میں گھر کی بشارت

۶۱۸۵ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی جِبْرَئِیْلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ خَدِیْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَاءٌ فِیْهِ اِدَامٌ اَوْ طَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَیْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْهَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِیْهِ وَلَا نَصَبَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳۳/۷ حدیث رقم ۳۸۲۰ ومسلم فی صحیحه ۱۸۸۷/٤ حدیث رقم (۷۱-۲٤۳۲) والترمذی فی السنن ۶۵۹/۵ حدیث رقم ۳۸۷۶ و احمد فی المسند ۲۳۱/۲

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! ابھی خدیجہؓ (مکہ سے چل کر غار حرا میں) آ رہی ہیں' ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن (اور روٹی) ہے یا کھانا ہے جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام کہہ دیجیے اور ان کو جنت میں ایک محل کی خوش خبری بھی سنا دیجیے جو خولدار موتی کا ہے اور اس محل میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف وتھکن ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (هذه): کا مشار الیہ معہود فی الذہن جبرئیل ہے۔ (فاقرأ علیها): راء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ابلغها. (السلام...... قصب): قاف اور صاد کے فتحہ کے ساتھ، لؤلؤ مجوف واسع کالقصر المنیف۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: أی من قصب اللؤلؤ، ولم یقل من لؤلؤ اذ فی لفظ القصب مناسبة لانها أحوزت قصب السبق لمبادرتها الی الایمان دون غیرها.

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: **خديجة سابقة نساء العالمين الى الايمان بالله وبمحمد**. (رواه الحاكم في مستدركه عن حذيفة).

لا صخب: صاد مہملہ اور خاء معجمہ کے فتحہ کے ساتھ۔ **لا**: برائے نفی جنس ہے، أي: **لا صياح أولا اختلط صوت**، یعنی اس محل میں شور وغل نہیں ہے۔ (**فيه**): ضمیر اس **قصب** (کی طرف راجع ہے جو قصر سے تعبیر کیا گیا) ہے۔ ایک نسخہ میں **فيها** ہے۔ اس صورت میں **ها** ضمیر **جنة** کی طرف راجع ہوگی۔ اس کی تائید اس اگلے جملے سے ہوتی ہے: **ولا نصب**۔

عرض مرتب:

اس کی وضاحت یہ ہے کہ **لا نصب** کا نقشہ صرف جنت ہی پیش کر سکتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ﴾ "یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں تکان ہی ہوگی۔"

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس دوسری بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ **کن** سے پیدا کیا ہے۔ دنیا کے گھروں کی طرح نہیں کہ دنیا کے گھر تو شور شرابے اور تھکان کے بعد ہی بنتے ہیں، اور یہی معاملہ سکون کا بھی ہے۔ اس روایت کو امام نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔

وفات کے بعد بھی حضور ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد رکھنا

۶۱۸۶ : وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ نِسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَاَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَآءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَآئِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهٗ كَاَنَّهٗ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَاَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وُلْدٌ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٣٣/٧ حديث رقم ٣٨١٨ ومسلم في صحيحه ١٨٨٩/٤ حديث رقم (٧٦-٢٤٣٤) والترمذي في السنن ٦٥٩/٥ حديث رقم ٣٨٧٥ وابن ماجه ٦٤٣/١ حديث رقم ١٩٩٧ و احمد في المسند ٢٠٢/٦

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں جتنی غیرت اور جتنا رشک میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کرتی تھی اتنا کسی اور بیوی سے نہیں' حالانکہ میں نے ان کو (حضرت خدیجہ کو) دیکھا بھی نہیں تھا' البتہ آپ ﷺ ان کو بہت یاد کرتے تھے بسا اوقات آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کا عضو کاٹ کر بوٹیاں بناتے پھر اس گوشت کو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ہاں بھجواتے' اکثر اوقات میں آپ سے کہہ دیا کرتی تھی کہ جیسے دنیا میں ایک خدیجہؓ کے علاوہ (اتنی خوبیوں والی) اور کوئی عورت ہی نہیں' آپ (میری اس بات کے جواب میں) فرماتے: وہ تو واقعی اس

طرح کی تھیں اور ایسی ہی تھیں اور پھر میری اولاد بھی تو انہی (کے بطن) سے ہے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: غرت: غین معجمہ کے کسرہ کے ساتھ، غار یغار سے مشتق ہے۔ جیسا کہ خاف یخاف . (ما غرت علی خدیجة): پہلا "ما" نافیہ ہے۔ اور دوسرا "ما" موصولہ یا مصدریہ ہے۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہوگی، ما غرت مثل التی غرتها أو مثل غیرتی علیها. الغیرة: الحمیة و الانف.

(وما رأیتها): جملہ حالیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے انہیں دیکھا ہوتا، اور پھر یہ غیرت آتی تو کوئی بات بھی تھی، ان کو دیکھے بغیر ہی مجھے تو غیرت آتی ہے۔ (وربما): باء کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ۔ (ثم یقطعها): طاء کی تشدید کے ساتھ۔ (فی صدائق خدیجة): صدائق بمعنی أصدقاء، صدیقه کی جمع ہے۔ (فربما ...... کأنه): ضمیر شان ہے۔ (لم تکن ...... خدیجة): مرفوع ہے۔ اور ایک صحیح نسخہ میں منصوب ہے۔ (فیقول ...... کانت): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: کانت مکرر ضرور لایا گیا ہے مگر تثنیہ کے معنی مراد نہیں ہیں۔ ان کے خصائل متعددہ پر تکرر مقصود ہے۔

جیسا کہ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وأما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینة وکان تحته کنز لهما وکان أبوهما صالحا﴾ لیکن یہاں حدیث میں کانت کا متعلق ذکر نہیں کیا گیا۔ چونکہ عیاں راچہ بیاں۔

ولد: واو کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ، اور ایک صحیح نسخہ میں واؤ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

عرضِ مرتب:

ملا علی قاری نے اس حدیث کے تحت بحوالہ مؤلف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات ذکر فرمائے تھے مگر ہم نے یہاں سے حذف کر دیئے ہیں۔ اور الاکمال کے تحت لگا دیئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا سلام

۶۱۸۷ : وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَآئِشُ هٰذَا جِبْرَئِیْلُ یُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَیْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَتْ وَهُوَ یَرٰی مَالَا اَرٰی۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰۶/۷ حدیث رقم ۳۷۶۸ ومسلم فی صحیحه ۱۸۹۶/۴ حدیث رقم (۹۱-۲۴۴۷) والترمذی فی السنن ۶۶۲/۵ حدیث رقم ۳۷۸۱ والنسائی فی السنن ۶۹/۷ حدیث رقم ۳۹۵۳

ترجمہ: "حضرت ابوسلمہ (تابعیؒ) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (ایک روز مجھ سے) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرئیل (یہاں میرے سامنے) ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ عائشہؓ نے (اس سلام کے جواب میں) کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (اور جبرئیل پر بھی اللہ کی سلامتی اور راحت نازل ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو دیکھ سکتے تھے میں اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (أن عائشة ...... عائش): شین کے ضمہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔ منادیٰ مرخم ہے۔

(هذا...... السلام): يقرئ: اقراء سے مشتق ہے۔ القاموس میں ہے کہ: قرأ عليه السلام كأقرأه، ولا يقال اقرأه الا اذا كان السلام مكتوبا قرأ على کے صلہ کے ساتھ مجرد استعمال ہو، تو یہ أقرأه کے معنی میں آتا ہے۔ اور أقرأه صرف اسی صورت میں کہا جاتا ہے، جب سلام مکتوب ہو۔ (یری): بعض لوگوں نے یریٰ کا فاعل جبرئیل علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہونا مستنبط ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت خدیجہ کو حضرت جبرائیل نے اللہ جل شانہ کا سلام پہنچایا ہے (ملاحظہ فرمایئے گزشتہ سے پیوستہ حدیث) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سلام کیا۔

تخریج: اس روایت کو امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

شادی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیدار کرایا جانا

۶۱۸۸ : وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَيَالٍ يَجِيْءُ بِكِ الْمَلَكُ فِيْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ فَقَالَ لِيْ هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا اَنْتِ هِيَ فَقُلْتُ اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يَمْضِهٖ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲۳/۷حدیث رقم ۳۸۹۵ومسلم فی صحیحه ۱۸۸۹/۴حدیث رقم (۲۴۳۸-۷۹)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ تین رات مسلسل تمہیں میرے خواب میں لایا گیا جس کی صورت یہ تھی کہ ایک فرشتہ نہایت شاندار ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو میرے سامنے لاتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ (تصویر) تمہاری (ہونے والی) بیوی کی ہے اور جب میں (تصویر کا) پردہ اٹھا کر تمہارا چہرہ دیکھتا تو بالکل تمہارا ہی چہرہ تھا' پھر میں (فرشتہ کے جواب میں) کہہ دیتا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اس کو پورا کرے گا (یعنی اس معاملہ کو تکمیل تک وہی پہنچائے گا اور اس عورت سے میرے نکاح کے اسباب وہی پیدا فرمادے گا''۔

تشریح: (أريتك): ماضی مجہول، واحد متکلم کا صیغہ ہے، اراءۃ مصدر سے مشتق ہے، بمعنی اعلمتك. (فی المنام...... بك). باء برائے تعدیہ ہے، بمعنی يأتي بصورتك. (الملك في سرقة): سین مہملہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ، (من حرير): نہایت عمدہ ریشمی کپڑے کا ٹکڑا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حریر ''سرة'' سے معرّب ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے: اول: میں نے تیری صورت کھول کر دیکھی تو، اس وقت تیری صورت وہی صورت ہے۔ دوم: مشاہدہ کے وقت تیری صورت دیکھی، تیری صورت اس صورت کے مانند ہے جو صورت میں نے خواب میں دیکھی تھی۔

یہ تشبیہ بلیغ ہے، مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان بھی اسی قبیل سے ہے: ﴿هذا الذي رزقنا من قبل﴾۔ کتاب سیبویہ کا یہ مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے: كنت اظن أن العقرب أشد لسعة

من الزنبور، فاذا هی، أی: فاذا الزنبور مثل العقرب۔ مبالغہ کی غرض سے أداۃ کو حذف کر دیا گیا، یوں تشابہ حاصل ہو گیا، قرآن کریم کی اس آیت: ﴿وأتوا به متشابها﴾ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

اذا میں پائے جانے والے مفاجاۃ کے معنی بھی اسی مفہوم کی تائید ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرنے کا حکم

۶۱۸۹ : وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ، مَنْ اَرَادَ اَنْ يُهْدِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُهْدِهِ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يٰبُنَيَّةُ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاَحِبِّيْ هٰذِهٖ۔ (متفق علیه وذکر حدیث انس فضل عآئشة علی النساء فی باب بدء الخلق بروایة ابی موسی)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۵/۵ حدیث رقم ۲۵۸۱ ومسلم فی صحیحه ۱۸۹۱/۴ حدیث رقم (۸۲-۲۴۴۱) والترمذی فی السنن ۶۶۰/۵ حدیث رقم ۳۸۷۹

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ ہدیے اور تحائف اس دن پیش کریں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیے اور تحائف لانے والے اس دن کا انتظار کرتے تھے جس روز کہ آپ میرے ہاں تشریف فرما ہوتے تھے) اور اس سے ان کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی (زیادہ سے زیادہ) رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دو گروہوں میں منقسم تھیں (اور ان میں سے ہر گروہ یکساں مزاج' یکساں رائے اور یکسائے طرزِ معاشرت و اختلاط رکھنے والی بیویوں پر مشتمل تھا)۔ ایک گروہ میں عائشہؓ' حفصہؓ' صفیہؓ اور سودہؓ تھیں اور دوسرے گروہ میں اُم سلمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی باقی تمام پاکیزہ بیویاں تھیں۔ پس (ایک روز) اُم سلمہؓ سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ آپ لوگوں سے یہ فرما دیں کہ کوئی ہدیہ و تحفہ پیش کرنا چاہے تو وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کی تخصیص نہ کرے بلکہ) پیش کر دے چاہے آپ ﷺ کسی بھی جگہ ہوں (خواہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوں خواہ کسی اور بیوی کے گھر میں تاکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری بیویوں کے درمیان سے وہ امتیاز اٹھ جائے جس سے ان بیویوں کو غیرت محسوس ہوتی ہے) چنانچہ اُم سلمہؓ نے اس بارے میں آپ ﷺ سے گفتگو کی اور آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ کو عائشہ

رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں تکلیف نہ پہنچاؤ (تم شاید نہیں جانتیں کہ) اس وقت میرے پاس وحی نہیں آتی جب میں کسی بیوی کے لحاف یا چادر میں ہوتا ہوں۔ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ ام سلمہؓ (یہ سن کر) عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! میں اللہ کے حضور اس بات سے توبہ کرتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤں (یا کسی ایسے کام کا ارادہ بھی کروں جو آپ کو تکلیف پہنچانے کا باعث ہو) پھر ام سلمہ کے گروہ کی عورتوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا (تاکہ اس بارے میں اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں) چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات سے لاعلم ہی ہوں کہ اس سے پہلے ام سلمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا چکی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کن الفاظ میں جواب دے چکے ہیں۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کی گفتگو سن کر ان سے فرمایا: میری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں: کیوں نہیں! (یقیناً میں ہر اس ذات سے محبت رکھتی ہوں اور محبت رکھوں گی جس سے آپ محبت رکھتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھو) کسی ایسی بات کا ذکر نہ کرو جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناگواری ہو) بخاری و مسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الاطعمة باب بدء الخلق میں ابوموسیٰ کی روایت سے نقل کی جا چکی ہے۔

تشریح: (یتحرون): رائے مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ، تحری سے مشتق ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: روایت تو یہی ہے۔ البتہ مصابیح کے بعض نسخوں میں یتحینون ہے۔ "اصول" میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

صاحب النہایہ لکھتے ہیں: التحری: القصد والاجتهاد فی الطلب، والعزم علی تخصیص الشیء بالفعل والقول.

حدیث میں آتا ہے: تحروا لیلة القدر فی العشر الأواخر

(فقلن لها...... الناس): سید کے نسخہ میں "الناس" مرفوع ہے، اس صورت میں یہ جملہ استئناف تعلیل ہے۔ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ: یہ جملہ مجزوم ہے۔ اور میم پر التقائے ساکنین کی وجہ سے کسرہ ہے، البتہ مرفوع پڑھنا بھی درست ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: مرفوع پڑھنا درست ہے۔ اس کا قرینہ اگلا جملہ فیقول ہے۔ (من...... یهدی): یاء کے ضمہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ۔ (الی...... فلیهده): سیدؒ نے اپنے نسخہ میں ضمیر کے اوپر شک کا نشان لگایا ہے۔ واضح رہے کہ اس ضمیر کا وجود وعدم دونوں برابر ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ مفعول کی ضمیر کو بعض مرتبہ حذف بھی کیا جاتا ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ تمام نسخوں میں یہ ضمیر موجود ہے۔ لہٰذا شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(لها...... عائشة): سے پہلے حق مضاف محذوف ہے۔ لا تؤذینی فی عائشة، یہ جملہ، لا تؤذی عائشة کے مقابلہ میں فصیح ہے۔ چونکہ جملہ اولیٰ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو حضرت عائشہؓ کے لئے باعث اذیت ہوگا وہ میرے لئے بھی باعث تکلیف ہوگا۔ (الا عائشة): امام طیبیؒ نے فرمایا: الا بمعنی غیر ہے۔ أی امرأة غیر عائشةاھ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: ﴿انك لا تهدی من أحببت﴾ کے نزول کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لحاف میں تھی۔ (لأتوب...... أذاك): یعنی ہر ایسی چیز سے جو آپ کی تکلیف کا باعث بنے۔ (یا رسول...... انهن): یعنی ام سلمہؓ

کی ٹولی، (دعون فاطمة): بمعنی طلبنها. (فأرسلن): بمعنی فبعثنها. (الی...... ﷺ): تا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس مسئلہ میں بات چیت کریں۔ (فقال: یا بنية): تصغیر کا صیغہ برائے شفقت ورحمت ارشاد فرمایا۔

تخریج: یہ حدیث امام نسائی نے بھی ذکر کی ہے۔

(وذکر...... النساء): مکمل حدیث یوں ہے: کفضل الثرید علی سائرہ الأطعمة. (فی...... موسیٰ): پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ عورتوں سے مراد عورتوں کی جنس یعنی کلی عورتیں مراد ہیں۔ یا یہ کہ تمام ازواج مطہرات مراد ہیں، یا حضرت خدیجہ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات مراد ہیں۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے علمی وعملی کمالات کا جامع ہونے کے سبب کہ جس کو آپ نے ثرید سے مشابہت کے ذریعہ واضح فرمایا، ظاہر اطلاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ ثرید افضل طعام العرب شمار ہوتا ہے۔ اور ثرید گوشت، روٹی اور شوربہ کا مرکب ہوتا ہے۔ غذاؤں میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ ایسا کھانا ہے کہ جس میں لذت بھی ہے اور قوت بھی ہے، غذائیت بھی ہے، آسانی سے کھایا جاتا ہے، چبانے کی مشقت بھی کم ہوتی ہے۔ حلقوم اور ''مریٰ'' سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم کی مثال ثرید کے ساتھ دی، کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حسن صورت، حسن سیرت، خوبی گفتار، شیرینی سخن گوئی، لہجہ کی فصاحت، طبیعت کی جودت، رائے کی سنجیدگی اور عقل کی پختگی کے ساتھ ساتھ شوہر کے تئیں تحبب بھی حاصل تھا، آپ اپنے خاوند کی مطیع تھیں، حق زوجیت اداء کرنے والی تھیں، غرض یہ کہ آپ میں تمام خوبیاں مجتمع تھیں۔

اور ان تمام خوبیوں سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ کچھ سمجھا کہ جو دوسری عورتیں سمجھ نہ پائیں، اور رسول اللہ ﷺ سے وہ کچھ روایت کیا، کہ جس کے مثل مردوں نے بھی روایت نہیں کیا۔

الفصل الثانی:

افضل و برتر خواتین کا ذکر

۶۱۹۰: عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُكَ مِنْ نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِیْجَةُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَاٰسِیَةُ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٦٦٠ حدیث رقم ٣٨٧٨ و احمد فی المسند ٣/ ١٣٥

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام جہان کی عورتوں میں سے (چار عورتیں فضائل ومناقب کے اعتبار سے) تمہارے لئے کافی ہے اور وہ ہیں: مریم بنت عمران (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ)' خدیجہؓ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ''۔ (ترمذی)

تشریح: (حسبك): میں خطاب عام ہے۔ (من نساء العالمین): حسن اقتداء، اپنے محاسن ومناقب، اپنے زہد اور اخروی امور میں تفکر میں کاملین کے مراتب کو پہنچنے والی خواتین چار ہیں۔

(ومریم...... فرعون): ظاہر یہ ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے افضل ترین چار خواتین کا ذکر اس حدیث میں جس ترتیب سے ہوا ہے، وہی ترتیب ان چاروں کے درمیان فرق مراتب کی بھی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر کیوں نہیں ہوا، تو اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے یہ حدیث شاید اس وقت ارشاد فرمائی ہوگی کہ جب تک حضرت عائشہؓ کو وہ مقام کمال اور آنحضرت ﷺ کے وصال کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔

الجامع میں ہے کہ احمدؒ، شیخین، ترمذی اور ابن ماجہ، ابوموسیٰ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: **كمل من الرجال كثير ولم يكمل من النساء الا آسية امرأة فرعون ومريم بنت عمران، وأن فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام.**

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مردوں میں تو بہت سے لوگ درجہ کمال کو پہنچے، لیکن عورتوں میں سے فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے علاوہ کوئی کامل نہیں ہوئی، اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام عورتوں میں عائشہ کی فضیلت اور عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر''۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **حسبك** مبتدا، **من نساء** **حسبك** کے متعلق ہے۔ اور ''مریم'' خبر ہے۔ خطاب عام ہے یا انس کے ساتھ مخصوص ہے۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: **كافيك معرفتك فضلهن عن معرفة سائر النساء** اھ۔

امام سیوطیؒ نقایہ میں فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سب سے افضل مریم علیہا السلام اور فاطمہؓ ہیں۔ اور امہات المؤمنین میں سب سے افضل خدیجہ اور عائشہ ہیں۔ حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ میں سے کون افضل ہے؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں: تیسرا قول توقف کا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: صرف حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ ہی کے بارے میں نہیں بلکہ ان سب مذکورہ خواتین کے بارے میں توقف اولیٰ ہے، چونکہ اس مسئلہ میں کوئی دلیل قطعی وارد نہیں۔ اور دلائل ظنیہ باہم متعارض ہیں، لہٰذا دلائل ظنیہ پر عقائد کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ جب کہ عقائد کی بنیاد دلائل قاطعہ پر ہوتی ہے۔ (رواہ الترمذی)

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

امام احمدؒ، ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس روایت کو حضرت انسؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام احمد اور امام طبرانیؒ نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: **خير نساء العالمين أربع: مريم بنت عمران، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وآسية امرأة فرعون.** امام حاکمؒ نے اس روایت کو اپنی مستدرک میں حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: **سيد نساء اهل الجنة أربع: مريم وفاطمة وخديجة وآسية.**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت سبز ریشم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی گئی

۶۱۹۱ : وَعَنْ عَائِشَةَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ جَآءَ بِصُوْرَتِهَا فِيْ خِرْقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ خَضْرَآءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٦١ حديث رقم ٣٨٨٠۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سبز ریشمی کپڑے پر ان کی (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا) کی تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) دکھانے لائے اور عرض کرنے لگے کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: باء برائے تعدیہ ہے۔ (فی...... والآخرة...... الرمذی).

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

۶۱۹۲ : وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ اَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ لَهَا بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ اِنِّي ابْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَاِنَّكِ تَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ. (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٦٦ حديث رقم ٣٨٩٤ واخرجه احمد فی المسند ٣/١٦٥۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت صفیہ کو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے تو وہ رونے لگیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے آئے تو وہ اس وقت بھی رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا میرے بارے میں حفصہؓ نے کہا کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں۔ (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم ان کے کہنے کا غم نہ کرو)۔ تم پیغمبر کی صاحبزادی ہو' تمہارا چچا بھی پیغمبر تھا اور اب تم ایک پیغمبر کی (یعنی میری) بیوی ہو پھر آپ نے حفصہ کو متنبہ کیا کہ اے حفصہ! اللہ سے ڈرو''۔ (ترمذی' نسائی)

تشریح: (وان...... لنبی): اس سے مراد حضرت اسماعیل یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے پہلے قول کو مظہرؒ نے ذکر کیا ہے۔ امام طیبیؒ کا کہنا ہے کہ شاید قول اخیر زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی عورتوں کی سردار ہونے کی بشارت دینا

۶۱۹۳ : وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا

فَبَكَتْ ثُمَّ حَدَّثَهَا فَضَحِكَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهَا عَنْ بُكَائِهَا وَضِحْكِهَا فَقَالَتْ اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ اَخْبَرَنِيْ اِنِّي سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ فَضَحِكْتُ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٦٥٨ حديث رقم ٣٨٧٣

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (سرگوشی کرنے کے لیے) اپنے قریب بلایا تو ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں کیں جنہیں سن کر وہ رونے لگیں پھر آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے اسی سرگوشی کے انداز میں باتیں کیں تو اس بار وہ ہنسنے لگیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو ایک روز میں نے ان کے اس دن کے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ (پہلے) تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے بارے میں مجھ کو آگاہ کیا تھا جس کو سن کر میں رونے لگی تھی پھر جب آپ ﷺ نے مجھ کو بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنسنے لگی تھی''۔ (ترمذی)

تشریح: (...... الفتح): اس حدیث میں فتح مکہ کے سال کا ذکر (راوی کا) وہم ہے۔ چونکہ ارباب سیر کی تحقیق کے مطابق اس قصہ کا وقوع فتح مکہ کے سال ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ یا تو آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کے زمانے کا ہے یا مرض الموت کے دوران کا۔

اسی طرح کی روایت پیچھے گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے جب حضرت فاطمہؓ سے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے بتا دیا تھا، اور یہاں بی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ذکر کیا، کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فاطمہؓ نے بتایا۔

(فقالت): اور ایک نسخہ میں قالت ہے۔ (فبکیت...... فضحکت): آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر حضرت فاطمہ الزہراء کا ہنسنا، اول من یلحقنی من أهلی کے ہنسنے کے منافی نہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات سے مناسبت نہیں رکھتی، بلکہ یہ حدیث مناقب اہل بیت کے باب میں نقل کی جانی چاہئے تھی۔ بس یہی مناسبت سمجھ میں آتی ہے کہ یہ روایت ضمنی طور پر فصل دوم کی پہلی حدیث کہ جس میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت مریمؑ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا بھی ذکر ہوا ہے، اس سے متعلق ہے۔ اور یہ کلام بدیع کا ایک فن ہے۔ اھ

لہٰذا یہ راویت، سابقہ مجمل روایت کی تفصیل ہے۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جو حضرت مریمؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہے، کہ وہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

تخریج: الجامع میں ہے کہ: فاطمة سيدة نساء اهل الجنة الا مريم بنت عمران. یہ حدیث امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں بھی نقل کی ہے۔

الفصل الثالث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی فضل وکمال

۶۱۹۴ : عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ مَا اشْتَکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَاَلْنَا عَآئِشَۃَ اِلاَّ وَجَدْنَا عِنْدَھَا مِنْہُ عِلْمًا۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۶۲/۵ حديث رقم ۳۸۸۳۔

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی حدیث میں کوئی اشکال پیش آتا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اس کے بارے میں رجوع کرتے۔ ہمیں اس حدیث سے متعلق کافی معلومات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے مل جاتیں۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے''۔

تشریح: (اشتكل): اور ایک نسخہ میں ما أشكل ہے۔ (علينا ...... صلی اللہ علیہ وسلم): موجودہ تمام صحیح نسخوں میں نصب کے ساتھ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مجرور سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، یا منصوب علی الاختصاص ہے۔ (حديث قط): یعنی حدیث کے معنی میں یا کسی اہم مسئلہ سے متعلقہ کوئی حدیث مفقود پاتے۔ (فسألنا ...... منه): حدیث اور اس کے متعلقات (علما) أی نوع علم، بایں طور کہ ان کے پاس ہمیں صریح حدیث مل جاتی یا تاویل مل جاتی۔ چونکہ اس سے بھی اشارۃً حکم مل ہی جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث: خذوا شطر دينكم عن الحميراء یعنی عائشة کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

لا أعرف له اسنادا ولا رواية في شيء من كتب الحديث، الا في النهاية لا بن الأثير، ولم يذكر من خرجه، وذك الحافظ عماد الدين بن كثير: انه سأل المزی والذهبی عنه فلم يعرفاه، وقال السخاوی: ذكره في الفردوس بغير اسناد وبغير هذا اللفظ. ولفظه: خذوا ثلث دينكم من بيت الحميراء، وبيض له صاحب مسند الفردوس ولم يخرج له اسنادا، وقال السيوطی: لم أقف عليه.

۶۱۹۵ : وَعَنْ مُوْسٰی بْنِ طَلْحَۃَ قَالَ مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَآئِشَۃَ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۶۳/۵ حديث رقم ۳۸۸۴۔

ترجمہ: ''حضرت موسیٰ بن طلحہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بہتر فصاحت وبلاغت میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے''۔

عرضِ مرتب:

خلاصۃ باب مناقب ازواج النبی ﷺ

یہاں ہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مختصر احوال اور ان کے فضائل ومناقب بیان کریں گے صاحب مشکوٰۃ نے اس باب میں چند احادیث ذکر کی ہیں پھر ان میں بھی سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے فضائل بیان نہیں کیے گئے اس لیے ان کے تمام فضائل ذرا تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

علماء کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد میں اختلاف ہے اسی طرح ان کے ساتھ نکاح کی ترتیب میں بھی اختلاف ہے نیز کچھ ازواج مطہرات کا انتقال حضور ﷺ کے بعد ہوا اور کچھ ازواج سے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نوبت آئی اور کچھ سے اس سے پہلے ہی مفارقت ہوگئی کچھ ایسی تھیں جن کو پیغام نکاح بھیجا تھا لیکن ان سے نکاح نہیں کیا کچھ نے خود اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا وغیر ذلک ان سب کی تعداد میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور جامع الاصول میں یہ سب اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

لیکن حدیث وسیرت کی مستند روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

① حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد۔ ② حضرت سودہ بنت زمعہ۔ ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ۔ ④ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب۔ ⑤ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ⑥ حضرت ام سلمہ۔ ⑦ حضرت زینب بنت جحش۔ ⑧ حضرت ام حبیبہ۔ ⑨ حضرت جویریہ بنت حارث۔ ⑩ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب۔ ⑪ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن۔

ان میں سے دو یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا انتقال حضور ﷺ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔

تمام ازواجِ مطہرات فرق مراتب کے باوجود اس شرف میں یکساں طور پر شریک ہیں کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہے اور جو خصوصی احکام ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئے ہیں ان میں بھی تمام برابر طور پر شریک ہیں مثلاً قرآن پاک کا ارشاد ہے: وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ط یعنی حضور ﷺ کی ازواج تمام مومنین کی مائیں ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہر امتی اور مومن شخص کے لئے ان میں کسی کے ساتھ بھی نکاح کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے جس طرح کہ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بالا جماع کی آپ ﷺ کی پہلی بیوی ہیں اور بالا جماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپؓ سے مقدم نہیں ان کے والد خویلد بن اسد مکہ کے ایک دولت مند اور معزز تاجر تھے اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا قصی پر پہنچ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے آپؓ کا پہلا نکاح ابو ہالہ بن

زرارہ تمیمی سے ہوا جس سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے اور یہ دونوں مشرف باسلام ہوئے اور دونوں صحابی ہیں ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے حلیہ نبوی کے متعلق مفصل روایت انہیں سے مروی ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی ہند نامی ہوئی اور یہ بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں کچھ عرصہ بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پھر بیوہ ہو گئیں پھر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۵ یا ۳۶ سال ہوئی تو ان کے والد خویلد کا بھی انتقال ہو گیا اب تجارتی کاروبار کی ذمہ داری خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنبھالنی پڑی۔

نفیسہ بنت منیبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملی اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح سے کیا چیز مانع ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر سے کفایت کئے جائیں اور مال، جمال اور کفایت کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی جائے یعنی پھر تو کوئی عذر نہ ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا وہ کون ہے میں نے کہا خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے اس پیغام کو قبول کر لیا اور نکاح کے لئے راضی ہو گئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب مع اعیان خاندان کے جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ پچیس سال تھی۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔

انہیں کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ اور دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق نکاح کے پانچ سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام قاسم رکھا گیا انہیں کے نام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی زینب پیدا ہوئیں ان دونوں (یعنی قاسم و زینب) کی پیدائش آغاز نبوت سے پہلے ہی ہوئی اس کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا گیا ان کی پیدائش دور نبوت میں ہوئی اسی لئے ان کو طیب اور طاہر کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے ان کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہو گیا پھر ان کے بعد مسلسل تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں یعنی رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

وفات: جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا عقد نہیں کیا ۱۰ھ نبوی میں ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں انتقال ہوا اور حجون میں دفن ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں

ہوئی تھی۔ پچیس سال آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضائل: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے بیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

حضرت خدیجہ دولت مند شریف الطبع خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن وجمال، باطنی محاسن واخلاق جیسے اوصاف حسنہ میں بھی ممتاز تھیں اور اپنی تمام دولت حضور ﷺ کے قدموں میں گویا نچھاور کردی اور آپ ﷺ کو تمام فکروں سے آزاد کردیا چنانچہ سورہ والضحیٰ میں اللہ پاک کا ارشاد: "ووجدك عائلا فاغنٰی" اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے حضور ﷺ کے ذریعہ آپؓ کو اللہ تعالیٰ کا اور اپنا سلام بھیجا اور جنت میں موتیوں کے محل کی خوشخبری دی۔

مختلف روایات میں حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھن کو تمام عورتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ ان کی خدمات واحسانات کا ذکر ان کی وفات کے بعد بھی بکثرت فرماتے رہتے تھے جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ان پر بہت رشک آتا تھا اور اسی احسان شناسی کے جذبہ کی وجہ سے حضور ﷺ بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تعلق رکھنے والی سہیلیوں کے پاس بھیجتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب فطری جذبہ کی وجہ سے یہ کہا کہ آپ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر بکثرت کرتے ہیں جیسے اس دنیا میں ان کے علاوہ کوئی اور عورت ہی نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایسی تھی ویسی تھی یعنی ان کے فضائل اور خصوصیات بیان فرمائیں اور یہ فرمایا کہ ان سے میری اولاد بھی تھی۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں اور لوئی بن غالب پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصار یہ ہے انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تھیں حضرت سودہؓ ابتداء نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا۔ صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہؓ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہوگیا ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی چھوڑا۔ عبدالرحمٰن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولا میں شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین تھے اور تین کمسن بچیوں کی وجہ سے پریشان تھے ایک دن خولہ بنت کلیم نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام آسی سے تھا خولہ نے کہا کیا میں آپ ﷺ کے لئے کہیں پیام نہ دوں

آپ ﷺ نے فرمایا مناسب ہے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری نگاہ میں کون ایسی خاتون ہے جس کو تم ان حالات کے مناسب سمجھتی ہو انہوں نے سودہ بنت زمعہ کا نام لیا جو بیوہ اور سن رسیدہ تھیں آپ ﷺ نے ایمان میں ان کی سابقیت، پھر حبشہ کی طرف ہجرت اور سکران کی وفات کے بعد ان کے صدمہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ اور خولہ سے فرمایا تم خود ہی ان کو میرا پیغام پہنچاؤ۔ حضرت خولہ نے ان تک پیغام پہنچایا تو انہوں نے دل وجان سے اس پر رضا وخوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ بہتر ہے تم میرے والد سے بھی بات کرلو حضرت خولہ نے ان کے والد سے بات کی تو انہوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کردی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ تم سودہؓ سے بھی دریافت کرلو حضرت خولہؓ نے کہا کہ ان کی رضامندی میں پہلے معلوم کرچکی ہوں اس طرح حضرت سودہؓ کا حضور ﷺ سے نکاح ہوگیا اس وقت ان کی عمر قریبا پچاس سال تھی نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرمانے تک تین سال منکوحہ رفیقہ حیات کی حیثیت سے تنہا وہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ ﷺ کی ازواج میں اٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کئے دیتی ہوں آپ ﷺ نے اس کو منظور فرمالیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طلاق دے دی تھی بعد میں رجوع فرمالیا۔

حضرت سودہ کا قد لمبا اور بدن بھاری تھا مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کو ہنساتیں، سیرچشمی، دنیا سے بے رغبتی اور فیاضی آپؓ کے خاص اوصاف تھے حضور ﷺ کے رحلت فرمانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروقؓ ان کا بہت زیادہ احترام اور خیال رکھتے تھے اور ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہموں کی ایک تھیلی آپؓ کی خدمت میں بھیجی۔ لانے والے سے دریافت کیا کیا تھیلی میں کھجوریں ہیں انہوں نے کہا نہیں اس میں درہم ہیں آپؓ نے فرمایا کھجوریں ہوتیں تو کھانے کے کام آجاتیں یہ کہہ کر تھیلی لے لی اور اس میں بھرے ہوئے تمام درہم حاجت مندوں میں تقسیم فرمادیئے۔ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں تقریبا ۵۷ سال کی عمر میں حضرت عمر فاروق کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا وعن ابیہا

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں اور والدہ ماجدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی حضرت سودہؓ کے بعد یا متصل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا خولہ بنت حکیم نے جب حضرت سودہ کو پیغام دیا اسی وقت حضور ﷺ کی اجازت سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی پیغام نکاح دیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیام دیا تھا جس کو میں منظور کرچکا ہوں اور خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی یہ کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم کے گھر گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں ان کا خیال پوچھا تو مطعم نے اپنی بیوی سے رائے لی تو اس نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہیں میرا بیٹا بھی صابی یعنی بے

دین نہ ہو جائے گویا اس نے انکار کر دیا اور مطعم نے کہا کہ میری بھی یہی رائے ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ اب وعدہ کی ذمہ داری ان پر باقی نہیں رہی گھر واپس آ کر خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا آپؓ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی ہجرت کے سات' آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینے میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی اس وقت آپؓ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی ۹ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال کی تھی اڑتالیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی قاسم بن محمد' عبداللہ بن عبدالرحمن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپؓ کو قبر میں اتارا۔

فضائل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں تم کو سلام کہتے ہیں میں نے وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران' آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں سوائے مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

① : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

② : نکاح سے بیشتر فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح کریں اور اسی مضمون کی اور روایات بھی اس فصل میں بیان کی گئیں ہیں۔

③ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

④ : اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

⑤ : آسمان سے میری برأت میں متعدد آیات نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

⑥ : میں نے جبرائیل کو دیکھا میرے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی نے جبرائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا۔

⑦ : جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

⑧ : میری باری کے دو دن اور دو راتیں تھیں اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی ایک دن اور ایک رات تو خود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا اور دوسرا دن حضرت سودہؓ کی باری کا تھا جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔

⑨: انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

⑩: وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علمی مقام کا یہ عالم تھا کہ اکابر صحابہ کو کبھی کسی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل یا دقت پیش آتی تو انہیں سے اس کا حل معلوم کرتے۔

امّ المؤمنین حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ عنہا وعن ابیہا

حضرت حفصہؓ حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی ہیں والدہ کا نام زینب بنت مظعونؓ ہے جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تنہا حقیقی بہن تھیں بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے گویا اس لحاظ سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۳۵ سال چھوٹی تھیں پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں غزوہ بدر کے بعد خنیس کا انتقال ہو گیا۔

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا سوچ کر جواب دوں گا اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عذر کر دیا کہ میرا ارادہ نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا کہ آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دوں ابو بکر رضی اللہ عنہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا جس سے مجھے ملال ہوا تین چار ہی روز گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اس کے بعد ابو بکر صدیقؓ سے ملنا ہوا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو۔ میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے اس لئے سکوت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح فرمایا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دے دی تو جبرائیل امین وحی لے کر نازل ہوئے **ارجع حفصة فانها صوامة قوامة وانها زوجتك في الجنة** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہؓ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور بہت عبادت گزار عورت ہے اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع فرما لیا۔

یہ بات تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ طلاق کے اس واقعہ کا اصل سبب کیا تھا۔

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی حضرت معاویہ کا زمانہ خلافت تھا مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی تاریخ وفات میں اور بھی اقوال ہیں مشہور قول مذکورہ بالا ہی ہے۔

امّ المومنین حضرت امّ سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا

امّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپؓ کی کنیت تھی ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قریشی مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیع تھا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا۔ انہیں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہیں کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آکر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

ابوسلمہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئیں غزوہ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہو گیا غرہ محرم الحرام ۴ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہؓ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا اسی زخم سے ۸ جمادی الآخریٰ ۴ھ میں انتقال ہو گیا۔

امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا للہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے: **اللھم عندك احتسب مصیبتی ھذہ اللھم اخلفنی فیھا بخیر منھا** یعنی اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابوسلمہؓ سے بہتر کون ملے گا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کا پیام دیا تو امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے چند عذر پیش کئے۔

① : میرا سن زیادہ ہے۔
② : میں عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔
③ : میں بہت غیور ہوں (مبادا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی رہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔

ماہ شوال ۴ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں مسند بزار میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی ابن اسحاق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی۔

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۷ھ جو میں انتقال ہوا واقدی کہتے ہیں

۵۹ھ میں انتقال ہوا اور ایک قول ۶۱ھ اور دوسرا قول ۶۲ھ کا ہے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔

فضائل: امّ المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا فضل اور کمال حسن و جمال، فہم اور فراست عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا۔ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کچھ نہ فرمائیں آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانور ذبح کردیئے اور حلق کرا لیا یہ عقدہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔

حسن و جمال کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا...... حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان ہی میں نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر یہ دعا کی: **اللهم هؤلآء اهل بيتي فطهرهم تطهيرا**۔ یہ سن کر حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبیؐ میں بھی تو ان کے ساتھ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انت على مكانك وانت على خير** یعنی تم تو اہل بیت میں ہو ہی اور تم خیر پر بھی ہو۔

ایک مرتبہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں ہے ان کی اس طلب اور خواہش پر آیت کریمہ: **ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات**...... نازل ہوئی۔

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو احادیث رسول بکثرت یاد تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے صحابہ کرام اور تابعین نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں محدثین نے آپؓ کی مرویات کی تعداد ۳۷۸ بیان کی ہے۔ رضی اللہ عنہا وراضاہا۔

امّ المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں پہلے ان کا نام برہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ و آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت زیدؓ چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینبؓ ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور عرب کا دستور تھا کہ وہ موالی سے مناکحت کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اسی بناء پر اولاً حضرت زینب نے حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے سے انکار کردیا لیکن آیت کریمہ **وما كان لمومن ولا مومنة**...... نازل ہونے کے بعد نکاح پر راضی ہوگئیں لیکن نکاح

کے بعد حضرت زیدؓ ان کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہی رہے اس لئے گھر میں باہم لڑائی جھگڑے رہے حضرت زید نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا اور طلاق دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور ﷺ نے یہ فرما کر طلاق دینے سے منع فرما دیا کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے اس لئے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔

جب لڑائی جھگڑے زیادہ پیش آتے رہے تو آپ ﷺ کے دل میں خیال گزرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دے دے تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کرلوں لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔

آپ ﷺ کو بطور پیشینگوئی بتلا دیا گیا تھا کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ﷺ کا زینب سے نکاح ہوگا لیکن آپ ﷺ نے اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور یہ خیال کیا کہ وقت آنے پر خود سب کچھ ظاہر ہو جائے گا آخر کار ایک دن حضرت زیدؓ نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے تنگ آکر زینب کو طلاق دے دی ہے آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔

جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوگئی تو حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ ہی کو پیغام نکاح دے کر بھیجا انہوں نے ان کے مکان پر جا کر حضور ﷺ کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ میں استخارہ کر کے جواب دوں گی چنانچہ گھر میں جو نماز کی مخصوص جگہ تھی وہاں جا کر استخارہ میں مشغول ہوگئیں۔

چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں براہ راست اللہ پاک سے مشورہ چاہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت تھی کہ زمین پر اس کا اعلان ہو چنانچہ جبرائیل علیہ السلام فلما قضٰی زید...... یہ آیت لے کر نازل ہوئی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب ۴ھ میں آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ھ میں آپ سے نکاح ہوا بوقت نکاح حضرت زینب کی عمر ۳۵ سال تھی اور مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

چونکہ یہ نکاح اللہ جل شانہ نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا ایک بکری ذبح کرائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی۔

فضائل: حضرت زینبؓ ازواج مطہرات سے بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا یہ حقیقت میں فخر نہ تھا بلکہ تحدیث بالنعمۃ تھی فرط مسرت اور منعم کی محبت اس عظیم الشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی اس کو سنتے تھے اور سکوت فرماتے تھے۔

ایک حدیث مرسل میں ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ یارسول اللہ ﷺ میں تین وجہ سے

آپ ﷺ پر ناز کرتی ہوں۔

①: میرے اور آپ ﷺ کے جدامجد ایک ہی ہیں یعنی عبدالمطلب ایک روایت میں ہے کہ میں آپ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔

②: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

③: جبرائیل امین اس بارہ میں مساعی رہے۔

منافقین نے جب عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تو حضرت زینب کی بہن حمنہ بنت جحش بھی اپنی سادہ لوحی سے اس میں شریک ہو گئیں لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے عائشہ کے متعلق حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت زینب نے یہ جواب دیا یارسول اللہ ﷺ میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں (یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں) خدا کی قسم عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت زینب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اگر چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن یہ کمال تقویٰ ہے کہ ایسی کوئی بات نوک زبان پر نہ لائیں اور حصر اور قسم کے ساتھ یہ کہا کہ میں ان میں بھلائی اور خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

ایک مرتبہ مال فئی مہاجرین میں تقسیم کیا جا رہا تھا کہ حضرت زینب درمیان میں بول پڑیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ ان کو رہنے دو یعنی زینب سے تعرض نہ کرو اس لئے کہ یہ اواہ ہے ایک شخص کے پوچھنے پر اواہ کا معنی بیان فرمایا کہ اواہ خاشع اور متضرع کو کہتے ہیں۔

اسی طرح ان میں صفت جود و سخا بھی انتہا درجے کی پائی جاتی تھی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب کے پاس سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور فرمایا اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھے لوگوں نے عرض کیا یہ سب آپ کے لئے ہے حضرت زینب نے فرمایا سبحان اللہ اور اپنے اور سامان کے درمیان کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر نہ آئے اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ اور پھر مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپؓ کی مغفرت فرمائے آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے آپؓ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ انتقال فرما گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

امّ المؤمنین زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش کے علاوہ زینب نام کی آپ ﷺ کی ایک اور زوجہ مطہرہ بھی تھیں جن کا پورا نام زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ہے والد کا نام خزیمہ اور والدہ کا نام ہند بنت عوف یا خولہ بنت عوف ہے جن کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا ان ہی ہند کی بیٹی امّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں ان دونوں کی ماں ایک ہیں لیکن والد الگ الگ ہیں حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات کے کئی سال بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلا نکاح عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ عبداللہ بن جحش غزوہ احد ۳ھ شوال میں شہید ہو گئے تھے انکی شہادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ناتمام بچہ پیدا ہوا جس سے ان کی عدت ختم ہوگئی اور ذی الحجہ ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا ابھی نکاح کو صرف تین مہینے ہی گزرے تھے کہ امّ المؤمنین زینب بنت خزیمہ کا انتقال ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئیں وفات کے وقت ان کی عمر صرف تیس سال تھی۔

فضائل: حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں اپنی ذاتی خوبیوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہونے کا شرف پھر آپ ہی کے سامنے وفات پانا اور آپ ﷺ کا خود نماز جنازہ پڑھانا اور اپنی نگرانی میں جنت البقیع میں دفن کرنا یہ بھی بڑی خوبی اور فضیلت کی بات ہے۔

امّ المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا جو غزوہ مریسیع میں مارا گیا اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے ان میں جویریہ بھی تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور چار سو درہم مہر مقرر کیا آپ ﷺ کی زوجیت میں ۵ھ میں آئیں اس وقت آپ رضی اللہ عنہا بیس سال کی تھیں اور ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

فضائل: حضرت جویریہ کو عبادت کا خاص ذوق تھا عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی ایک روز رسول اللہ ﷺ علی الصبح تشریف لائے تو وہ اپنی مسجد میں عبادت میں مشغول تھیں آپ ﷺ واپس چلے گئے نصف النہار کے قریب پھر تشریف لائے اور ان کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھ کر فرمایا تم اس وقت سے ابھی تک اسی حالت میں ہو انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو وہ کلمات یہ ہیں **سبحان الله عدد خلقه۔ سبحان الله رضا نفسه۔ سبحان الله زنة عرشه۔ سبحان الله مداد كلماته۔** یہ چاروں کلمات تین تین بار پڑھ لیا کرو۔

ان کے فضائل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی ذات ہی قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں کی آزادی اور ایمان لانے کا ذریعہ بنی۔ (رضی اللہ عنہا وارضاہا)

امّ المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

رملہ آپؓ کا نام اور ام حبیبہؓ آپؓ کی کنیت تھی ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں بعثت سے ۱۷سال پہلے پیدا ہوئیں پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔

ام حبیبہؓ ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں چند روز بعد عبیداللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ شوہر کے نصرانی ہونے سے پہلے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائیں جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے اس کو خواب سنا کر متنبہ کیا مگر اس کو کچھ اثر نہ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا۔

چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا امّ المؤمنین کہہ کر آواز دے رہا ہے فرماتی ہیں جس سے میں گھبرائی۔ عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھوں نجاشی کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھیج کر ان کی رضامندی معلوم کی جس کو حضرت ام حبیبہؓ نے بخوشی قبول کر لیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو درہم مہر مقرر کر کے نکاح کر دیا اور اسی وقت وہ چار سو درہم خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے لوگ جب اٹھنے لگے تو نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھیے حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے۔

۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور بعض کے نزدیک دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہٰذا اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۴ سال تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے میں نے کہا سب معاف ہے اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ ام حبیبہ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم نے مجھے خوش کیا اللہ تعالیٰ تجھے بھی خوش رکھے پھر امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔

فضائل: امّ المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا تھا وہ اولین ایمان

لانے والوں میں ہیں حالانکہ ان کے والد ابوسفیان بہت دیر بعد فتح مکہ کے قریب ایمان لائے تھے اسی طرح گھر کے دوسرے افراد بھی دیر ہی سے مسلمان ہوئے تھے ایسے حالات میں ام حبیبہؓ کا اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں مشرف باسلام ہو جانا اور اپنے گھر والوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا اور اسلام کی خاطر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانا پھر جب ان کا شوہر حبشہ جا کر مرتد ہو گیا تو بھی اپنے ایمان کو بچائے رکھنا اور دین اسلام پر ثابت قدم رہنا بڑی ہمت اور اولوالعزمی کی بات ہے۔

اسی طرح ابوسفیانؓ کے آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو لپیٹ دینا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی محبت وعقیدت کا پتہ دیتی ہے۔

حدیث کی کتابوں میں ان کے متعلق اتباع سنت کے اہتمام کے بہت سے واقعات مذکور ہیں آخرت کے حساب وکتاب سے بہت ڈرتیں اور صفائی معاملات کا بہت خیال کرتیں تھیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے اپنی سوکنوں سے مرض الوفات میں تمام کہا سنا معاف کرالیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اور بالواسطہ متعدد روایات نقل کی ہیں جو صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بھائی معاویہ، بیٹی حبیبہ اور بعض دیگر صحابہ وتابعین ہیں۔(رضی اللہ عنہا وارضاہا)

امّ المؤمنین صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ حیی بن اخطب بنی نضیر کے سردار کی بیٹی تھیں حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا والدہ کا نام ضرہ تھا جو بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا۔سلام کے طلاق دے دینے کے بعد کنانۃ بن ابی الحقیق سے نکاح پیدا ہوا کنانہ غزوہ خیبر میں مقتول ہوا اور یہ گرفتار ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا خیبر سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔

ولیمہ عجیب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور حضرت انسؓ سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہے وہ لے آئے کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھالیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔

مقام صہبا میں تین روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ امّ المؤمنین ہیں ام ولد نہیں۔

نکاح کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایک خواب کا واقعہ بھی سنایا۔انہوں نے بتلایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اسی زمانہ میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گرا ہے میں نے اپنے شوہر کو یہ خواب سنایا تو اس نے میرے چہرے پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ چہرہ پر اس کا نشان پڑ گیا اور کہا کہ تو

بادشاہ عرب کو اپنا شوہر بنانے کی خواہش کرتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ کی وفات رمضان ۵۰ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں بعض حضرات نے سن وفات ۵۲ھ ذکر کی ہے مشہور قول ۵۰ھ ہی کا ہے۔

فضائل: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عقل منداور سمجھ دار تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا تھا کہ گھر جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں لیکن انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا وہ بہت زیادہ حلیم اور بردبار تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت دلداری فرماتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو ہیں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہونے کا بھی شرف رکھتی ہیں اور تم تو یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو میرے باپ ہارون علیہ السلام ہیں اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں کوئی نامناسب کلمہ کہہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ناگواری کا اظہار فرمایا اسی طرح حضرت زینب بنت جحش نے انہیں یہودیہ کہہ دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انها اسلمت وحسن اسلامها یعنی وہ پکی مومنہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی ہفتہ حضرت زینب کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔

انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت غیر معمولی محبت اور تعلق تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں جب مرض کی تکلیف بہت زیادہ ہوئی تو حضرت صفیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! واللہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ تکلیف بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھے ہو جاتی بعض ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا گویا ان کو اس کلام کی صداقت میں شک تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا واللہ انها لصادقة خدا کی قسم یہ اپنی بات میں سچی ہے آپؓ بہت سخی تھیں جب پہلی بار مدینہ طیبہ آئی ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بعض ازواج مطہرات کو اپنے زیور عنایت فرمائے۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت صفیہ ان کی امداد کے ارادے سے نکلیں لیکن باغیوں نے ان کو آگے نہ جانے دیا واپس تشریف لے آئیں اور پھر حضرت حسنؓ کے ذریعہ ان کے گھر کھانے پینے کا سامان بھیجنے کا انتظام فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد روایات ان کے واسطے سے محدثین نے نقل کی ہیں ان کے تلامذہ میں حضرت زین العابدینؒ حضرت اسحاق بن عبداللہ' حضرت مسلم بن صفوان حضرت کنانہ اور حضرت یزید بن معتب وغیرہ تابعین کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

میمونہ رضی اللہ عنہا آپؓ کا نام ہے والد کا نام حارث اور والدہ کا نام ہند ہے اور یہی ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ کی والدہ ہیں حضرت زینب اور حضرت میمونہ کی والدہ ایک ہیں اور والد علیحدہ علیحدہ ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم اور مشہور تابعی حضرت یزید بن اصم کی خالہ ہیں۔ حضرت میمونہ کی بہن ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں اور دوسری بہن حضرت اسماء حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں ان کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے پیام دیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کیا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر دیا اور مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد کا ہے ابھی نکاح نہیں ہو سکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء (۷ھ) کی نیت سے مکہ کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور حضرت میمونہ بھی تھیں اثناء سفر ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ امام بخاریؒ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم تھے مکہ سے چل کر مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی تھیں جن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔

۵۱ھ میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال فرمایا جہاں عروسی ہوئی تھی اور وہیں دفن ہوئیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا۔ تین اول الذکر آپؓ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپؓ کے پروردہ یتیم تھے۔

فضائل: ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی ہیں ذی قعدہ ۷ھ میں ان کا نکاح ہوا ہے اور ربیع الاول ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تین سال کے قلیل عرصہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بہت علم و فضل حاصل کیا بہت سی دینی معلومات اور مسائل جو اکابر صحابہ کرام کو بھی معلوم نہ ہوتے تھے ان کے علم میں ہوتے تھے خصوصاً عورتوں سے متعلق مسائل اور غسل وغیرہ کے بعض مسائل کی احادیث کتب حدیث میں انہیں کے واسطے سے مروی ہیں ان سے کل چھیالیس حدیثیں مروی ہیں جن میں سات متفق علیہ یعنی صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہیں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں باقی حدیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کمال ایمان کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا الاخوات مومنات میمونہ ام الفضل و اسماء یعنی میمونہ ام فضلؓ اور اسماء تینوں بڑے درجے کی صاحب ایمان بہنیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے متعلق فرماتی ہیں انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم یعنی حضرت میمونہ ہم لوگوں میں خوف خدا اور صلہ رحمی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

ان کے بھانجے یزید بن الاصم ذکر کرتے ہیں کہ ہماری خالہ بہت کثرت سے نماز پڑھتی تھیں گھر کے کام خود کرتی تھیں اور

مسواک کرنے کا خاص اہتمام فرماتی تھیں غلام آزاد کرنے کا شوق تھا ایک دفعہ باندی آزاد کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی اللہم کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں اور امہات المؤمنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا جیسے اسماء بنت نعمان جونیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔

کنیزیں

آنحضرت ﷺ کی چار کنیزیں تھیں جن میں سے دو مشہور ہیں۔

① ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا: یہ آپ ﷺ کی ام ولد ہیں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہیں کے بطن سے ہیں ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں انتقال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

② ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا: یہ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ ﷺ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ھ میں انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔

③ نفیسہ: نفیسہ اصل میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کی باندی تھیں حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ﷺ ناراض رہے جب آپ ﷺ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ ﷺ کو ہبہ کر دی تھی۔

④ ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

بَابُ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ

مناقب کا جامع بیان

مؤلف نے اس باب کے تحت بعض مشاہیر صحابہ مثلاً خلفاء، اہلبیت، عشرہ مبشرہ، ازواج مطہرات، مہاجرین، انصار وغیرہ کے فضائل کی احادیث بیان کی ہیں لیکن کسی جماعت و زمرہ کی تخصیص اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ باب نہیں باندھا۔

الفصل الاول:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مرد صالح ہونے کی شہادت

٦١٩٦: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ فِيْ يَدِيْ سَرَقَةً مِّنْ حَرِيْرٍ لَا اَهْوِيْ بِهَا اِلٰى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ اِلَّا طَارَتْ بِهٖ اِلَيْهِ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخَاكَ رَجُلٌ صَالِحٌ اَوْ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه حدیث رقم ٧٠١٥ والترمذی فی السنن ٦٣٨/٥ حدیث رقم ٣٨٢٥ والدارمی ٣٥٩/٢ حدیث رقم ٢٦٣٨۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ گویا میرے ہاتھ میں ریشم کے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور میں ریشمی ٹکڑے کے ذریعہ جنت کے جس محل کی طرف بھی جانے کا ارادہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھ کو اڑا کر وہاں تک پہنچا دیتا ہے (یعنی مجھ کو ایسا لگا جیسے وہ ٹکڑا میرے لئے پنکھ بن گیا ہے اور میں جنت کے جس بلند درجہ و محل تک جانا چاہتا ہوں اس پنکھ کے ذریعہ اڑ کر پہنچ جاتا ہوں)' پھر میں نے یہ خواب (اپنی بہن ام المؤمنین) حفصہ سے بیان کیا اور انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ تمہارا بھائی نیک مرد ہے یا یہ الفاظ فرمائے بلاشبہ عبداللہ نیک مرد ہے''۔ (بخاری و مسلم)

عرض مرتب:

یہاں پر ملا علی قاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات بیان کئے تھے ہم نے ہر جگہ پر حالات راوی حذف کر دیئے ہیں اور ایک مستقل کتاب الاکمال کے تحت اس کے آخر میں التزام بھی کر دیا ہے اور راویٔ حدیث کے تحت بھی متعلقہ جگہوں پر لگا دیئے ہیں۔

تشریح: کأن: نون کی تشدید کے ساتھ، حرف مشبہ بالفعل ہے، برائے ملاحظہ فی التعبیر ذکر کیا گیا ہے۔ (فی یدی): اور ایک نسخہ میں تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ (سرقة): سین اور راء کے فتحہ کے ساتھ، (من حرير): کائنة سے متعلق ہو کر سرقۃ کی صفت ہے۔ (لا أهوی): واؤ کے کسرہ کے ساتھ۔

باء برائے تعدیہ ہے۔ (فقصصتها...... صالح): مصابیح کے ایک شارح فرماتے ہیں: کہ سرقہ ان کا عمل صالح تھا، اور اس ٹکڑے کا سفید ہونا درحقیقت نفسانی کدورتوں سے منزہ، اور خواہشات نفسانی سے مبرا ہونا تھا۔ اھ۔ خواب کی اس تعبیر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ مصابیح میں سرقة من حرير بيضاء کے الفاظ آئے ہیں۔ واللہ اعلم

تخریج: میرکؒ نے فرمایا: مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: أرى عبد الله رجلا صالحا. سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث امام نسائی اور امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ طور طریقہ اور سیرت وکردار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے

۶۱۹۷ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّ اَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابْنُ اُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِ لَا نَدْرِيْ مَا يَصْنَعُ فِيْ اَهْلِهِ اِذَا خَلَا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری ف صحيحه ۵۰۹/۱۰ حديث رقم ۶۰۹۷ والترمذی فی السنن ۶۳۱/۵ حديث رقم ۳۸۰۷ و احمد فی المسند ۳۹۴/۵۔

ترجمہ: ''حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ وقار' میانہ روی اور راست روی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا آدمی ام عبد کا بیٹا (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) ہے۔ اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت سے اس وقت تک کہ جب وہ گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ جب وہ گھر والوں کے درمیان یعنی گھر میں اہل وعیال کے ساتھ یا تنہا ہوتے ہیں تو ہم کو علم نہیں کہ وہ کس حال میں ہوتے''۔ (بخاری)

تشریح: (قال...... دلا): دال مہملہ کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ' بمعنی طریقة. (برسول الله ﷺ): جار مجرور أشبه کے متعلق ہے۔ (لابن أم عبد): ان کی خبر ہے اور لام' لام تاکید ہے۔ اس سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ ان کی والدہ کی کنیت ام عبد تھی۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: دلّ کے قریب قریب وہی معنی ہیں جو هدي کے ہیں۔ اور یہاں اس حدیث میں اس لفظ سے سکینت اور وقار کے معنی مراد ہیں۔ اور وہ چیز جو کسی انسان کی ظاہری حالت وخوبی اور خوش کلامی پر دلالت کرے۔ اور سمت سے مراد ہے امور میں میانہ روی اور ہدی سے مراد حسن سیرت اور پسندیدہ طریقہ پر چلنا ہے۔ شارح کا کہنا ہے کہ سمت، اہل خیر کی حالت سے استعارہ ہے۔ (من...... يخرج): جار مجرور أشبه سے متعلق ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لا ندری: جملہ متانفہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم ظاہری احوال ہی کے بارے میں گواہی دے سکتے ہیں۔ باطن کا حال ہمیں معلوم نہیں (کہ اندر کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے)۔ (رواه البخاری).

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے تکلفانہ رویہ

۶۱۹۸ : وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْتُ اَنَا وَاَخِيْ مِنَ الْيَمَنِ فَمَكَثْنَا حِيْنًا مَا نُرٰى اِلَّا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰى مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ اُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰۲/۷ حديث رقم ۳۷۶۳ ومسلم فی صحيحه ۱۹۱۱/۴ حديث رقم (۱۱۰-۲۴۶۰) والترمذی فی السنن ۳۷۶۳

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے (مدینہ منورہ)

آئے تو (یہاں در نبوت پر) ایک عرصہ تک مقیم رہے' اس دوران ہم نے ہمیشہ یہی خیال کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ایک مرد ہیں' کیونکہ ہم ان کو اور ان کی والدہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (کثرت کے ساتھ) آتے جاتے دیکھا کرتے تھے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: فمکثنا: کاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، (وما نری): نون کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ، جیسا کہ امام نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ بمعنی ما نظن. (الا...... نری): نون کے فتحہ کے ساتھ۔ (علی النبی ﷺ): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ما نری جملہ حالیہ ہے مکثنا کی ضمیر فاعل سے۔ اور ''حینا'' کی صفت بھی بن سکتا ہے۔ معنوی تقدیر یوں ہوگی: زمانا غیر ظانین فیہ شیئا الاکون عبد اللہ بن مسعود کذا.

ابن مسعودؓ سالمؓ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے قرآن سیکھنے کا امر

۶۱۹۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَقْرِؤُا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِّنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَاُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰۲/۷ حدیث رقم ۳۷٦۰ ومسلم فی صحیحه ۱۹۱٤/٤ حدیث رقم (۱۱۸-۲٤٦٤) و احمد فی المسند ۱۸۹/۲۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن (کی تعلیمات) ان چار آدمیوں سے حاصل کرو عبداللہ بن مسعودؓ سے' ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ سے' ابی بن کعبؓ سے اور معاذ بن جبلؓ سے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (أن...... أربعة): استقروُا، کا ہمزہ برائے طلب ماخذ ہے۔ ان چار سے سیکھنے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ چاروں حافظ قرآن تھے۔ (من...... مسعود): من، بیانیہ ہے۔ (وسالم...... جبل): شرح مسلم میں ہے کہ: ان چاروں حضرات صحابہ کرام نے قرآن کریم براہ راست سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر لیا تھا، جب کہ اوروں نے دوسرے حضرات سے قرآن سیکھا تھا۔ یا ان چاروں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ انہوں نے اپنے آپ کو تعلیم قرآن کے لئے فارغ کر لیا تھا۔ یا یہ بتلانا مقصود تھا کہ میری وفات کے بعد ان چاروں کو (تعلیم قرآن کے مسئلے میں) تقدم حاصل ہے۔ اور یہ کہ یہ چاروں بڑے قاری ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمارؓ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۰۰: وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَدِمْتُ الشَّامَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَاَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ اِلَيْهِمْ فَاِذَا شَيْخٌ قَدْ جَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِيْ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا

اَبُوْدَرْدَاءِ قُلْتُ اِنِّیْ دَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّسَیِّرَ لِیْ جَلِیْسًا صَالِحًا فَیَسَّرَكَ لِیْ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ اَھْلِ الْكُوْفَةِ قَالَ اَوَلَیْسَ عِنْدَكُمُ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَیْنِ وَالْوِسَادَةِ وَالْمِطْھَرَةِ وَفِیْكُمُ الَّذِیْ اَجَارَهُ اللّٰہُ مِنَ الشَّیْطٰنِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ یَعْنِیْ عَمَّارًا اَوَلَیْسَ فِیْكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُهٗ غَیْرُهٗ یَعْنِیْ حُذَیْفَةَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۰/۷ حدیث رقم ۳۷۴۲۔ والترمذی فی السنن ۶۳۳/۵۔حدیث رقم ۳۸۱۱ والنسائی فی السنن ۲۳۲/۱ حدیث رقم ۴۶۵ و احمد فی المسند ۴۵۰/۶۔

ترجمہ: ''حضرت علقمہؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ جب میں ملک شام پہنچا تو (دمشق کی جامع مسجد میں حاضر ہو کر میں نے وہاں) دو رکعت نماز پڑھی اور پھر میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھ کو نیک ہم نشیں عطا فرما! پھر میں ایک قوم میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک ایک بزرگ آئے اور میرے پہلو میں (یعنی میرے قریب) بیٹھ گئے۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا کہ یہ (بزرگ) کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ (مشہور صحابی) حضرت ابو درداءؓ ہیں۔ (میں یہ سن کر خوشی سے کھل اٹھا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے) میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھ کو نیک ہم نشین عطا فرما اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہم نشینی مجھ کو عطا فرمائی (یہ سن کر) حضرت ابو درداءؓ نے (مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں (اور وہیں سے آیا ہوں)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہا کہ کیا تمہارے یہاں (کوفہ میں) ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود نہیں جو صاحب النعلین، صاحب وسادہ و مطہرہ ہیں (یعنی آپ ﷺ کے نعلین اٹھانے والے، آپ ﷺ کا بستر صاف کرنے والے اور آپ ﷺ کے لیے وضو کے پانی کا انتظام کرنے والے اور حضور کے جو راز دان ہیں موجود نہیں ہیں؟ اور وہ صاحب نہیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی لسان مبارک کے ذریعہ شیطان سے پناہ و امان عطا کی ہے۔ یعنی عمارؓ اور کیا تمہارے یہاں وہ صاحب نہیں ہیں جن کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا یعنی حذیفہؓ''۔

(بخاری)

تشریح: (لی جلیسا صالحا): نیک ہم نشین سے مراد عالم باعمل ہے، یا وہ شخص کہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے۔ مروی ہے کہ: ان اللہ ملائكة تجر الأهل الی أهل.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: عبارت کی تقدیر یہ ہے: رجل من اهل الكوفة۔ تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ یا سوال کی تقدیر یوں ہے: من أين أنت؟ اس صورت میں سوال و جواب میں مطابقت ہو جائے گی۔

ابن الملکؒ کا کہنا ہے کہ درست عبارت یوں ہے: من أين أنت؟ چونکہ جواب میں من أهل الكوفة کہا گیا ہے۔ شاید کہ لفظ أين کتابت سے چھوٹ گیا، یا راویوں سے چھوٹ گیا ہے۔ یا یہ کہ تصحیف ہوگئی کہ أين کو أنت اور من جارہ کو مَنْ استفہامیہ سے۔ اھ

(أو لیس...... الوسادة): واؤ کے کسرہ کے ساتھ۔ (والمطهرة): میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔ القاموس میں ہے: المطهرة بالكسر والفتح اناء یتطهر به. اور الخلاصة میں ہے کہ: فتح المیم فی المطهرة أعلٰی.

(وفیکم): ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے۔اصل ہے :أو لیس فیکم. (عمارا): یہ بعض راویوں کا قول ہے۔(الذی لا یعلمه): ضمیر منصوب متصل کی مراد راز ہے۔(غیرہ): سے مراد حضرت خدیجہؓ ہیں۔ان بھیدوں میں ایک بھید تو یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین اسلام کے نام، ان کے نسب اور نفاق کی علامتیں بتا دی تھیں، جیسا کہ ان کی سابقہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ام سلیم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کا ذکر

۶۲۰۱ : وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِيْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَيْتُ امْرَاَةَ اَبِىْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْخَشَةً اَمَامِىْ فَاِذَا بِلَالٌ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۹۰۸/٤ حدیث رقم (۱۰٦-۲٤٥۷) و احمد فی المسند ۳٦۰/٥

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ کو جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو دیکھا' پھر میں نے اپنے آگے بلالؓ کے قدموں کی چاپ سنی (جو آگے آگے جنت میں چلے جا رہے ہیں)''۔(مسلم)

تشریح: (الجنة): أریت: ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔(سمعت خشخشة): دو خاؤں اور دو شینوں کے ساتھ، صوت یحدث من تحرك الاشیاء الیابسة و اصطکا کہا کالسلاح والغل والثوب.

امام احمدؒ اپنی مسند میں نقل کرتے ہیں:(أن أول من اظهر الاسلام سبعة:رسول اللہ ﷺ...... كذا فی الریاض.

(رواہ مسلم)

تخریج: سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

وہ صحابہ جن کے بارے میں آیت: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ...... نازل ہوئی

۶۲۰۲ : وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْرُدْ هٰؤُلَاءِ لَا يَجْتَرِءُوْنَ عَلَيْنَا قَالَ وَكُنْتُ اَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَجُلٌ مِّنْ هُذَيْلٍ وَبِلَالٌ وَرَجُلَانِ لَسْتُ اُسَمِّيْهِمَا فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَآءَ اَنْ يَّقَعَ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۸۷۸/٤ حدیث رقم ۱۷٤۸/٤٦

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم چھ آدمی تھے (مکہ کے) مشرکین (میں سے بعض سرداروں) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم (اگر چاہتے ہو کہ ہم لوگ تمہارے پاس آئیں جائیں، تمہاری دعوت و تبلیغ سنیں اور قبول اسلام کے بارے میں غور و فکر کریں تو اپنے ساتھیوں

میں سے)ان لوگوں کو(جو آزاد کردہ غلام ہیں اور ہماری سماجی زندگی میں بے وقعت و بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں اپنی مجلس سے)دور رکھو تا کہ یہ لوگ(ہمارے برابر میں بیٹھنے اور ہمارے ساتھ گفتگو میں شریک ہونے کا فائدہ اٹھا کر)ہم پر جری اور دلیر نہ ہو جائیں۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ(ان چھ آدمیوں میں سے)میں' عبداللہ بن مسعودؓ قبیلہ ہزیل کا ایک شخص' بلال اور دو شخص اور تھے جن کے نام میں نہیں بتاتا۔ بہرحال(ان سرداروں کا مطالبہ سن کر)رسول اللہ ﷺ کے خیال میں جو اللہ نے چاہا وہ بات آئی پھر آپ ﷺ نے(اس بارے میں سوچا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ یعنی ان لوگوں کو نہ ہٹایئے جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں اور اس(عبادت و ذکر)سے ان کا مقصد اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا"۔ (مسلم)

تشریح: (وکنت...... هذيل): تصغیر کے ساتھ ہے۔ (وبلال...... أسميهما): میم کی تشدید کے ساتھ، میم کو مخفف پڑھنا بھی درست ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ورد في تفسير الآية: ان المشركين قالوا...... طمعا في ايمانهم.

(ولا تطرد...... بالغداة): غین کے فتحہ، دال' اور اس کے بعد واؤ سے بدلا ہوا الف اور ایک قراءت میں غین کے ضمہ، دال کے سکون اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ (والعشی): الغداة العشي سے مراد دن کے دونوں اطراف۔ (يريدون وجهه): جملہ حالیہ ہے۔ یعنی اپنے رب کی عبادت و ذکر سے ان کا مقصد اپنے رب کی خوشنودی چاہنا ہے، نا کہ دنیا کا مال و متاع وغیرہ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۲۰۳ : وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُوْسٰى لَقَدْ اُعْطِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوٗدَ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۲/۹ حديث رقم ۵۰۴۸ ومسلم في صحيحه ۵۴۶/۱ حديث رقم (۲۳۵-۷۹۳) والترمذي في السنن ۱۵۰/۵ حديث رقم ۳۸۵۵ والنسائي في السنن ۱۸۰/۲ حديث رقم ۱۰۱۹ وابن ماجه ۴۲۵/۱ حديث رقم ۱۷۶ والدارمي ۵۶۳/۲ حديث رقم ۳۴۹۲ و احمد في المسند ۳۴۹/۵۔

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: اے ابوموسیٰ! تمہیں آل داؤد علیہ السلام کی جیسی خوش آواز عطا کی گئی ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (مزمارا): أعطمت: ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ، یعنی صوت حسن اور لحن طیب۔

تخریج: یہ حدیث امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن پاک یاد کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۶۲۰۴ : وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَةٌ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ اَبُوْ زَيْدٍ قِيْلَ لِاَنَسٍ مَنْ اَبُوْ زَيْدٍ قَالَ اَحْمَدُ عُمُوْمَتِیْ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۴۷/۷ حدیث رقم ۳۸۱۰ ومسلم فی صحیحه ۱۹۱۴/۴ حدیث رقم (۱۱۹-۲٤٦٥) و احمد فی المسند ۱۳٤/٥

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار صحابہؓ نے قرآن کو جمع کیا یعنی پورا قرآن حفظ کیا وہ یہ ہیں: ابی بن کعبؓ ' معاذ بن جبلؓ ' زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ابوزیدؓ کون ہیں؟: تو انہوں نے کہا: میرے ایک چچا ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (وأبو...... عمومتی): عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ، عمومة بمعنی اعمام ہے۔ مؤلفؒ اسماء میں ذکر کرتے ہیں کہ: یہ ان خوش قسمت افراد میں سے ہیں، جنہوں نے عہد نبوی میں حفظ قرآن سے اپنے سینوں کو معمور کیا۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے سعید بن عمیر بتایا ہے اور بعض نے کہا: قیس بن السکن اھ۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۲۰۵ : وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِیْ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَی اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَضٰی لَمْ يَاْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مَا يُكَفَّنُ فِيْهِ اِلَّا نَمِرَةٌ فَكُنَّا اِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَاِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَاْسُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوْا بِهَا رَاْسَهٗ وَاجْعَلُوْا عَلٰی رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمْرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۲٦/۷ حدیث رقم ۳۸۹۷ و مسلم فی صحیحه ۱۹۱٦/٤ حدیث رقم (۱۲٦-۲٤٦۸) والترمذی فی السنن حدیث رقم ۳۸۵۳ و احمد فی المسند ۱۱۲/٥

ترجمہ: "حضرت خباب بن ارتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مکہ سے مدینہ) ہجرت کی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ ہمارے اس عمل کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک (محض اس کے فضل و کرم سے دنیا و آخرت میں) ثابت و قائم ہو گیا۔ پھر ہم میں سے بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دنیا کا) کوئی بھی اجر و انعام (یعنی مال غنیمت) پائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے' جن میں سے ایک مصعب بن عمیرؓ ہیں وہ احد کے دن شہید ہوئے ان کے لئے کوئی ایسا کپڑا بھی میسر نہ ہوا (پوری طرح) کفن دیا جا تا سوائے ایک دھاری دار کملی کے۔ (ان کے جسم

پر چیتے کی کھال جیسی سپید وسیاہ دھاروں والی صرف ایک کملی تھی اور وہ بھی اتنی مختصر کہ) جب ہم (اس کملی سے کفن دیتے وقت) مصعبؓ کے سر کو ڈھانکتے تو ان کے دونوں پاؤں کھل جاتے تھے اور جب ان کے پاؤں کو ڈھانکتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ (ان کے کفن کے سلسلہ میں ہماری اس پریشانی کو دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کملی سے سر کی طرف کو ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دو اور ہم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جن کے پھل پک گئے ہیں اور وہ اس پھل کو چن رہے ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: وفي الحديث: ما من غازية...... لهم الثلث.

(منهم مصعب): اسم مفعول کے وزن پر۔ **(ابن عمير)**: تصغیر کے ساتھ ہے۔ **(فلم...... فيه)**: **يكفن**: فاء مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ، **(الا نمرة)**: نون کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ، سیاہ وسفید دھاریوں والی موٹی چادر۔ چنانچہ ہم (ان کے کفن کے بارے میں) ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ **(فقال...... رأسه)**: چونکہ سر اشرف الاعضاء ہے۔ **(واجعلوا...... اذخر)**: ہمزہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ، ایک معروف بوٹی ہے۔ **(ومنا من أينعت)**: ہمزہ کے فتحہ، یاء تحتانیہ کے سکون اور نون کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی **نضجت**۔ مقصد کا کچھ حصہ حاصل ہونے سے کنایہ ہے۔ **(الينع)**: یاء کے فتحہ کے ساتھ، پھل کا پک کر توڑنے کے قابل ہو جانا، چنانچہ یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی اسی معنی میں ہے: ﴿انظروا الى ثمره اذا أثمر وينعه﴾ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **أينع الثمر يونع، وينع ييتع فهو مونع ويانع**، پھل کا اپک کر توڑنے کے قابل ہو جانا، زیادہ تر استعمال مزید فیہ سے ہوتا ہے۔

(يهد بها): یا کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ، اور ضمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ نوویؒ نے ضمہ پر اکتفاء کیا ہے۔ اور ابن تین نے اس کا مثلث ہونا نقل کیا ہے۔ **أي: يجتنيها**، چننا۔

يهد بها صیغہ مضارع کے ساتھ لایا گیا ہے، حال ماضیہ کے استمرار کے لئے، سامع کے مشاہدۂ استحضار کے لئے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ اس ارشاد گرامی کا قرینہ ہے: **فمنا من مضى لم يأكل من أجره شيئا**. گویا کہ یوں کہا گیا ہے: **ومنهم من لم يعجل شيء من ثوابه، ومنهم من عجل بعض ثوابه.**

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کی موت پر عرش کا ہلنا

۶۲۰۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۲۲/۷ حديث رقم ۳۸۰۳ ومسلم فی صحيحه ۱۹۱۵/۴ حديث رقم (۱۲۴-۲۴۶۶) والترمذی فی السنن ۶۴۷/۵ حديث رقم ۳۸۴۹ وابن ماجه ۵٦/۱ حديث رقم ۱۵۸ و احمد فی المسند ۳۱٦/۳

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا' سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی

موت پر عرش ہل گیا اور ایک روایت یوں ہے کہ "سعد بن معاذ کی موت پر رحمٰن (کا عرش) ہل گیا"۔ (بخاری ومسلم)

اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ :

حدیث مبارکہ کے اس جملے کی بہت سی تشریحات بیان کی گئی ہیں۔ اولاً ہم وہ تمام تشریحات جوں کی توں ذکر کریں گے، پھر خلاصہ پیش کریں گے۔

والمعنی اهتزا هتشاشا وسرورا ......لم یبلغهم هذه الروایة.

اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس سے مراد حضرت سعد بن معاذؓ کے جنازہ کی چار پائی کا ہلنا ہے۔ یہ قول باطل ہے، دوسری روایت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس جماعت نے یہ تاویل اس وجہ سے کی کہ ان کو دوسری روایات نہیں پہنچیں۔

تخریج: الجامع کی ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: **اهتز عرش الرحمٰن لموت سعد بن معاذ.**

یہ حدیث امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے، حضرت جابرؓ سے امام احمدؒ شیخینؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنتی رومال دنیاوی کپڑوں سے افضل ہیں

۶۲۰۷: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةُ حَرِيْرٍ فَجَعَلَ اَصْحَابُهُ يَمَسُّوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ لِيْنِهَا فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَاَلْيَنُ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲۲/۷حدیث رقم ۳۸۰۲ومسلم فی صحیحه ۱۹۱۶/٤حدیث رقم (۱۲٦-۲٤٦۸) والترمذی فی السنن ٦٤٦/٥حدیث رقم ۳۸٤۷ وابن ماجه فی السنن ٥٥/۱حدیث رقم ۱٥۷ و احمد فی المسند ۲۰۹/۳۔

ترجمہ: "حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (جو مشاہیر صحابہؓ میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ (ایک عجمی ملک کے بادشاہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی کپڑے کا جوڑا بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس جوڑے پر ہاتھ پھیر پھیر کر اس کی نرمی اور ملائمت پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) فرمایا کہ کیا تم اس کپڑے کی نرمی اور ملائمت پر تعجب کر رہے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جنت میں جو رومال (دیئے گئے) ہیں اس سے کہیں زیادہ نرم اور ملائم ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (أهدیت): ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔ (لمنادیل...... ألین): وہ رومال کہ جس سے سعد اپنے ہاتھ پونچھتے ہیں، وہ اس کپڑے سے بہتر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز، آخرت کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: "منادیل" ندل بمعنی عقل سے مشتق ہے۔ چونکہ یہ بھی (عقل کی طرح) ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے بعض کا کہنا ہے کہ یہ "ندل" بمعنی "وسخ" میل کچیل سے مشتق ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس

سے میل کچیل صاف کیا جاتا ہے۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں: منادیل کے ساتھ ضرب المثل اس لئے دی جاتی ہے کہ رومال اعلیٰ کپڑوں میں سے نہیں ہے، بلکہ چنانچہ اس کے ساتھ ہاتھ صاف کئے جاتے ہیں، اور جسم سے گردوغبار جھاڑا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تخریج: یہ حدیث امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے مال واولاد میں کثرت وبرکت کی دعا

۶۲۰۸: وَعَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَسٌ خَادِمُكَ اُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَا لَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَوَاللّٰهِ اِنَّ مَا لِيْ لَكَثِيْرٌ وَاِنَّ وَلَدِيْ وَوَلَدُ وَلَدِيْ لَيَتَعَا دُّوْنَ عَلٰى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٤٤/١١ حديث رقم ٦٣٤٤ واخرجه مسلم ١٩٢٨/٤ حديث رقم (١٤١-٢٤٨٠) واخرجه الترمذي في السنن ٦٤٠/٥ حديث رقم ٣٨٢٩۔

ترجمہ: ''حضرت ام سلیمؓ سے (جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں) روایت ہے کہ انہوں نے (جب اپنے بیٹے انس رضی اللہ عنہ کو ان کی چھوٹی سی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں پیش کیا تو اس وقت) عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے (اس کو خادم بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر رہی ہوں)۔ (اس کو حصول ایمان اور آپ کی بابرکت صحبت وخدمت کے سبب آخرت کا اجر وانعام تو ملے ہی گا' رہی دنیاوی وخوشحالی وبرکت کی بات تو اس بارے میں) اس کے لئے دعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ' اس (انس) کے مال اور اس کی اولاد میں اضافہ فرما اور (اپنی طرف سے) جو نعمتیں تو نے اس کو عطا کی ہیں ان میں برکت عطا فرما۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ خدا کی قسم: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی دعا کے برکت سے) میرا مال نہایت کثیر ہے اور میری (بلاواسطہ) اولاد اور میری اولاد کی اولاد آج شمار میں سو سے زائد ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (سليم) (أنها...... ولده): واؤ اور لام ہر دو کے فتحہ کے ساتھ، نیز واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ، بمعنی اولاد۔ برکت کہتے ہیں زيادة النماء في افادة النعماء کو۔ (و ولدى...... ليتعادون): دال مشددہ کے ضمہ کے ساتھ۔

علامہ ابن حجرؒ شرح شمائل میں حضرت انسؓ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رزقت من صلبي سوى ولد ولدي مائة وخمسة وعشرين أي: ذكورا الا بنتين على ما قيل. وان أرضي لتثمر في السنة مرتين.

حضرت عبداللہ بن سلام کو اہل جنت میں سے ہونے کی بشارت

۶۲۰۹: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِاَحَدٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۲۸/۷حديث رقم ۳۸۱۲ومسلم في صحيحه۱۹۳۰/۴حديث رقم (۱۴۷-۲۴۸۳)

ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور شخص کے بارے میں جو زمین پر چلتا ہو نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ جنت والوں میں سے ہے''۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: (الارض): ''یمشی علی وجه الارض'' یہ جملہ محل جر میں صفت مؤکدہ ہے لأحد کی، جیسا کہ اللہ جل شانہ کا یہ قول: ﴿وما من دابة في الارض﴾ کہ صفت برائے تعمیم واحاطہ لائی گئی ہے۔اھ۔اس بات کا محل نظر ہونا بالکل عیاں ہے، چونکہ حدیث آی کی قبیل سے نہیں، چونکہ دابة کہتے ہیں ما تدب علی الارض کو، لہٰذا زمین، دابہ کے مفہوم میں داخل ہے۔اس اعتبار سے الارض کا ذکر مفید تاکید ہے۔اس کی نظیر یہ قول ہے: رأيته بعيني وسمعته بأذني. برخلاف لفظ أحد کے۔

لہٰذا یمشی علی وجه الارض صفت احترازیہ ہوئی۔اس سے احتراز کیا عشرہ مبشرہ میں سے ان حضرات کا جو پہلے انتقال کر چکے تھے۔اس لحاظ سے اس جملہ کی معنوی تقدیر یوں ہے: لأحد هو حي الآن علی وجه الأرض. (انه...... سلام): امام میرکؒ نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ علی وجه الارض صفت مخصصہ ہو لأهل الجنة کے لئے۔لیکن اس پر اعتراض وارد ہوگا کہ وہ تو بوقت کلام زندہ تھے۔اھ

دارقطنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ما سمعت النبي ﷺ يقول لحي يمشي أنه من أهل الجنة.

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو مرتے دم تک دین پر قائم رہنے کی بشارت

۶۲۱۰: وَعَنْ قَیْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا فِیْ مَسْجِدِ الْمَدِیْنَةِ فَدَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی وَجْهِهٖ اَثَرُ الْخُشُوْعِ فَقَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ تَجَوَّزَ فِیْهِمَا ثُمَّ خَرَجَ وَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ اِنَّكَ حِیْنَ دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ قَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ وَاللّٰهِ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ مَا لَا یَعْلَمُ فَسَاُحَدِّثُكَ لِمَ ذَاكَ رَاَیْتُ رُؤْیَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَصْتُهَا عَلَیْهِ وَرَاَیْتُ کَاَنِّیْ فِیْ رَوْضَةٍ ذَکَرَ مِنْ سَعَتِهَا وَخُضْرَتِهَا وَسْطَهَا عَمُوْدٌ مِنْ حَدِیْدٍ اَسْفَلُهٗ فِیْ

الْاَرْضِ وَاَعْلَاهُ فِي السَّمَاءِ وَفِي اَعْلَاهُ عُرْوَةٌ فَقِيْلَ لِيْ اِرْقَهْ فَقُلْتُ لَا اَسْتَطِيْعُ فَاَتَانِيْ مِنْصَفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِيْ مِنْ خَلْفِيْ فَرَقِيْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِي اَعْلَاهُ فَاَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقِيْلَ اسْتَمْسِكْ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاِنَّهَا لَفِيْ يَدِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ الْاِسْلَامُ وَذٰلِكَ الْعَمُوْدُ عُوْدُ الْاِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى فَاَنْتَ عَلَى الْاِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوْتَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲۹/۶ حدیث رقم ۳۸۱۳ ومسلم ۱۹۳۰/۴ حدیث رقم (۱۴۸-۲۴۸۴) و احمد فی المسند ۴۵۲/۵

ترجمہ: ''حضرت قیس بن عبادؒ (جو ایک ثقہ تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں میں (ایک روز) مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب (مسجد میں) آئے جن کے چہرہ سے خشوع وخضوع کے آثار (یعنی وقار وسکون اور قربت الٰہی کا نور) نمایاں تھے (مسجد میں جو لوگ موجود تھے ان میں سے) بعض لوگوں نے کہا) یہ صاحب جنتی ہیں' پھر ان صاحب نے (تحیۃ المسجد کی یا کوئی اور) دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں رکعتیں ہلکی ومختصر پڑھیں اور پھر مسجد سے چلے گئے میں بھی (مسجد سے نکل کر) ان کے پیچھے چلنے لگا اور (ایک جگہ پہنچ کر) ان سے بولا کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو بعض لوگوں نے کہا تھا کہ ''یہ صاحب جنتی ہیں'' (اس بارے میں آپ مجھ کو بتانے کی زحمت گوارا فرمایئے) ان صاحب نے کہا کہ اللہ کی قسم! (میں اس کی تصدیق نہیں کرسکتا کیونکہ) کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسی بات کہے جس کو وہ نہیں جانتا اور میں تم کو اس (عدم تصدیق) کی وجہ بتاتا ہوں۔ (بات یہ ہوئی تھی کہ) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں (ایک روز) میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور وہ خواب میں نے آپ ﷺ سے بیان کر دیا تھا' میں نے (خواب میں) دیکھا تھا کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں' پھر ان صاحب نے اس باغ کی وسعت وکشادگی اور تر وتازگی کا ذکر کیا اور (کہا کہ پھر میں نے دیکھا کہ) اس باغ کے بیچ میں لوہے کا ایک ستون ہے کہ جس کا نیچے کا سرا زمین کے اندر ہے اور اس کے اوپر کا سرا آسمان میں ہے اور اس ستون کے اوپر ایک حلقہ ہے' پھر مجھ سے کہا گیا کہ اوپر چڑھو' میں نے کہا: میں (اوپر چڑھنے کی) طاقت نہیں رکھتا' تب ایک خادم میرے پاس آیا جس نے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھائے اور میں اوپر چڑھنے لگا' یہاں تک کہ میں اس ستون کی آخری بلندی تک پہنچ گیا اور اس حلقہ کو پکڑ لیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اس حلقہ کو مضبوطی سے تھام لو اور پھر میں بیدار ہو گیا اس حال میں کہ وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا جب نبی کریم ﷺ کے سامنے میں یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے (اس خواب کی تعبیر میں) فرمایا' وہ باغ (جو تم نے نہایت وسعت وکشادگی اور تر وتازگی کے ساتھ دیکھا) دین اسلام ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے (یعنی اسلام کے احکام وارکان سے عبارت ہے جن پر بنائے مسلمانی ہے) اور وہ حلقہ (کہ جس کو تم نے دیکھا اور پکڑا) مضبوط حلقہ ہے۔ (اس خواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ) تم اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اسلام پر ثابت قدم رہو گے'' اور (قیس بن عباد کہتے ہیں کہ) وہ صاحب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے''۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: صاحب النہایہ فرماتے ہیں: فأجوز فی صلاتی أی أخففها و أقللها.

(ورأیت): ماقبل کا بیان ہے۔(من سعتها): سین اور عین کے فتحہ کے ساتھ۔(وخصرتها وسطها): منصوب علی الظر فیہ ہے، خبر واقع ہو رہا ہے، مبتدا مؤخر کے لئے۔(فی الارض...... السماء): دونوں جملے عمود کی صفت ہیں۔(عروة): عین کے ضمہ کے ساتھ، بمعنی حلقہ۔قاموس میں لکھے ہیں: العروة من الدلو والكوز: المقبض، فاستعيرت لما يوثق ويعول عليه. (فقيل لی: ارقه): قاف کے فتحہ، ہاء کے سکون کے ساتھ، یہ سکون برائے سکت ہے۔ایک نسخہ میں ھاء پر ضمہ ہے، اس صورت میں یہ ضمیر ہوگی۔صاحب قاموس لکھتے ہیں: قی کرضی صعد، ابن الملکؒ فرماتے ہیں: من رقی یرقی اذا صعد والهاء للسکت۔ممکن ہے کہ ضمیر عمود کی طرف راجع ہے۔(فقلت...... أستطيع): کا مفعول بہ الرقی والصعود محذوف ہے۔(فأتاني منصف): امام نوویؒ فرماتے ہیں: میم کے کسرہ اور صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔اور معتمد نسخوں میں بھی یوں ہی ہے۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: منصف: میم کے فتحہ کے ساتھ بولا جاتا ہے۔بمعنی خادم۔ نصف، نصافة سے مشتق ہے، بمعنی خدمت کرنا۔شرح مسلم میں ہے کہ: هو الوصيف الصغير المدرك للخدمة. (ثيابی...... فرقيت): قاف کے کسرہ کے ساتھ۔امام میرکؒ فرماتے ہیں: رقیت: قاف کے فتحہ کے ساتھ حکایت کیا گیا ہے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے چونکہ قی یرقی، رمی یرمی کی طرح ہے۔ رقیة سے مشتق ہے۔فتحہ کے ساتھ اس کے یہاں کوئی معنی نہیں بنتے۔اور یہاں چڑھنے کے معنی میں ہے۔(حتی...... أعلاه): ایک نسخہ میں فی أعلاها ہے۔اس صورت میں ضمیر کا مرجع عروۃ ہوگا۔(فأخذت): ایک نسخہ میں أخذ ہے۔(فاستيقظت...... يدی): (فقصصتها...... العروة): مبتداء ہے، اور اس کی خبر "الوثقی" ہے، اور ایک صحیح نسخہ میں وتلك العروة الوثقیٰ ہے۔امام طیبیؒ نے فرمایا: الوثقی من الحب الوثيق المحكم المأمون انقطاعها. (فأنت...... تموت): اھ۔یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مکمل ہو۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی بشارت

۶۲۱۱: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِيْ بَيْتِهٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَاشَانُ ثَابِتٍ اَيَشْتَكِيْ فَاَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اِنِّيْ مِنْ اَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱/ ۱۱۰ حديث رقم (۱۸۷-۱۱۹)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ انصار کے خطیب تھے (یعنی انصار میں یہ وہ شخص تھے جن کی بات چیت فصاحت و بلاغت سے پُر ہوتی تھی اور جو نثر کے مانے ہوئے ادیب وخطیب تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (یعنی اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو الخ) تو ثابتؓ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آنا جانا بند کردیا' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے (ایک دن) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے (جو انصار کے سردار تھے) پوچھا کہ ثابت کو کیا ہوا (کہ انہوں ہماری مجلس میں آنا جانا بند کررکھا ہے اور کہیں دکھائی نہیں دیتے) کیا وہ بیمار ہیں؟ سعدؓ (چپ رہے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ ان کو خود بھی ثابتؓ کے بارے میں معلوم نہیں تھا اور تحقیق کئے بغیر کوئی جواب دینے سے قاصر تھے چنانچہ وہ تحقیق حال کے لئے) ثابتؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل کئے (کہ آپ ﷺ تمہیں پوچھ رہے تھے اور فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں جو ہمارے پاس نہیں آتے؟) ثابتؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ: یہ آیت یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ نازل ہوئی (جو آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز میں بات چیت کرنے سے منع کرتی ہے) اور تم جانتے ہی ہو کہ تم میں سب سے زیادہ میری ہی آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند ہے۔ لہٰذا میں تو دوزخی ہوں' سعدؓ نے آکر نبی کریم ﷺ سے ثابتؓ کے الفاظ نقل کئے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (ایسا نہیں ہے)' بلکہ ثابت تو جنتی ہے''۔ (مسلم)

راویٔ حدیث:

ثابت بن قیس بن شماس۔ یہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری خزرجی ہیں۔ ''شماس'' میں میم مشدد ہے۔ غزوہ احد اور اس کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں حاضر ہوئے۔ اور یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اور انصار کے بڑے علماء میں سے تھے۔ ان کے لئے آنحضرت ﷺ نے جنت کی شہادت دی یہ رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے۔ اور انصار کے بھی خطیب تھے جنگ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہید ہوگئے۔ ان سے انس بن مالک وغیرہ نے روایت کی۔ ان کی بیوی کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت سہل ہے عسقلانی ''التقریب'' میں لکھتے ہیں کہ یہ صحابیہ ہیں یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے ثابت بن قیس سے خلع لیا تھا ان سے خلع لینے کے بعد ان کا نکاح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

تشریح: (...... شماس): میم کی تشدید کے ساتھ، (خطیب الانصار): یعنی انصار میں یہ وہ شخص تھے جن کی بات چیت فصاحت و بلاغت سے پُر ہوتی تھی اور جو نثر کے مانے ہوئے ادیب وخطیب تھے۔ جیسا کہ نظم میں مانے ہوئے شخص کو شاعر کہا جاتا ہے۔ آیت کا اگلا حصہ یوں ہے: ﴿ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون﴾۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ذکر

۶۲۱۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

فَلَمَّا نَزَلَتْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالُوْا مَنْ هٰؤُلَآءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ هٰؤُلَآءِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٤١/٨حديث رقم ٤٨٩٧ومسلم في صحيحه ١٩٧٢/٤حديث رقم (٢٣١-٢٥٤٦) والترمذي في السنن ٣٥٨/٥حديث رقم ٣٢٦١

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور جب یہ آیت آئی: وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بهم (اوران میں کچھ دوسرے لوگ وہ ہیں جو ابھی ان سے آ کر نہیں ملے ہیں) تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (جو ابھی آ کر نہیں ملے ہیں؟) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی موجود تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ کا یہ سوال سن کر) اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلا شبہ ان لوگوں میں سے کچھ لوگ اس کو پا لیتے اور حاصل کر لیتے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جلوس: جالس کی جمع ہے۔ (الجمعة): جیم اور میم کے ضمہ کے ساتھ، میم کا سکون بھی درست ہے۔
عرض مرتب: ﴿اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة﴾ میں ایک قرأت میم کے سکون کے ساتھ ہے۔
الفارسی: راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، سکون بھی درست ہے، هؤلاء.
امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اسم اشارہ جمع ذکر فرمایا حالانکہ مشار الیہ واحد، حضرت سلمانؓ ہیں۔ جنس کے معنی مراد ہیں۔ اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ أمیین کے مقابلے میں سارے عجم مراد ہوں، اور اس سے مراد اہل فارس ہوں۔ ولو بمعنی أن ہے۔ یعنی علی سبیل المبالغہ بالفرض والتقدیر ارشاد فرمایا۔ (متفق علیه).

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الجامع کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: ''لو كان الايمان عند الثريا لتناوله رجال من فارس''. اس حدیث کو شیخین اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔
② اس روایت کو ابو نعیم نے الحلیہ میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے: ''لو كان العلم معلقا بالثريا لتناوله قوم من أبناء فارس''.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں میں محبوب ہونے کی دعا

۶۲۱۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهٗ اِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ اِلَيْهِمَا الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٣٨/٤ حديث رقم (١٥٨-٢٤٩١) و احمد في المسند ٢/ ٣٢٠۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اپنے اس چھوٹے سے بندے یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنا دے اور اہل ایمان کو ان (دونوں) کا محبوب بنا دے''۔ (رواہ مسلم)

تشریح: (قال...... عبيدك): تصغیر کا صیغہ برائے شفقت استعمال فرمایا ہے۔ (هذا): المشار الیہ کے معنی میں ہے لہٰذا یہ صفت ہے عبيدك کی۔ (يعني أبا هريرة): یہ تفسیر راوی کی طرف سے ہے۔ یا کسی اور کی طرف سے ہے۔ لہٰذا یہ مدح ہوا اور جملہ معترضہ ہوا۔ (وأمّه): کا عطف عبيدك پر ہے۔ (الى عبادك المؤمنين): جار مجرور حبّب کے متعلق ہیں۔ (وحبب اليهم): ایک نسخہ میں ''اليهما'' ہے۔ (المؤمنين): امام میرکؒ فرماتے ہیں: ہمارے مشکوٰۃ کے سماع میں جمع کی ضمیر ہے، یہ سماع صحیح مسلم کے اصل سماع کے موافق ہے۔ اور اکثر نسخوں کے مطابق ہے۔ جمع کی ضمیر لانے کی متعدد توجیہات ذکر کی گئی ہیں: (۱) جمع کے اقل افراد دو ہیں (۲) باعتبار اہل وعیال کے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے، (۳) دو کو بمنزلہ جمع کے قرار دیا گیا ہے تعظیماً، جیسا کہ فرد واحد کو بمنزلہ جمع کے شمار کیا جاتا ہے۔

فقرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناراض کرنے سے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے

۶۲۱۴: وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَتٰى عَلٰى سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ فِيْ نَفَرٍ فَقَالُوْا مَا اَخَذَتْ سُيُوْفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَاْخَذَهَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَتَقُوْلُوْنَ لِهٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاَتَاهُمْ فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اَغْضَبْتُكُمْ قَالُوْا لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِيْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٤٧/٤ حديث رقم (١٧٠-٢٥٠٤) و احمد في المسند ٦٤/٥۔

ترجمہ: ''حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد) ابوسفیان (جب مدینہ آئے اور ایک موقع پر) صحابہؓ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرے تو ان تینوں نے (ابوسفیان کو دیکھ) کر کہا: کیا اللہ (کے ان بندوں) کی تلواروں نے (کہ جو اللہ کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہتے ہیں) ادائے حق میں اس دشمن خدا کی گردن ابھی نہیں اڑائی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (نے یہ سنا تو ان تینوں حضرات کو مخاطب کر کے) بولے تم قریش کے اس بڑے آدمی کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جو اپنی قوم کا سردار بھی ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے (ساری تفصیل سن کر) فرمایا: اے ابوبکر! تم نے شاید ان تینوں کو ناراض کر دیا ہے اور اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو خدا کی قسم تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (یہ سنتے ہی کانپ اٹھے اور فوراً بھاگے ہوئے) ان تینوں کے پاس آئے اور بولے: اے میرے بھائیو! کیا تم مجھ سے

ناراض ہو گئے ہو؟ ان تینوں نے جواب دیا: نہیں‘ اے میرے بھائی۔ اللہ آپ کی بخشش فرمائے (ہم آپ سے ناراض نہیں ہوئے ہیں)۔“ (صحیح مسلم)

تشریح: (عمرو): واؤ کے ساتھ ہے۔ (عائذ): اسم فاعل کا صیغہ ہے العوذ سے (علی سلمان و صهيب): تصغیر کے ساتھ۔ (مأخذها): خاء معجمہ کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی حقّها ایک صحیح نسخہ میں جو سید کی اصل ہے۔ مآخذها، ہمزہ ممدودہ کے ساتھ، اور خاء کے کسرہ کے ساتھ، جمع کا صیغہ ہے۔ سیوف چونکہ جمع ہے لہٰذا مأخذ کو بھی جمع ذکر کیا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ”ما“ نافیہ ہے۔ ”مأخذها“ بقول بعض مفعول بہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مفعول فیہ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصدر ہو۔ اور خبر استفہام کے معنیٰ کو متضمن ہو۔ أخذ کو سیف کے لئے استعارہ لیا گیا، اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس کا کسی دوسرے پر حق ہو اور وہ صاحب حق اپنے حق کی وصولی کے لئے اس دوسرے شخص کے پیچھے پڑا ہوا ہو، اور وہ غریم ایفائے حق نہ کرے اور ٹال مٹول کرتا ہو۔ (أتقولون...... قرشي): شیخ بمعنی کبیر کے ہے۔ (فقال...... أغضبتهم): لعل برائے ”اشفاق“ ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں: ﴿لعلك باخع نفسك﴾ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان: لعلي أعيش بعد عامي هذا میں۔ (فقال: يا أخوتاه): ہاء ساکن ہے۔ (أغضبتكم): لہٰذا مجھے معاف کر دو۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ استفہام مقدر ہے: أ أغضبتكم. (قالوا: لا): یعنی لا حرج عليك يا لا غضب لنا بالنسبة اليك. (يغفر الله لك): جملہ دعائیہ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لا پر وقف کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اس کے بعد واؤ کا اضافہ ہی ہو۔ جیسا کہ یزیدی نے مأمون کے جواب میں کہا: لا و جعلني الله فداك۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: محدثین نے یہ لفظ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، تصغیر کے صیغہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ اور تصغیر برائے تحبیب ہے۔ اور بعض نسخوں میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اھ

سید جمال الدینؒ کے نسخہ میں اور بہت سے اصول معتمدہ میں تصغیر کے ساتھ ہے، اور یاء مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ اور بعض نسخوں میں اس کے کسرہ کے ساتھ ہے، یا أُخَيَّ دونوں طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔ اور ایک نسخہ میں ہمزہ کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے، اور فتحہ بھی درست ہے۔

انصار سے محبت ایمان اور بغض نفاق کی علامت ہے

۶۲۱۵: وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١١٣/٧ حديث رقم ٣٧٨٤ ومسلم في صحيحه ٨٥/١ حديث رقم (١٢٨-٧٤) واخرجه الترمذي في السنن ٦٦٩/٥ حديث رقم ٣٩٠٠ واخرجه النسائي في ١١٦/٨ حديث رقم ٥٠١٩ و احمد في المسند ٧٠/٣

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (یعنی کمال) ایمان

کی نشانی (تمام) انصار سے محبت رکھنا اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض و دشمنی رکھنا ہے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (حب الأنصار): ابن التینؒ فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ تمام انصار سے محبت رکھے، چونکہ ان سے محبت رکھنا دین کی وجہ سے ہے۔ پس جو شخص کسی بھی سبب سے ان کے بغض کو درست سمجھتا ہے، تو وہ اس میں داخل نہیں۔ وھو تقریر حسن.

(و آیة...... الأنصار): شان انصار اور ان سے محبت و بغض کی علت کے بیان کے لئے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کیا گیا۔ انصار کا لفظ لغوی اعتبار سے ناصر یا نصر کی جمع ہے اور لام عہد کا ہے۔ اور انصار سے مراد اوس و خزرج قبیلے کے وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

تخریج: (۱): یہ حدیث امام احمدؒ اور امام نسائیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ (۲) ابن ماجہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: ''انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے''۔

۶۲۱۶: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحیحه ۱۱۳/۷ حدیث رقم ۳۷۸۳ ومسلم في صحیحه ۸۵/۱ حدیث رقم (۱۲۹-۷۵) وابن ماجه في السنن ۵۷/۱ حدیث رقم ۱۶۳ و احمد في المسند ۹۶/۴۔

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: انصار سے وہی محبت رکھتا ہے جو (کامل) مؤمن ہے اور انصار سے وہی شخص عداوت و دشمنی رکھتا ہے جو (حقیقی) منافق (یا مجازی منافق یعنی فاسق) ہے۔ پس جو شخص انصار سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو شخص انصار سے عداوت رکھے گا اللہ اس سے عداوت رکھے گا''۔ (بخاری و مسلم)

انصار کا مال و دولت کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی معیت پر راضی ہونا

۶۲۱۷: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالُوْا حِيْنَ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا اَفَآءَ فَطَفِقَ يُعْطِىْ رِجَالًا مِّنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنْ اِبِلٍ فَقَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِىْ قُرَيْشًا وَيَدَعُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآئِهِمْ فَحُدِّثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَى الْاَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِىْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ اَحَدًا غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَآءَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِىْ عَنْكُمْ فَقَالَ فُقَهَاؤُهُمْ اَمَّا ذُوُوْ رَاْيِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَمْ يَقُوْلُوْا شَيْئًا وَاَمَّا اُنَاسٌ مِّنَّا حَدِيْثَةٌ اَسْنَانُهُمْ قَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِىْ قُرَيْشًا وَيَدَعُ الْاَنْصَارَ وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآئِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُعْطِیَ رِجَالاً حَدِیْثِیْ عَهْدٍ بَكُفْرٍ اَتَاَلَّفُهُمْ اَمَّا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَتَرْجِعُوْنَ اِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ رَضِيْنَا۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲۵۰/۶حديث رقم ۳۱۴۷ومسلم فی صحيحه ۷۳۳/۲حديث رقم (۱۳۲۔۱۰۵۹) و احمد فی المسند ۱۶۶/۳

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں انصار کے بعض لوگوں نے اس وقت (شکوہ کرتے ہوئے) کہا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو قبیلہ ہوازن کا وہ مال غنیمت عطا کیا جو کیا اور آنحضرت ﷺ نے قریش کے کئی لوگوں کو سو سو اونٹ دینا شروع کیے۔ چنانچہ انصار میں سے بعض لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بخشے' قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے علم میں جب ان لوگوں کا یہ شکوہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان تمام انصار کو پیغام بھیجا اور ان کو اپنے چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا۔ ان کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں بلایا گیا تھا۔ (یعنی صرف انصار ہی کو جمع کیا گیا' ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں بلایا گیا تھا) جب سب انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: وہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچائی گئی ہے؟ ان (انصار) میں جو عقل مند و دانا لوگ تھے وہ بولے: یا رسول اللہ! ہم میں سے سمجھ دار اور ذی رائے لوگوں نے کچھ نہیں کہا ہاں ہم میں سے کچھ نو عمر اور نوجوان لوگوں نے (ناسمجھی سے) یہ بات ضرور کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بخشے۔ آپ ﷺ قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم انصار کو چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ابھی ابھی (چند ہی روز قبل) کافر تھے' انہی لوگوں کو میں (اس مال میں سے) دے رہا ہوں (اور اس طرح) ان کا دل ملاتا ہوں (یعنی ان کو زیادہ دینے کا واحد مقصد تالیف قلوب ہے تاکہ وہ اسلام پر قائم رہیں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد یا جذبہ کارفرما نہیں ہے اور (اے انصار!) کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ (تمہارے علاوہ وہ) لوگ (کہ جو مؤلفۃ القلوب ہیں) مال و اسباب لے کر یہاں سے لوٹیں اور تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے مکانوں کو واپس جاؤ۔ انصار (آپ ﷺ کا یہ پُر اثر ارشاد سن کر) بول اٹھے' ہاں یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (ما أفاء): ما بمعنی شیئا ہے۔ موصول کی طرف عائد ضمیر محذوف ہے۔ (طفق): بمعنی أخذ وشرع.

(وسيوفنا تقطر): طاء کے ضمہ کے ساتھ، جملہ حالیہ ہے۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: والحال أن سيوفنا نحن معاشر الانصار تقطر. من دمائهم.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یغفر اللّٰہ، یہ جملہ مابعد عتاب کے لئے بطور توطئہ وتمہید کے تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ......﴾ ''خدا تمہیں معاف کرے۔ تم نے پیشتر اس کے کہ تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہو جاتے جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت کیوں دی؟''۔

سیوفنا تقطر من دمائهم، عرب کے اس قول کی قبیل سے ہے: عرضت الناقة على الحوض، اھ۔ اور کوئی بعید

نہیں کہ یہ جملہ کہہ کر کفار قریش سے ہونے والے اس قتال کے زمانہ کی طرف اشارہ ہو جن لوگوں کو آپ ﷺ نے درمیان تقسیم کر دیا۔

(فحدث): حاء کے ضمہ اور دال مکسورہ کی تشدید کے ساتھ۔ **(الرسول......)**: سے مراد بعض انصار کا مذکورہ بالا اعتراض ہے۔ **(من أدم)**: ہمزہ اور دال کے فتحہ کے ساتھ۔ **(ولم یدع)**: دال کے سکون اور عین کے ضمہ کے ساتھ، بمعنی **لم یطلب**۔ ایک نسخہ میں دال کے فتحہ اور عین کے سکون کے ساتھ ہے بمعنی: **لم یترك معهم**. **(أحدا...... حدیث)**: **ما** بمعنی **ای شئ** ہے۔ اور **حدیث** کی تنوین برائے تعظیم ہے ای: **خبر عظیم**. **(وأما أناس)**: ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، **ناس** میں ایک لغت ہے، بمعنی **جماعة**. **(أسنانهم)**: **سنّ** بمعنی عمر کی جمع ہے۔ **حدیثة أسنانهم** سے مراد ''نوجوان'' ہیں۔

(أنا...... الناس): سے مراد **مؤلفة القلوب** ہیں۔ **(بالأموال...... رحالكم)**: راء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی **منازل**۔

(برسول الله؟): اور ایک نسخہ میں (ﷺ) ہے۔ **(قالوا...... رضینا)**: یہ جملہ بلٰی کے مفہوم میں مزید تاکید پیدا کر رہا ہے۔

مؤلف نے انصار کے اس دانشمندانہ فیصلے پر کہ انہوں نے دنیا کے عارضی مال و متاع کے مقابلے میں حضور ﷺ کی مصاحبت و معیت کو اختیار کیا ایک صاحب ذوق و حال شاعر کے دو شعر ذکر کئے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا ☆ لنا علم وللاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب ☆ وان العلم باق لا یزال

''یعنی ہم راضی ہیں جبار کی تقسیم پر اپنے حق میں کہ ہمارے لئے علم اور دشمنوں کے لئے مال ہے اس لئے کہ مال تو عنقریب ختم ہو جانے والا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے لازوال ہے۔''

حضور ﷺ کا انصار سے اظہار یکجہتی

۶۲۱۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِیًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِیًا اَوْشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهَا الْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَى الْحَوْضِ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٧/٨ حدیث رقم ٤٣٣٠ ومسلم فی صحیحه ٧٣٨/٢ حدیث رقم (١٣٥-١٠٦١) واخرجه الترمذی ٦٦٩/٥ حدیث رقم ٣٨٩٩ وابن ماجه ٥٨/١ حدیث رقم ١٦٤ والدارمی فی السنن ٣١٣/٢ حدیث رقم ٢٥١٤ و احمد فی المسند ٥٧/٣۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں (یعنی حسی یا معنوی راستہ پر) چلیں اور انصار کسی دوسری وادی پر چلیں۔ یا یہ فرمایا کہ (اور انصار) کسی دوسرے پہاڑی درہ میں چلیں تو میں اسی راستہ یا اسی پہاڑی درہ میں چلوں جو انصار کا راستہ ہے۔

انصار تو استر ہیں اور دوسرے لوگ (استر کے) اوپر کا کپڑا ہیں۔ (اے انصار!) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر آ کر ملو'' ۔ (بخاری)

تشریح: شرح السنہ میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

(ولو سلك الناس واديا): سے مراد حسی یا معنوی راستہ ہے۔ (وسلك الأنصار واديا): یعنی کسی اور راستے پر چلیں۔ (أو شعبان): شین کے کسرہ اور عین کے سکون۔ (لسلكت...... شعبها):

(الأنصار شعار): شین کے کسرہ اور فتحہ کیساتھ۔ (والناس، دثار): دال کے کسرہ کے ساتھ۔

(أثرة): ہمزہ اور ثاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، نیز ہمزہ کے ضمہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ بھی درست ہے۔

حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ جینے اور مرنے کا اظہار

۶۲۱۹: وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَلْقَى السَّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِىْ قَرْيَتِهٖ وَنَزَلَ الْوَحْىُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ اَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِى قَرْيَتِهٖ كَلَّا اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ هَاجَرْتُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا اِلَّا ضِنًّا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٤٠٧/٣ حديث رقم (٨٦-١٧٨٠)۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں فتح مکہ کے دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (اس دن) آپ ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ مشرکین میں سے جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے اور (مشرکین میں سے) جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ بھی ملعون ہے۔ (بعض) انصار (یہ اعلان سن کر آپس میں) کہنے لگے کہ اس شخص (یعنی آنحضرت ﷺ پر) اپنی قوم کے بارے مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں (یعنی اہل مکہ) کے بارے رغبت و چاہت کا جذبہ (طبعی طور پر) غالب آ گیا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی (جس کے ذریعہ آپ ﷺ کو مطلع کیا گیا کہ انصار آپ ﷺ کے بارے میں اس طرح کہہ رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انصار کو بلایا) اور (ان سے) فرمایا: تم نے یہ کہا ہے کہ اس شخص پر اپنی قوم کے بارے میں مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں کے بارے رغبت و چاہت کا جذبہ غالب آ گیا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں نے اللہ کی طرف (یعنی اللہ کے حکم سے اور اللہ کا اجر و انعام حاصل کرنے کیلئے) اور تمہاری طرف (یعنی تمہارے دیار کی طرف) ہجرت کی ہے اب تو جینا بھی تمہارے جینے کے ساتھ ہے اور مرنا بھی تمہارے مرنے ساتھ ہے (یہ سن کر) ان انصار نے

(معذرت کا اظہار کرتے ہوئے) عرض کیا: خدا کی قسم ہم نے یہ بات صرف اس لئے کہی کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہم کو بخل تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں سچا مانتے ہیں اور تمہاری معذرت کو قبول کرتے ہیں"۔ (مسلم)

تشریح: (فقال...... آمن): بمعنی ذو أمن، أمن، خوف کا متضاد ہے۔ بقول بعض آمن بمعنی مأمون ہے۔

امام طیبیؒ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا کہ جب ابوسفیان اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: یہ شخص فخر کو پسند کرتا ہے، آپ کے لئے کچھ کریں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **نعم، من دخل دار أبی سفیان فهو آمن.**

(ومن...... السلاح): سے مراد آلات حرب ہیں۔ (فهو...... الأنصار): سے مراد بعض انصار ہیں۔ (أما الرجل): سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ (فقد أخذته رأفة): کے معنی میں شدتِ رحمت۔ (فی قریته): سے مراد اہل بلد ہیں۔

عرضِ مرتب:

حضرت ابوسفیان بن صخر بن حرب بنوامیہ میں سے قریشی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے والد ہیں عام فیل سے دس برس پہلے پیدا ہوئے اسلام سے پہلے قریش کے معزز سرداروں میں سمجھے جاتے تھے اور قریش کے سرداروں کا جھنڈا انہیں کے پاس رہتا تھا فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دل میں اسلام کی محبت قائم اور راسخ کرنے کے لئے ان کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا تھا اسلام میں تالیف قلب کی گئی غزوہ حنین میں انہوں نے شرکت کی اور آنحضرت ﷺ نے وہاں کے مال غنیمت میں سے ان کو بھی مولفۃ القلوب میں داخل رکھتے ہوئے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے غزوہ طائف میں ان کی آنکھ پھوٹ گئی پھر یہ جنگ یرموت تک یک چشم رہے یرموک میں ان کی دوسری آنکھ پر پتھر کی ضرب آئی اور بالکل نابینا ہو گئے ان سے عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں ۳۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)۔

انصار رضی اللہ عنہم سے اظہار محبت

۶۲۲۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی صِبْیَانًا وَنِسَآءً مُقْبِلِیْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ یَعْنِی الْاَنْصَارَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱۳/۷ حدیث رقم ۳۷۸۵ ومسلم فی صحیحه ۱۹۴۸/۴ حدیث رقم (۱۷۴-۲۵۰۸)۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (انصار کے) بچوں اور عورتوں کو کسی شادی وغیرہ کی تقریب سے واپس آتے دیکھا تو نبی کریم ﷺ (ان کے راستہ میں یا ان سے ملاقات کی غرض سے ایک جگہ پر) کھڑے ہوگئے اور (ان کو مخاطب کر کے) فرمایا: اے اللہ! (میں تجھ کو گواہ بنا کر انصار کی ان عورتوں اور بچوں سے کہتا ہوں کہ اے انصار!) تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اے اللہ! (میں تجھ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اے انصار!) تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو آپ ﷺ کی مراد تمام انصار تھی''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (من عرس): عین کے ضمہ کے ساتھ، ولیمہ کا کھانا، (ذکرہ ابن الملکؒ)۔ اور زیادہ واضح وہ معنی ہیں جو صاحب قاموس نے لکھے ہیں: **العرس الاقامة فی الفرح**، عین کے ضمہ کے ساتھ، نیز عین اور راء کے ضموں کے ساتھ بمعنی ولیمہ کا کھانا۔ اور ولیمہ کہتے ہیں، شادی کے کھانے کو، یا ہر ایک کھانے کو خواہ وہ دعوت کا ہو یا غیر دعوت کا۔ (**فقال..... انتم**): اس میں ''التفات'' ہے۔ معنوی تقدیر یوں ہے: **اللهم أنت تعلم صدقی فیما أقول فی حق الأنصار** اور پھر أنصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (**أنتم..... الی**): جملہ کا تکرار برائے تاکید ہے اور خطاب میں التفات ہے۔ مذکر کا صیغہ صبیان کو نسوان پر غلبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، یا غائبین کو حاضرین پر تغلیب دیتے ہوئے فرمایا۔ اس کی تائید اس جملے سے ہوتی ہے: (**یعنی: الأنصار**): یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد انصار تھے۔

انصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

۶۲۲۱: وَعَنْهُ قَالَ مَرَّ اَبُوْبَكْرٍ وَالْعَبَّاسُ بِمَجْلِسٍ مِّنْ مَجَالِسِ الْاَنْصَارِ وَهُمْ يَبْكُوْنَ فَقَالَا مَايُبْكِيْكُمْ قَالُوْا ذَكَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا فَدَخَلَ اَحَدُهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَصَّبَ عَلٰى رَاْسِهٖ حَاشِيَةَ بُرْدٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَلَمْ يَصْعَدْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِالْاَنْصَارِ فَاِنَّهُمْ كِرْشِيْ وَعَيْبَتِيْ وَقَدْ قَضَوْا الَّذِيْ عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِيْ لَهُمْ فَاقْبَلُوْا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۲۰/۷ حديث رقم ۳۷۹۹ واخرجه مسلم فی صحيحه ۱۹۴۹/۴ حديث رقم (۱۷۶-۲۵۱۰) واخرجه الترمذی فی السنن ۶۱۷/۵ حديث رقم ۳۹۰۴ و احمد فی المسند ۱۸۸/۳

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے مرض وفات کے دوران ایک دن) حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزر ہوا تو (دیکھا کہ) اہل مجلس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ان سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کی مجلس یاد آ گئی تھی۔ (یہ سن کر) ان دونوں میں ایک صاحب (یعنی یا تو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عباسؓ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس بات سے آگاہ کیا کہ (انصار کی جماعت آپ ﷺ کی مجلس مبارک کو یاد کر کے رو رہی ہے) چنانچہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کپڑے کی پٹی سر پر باندھے (دردسر کو کم کرنے کے لیے) حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے کے لئے) منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر چڑھنا نصیب نہیں ہوا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا: (اے مہاجرو!) میں تم کو انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان کے ساتھ رعایت وحمایت اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کئے رہنا) کیونکہ انصار میرا معدہ اور میری گٹھری ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان پر جو حق تھا اس کو انہوں نے ادا کر دیا اور جو کچھ ان کا ہے (یعنی اجر وثواب اور سرفرازیٔ جنت) وہ اللہ کے ہاں باقی ہے پس ان کے نیک لوگوں کا عذر (کہ جو وہ اپنی لغزش اور کوتاہی کے سلسلہ میں بیان کریں) قبول کرو اور ان کے برے لوگوں کی برائی سے (کہ جن کا عذر پیش کرنے سے وہ عاجز ہوں) درگزر کرو'۔ (بخاری)

تشریح: (وھم ......): واؤ حالیہ ہے۔ (**عصب**): صاد کی تشدید کے ساتھ۔

(**فانھم کرشی**): **بفتح و کسر** ......:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد یہ ہے کہ انصار میرے راز دار اور معتمد علیہ ہیں۔ یا یہ کہ انصار میری جماعت اور میرے اصحاب ورفیق ہیں۔ اور مصباح میں ہے کہ: انصار محبت ورأفہ میں میرے لئے میرے چھوٹے بچوں کی مانند ہیں۔ چونکہ انسان فطری طور پر چھوٹے بچوں سے بہت پیار کرتا ہے۔

انصار کے کم ہونے کی پیشینگوئی

۶۲۲۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ حَتّٰى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُوْنَ وَيَقِلُّ الْاَنْصَارُ حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيْهِ قَوْمًا وَيَنْفَعُ فِيْهِ اٰخَرِيْنَ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٣٦٢٤/٦ حدیثر قم ٣٦٢٨ ومسلم فی صحیحه ١٩٤٩/٤ حدیث رقم (١٧٦-٢٥١٠) و احمد فی المسند ٢٨٩/١۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مرض کے دوران کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی (ایک دن) حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی' پھر فرمایا' حمد وثنا کے بعد لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا (جن کا معتد بہ حصہ اپنے اپنے وطن چھوڑ کر بہ نیت ہجرت مدینہ میں آئے گا) اور انصار کی تعداد میں کمی واقع ہوگی یہاں تک کہ دوسرے لوگوں میں ان (انصار) کا تناسب کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گا' پس (اے مہاجرو!) تم میں سے جو شخص کسی بھی طرح کے اقتدار کا حاکم بنے اور اس کے سبب وہ کسی کو ضرر اور کسی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ انصار کے نیک لوگوں (کی نیکی) کو قبول کرے اور ان کے برے لوگوں (کی برائی) سے درگزر کرے''۔ (بخاری)

تشریح: (ثم قال أما بعد): بعد کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ أي: بعد الحمد والثناء. (يكثرون): ثاء مثلثہ کے ضمہ کے ساتھ۔ (ویقل الأنصار): یاء کے فتحہ، قاف کے کسرہ اور لام کی تشدید کے ساتھ۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حتی یکونوا فی الناس بمنزلة الملح فی الطعام:

(فمن ولی منکم): ولی: واؤ کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں واؤ کے ضمہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ بمعنی من تولی منکم. (شیئا): مفعول بہ ہے اور مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے بمعنی قلیلا من الایة. (وینفع فیه آخرین): یہ صفت کاشفہ ہے۔ (رواہ البخاری)

انصار اور اولادِ انصار کے لئے دعاء مغفرت

۶۲۲۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَلِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءِ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٥٠/٨ حديث رقم ٤٩٠٦ واخرجه مسلم في صحيحه ١٩٤٨/٤ حديث رقم (١٧٢-٢٥٠٦) والترمذي في السنن ٦٧٢/٥ حديث رقم ٣٩٠٩ وابن ماجه في السنن ٥٨/١ حديث رقم ١٦٥۔

ترجمہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! انصار کی' انصار کے بیٹوں کی اور انصار کے پوتوں کی (کامل) بخشش فرما''۔ (مسلم)

تشریح: (وأبناء أبناء الانصار): اور ایک نسخہ میں ولأبناء الأنصار۔

قبائل انصار کے افضلیت میں فرق مراتب

۶۲۲۴: وَعَنْ اَبِیْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ دُوْرِ الْاَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ ثُمَّ بَنُوْا عَبْدِ الْاَشْهَلِ ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُوْا سَاعِدَةَ وَفِیْ كُلِّ دُوْرِ الْاَنْصَارِ خَيْرٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١١٥/٧ حديث رقم ٣٧٨٩ ومسلم في صحيحه ١٩٥٠/٤ حديث رقم (١٧٩-٢٥١١) والترمذي في السنن ٦٧٣/٥ حديث رقم ٣٩١١۔

ترجمہ: ''حضرت اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصار کے بہترین گھر یعنی ان کے بہترین قبائل میں سے بہترین قبیلہ ''بنونجار کا'' پھر ''بنوعبدالاشہل کا'' پھر ''بنوحارث بن خزرج کا'' اور پھر ''بنوساعدہ کا قبیلہ ہے'' اور انصار کے تمام قبیلوں میں بھلائی اور نیکی ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (أسيد): تصغیر کے ساتھ ہے۔

علماء فرماتے ہیں: تفاوت درجات قبول اسلام میں سبقت کے اعتبار سے ہے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں: اگر عبارت اپنے ظاہر پر تو بنو النجار میں حذف مضاف ہوا ہے، اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ اور کسی بھی قبیلہ کا خیر ہونا، قبیلہ والوں کی خیریت کے سبب سے ہوگا۔ اور ان کی طاعات وعبادات کے اعتبار سے ہوگا۔

تخریج: اس حدیث کو امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

الجامع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: خیر دیار الأنصار بنو النجار. اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ اور ترمذیؒ کی ایک حدیث میں جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے: خیر دیار الأنصار بنو عبد الأشهل.

اہل بدر سے مغفرت و بخشش کا وعدہ

۶۲۲۵: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاَبَا مَرْثَدٍ بَدْلَ الْمِقْدَادِ فَقَالَ انْطَلِقُوْا حَتّٰى تَاْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا يَتَعَادٰى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلَى الرَّوْضَةِ فَاِذَا نَحْنُ بِالظَّعِيْنَةِ فَقُلْنَا اَخْرِجِي الْكِتَابَ قَالَتْ مَا مَعِيْ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجَنَّ الْكِتَابَ اَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَاَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَاَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلٰى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ اِنِّيْ كُنْتُ امْرَاً مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ اَكُنْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَكَانَ مَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَةٌ يَحْمُوْنَ بِهَا اَمْوَالَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ بِمَكَّةَ فَاَحْبَبْتُ اِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ اَنْ اَتَّخِذَ فِيْهِمْ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رَضِيً بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٤٣/٦ حديث رقم ٣٠٠٧ ومسلم في صحيحه ١٩٤١/٤ حديث رقم (١٦١-٢٤٩٤) وابو داؤد في السنن ١٠٨/٣ حديث رقم ٢٦٥٠ والترمذي في السنن ٣٨١/٥ حديث رقم ٣٣٠٥ واخرجه الدارمي ٤٠٤/٢ حديث رقم ٢٧٦١ و احمد في المسند ٨٠/١۔

ترجمہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو زبیر کو اور مقداد رضی اللہ عنہم کو ایک روایت میں

مقدادؓ کے بجائے ابو مرثد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ (کسی کام کی غرض سے) روانگی کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگ (تیز رفتاری سے) سفر کر کے روضۂ خاخ پہنچو وہاں ایک عورت اونٹ کی سواری پر کجاوی میں بیٹھی ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا‘ تم لوگ وہ خط اس سے حاصل کر لو۔ چنانچہ ہم (فوراً) روانہ ہو گئے اور اپنے گھوڑوں کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ پہنچے اور اس عورت کو جالیا۔ ہم نے (اس عورت سے) کہا لاؤ‘ خط نکال کر ہمارے حوالہ کرو! وہ عورت بولی: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے (ذرا تیز ہو کر) کہا: تو خط نکالتی ہے یا ہم تیرے کپڑے اتروائیں (یعنی اگر تو نے خط نکال کر نہیں دیا تو مجبوراً تجھ کو برہنہ کرنا پڑے گا تاکہ وہ خط برآمد ہو جائے) تب اس عورت نے وہ خط اپنی چوٹی سے نکالا (اور ہمارے حوالے کر دیا) اور ہم اس خط کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ (جب وہ خط کھول کر دیکھا گیا تو) اس میں لکھا تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ میں کے مشرکین کے نام اور پھر آگے حاطب نے مشرکین مکہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہم اقدامات اور منصوبوں کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاطب کو طلب کیا اور اس سے) فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ (مجھے بتا تو نے یہ کیا حرکت کی ہے اور کیوں کی ہے؟) حاطب بولا‘ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بارے میں عجلت نہ کیجیے (یعنی میری پوری بات سنے بغیر اس حرکت کی پاداش میں میرے متعلق کفر اور سزا کا فیصلہ نہ کیجیے) دراصل میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش کے لوگوں میں باہر سے آ کر مل گیا ہوں (یعنی قریش سے میرا کوئی نسبی اور قرابتی تعلق نہیں ہے‘ بلکہ باہر سے آ کر ان میں شریک ہو گیا ہوں) اور محض ان کا حلیف ہوں‘ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو (دوسرے) مہاجرین ہیں وہ مکہ والوں سے قرابت رکھتے ہیں اور مشرکین مکہ اس قرابت کا لحاظ کر کے مکہ میں ان مہاجرین کے مال و جائیداد اور ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ پس اس بناء پر کہ میرے اور مشرکین مکہ کے درمیان نسبی و قرابتی تعلق نہیں ہے میں نے چاہا کہ ان کے لئے کوئی ایسا کام سرانجام دوں جس کے بدلے میں وہ مکہ میں میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق دل سے یقین دلاتا ہوں کہ) میں نے یہ حرکت اس وجہ سے نہیں کہ میں (سرے سے دائرۂ ایمان و اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا تھا اور) کافر ہوں‘ نہ اس وجہ سے کہ میں (پہلے مسلمان تو ہو گیا تھا لیکن اب دائرہ اسلام سے نکل گیا ہوں اور) مرتد ہو گیا ہوں اور نہ اس وجہ سے کہ اسلام کے بعد اب کفر مجھ کو پسند ہے (اور نورِ ایمان سے تعلق توڑ کر کفر کے اندھیرے میں جانا چاہتا ہوں) (حاطب کا یہ پورا بیان سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حاطب نے تمہارے سامنے بالکل سچ کہا ہے (حقیقت یہی ہے جو اس نے بتائی ہے) لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس طرح مت سوچو اور اس حقیقت پر نظر رکھو کہ) حاطب نے بدر میں شرکت کی ہے (اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ یہ اگر غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے تو ہوا کرے۔ اب تو اس نے جاسوسی کر کے گویا غداری کا ارتکاب کیا ہے اور اس پر قرار واقعی سزا کا مستوجب ہو گیا ہے)۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا:) اور تمہیں کیا معلوم (یعنی تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو کہ حاطب مستوجب قتل ہو گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات سے پہلے سے واقف تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”تم جو چاہو کرو‘ حقیقت تو یہ ہے کہ جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے“ اور ایک روایت میں (تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے کے بجائے) یہ ہے کہ ”میں تم کو بخش چکا ہوں“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (حاطب اور اس جیسے لوگوں کو اس طرح کی مذموم حرکت کے خلاف متنبہ کرنے کے لئے) یہ آیت نازل فرمائی (جس کا

ترجمہ ہے:) اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو (یعنی وہ لوگ کہ جن کو میں دشمن رکھتا ہوں یا جن سے تم دشمنی رکھتے ہو ان کو) اپنا دوست نہ سمجھو......''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (...... أنا): موجود تمام نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے۔ اور ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ أیای ہوتا۔ گویا کہ ضمیر مرفوع کو استعارۃً ضمیر منصوب کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ (مرثد): میم کے فتحہ، اور راء کے سکون اور ثائے مثلثہ کے فتحہ کے ساتھ۔

(فقال...... خاخ): صاحب قاموس لکھتے ہیں: یہ لفظ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ لفظ نکتوں والی دو خاؤں کے ساتھ ہی درست ہے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے، جو مدینہ سے مکہ کے راستے پر مدینہ کے قریب ہی واقع ہے۔ (فان بها ظعينة): اس عورت کا نام سارۃ تھا۔ اور بعض حضرات نے ام سارہ لکھا ہے۔ یہ قریش کی ایک آزاد کردہ باندی تھی۔ (معها كتاب): یہ عورت مشرکین مکہ کے نام ایک خط لے کر مدینہ سے مکہ جا رہی تھی۔ (فقلنا...... كتاب): من زائدہ برائے تاکید نفی ہے۔ (فقلنا لتخرجن): لام کے فتحہ، خاء کے سکون، راء اور جیم کے کسرہ اور نون مشددہ کے ساتھ بمعنی لتظهرن. (الكتاب أو لتلقين): لام کے فتحہ، تاء کے ضمہ، لام کے سکون، قاف کے کسرہ، یاء کے فتحہ اور نون کی تشدید کے ساتھ، اور ایک صحیح نسخہ میں یائے تحتانیہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور ایک نسخہ میں بغیر یاء کے ہے یہ لفظ بھی بالکل واضح ہے، بمعنی لترمين۔

اور ایک نسخہ میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ثیاب مرفوع ہے۔ وجہ اعراب بالکل ظاہر ہے۔

امام میرکؒ فرماتے ہیں: روایت یائے مکسورۃ اور مفتوحہ کے ساتھ ہی ہے۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ قواعد عربیہ کے مطابق ایک یاء کو حذف کر کے لتلقن کہنا چاہئے تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: قیاس کا تقاضا تو یہی ہے۔ البتہ چونکہ یاء والی روایت بالکل صحیح ہے لہٰذا یہاں یہ تاویل کی جائے گی کہ لتخرجن کی مشاکلت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ اور فتح اس وجہ سے آیا کہ مؤنث غائب کو بطور التفات حاضر سے غائب کا صیغہ بنا دیا گیا۔

اور بعض نسخوں میں قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور ثیاب مرفوع ہے۔ یہ بات امام کرمانیؒ نے شرح بخاری میں ذکر کی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: كذا فيه باثبات الياء والوجه حذفها، وقيل: انما ثبتت لمشاكلة لتخرجن.

قال: يظهر لي أن صواب الرواية لتلقين الثياب بالنون بلفظ الجمع، وهو ظاهر جدا لا شك فيه البتة، ولا يحتاج الى تخريج تكلف. والله اعلم انتهى كلامه.

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو باب فضل من شهلا بدرا میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے: ''لتخريجن الكتاب أو لنجردنك''. (انتہٰی)

(فأخرجته من عقاصها): عین کے کسرہ کے ساتھ عقيصة کی جمع ہے۔ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس نے وہ خط اپنی کمر سے نکال کر دیا تھا۔ پس ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ اس کی چوٹی کافی دراز

ہوگی جو کمر تک پہنچتی ہوگی اور اس خط کو اس نے چوٹی کے نچلے حصے میں باندھ کر کمر میں کس رکھا ہوگا۔ (فأتینا...... فیه): ضمیر کا مرجع کتاب ہے۔ (من حاطب): طاء کے کسرہ کے ساتھ۔ (ابن أبی...... المشرکین): امام طیبیؒ نے فرمایا: یہ خط کی حکایت نہیں ہے بلکہ یہ راوی کا کلام ہے، کہ راوی نے الی فلان وفلان وفلان کی جگہ ذکر کیا ہے۔ اور مجازاً خط بھی ہوسکتا ہے۔ (ببعض...... ﷺ): سے مراد بعض اہم اقدامات ہیں۔ کہ پیغمبر اسلام اپنے لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کیلئے آرہے ہیں، ہوشیار رہنا، (لیکن اس عورت کے روانہ ہوتے ہی) حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ (فقال...... ﷺ): اس کلام کے مخاطب حضرت حاطب تھے۔ (ما هذا؟): یہ کیا فعل شنیع ہے؟ (تونے یہ کیا حرکت کی ہے، اور کیوں کی ہے؟)۔ (فقال...... علی): یعنی "میری پوری بات سننے سے پہلے اس حرکت کی پاداش میں میرے متعلق کفر وغیرہ کا فیصلہ نہ فرمائیے گا"۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اس فعل کا عذر بیان کرنا شروع کیا، اور کہا: (افی...... ملصقا): اسم مفعول کا صیغہ ہے، بمعنی حلیف۔ (فی قریش): یعنی میں قریش میں باہر سے آکر مل گیا تھا۔ (ولم...... أنضهم): امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ زبیر بن العوام کے حلیف تھے۔ (وکان...... قرابة): یہاں مضاف محذوف ہے أی: ذوو قرابة، بمعنی اقارب یا اس کی صفت محذوف ہے أی: قرابة مع ناس.

بمكة: لیحمون کے لئے ظرف ہے۔ البتہ عبارت کی یہ تقدیر اقرب ہے: أموالهم وأهليهم الكائنين بمكة.

(فأحببت...... ذلك): کا مشارالیہ "قرب" ہے۔ (من النسب فیهم): سے مراد قریش ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اذا فاتنی جملہ تعلیلیہ ہے۔ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان واقعہ ہوا ہے۔ (ان...... یدا): کارنامہ۔ (بها): سے مراد تلك الید ہے۔ (قرابتی): اس قرابت سے مراد مکہ کی قرابت ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یحمون، یداً کی صفت ہے۔ اور ید: بمعنی انعام وقدرت ہے۔ (وما فعلت): کا مفعول بہ محذوف ہے: أی ذلك. (کفرا): کہ میں سرے سے دائیرہ ایمان میں داخل ہی نہیں ہوا۔ (ولا...... دینی): أی حدثا. (ولا رضا بالکفر): کہ اب مجھ کو کفر اچھا لگتا ہو (بعد الاسلام): .... یا ماقبل کی تاکید ہے، یا حروف کفر کی انواع کے لئے تعمیم ہے۔ (فقال...... ﷺ): آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: (انه قد صدقکم): دال کی تخفیف کے ساتھ، بمعنی قال الصدق. (فقال عمر: دعنی): بمعنی اترکنی ہے۔ (یا رسول...... اضرب): مجزوم ہے، بمعنی أقطع، کاٹ ڈالوں۔ (عنق هذا المنافق):

(وما یدریك): اس کا مفعول ثانی: أنه مستحق للقتل محذوف ہے۔ (لعل...... اطلع): طاء کی تشدید کے ساتھ بمعنی أقبل. (علی أهل بدر): یعنی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو اپنی خصوصی نظر وکرم ومغفرت سے نوازا ہو۔ (فقال...... شئتم): یعنی اب تمہیں اجازت ہے کہ اعمال صالحہ اور افعال نافلہ میں سے چاہے تھوڑا کرو چاہے بہت کرو، جو بھی کرلوگے کافی ہو جائے گا۔ یعنی یہ ثابت ہوگیا کہ تم جنت میں جاؤ گے، یا یہ کہ حق تعالیٰ کے وعدے کے بموجب تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے پہلے لفظ لعل کا جو استعمال فرمایا، وہ اپنے اعتبار سے نہیں فرمایا بلکہ اس میں ترجی اور امید کے معنی حضرت عمرؓ کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک تو یہ بات محقق اور یقینی تھی اور (اس یقینی بات کو

لفظ **لعل** کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا تا کہ اہل بدر اس پر اعتماد اور بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور **اعملوا ما شئتم** سے اعمال چھوڑ بیٹھیں۔ اس جملہ سے اظہار عنایت مقصود ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں تمام افعال میں رخصت دے دی گئی ہے، بلکہ حضرت حفصہ کی آنے والی حدیث صریح ہے کہ یہ کلام مقام رجاء میں تھا، نہ کہ مقام قطع میں۔ واللہ اعلم

(وفی روایة فقد غفرت لکم): یہ جملہ، پہلے والے جملے سے زیادہ أرجی ہے، پُر امید کرنے والا ہے، **کلہ یخفی**۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: اہل بدر کے حق میں عفو و مغفرت کا تعلق صرف آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیائے فانی سے۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو جائے، جس پر حد وغیرہ جاری ہوتی ہے، تو وہ مستوجب مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ ایک صحابی **مسطح بن أثاثة** حالانکہ اہل بدر میں سے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت عائشہؓ پر افترا باندھا (اور قرآن کریم نے ان کے افترا کا پردہ چاک کر کے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی تصدیق کی) تو آنحضرت ﷺ نے مسطح پر حد افترا قائم فرمائی۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جاسوسوں کی پردہ دری اور ان کے خطوط پڑھنا جائز ہے۔ اور اسی طرح ہر مفسد کی پردہ دری جائز ہے، جب کہ مصلحت اس کی متقاضی ہو، یا پردہ پوشی کسی مفسدہ کو جنم دینے کا باعث بنتی ہو۔ حضرت حاطبؓ کا یہ فعل قطعی طور پر کبیرہ تھا، چونکہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کے لئے باعث ایذا تھا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا……﴾ [الاحزاب: ۵۷] ''اور جو لوگ خدا اور اسکے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے'' البتہ ان کو قتل کرنا جائز نہ تھا، چونکہ ان کا یہ فعل کفریہ نہ تھا۔ (انتہی کلامہ)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر ان کا مقصد آنحضرت ﷺ کو زک اور ایذاء پہنچانا ہوتا، تو پھر ان کے کافر ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔ لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ اس سے ان کا مقصد آنحضرت ﷺ کو ایذا رسانی ہرگز نہ تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ میری اس حرکت سے میرے قرابت داروں کی دیکھ بھال ہو سکے گی۔ اور اندازہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اس خط کی خبر سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ (چنانچہ جب انہوں نے اپنا اصل مقصد بیان کیا جو ان کے خط لکھنے کا اصل محرک بنا تھا) تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ ہاں بلاشبہ وہ ایک بڑی اجتہادی غلطی میں مبتلا ہوئے، بایں طور کہ انہوں نے اپنے اس معاملہ کو چھپایا، اور آنحضرت ﷺ سے اجازت لئے بغیر ایسا کام کیا۔ واللہ اعلم

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۔ اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ○ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ○قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ○﴾

''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں' رسول تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں' اگر تم میرے راستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو' تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو (یادرکھو) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا تو راہ راست سے بھٹکے گا اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں (بایں طور کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئیں گے۔ خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان لوگوں میں جو کہ ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں' ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ' لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے (استغفار سے زیادہ) مجھ کو خدا سے آگے کسی بات کا اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے''۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، لیکن خطاب عمومی ہے تا کہ حاطب رضی اللہ عنہ جیسے دوسرے لوگ بھی اس کے تحت آ جائیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے: **العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**۔ یعنی یہ اصولی قاعدہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۲۶: وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ جَآءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ قَالَ مِنْ اَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۱/۷ حدیث رقم ۳۹۹۲ وابن ماجه ۵۶/۱ حدیث رقم ۱۶۰۔

ترجمہ: ''حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کرنے لگے کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو آپ اپنوں میں سے کس درجہ کے لوگوں میں شمار کرتے

ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ان کو سب سے اعلیٰ وسب سے افضل مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں' یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کے کچھ اور الفاظ میں جواب دیا (اور ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہوگا ھم افضل المسلمین یعنی وہ اصحاب بدر سب سے اعلیٰ وسب سے بہتر مسلمان ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یعنی حضرت جبرئیل سے) فرمایا: ایسا ہی ان فرشتوں کے بارے میں (ہم سمجھتے ہیں) جو غزوہ بدر میں (اہل اسلام کی مدد کے لئے) حاضر ہوئے تھے"۔ (بخاری)

تشریح: (ما تعدون): عین کے ضمہ اور دال کی تشدید کے ساتھ، بمعنی ما تعتبرون. (اهل بدر فيكم): ضمیر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جمع کی ضمیر تعظیماً ذکر کی گئی، یا فیکم سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مؤمنین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل بدر کا تمہارے ہاں مقام فضیلت کیا ہے؟ (قال: من): مبتداء محذوف ہے۔ اصل میں هم من تھا۔ (أفضل...... نحوها): اور ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہوگا: هم أفضل المسلمين. (وكذلك): یعنی ایسا ہی ہم سمجھتے ہیں۔ (من...... الملائكة): یعنی کہ ہم فرشتوں میں سے جو فرشتے غزوہ بدر میں شریک ہوئے، وہ ان تمام فرشتوں سے افضل ہیں، جن کو اس غزوہ میں شرکت کا موقع نہیں ملا۔ لہٰذا یہ ملائکہ افضل الملائکہ یا أفاضل ملائکہ ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: سوال کے الفاظ جو اصل میں یوں تھے: ممن يعدون، تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے کہ: وہ من أفضل المسلمين. مَن کی جگہ ما کا استعمال تعظیماً فرمایا۔ جیسا کہ اس قول میں: سبحان ما سخر كن لنا ہوا ہے۔ مَنْ سے عدول کر کے ما استعمال میں عدم ظہور افادہ تعظیم بالکل واضح ہے، کئی مواضع پر ما: بمعنی مَن مستعمل ہوا ہے۔ یا وصفی معنی مراد ہیں۔ جیسا کہ اس مثال مذکور میں ہے اور جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے: ﴿ونفس وما سواها﴾.
(رواه البخاری)

غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شریک صحابہ کو دوزخ سے چھٹکارے کی بشارت

۶۲۲۷: وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَ رْجُوْاَنْ لَّا يَدْخُلَ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْهِ يَقُوْلُ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اَحَدٌ اَلَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٤٢/٤ حديث رقم (١٦٣-٢٤٩٦) وابو داوٗد في السنن ٤١/٥ حديث رقم ٤٦٥٣ والترمذي في السنن ٦٥٢/٥ حديث رقم ٣٨٦٠ وابن ماجه ١٤٣١/٢ حديث رقم ٤٢٨١

ترجمہ: "ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں امید رکھتا ہوں کہ جس شخص نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی ہے وہ ان شاء اللہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا' میں نے (یہ سن کر) عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص نے دوزخ پر سے گزرنا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے یہ نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا ہے کہ پھر ہم پرہیزگار لوگوں کو" دوزخ میں جانے سے" بچائیں گے اور ایک روایت

میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اصحاب شجر میں سے کوئی بھی شخص ان شاء اللہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا اور "اصحاب شجر" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے (حدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے بیعت کی تھی"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: (**الحدیبیة**): تخفیف اور تشدید کے ساتھ، (**قلت...... منکم**): ان نافیہ ہے، **أي ما منکم**.

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا گمان تھا کہ قرآن کے ان الفاظ میں وارد کے معنی **داخلها** (دوزخ میں داخل ہونے کے) ہیں۔

(**قال...... فلم تسمعیه**): سے پہلے ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے۔ اور ضمیر غائب کا مرجع **کلام اللہ** ہے۔ **أي أفلم تسمعي کلام اللہ**. (**یقولون**): یعنی **وان منکم الا واردها** کے بعد یہ بھی فرمایا کہ: (**ثم ننجي الذین اتقوا**) یعنی دوزخ میں جانے سے بچائیں گے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر جو کچھ فرمایا: اس کو مناظرہ اور اعتراض وجواب کہنا ایسے سوءِ ادب سے خالی نہیں کہ جس سے مسامحت کی امید رکھی جائے۔ بلکہ درست بات یہ ہے مناظرہ اس مباحثہ اور مجادلہ کو کہتے ہیں جو ہم عصر نظراء اور امثال کے درمیان ہو۔

(**وفي روایة...... بایعوا تحتها**): اصحاب شجرہ کے لئے عطف بیان ہے یا بدل ہے۔

تخریج: سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

امام میرکؒ فرماتے ہیں: مصنفؒ کا ظاہری اسلوب تو اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ حدث مسلم شریف میں مسند حفصہ سے تعلق رکھتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چونکہ مسند اُم مبشر انصاریہ میں ہے کہ: **انها سمعت رسول اللہ ﷺ عند حفصة یقول: لا یدخل النار ان شاء اللہ من أصحاب الشجرة أحد الذین بایعوا تحتها". فقالت: بلی یا رسول اللہ. فانتهر لها حفصته فقالت: ﴿وان منکم الا واردها﴾ فقال ﷺ قد قال اللہ عز وجل: ﴿ثم ننجي الذین...... جثیا﴾**۔ صحیح مسلم میں یہ روایت یوں مذکور ہے۔ حضرت حفصہؓ کی حدیث صحیحین میں سے کسی میں بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں امّ مبشر سے مروی ہے۔ البتہ ابن ماجہؒ نے ام مبشر عن حفصہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، جیسا کہ مصابیح میں ہے۔ اسی طرح یہ روایت شرح السنہ میں ہے۔ واللہ اعلم۔

امام جزریؒ نے تصحیح المصابیح میں جو کچھ ذکر فرمایا تھا اس کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے، انتہیٰ۔ چونکہ اس حدیث کا معنی حضرت حفصہ سے مروی ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ لہٰذا اس کی اسناد حضرت حفصہؓ کی طرف درست ہے۔

بیعت رضوان میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۲۸: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحیحه ۷/۴۴۳ حدیث رقم ۴۱۵۴ ومسلم في صحیحه ۳/۱۴۸۴ (۷۱-۱۸۵۶)۔

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر ہماری تعداد ایک ہزار چار سو تھی (اور) ہمارے متعلق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا' آج کے دن زمین والوں میں تم سب سے بہتر ہو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: (اربعمائه): حدیبیہ کے موقع پر موجود صحابہ کی تعداد کے بارے میں اختلافی روایات اور ان کے درمیان وجوہ تطبیق پیچھے گزر چکی ہیں۔ (قال...... الأرض): اس حدیث کے مطابق بعض علماء نے، جن میں سیوطیؒ بھی ہیں، فرماتے ہیں: صحابہ کرام میں سب سے افضل خلفائے اربعہ ہیں، پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر، پھر اہل اُحد اور پھر اہل حدیبیہ ہیں۔

ثنیۃ المرار پر چڑھنے والوں کو بخشش ومغفرت کی بشارت

۶۲۲۹: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهٗ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهٗ اِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْلَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ اَجِدُ ضَالَّتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لِيْ صَاحِبُكُمْ (رواه مسلم وذكر حديث) اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ فِيْ بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ٢١٤٤/٤حديث رقم (١٢-٢٨٨٠) والترمذي في السنن ٦٥٣/٥حديث رقم ٣٨٦٣۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (حدیبیہ کے سفر کے دوران) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثنیۃ المرار کی چوٹی جو چڑھے گا اس کے گناہ اسی طرح معاف کردیے جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے گناہ معاف کر دیے گئے تھے تو سب سے پہلے جو لوگ اس (ثنیۃ المرار) پر چڑھے وہ ہمارے گھوڑے یعنی قبیلہ خزرج کے (گھوڑ سوار) تھے۔ اس کے بعد پے درپے سب لوگ چڑھے' پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب کو بخش دیا گیا علاوہ اس شخص کے جو سرخ اونٹ والا ہے (یعنی منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) ہم اس (سرخ اونٹ والے شخص یعنی عبداللہ بن اُبی) کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے بھی بخشش ومغفرت کی درخواست کریں' مگر وہ (بدبخت) بولا کہ میں اپنی گم شدہ چیز حاصل کرلوں یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ اور ہے کہ تمہارے صاحب میرے لئے بخشش ومغفرت مانگیں۔ (مسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث: ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَيْكَ'' ''فضائل قرآن'' کے بعد والے باب میں نقل کی جا چکی ہے (یعنی صاحب مصابیح نے اس حدیث کو یہاں اس باب میں نقل کیا تھا لیکن اس حدیث میں چونکہ قرآن کا ذکر تھا اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے اس کو وہاں نقل کیا)''۔

تشریح: (الثنية): يصعد، دال کے کسرہ کے ساتھ، چونکہ مجزوم تھا، التقائے ساکنین کی وجہ سے۔ ایک نسخہ میں مرفوع ہے، اس صورت میں یہ من موصولہ متضمن معنی شرط ہو کر مبتدا ہوگا۔ الثنية: پہاڑ کے درمیان گھاٹی کے راستہ کو کہتے ہیں۔ (ثنية

المرار): منصوب علی البدلیۃ ہے یا عطف بیان ہے۔ المرار: صاحب النہایہ کا کہنا ہے کہ میم کے ضمہ کے ساتھ مشہور ہے۔ بعض لوگ اس کو کسرہ دیتے ہیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فتحہ کے ساتھ ہے۔ مرار ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان اس راستہ پر واقعہ ہے جو حدیبیہ کو ہو کر گزرتا ہے۔ ثنية المرار پر چڑھنے کی ترغیب اس وجہ سے دی کہ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی تھی، اور یہاں پہنچے بھی رات کے وقت تھے۔

(فانه يحط عنه): مضارع مجہول کے صیغہ کے ساتھ، (ما حط): یہاں مثل مضاف محذوف ہے۔ اور حط بمعنی وضع ہے۔ أي مثل ما وضع. (عن بني اسرائيل): حدیث مبارکہ کے اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ”اور (دیکھنا) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطۃ کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے“۔

(فكان): فاء کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں وكان ہے۔ (أول...... خيلنا): مرفوع ہے، مبدل منہ ہے۔ (خيل بني الخزرج): بدل ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: كان خيلنا أول خيل من صعدها. (ثم تتام): میم کی تشدید کے ساتھ، از باب تفاعل تمام سے مشتق ہے۔ (فقال...... الأحمر): سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ہے۔ استثناء منقطع ہے: جاء القوم الا حمارا کی طرح۔ (فأتينا...... تعال): یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس چلو۔ (يستغفر): جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ ایک نسخہ میں أن يستغفر ہے۔ اس صورت میں اس سے پہلے لام حرف جر مقدر ہوگا أى لأن يستغفر. (لك...... ضالتي): سے مراد اونٹ یا گھوڑا ہے۔ (أحب...... صاحبكم): یہ الفاظ اس کی طرف سے کھلم کھلا کفر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

> وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔
>
> ”اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ (رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو) تا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح اور تحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ (اور) اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے“۔

(لأبي...... عليك): یہ جملہ حضرت اُبی بن کعب کی عظیم فضیلت کو ظاہر کرتا ہے اور اشارہ ہے کہ وہ ”رئیس القراء“ ہیں۔

(في باب فضائل القرآن): جار مجرور ذکر کے متعلق ہے۔

الفصل الثانی:

حضرات شیخین، حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۳۰: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنَ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ اَصْحَابِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَفِيْ رِوَايَةِ حُذَيْفَةَ مَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ بَدَلَ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ۶۲۷/۵ حديث رقم ۳۷۹۹ وابن ماجه ۳۷/۲ حديث رقم ۹۷ و احمد في المسند ۳۹۹/۵

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے (دنیا سے رخصت ہونے کے) بعد تم لوگ میرے اصحاب ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو، عمار بن یاسر کی سیرت اور ان کی راہ وروش اختیار کر کے سیدھی سچی راہ پر چلو اور ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) کے عہد کو مضبوط پکڑو اور ایک دوسری روایت میں، جو حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے ''ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کے بیٹے کے عہد کو پکڑو'' کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ: ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں (اور دین کے احکام ومسائل سے متعلق جو بات بتائیں) اس میں ان کو سچا تسلیم کرو“۔ (ترمذی)

تشریح: (...... باللذین): تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں الذین، یعنی صیغہ جمع کے ساتھ ہے۔ جمع کا صیغہ یا تو برائے تعظیم استعمال فرمایا، یا اس بنیاد پر کہ اقل جمع دو ہے۔ (من بعدی): یعنی میری وفات کے بعد یا میری پیروی کے بعد۔ (من أصحابی): أی: من جملة أصحابی. (أبی بکر وعمر): بدل ہے یا للذین کے لئے بیان ہے۔ (واهتدوا بهدی عمار): أی سیروا بسیره. اقتداء، اہتداء کے مقابلہ میں اعم ہے کہ اس کا تعلق قول وفعل سے ہے۔ اور اہتداء فعل کے ساتھ مخصوص ہے۔ (وتمسکوا...... عبد): عہد سے مراد قول ووصیت ہے۔ چنانچہ یہی وہ حکم رسول ہے جس کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ کی ایک مضبوط بنیاد بنایا ہے۔ استنباط مسائل میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، خلفائے اربعہ کے بعد تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات اور قول کو اختیار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کمال فقاہت اور اخلاص وصیت سے بے غبار چیز ہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا خیال یہ ہے کہ اس عہد سے مراد منصب خلافت ہے۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی وہ پہلے صحابی ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی صحت کی گواہی دی، اور بڑے بڑے صحابہ کرام کی توجہ اس طرف مبذول کروائی، اور اس کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا: لا نؤخر من قدمه رسول الله ﷺ ألا نرضى لدنيانا من ارتضاه لديننا۔ اور اس کی تائید اس مناسبت سے بھی ہوتی ہے جو اول حدیث اور آخر حدیث میں ہے، چنانچہ اولاً یہ فرمایا: اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر وعمر، وفی آخره: تمسکوا بعهد ابن أم عبد۔ اور ہماری کہی ہوئی بات کی تصدیق اس اگلے جملہ سے بھی ہوتی ہے۔

(وفی روایة حذیفة...... فصدقوہ): اس جملہ میں ارشارہ ہے اس رازِ خلافت کی طرف کہ جس کا ذکر حدیث خلافت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: لو استخلفت علیکم فعصیتموہ عذبتم، ولکم ما حدثکم حذیفة فصدقوہ. اور حضرت حذیفہؓ ہی وہ راوی ہیں، کہ جنہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے: اقتدوا باللذین من بعدی. اور ان دونوں حدیثوں سے بڑھ کر امر خلافت کے بارے میں کوئی تعریض میری نظر میں نہیں ہے۔ اور نہ ابو سعید کی اس روایت سے زیادہ واضح: سدوا عنی کل خوخة الا خوخة أبی بکر. چونکہ واؤ عاطفہ ہے، اور بہر تقدیر اس کا وجود ضروری ہے۔

تخریج: پہلی روایت کو امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے، اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو یحییٰ بن سلمہ بن کہیل کے علاوہ سے نہیں جانتے۔

دوسری حدیث کو بھی امام ترمذیؒ ہی نے نقل کیا ہے۔ البتہ وہ حدیث حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے۔ قال: کنا جلوسا عن النبی ﷺ فقال ما أدری ما بقائی فیکم. فاقتدوا باللذین من بعدی ...... بأبی بکر وعمر واھتدوا بھدی عما، وما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ. امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ (نقله میرك عن التصحیح) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حضرت حذیفہؓ کی حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

اور الجامع الصغیر کی روایت میں ہے کہ: "اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر وعمر". اس حدیث کو امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کیا ہے اور فرمایا: اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے ابن مسعودؓ سے اور رویانی نے حذیفہؓ سے اور ابن عدیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صلاحیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد

۶۲۳۱: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۲۲/۵ حدیث رقم ۳۸۰۹ واخرجه ابن ماجه ۴۹/۱ حدیث رقم ۱۳۷ و احمد فی المسند ۱۰۷/۱

ترجمہ: "حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک موقعہ پر) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں مشورہ کے بغیر کسی کو امیر و حاکم بناتا تو میں لوگوں کا امیر و حاکم ام عبد کے بیٹے یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کو بناتا"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: (مؤمرا): اور ایک نسخہ میں أحدا کی زیادت بھی ہے۔ أحداً مفعول واقع ہوگا۔ مؤمرا: دوسرے میم کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ بمعنی جاعل أحدٍ أمیرا. یہاں کسی خاص لشکر کا امیر مقرر کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: لو کنت مستلخفا ہے۔ (من غیر مشورة): میم کے فتحہ، شین کے سکون کے ساتھ، ایک نسخہ میں میم کے فتحہ، شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ صاحب صحاح نے یہ دونوں صورتیں ذکر ہیں۔ قاموس میں لکھتے ہیں: مشورة مفعلة لا مفعولة یعنی کمقولة۔

(لأمرت...... ابن ماجه): الجامع میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "لو كنت مؤمرا على أمتي أحدا من غير مشورة منهم، لأمرت عليهم ابن أم عبد".

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ روایت خواہ کسی طرح بھی مروی ہو، یہ تاویل ضروری ہے کہ اس سے مراد کسی خاص لشکر کا امیر بنانا تھا، یا اپنی زندگانی ہی میں کسی معاملہ میں اپنا خلیفہ بنانا مقصود تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور معنی پر محمول کرنا درست نہیں، چونکہ اگرچہ وہ علم وعمل میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ عظیم الشان فضائل ومناقب کے مالک تھے، مگر قریش سے نہ تھے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نص موجود ہے کہ یہ امر خلافت قریش ہی میں رہے گا۔ لہٰذا ہماری ذکر کردہ توجیہ کے علاوہ کسی اور صورت پر محمول کرنا درست نہیں۔

سیّدنا سعد بن مالک، ابن مسعود، حذیفہ اور عمار وسلمان رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۳۲: وَعَنْ خَيْثَمَةَ ابْنِ اَبِيْ سَبْرَةَ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَسَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَلِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ فَجَلَسْتُ اِلَيْهِ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَوُفِّقْتَ لِيْ فَقَالَ مِنْ اَيْنَ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ جِئْتُ اَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَاَطْلُبُهٗ فَقَالَ اَلَيْسَ فِيْكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ مُجَابُ الدَّعْوَةِ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ صَاحِبُ طَهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّارُ الَّذِيْ اَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلْمَانَ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ يَعْنِى الْاِنْجِيْلَ وَالْقُرْاٰنَ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۶۳۳/۵ حديث رقم ۳۸۱۱۔

ترجمہ: "حضرت خیثمہ بن ابی سبرہؒ (جو کبار تابعین اور ثقات میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ میں جب مدینہ آیا تو میں نے اللہ سے دعا مانگی کہ مجھ کو نیک ہمنشین کی صحبت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے (یعنی مجھ کو کوئی ایسا نیک بخت مل جائے جو ہم نشین بننے کی کامل استعداد وصلاحیت رکھتا ہو اور اس کی ہمنشینی سے استفادہ کیا جا سکتا ہو) چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسی ہستی مجھ کو میسر فرمائی جن کی صحبت وہم نشینی میں نے اختیار کی اور (بغرض استفادہ ان کی خدمت میں رہنے لگا) میں نے (ایک دن ان سے) عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھ کو نیک ہمنشین حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر کے آپ جیسا ہمنشین مجھ کو عطا فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں کوفہ کا رہنے والا ہوں اور (کوفہ سے چل کر) یہاں اس لئے آیا ہوں کہ (نیک وبابرکت ہمنشینی کے ذریعہ) خیر کا طلب گار ہوں۔ (یہ سن کر) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے درمیان (یعنی تمہارے شہر میں) سعد بن مالکؓ نہیں ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں' کیا تمہارے یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے خادم خاص ہونے کی حیثیت سے سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسواک ونعلین مبارک

(اور تکیہ وچھاگل وغیرہ) اپنے پاس رکھا کرتے تھے' کیا تمہارے یہاں حذیفہ نہیں ہیں (جو منافقین وغیرہ سے متعلق) رسول اللہ ﷺ کے راز دان ہیں' کیا تمہارے یہاں عمار جیسی ہستی نہیں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعہ شیطان سے امن وتحفظ عطا کیا کیا تمہارے یہاں سلمان نہیں ہیں جو دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن کے ماننے والے ہیں (جب خیر وبرکت اور علم وفضل رکھنے والی اتنی بڑی بڑی ہستیاں خود تمہارے شہر میں موجود ہیں تو محض صحبت وہمنشینی کے ذریعہ طلب خیر اور استفادہ علم کی خاطر تمہیں اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی)''۔ (ترمذی)

تشریح: (الخیر): خیر سے مراد وہ علم وعمل ہے جس کو اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں ''حکمت'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: ﴿ومن یؤی الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً﴾. اور یوں بھی کہا جاتا ہے: لا خیر خیر منه أو لا خیر غیره. (واطلبه): یہ عطف تفسیری ہے جو مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ (مجاب الدعوات) مستجاب الدعوات ہونے کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ (طھور): طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ (وحذیفه...... والقرآن): نزول قرآن سے پہلے انجیل پر ایمان رکھتے تھے، اور اسی پر عمل پیرا تھے۔ پھر قرآن پر ایمان لائے۔ سلمان الخیر کے نام سے معروف تھے، ان کے والد کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ اگر کوئی ان سے ان کے باپ کا نام پوچھتا تو وہ جواب دیتے: أنا ابن الاسلام، میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۳۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ اَبُوْبَکْرٍ وَنِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ نِعْمَ الرَّجُلُ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نِعْمَ الرَّجُلُ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ ابْنِ شَمَّاسٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِوبْنِ الْجَمُوْحِ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

اخرجه الترمذی فی السنن ۶۲۵/۵ حدیث رقم ۳۷۹۵۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کیا اچھا ہی آدمی ہے' عمر بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے' ابوعبیدہ بن الجراح بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے' اسید بن حضیر بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے' ثابت بن قیس بن شماس بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے' معاذ بن جبل بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے۔ معاذ بن عمرو بن الجموح بھی کیا ہی اچھا آدمی ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

عرض مرتب: ان سب حضرات صحابہ کرام کے حالات مختلف مواقع پر گزر چکے ہیں۔ ان حضرات کا اس انداز سے ذکر کرنا کس باعث سے تھا؟ صاحب مرقات نے کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔

تخریج: اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

وہ تین صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی جنت مشتاق ہے

۶۲۳۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰى ثَلٰثَةٍ عَلِيٍ وَّعَمَّارٍ وَسَلْمَانَ ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٢٦/٥ حديث رقم ٣٧٩٧۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ جنت تین آدمیوں کی (بہت زیادہ) مشتاق ہے اور وہ (تین آدمی) علیؓ عمار اور سلمان رضی اللہ عنہم ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: (علي وعمار وسلمان): مجرور و مرفوع ہر دو طرح پڑھنا درست ہے۔ (ان الجنة تشتاق): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: جنت کا ان تین حضرات سے ملاقات کا اشتیاق ایسا ہی ہے جیسا کہ عرش رحمٰن کا سعد بن معاذؓ کی وفات پر جھوم اٹھنا۔ ان تین حضرات کا یہ ذکر خاص ان حضرات صحابہ کرام کے خصوصی حالات کے پیش نظر ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو باغیوں اور فسادیوں کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ راہ حق میں جہاد کرتے کرتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرصہ دراز پردیس کی زندگی گزاری، طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں حتی کہ غلامی کا طوق بھی ان کے گلے میں پڑا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو طیّب و مطیّب کا خطاب

۶۲۳۵: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اسْتَاذَنَ عَمَّارٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِئْذَنُوْا لَهٗ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٢٦/٥ حديث رقم ٣٧٩٨ وابن ماجه ٥٢/١ حديث رقم ١٤٦۔

ترجمہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) عمارؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو اندر آنے کی اجازت دے دو، پاک و پاکیزہ شخص کو خوش آمدید''۔ (ترمذی)

تشریح: (بالطيب المطيب): اس میں مبالغہ ہے، جیسا کہ ظل ظليل میں ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

دین کے بارے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا عزیمت پر عمل کرنا

۶۲۳۶: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَشَدَّهُمَا۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٢٧/٥ حديث رقم ٣٧٩٩ وابن ماجه ٥٢/١ حديث رقم ١٤٨ و احمد في المسند ٣٨٩/١

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: عمار کو جب کبھی دو کاموں میں سے کسی ایک کام کو کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے ہمیشہ سخت ترین اور مشکل کام کو اختیار کیا''۔ (ترمذی)

تشریح: مرقات کے فوقانی متن میں اختار ارشدهما کے الفاظ ہیں۔ ترمذی کے اصل نسخہ میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ مصابیح کے ایک تصحیح شدہ اصل نسخہ میں اشدهما کے الفاظ ہیں۔ بہرحال ارشد بمعنی اصلح اور اشد بمعنی أصعب ہے۔ اور ایک نسخہ میں أسدهما (سین مہملہ کے ساتھ) ہے بمعنی اصوب.

ما اخيتر عمار بين امرين الا اختار ايسرهما.

تخریج: اس حدیث کو اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ الجامع کی روایت میں ارشدهما کے الفاظ ہیں۔ صاحب الجامع کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ فرشتوں نے اٹھایا ہوا تھا

٦٢٣٧: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا حُمِلَتْ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مَا اَخَفَّ جَنَازَتَهُ ذٰلِكَ لِحُكْمِهٖ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهٗ۔

(رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٤٦/٥ حديث رقم ٣٨٤٧

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا (اور لوگوں کو وہ جنازہ ہلکا معلوم ہوا) تو منافقوں نے کہا کہ اس کا جنازہ اتنا ہلکا اس فیصلہ کی وجہ سے ہے جو اس نے بنو قریظہ سے متعلق دیا تھا۔ (منافقوں کی) یہ بات نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کہ) فرشتے اس کو اٹھائے لئے جا رہے تھے''۔ (ترمذی)

تشریح: امور نحویہ: ما أخف جنازته: ''ما'' برائے تعجب ہے۔ اور ذلك کا مشار الیہ استخفاف ہے۔ (ذلك لحكمه في بني قريظة): عرض مرتب: اس واقعہ کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، قارئین کی سہولت کی خاطر یہ تفصیل دوبارہ ذکر کی جا رہی ہے۔

صداقت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بزبانِ نبوت گواہی

٦٢٣٨: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ اَصْدَقَ مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٢٨/٥ حدیث رقم ٣٨٠١ وابن ماجه فی السنن ٥٥/١ حدیث رقم ١٥٦ و احمد فی المسند ١٧٥/٢

ترجمه: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ابوذر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سچے آدمی پر نہ نیلگوں آسمان نے سایہ کیا اور نہ غبار آلود زمین نے ان سے بڑھ کر سچے آدمی کو اٹھایا''۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تین صفات

۶۲۳۹: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِیْ لَهْجَةٍ اَصْدَقُ وَلَا اَوْفٰی مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ شِبْهِ عِيْسَی بْنِ مَرْيَمَ يَعْنِیْ فِی الزُّهْدِ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٢٨/٥ حدیث رقم ٣٨٠٢ واخرجه ابن ماجه فی السنن ٥٥/١ حدیث رقم ١٥٦ و احمد فی المسند ١٧٥/٢

ترجمه: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی ایسے بولنے والے پر نہ تو نیلگوں آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے اس کو اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو اور (اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ) حق عہد پورا کرنے والا ہو۔ وہ ابوذر جو زہد و تقویٰ میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں''۔ (ترمذی)

تشریح: (لهجة): لام کے فتحہ، ہاء کے سکون کے ساتھ، بعض کا کہنا ہے کہ ہاء کے فتحہ کے ساتھ ہے **لهجة** کے معنی ہیں زبان۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ طرف اللسان۔ اور **ذی لهجة** سے مراد ذی نطق ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ **لهجة اللسان ما ينطق به أی من صاحب كلام. اصدق** سے مراد **اكثر صدقا** ہے۔ **من ذی لهجة:** ''من'' زائدہ ہے۔ اور **ذی لهجة أقلت** کا معمول ہے۔ اس میں ''**تنازع العاملين**'' ہے، دوسرے عامل کو عمل کا حق دیا گیا، جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے، اور یہ بصریین کے مذہب کی کھلم کھلی دلیل ہے، جیسا کہ یہ آیت کریمہ: ﴿**يستغفر لكم رسول الله**﴾ کہ یہاں اگر پہلے عامل کو عمل دیا جائے تو رسول اللہ کو منصوب پڑھا جائے، چنانچہ اس حدیث میں لفظ **أصدق** بھی یوں ہی ہے، کہ یہ صفت ہے، موصوف محذوف کیلئے۔ **أی: ولا اقلت الغبراء ذا لهجة أصدق**. ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وہ موصوف تو بعینہ مذکور ہے، البتہ ایک اور موصوف کی احتیاج ہے، لہٰذا التقدیری عبارت یوں ہے: **لا اقلت الغبراء احدا ذا لهجة اصدق**. نیز یہ کہنا کہ اگر عامل اول کو عمل دیا جاتا تو رسول اللہ منصوب ہوتا۔ تسامح سے خالی نہیں، چونکہ **تعالوا** بنفسہ متعدی نہیں ہوتا۔ بلکہ حرف جر کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿**قل يا اهل الكتاب تعالوا الی كلمة**﴾ لہٰذا زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا متعلق محذوف ہے۔ اکتفاء علی ظهوره۔ لہٰذا نص اس مسئلہ نحویہ سے متعلق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ **شبيه**: مجرور علی البدلیہ

واضح رہے کہ انبیاء کرام کا مستثنیٰ ہونا شرعاً معلوم ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اپنی کثرت تصدیق کے باعث ''صدیق'' ہونا، کسی شخص کے اصدق فی قولہ ہونے کے منافی نہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: اقراکم ابی واقضاکم علی، چنانچہ مفضول میں ایسی خصائل حمیدہ کا ہونا جو فاضل میں نہ ہوں کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

مزید یہ کہ فاضل ومفضول کا کسی صفت میں ہم پلہ ہونا، فاضل کی فضیلت کے منافی نہیں۔

تورپشتی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: أصدق من أبی ذر میں مبالغہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوذرؓ علی الاطلاق اصدق ہیں۔ چونکہ اس پر اجماع ہے کہ ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی راست گو نہیں۔ لہٰذا یہ عام خص عنہ البعض کے قبیل سے ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ابوذرؓ اپنے کلام میں توریہ اور معاریض کا استعمال نہیں کرتے۔

چنانچہ اس وجہ سے اس جملہ کے بعد یہ فرمایا: ولا أوفی یعنی کلام کا حق ابوذرؓ سے زیادہ اداء کرنے والا ہو کہ وہ کلام میں کم وکاست نہیں کرتے۔

(**شبیه عیسی بن مریم**): ''جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں''

عرض مرتب: مرقات کے فوقانی متن میں یعنی فی الزهد کے بعد ان الفاظ: **فقال عمر بن الخطاب كالحاسد: یا رسول الله! أفتعرف ذلك له؟ قال: نعم فاعرفوه له. رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب**، کا اضافہ بھی ہے۔

اسنادی حیثیت: اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ اور الجامع میں ہے: **رواه احمد والترمذی، وأبو داود والحاكم فی مستدرك عن ابن عمر: وما أظلت الخضراء، ولا أقلت الغبراء من ذی لهجة أصدق من أبی ذر.**

صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر

۶۲۴۰: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ لَمَّا حَضَرَتِ الْمَوْتُ قَالَ الْتَمِسُوا الْعِلْمَ عِنْدَ اَرْبَعَةٍ عِنْدَ عُوَيْمِرٍ اَبِي الدَّرْدَآءِ وَعِنْدَ سَلْمَانَ وَعِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامِ الَّذِیْ كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَاشِرُ عَشَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۶۳۰ حدیث رقم ۳۸۰۴ و احمد فی المسند ۵/ ۲۴۳

ترجمہ: ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے (وصیت کرتے ہوئے) کہا: علم چار آدمیوں سے حاصل کرو' عویمر سے جن کی کنیت ابودرداء رضی اللہ عنہ ہے' سلمان فارسیؓ سے' عبداللہ بن مسعودؓ سے اور عبداللہ بن سلامؓ سے جو یہودی تھے اور پھر انہوں نے اسلام قبول کیا (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ (عبداللہ بن سلام) جنت کے دس لوگوں میں سے دسواں جنتی شخص ہے''۔ (ترمذی)

تشریح: والذی كان يهوديا واسلم صفت کاشفہ ہے، امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس کو عبداللہ کی صفت ممیزہ قرار دینا

درست نہیں، چونکہ ان کے ہم نام کوئی اور صاحب نہیں تھے، بلکہ یہ ان کی مدحت ہے اور وصیت ہے کہ ان سے علم حاصل کرو چونکہ وہ دونوں کتابوں کے عالم ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی فضیلت

۶۲۴۱: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ اِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَاَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَؤُوْهُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۳۳/۵ حدیث رقم ۳۸۱۲۔

ترجمہ: ''حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) چند صحابہ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے ہی کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمادیتے (تو اچھا ہوتا) یا یہ معنی ہیں کہ یا رسول اللہ! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے تو وہ کون ہوتا!) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو تمہارے اوپر خلیفہ مقرر کردوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم عذاب میں پکڑے جاؤ گے' اس لیے (میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ) حذیفہ تم سے جو کچھ کہیں یا جو حدیث بیان کریں اس کو سچ جانو اور عبداللہ بن مسعودؓ تمہیں جو کچھ پڑھائیں اس کو پڑھو''۔ (ترمذی)

امور نحویہ: لو استخلفت: اس کی دو ترکیبیں بیان کی گئی ہیں: (۱) ان استخلفت شخصا فمن یکون؟. (۲) امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لو: تمنی ہے، أی: لیتنا. یا امتناعیہ ہے اور جواب محذوف ہے۔ أی لکان خیرا اھ۔ اس میں ایک قسم کا اعتراض ہے۔

تشریح: فعصیتموہ عذبتم: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''عذبتم'' جواب شرط ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو اور فعصیتموہ جواب شرط ہو۔ پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے، چونکہ دوسری صورت میں استخلاف کا سبب عصیان ہونا لازم آتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے: الاستخلاف المستعقب للعصیان سبب للعذاب. اھ۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام، ماقبل کے مفہوم سے استدراک ہو۔ اور مطلب یہ ہوگا: ما استخلف علیکم احدا ولکن......

اسنادی حیثیت: امام میرکؒ فرماتے ہیں: ان روایات کی سند میں شریک نامی راوی متکلم فیہ ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ایک حدیث کو ابن السمان نے حضرت حذیفہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

قالوا: یا رسول اللہ ......الطریق المستقیم۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے فتنوں سے محفوظ ہونے کی پیشینگوئی

۶۲۴۲: وَعَنْهُ قَالَ مَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ تُدْرِكُهُ الْفِتْنَةُ اِلَّا اَنَا اَخَافُهَا عَلَيْهِ اِلَّا مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ۔

(رواہ ابوداود وسکت عنه واقرز عبد العظیم)

أخرجه ابو داؤد ٥/٤٩ حديث رقم ٤٦٦٣۔

ترجمہ: ''لوگوں میں سے ہر شخص کے بارے میں یہی خوف ہے کہ اس کو فتنہ پہنچے گا سوائے محمد بن مسلمہؓ (ان کے بارے میں) میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تمہیں (محمد بن سلمہ) فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے تاہم (نامور محدث) عبدالعظیم منذریؒ نے اس حدیث کو ثابت کیا ہے''۔

عرض مرتب: مرقات کے تحتانی متن میں رواہ کے بعد بیاض ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۲۴۳: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِ الزُّبَيْرِ مِصْبَاحًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا اَرٰى اَسْمَاءَ اِلَّا قَدْ نُفِسَتْ وَلَا تُسَمُّوْهُ حَتّٰى اُسَمِّيَهٗ فَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ وَحَنَّكَهٗ بِتَمْرَةٍ بِيَدِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٦٣٩ حديث رقم ٣٨٢٦ و احمد في المسند ٦/٩٣۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (ایک رات کو خلافِ معمول) نبی کریم ﷺ نے زبیرؓ کے گھر میں چراغ جلتے دیکھا تو فرمایا: اے عائشہؓ! میرے خیال میں اسماءؓ کے ہاں بچہ کی پیدائش ہوئی ہے (کیونکہ ان کے ہاں ولادت قریب تھی اور اس وقت خلاف معمول چراغ کا جلنا اس بات کی علامت ہے) تم لوگ اس وقت تک اس بچہ کا نام نہ رکھنا جب تک کہ میں خود اس کا نام نہ رکھوں' چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا نام ''عبداللہ'' رکھا اور کھجور کے ذریعہ اپنے دست مبارک سے اس بچہ کو تحنیک (یعنی گھٹی دی) کیا''۔ (ترمذی)

تشریح: أری: ہمزہ کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ۔ نفست: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے اور کبھی صیغہ معروف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ بچہ جننا، نفاس والی ہونا حنکه: از باب تفعیل صیغہ معروف کے ساتھ ہے۔ تحینك کے معنی ہیں۔

عرضِ مرتب:

تحنیک کا معنی ہے کھجور یا کوئی اور چیز چبا کر نوزائیدہ بچے کے تالو سے لگا دینا اور یہ سنت ہے چنانچہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ کسی نیک اور صالح شخص سے یہ درخواست کرے کہ اس بچے کا نام رکھ دے اور تحنیک بھی کر دے تاکہ اس نیک آدمی کے تھوک سے برکت حاصل ہو تحنیک کھجور سے یا شہد وغیرہ میٹھی چیز سے ہو سکتی ہے۔

حضرت زبیر بن العوامؓ: حضرت زبیر بن العوامؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہے ان کی والدہ حضرت صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہیں حضرت زبیر اور ان کی والدہ شروع ہی سے اسلام لے آئے تھے جبکہ ان کی عمر سولہ سال کی تھی ان کو

ان کے چچا نے دھویں سے ان کا دم گھونٹ کر تکلیف پہنچائی تا کہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں لیکن یہ اسلام پر قائم رہے۔ حضرت اسماء جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بہن ہیں ان کے نکاح میں تھیں حضرت زبیرؓ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں ڈٹے رہے عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مقام صفوان میں عمرو بن جرموز نے ۳۶ھ میں ان کو شہید کیا اول وادی سباع میں دفن ہوئے پھر بصرہ کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور وہاں پر ان کی قبر کا ہونا مشہور ہے۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان کی کنیت ابوبکر ہے یہ اسدی قریشی ہیں ان کی یہ کنیت ان کے نانا جان حضرت ابوبکرؓ کی کنیت پر اور ان کا نام حضرت ابوبکرؓ کے نام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا مدینہ میں مہاجرین میں سب سے پہلے اسلامی بچے تھے۔ ۱ھ میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے ان کے کان میں اذان کہی۔ ان کی والدہ اسماء نے مقام قباء میں ان کو جنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوہارا منگوایا اور اس کو چبایا اور کچھ لعاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں ڈالا اور چھوہارا چبا کر ان کے تالو سے لگایا تو سب سے پہلی چیز جو ان کے پیٹ میں گئی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور یہ بالکل صاف چہرے والے تھے ایک بال بھی ان کے چہرے پر نہ تھا۔ نہ داڑھی تھی، بڑے روزے رکھنے والے اور بہت نوافل پڑھنے والے تھے موٹے تازے تھے، بڑے قوی بارعت تھے، حق بات ماننے والے تھے، تعلقات اور رشتہ کے قائم رکھنے والے تھے ان میں وہ باتیں جمع تھیں جو دوسروں میں نہ تھیں چنانچہ ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحبین میں سے تھے ان کی والدہ اسماء ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں ان کے نانا حضرت ابوبکرؓ تھے ان کی دادی صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کی خالہ حضرت عائشہؓ تھیں جو ازواج مطہرات میں سے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی جبکہ ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

حجاج بن یوسف نے مکہ میں ان کو شہید کیا اور منگل کے دن ۱۷ جمادی الثانیہ ۷۳ھ کو انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ان کے لئے ۶۴ھ میں خلافت کے لئے بیعت لی گئی اس سے پہلے ان کی خلافت کی کوئی بات چیت نہ تھی ان کی خلافت ماننے پر اہل حجاز، یمن، عراق، خراسان وغیرہ سوائے شام کے یا کچھ حصہ شام کے سب تیار تھے اور لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آٹھ حج کئے۔ ان سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

۶۲۴۴: وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمَیْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَّاهْدِ بِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٤٥ حديث رقم ٣٨٤٢ و احمد فی المسند ٤/٢١٦۔

ترجمہ: "حضرت عبدالرحمٰن بن عمیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو ہدایت کا راستہ دکھانے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما"۔ (ترمذی)

تشریح: مهديا: اسم مفعول کا صیغہ ہے، میم کے فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ واهد به: باء حرف جر ہدایت متعدیہ کی تاکید کیلئے ہے۔ واضح رہے کہ ہدایت کے دو معنی آتے ہیں: (۱) مجرد دلالت (۲) ہدایت موصلہ الی البغیہ۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فهديناهم کی تفسیر میں لکھتے ہیں: فهديناه مج دللناهم على الخير والشر كقول تعالىٰ: ﴿وهديناه النجدين﴾ والهدى الذى للارشاد بمعنى الاشعاد من ذلك قوله سبحانه: ﴿أولٓئك الذين هداهم الله فبهداهم اقتده﴾ وقال غيره: معنى الهداية فى اللغة الدالة هداه فى الدين بهديه هداية اذا دله على الطريق. والهدى يذكر لحقيقة الارشاد ايضًا، ولهٰذا جاز النفى والاثبات قال تعالىٰ: ﴿انك لا تهدى من أحببت﴾ وقال تعالىٰ: ﴾﴿وانك لتهدى الى صراط مستقيم﴾.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اگر هادیا کو پہلے معنی پر محمول کیا جائے تو مهدیا اس معنی کی تکمیل کے لئے ہوگا، چونکہ رب هاد ولا يكون مهديا اور واهديه اس معنی کی تقسیم کے لئے ہوگا چونکہ جو شخص اس کے مدلول کے ساتھ اس انداز سے کامیاب ہو کہ ہر شخص اس کی اتباع کرے تو پہلے درجۂ کمال اور پھر درجۂ تتمیم حاصل ہوگا۔ اور اگر دوسرے معنی پر محمول کیا جائے تو مهديا تاکید ہو گا۔ اور اهدبه تکمیل ہوگا۔ یعنی وہ شخص کامل بھی ہے اور مکمل (کامل کرنے والا) بھی ہے۔

ہدایت کے معنی کی مزید وضاحت کے لئے فتوح الغیب کا مطالعہ فرمائیے، کہ اس میں اس موضوع پر کافی شافی مواد موجود ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے برضا و رغبت مؤمن ہونے کی تصدیق

۶۲۴۵: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ۔ (رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب وليس اسناده بالقوى)

أخرجه الترمذى فى السنن ٦٤٥/٥ حديث رقم ٣٨٤٤ و احمد فى المسند ١٥٥/٤۔

ترجمہ: ''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے تو اسلام قبول کیا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ''غریب'' ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں''۔

تشریح: الناس: ''ال'' عہد کا ہے اور اس سے مراد فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے والے لوگ ہیں۔ اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص: لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

عرضِ مرتب:

تشریح اگلی دو احادیث میں آ رہی ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ سے اللہ پاک کا بلا حجاب ہم کلام ہونا

۶۲۴۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَالِيْ اَرَاكَ مُنْكَسِرًا قُلْتُ اسْتَشْهَدَ اَبِيْ وَتَرَكَ عِيَالًا وَدَيْنًا قَالَ اَفَلَا اُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهٖ اَبَاكَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ اَحَدًا قَطُّ اِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَحْيَا اَبَاكَ فَكَلَّمَهٗ كِفَاحًا قَالَ يَا عَبْدِيْ تَمَنَّ عَلَيَّ اُعْطِكَ قَالَ يَارَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَاُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ اِنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ فَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا اَلْاٰيَةُ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٢١٤/٥ حديث رقم ٣٠١٠ وابن ماجه في السنن ٦٨/١ حديث رقم ١٩٠ و احمد في المسند ٣٦١/٣

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! کیا بات ہے کہ میں تم کو افسردہ و غمگین دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: میرے والد (حضرت عبداللہ) کو (غزوۂ احد میں) شہید کر دیا گیا اور وہ (ایک بڑا) کنبہ اور قرضہ چھوڑ گئے ہیں' (گویا میری پریشانی اور افسردگی کے کئی سبب پیدا ہو گئے ہیں۔) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس معاملہ کی خبر دے کر تمہیں خوش نہ کر دوں جو اللہ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! (مجھ کو خوش خبری سے ضرور نوازیئے) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے۔ پس پردہ کے پیچھے کیا ہے' مگر تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر ان سے رو در رو کلام فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ اور تمہارے والد کے درمیان نہ کوئی حجاب حائل تھا اور نہ کوئی دوسرا واسطہ) اور فرمایا: اے میرے (خاص) بندے! میرے فضل و کرم کے سہارے آرزو کر (یعنی جس چیز کی خواہش ہو مجھ سے مانگ) میں تجھ کو عطا کروں گا۔ (یہ سن کر) تمہارے والد نے عرض کیا:' اے میرے پروردگار! (میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ) مجھ کو زندہ کر کے دنیا میں پھر بھیج دے تا کہ تیری راہ میں لڑتا ہوا ایک مرتبہ پھر قتل کیا جاؤں (اور تیری رضا و خوشنودی مزید حاصل کرنے کا ایک اور وسیلہ مجھ کو مل جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:" میرا یہ حکم پہلے سے نافذ ہے کہ جو مر لوگ فوت ہو چکے ہیں دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے" اور پھر (تمہارے والد اور دوسرے شہداء احد کے حق میں) یہ آیت نازل ہوئی: (جس کا ترجمہ ہے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو الخ"۔ (ترمذی)

تشریح: كفاحا: کاف کے کسرہ کے ساتھ، أي: مواجها عيانا. صاحب النہایہ لکھتے ہیں: أي مواجهة ليس بينهما حجاب ولا رسول.

تحيني: خبر بمعنی دعا ہے۔ أي أحيني. ولا تحسبن: صیغہ خطاب کے ساتھ ہے۔ البتہ سین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں صیغہ غائب کے ساتھ ہے۔ أي: لا يحسبن حاسبٌ. قتلوا: ایک روایت میں تاء کی تشدید کے ساتھ (یعنی از باب تفعیل صیغہ مجہول کے ساتھ) ہے۔ أي: استشهدو. امواتا: مفعول ثانی ہے۔

عرضِ مرتب:

حضور ﷺ نے حضرت جابرؓ کو جب پریشان اور غمگین دیکھا اور وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ والد کی شہادت ہوگئی ہے وہ پسماندگان میں بہت سی اولاد کو چھوڑ گئے ہیں اور ان پر قرضہ بھی بہت ہے ان دو وجہوں سے پریشان ہوں۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ تیرے والد کے ساتھ اللہ پاک نے کیا معاملہ فرمایا۔

حضور ﷺ کا یہ جواب بھی بطور اسلوب حکیم کے ہے کہ تمہیں ان کی کثرت عیال اور کثرت دین سے جو دنیا کی باتیں ہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے یہ پریشانیاں تو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی برکت سے دور فرما دیں گے تمہیں میں خوشخبری سناتا ہوں کہ تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا قرب اور عزت عطا ہوئی ہے یہ سن کر خوش رہو اور دنیاوی غم بھلا دو۔

پھر حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ کے بارے میں یہ بشارت سنائی کہ اللہ پاک نے ان کو زندہ کر کے ان سے بالمشافہ بغیر حجاب اور بغیر واسطہ کے کلام فرمایا حالانکہ ان کے علاوہ کسی اور سے اس طرح کلام نہیں فرمایا اس میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ...... لیکن یہ حکم دنیا کے ساتھ مقید ہے اس لئے کہ آخرت میں مؤمنین کو اللہ پاک کی زیارت اور بغیر حجاب کے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوگا۔

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے پاس (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے (اور) وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔''

''واحیا اباك'' یعنی تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا جبکہ قرآن پاک سے سمجھ میں آتا ہے کہ شہید تو ویسے ہی زندہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''بل احیاء عند ربھم'' اصل میں تھا ''بل احیاء عند ربھم'' تو جو پہلے سے زندہ ہے اس کو زندہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں مثلاً:

①: دراصل اللہ تعالیٰ نے اس روح کو سبز رنگ کے پرندے کے جوف میں کر دیا یا روح کی وجہ سے اس پرندہ کو زندہ فرمایا زندہ کرنے سے یہ مراد ہے یعنی پرندے میں شہید کی روح ڈالنا۔

②: احیاء یعنی زندہ کرنے سے مراد روح کی قوت کو زیادہ کرنا ہے تا کہ وہ اس وقت کے ساتھ اللہ پاک کا مشاہدہ کر سکے۔

حضرت عبداللہ سے اللہ پاک نے ان کی خواہش دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا یا اللہ مجھے واپس دنیا میں بھیج دے

تا کہ دوبارہ تیری راہ میں جان قربان کروں اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ فوت ہونے والوں کو دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ دنیا میں نہ بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس طور پر دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا کہ وہ دنیا میں واپس جا کر لمبی زندگی گزاریں مطلقاً دنیا میں واپس جانا مراد نہیں ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے مردوں کو زندہ کرنے سے اس پر اعتراض لازم نہیں آئے گا۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ حدیث میں انھم لا یرجعون سے مراد یا تو صرف اہل احد ہیں یا مطلق شہداء مراد ہیں تا کہ حضرت عزیر کے قصہ کی وجہ سے اعتراض لازم نہ آئے۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

①: آباء کی عزت وکرامت، فضل وشرافت اولاد کی طرف بھی سرایت کرتی ہے جبکہ اولاد صراط مستقیم پر ہو۔

②: اولاد کو اپنے آباء کے خوش ہونے سے خوش ہونا چاہیے۔

③: حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ گزشتہ تمام شہداء سے اس اعتبار سے افضل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بغیر حجاب اور بغیر کسی واسطے کے کلام فرمایا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے پچیس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء مغفرت فرمانا

۶۲۴۷: وَعَنْهُ قَالَ اسْتَغْفَرَلِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً۔

(رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۴۸/۵ حدیث رقم ۳۸۵۲۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے (اللہ تعالیٰ سے) پچیس مرتبہ بخشش کی دعا مانگی ہے''۔ (ترمذی)

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی فضیلت

۶۲۴۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ۔ (رواہ الترمذی والبیهقی فی دلائل النبوة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۵۰/۵ حدیث رقم ۳۸۵۴ والبیهقی فی دلائل النبوة ۳۶۸/۶۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی لوگ ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ حال، خاک آلود بال اور دو بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں (اور اپنی اس ظاہری حالت کے سبب اس طرح کم تر سمجھے جاتے ہیں کہ) کوئی نہ ان کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی طرف توجہ کرتا ہے لیکن (ان کے باطن کا یہ حال ہوتا ہے کہ) اگر وہ

اللہ کے توکل پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قسم میں سچا کرتا ہے (یعنی اگر وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور ویسا ہی کرتا ہے۔ یا یہ کہ اگر وہ اپنے کسی کام کے بارے میں قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم فلاں کام کر کے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ذرائع و اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور ان کو اس کام کے کرنے کی توفیق و طاقت عطا فرما دیتا ہے) اور ایسے ہی لوگوں میں سے ایک براء بن مالک بھی ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے اور دلائل النبوۃ میں بیہقی نے نقل کیا ہے''۔

راوئ حدیث:

براء بن مالک۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ جنگ احد اور بعد کے غزوات میں پیش پیش رہے۔ سخت جنگجو بہادر صحابہ میں سے تھے سو مشرکین کو مبارزت کے درمیان جہنم واصل کیا۔ اس کے علاوہ جو مقتول ہوئے وہ علیحدہ ہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے ''الاکمال'' میں ان کا اسم گرامی ذکر نہیں ہے۔

تشریح: طمرین: طاء مہملہ کے کسرہ اور میم کے سکون کے ساتھ۔ لا یؤبہ: یاء کے ضمہ اور واؤ کے سکون اور واؤ کو کبھی ہمزہ (سے بدل کر بھی) پڑھا جاتا ہے۔

صاحب النہایہ فرماتے ہیں؛ **لا يبالى به ولا يلتفت اليه لحقارته، ويقال: ما وبهت له، بفتح الباء وكسره وبها، بالسكون والفتح وأصل الوا والهمزة** اھ۔ اور صاحب قاموس کی عبارت کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہمزہ ایک دوسری لغت ہے۔

ترکیب: (کم): خبر یہ مبتداء ''من'' بیانیہ ہے۔ اور لایؤبہ اس کی خبر ہے۔ اھ۔ بظاہر خبر یہ اگلا جملہ ہے: **لو اقسم:.......**

اہل بیت اور انصار رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۶۲۴۹: وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ عَيْبَتِىَ الَّتِىْ اٰوِىْ اِلَيْهَا اَهْلُ بَيْتِىْ وَاِنَّ كَرْشِىَ الْاَنْصَارُ فَاعْفُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ وَاقْبَلُوْا عَنْ مُحْسِنِهِمْ.

(رواه الترمذى وقال هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذى فى السنن ٦٧١/٥ حديث رقم ٣٩٠٤ و احمد فى المسند ٨٩/٣۔

ترجمہ: ''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو میرے خاص لوگ جن کے درمیان میں پناہ لیتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میرے ولی دوست انصار ہیں۔ پس تم ان (انصار) کے خطا کاروں کی خطاؤں سے درگزر کرو اور ان کے نیکوکاروں کے عذر کو قبول کرو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے''۔

تشریح: ألا: برائے تنبیہ ہے۔ عیبتی: اس لفظ کی لغوی تحقیق حدیث نمبر ۶۲۲۱ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

واقبلوا عن: ایک نسخہ میں من ہے۔

عرض مرتب: مرقات کے فوقانی متن میں "من" ہے۔ اور تحتانی متن میں "عن" ہے۔

(محسنھم): جمع کی ضمیر ماقبل میں مذکور اھل بیت و انصار کی طرف راجع ہے۔ اس آیت کریمہ کی نظیر ہے: ﴿ھذان خصمان اختصموا﴾ .اور ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر "انصار" کی طرف راجع ہو۔ چنانچہ اس صورت میں پہلا بطریق اولیٰ مفہوم ہوتا ہے۔

۶۲۵۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ اَحَدٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث صحيح)

أخرجه مسلم في صحيحه ٨٦/١ حديث رقم (١٣٠-٧٠) والترمذي في السنن ٦٧١/٥ حديث رقم ٣٩٠٦ و احمد في المسند ٣٠٩/١۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص انصار سے بغض نہیں رکھتا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض و عداوت نہیں رکھتا' اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

۶۲۵۱: وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرِئْ قَوْمَكَ السَّلَامَ فَاِنَّهُمْ مَا عَلِمْتُ اَعِفَّةٌ صُبُرٌ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٧٠/٥ حديث رقم ٣٩٠٣ و احمد في المسند ١٥٠/٣۔

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ (اپنے سوتیلے باپ) حضرت ابو طلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی قوم کو میرا اسلام پہنچا دو کیونکہ جہاں تک مجھ کو علم ہے کہ وہ پاکباز اور صابر ہیں"۔ (ترمذی)

تشریح: (اقرئ): ہمزہ کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں ہمزہ کے کسرہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ جب کہ مصابیح میں ہے:

ففي النهاية يقال:...... يقرئك السلام.

أعفه: ہمزہ کے فتحہ، عین کے کسرہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ، عفیف کی جمع ہے۔ صبر: صاد مہملہ اور باء ہر دو کے ضمہ کے ساتھ، صابر کی جمع ہے، جیسا کہ بزل اور بازل اور ایک نسخہ میں صاد کے ضمہ اور باء مشددہ کے فتحہ کے ساتھ، جیسا کہ رکع، راکع کی جمع ہے۔

ما علمت: "ما" موصولہ ہے، اور صفات مراد ہیں، أي: بناء عل ما علمته فيهم من الصفات. امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "ما" موصلہ ہے اور خبر محذوف ہے۔ أي: الذی علمت منهم انهم كذلك يتعغفون عن السؤال ويتحملون

الصبر عند القتال. جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے: يقلون عند الطمع ويكثرون عند الفزع. اور ایک شارح کا کہنا ہے کہ ''ما'' مصدریہ ہے۔ أي: أنهم يتعففون ويتحملون مدة علمي بحالهم، او في علمي بحالهم. یا ''ما'' موصولہ ہے۔ أي فيما علمت منهم.

بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی فضیلت

٦٢٥٢: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عَبْدًا لِحَاطِبٍ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْكُوْا حَاطِبًا اِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا فَاِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٤٢/٤ حديث رقم (١٦٢-٢١٩٥) والترمذي في السنن ٦٥٤/٥ حديث رقم ٣٨٦٥ و احمد في المسند ٣٢٥/٣۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطب رضی اللہ عنہ کی سخت شکایت کی اور عرض کرنے لگا کہ: یا رسول اللہ! حاطب (چونکہ مجھ پر بڑی سختیاں کرتے ہیں اس لئے وہ) ضرور دوزخ میں جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا: تو اپنی اس بات میں (کہ حاطب رضی اللہ عنہ ضرور دوزخ میں جائیں گے) جھوٹا ہے، حاطب رضی اللہ عنہ دوزخ میں نہیں جائیں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہے ہیں''۔ (مسلم)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور اہل فارس کی فضیلت

٦٢٥٣: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَا لَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ ذَكَرَ اللّٰهُ اِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوْا بِنَا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلٰى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وَقَوْمُهٗ وَلَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَا وَلَهٗ رِجَالٌ مِنَ الْفُرْسِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٦٨٢/٥ حديث رقم ٣٩٣٣

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَا لَكُمْ تلاوت فرمائی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ کھڑا کر دیا جائے اور وہ ہماری طرح نہ ہوں؟ (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: وہ لوگ یہ سلمان اور اس کی قوم والے (یعنی اہل عجم اور اہل فارس) ہیں اگر دین ثریا (کی بلندی) پر بھی ہو تو اہل فارس اس کو وہاں سے بھی حاصل

کر لیتے''۔(ترمذی)

تشریح: قالوا من ھؤلاء: اس جملہ سے ابن الملکؒ کے کلام کی تردید ہوتی ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ یہ کلام صنادید قریش سے ہے۔ فضرب بیدہ علی فخذ سلمان: یہ جملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ قرب کو ظاہر کرتا ہے۔ الفرس: فاء کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔

اہل عجم پر اعتماد کا اظہار

٦٢٥٤: وَعَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الْاَعَاجِمُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنَا بِهِمْ اَوْ بِبَعْضِهِمْ اَوْثَقُ مِنِّىْ بِكُمْ اَوْبِبَعْضِكُمْ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٨٢/٥ حدیث رقم ٣٩٣٢

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک موقع پر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے عجمی لوگوں کا ذکر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں (دین کی محافظت اور دیانتداری کے معاملہ میں) ان عجمی لوگوں پر یا ان میں سے بعض لوگوں پر تم (اہل عرب) سے یا تمہارے بعض لوگوں سے زیادہ اعتماد و بھروسہ رکھتا ہوں''۔(ترمذی)

تشریح: امور نحویہ: ''أنا'' مبتداء، ''أوثق'' خبر، مِنی، ''أوثق'': کا صلہ ہے، بھم: کی باء مفعول ہے۔ اور ''أوْ'' کے ذریعہ بھم پر عطف ہو رہا ہے، اور بکم کی باء فعل مقدر کا مفعول ہے، اور اس فعل مقدر پر أوثق اور أوفی دلالت کر رہا ہے یا بعضکم کا عطف بکم پر ہے، وہ بھی أوثق کے متعلق ہے۔ تو گویا کہ یہ دو فعل ہیں، اور یہ درست ہے کہ دو مفعولوں میں عمل کرے یا دوسرے میں، اس پر پہلا دلالت کر رہا ہے۔ عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے: وثوقی واعتمادی بھم أو ببعضھم أکثر من وثوقی بکم او ببعضکم. امام طیبیؒ فرماتے ہیں: پہلا باب العطف علی الانسحاب کے قبیل سے ہے۔ اور دوسرا باب العطف علی التقدیر کے قبیل سے ہے اور بکم او ببعضکم کے مخاطب عرب دکھائی تھی۔ عرضِ مرتب: (تفصیل حدیث ٦٢٥٧ میں آ رہی ہے)۔

اور اس کی دلیل وہ آیت ہے جو پچھلی حدیث کے ذیل میں گزری: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ لا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾ اور قرینہ یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ج﴾ [محمد: ٣٨] ''دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور خدا بے نیاز ہے اور تم محتاج اور اگر تم منہ پھیر دگے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' لہٰذا اس سے تفضیل لازم نہیں آتی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اس سے تفضیل لازم ہی نہیں آتی تو یہ بات کتاب وسنت کے خلاف ہے، علاوہ ازیں اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، نا کہ خصوص سبب کا۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اس سے تفضیل مطلق لازم نہیں آتی تو یہ بات درست ہے، چونکہ عجم کا عرب سے بعض صفات میں افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ مفضول میں

ایسی کوئی اضافی فضیلت پائی جائے جو فاضل میں نہ پائی جاتی ہو۔ چنانچہ جنس عرب، جنس عجم سے بلاشبہ افضل ہے۔ سرِ دست کلام بعض افراد سے متعلق ہے۔

الفصل الثالث:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چودہ رقیب

٦٢٥٥: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ سَبْعَةَ نُجَبَاءَ وَرُقَبَاءَ وَاُعْطِيْتُ اَنَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ قُلْنَا مَنْ هُمْ قَالَ اَنَا وَابْنَایَ وَجَعْفَرٌ وَحَمْزَةُ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَبِلَالٌ وَسَلْمَانُ وَعَمَّارٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَبُوْ ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٢٠ حديث رقم ٣٧٨٤ و احمد فی المسند ١٤٨/١۔

ترجمہ: ”حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو سات نہایت مخصوص و برگزیدہ ترین لوگ (اور اس کی ہر حالت میں) نگہبانی و حفاظت کرنے والے عطا کئے جاتے تھے جب کہ مجھ کو ایسے لوگ چودہ (یعنی دو چند) عطا کئے گئے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمارے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا تو) ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ چودہ کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ایک تو میں ہوں اور میرے دونوں بیٹے (حسنؓ و حسینؓ ہیں)۔ جعفر (بن ابی طالب) ہیں، حمزہ (بن عبدالمطلب) ہیں، ابوبکر ہیں، عمر ہیں، مصعب بن عمیر ہیں، بلال ہیں، سلمان ہیں، عمار ہیں، عبداللہ بن مسعود ہیں، ابوذر ہیں اور مقداد ہیں“۔

تشریح: نجباء ورقباء: دونوں بروزن فعلاء ہیں۔ نجیب اور رقیب کی جمع ہے۔ النجيب هو الكريم المختار والرقيب الحافظ على الاقتدار.

قال: کی ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور انا کی ضمیر سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ تو گویا یہ ٹکڑا روایت بالمعنیٰ ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

٦٢٥٦: وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَلَامٌ فَاَغْلَظْتُ لَهُ فِي الْقَوْلِ فَانْطَلَقَ عَمَّارٌ يَشْكُوْنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ خَالِدٌ وَهُوَ يَشْكُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ يُغَلِّظُ لَهُ وَلَا يَزِيْدُهُ اِلَّا غِلْظَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَبَكٰى عَمَّارٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَرَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ وَقَالَ مَنْ عَادٰى عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ

خَالِدٌ فَخَرَجْتُ فَمَا كَانَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رِضٰی عَمَّارٍ فَلَقِيْتُهٗ بِمَا رَضِيَ فَرَضِيَ۔

أخرجه احمد في المسند ۹۰/۴۔

ترجمہ: ''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر کسی معاملہ میں) میرے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے درمیان گفتگو چل رہی تھی کہ میں نے ان کے خلاف سخت لہجہ میں بات کہہ دی۔ چنانچہ عمار میری شکایت لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے کہ ادھر سے خالد بھی آ گئے اس حال میں کہ وہ (عمار) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر رہے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ (دربار رسالت میں اپنی شکایت سن کر) خالد (کو غصہ آ گیا اور وہ) عمار سے سخت لہجہ میں بات کرنے لگے اور ان کی سخت کلامی میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چپ چاپ بیٹھے سن رہے تھے' ایک حرف زبان سے نہ فرماتے تھے (یہ صورت حال دیکھ کر خالد کی سخت گوئی بڑھتی جا رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے ہیں) عمار (مارے غصہ کے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور بے اختیار) رونے لگے اور (بلکتے ہوئے) بولے: یا رسول اللہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ نہیں رہے؟ (کہ خالد کیا کر رہے ہیں اور آپ کے سامنے مجھ کو کیا کیا کہہ رہے ہیں؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: جو شخص عمار سے (زبان کی) دشمنی رکھے گا' اس کو اللہ دشمن رکھے گا اور جو شخص عمار سے (دل کا) بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا''۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنتے ہی ہوش ٹھکانے آ گئے اور میں یہ طے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے) نکلا (کہ جس طرح بھی ہو گا عمار کو خوش اور راضی کروں گا) اور اس وقت کوئی چیز میری نظر میں عمار کے راضی وخوش ہو جانے سے زیادہ پسندیدہ اور بہتر نہیں تھی پھر یہ ہوا کہ میں نے عمار کو راضی وخوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایسا سلوک اختیار کیا کہ وہ مجھ سے راضی وخوش ہو گئے (یعنی میں نے ان سے معافی مانگی' ان کو گلے لگایا' ان کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے لگا اور ان کو تحفے بھیجے اور ان سب باتوں نے ان کی ناراضگی اور ان کے غصہ کو زائل کر دیا اور وہ مجھ سے بالکل خوش ہو گئے)''۔

تشریح: فجاء خالد: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ الفاظ راوی کے ہیں

والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتکلم: یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔

حضرت خالد اللہ کی تلوار ہیں

۶۲۵۷: وَعَنْ اَبِیْ عُبَيْدَةَ اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنِعْمَ فَتَى الْعَشِيْرَةِ رَوَاهُمَا اَحْمَدُ.

أخرجه احمد في المسند ۹۰/۴

ترجمہ: ''حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کہ خالد اللہ بزرگ و برتر کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے' وہ اپنے قبیلہ (بنی مخزوم) کا (جو قریش کی ایک شاخ ہے) بہترین جوان ہے' ان دونوں روایتوں کو احمدؒ نے نقل کیا ہے''۔

تشریح: خالد سیف من سیوف اللہ: اس جملہ کے تعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ کلام اس آیت کے قبیل سے ہے: ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ [الشعراء: ۸۸، ۸۹] ''جس دن مال ہی کچھ فائدہ نہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دِل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)''۔ تلواروں کی دو انواع کا ذکر کیا۔ ایک متعارف دوسری غیر متعارف۔ اور حضرت خالد بن ولید کو تلواروں کی ایک نوع قرار دیا، اھ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بظاہر یہ آیت اس قبیل سے نہیں ہے۔ بلکہ استثناء منقطع ہے۔ أی: لكن من أتى الله بقلب سليم فانه ينفعه سلامة قلبه في ذلك اليوم. یا مضاف مقدر ہے. أی: الا مال وابن من أتى الله. چنانچہ استثناء متصل ہے۔ یا تقدیری عبارت یوں ہے: يوم لا ينفع مال ولا بنون أحدا الا من أتى الله بقلب سليم.

ونعم في العشيرة: یہاں مخصوص بالمدح محذوف ہے. أی: هو.

تخریج: الجامع کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: خالد بن الوليد سيف من سيوف الله. بغوی نے عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عساکر نے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: خالد بن الوليد سيف من سيوف الله، سله الله على المشركين. اور دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عباسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: خالد بن الوليد سيف الله وسيف رسله، وحمزة أسد الله وأسد رسوله، وابو عبيدة بن الجراح أمين الله وأمين رسوله، وحذيفة بن اليمان من أصفياء الرحمٰن، عبد الرحمٰن بن عوف من تجار الرحمٰن عز وجل.

وہ چار صحابہ جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور حضور ﷺ کو ان سے محبت کرنے کا حکم دیا

۶۲۵۸: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَمَرَنِىْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَّاَخْبَرَنِىْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِّهِمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَّاَبُوْ ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ اَمَرَنِىْ بِحُبِّهِمْ وَاَخْبَرَنِىْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ۔

(رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ۵۹٤/۵ حديث رقم ۳۷۱۸ وابن ماجه في السنن ۵۳/۱ حديث رقم ۱٤۹ و احمد في المسند ۳۵۱/۵

ترجمہ: ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو چار آدمیوں سے (علی الخصوص) محبت رکھنے کا حکم دیا اور مجھے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) بھی ان چاروں سے محبت رکھتا ہے (یہ ارشاد سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں بھی ان چاروں (خوش نصیبوں) کے نام بتا دیجیے (تا کہ ہم بھی ان سے اس بناء پر محبت رکھیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول ان سے محبت رکھتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ایک تو علیؓ ہیں' یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے (تا کہ لوگ جان لیں کہ ان چاروں میں سب سے افضل علیؓ ہیں یا اس طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے کہ جتنی محبت مجموعی طور پر باقی تینوں سے رکھی جائے اتنی ہی محبت تنہا علیؓ سے رکھنی چاہیے) ایک ابوذرؓ ہیں' ایک مقدادؓ ہیں اور ایک سلمانؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں ان چاروں

سے محبت رکھوں اور اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ بھی ان چاروں سے محبت رکھتا ہے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب حسن ہے"۔

تشریح: علي منهم: الجامع کے نسخہ میں "منهم علي" ہے۔ وأخبرني انه يحبهم: یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔

تخریج: الجامع کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ان الله تعالى امرني بحب اربعة، وأخبرني انه يحبهم، علي منهم، وأبو ذر والمقداد وسلمان. اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ نے، اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو سیّد (سردار) فرمانا

۶۲۵۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِيْ بِلاَلاً۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۹/۷ حديث رقم ۳۷۵٤۔

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلالؓ کو آزاد کیا ہے"۔ (بخاری)

تشریح: سیّدنا کا مطلب ہے خيرنا وافضلنا.

حالانکہ ابن عمرؓ کا فرمان ہے: ما رايت اسود من معاوية. باوجودیکہ انہوں نے حضرات شیخین کو بھی دیکھا تھا۔ (كذا ذكره العسقلاني في فتح الباري)۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ خلفاء اربعہ کے بعد کہا ہوگا، لہٰذا مطلب یہ ہوگا أنه اسود في زمانه.

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق پر صبر نہ کرتے ہوئے ملک شام چلے جانا

۶۲۶۰ : وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّ بِلاَلاً قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِنَفْسِكَ فَاَمْسِكْنِيْ وَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِلّٰهِ فَدَعْنِيْ وَعَمَلَ اللّٰهِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹۹/۷ حديث رقم ۳۷۵۵۔

ترجمہ: "حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: اگر آپ نے اپنی ذاتی خوشی کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو مجھ کو اپنے پاس رکھ لیجئے (اور جس خدمت پر چاہیں مامور کر دیجیے) اور اگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو پھر مجھ کو اللہ کے کام کے لئے آزاد چھوڑ دیجیے"۔

عرضِ مرتب:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت بلالؓ پہلے ایک غلام تھے اور دشمنانِ دین کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک بڑی رقم خرچ کر کے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا' اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی خادموں میں شامل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان دینے کی خدمت پر مامور کر دیا اور وصال نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو عشق نبوی سے سرشار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے مدینہ کا قیام ایک بڑی آزمائش بن گیا۔ اس تصور ہی سے ان کا پیمانۂ صبر چھلک جاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوں اور وہ مسجد نبوی کی طرف دیکھیں اور اس میں جا کر اذان دیں۔ چنانچہ انہوں نے ملک شام جانے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روکنا چاہا اور ان سے درخواست کی کہ آپ یہیں میرے پاس رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرح مسجد نبوی میں اذان دیتے رہیں' اس وقت حضرت بلالؓ نے یہ بات کہی کہ اگر آپ نے مجھ کو اس لئے خریدا تھا کہ میں آپ کی خوشی اور آپ کی خواہش کی تکمیل کرتا رہوں تو میں آپ کی بات ماننے پر مجبور ہوں' جو بھی خدمت آپ میرے سپرد کریں گے اس کو انجام دینا اپنا فرض سمجھوں گا' لیکن اگر آپ نے اس مقصد کے لئے مجھ کو نہیں خریدا تھا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر خریدا اور آزاد کیا تو پھر میں چاہوں گا کہ آپ مجھ کو اپنا پابند نہ بنائیں' مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے کہ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں اور مخلوق سے کوئی سروکار نہ رکھتے ہوئے اپنے خالق کے کاموں میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلالؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھ کو گوارا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اس طرف نظر اٹھاؤں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اب یہاں رہنا میرے لئے ناممکن ہے ؎

چہ مشکل تر ازیں بر عاشق زار ☆ کہ بے دلدار بیند جائے دلدار

اِس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں روکنے کی کوشش نہیں کی اور وہ اس لشکر میں شامل ہو کر سوئے دمشق روانہ ہو گئے جو شام جا رہا تھا' پھر آخر عمر تک وہیں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ ۱۸ھ یا ایک روایت کے مطابق ۲۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ روایت بالکل بے بنیاد ہے جس میں حضرت بلالؓ کے شام جانے اور پھر وہاں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مدینہ لوٹ آنے اور مسجد نبوی میں اذان دینے اور اتنے دنوں بعد ان کی اذان سن کر مدینہ اور اہل مدینہ کے لرز جانے کا ذکر ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کا بے مثال ایثار

۶۲۶۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُخْرٰی فَقَالَتْ

مِثْلَ ذٰلِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّضَيِّفُهُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰى رَحْلِهٖ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتَ صِبْيَانِيْ قَالَ فَعَلِّلِيْهِمْ بِشَيْءٍ وَنَوِّمِيْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَاَرِيْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰى بِيَدِهٖ لِيَاْكُلَ فَقُوْمِيْ اِلَى السِّرَاجِ كَيْ تُصْلِحِيْهِ فَاَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِثْلُهٗ وَلَمْ يُسَمِّ اَبَا طَلْحَةَ وَفِيْ اٰخِرِهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱۹/۷ حدیث رقم ۳۷۹۸ واخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۲٤/۳ حدیث رقم (۱۷۲-۲۰۵٤) والترمذی فی السنن ۳۸۱/۵ حدیث رقم ۳۳۰٤

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں نہایت پریشان حال اور تکلیف ومشقت میں مبتلا ہوں (یعنی فقر وافلاس نے مجھ کو گھیر رکھا ہے اور بھوک سے پریشان حال ہو کر اس اُمید پر یہاں آیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کو کچھ عطا فرمائیں گے) (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی کو اپنی زوجہ مطہرہ کے پاس بھیجا (اور کہلایا کہ اگر گھر میں کچھ موجود ہو تو اس مصیبت زدہ شخص کے لئے بھیج دیں) انہوں نے جواب میں بھیجا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' میرے پاس پانی کے سوا (کھانے پینے کی) اور کوئی چیز موجود نہیں ہے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور انہوں نے بھی وہی جواب بھجوایا جو پہلی زوجہ مطہرہ نے بھیجا تھا اور اس طرح (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کر کے اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس آدمی بھیجا اور) سب بیویوں کے ہاں سے ایسا ہی جواب موصول ہوا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ: جو شخص اس آدمی کو مہمان بنائے گا اس پر اللہ تعالیٰ اپنی (خاص) رحمت نازل فرمائے گا۔ (یہ سنتے ہی) انصار میں سے ایک شخص کہ جن کو ابوطلحہؓ کہا جاتا تھا' کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: کہ یا رسول اللہ! اس آدمی کو میں اپنا مہمان بناؤں گا اور پھر ابوطلحہؓ اس شخص کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ (گھر پہنچ کر) انہوں نے اپنی بیوی (ام سلیمؓ) سے دریافت کیا: تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ ان کی بیوی بولیں: بس اتنا ہے کہ جو بچوں کی ضرورت کو ایک حد تک پورا کر دے۔ ابوطلحہؓ نے کہا بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلائے رکھنا اور جب ہمارا مہمان کھانے کے لئے گھر میں آئے (اور دسترخوان پر بیٹھے) تو ایسا ظاہر کرنا کہ گویا ہم بھی اس کے ساتھ (اسی کھانے میں) کھا رہے ہیں اور جوں ہی ہمارا مہمان لقمہ اٹھانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھائے تو تم یہ ظاہر کر کے کہ جیسے چراغ کی بتی کو ٹھیک کرنے اور اس کی روشنی بڑھانے کا ارادہ ہے' چراغ کی طرف جانا (اور آہستہ سے پھونک مار کر یا کسی اور طرح سے) چراغ بجھا دینا (تاکہ اندھیرا ہو جائے اور مہمان پر یہ ظاہر نہ ہو کہ ہم کھانا نہیں کھا رہے ہیں) چنانچہ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا اور

یہ ہوا کہ (کہ دستر خوان پر) بیٹھے تو وہ تینوں (یعنی ابوطلحہؓ ان کی بیوی اور مہمان) لیکن کھانا صرف مہمان نے کھایا' ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رات گزاری' پھر جب صبح ہوئی اور ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو (چونکہ بذریعہ کشف یا بذریعہ وحی یہ سارا قصہ معلوم ہو چکا تھا اس لئے آپ ﷺ) نے فرمایا! فلاں مرد (یعنی ابوطلحہؓ) اور فلاں عورت (یعنی ابوطلحہؓ کی بیوی ام سلیم) کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا' یا یہ فرمایا کہ (ان دونوں کے) اس کام پر اللہ تعالیٰ کو ہنسی آ گئی (مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر ان دونوں سے بہت خوش ہوا) ابو ہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (جو لفظاً و معناً اسی روایت کی طرح ہے) ابوطلحہؓ کے نام کا ذکر نہیں ہے (یعنی اس میں يقال له ابو طلحه کے الفاظ نہیں ہیں) نیز اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اسی واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ويوثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة یعنی اور وہ لوگ جو اپنے آپ پر دوسروں کو (یعنی اپنے مہمانوں کو یا کسی بھی حاجت مند کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود حاجت مند اور بھوکے ہوں الخ''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مجهود: جهد سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ من يضيفه: از باب تفعیل ہے، ایک نسخہ میں از باب افعال ہے۔ بہر حال مرفوع ہے، اور ''من'' موصولہ مبتداء ہے، اور يرحمه الله اس کی خبر ہے۔ الا قوت صبياني: قوت، مرفوع ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ منصوب ہے۔ فلما أصبح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: أصبح یہاں تامہ ہے اور غدا على رسول الله ﷺ جواب ''لما'' ہے، اور اقبال کے معنی کو متضمن ہے. أی: لما دخل فى الصباح أقبل على رسول الله ﷺ فى الغدوة. وفى رواية مثله: مرفوع ہے، اور ایک نسخہ میں منصوب ہے أی: مثل ما ذكر من الحديث المتقدم. ولو كان بهم خصاصة: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ موضع حال میں ہے۔ اور ''ولو'' فرض کے معنی میں ہے۔ أی يؤثرون على أنفسهم مفروضة خصاصتهم.

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اللہ کے اچھے بندے ہیں

٦٢٦٢: وَعَنْهُ قَالَ نَزَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلاً فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّوْنَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَاَ قُوْلُ فُلَانٌ فَيَقُوْلُ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ هٰذَا وَيَقُوْلُ مَنْ هٰذَا فَاَ قُوْلُ فُلَانٌ فَيَقُوْلُ بِئْسَ عَبْدُ اللّٰهِ هٰذَا حَتّٰى مَرَّ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی السنن ٥/٦٤٦ حديث رقم ٣٨٤٦۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران) ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر پڑاؤ کیا تو اس وقت (جب کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ کے اندر آرام فرما رہے تھے اور میں خیمہ کے باہر تھا) لوگ (آپ ﷺ کے خیمہ کے سامنے سے) اِدھر اُدھر آنے جانے لگے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ (جب خیمہ کے باہر کسی شخص کے گزرنے کی آہٹ پاتے تو) پوچھتے' کہ اے ابو ہریرہ! (گزرنے والا) کون شخص ہے' اور میں آپ ﷺ کو بتاتا

کہ فلاں شخص ہے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس شخص کا نام سن کر) فرماتے کہ یہ اللہ کا اچھا بندہ ہے۔ یا (کسی شخص کے بارے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے کہ یہ کون شخص ہے؟ اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا کہ فلاں شخص ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس شخص کا نام سن کر) فرماتے: یہ اللہ کا برا بندہ ہے۔ (یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا) یہاں تک کہ جب خالد بن ولید گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو میں نے بتایا کہ خالد بن ولید ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا نام سن کر) فرمایا: خالد بن ولید اللہ کا اچھا بندہ ہے' اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے"۔ (ترمذی)

تشریح: بئس عبد الله هذا: ابویعلی وغیرہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں: اذكروا الفاجر بما فيه يحذره الناس. یہ سوال وجواب کی نوبت، خصوصاً خالد بن ولید کے بارے میں پوچھنا یہ کون ہیں؟ بظاہر اس بات کے پیش نظر تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیمہ کے اندر ہوں گے، اور حضرت ابو ہریرہؓ خیمہ کے باہر ہوں گے۔ خالد بن الوليد سيف من سيوف الله: تقدیری عبارت یوں ہے: نعم عبد الله خالد بن الوليد هو سيف من سيوف الله. بہر تقدیر یہ جملہ سببِ مدحت کا بیان ہے۔

انصار کی اپنے اتباع کے لئے دعا کی درخواست

۶۲۶۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ اِتْبَاعٌ وَاِنَّا قَدْ اتَّبَعْنَاكَ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ اَتْبَاعَنَا مِنَّا فَدَعَا بِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۷/۱۱٤ حديث رقم ۳۷۸۷۔

ترجمہ: "زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس طرح ہر نبی کے کچھ پیروکار تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سچے و پکے) پیروکار ہم لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیروکاروں کو بھی ہم میں سے کر دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی"۔ (بخاری)

تشریح: اتبعناك: از باب افتعال ہے، تاء مشدد ہے۔ فادع الله......: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فاء کلام محذوف کا مقتضی ہے۔ أی: لكل نبی أتباع، ونحن اتباعك لأنا قد اتبعناك فادع الله أن يكون أتباعنا منا أی متصلين منا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿والتابعين لهم باحسان﴾ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اتباع الانصار سے مراد ان کے حلیف اور موالی ہیں۔ اور ادع اللہ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں انصار کہا جائے اور ان کے ساتھ بھی احسان وغیرہ کا وہی معاملہ کیا جائے جس طرح کے معاملہ کی وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمائی تھی۔

انصار جانی قربانی کی وجہ سے عند اللہ سب سے زیادہ باعزت ہوں گے

۶۲۶۴: وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا نَعْلَمُ حَيًّا مِّنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ اَكْثَرَ شَهِيْدًا اَعَزَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ وَقَالَ اَنَسٌ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ اُحُدٍ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ الْيَمَامَةِ عَهْدِ اَبِىْ بَكْرٍ

سَبْعُوْنَ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۷۴/۷ حدیث رقم ۴۰۷۸۔

ترجمہ: ''حضرت قتادہ (تابعیؒ) سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ یا قوم کے بارے میں ہمیں یہ علم نہیں کہ اس کے شہیدوں کی تعداد انصار کے شہیدوں سے زیادہ ہو اور قیامت کے دن انصار سے زیادہ با عزت سمجھے جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد کی جنگ میں ستر انصار شہید ہوئے' بیر معونہ میں ستر انصار (جو قراء) تھے شہید ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں یمامہ کی جنگ میں (مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی) ستر انصار شہید ہوئے''۔ (بخاری)

تشریح: اکثر شهیدا: حیا کی دوسری صفت ہے۔ اور أعزّ تیسری صفت ہے۔ من الأنصار: مجرور کا متعلق دونوں ہو سکتے ہیں، یہ بھی تنازع الفعلین کے قبیل سے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بدریین کو عطایا دوسروں پر فضیلت دینا

۶۲۶۵: وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ كَانَ عَطَآءُ الْبَدْرِيِّيْنَ خَمْسَةَ الآفٍ وَقَالَ عُمَرُ لَاُفَضِّلَنَّهُمْ عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه الترمذی فی صحیحه ۳۲۳/۷ حدیث رقم ۴۰۲۲

ترجمہ: ''حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ جو صحابہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان میں سے ہر ہر شخص کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم تھا (جو بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کو (عزت و میں) ان کے بعد میں آنے والے تمام لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں''۔ (بخاری)

تشریح: خمسة آلاف خمسة آلاف: اس تکرار سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ پانچ ہزار ہے۔

ماقبل میں ابوداؤد کی ایک روایت گزری ہے: عن ابن عمر انه خرج یوم بدر فی ثلاث مائة و خمسة عشر. اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ أن المشرکین کانوا الفا و الصحابة ثلاث مائة وسبعة عشر.

یہاں کل صحابہ کے نام آئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے نام تک اسماء کے ذکر کرنے میں رتبہ کا لحاظ رکھا ہے، اور مابعد اسماء حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے ہیں۔

عرضِ مرتب:

خلاصہ باب جامع المناقب بھی بعینہ ویسے ہی تحریر کیا جا رہا ہے جیسا کہ مرتب نے گزشتہ ابواب میں بفضل الٰہی اہتمام کیا کہ فضائل کے ابواب کے آخر میں ان احادیث کا مختصر ترین خلاصہ تحریر کیا' اللہ عزوجل قبولیت سے نوازے۔

اس باب میں درج ذیل حضرات کے فضائل بیان کئے گئے ہیں:

① فضائل انصار: اس باب کی بہت سی احادیث میں انصار کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے ہیں ان روایات سے حاصل ہونے والے فضائل درج ذیل ہیں۔

①: انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض ودشمنی رکھنا کفر اور نفاق کی علامت ہے اور یہ مضمون مختلف روایات میں مختلف الفاظ سے آیا ہے مثلاً فرمایا کہ انصار سے محبت مؤمن ہی رکھ سکتا ہے اور ان سے بغض منافق ہی رکھ سکتا ہے جو ان سے محبت کرے گا اللہ بھی اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ بھی اس سے بغض ودشمنی رکھے گا ایک روایت میں فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

②: حضور ﷺ مختلف مواقع پر انصار کے ساتھ مرتے دم تک رہنے کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ غزوہ طائف کے مال غنیمت کو حضور ﷺ نے قریش کے مولفۃ القلوب کو دیا انصار کو نہ دیا تو انصار نے کہا حضور ﷺ نے قریش کو نوازا اور ہم کو چھوڑ دیا اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو ان کو جمع کر کے فرمایا میں نے صرف مولفۃ القلوب کو دیا ہے تاکہ اسلام ان کے دل میں پختہ ہو جائے پھر فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو مال لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر لوٹو۔ تو انہوں نے عرض کیا ہم اس پر راضی ہیں۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا یا جس نے ہتھیار ڈال دیئے اس کو امن ہے انصار نے کہا شاید حضور ﷺ کے دل میں اپنے قبیلہ اور علاقہ کی محبت جگہ پکڑ گئی ہے اسی لئے اتنی نرمی فرما رہے ہیں ممکن ہے کہ حضور ﷺ اب واپس مدینہ نہ جائیں حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ میں نے اللہ کے حکم سے تمہاری طرف ہجرت کی ہے اس لئے میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔

③: حضور ﷺ انصار کے ساتھ محبت کا اظہار فرماتے اور ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا حکم فرماتے تھے چنانچہ ایک بار انصار کے بچوں اور عورتوں کو کسی شادی یا ولیمہ سے واپس آتا ہوا دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم (یعنی انصار) مجھے لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہو۔

ایک بار نبی کریم ﷺ نے اپنی مرض الوفات میں خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں انصار کے ساتھ (حسن سلوک) کی وصیت کرتا ہوں وہ میرا معدہ اور گٹھڑی ہیں انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ان کا اجر ابھی باقی ہے تم ان کے نیک لوگوں کے عذر قبول کرو اور بد لوگوں سے درگزر کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہ انصاری سے فرمایا کہ اپنی قوم کو میرا سلام کہو میرے علم کے مطابق وہ پاکباز اور صابر لوگ ہیں۔

انصار کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہجرت مقدر نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا اگر انصار ایک راستے پر چلیں اور دوسرے لوگ دوسرے راستے پر تو میں انصار کے راستے پر چلوں گا۔ انصار اشعار کی مانند ہیں اور باقی لوگ دثار کی مانند ہیں۔

انصار کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے آپ ﷺ نے دعا مغفرت فرمائی۔

انصار نے مالی قربانیوں کے ساتھ عظیم جانی قربانیاں بھی دیں چنانچہ انہیں قربانیوں کی بنا پر حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن انصار سے زیادہ کوئی قبیلہ اللہ کے ہاں باعزت نہ ہوگا پھر حضرت انسؓ کا فرمان تائیداً نقل کیا کہ احد کے دن ستر انصار صحابہ شہید ہوئے اسی طرح بیر معونہ اور جنگ یمامہ میں ستر ستر انصاری صحابہ شہید ہوئے۔

⑵ اہل بدر واہل حدیبیہ کی فضیلت:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے والے دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔

اہل حدیبیہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم آج تمام اہل زمین سے افضل ہو اسی طرح حدیبیہ جاتے ہوئے ثنیۃ المرار کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا جو اس گھاٹی پر چڑھے گا بنی اسرائیل کی طرح اس کے گناہ بھی معاف ہوں گے عبداللہ بن ابی منافق کے علاوہ سب چڑھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سب کو بخش دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے اہل بدر کا وظیفہ باقی صحابہ سے زیادہ مقرر کیا ہوا تھا اور وہ فرماتے تھے کہ میں ان کو سب پر فضیلت دیتا ہوں۔

⑶: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وقار، میانہ روی اور راست روی میں حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ کا اتنی کثرت سے حضور ﷺ کے پاس آنا جانا تھا کہ بہت عرصے تک میں ان کو آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے سمجھتا رہا۔

حضور ﷺ نے چار صحابہ سے بالخصوص قرآن سیکھنے کا حکم دیا ان میں سے ایک عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کے سفر وحضر کے خادم بھی تھے آپ ﷺ کے جوتے سنبھالتے، وضو کا انتظام کرتے اور بستر وغیرہ بچھاتے اسی لئے ان کو صاحب النعلین والوسارۃ والمطہرۃ کہا جاتا تھا حضور ﷺ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ ﷺ فرماتے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعودؓ اس لائق ہیں کہ ان کو بغیر مشورہ کے امیر بنایا جائے۔

ایک بار حضور ﷺ نے حضرت حذیفہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے حذیفہ جو کچھ بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو اور عبداللہ بن مسعودؓ تم کو جو کچھ پڑھائے اس کو پڑھو۔

⑷: حضرات شیخینؓ حضرت عمارؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے صحابہ میں سے ہیں اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ عمار بن یاسرؓ کی سیرت اور ان کی روش کو اختیار کرو اور ابن مسعودؓ کے عہد کو مضبوط پکڑو۔

⑸ حضرت علی، حضرت عمار، حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کی فضیلت: حضور ﷺ نے ان تینوں حضرات کے متعلق فرمایا کہ جنت ان کی مشتاق ہے۔

⑹ حضرت عمارؓ: ایک بار حضرت عمارؓ نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اندر آنے کی اجازت دو، پاکیزہ و پاک شخص کو خوش آمدید۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمارؓ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کام کا اختیار د

گیا تو انہوں نے ہمیشہ سخت اور مشکل کام کو اختیار کیا۔

ایک بار حضرت خالدؓ نے ان کو سخت الفاظ کہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عمارؓ سے دشمنی اور بغض رکھا اس سے اللہ تعالیٰ دشمنی اور بغض رکھیں گے۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرؓ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے جنت میں جہاں جانا چاہتے ہیں وہ ٹکڑا انہیں لے اڑتا ہے حضور ﷺ نے ان کے متعلق یہ خواب سن کر حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی نیک آدمی ہے۔

⑧ حضرت ابوطلحہؓ و ام سلیمؓ: حضرت ام سلیمؓ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی اس میں میں نے ابوطلحہؓ کی بیوی کو دیکھا۔

حضرت ابوطلحہؓ نے حضور ﷺ کے مہمان کو کھانا کھلایا حالانکہ خود بھی بھوکے تھے اور بیوی بھی بھوکی تھی لیکن تدبیر کر کے سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا خود ساری رات بھوکے رہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں مرد (ابوطلحہ) اور فلاں عورت (ام سلیم) کا یہ کام اللہ پاک کو بہت پسند آیا۔ یا یہ فرمایا کہ اللہ پاک کو اس کام پر ہنسی آ گئی۔ اسی واقعہ کے بعد "ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" نازل ہوئی۔

⑨ حضرت بلالؓ: حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو سیدنا بلالؓ کہہ کر خطاب فرماتے تھے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد مدینہ میں حضور ﷺ کے بغیر رہنے کی سکت نہ رکھنے کی وجہ سے ملک شام چلے گئے۔ حضور ﷺ نے جنت میں حضرت بلالؓ کے قدموں کی آہٹ سنی۔

⑩ حضرت ابوموسیٰ اشعری: حضرت ابوموسیٰ قرآن پاک بہت اچھا اور عمدہ پڑھتے تھے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ تجھے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ دیا گیا ہے۔

⑪ حضرت سعد بن معاذؓ: حضرت سعدؓ کی وفات پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کی وفات پر رحمٰن کا عرش ہل گیا ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں ریشم کا کپڑا آیا صحابہ اس کی نرمی اور ملائمت پر حیران ہو رہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا کہ سعدؓ کے (ہاتھ وغیرہ پونچھنے کے) رومال جنت میں اس سے بھی بہتر اور نرم ہیں۔ ان کی یہ بھی فضیلت ہے کہ ان کے جنازے کو فرشتوں نے کندھا دیا۔

⑫ حضرت انسؓ: خادم رسول حضرت انسؓ کو آپ ﷺ نے کثرت مال و اولاد اور دخول جنت کی دعا دی تھی چنانچہ اس دعا کی برکت سے مال بھی بہت نصیب ہوا اور اولاد بھی بکثرت عطا ہوئی۔

⑬ مصعب بن عمیرؓ: حضرت مصعبؓ جنہوں نے ناز و نعمت میں پرورش پائی اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ کفن کے لئے صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی کہ جس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا حضور ﷺ نے فرمایا کہ کپڑے سے چہرہ ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر ڈال دو۔

⑭ حضرت عبداللہ بن سلامؓ: حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے زندہ رہ جانے والے لوگوں میں سے صرف عبداللہ بن سلام کے متعلق حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ جنتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا کہ وہ ایک وسیع و عریض باغ میں ہیں جس کے درمیان میں ہولے کا ایک ستون

ہے جس کا نیچے کا سرا زمین کے اندر ہے اور اوپر کا سرا آسمان میں ہے اور ستون کے اوپر حلقہ ہے ج سپر ان کو چڑھنے کو کہا گیا انہوں نے کہا میں نہیں چڑھ سکتا تو کسی نے پیچھے سے ان کو پکڑا تو انہوں نے اوپر چڑھ کر اس حلقہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا حضور ﷺ نے یہ خواب سن کر فرمایا کہ وہ باغ دین اسلام ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے وہ حلقہ مضبوط ہے گویا حضرت عبداللہ بن سلامؓ آ کر دم تک اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔

حضرت معاذ بن جبل نے اپنی وفات کے وقت اپنے شاگردوں کو جن حضرات سے علم حاصل کرنے کی وصیت فرمائی ان میں حضرت عبداللہ ب سلام بھی ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ جنت میں دسویں آدمی ہوں گے۔

⑮ حضرت ثابت بن قیسؓ: حضور ﷺ کے خطیب حضرت ثابت بن قیسؓ حضور ﷺ کے ادب میں بہت محتاط تھے جب آیت کریمہ "یایھاالذین آمنوا لاترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ......" نازل ہوئی تو اس وجہ سے کہ چونکہ میری آواز (فطری طور پر) حضور ﷺ کی آواز سے بلند ہے اس لئے میں کافر ہو گیا اس لئے حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر نہ ہوئے حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ثابت تو اہل جنت میں سے ہے۔

⑯ حضرت سلمان فارسیؓ اور اہل فارس کی فضیلت: جب سورہ جمعہ کی آیت "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمانؓ پر رکھا اور فرمای اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلاشبہ ان لوگوں میں سے کتنے ہی اس کو پا لیتے۔

اسی طرح جب یہ آیت: "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ......" نازل ہوئی تو صحابہ نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو حضور ﷺ نے حضرت سلمانؓ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ اگر دین ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو فارس میں سے بہت سے لوگ اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے عجمیوں کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں (دین کی محافظت اور دیانتداری کے معاملہ میں) عجمہ لوگوں یا ان میں سے بعض پر تم اہل عرب سے یا تمہارے لوگوں سے زیادہ اعتماد و بھروسہ رکھتا ہوں۔

⑰ حضرت ابو ہریرہؓ: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کی والدہ کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنے اس بندے ابو ہریرہؓ اور اس کی والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنا دے اور اہل ایمان کو ان کا محبوب بنا دے۔

⑱ حضرت ابو ذرؓ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور نہ ہی زمین نے کسی ایسے شخص کو اٹھایا جو حضرت ابو ذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔ اسی طرح دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ان سے بڑھ کر اوفی (یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع کرنے والا) کوئی نہیں جو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ ہیں۔

⑲ حضرت محمد بن مسلمہؓ: حضور ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا کہ تمہیں فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔

⑳ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ: حضرت عبداللہ بن زبیر کا نام عبداللہ اور کنیت ابو بکرؓ خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی ان کے نانا حضرت صدیق اکبر کے نام اور کنیت پر۔ اور حضور ﷺ نے ہی کھجور چبا کر ان کے تالو سے لگائی۔

㉑ حضرت معاویہ بن ابی سفیان: حضرت معاویہ کو حضور ﷺ نے یہ دعا دی کہ اے اللہ ان کو راہ راست دکھانے والا، راست پایا

ہوا بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نصیب فرما۔

۴۲ حضرت عمرو بن العاصؓ: حضرت عمرو بن العاصؓ کے خوشدلی اور رضا و رغبت سے مسلمان ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے حضورﷺ نے فرمایا کہ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور عمرو بن العاص ایمان لائے۔

۴۳ حضرت جابرؓ اور ان کے والد کی فضیلت: حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ کے جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کے متعلق حضورﷺ نے یہ بشارت سنائی کہ ان کو اللہ پاک نے زندہ کر کے روبرو بغیر حجاب اور بغیر کسی واسطے کے پوچھا کہ تم مجھ سے مانگو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ مجھے واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ میں تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ امر طے ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا پھر یہ آیت: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۔ نازل ہوئی۔

اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے مجھ پچیس بار دعاء مغفرت دی۔

۴۴ حضرت براء بن مالکؓ: حضرت انسؓ کے بھائی حضرت براء کے متعلق حضورﷺ نے فرمایا کہ بہت سے بظاہر پراگندہ حال' خاک آلود بال اور دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر دیتا ہے ان میں سے ایک براء بن مالکؓ بھی ہیں۔

۴۵ حضرت خالد بن الولیدؓ: حضرت خالد کے متعلق حضورﷺ نے فرمایا کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں اور اپنے قبیلہ کے بہترین جوان ہیں جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا خالد بن الولیدؓ اللہ کا اچھا بندہ ہے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

۴۶ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ: حضرت حاطب نے حضورﷺ کا راز اہل مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن حضورﷺ کو اس کا بذریعہ وحی علم ہو گیا اور ان کا خط پکڑا گیا حضورﷺ سے انہوں نے اپنا عذر بیان کیا تو حضورﷺ نے ان کا عذر قبول فرمالیا حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیجئے حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک تھے اور تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک اہل بدر پر مطلع ہو گیا ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم جو چاہو کرو تحقیق تمہارے لئے جنت واجب ہے۔

اسی طرح حضرت حاطبؓ کے خادم نے ان کی حضورﷺ کو شکایت کی اور کہا کہ حاطبؓ ضرور جہنم میں جائیں گے حضورﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا وہ جہنم میں ہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے۔

۴۷ وہ حضرات جن کے بارے میں آیت: "ولا تطرد الذین" نازل ہوئی: چھ صحابہ کی جماعت حضورﷺ کے پاس تھی مشرکین نے کہا کہ ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے (پھر ہم آپﷺ کی بات سنیں گے) تاکہ ان لوگوں کو ہم پر جرأت نہ ہو حضورﷺ اس بارے میں سوچ رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ چھ حضرات حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت بلال' حضرت عمار' حضرت خباب رضی اللہ عنہم اور قبیلہ ہذیل کے ایک شخص تھے۔

۴۸ وہ انصاری صحابہ جنہوں نے حضورﷺ کے زمانہ میں قرآن پاک یاد کیا: وہ حضرات یہ ہیں حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ

بن جبل' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم۔

㉙ کمزور ولاچار صحابہ کی عزت افزائی: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ قبل از اسلام مدینہ آئے حضرت سلمان' حضرت صہیب' حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے سامنے سے گزرتے تو انہوں نے کہا یہ دشمن خدا ابھی تک قتل نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم قریش کے سردار کو اس طرح کہتے ہو۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نے ان حضرات کو ناراض کر دیا ہے اگر تم نے ان کو ناراض کر دیا تو تحقیق تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔

㉚ چند مخصوص صحابہ کی فضیلت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت ابوعبیدہ' حضرت اسید بن حضیر' حضرت ثابت بن قیس' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کا نام لے کر فرمایا کہ یہ اچھا بندہ ہے۔

㉛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقباء اور بخباء: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے سات نہایت مخصوص و برگزیدہ ساتھی ہوتے ہیں اور مجھے ایسے چودہ لوگ دیئے گئے ہیں وہ چودہ شخص یہ ہیں۔ حضرت علی' حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت بلال' حضرت عمار' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت جعفر' حضرت حمزہ' حضرت ابوذر' حضرت سلمان' حضرت مقداد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

㉜ اللہ تعالیٰ کے خاص محبوب لوگ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھے علی' ابوذر' مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں حکم دیا کہ میں ان سے محبت کروں اور اللہ پاک نے یہ بھی بتلایا کہ وہ بھی ان چاروں سے محبت کرتے ہیں۔

تَسْمِيَةِ مَنْ سُمِّيَ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ فِي الْجَامِعِ لِلْبُخَارِيِّ

اہل بدر میں سے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام جن کو جامع بخاری میں بیان کیا گیا

حضرات بدریین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور تو یہ ہے کہ تین سو تیرہ تھے۔ اشتباہ اور اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہیں۔ حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں سب کو جمع کر دیا اور تین سو تریسٹھ نام شمار کرئے تاکہ کسی قول کی بنا پر بھی کوئی نام رہنے نہ پائے۔ احتیاطاً سب کو ذکر کر دیا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدریین کی تعداد تین سو تریسٹھ ہے۔

ائمہ حدیث اور علماء سیر نے اپنی اپنی تصانیف میں اسماء بدریین کے ذکر کا خاص اہتمام فرمایا ہے مگر حروف تہجی کے لحاظ سے سب سے پہلے امام بخاریؒ نے اسماء بدریین کو مرتب فرمایا ہے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ذکر کیا پھر خلفاء اربعہ کے اسماء گرامی ذکر کئے اس کے بعد باقی صحابہ کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے گئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے تمام بدری صحابہ کے نام ذکر نہیں فرمائے بلکہ ان میں سے مخصوص حضرات کے نام ذکر فرمائے۔ ان مخصوص بدری صحابہ کے اسماء کو ایک الگ باب میں جمع کرنے کا مقصد امام بخاری کا یہ ہے تاکہ ان مخصوص صحابہ کی باقی صحابہ کرام پر فضیلت و برتری کا اظہار ہو اور ان کے حق میں بطور خاص دعا رحمت و رضوان کی جائے۔

باقی رہی یہ بات کہ امام بخاریؒ نے تین سو تیرہ (مشورہ قول کے مطابق) بدری صحابہ میں سے صرف چھیالیس اختصاص

کس بنیاد پر کیا ہے تو اس بارے میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس بات میں صرف ان بدری صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں کہ جن کے حقیقۃً یا حکماً بدری ہونے کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے (حکماً اسلئے کہا گیا تا کہ اس زمرہ میں حضرت عثمان غنیؓ کا نام بھی شامل ہو جائے جو حقیقۃً تو غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں رہے تھے اس لئے وہ بھی اہل بدر میں شمار ہوئے)

لہٰذا وہ صحابہ کرام جو بالاتفاق بدری ہیں لیکن ان کے بدری ہونے کا ذکر صحیح بخاری میں ہے یا سرے سے بخاری ہی میں ان کا ذکر نہیں ہے ان کو امام بخاریؒ نے اس باب میں ذکر نہیں فرمایا چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ غزورہ بحر میں شریک تھے اور تمام محدثین و اصحاب سیر کا اس پر اتفاق ہے لیکن بخاری کی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک تھے اس لئے امام بخاریؒ نے ان کو اس باب میں ذکر نہیں فرمایا۔

حاصل یہ ہے کہ اس باب میں صرف ان بدری صحابہؓ کے نام ذکر کئے گئے ہیں جن کے معلق صحیح بخاری شریف میں صراحت کے ساتھ یہ آیا ہو کہ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے خواہ کوئی صحابی خود اپنے بارے میں یہ تصریح کرے یا کوئی دوسرا صحابی کسی اور صحابی کے بارے میں یہ تصریح کرے کہ یہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔

علامہ دوانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے مشائخ حدیث سے سنا ہے کہ صحیح بخاری میں اسماء بدریین کے ذکر کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

اَلنَّبِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَاشِمِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ اَبُوْبَکْرِ ٍالصِّدِّیْقِ الْقَرَشِیُّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِیُّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانِ الْقَرَشِیُّ خَلَّفَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی ابْنَتِهٖ رُقَیَّةَ وَضَرَبَ لَهٗ بِسَهْمِهٖ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبِ الْهَاشِمِیُّ اِیَاسُ بْنُ بُکَیْرِ بِلَالُ بْنُ رَبَاحِ مَوْلٰی اَبِیْ بَکْرِ ٍالصِّدِّیْقِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِیُّ حَاطِبُ بْنُ اَبِیْ بَلْتَعَةَ حَلِیْفٌ لِقُرَیْشٍ اَبُوْ حُذَیْفَةَ بْنُ عُتْبَةَ بْنُ رَبِیْعَةَ الْقُرَیْشِیُّ حَارِثَةُ ابْنُ رُبَیِّعِ الْاَنْصَارِیُّ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ حَارِثَةُ ابْنُ سُرَاقَةَ کَانَ فِی النَّظَّارَةِ خُبَیْبُ بْنُ عَدِیِّ الْاَنْصَارِیُّ خُنَیْسُ ابْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِیُّ رِفَاعَةُ ابْنُ رَافِعِ الْاَنْصَارِیُّ رِفَاعَةُ ابْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ اَبُوْ لُبَابَةَ الْاَنْصَارِیُّ الزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ الْقَرَشِیُّ زَیْدُ بْنُ سَهْلٍ اَبُوْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِیُّ اَبُوْ زَیْدِ ِالْاَنْصَارِیُّ سَعْدِ ِبْنِ مَالِكِ الزُّهْرِیُّ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ الْقُرَشِیُّ سَعِیْدُ بْنِ زَیْدِ ابْنِ عَمْرِو بْنُ نُفَیْلِ ِالْقَرَشِیُّ سَهْلُ بْنُ حُنَیْفِ ِالْاَنْصَارِیُّ ظُهَیْرُ بْنُ رَافِعِ ِالْاَنْصَارِیُّ وَاَخُوْهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدِ ِالْهَذَلِیُّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفِ ِالزُّهْرِیُّ عُبَیْدَةُ ابْنُ الْحَارِثِ الْقُرَشِیُّ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ الْاَنْصَارِیُّ عَمْرُو بْنُ عَوْفِ حَلِیْفُ بَنِیْ عَامِرِ بْنِ لُؤَیِّ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرِو ِالْاَنْصَارِیُّ عَامِرِ بْنُ رَبِیْعَةَ الْعَنَزِیُّ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتِ ِالْاَنْصَارِیُّ عُوَیْمُ بْنُ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِیُّ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكِ

الْاَنْصَارِیُّ قُدَامَۃُ بْنُ مَظْعُوْنٍ قَتَادَۃُ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِیُّ مُعَاذُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ مُعَوَّذُ بْنُ عَفْرَاءَ وَاَخُوْہُ مَالِكُ بْنُ رَبِیْعَۃَ اَبُوْ اُسَیْدِ الْاَنْصَارِیُّ مِسْطَحُ بْنُ اُثَاثَۃَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مُنَافٍ مُرَارَۃُ بْنُ رَبِیْعِ الْاَنْصَارِیُّ مَعْنُ بْنُ عَدِیِّ الْاَنْصَارِیُّ مِقْدَادُ بْنُ عَمْرِو الْکِنْدِیُّ حَلِیْفُ بَنِیْ زُھْرَۃَ ھِلَالُ ابْنُ اُمَیَّۃَ الْاَنْصَارِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ ہاشمی' عبداللہ بن عثمان (جن کی کنیت) ابوبکر صدیق ہے اور قریشی ہیں عمر بن الخطاب عدوی' عثمان بن عفان قریشی جن کو رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی رقیہ کے پاس (جو ان کی بیوی تھیں اور بیمار تھیں) چھوڑ گئے تھے اور ان کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ مقرر فرمایا علی بن ابی طالب ہاشمی' ایاس بن بکیر' بلال بن ابی رباح ابو بکر کے آزاد کردہ غلام' حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی' حاطب بن ابی بلتعہ قریش کے حلیف۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی' حارثہ بن ربیعہ انصاری (ان کا اصل نام حارث بن سراقہ ہے یہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے بلکہ یہ دشمنوں کے مال کی نگرانی پر مامور تھے خبیب بن عدی انصاری' خنیس بن حذافہ سہمی' رفاعہ بن رافع انصاری' رفاعہ بن عبدالمنذر ابولبابہ انصاری' زبیر بن عوام قریشی' زید بن سہل ابوطلحہ انصاری' ابوزید انصاری' سعد بن مالک زہری' سعد بن خولہ قریشی' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قریشی' سہل بن حنیف انصاری' ظہیر بن رافع انصاری' ظہیر بن رافع کے بھائی' عبداللہ بن مسعود ہذلی' عبدالرحمان بن عوف زہری' عبیدۃ بن الحارث قریشی' عبادۃ بن الصامت انصاری' عمرو بن عوف بنو عامر بن لوی کے حلیف' عقبہ بن عمرو انصاری' عامر بن ربیعہ عنزی' عاصم بن ثابت انصاری' عویم بن ساعدہ انصاری' عتبان بن مالک انصاری' قدامۃ بن مظعون' قتادہ بن نعمان انصاری' معاذ بن عمرو بن الجموح' معوذ بن عفراء' معوذ بن عفراء کے بھائی' مالک بن ربیعہ' ابو اسید انصاری' مسطح بن اثاثہ بن عبادہ بن المطلب بن عبد مناف' مرارہ بن ربیع انصاری' معن بن عدی انصاری' مقداد بن عمرو کندی بنو زہرہ کے حلیف' ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین وارضاہم۔

ان مخصوص بدریین حضرات کے مختصر احوال:

① سید المہاجرین وامام البدریین واشرف الخلائق اجمعین خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولٰینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وشرف وکرم الی یوم الدین

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی چنانچہ جامع الترمذی میں حضرت قیس بن مخرمہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر چالیس برس کی عمر میں تاج نبوت پہنایا گیا اور دور نبوت تئیس سال رہا۔ تیرہ سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے خالق حقیقی کی طرف رحلت فرمائی۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے (یعنی اللہ

تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب جلیل پر فائز کیا گیا) چالیس سال کی عمر میں۔اس کے بعد آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے تو تیرہ سال آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی رہی پھر آپ ﷺ کو حکم ہوا (مکہ سے) ہجرت کا' تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مہاجرین بن کر دس سال رہے اور پھر (مدینہ منورہ میں) وفات پائی اس وقت جبکہ عمر شریف تریسٹھ سال تھی (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ احزابہ اجمعین)۔

امام بخاریؒ نے بدریین میں سب سے پہلے آپ ﷺ کا نام مبارک تبرک کے طور پر لکھا اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے بھی کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ آپ ﷺ خود غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

② عبداللہ بن عثمان ابوبکر الصدیق قرشی: حضرت ابوبکرؓ کا نام زمانہ جاہلیت میں عبدرب الکعبۃ تھا حضور ﷺ نے اس کو بدل کر عبداللہ رکھ دیا آپؓ کی کنیت ابوبکر ہے اور یہ کنیت بھی حضور ﷺ نے ہی رکھی تھی آپؓ اسی کنیت سے معروف ہیں اور لقب صدیق ہے۔صدیق لقب پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی رسالت و نبوت کی بلاحیل و حجت ابتداء میں ہی تصدیق کی تھی اور واقعہ معراج کے موقعہ پر جب مشرکین نے انکار کیا تو ان کے انکار کے مقابلے میں حضرت ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور ثابت قدم رہے۔

آپؓ کا ایک نام عتیق بھی ہے اس نام کی مختلف وجوہ ہیں۔مثلاً پہلی یہ کہ عتیق کا معنی ہے حسن و جمال' شرافت و کرامت والا چونکہ حضرت ابوبکرؓ ظاہری حسن و جمال کے بھی مجسمہ تھے اور نسلی اور نسبی شرافت کے بھی حاصل تھے اس لئے آپؓ کو عتیق کہا جاتا تھا۔ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آپؓ کا نام عتیق رکھا چنانچہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یامن اراد ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر الی ابی بکر یعنی جو شخص جہنم سے آزاد آدمی کو دیکھنا چاہے تو وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے والدین کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہوتا تو وہ فوت ہو جاتا۔جب حضرت ابوبکرؓ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ ان کو لے کر بیت اللہ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ یا اللہ اس بچے کو موت سے آزاد رکھ اور مجھے یہ عطا فرما۔چنانچہ ان کی والدہ کی دعا قبول ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ تریسٹھ سال تک زندہ رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد کا نام عثمان ہے اور کنیت ابوقحافہ ہے جو فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے چھ ماہ اور کچھ دن بعد ۱۴ھ میں ۹۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کا تعلق قبیلہ قریش سے ہے اور نسب نامہ اس طرح ہے ابوبکر بن ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ۔ساتویں پشت یعنی مرہ میں آکر حضور ﷺ سے آپ ﷺ کا نسب مل جاتا ہے۔

آپؓ کا رنگ سفید تھا لاغر اندام تھے' رخسار ہلکے تھے' چہرے پر گوشت بہت کم تھا' آنکھیں اندر کو تھیں' پیشانی ابھری ہوئی تھی' آپؓ مہندی اور وسمہ سے خضاب کرتے تھے۔عام الفیل کو دو سال چار مہینے سے چند دن کم گزرے تھے جبکہ آپؓ کی ولادت ہوئی اور مدینہ میں منگل کی رات میں عشاء اور مغرب کے درمیان جبکہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کے آٹھ دن باقی تھے آپؓ کی وفات ہوئی آپؓ کی عمر وفات کے وقت تریسٹھ سال تھی۔آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپؓ کو آپ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس غسل دیں اس لئے انہوں نے آپؓ کو غسل دیا اور عمر بن الخطابؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپؓ کی خلافت دو سال اور چار ماہ رہی۔

③ عمر بن الخطابؓ العدوی: آپؓ کا نام عمر اور کنیت ابوحفص ہے اور لقب فاروق ہے عدی بن کعب کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے عدوی کہلاتے ہیں پانچویں پشت میں جا کر حضور ﷺ کے ساتھ آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

فاروق لقب پڑنے کی وجہ کیا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ میں اسلام لانے سے پہلے عبادت چھپ کر کی جاتی تھی جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم سب حق پر ہو۔ میں نے عرض کیا تو پھر اس حق کو چھپانے کا کیا مطلب ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے ہم ضرور حق کو لے کر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم آپ ﷺ کو دو صفوں کے درمیان لے کر نکلے ایک صف میں حضرت حمزہ تھے اور دوسری صف میں میں تھا۔ جب ہم مسجد حرام پہنچے تو مجھے اور حضرت حمزہؓ کو دیکھ کر قریش کو ایسا صدمہ ہوا کہ اتنا پہلے کبھی نہ ہوا تھا اس دن حضور ﷺ نے میرا نام فاروق رکھا تھا کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں فرق کر دیا۔

حضرت عمرؓ چونکہ پڑھے لکھے تھے اس لئے زمانہ جاہلیت میں سفارت و کتابت کی ذمہ داری آپؓ کے سپرد تھی یعنی جب بھی کسی دوسرے قبیلے کو کوئی اہم پیغام یا خط وغیرہ بھیجنا ہوتا تو اس کے لئے آپؓ ہی کا انتخاب ہوتا۔

حضرت عمرؓ گورے رنگ کے تھے جس میں سرخی غالب تھی (بعض نے کہا کہ گندم گوں تھے) آنکھیں چمکدار اور اکثر سرخ رہتی تھیں دراز قد تھے لوگوں کے درمیان جب ہوتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آپؓ اونٹ پر بیٹھے ہوئے اور باقی لوگ کھڑے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دین اسلام کو اللہ پاک نے بہت تقویت دی آپ انتہائی بارعب شخصیت کے مالک تھے حضور ﷺ سے پہلے ہجرت فرمائی اور انتہائی جرات اور بہادری سے مکہ سے نکلے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو تلوار گلے میں لٹکائی کمان کا چلہ چڑھایا اور تیر ہاتھ میں لے کر خانہ کعبہ میں آئے جہاں تمام سرداران قریش جمع تھے۔ سب سے پہلے آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد قریش کی ایک ایک جماعت کے پاس جا کر یہ اعلان کیا کہ تمہارے منہ پر پھٹکار پڑے، تم میں سے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس پر روائے' اس کی اولاد یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے تو وہ میرا تعاقب کرے اور مکہ سے باہر مجھے ملے لیکن کسی کو بھی ان کے تعاقب میں آنے کی ہمت نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ اسی جلالت شان کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کر گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے تمام امور انتظامیہ کو حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور ان کے متعین فرمانے کی وجہ سے کامل طور پر انجام دیا اور مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ مجوسی نے مدینہ میں بدھ کے دن ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ میں فجر کی نماز میں آپؓ کو خنجر سے زخمی کیا اور دسویں محرام الحرام کو بروز اتوار ۲۴ھ میں وفات پائی ان کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی اور یہ ان کی عمر کے بارے میں سب سے صحیح قول ہے ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ ماہ ہے حضرت عمرؓ کے جنازہ کی نماز حضرت صہیب رومی نے پڑھائی۔

④ عثمان بن عفان القرشی: حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہے آپؓ عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے آپ اموی قریشی ہیں۔ آپؓ نے اول دور میں ہی حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب پر آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں جانے سے پہلے سلام قبول کیا جبکہ آپ سے پہلے حضرت صدیق اکبر' حضرت علی' حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے تھے یہ بھی منقول ہے کہ جب آپؓ نے

اسلام قبول کیا اور اس کی خبر آپ کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کو ہوئی تو اس نے آپ کو باندھ کر قید کر دیا اور کہا کہ تو نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کیا ہے جب تک تو اس دین سے باز نہیں آئے گا تجھے رہا نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا تو جو چاہے کر لے میں اس دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ان کی اس سختی اور مضبوطی کو دیکھ کر آپؓ کے چچا حکم نے آپ کو رہا کر دیا۔

حضرت عثمان نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی اور غزوہ بدر میں یہ شریک نہ ہو سکے تھے کیونکہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو آپؓ کی اہلیہ تھیں بیمار تھیں حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا (اور اسی بیماری میں حضرت رقیہ کا انتقال ہوا اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میں تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا) چونکہ حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کے حکم سے مدینہ میں رہے تھے اس لئے ان کو بھی بدر میں شریک ہونے والے لوگوں میں شمار کیا گیا اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ نکالا گیا۔

مقام حدیبیہ میں جو درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اس میں حضرت عثمانؓ شرکت نہ فرما سکے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو صلح کے معاملات طے کرنے کے لئے مکہ بھیجا تھا جب بیعت رضوان ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک کو دوسرے دست مبارک پر مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کے لئے ہے۔

حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقد میں آنحضرت ﷺ کی دو نور نظر یعنی صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آئیں تھیں اور یہ فضیلت اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔

حضرت عثمانؓ گورے رنگ کے میانہ قد تھے' خوبصورت چہرے والے تھے' سینہ مبارک چوڑا تھا' سر پر بال بہت زیادہ تھے' آپ کے چہرے پر چیچک کے نشانات تھے۔ داڑھی دراز تھی اور داڑھی کو زرد رنگا کرتے تھے' حیاء کے پیکر تھے' گھر کے اندر دروازہ بند کر کے غسل کرتے تھے اور حیاء کی وجہ سے اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کر سکتے ۲۴ھ محرم الحرام میں خلیفہ بنائے گئے' ۳۵ھ ایام تشریق میں شہید ہوئے جبکہ ان کی عمر بیاسی یا تراسی یا چھیاسی سال (علی اختلاف الاقوال) تھی اور بروز ہفتہ جنت البقیع میں دفن ہوئے ان کا دور خلافت بارہ سال سے کچھ دن کم تک رہا۔

۵ علی بن ابی طالب ہاشمیؓ: حضرت علیؓ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضور ﷺ کی لاڈلی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء آپؓ کے نکاح میں تھیں آپؓ قریشی ہاشمی ہیں۔ آپؓ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپؓ والد کی طرف سے بھی ہاشمی ہیں اور والدہ کی طرف سے بھی۔ قدیم الاسلام ہیں۔ اکثر اقوال کے مطابق مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اس وقت ان کی عمر کے بارے میں مختلف رائیں ہیں مثلاً آٹھ سال' دس سال پندرہ سال اور سولہ سال کے اقوال ہیں۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ تبوک میں حضور ﷺ نے ان کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں چھوڑا تھا اسی واقعہ کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اے علیؓ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

آپؓ گندم گوں تھے اور گیہواں رنگ کھلا ہوا تھا بڑی بڑی آنکھوں والے تھے لمبائی میں کوتاہ قامتی کی طرف زیادہ مائل تھے'

پیٹ بڑا تھا زیادہ بال والے چوڑی داڑھی والے تھے سر کے بال وسط میں سے اڑے ہوئے تھے سر اور داڑھی دونوں سفید تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ بنائے گئے تھے۔ عبدالرحمان بن ملجم مرادی نے کوفہ میں ۱۸ رمضان المبارک کو جمعہ کی صبح کو آپ پر تلوار سے حملہ کیا تھا زخمی ہونے کے تین رات بعد انتقال ہوا۔ آپؓ کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا اور نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی۔ بوقت انتقال ۶۳ سال عمر تھی بعض نے ۶۵، بعض نے ۷۰ اور بعض نے اٹھاون سال عمر بتلائی ہے مدت خلافت چار سال نو ماہ اور کچھ دن ہے۔

ابوتراب کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے القاب تھے مثلاً امین، شریف، ہادی، مہدی، یعسوب المسلمین (یعنی مسلمانوں کے سردار) ابوالریحانین۔

⑥ ایاس بن بکیر: ایاس بن بکیر (بکر کی تصغیر کے ساتھ) بدری صحابی ہیں اور سابقین اولین میں سے ہیں۔ ابتداء زمانہ بعثت میں جب حضور ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما تھے یہ اور ان کے بھائی عامر حاضر خدمت ہو کر مشرف با سلام ہوئے اور دیگر غزوات میں شریک رہے ۳۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت ایاسؓ چار بھائی تھے عامر، نوفل، خالد اور ایاس یہ چاروں بدری ہیں۔ باقی تین کا ذکر امام بخاری نے نہیں کیا کیونکہ ان کا بدری ہونا بخاری کی کسی روایت میں نہیں آیا۔ نوفل غزوہ بدر میں خالد یوم الرجیع میں اور عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت ایاس سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

⑦ بلال بن ابی رباح مولیٰ ابی بکر: حضرت بلالؓ کے والد کا نام ابو رباح اور والدہ کا نام طمامہ تھا اور کنیت ابوعبدالرحمان یا ابو عبدالکریم یا ابو عامر (علی اختلاف الاقوال) تھی موذن رسول ﷺ ہیں۔ مشہور جلیل القدر، قدیم الاسلام صحابی ہیں اولاً امیہ بن خلف کے غلام تھے شروع زمانہ بعثت ہی میں اسلام لائے اس پر امیہ بن خلف نے ان کو سخت اذیتیں پہنچائیں مگر یہ اسلام پر قائم رہے ان کی تکالیف کو ملاحظہ فرما کر حضور ﷺ کے ارشاد کے بموجب حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا نشان خدا کہ بدر کے روز حضرت بلالؓ نے اپنے ہاتھ سے امیہ بن خلف واصل جہنم کیا حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر ہمارے سب کے سردار ہیں اور ہمارے سردار (بلال) کو خرید کر آزاد کیا آزادی کے بعد حضور انور ﷺ کی خدمت میں مصروف رہے اذان کی خدمت کے علاوہ حضور ﷺ کی خازنی خدمت بھی انجام دیتے تھے تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ہم رکاب رہے ان کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سابقین چار آدمی ہیں عرب میں سابق میں ہوں، حبشہ میں سابق بلالؓ ہیں روم میں سابق صہیب ہیں اور فارس میں سابق سلمانؓ ہیں۔ حضرت بلالؓ سخت گندم گوں دراز قد جسم پر بہت بال والے تھے۔ وفات شریف کے بعد شام بغرض جہاد چلے گئے اور دمشق یا حلب میں ۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ بوقت انتقال ساٹھ سال سے اوپر عمر تھی۔

⑧ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب الہاشمی: حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے چچا ہیں نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے تھے آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے، غزوہ بدر جو غزوات میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین غزوہ ہے اس میں حضرت حمزہ نے شرکت کی پھر دوسرے سال غزوہ احد میں بھی اپنی بہادری اور جانثاری کے جوہر دکھلائے ہیں اسی غزوہ میں وہ شہید ہو گئے لیکن شہادت سے پہلے وہ تیس یا اس سے بھی زائد کافروں کو قتل کر چکے تھے۔ زبان نبوت سے سید الشہداء اور اسد اللہ کے القاب دیئے گئے نبی کریم ﷺ کی والدہ اور حمزہ کی والدہ حقیقی چچازاد ~~بہنیں~~ تھیں اس لحاظ سے وہ حضور ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے حضور ﷺ

نے فرمایا کہ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ حمزہؓ اور حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔

⑨ حاطب بن ابی بلتعہ حلیف لقریش: حضرت حاطبؓ کے والد ابوبلتعہ کا نام عمرو ہے اور بعض نے راشد لخمی کہا ہے غزوہ بدر، بیعت رضوان اور غزوہ خندق اور تمام غزوات مین شریک رہے حاطبؓ کو حضور ﷺ نے اپنا قاصد بنا کر شاہ اسکندریہ کے پاس بھی بھیجا تھا حضرت حاطبؓ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۳۰ھ میں ہوا بوقت انتقال پینسٹھ سال کی عمر تھی۔

⑩ ابوحذیفہ بن عتبۃ بن ربیعہ قرشی: حجرت ابوحذیفہ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا ان کا نام مہشم ہے بعض کے نزدیک ہشیم ہے اور بعض نے ہاشم بتلایا ہے جلیل القدر قدیم الاسلام صحابی ہیں، مہاجرین سابقین اولین میں سے ہیں ہجرت حبشہ اور مدینہ دونوں میں شریک تھے اور دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی شرافت سے نوازا تھا بوقت انتقال ان کی عمر ۵۳ یا ۵۴ سال تھی۔

⑪ حارثہ بن ربیع انصاریؓ: حضرت حارثہ کی والدہ کا نام ربیع (راء کے ضمہ باء کے فتحہ اور یاء مشدد کے ساتھ) اور بعض نے راء کے فتحہ باء کے کسرہ اور یاء مخفف کے ساتھ ضبط کیا ہے) ان کے والد کا نام سراقہ ہے حضرت حارثہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور اسی میں شہید ہوئے لیکن میدان جنگ میں شہید نہیں ہوئے بلکہ حضور ﷺ نے ایک دستہ علیحدہ ایک جگہ پر مقرر کیا تھا جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ دشمنوں پر نظر رکھی جائے حضرت حارث اسی دستہ میں شامل تھے حضرت حارثہ نوجوان تھے آپ حضور ﷺ کی مقرر کی ہوئی ذمہ اری ادا کر رہے تھے کہ اانک ایک تیر آیا اور حلق میں لگا جس کی وجہ سے شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد ان کی والدہ حضور ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ مجھے حارث سے کتنا پیار تھا آپ ﷺ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر حارثہ جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں اگر دوزخ میں گیا ہے تو میں اس پر جتنا مجھ سے ہو سکے گا روؤں گی حضور ﷺ نے فرمایا اے ام حارثہ وہاں ایک جنت نہیں ہے وہاں تو کوئی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا حارثہ تو فردوس اعلیٰ میں ہے تو ان کی والدہ نے کہا کہ پس میں صبر کروں گی۔

⑫ خبیب بن عدی انصاری: حضرت خبیب (خاء کے ضمہ، باء کے فتحہ اور یاء ساکنہ کے ساتھ) جلیل القدر صحابی ہیں۔ بدر میں شریک ہوئے تھے اس کے بعد غزوہ رجیع میں کفار نے ان کو دھوکے اور فریب سے گرفتار کر لیا اور مکہ میں حارث بن عامر کے لڑکوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، چونکہ حارث کو حضرت خبیبؓ نے بدر میں قتل کیا تھا اس لئے اس کے بدلے میں خبیب کو حارث کے لڑکوں نے چند دن بعد تنعیم میں سولی دے دی اور ان کی لاش کو سولی ہی پر لٹکا رہنے دیا ان کا منہ کفار کے بار بار کوشش کرنے کے باوجود قبلہ کی طرف ہی ہو جاتا تھا۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کو زمانہ اسلام میں سولی دی گئی ان کے پاس قید کی حالت میں بے فصل کے میوے اللہ پاک کی طرف سے آتے تھے۔ انہوں نے سولی سے قبل وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی جو اہل اسلام کے واسطے ایسی صورت میں مسنون ہو گئی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ تو ہی میرا اسلام نبی کریم ﷺ تک پہنچا چنانچہ ان کا سلام اور شہادت کا واقعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ تک فوراً پہنچایا یہ واقعہ ۳ھ کا ہے حضور ﷺ نے ان کی نعش سولی پر سے اتار لانے کے لئے حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا جو چھپا کر نعش کو اتار لا رہے تھے کہ کفار نے تعاقب کیا اور مجبوراً راستہ میں

نعش کو چھوڑ دینا پڑا جس کو زمین نے اس طرح نگل لیا کہ باوجود کفار کی سعی کے پھر نہ مل سکی۔

⑬ خنیس بن حذافہ سہمی قرشی: حضرت خنیس سابقین اولین میں سے ہیں بدری صحابی ہیں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے شوہر ہیں۔ غزوہ احد میں یہ زخمی ہو گئے تھے باوجود علاج کے تندرست نہ ہو سکے اور انہیں زخموں کی وجہ سے وفات ہوئی آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی خنیس ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شریک تھے۔

⑭ رفاعۃ بن رافع انصاری: حضرت رفاعہ جلیل القدر قدیم الاسلام صحابی ہیں غزوہ بدر و بیعت العقبہ میں شریک تھے بنی خزرج میں سب سے پہلے ان کے والد اسلام لائے تھے بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے جنگ جمل وصفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں حضرت معاویہ کی خلافت میں وفات ہوئی۔

⑮ رفاعۃ بن عبدالمنذر رابولبابہ انصاریؓ: حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر جلیل القدر صحابی ہیں انصار مدینہ میں سے ہیں اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ سرداروں میں سے تھے غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے مگر آپ ﷺ نے ان کو راستہ سے واپس کر کے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور غنیمت بدر میں ان کو بھی حصہ دیا اس لئے یہ بھی بدریین میں شمار کئے جاتے ہیں غزوہ بدر کے بعد دیگر تمام غزوات میں شریک رہے اور فتح مکہ میں ان کے ہاتھ میں بنی عمرو بن عوف کا علم تھا غزوہ بنی قریظہ میں ان سے ایک غلطہ سرزد ہو گئی تھی اس کی سزا کے طور پر خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہا گر وہ میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا یہ دس راتیں اسی طرح بندھے رہے اس کے بعد ان کے لئے توبہ قرآن مجید میں نازل ہوئی بعض حضرات اس واقعہ کی وجہ غزوہ تبوک سے تخلف بیان کرتے ہیں مسجد نبوی میں اب تک ایک ستون کا نام ابولبابہ ہے۔

⑯ زبیر بن العوام قریشیؓ: حضرت زبیر عظیم الشان اور مشہور صحابی ہیں حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ ان کے نکاح میں تھیں۔ حجرت زبیر اور ان کی والدہ حضرت صفقیہؓ نے ایک ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے کے وقت حضرت زبیرؓ کم سن تھے پندرہ یا سولہ کی عمر تھی آپ کے چچا نے قبول اسلام پر سخت سزائیں دیں ان کو دھوئیں میں بند کر کے ستاتا لیکن آپ کے قدم نہ ڈگمگائے اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ان کے بہت سے فضائل ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضور ﷺ نے ان کو اپنا حواری فرمایا۔ ایک بار حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں کہا جاتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے تلوار کھینچی تھی۔ ہجرت حبشہ و مدینہ دونوں میں شریک تھے۔ غزوہ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی غزوہ احد میں جس کے افراتفری کا عالم تھا حضرت زبیرؓ نہایت بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس ڈٹے رہے تمام بدن پر بکثرت زخموں کے نشان تھے۔

حضرت زبیرؓ کا رنگ گورا چہرہ پر جمال اور روشن تھا آپ دراز قد تھے اور جسم پر گوشت ہلکا تھا بال بہت تھے اور رخسار ہلکے تھے نہایت سخی اور شجاع تھے جنگ جمل میں یہ بھی شریک تھے حضرت علیؓ نے ان کو یہ حدیث یاد دلائی جس میں حضور ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا تھا کہ تم علیؓ سے لڑو گے اور تم زیادتی کرنے والے ہو گے حضرت زبیرؓ یہ حدیث یاد آتے ہی جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور مدینہ شریف واپس چلے راہ میں وادی السباع میں اتر کر نماز پڑھنے لگے کہ اس حالت میں ابن جرموز نے حضرت زبیرؓ کو شہید

کر دیا اور علامت کے طور پر حضرت زبیرؓ کی تلوار حضرت علیؓ کو خوشخبری پہنچانے گیا حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ کی تلوار دیکھ کر روئے اور فرمایا کہ بے شک یہ وہ تلوار ہے کہ جس نے بارہا حضور ﷺ کے مصائب دور کئے پھر فرمایا کہ ابن صفیہ (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت سناؤ۔

⑰ زید بن سہل ابوطلحہؓ انصاری: حضرت زید بن سہل جو اپنی کنیت ابوطلحہ سے مشہور ہیں جلیل القدر انتہائی شجاع وسخی اور نشانہ باز صحابی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ابوطلحہ کی آواز ہزار آدمیوں سے بہتر ہے یعنی کفار پر ہیبت ڈالنے والی ہے ابوطلحہؓ عقبہ میں شریک تھے نیز بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے حضور ﷺ نے ان کا بھائی چارہ حضرت ابوعبیدہ سے فرمایا تھا۔ یہ حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ ہیں حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیم نے ابوطلحہؓ سے بلا مہر کے صرف اسلام لانے کی شرط پر نکاح کیا تھا حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک بحری لڑائی کے اثناء میں ۳۱ ھ میں سمندر میں انتقال ہوا چونکہ کوئی جزیرہ قریب نہ تھا اس لئے سات دن کے بعد خشکی میں پہنچ کر دفن کئے گئے اور نعش میں ذرہ برابر بھی تغیر نہ آیا تھا۔

⑱ ابوزیدؓ انصاری: حضرت ابوزید ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن پاک یاد کر لیا تھا ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں بعضوں نے کہا ان کا نام سعد بن عمیر ہے اور بعضوں نے کہا کہ ان کا نام قیس بن سکن ہے حضرت انسؓ کے چچاؤں میں سے ہیں بدر میں حاضر ہوئے اور سعد قاری کے ساتھ مشہور تھے (اس سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے کہ ان کا نام سعد بن عمیر تھا)۔

⑲ سعد بن مالک زہری: حضرت سعدؓ کے والد مالک ابووقاص ہیں حضرت سعد امیر اسلام فاتح ایران صحابی ہیں حضرت ابوبکرؓ کے ایمان لانے کے تھوڑے زمانہ بعد اسلام قبول کیا خود فرماتے ہیں کہ میں تیسرا شخص اسلام قبول کرنے والا ہوں اور میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا حضور ﷺ جنگ احد میں ان کو تیر مرحمت فرماتے اور ارشاد فرماتے اے سعدؓ تیر پھینکو میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں حضور ﷺ نے ان کو دعا دی تھی کہ اے اللہ ان کے نشانہ کو درست فرما اور ان کی دعا کو قبول فرما۔

حضرت سعد بدر اور احد اور دیگر غزوات میں شریک رہے یہ مشہور شہسوار تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ سپہ سالار افواج مقرر ہوئے اور ان کی کوششوں سے تمام فارس فتح ہوا اس کے بعد کوفہ کے والی مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی لڑائیوں میں بالکل علیحدہ رہے یہاں تک کہ وادی عقیق میں جو مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر تھی اپنے محل میں انتقال فرما گئے لوگ کندھوں پر نعش اٹھا کر لائے اور بقیع میں دفن کئے گئے بالاتفاق عشرہ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں انتقال ہوا آپ کی رنگت گندم گوں تھی اور قد چھوٹا' فربہ بدن' سر بڑا' انگلیاں سخت' ہلکی ناک اور جسم پر بال بکثرت تھے۔

⑳ سعد بن خولہ قریشیؓ: حضرت سعدؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ اور ہجرت مدینہ میں شریک تھے نیز غزوہ بدر میں بھی شریک تھے ان کی وفات حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہوئی ان کا تعلق بنی عامر بن لوی سے تھا اور بعض علماء نے کہا کہ یہ فارسی الاصل یمن کے رہنے والے تھے چونکہ قبیلہ بنی عامر قریشی کے حلیف تھے اس لئے عامری قریشی کہلاتے ہیں۔

㉑ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی: حضرت سعید بن زید قدیم الاسلام عشرہ مبشرہ میں سے مشہور صحابی ہیں بیس سال کی عمر میں حضور ﷺ کے دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام لائے حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور چچازاد بھائی ہیں ان کی اور ان کی

بیوی کی وجہ سے حضرت عمر کا دل اسلام کی طرف راغب ہوا تھا بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ بدر میں حضور ﷺ نے ان کو طلحہ بن عبداللہ کے ساتھ قریش کے قافلہ کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا اس لئے یہ دونوں غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن حضور ﷺ نے بدر کی غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دیا تھا حضرت سعید کے والد زید بن نفیل وہی بزرگ ہیں جو بعثت سے قبل بھی خالص دین ابراہیمی پر قائم تھے اور مشرکوں کے ذبائح سے پرہیز کرتے تھے بت پرستی اور تمام شرکیہ رسومات سے پرہیز کرتے تھے حضور ﷺ سے نزول وحی سے قبل ملاقات کی ان کو موحد الجاہلیت کہا جاتا تھا حضرت سعید کا انتقال موضع عقیق میں اکیاون یا باون ہجری میں ستر سے اوپر سال کی عمر میں ہوا حضرت سعیدؓ گندم گوں دراز قد تھے گیارہویں پشت یعنی کعب بن لوئی میں ان کا نسب حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

۴۳ سہل بن حنیف انصاریؓ: حضرت سہل انصاری قبیلہ اوس سے ہیں غزوہ بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے غزوہ احد میں ان لوگوں میں سے تھے جو موقع جنگ سے ہٹے نہیں تھے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین سے شریک تھے حضرت علیؓ نے ان کو مدینہ منورہ کا اور پھر فارس کا والی مقرر فرمایا تھا ۳۸ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا اور حضرت علیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں چار کے بجائے چھ تکبیریں فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ یہ بدری تھے۔

۴۳، ۴۴ ظہیر بن رافع انصاری واخوہ: حضرت ظہیر بن رافع قبیلہ اوس سے ہیں ظہیر کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے ظہیر یعنی یہ لفظ مکبر ہے ظہیر یعنی تصغیر کے ساتھ۔ ان کے بھائی خدیج بن رافع ہیں اور ملا علی قاریؒ نے ان کا نام مظہر (یعنی میم کے ضمہ ظاء کے فتحہ اور باء مشدد مکسور کے ساتھ) لکھا ہے اور یہ دونوں بھائی غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک تھے۔

۴۵ عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تعلق قبیلہ بن یہذیل سے تھا جو قبائل قریش میں سے نہیں تھا باقی تفصیلی احوال باب جامع المناقب میں گزر چکے ہیں۔

۴۶ عبدالرحمان بن عوف زہری: حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں اور ان چند اکابر صحابہ میں سے ہیں جو آغاز بعثت میں ہی ایمان لے آئے تھے زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے یہ اور ان کی والدہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ ان کا تعلق بنی زہرہ بن کلاب سے تھا یہ حضور ﷺ کے ساتھ چھ واسطوں کے عد کلاب بن مرہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے بہت سے فضائل ہیں انہوں نے حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شرکت کی بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے احد کی لڑائی میں ان صحابہ میں سے تھے جو ثابت قدم رہے اور ان کو بیس زخم آئے ایک بار سفر میں حضور ﷺ ان کے پیچھے نماز پڑھی حضور ﷺ اس وقت مسبوق تھے صرف غزوہ تبوک میں نہیں جا سکے تھے اس کی تلافی اس طرح کی کہ پہلے چار ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کئے اس کے بعد چالیس ہزار دینار دیئے اور پانچ سو گھوڑے دیئے پھر پانچ سو اونٹ صدقہ کئے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کی خبر گیری فرماتے اور ان کی مالی ضروریات کا خیال رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت بہت عطا فرمائی تھی اغنیاء صحابہ میں سے تھے اور ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو کچھ فقر و تنگدستی کا سامنا ہوا پھر اللہ پاک کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوا انتقال کے وقت ان کی چار بیویاں

تھیں اتنا متروکہ مال تھا کہ سارے مال میں سے بیویوں کے آٹھویں حصے کے تین لاکھ بیس ہزار درہم یا دینار بنتے تھے اس میں سے چوتھائی یعنی اسی ہزار پر مصالحت (جس کو علم میراث کی اصطلاح میں تخارج کہا جاتا ہے) ہوگئی اور ہر بیوی کو بیس ہزار درہم یا دینار ملے۔

انتقال کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد بدری صحابہ میں سے ہر ایک کو میرے مال میں سے چار چار سو دینار دیئے جائیں ان کی میراث ایک ہزار ساٹھ لوگوں میں تقسیم ہوئی اور ہر ایک کو اسی اسی ہزار درہم دیئے گئے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے ان کو حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان سنایا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے عبدالرحمان بن عوف کو جنت میں بچوں کی طرح سرین کے بل گھسٹ کر داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اسی دن حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ساتھ سو اونٹ ملک شام سے آئے تھے اس بشارت کے شکرانے میں انہوں نے یہ تمام اونٹ پالانوں اور جھلوں سمیت صدقہ کر دیئے۔

انتقال کے وقت بے ہوش ہوگئے جب ہوش آیا تو فرمانے لگے کہ میرے پاس سخت اور درشت طبیعت کے دو فرشتے آئے اور کہنے لگے اس کو حاکم عزیز کے پاس لے کر جاتے ہیں۔ اتنے میں دو فرشتے اور آ گئے اور کہا تم ان کو کہاں لے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم ان کو آگے عزیز امین کے پاس لے کر جا رہے ہیں ان فرشتوں نے کہا کہ ان کو چھوڑ دو ان کے لئے اس وقت سے سعادت لکھ دی گئی تھی جبکہ یہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کی خلافت میں انتقال ہوا۔

۴۷ عبیدۃ بن الحارث قرشیؓ: حضرت عبیدہ اوائل زمانہ بعثت میں ایمان لائے اور اپنے بھائیوں کے طفیل اور حسین کے ساتھ مدینہ کی ہجرت فرمائی حضور ﷺ ان کی بہت عزت فرماتے تھے ان کو غزوہ بدر سے قبل مہاجرین کے ایک لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا تھا غزوہ بدر میں جب مقابلہ شروع ہوا تو عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ مقابلے کے لئے نکلے اور ان کے مقابلہ کے لئے تین انصاری لشکر اسلام سے گئے مگر ان نامعقولوں نے ان انصاریوں کو واپس کر دیا اور حضور ﷺ کا اسم گرامی لے کر پکارا کہ ہمارے مقابلے میں ہمارے ہمسر قریشیوں کو بھیجو حضور ﷺ نے حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا جنھوں نے ان تینوں کافروں کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ کا مقابلہ ولید سے ہوا حضرت عبیدہ کو زخم آئے اور انہیں زخموں کی وجہ سے غزوہ بدر سے واپسی میں راستے میں ان کی وفات ہوئی۔

۴۸ عبادۃ بن الصامت الانصاریؓ: حضرت عبادہؓ کبار صحابہ میں سے ہیں قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی بیعت عقبہ الویٰ، ثانیہ اور ثالثہ میں، اور غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک تھے ان معدودہ چند اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا حضرت عمر فاروق نے ان کو فلسطین میں معلم امور دین مقرر کیا تھا اور حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو حمص کا قاضی مقرر کیا تھا اس لئے یہ حمص میں سکونت پذیر ہو گئے تھے تھوڑے زمانہ کے بعد رملہ چلے گئے اور وہیں یا بیت المقدس میں ۳۴ھ میں وفات پائی عبادہ بن الصامت بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جن کو حضور ﷺ نے عقبہ میں انصار کا نقیب مقرر کیا تھا

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اول شخص ہیں جو فلسطین کے قاضی مقرر ہوئے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت تک حیات رہے حضرت عبادہ دراز قد اور خوبصورت جسم کے مالک تھے اور امر دینیہ میں نہایت قوی تھے۔

(۲۹) عمرو بن عوف حلیف عامر بن لوی: حضرت عمرو بن عوف انصاری ہیں بدر میں حاضر تھے اور مدینہ میں سکونت پذیر رہے اور لاولد اس دنیا سے حضرت معویہ دور خلافت کے آخر میں کوچ کیا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن کے حق میں آیت: تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (یعنی تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ ان سے آنسو جاری ہیں) نازل ہوئی انہوں نے حضور ﷺ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا میں نہیں ڈرتا تم پر فقر سے میں ڈرتا ہوں دنیا کی فراخی سے......

(۳۰) عقبۃ بن عمرو الانصاری: حضرت عقبہ بن عمرو انصاری عقبہ ثانیہ کے شرکاء میں سے سب سے کم سن تھے غزوہ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوہ بدر میں شرکت کے بارے میں اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے ان کے بدر میں شریک ہونے کی نفی کی ہے مگر حافظ ابن حجر کا رجحان ان کے بدر میں شریک ہونے کی طرف ہے اور صحیحین میں بصراحت یہ بیان کیا گیا ہے جو لوگ ان کی بدر میں شرکت کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مقام بدر میں قیام پذیر تھے اس لئے ان کو بدری کہا جاتا ہے یہ حضرت علیؓ کے خاص لوگوں میں سے تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ نے ان کو کوفہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا ۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۳۱) عامر بن ربیعہ العنزی: حضرت عمار بن ربیعہ قدیم الاسلام صحابی ہیں یہ عنز کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عنزی کہلاتے ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور کاشف میں ہے کہ یہ آل خطاب کے حلیف تھے اور جامع الاصول میں ان کی نسبت غنوی ہے یہ بنی عدی کے حلیف تھے اسی لئے ان کی نسبت عدوی بھی ہے دونوں ہجرتوں میں شریک تھے بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے حضرت عمرؓ سے قبل اسلام قبول کیا اور وفات میں مختلف اقوال ہیں ۳۲ھ ۳۳ھ یا ۳۵ھ پہلا قول مشہور ہے اور دوسرا قول کاشف کے اس قول کے زیادہ موافق ہے کہ ان کا انتقال حضرت عثمان سے پہلے ہوا۔

(۳۲) عاصم بن ثابت الانصاری: حضرت عاصم بن ثابت کی کنیت ابوسلیمان ہے یہ انصار میں سے ہیں جنگ بدر میں شریک ہوئے غزوہ ذات الرجیع میں جب یہ شہید ہوئے تو انہوں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ کافروں کے ہاتھوں سے میرے جسم کی حفاظت فرمانا۔ انہوں نے مشرکین کے کسی سردار کو قتل کر دیا تھا بنولحیان نے ان کو شہید کیا۔ جب ان کے جسم کے کسی عضو کو کاٹنے لگے تو شہید کی مکھیوں کے چھتے نے مشرکوں سے ان کی حفاظت کی رات کو پانی کی ایک رو آئی اور ان کی لاش کو بہا کر لے گئی اسی طرح ان کا جسم کافروں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گیا حضرت عاصم بن ثابت' عاصم بن عمر بن الخطاب کے نانا ہیں۔

(۳۳) عویم بن ساعدہ الانصاری: حضرت عویم بن ساعدہ انصاری قبیلہ اوس سے ہیں بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ میں اور غزوہ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں انتقال فرمایا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کے خلافت کے دور میں مدینہ میں انتقال ہوا عمر مبارک ۶۵ یا ۶۶ سال تھی۔

(۳۴) عتبان بن مالک الانصاری: حضرت عتبان بن مالک خزرجی سالمی ہیں اور بدر میں شریک ہونے والوں میں سے ہیں ان سے حضرت انسؓ اور محمود بن ربیع روایت کرتے ہیں اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی حضرت عتبان نابینا تھے انہوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذر بیان کیا کہ میں نابینا ہوں اور مسجد میں نہیں آ سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور گھر میں ایک جگہ ان کی نماز کے لئے مقرر فرمائی (بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے)

۳۵ قدامۃ بن مظعون: حضرت قدامہ مظعون کے بیٹے اور قریشی جمحی ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی بدر اور باقی تمام غزوات میں حاضر ہوئے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عامرؓ نے ان سے روایت کی ہے ۳۶ھ میں بعمر ۶۸ سال وفات فرمائی حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا تھا بعد میں معزول کر دیا تھا۔

۳۶ قتادہ بن نعمان الانصاری: حضرت قتادہ بن نعمان فضلائے صحابہ میں سے ہیں بیعت عقبہ بدر اور بعد کے دیگر غزوات میں شریک ہوئے ۲۳ھ میں انتقال ہوا اور حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی مشہور تابعی حضرت قتادہ اور ہیں جو بصرہ کے رہنے والے تھے مادرزاد نابینا حافظ' مفسر تھے حافظہ بہت قوی تھا جو بات سنتے بھولتے نہ تھے یہ حضرت انسؓ حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔

۳۷ معاذ بن عمرو بن الجموح: حضرت معاذ بن عمرو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں حضرت معاذ اور ان کے والد حضرت عمرو بیعت عقبہ اور بدر میں حاضر ہوئے تھے حضرت معاذ بن عمرو نے معاذ بن عفراء کے ساتھ مل کر غزوہ بدر میں ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ ان کا تفصیلی بیان ''باب قسمۃ الغنائم'' میں گزر چکا ہے۔

۳۸' ۳۹ معذ بن عفراء واخوۃ: حضرت معوذ کے بھائی معاذ بن عفراء ہیں عفراء ان کی والدہ کا نام ہے والد کا نام حارث بن رفاعہ انصاری ہے حضرت معوذ نے اپنے بھائی معاذ کے ساتھ مل کر ابوجہل کو قتل کیا پھر جنگ میں لڑتے رہے اور بدر ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے البتہ حضرت معاذ بن عفراء زندہ رہے اور بعد کے دیگر غزوات میں شریک رہے ان کے ایک بھائی عوف بھی تھے وہ بھی بدر ہی میں شہید ہوئے تھے۔

۴۰ مالک بن عبیعہ ابواسید انصاری: حضرت مالک بن ربیعہ اپنی کنیت ابواسید کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں یہ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات مین شریک ہوئے اور یہ ساعدی ہیں ۷۷ھ یا ۷۸ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور بدری صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

۴۱ مسطح بن اثاثہ بن عباد بن المطلب بن عبد مناف: کہا جاتا ہے کہ مسطح ان کا لقب تھا نام عوف تھا غزوہ بدر' احد اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے یہی وہ صحابی ہیں جو واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ کے متعلق بدگوئی میں شریک ہو گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آدمیوں کو اتہام تراشی میں کوڑوں کی سزا دی ان میں یہ بھی شامل تھے ان کی وفات ۳۴ھ میں بعمر ۵۹ سال ہوئی۔

۴۲ مرارۃ بن ربیع الانصاری: حضرت مرارہ بن ربیع کا تعلق بنی عمرو بن عوف سے ہے بدر میں حاضر ہوئے یہ ان تین حضرات میں سے ہیں کہ جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے وہ تین حضرات جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے حضرت کعب بن مالک حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع ہیں ان میں سے سب سے مشہور حضرت کعب بن مالک ہیں پھر ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوئیں اسی وجہ سے اس سورت کا نام ہی سورہ توبہ رکھا گیا۔

(۴۳) معن بن عدی الانصاری: حضرت معن بن عدی بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے اسی لئے ان کو انصاری کہا جاتا ہے بیعت عقبہ اور بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حضرت زید بن الخطاب جو حضرت عمر بن الخطاب کے بھائی تھے کے ساتھ بھائی چارہ قائم کیا تھا یہ دونوں حضرات جنگ یمامہ میں شہید ہوئے جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی۔

(۴۴) مقداد بن عمرو الکندی حلیف بنی زہرۃ: حضرت مقداد کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا ہے کندی تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کا کندہ سے حلیفانہ تعلق تھا اور خود ان کا حلیفانہ تعلق اسود بن یغوث زہری سے تھا اسی لئے مقداد بن اسود زہری کہا جاتا ہے یہ قدیم الاسلام ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام لانے والوں میں چھٹے آدمی تھے ان سے حضرت علیؓ اور طارق بن شہاب وغیرہ روایت کرتے ہیں جرف جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے وہاں وفات ہوئی لوگ ان کو وہاں سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے اور بقیع میں دفن ہوئے ۳۳ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

(۴۵) ہلال بن امیہ الانصاری: حضرت ہلال بن ربیعہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین حضرات میں سے ایک ہیں انہوں نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اس پر آیات لعان نازل ہوئیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان سے حضرت جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی ہے۔

فائدہ جلیلہ' اصحاب بدر کی تعداد:

حضرات بدریین کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں انہیں روایتوں کے اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہوئے ہیں۔

مسند احمد' مسند بزار' معجم طبرانی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہل بدر تین سو تیرہ تھے۔ ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر اصحاب کو شمار کرنے کا حکم دیا جب شمار کئے گئے تو تین سو چودہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر شمار کرو۔ دوبارہ شمار کر ہی رہے تھے کہ دوسرے سے دبلے اونٹ پر ایک شخص سوار آتا ہوا نظر آیا اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے رموی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے ارادے سے روانہ ہوئے تو تین سو پندرہ آدمی تھے۔

یہ تین روایتیں ہیں لیکن حقیقت میں سب متفق اور متحد ہیں اس لئے کہ اگر اس آخری شخص اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کے ساتھ شمار نہ کیا جائے تو پھر تعداد تین سو تیرہ ہے اس سفر میں کچھ صغیر سن یعنی کم عمر بچے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جیسے حضرت براء بن عازب۔ عبداللہ بن عمر۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم مگر ان کو قتال کی اجازت نہ تھی اگر ان کم سن بچوں کو بھی بدریین میں شمار کرلیا جائے تو پھر تعداد تین سو انیس ہو جاتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے ستر جن بھی حاضر ہوئے آٹھ آدمی ایسے تھے کہ جو اس

غزوہ میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن اہل بدر میں شمار کئے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان کا حصہ عطا فرمایا۔

① حضرت عثمان بن عفانؓ: ان کو حضور ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑا تھا۔

② حضرت طلحہؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ:

③ ان دونوں کو حضور ﷺ نے قریش کے قافلہ کے تجسس کے لئے بھیجا تھا۔

④ ابولبابہ انصاری: ان کو حضور ﷺ نے روماء سے مدینہ پر اپنا قائم مقام مقرر بنا کر واپس فرمایا۔

⑤ حارث بن حاطبؓ: بنی عمرو بن عوف کی طرف سے آپ کو کوئی خبر پہنچی تھی اس لئے آپ نے حضرت حارث کو بنی عمرو کی طرف بھیجا۔

⑥ عاصم بن عدیؓ: ان کو عوالی مدینہ پر مقرر فرمایا گیا۔

⑦ حارث بن صمہؓ: ان کو حضور ﷺ نے چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام روحا سے واپس فرمایا تھا۔

⑧ خواب بن جبیر: پنڈلی میں چوٹ آجانے کی وجہ سے مقام صفراء سے واپس کردیئے گئے تھے۔

جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجیؒ نے ایک رسالہ بنام جالیۃ الکرب باصحاب سید العجم والعرب لکھا ہے اس میں بدریین کے اسماء مبارکہ اور ان کے فضائل لکھے ہیں اس میں انہوں نے اصحاب بدر کی تعداد تین سو پینسٹھ لکھی ہے لیکن ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ اصحاب بدر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

فضائل بدریین:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لعل اللہ اطلع الی اھل بدر فقال: اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنۃ۔

یعنی تحقیق اللہ نے اہل بدر کی رطف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا جو چاہے کرو جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں **فقد غفرت لکم** یعنی تمہارے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لن یدخل النار احد شھد بدرا** یعنی جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

رفاعہ بن رافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا آپ ﷺ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل اور بہتر جبرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل و بہتر ہیں۔

اسماء بدریین کے خواص و برکات:

شیخ برہان حلبی نے اپنی مشہور تصنیف سیرت حلبیہ میں فرمایا اور علامہ دوانی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ ہم نے مشائخ حدیث سے سنا ہے کہ اہل بدر کے ذکر کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بار ہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

شیخ عبداللطیف نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں بہت اولیاء اللہ کو اہل بدر کے ناموں کی برکت سے مقام ولایت نصیب ہوا اور بہت سے بیمار لوگوں نے اہل بدر کے وسیلہ سے اللہ پاک کے حضور میں بیماری سے شفا کی دعا کی اللہ پاک نے ان کو شفاء عطا فرمائی۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ میں نے جب بھی کسی بیمار کے سر پر ہاتھ رکھ کر اہل بدر کے نام خالص نیت سے پڑھے تو اس کو اللہ پاک نے شفاء عطا فرمائی اور اگر اس کی موت قریب آئی ہوئی ہوتی تو ان ناموں کی برکت سے روح نکلنے میں تخفیف ہو جاتی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہم نے ان حضرات کے ناموں کا بارہا تجربہ کیا کہ جب کسی اہم اور مشکل کام میں ان کے نام لکھ کر یا پڑھ کر شروع کرتے تو اس میں آسانی ہوتی اور کوئی دعا ان ناموں سے زیادہ جلد قبول ہونے والی نہیں دیکھی۔

حضرت جعفر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں صحابہ کرام سے محبت کروں اور تمام اہم کاموں میں اہل بدر کے وسیلہ سے دعا کروں اور یہ بھی فرمایا کہ اے میرے بیٹے ان حضرات کے ناموں کے ذکر کے وقت دعا قبول ہوتی ہے جب کوئی شخص ان کا ذکر کرتا ہے یا ان کے ناموں کے وقت دعا کرتا ہے تو اس شخص کو مغفرت، رحمت، برکت، رضاء و رضوان ڈھانپ لیتی ہے جو شخص روزانہ ان کا ذکر کرے اور ان کے وسیلہ سے اللہ پاک سے اپنی کسی حاجت روائی کا سوال کرے تو اس کی حاجت روائی کی جاتی ہے۔

لیکن مناسب یہ ہے کہ جب اپنی کسی ضرورت کے لئے ان حضرات کے نام لے تو ہر ایک کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہے۔ مثلاً یوں کہے محمد رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ...... اس سے دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے ان ناموں کی برکت سے قبولیت دعا کی بہت سی حکایات ہیں لیکن ان کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

مولف فرماتے ہیں کہ صاحب استیعاب نے بدریینؓ کے اسماء مبارکہ کو دعات وتوسل کے انداز میں لکھا ہے اور اخیر میں ایک طویل دعا لکھی ہے جو مشکل المعانی ہے میں نے بھی ان کے اسماء گرامی دعا کے انداز میں لکھے ہیں لیکن اس طویل دعا کے بجائے ایک جامع دعا حدیث شریف سے لکھی ہے جو بہت مفید ہے وہ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ اَسْاَلُكَ بِسَيِّدِنَا مُحَمَّدِ الْمُهَاجِرِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنِ عُثْمَانَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ الْقُرَيْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ الْقُرَيْشِيِّ خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِبْنَتِهٖ وَضَرَبَ لَهٗ بِسَهْمِهٖ وَبِسَيِّدِنَا عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبِ الْهَاشِمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ بِسَيِّدِنَا بِلَالِ بْنُ رَبَاحٍ

مَوْلٰی اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ الْقُرْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِیْ وَبِسَيِّدِنَا حَاطِبِ بْنِ اَبِیْ بَلْتَعَةَ حَلِیْفُ لِقُرَیْشٍ وَبِسَيِّدِنَا اَبِیْ حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ الْقُرْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُبَيْبِ بْنِ عِدِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رُفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رُفَاعَةَ بْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ اَبِیْ لُبَابَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الزُّبَيْرُ بْنِ الْعَوَّامِ الْقُرْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ سَهْلٍ اَبِیْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِیْ زَيْدِنِ الْاَنْصَارِيُّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ نِ الزُّهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ ابْنِ خَوْلَةَ الْقُرْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَاَخِيْهِ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الْهُذَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الْهُذَلِيُّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ نِ الزُّهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُبَيْدَةَ بْنِ الْحَارِثِ الْقُرْشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرُوبْنُ عَوْفٍ حَلِیْفِ بَنِیْ عَامِرِ ابْنِ لُؤَيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُقْبَةَ بْنِ عَمْرِونِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَامِرِ بْنُ رَبِيْعَةَ الْعَنَزِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَاصِمِ بْنِ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ نِ اَ نْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ نِ الْاَ نْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُوْنٍ وَبِسَيِّدِنَا قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَاذُ بْنِ عَمْرُوبْنِ الْجَمُوْحِ وَبِسَيِّدِنَا مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ وَاَخِيْهِ مَالِكِ بْنِ رَبِيْعَةَ وَبِسَيِّدِنَا اَبِیْ اُسَيْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مِسْطَحُ بْنِ اَثَاثَةِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ وَبِسَيِّدِنَا مُرَارَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْنِ ابْنِ عَدِيِ الْاَنْصَارِيِّ بِسَيِّدِنَا مِقْدَادِ بْنِ عَمْرُونِ الْكِنْدِيِّ حَلِيْفِ بَنِیْ زُهْرَةَ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِیْ عَمْرِوبْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذِنِ الْاَ شْهَلِيِّ الْاَنْصَارِيُّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْدُ بْنِ حُضَيْرِنِ الْاَنْصَارِيِّ وَالْاَشْهَلِيُّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْدُ بْنُ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيُّ وَبِسَيِّدِنَا اُنَيْسِ بْنِ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَنَسُ بْنُ مُعَاذِنِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اِنَسُ بْنُ اَوْسٍ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ ثَابِتِ نِ النَّجَّارِيِّ الْاَنْصَارِيُّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ خَوْلِيِّ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ الْخَزْرَجِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَسْعَدِ ابْنِ زُرَارَةَ النَّجَّارِيُّ الْاَنْصَارِيِ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْاَسْوَدِ ابْنِ زَيْدُ بْنِ غَنَمٍ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اِيَاسِ بْنِ وُدَقَّةِ الْاَ نْصَارِيِّ مِنْ بَنِیْ سَالِمِ بْنِ عَوْفٍ نِ الْخَزْرَجِیْ وَبِسَيِّدِنَا الْاَرْقَمِ بْنِ اَبِی الْاَرْقَمِ الْهَاشِمِیْ وَبِسَيِّدِنَا بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ نِ الْخَزْرَجِی الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بِشْرِ بْنِ الْبَرَآءِ بْنِ مَعْرُوْرِنِ الْاَ نْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَشِيْرِبْنِ سَعْدِنِ الْخَزْرَجِي الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَشِيْرِبْنُ اَبِیْ زَيْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بُحَيْرِ ابْنِ اَبِیْ بُحَيْرِ الْجُهَنِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بِشْعَسِ ابْنِ عَمْرِو

الْخَزْرَجِي الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا بَحَّاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَ نْصَارِيّ الْخَزْرَجِيْ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيْمُ بْنِ يَعَارِ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيْ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيْمُ الْاَنْصَارِيِّ مَوْلٰى بَنِيْ غَنَمٍ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيْم مَوْلٰى خِرَاشِ بْنِ الصِّمَّةِ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ الْجَذْعِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ هَزَّالِ بْنِ عَمْرِو الْاَنْصَارِيِّ وَالْعَوْفِيّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ عَمْرِوبْنِ زَيْدِ النَّجَّارِيّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ النُّعْمَانِ النَّجَّارِيّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنُ الْخِشَآءِ النَّجَّارِيّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ اَقْرَمَ الْاَنْصَارِيّ حَلِيْفِ بَنِيْ عَمْرِوبْنِ عَوْفٍ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ زَيْدِ الْاَشْهَلِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ رَبِيْعَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ غَنِمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ سَاعِدَةَ السَّاعِدِيّ الْاَ نْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ عَمْرِون النَّجَارِيّ وَبِسَيِّدِ نَا ثَعْلَبَةِ بْنِ حَاطِبِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا ثَقْفِ بْنِ عَمْرِو الْاَسْلَمِيّ وَبِسَيِّدِنَا جَابِرِ بْنِ خَالِدِبْنِ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيّ النَّجَّارِيّ الْاَشْهَلِيّ وَبِسَيِّدِنَا جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَرَامِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا جَبَّارِ بْنِ صَخْرِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا جُبَيْرِ بْنِ اِيَاسِ الْاَنْصَارِيّ الزُّرَقِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ النَّجَّارِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ مَالِكِ الْاَنْصَارِيّ الزُّرَقِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثِ بْنِ حُمَيْرِن الْاَشْجَعِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ حُمَيْرِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثِ بْنِ هِشَامِ الْمَخْزُوْمِيّ الْقُرْشِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ عَتِيْكِ النَّجَّارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ قَيْسِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثِ بْنِ اَوْسِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ اَنَسِ الْاَشْهَلِيّ الْاَ نْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ النُّعْمَانِ الْقَيْسِيْ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ النُّعْمَانِ ابْنِ خَرْمَةَ الْخَزْرَجِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا حُرَيْثِ بْنِ زَيْدِ الْخَزْرَجِي الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَكَمِ بْنِ عَمْرِو الثُّمَالِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَبِيْبِ مَوْلٰى الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحُصَيْنِ ابْنِ الْحَارِثِ الْمُطَّلِبِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَاطِبِ بْنِ عَمْرِو الْاَ وْسِيّ وَبِسَيِّدِنَا حَرَامِ بْنِ مِلْحَانَ النَّجَّارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الْحُبَّابِ بْنِ الْمُنْذِرِ الْاَنْصَارِيّ السُّلَمِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ الْعَاصِيْ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ قَيْسِ الْاَزْدِيّ الْعَجْلَانِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِ ابْنِ رَافِعِ الْعَجْلَانِيّ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِ بْنِ سُوَيْدِ الْاَنْصَارِيّ وَخَزْرَجِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِبْنِ عَمْرِو الْاَنْصَارِيّ وَالسُّلَمِيّ وَبِسَيِّدِنَا خُزَيْمَةَ بْنَ ثَابِتِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ الْاَنْصَارِيّ الْخَزْرَجِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَارِجَةَ بْنِ حُمَيْرِ الْاَ شْجَعِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ الْخُزَاعِيّ وَبِسَيِّدِنَا خَبَّابِ مَوْلٰى عُقْبَةَ بْنِ غَزْوَانِ وَبِسَيِّدِنَا خُزَيْمِ بْنِ فَاتِكِ

الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خِرَاشِ بْنِ الصِّمَّةِ الْاَنْصَارِيِّ وَالسُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَوْلِى بْنِ خَوْلِى الْعَجَلِيِّ
الْجُعْفِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُبَيْبِ بْنِ اِسَافٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا
خُثَيْمَةَ بْنَ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلِيْفَةَ بْنِ عَدِيٍّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلِيْدَةَ بْنِ قَيْسٍ
الْاَ نْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ذَكْوَانَ بْنِ عَبْدِ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِ نَاذِىْ مَخْبَرِنِ الْجُثَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا
ذِى الشِّمَالَيْنِ الْخُزَاعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ
الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ الْمُعَلَّى الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ عَنْجَدَةَ الْاَ نْصَارِيِّ
الْعَوَامِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ سَهْلٍ الْاَ نْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ زَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ
بْنِ عَمْرِونِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ رَافِعِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ
وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ عَمْرِونِ االْجُهَنِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَبِيْعَةَ بْنِ اَكْثَمَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَبِيْعِ بْنِ اِيَاسٍ
الْاَنْصَارِيِّ وَاَخِيْهِ وَبِسَيِّدِ نَا رُجَيْلَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ ابْنِ الْخَطَّابِ
الْعَدَوِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ الْكَلْبِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ الْعَجْلَانِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا
زَيْدِ بْنِ الدَّثِنَةَ الْاَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ عَا صِمٍ الْمَازِنِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِ نَا زَيْدِ بْنِ
لَبِيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زِيَادِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زِيَادِ بْنِ كَعْبٍ الْاَ نْصَارِيِّ
وَبِسَيِّدِنَا زَاهِرِبْنَ حَرَامٍ الْاَ شْجَعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا طُلَيْبِ بْنِ عَمْرٍ و الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الطُّفَيْلِ بْنِ
الْحَارِثِ الْمُطَّلِبِيِّ وَاَخِيْهِ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَبِسَيِّدِنَا الطُّفَيْلِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَعْبِ ابْنِ
عَمْرِونِ الْاَنْصَارِيِّ السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِ نَا كَعْبِ بْنِ زَيْدٍ النَّجَّارِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَعْبِ بْنِ
حَمَّارِنِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَفَّا زِبْنِ حَصَنٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِ نَا مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْاَنْصَارِيِّ
وَبِسَيِّدِنَا مَعَا ذِ بْنِ عَفْرَاءَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَوْفِ بْنِ الْعَفْرَاءَ وَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَبِسَيِّدِ نَا مُعَوَّذٍ
وَبِسَيِّدِنَا مُعَاذِ بْنِ مَا عِصٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ عُمَيْلَةَ الْعَبْدِ رِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ
قُدَامَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ رَافِعِ الْعَجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ عَمْرٍو السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا
مَالِكِ بْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَمْرٍو السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ ابْنِ اَبِىْ خُوْلَى الْعِجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بِنِ
نُمَيْلَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدَنَا مَعْمَرِ بْنِ الْحَارِثِ الْجُمَحِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُحْرِزِبْنِ نَضْلَةَ الْاَسَدِيِّ
وَبِسَيِّدِنَا مُحْرِزِبْنِ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْنِ بْنِ يَزِيْدِ السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْبَدَابْنِ قَيْسٍ
الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْمُنْذِرِ بْنِ عَمْرِونِ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْمُنْذِرِبْنِ الْاَوْسِيِّ

الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُنْذِرِ بْنِ قُدَامَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَتِّبِ بْنِ حَمْرَآءِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَتِّبِ بْنِ بَشِيْرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُصْعَبِ ابْنِ عُمَيْرِ ن الْقُرَشِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُبَشِّرِ بْنِ عَبْدُ الْمُنْذِرِ الْاَوْسِيّ وَبِسَيِّدِنَا مُلَيْلِ بْنِ وَبْدَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا مَهْجَعِ بْنِ صَالِحٍ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَبِسَيِّدِنَا مِدْرَاجِ بْنِ عَمْرِونِ السُّلَمِيّ وَبِسَيِّدِنَا نَوْفَلِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ عَبْدِ ن النَّمَّارِيّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ اَبِيْ خَزْمَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ عَمْرِو ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ ابْنِ اَبِيْ خَزْمَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ سِنَانِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا نَضْرِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيّ وَالظَّفَرِيّ وَبِسَيِّدِنَا نَحَاتِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا نُعَيْمَانِ بْنِ عَمْرِو النَّجَّارِيّ وَبِسَيِّدِنَا صُهَيْبِ بْنِ سِنَانِ الرُّوْمِيّ وَبِسَيِّدِنَا صَفْوَانِ ابْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَمْرِونِ السُّلَمِيّ وَاَخِيْهِ مَالِكِ ابْنِ اُمَيَّةَ وَبِسَيِّدِنَا الضَّحَّاكِ بْنِ حَارِثَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الْاَنْصَارِيّ النَّجَّارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ جُبَيْرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ الْحُمَيْرِيْ اَ لْاَسْبَعِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رُبَيِّعِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَّاحَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّد نَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رُبَيِّعِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَارُقِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَظْعُوْنِ الْجُمَحِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّد نَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلُوْلِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَرَامِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّد نَا عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَامِرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَيْرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَسَ الْخَزْرَجِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَعْدِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَمَةَ الْعَجْلَانِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ ن الْمَازِنِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّد نَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّد نَا عُبَيْدِ بْنِ اَوْسٍ وَبِسَيِّدِنَا عُبَيْدِ بْنِ زَيْدِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ رَبِّهٖ ابْنِ حَقِّ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبَّادِ بْنِ عُبَيْدِ ن التَّيْهَانِ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ يَالِيْلِ بْنِ نَاشِبِ ن اللَّيْثِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَبَّادِ بْنِ قَيْسِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عُمَيْرِ بْنِ حَرَامِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرِو ابْنِ قَيْسِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرِو بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا سُفْيَانِ بْنِ بِشْرِنِ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا سَالِمِ بْنِ عُمَيْرِ ن الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا سِنَانِ بْنِ سِنَانِ ن الْاَسَدِيّ وَبِسَيِّدِنَا السَّمَّاكِ بْنِ خَرْشَةَ الْاَنْصَارِيّ وَبِسَيِّدِنَا

سَهْلِ بْنِ عَتِيْكٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ ابْنِ رَافِعٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا السَّائِبِ بْنِ مَظْعُوْنِ الْجُمَحِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مُعَاذٍ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْرَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُكَّاشَةَ بْنِ مِحْصَنٍ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَتِيْكِ بْنِ التَّيْهَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَنْتَرَةَ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَاقِلِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَبِسَيِّدِنَا فَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا غَنَّامِ بْنِ اَوْسٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْفَاكِهِ بْنِ بِشْرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ مَخْلَدٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ مِحْصَنٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ اَبِيْ صَعْصَعَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قُطْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ خَيْثَمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ عُثْمَانَ الْاَنْصَارِيِّ وَالزُّرَقِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ زَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُفْيَانَ بْنِ بِشْرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَالِمِ بْنِ عُمَيْرٍ الْعَوْفِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ ابْنِ قَيْسِ بْنِ فَهْدٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ مِلْحَانَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَلَمَةَ ابْنِ سَلَامَةَ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَلَمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَآءَ الْقُرَشِيِّ وَالْفِهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُوَيْدِ بْنِ مَخْشِيِّ الطَّائِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْطِ بْنِ عَمْرٍو الْعَامِرِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْطِ بْنِ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيِّ وَالنَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُرَاقَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُرَاقَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَوَّادِ بْنِ غَزِيَّةَ الْاَنْصَارِيِّ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعِيْدِ بْنِ سُهَيْلٍ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا شَمَّاسِ بْنِ عُثْمَانَ الْمَخْزُوْمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا شُجَاعِ بْنِ اَبِيْ وَهْبٍ الْاَسَدِيِّ حَلِيْفِ عَبْدِ شَمْسٍ وَبِسَيِّدِنَا هَانِئِ بْنِ نَيَّارٍ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ الْمُعَلّٰى الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ خَوْلٰى الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هُمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ وَبِسَيِّدِنَا وَهْبِ بْنِ اَبِيْ شَرْحٍ الْفِهْرِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا وَدِيْعَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا يَزِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا يَزِيْدِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْحَمْرَآءِ مَوْلٰى اٰلِ عَفْرَاءَ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْخَالِدِ الْحَارِثِ بْنِ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ خُذَيْمَةَ بْنِ اَوْسٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمٍ اَبِيْ كَبْشَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَوْسِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مُلَيْلٍ الضَّبْعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْمُنْذِرِ ابْنِ يَزِيْدِ بْنِ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ نَمْلَةَ

الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ عُبَیْدَۃَ بْنِ الْجَرَّاحِ الْفِھْرِیِّ الْقُرَشِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدِ بْنِ ثَعْلَبَۃَ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ عَیْشِ الْحَارِثِیِّ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا یَزِیْدَ بْنِ الْاَخْنَسِ السُّلَمِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ اُسَیْدِ السَّاعِدِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ اِسْرَائِیْلَ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِی الْاَعْوَرِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِیِّ النَّجَّارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا سَعْدِ بْنِ سُھَیْلِ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا سَعْدِ بْنِ خَوْلَۃَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ وَبِسَیِّدِنَا سَعْدِبْنِ خَوْلِیِّ مَوْلٰی حَاطِبِ بْنِ اَبِیْ بَلْتَعَۃَ وَبِسَیِّدِنَا سَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ وَبِسَیِّدِنَا سَلَمَۃَ بْنِ حَاطِبِ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ مُرْثَدِ الْغَنَوِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ فُضَالَۃَ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا عَمَّارِبْنِ یَاسِرِ الْمُھَاجِرِیِّ بِسَیِّدِنَا طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ الْقُرَشِیِّ وَبِسَیِّدِنَا اَبِیْ فَضَالَۃَ الْاَنْصَارِیِّ وَبِسَیِّدِنَا عَمَّارِبْنِ یَا سِرِ الْمُھَاجِرِیِّ وَبِسَیِّدِنَا طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِاللّٰہِ الْقُرَشِیِّ وَبِسَیِّدِنَا سَمَّاکِ بْنِ سَعْدِ الْخَزْرَجِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَاھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا دَیْنًا اِلَّا قَضَیْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً مِّنْ حَوَآئِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَضَیْتَھَا یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

بَابُ ذِکْرِ الْیَمَنِ وَالشَّامِ وَذِکْرُ اُوَیْسِ الْقَرْنِیِّ

یمن اور شام اور اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے باب کا ذکر

صاحب المغرب فرماتے ہیں؛ یمن، یمین سے ماخوذ ہے، بخلاف شام کے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "یمن "یمین سے مأ خوذ ہے یمن کو یمن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کعبہ کی دائیں طرف ہے اور یمن کی طرف نسبت یمنی (تبشد یدالیاء) اور یمانی (بتشد ید الیاء۔ اس میں الف یاءِ نسبت مشددو کی ایک یاء کے عوض میں ہے) اور یمان استعمال ہوتی ہے۔

اور شام سے مراد وہ علاقے ہیں جو کعبہ کے بائیں طرف ہیں اس علاقے کو شام کہنے کی مختلف وجہیں ہوسکتی ہیں مثلاً شام تشاءم سے ہے اس کا معنی ہے بائیں طرف ہونا شام کو شام اس لئے کہتے تھے کہ یہ بیت اللہ کے بائیں طرف ہے یا اس اس وجہ سے کہ اس کے بائیں طرف بنی کنعان کی ایک قوم آباد تھی چونکہ یہ تشام سے مشتق ہے اس لئے شام (شأم) ہمزہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے پرھ اس ہمزہ کو الف سے بدلا جاتا ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شام نوح علیہ السلام کے بیٹے سام بن نوح کی طرف منسوب ہے اور سریانی زبان میں سام سین کے بجائے شین کے ساتھ شام استعمال ہوتا ہے)

ذکر یمن وشام سے مراد عام ہے یعنی اس باب میں یمن وشام کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی خواہ ان کا تعلق ان

علاقوں اور ملکوں کے ساتھ ہو خواہ ان میں رہنے والے لوگ اور باشندوں کے ساتھ ہو۔

اویس القرنی: یہ تخصیص بعد التعمیم ہے شرف وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے قرن (قاف اور راء کے فتحہ کے ساتھ) یمن کا ایک شہر ہے اور قرن (قاف کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ) قاموس میں ہے کہ یہ اہل نجد کا میقات ہے اور طائف کے قریب ایک بستی ہے اس ساری وادی کا نام قرن ہے۔

جوہری نے اس بارے میں فرمایا کہ قرن راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اویس اسی کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں قرن راء کے سکون کے ساتھ ہے اور حضرت اویس اس علاقے کی طرف منسوب ہو کر قرنی نہیں کہلاتے بلکہ وہ قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد کی طرف منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں۔

الفصل الاول:

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت

٦٢٦٦: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً يَاتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهٗ اُوَيْسٌ لَا يَدَعُ بِالْيَمَنِ غَيْرَ اُمٍّ لَهٗ قَدْ كَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَدَعَا اللّٰهَ فَاَذْهَبَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ الدِّيْنَارِ اَوِ الدِّرْهَمِ فَمَنْ لَقِيَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ اُوَيْسٌ وَلَهٗ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٩٦٨/٤ حديث رقم (٢٢٣-٢٥٤٢)

ترجمہ: ''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا' وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں چھوڑے گا' اس کے بدن میں سفیدی (یعنی برص کی بیماری) تھی۔ اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن سے سفیدی کو سوائے ایک دینار اور ایک درہم کی سفیدی کے بقدر ختم کر دیا۔ پس تم میں سے جو شخص اس (اویس) سے ملے اس کو چاہیے کہ اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے' ایک اور روایت میں یوں ہے کہ (حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تابعین میں بہتر شخص وہ ہے جس کا نام اویسؒ ہے اس کی ایک ماں ہوگی اور اس کے بدن پر برص کا نشان ہے' تم میں سے جو اس سے ملاقات کرے تو اس کو چاہیے کہ اس سے اپنے لیے بخشش کی دعا کروائے۔'' (مسلم)

تشریح: الا موضع الدينار أو الدرهم: یہاں راوی کو شک رکھنے سے باز رہیں۔ فمن لقيه منكم فليستغفر لكم: امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ حضرت اویس قرنی کی کھلم کھلا منقبت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں افضل ہو۔

ان خير التابعين رجل يقاله له أويس: امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تابعین میں افضل ہیں۔

فلیتغفر لکم: ابن الملکؒ فرماتے ہیں: نبی کریم نے اپنے اصحاب کو اویس قرنی سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کروائیں اگرچہ صحابہ تابعین سے افضل تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اہل خیر و صلاح سے کا مذر شرعی تھا۔

امام حاکم حضرت علیب سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: خیر التابعین أویس. ابن عدیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

بیکون فی امتی رجل یقال له اویس بن عبد الله القرنی وان شفاعته فی امتی مثل ربیعة ومضر.

اہل یمن کی فضیلت

۶۲۶۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَاَلْيَنُ قُلُوْبًا اَلْاِيْمَانُ يَمَانٌ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِی اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِی اَهْلِ الْغَنَمِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۸/۸حدیث رقم ۴۳۸۸ومسلم فی صحیحه ۷۲/۱حدیث رقم (۸۴-۵۲) و احمد فی المسند ۲۵۲/۲

ترجمه: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ (جب یمن سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے لوگ خدمت رسالت پناہ میں حاضر ہوئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں جو (تمہارے پاس آنے والے اور لوگوں کی بہ نسبت) زیادہ رقیق القلب اور زیادہ نرم دل ہیں۔ایمان اہل یمن کا ہے اور حکمت بھی اہل یمن کی ہے اور فخر اور تکبر کرنا اونٹ والوں میں ہوتا ہے جب کہ اطمینان وتحمل اور وقار بکری والوں میں ہوتا ہے''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: أتاکم اهل الیمن، هم أرق أفئدة وألین قلوبا، الایمان یمان والحکمة یمانیة: حدیث مبارکہ کے اس جملہ کی تشریح باب وفاۃ النبی کی فصل ثالث میں حدیث: ۵۹۶۹ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

والفخر والخیلاء فی أصحاب الابل والسکینة والوقار فی أهل الغنم.

الفخر: فخر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الافتخار بالمباهاة والمنافة فی الأشیاء الخارجة عن نفس الایمان کالمال والجاه.

خیلاء: خاء کے ضمہ یاء کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔وهی التکبر یتخیل أنه أفضل من غیره ویمنعه عن قبول الحق والنقیاد.امام راغبؒ فرماتے ہیں: الخیلاء الرتکبر عن تخیل فضیلة تراء ب للانسان من نفسه ومنها تتؤول لفظ الخیل ما قیل انه لا یرکب أحد فرسا الا وجد فی نفسه نخوة، والخیل فی الاهل اسم للأفراس والفسان جمیعا اهـ۔

اصحاب الابل: اصحاب الفرس کا بھی یہی حکم ہے۔اگلی روایت میں ان دونوں کا اکٹھے ذکر موجود ہے۔قاضیؒ فرماتے ہیں: یہ تخصیص دلالت کرتی ہے کہ گزشتہ بات مضبوط ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں؛ اسی وجہ سے بعض کا کہنا ہے کہ صحبت نفس پر اثر ڈالتی ہے۔ اور شاید اسی حکمت کے پیش نظر ہر نبی سے بکریاں چروائی گئیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل یمن پر ایمان وحکمت کا غلبہ ہے، جیسا کہ اونٹ والوں پر فخر کا غلبہ اور بکری والوں پر سکینت کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اہل ایمان وعرفان کی صحبت کا خواہاں ہو وہ اہل یمن جیسے لوگوں کی مصاحبت اختیار کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبة : ۱۱۹] ''اے اہل ایمان خدا سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہو'' اور اس میں ایک معجزہ کی طرف اشارہ بھی ہے۔ کہ یمن میں بکثرت ہوں گے۔ اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بخلاف دوسرے علاقوں کے۔ کہ وہاں بھی اولیاء اللہ بکثرت گزرے ہیں مگر عوام کے تناسب سے کم ہیں۔

تخریج: وفي الجامع: الايمان يمان رواه الشيخان من ابی مسعود، وروى الشيخان والترمذی عن ابی هريرة مرفوعا: أتاكم أهل اليمن هم أضعف قلوبا، وأرق أفئدة، الفقه كان والحكمة يمانية. شیخین اور ترمذیؒ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

کفر کا منشاء مشرق ہے

۶۲۶۸: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ اَهْلِ الْخَيْلِ وَالْاِبِلِ وَالْفَدَّادِيْنَ اَهْلُ الْوَبَرِ وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔ (متفق عليه)

أخرجه الترمذي في صحيحه ۳۵۰/۶ حديث رقم ۳۳۰۱ ومسلم في صحيحه ۷۲/۱ حديث رقم (۸۵-۵۲) الترمذي في السنن ۶۴۶/۴ حديث رقم ۲۲۴۳ ومالك في الموطأ ۹۷۰/۲ حديث رقم ۱۵ من كتاب الاستئذان و احمد في المسند ۴۱۸/۲۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر کا سر مشرق کی طرف ہے۔ فخر وتکبر گھوڑے والوں اور اونٹ والوں میں اور جو اونٹ کے بالوں کے خیموں میں رہتے ہیں (یعنی وہ لوگ جو آبادیوں میں سے دور جنگلات اور صحراؤں میں رہتے ہیں اور اس طرح کے لوگ اس زمانہ میں زیادہ تر اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے) اور نرمی ومسکینی بکری والوں میں ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: الفدادين: کا عطف اهل الخيل پر ہے۔ الفدادين، تشدید وتخفیف ہر دو کے ساتھ مروی ہے۔

صاحب النہایہ لکھتے ہیں: فدادون، تشدید کے ساتھ ہے، فداد کی جمع ہے۔ فدا الرجل يفد فديدا، آواز بلند ہونا (سخت آواز ہونا، شور مچنا) اور بعض کا کہنا ہے کہ جس کے پاس زیادہ اونٹ ہوں اس کو فداد کہا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اونٹ کے چرواہوں، گایوں اور گدھوں والوں اور چرواہوں کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ فدادون تخفیف کے ساتھ ہے۔ فداد (تشدید کے ساتھ) کی جمع ہے۔ یہ اس گائے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا ہو۔ اور اس کے مالکان اصحاب جفاء وغلظت ہوں۔ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فدادون تخفیف کے ساتھ ہو تو مضاف محذوف مانا جائے گا، أي في اهل

الفدادین، اور میرا گمان ہے کہ دونوں روایتوں میں سے تشدید والی روایت زیادہ درست ہے۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ والجفاء والغلظ فی الفدادین، اس روایت میں تخفیف کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور یہاں پر تقدیری عبارت نکالنا روایۃً اور درایۃً ہر اعتبار سے مستبعد ہے۔ لہٰذا مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کیا جائے۔

تخریج: اس روایت کو امام مالکؒ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام میرکؒ فرماتے ہیں: مسلم کی روایت میں والفدادین بغیر واؤ کے ہے یعنی واؤ محذوف ہے۔ اور بخاریؒ کی روایت میں ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم کی روایت کی تقدیر پر یہ اہل الخلیل کی صفت ہے اور بخاریؒ کی تقدیر پر اس کا عطف ہو رہا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: مسلم کی تقدیر پر جمع بین الوصفین ہوگا، اور بخاریؒ کی تقدیر پر ان دونوں (وصفوں) میں تغایر ہوگا۔ فدادین تخفیف پڑھنے کی تقدیر پر الخیل پر عطف ہوگا۔ اور تشدید کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں أهل الخيل پر عطف ہوگا۔

صحرانشینوں میں سنگدلی پائی جاتی ہے

۶۲۶۹: وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ هٰهُنَا جَآءَ تِ الْفِتَنُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوْبِ فِی الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ فِیْ رَبِیْعَةَ وَمُضَرَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٥٢٦/٦حدیث رقم ٣٤٩٨ واخرجه مسلم فی صحیحه ٧١/١حدیث رقم (٨١-٥١) والترمذی فی السنن ٤٥٩/٤حدیث رقم ٢٢٦٨ واخرجه مالك فی الموطأ ٩٧٥/٢حدیث رقم ٢٩من كتاب الاستذان و احمد فی المسند ١٢١/٢

ترجمہ: ''حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے کہ (ایک دن) آپ ﷺ نے مشرق کی جانب ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنے اس جگہ سے ظاہر ہوں گے اور بدزبانی وسنگدلی خیمہ نشینوں یعنی قبیلہ ربیعہ اور مضر میں ہے جو (اپنے مویشیوں کو چرانے کیلئے) اونٹوں اور گائیوں کی دموں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: امور نحویہ: (نحو المشرق): متعلق محذوف سے مل کر حال ہے، أی: قال ﷺ: من ههنا جاء ت الفتن مشیرا نحو المشرق. (كذا ذكره الطيبي). اور کوئی بعید نہیں کہ یہ الفاظ راوی کی طرف سے ادراج ہو، جو ههنا کی تفسیر کے لئے بڑھائے ہوں۔ (عند أصول أذناب): عند ظرف ہے الفدادین کے لئے۔ فی ربیعة ومضر: یا تو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ أی: هذه الطائفة فيهم. یا خبر ثانی ہے الجفاء کے لئے اور امام طیبیؒ کا کہنا ہے کہ الفدادین سے بدل ہے، اور عامل کا اعادہ کیا گیا ہے۔ الجفاء مد کے ساتھ وفا کی ضد ہے۔ صاحب القاموس لکھتے ہیں: الجفاء نقيض الصلة ويقصر. اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد زبان کی سختی ہے، اس کا قرینہ اگلا جملہ ہے۔ اهل الوبر: فدادین کا بیان ہے۔ اهل وبر سے مراد دیہاتی ہیں، یا صحراؤں میں رہنے والے مراد ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے: من بدا جفا.

عند أصول البقر: اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے قلب موضوع کیا، بایں طور کہ متبوع کو تابع اور تابع کو متبوع بنا لیا۔ اور ایسا کام کیا جو وضعاً اور شرعاً ہر اعتبار سے برعکس ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ [الاعراف: ۱۷۹] ''یہ لوگ (بالکل) چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں''۔

ایمان اہل حجاز میں ہے

۶۲۷۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ وَالْاِيْمَانُ فِيْ اَهْلِ الْحِجَازِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۹/۸ حدیث رقم ۴۳۸۹ ومسلم فی صحیحه ۷۳/۱ حدیث رقم (۹۲-۵۳) و احمد فی المسند ۳۳۲/۳۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنگدلی اور سخت گوئی اہل مشرق میں ہے (کیونکہ کفر اور فتنوں کا مصدر و مرکز اسی طرف کے علاقے ہیں) اور ایمان حجاز والوں میں ہے''۔ (مسلم)

تشریح: الجامع کی روایت میں فی أهلِ المشرق اور السکینة والایمان کے الفاظ ہیں۔ اور اہل حجاز سے مراد مکہ، مدینہ اور اطراف کے لوگ ہیں۔ ابن الملک کا کہنا ہے کہ اس سے مراد انصار ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

ملک شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا

۶۲۷۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا فَاَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۵/۱۳ حدیث رقم ۷۰۹۴ والترمذی فی السنن ۶۸۹/۵ حدیث رقم ۳۹۵۳۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی: اے اللہ! ہمیں ہمارے (ملک) شام میں برکت عطا فرما اور اے اللہ! ہمارے (ملک) یمن میں برکت عطا فرما۔ یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے نجد کے بارے میں بھی (دعا فرمایئے تاکہ ہمیں اس علاقہ کی طرف سے بھی برکت حاصل ہو) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی دعا فرمائی: اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور اے اللہ! ہمیں ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔ صحابہؓ نے (دوبارہ) عرض کیا: یا رسول اللہ! اور ہمارے نجد کے بارے میں بھی (یہی دعا فرمایئے)

راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر انہی الفاظ میں دعا کی اور نجد کے بارے میں) فرمایا وہاں زلزلے ہوں گے، فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا''۔(بخاری)

تشریح: اللھم بارك لنا فی شامنا، اللھم بارك لنا فی یمننا: دعا میں شام کے لیے تین بار برکت کی دعا فرمائی۔

هناك الزلازل و الفتن: وہاں زلزلے ہوں گے۔(ذکرہ الطیبیؒ)

تخریج: اس روایت کو امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔(نقله السید جمال دین).

الفصل الثانی:

اہل یمن کے حق میں دعا

۶۲۷۲: وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ قِبَلَ الْيَمَنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِهِمْ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۶۹۰/۵ حدیث رقم ۳۹۵۴ و احمد فی المسند ۱۸۵/۵

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب نظر اٹھائی اور پھر یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اہل یمن کے دلوں کو متوجہ فرما اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما''۔(ترمذی)

تشریح: بارك لنا فی صاعنا ومدنا، صاع، اور مد میں برکت سے مراد خورد ونوش کی وہ اشیاء ہیں جو ان پیمانوں سے ماپے جاتے ہیں۔ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے۔یا مضاف مقدر ہے: أی: طعام صاعنا ومدنا .صاحب قاموس صاع کے بارے میں لکھتے ہیں: اربعة مداد، کل مد رطل وثلث الرطل وبکسر اثنتا عشرة أوقیة، والأوقیة أربعون درهما.

داؤدیؒ فرماتے ہیں: معیار المد الذی لا یختلف اربع حفنات بکفی الرجل الذی لیس بعظیم الکفین ولا یصغیرهما، اذ لیس کل مکان یوجد فیه صاع النبی ﷺ اھ۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: میں نے یہ بار بار آزمایا ہے، اور بالکل درست پایا ہے۔

(وفی الباب): الجامع کی ایک روایت میں یوں ہے: اللھم ان ابراهیم کان عبدك وخلیلك دعاك لأهل مکة بالبرکة، وأنا محمد عبدك ورسولك، أدعوك لأهل المدینة أن تبارك لهم فی مدّهم وصاعهم مثلی ما بارکت لأهل مکة مع البرکة برکتین .اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

شام پر رحمٰن کے فرشتے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں

۶۲۷۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِلشَّامِ قُلْنَا لِاَيِّ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِاَنَّ مَلٰٓئِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ اَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا۔ (رواه احمد والترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٦٩٠/٥ حديث رقم ٣٩٥٤ و احمد فی المسند ١٨٤/٥

ترجمہ: ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اہل شام کے لیے خوش خبری ہو۔ ہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! خوش خبری کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وجہ سے کہ رحمٰن کے فرشتے شام کی سرزمین اوراس کے رہنے والوں پر بازو پھیلائے ہوئے ہیں (تا کہ وہ سرزمین اوراس کے لوگ کفر سے محفوظ رہیں''۔ (احمد ترمذی)

تشریح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: طوبیٰ مصدر ہے، جیسا کہ بشریٰ اور زلفیٰ۔ اور اس کا مطلب ہے، أصبت خیر امطیبا. لای ذلك :ای ذلك:أی کی تنوین عوض کی ہے یعنی لأی شیء، مصابیح کے بعض نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: جامع الترمذی کی روایت میں بھی حذف مضاف الیہ کے ساتھ ہے، أی: لأی سبب قلت ذلك؟ مصابیح کے بعض نسخوں میں لفظ ''شیء'' بھی موجود ہے۔ امام میرکؒ نے عجیب بات کہی کہ مضاف الیہ محذوف ہے۔ اور مضاف الیہ کا اعراب مضاف کو دے دیا گیا ہے، اھ۔

ملائکة الرحمٰن: اس جملہ میں اشارہ ہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی اپنی مستدرک میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ طبرانیؒ کی ایک روایت میں اسی راوی سے یہ الفاظ منقول ہیں: طوبٰی للشام ان الرحمٰن لباسط رحمته علیه. أی علی بلد الشام .لفظ شام مذکر ومؤنث ہر دو طرح مستعمل ہے۔ بلد کی تاویل میں ہو تو مذکر استعمال ہوتا ہے (اور بلدة یا بقعه کی تاویل میں ہو تو مؤنث استعمال ہوتا ہے)۔

حضرِ موت کی طرف سے آگ کا نکلنا

۶۲۷۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ نَحْوِ حَضَرَ مَوْتَ اَوْ مِنْ حَضَرَ مَوْتَ تَحْشُرُ النَّاسَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤٣١/٤ حديث رقم ٢٢١٧ و احمد فی المسند ١١٩/٢۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب حضرموت کی جانب سے یا یہ فرمایا کہ حضرموت سے ایک آگ ظاہر ہوگی اور وہ آگ لوگوں کو یکجا کرے گی (اور ہانک کرلے جائے گی)۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! پھر ہمارے بارے میں کیا حکم ہے؟ (یعنی اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کہاں

چلے جانا چاہیے)۔آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں شام میں چلے جانا چاہیے''۔(ترمذی)

تشریح: حضر موت: حائے مہملہ کے فتحہ، ضاد معجمہ کے سکون، راء کے فتحہ، میم کے فتحہ، واؤ کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ۔صاحب قاموس لکھتے ہیں: حضر موت اور میم کے ضمہ کے ساتھ ایک شہر اور قبیلہ کا نام ہے۔کہتے ہیں' هذا حضرت موت .اور اضافت کے ساتھ بھی مستعمل ہے، چنانچہ کہتے ہیں' حضرت موت راء کے ضمہ کے ساتھ، اور دوسرے کو تنوین نہ دینا بھی درست ہے۔

ملک شام کی طرف ہجرت کرنے والا شخص بہترین شخص ہوگا

۶۲۷۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ النَّاسِ اِلٰى مُهَاجِرِ اِبْرَاهِيْمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَخِيَارُ اَهْلِ الْاَرْضِ اَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرِ اِبْرَاهِيْمَ وَيَبْقٰى فِي الْاَرْضِ شِرَارُ اَهْلِهَا تَلْفِظُهُمْ اَرْضُوْهُمْ تَقْذُرُهُمْ نَفْسُ اللّٰهِ تَحْشُرُهُمُ النَّارُ مَعَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تَبِيْتُ مَعَهُمْ اِذَا بَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ اِذَا قَالُوْا۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه ابو داؤد فی السنن ۹/۳ حدیث رقم ۲۴۸۲ و احمد فی المسند ۱۹۹/۲

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔لہٰذا بہترین لوگ وہ ہوں گے جو اس جگہ ہجرت کر کے جائیں گے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے گئے تھے۔(یعنی ملک شام میں اور یہاں وہ اس وقت ہجرت کر کے آئے تھے جب انہوں نے اپنے آبائی ملک عراق سے ترک وطن کیا تھا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: روئے زمین کے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو اس جگہ ہجرت کر کے جانے کو خوب لازم پکڑیں گے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے گئے تھے (یعنی ملک شام) اور (اس وقت) روئے زمین پر اس کے بدترین لوگ رہ جائیں گے جن کو ان کی زمینیں نکال پھینکیں گی' اللہ کی ذات ان کو پلید سمجھے گی اور آگ ان کو سوروں اور بندروں کے ساتھ اکٹھا کر کے ہانک لے جائے گی اور وہ آگ انہیں کے ساتھ رات گزارے گی جہاں ان کی رات آئے گی اور ان کے ساتھ قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام کرنا) کرے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے''۔(ابوداؤد)

تشریح: انها: یہ ضمیر قصہ ہے۔هجرة بعد هجرة: شراح کا کہنا ہے کہ دوسرے لفظ هجرة پر عہد کا لام داخل کرنا چاہئے تھا، چونکہ اس ہجرت سے مراد الهجرة الواجبة قبل الفتح ہے۔نکرہ اس وجہ سے لایا گیا کہ صیغوی اعتبار سے ماقبل کے موافق ہو جائے، علاوہ ازیں کلام میں اضمار بھی ہے، أي: بعد هجرة حقت ووجبت، معرفت سامعین پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں حذف مستحسن ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ تکریم مراد ہو، جیسا کہ لبیك وسعديك میں ہے، أي: ألبك الباب بعد الباب. فخيار الناس کی فاء ماقبل کے اجمال کی تفصیل بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔الی مهاجر: جیم کے فتحہ کے ساتھ۔اسم ظرف ہے، بمعنی موضع ہجرت۔جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔أي فخيار الناس المهاجرون الى

مهاجرة.

بعض نسخوں میں الی ہے۔ یعنی الی حرف جر کے ساتھ خبر مجرور بحرف جر بھی لکھی ہوئی ہے۔ اس صورت میں یہ خیار کے متعلق ہوگا۔ اور مهاجر مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور مضاف مقدر ہوگا۔ فخيار الناس مهاجرها مهاجر ابراهيم .مضاف کو حذف کر کے اس کا اعراب مضاف الیہ کو دے دیا گیا۔

الزمهم مهاجر ابراهيم: مهاجر جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور ألزم کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور ألزم افعل التفضيل نے اسم ظاہر میں عمل کیا ہے۔ اذا قالوا: یہ جملہ مستانفہ ہے، جو بیان دوام ملازمت کے لئے ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے، یا اس سے حال ہے۔ اور ماقبل کے تمام جملے مستانفہ ہیں سوالات مقدرہ کا جواب ہیں۔

شام' یمن اور عراق کے لشکروں کا ذکر

۶۲۷۶: وَعَنِ ابْنِ حَوَالَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَصِيْرُ الْاَ مْرُاَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بَالشَّامِ وَجُنْدٌ بِا لْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ فَقَالَ ابْنُ حَوَالَةَ خِرْلِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَ دْرَكْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَاِنَّها خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ يَجْتَبِىْ اِلَيْهَا خِيَرَتَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ فَاَمَّا اِنْ اَبَيْتُم فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدَرِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَاَهْلِهٖ۔ (رواه احمد وابوداود)

أخرجه ابو داؤد في السنن ۱۰/۳ حديث رقم ۲٤۸۳ و احمد في المسند ٤/ ۱۱۰۔

ترجمہ: ''حضرت ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے جب دین اور ملت کا یہ نظام ہوگا کہ تم مسلمانوں کے جدا جدا کئی لشکر ہو جائیں گے ایک لشکر شام میں ہوگا' ایک لشکر یمن میں اور ایک لشکر عراق میں' (یہ سن کر) ابن حوالہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (اگر اس زمانہ میں میں ہوا تو) فرمائیے کہ میں کون سا لشکر اختیار کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شام کے لشکر کو اختیار کرنا کیونکہ شام کی سرزمین خدا کی زمینوں میں سے برگزیدہ سرزمین ہے وہ اپنے محبوب بندوں کو اس کی جانب متوجہ کرے گا (یعنی خدا نے آخر زمانہ میں دینداروں کے رہنے کیلئے شام کی سرزمین ہی کو پسند فرمایا ہے)' ہاں پر اگر تم شام کو اختیار کرنا قبول نہ کرو تو اپنے یمن کو اختیار کرنا اور دیکھنا تم (جب شام میں جاؤ تو) اپنے آپ کو بھی اور اپنے جانوروں کو بھی' اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا' حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف شام اور اہل شام کی حفاظت کی ذمہ داری مجھے دی ہے''۔ (احمد' ابوداؤد)

تشریح: (خرلی): خاء کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ، خيرة بمعنی اختيار سے مشتق ہے، أي: اختر لي جندا الزمه. خيرة: خاء کے کسرہ اور یائے تحتیہ کے فتحہ کے ساتھ، اور کبھی ساکن بھی پڑھتے ہیں بمعنی مختارة .امام طیبیؒ فرماتے ہیں: الخير یاء کے سکون کے ساتھ خار سے اسم ہے۔ اور فتحہ کے ساتھ اختار کا اسم ہے۔ محمد خيرة الله من خلقه

فتحہ اور سکون کے ساتھ ہے اھ۔ (یجتبی الیھا خیرتہ): اکثر معتمد نسخوں میں لفظ خیرۃ منصوب ہے اور ایک نسخہ میں مرفوع ہے۔من عادہ میں من ''تبعیضیہ'' ہے۔ایک شارح کا کہنا ہے: یجتبی از باب افتعال ہے۔جبوت الشئ و جبیتہ بمعنی جمعتہ سے ماخوذ ہے، متعدی ہے۔اس صورت میں معنی یہ ہوگا: یجمع اللہ الی أرض الشام المختارین من عبادہ .اور یہ بھی ممکن ہے کہ یجتبی فعل لازم ہو۔اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے: یجتمع الیھا المختارون من عبادہ .سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں: خیرتہ، یجتبی کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، بشرطیکہ اجتبا فعل لازم ہو، بمعنی الاجتماع یا اگر یجتبی متعدی ہو تو خیرتہ مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا، بمعنی الاصطفاء والاختیار اھ۔

اور مختار یہ ہے کہ متعدی ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں ہے: ﴿اللہ یجتبی الیہ من یشاء﴾.

(اسقوا): اس ہمزہ کو وصلی و قطعی ہر دو طرح پڑھنا درست ہے۔ (من غدر کم): غین معجمہ کے ضمہ اور دال مہملہ کے فتحہ کے ساتھ، بمعنی حوض۔

توضیح نسخ: تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصابیح کے تمام نسخوں میں عبارت یوں ہے: فان اللہ قد توکل لی بالشام .یہ سہو ہے جو اصل کتاب میں ہے یا بعض راویوں سے ہوا ہے۔جو جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے۔اور درست عبارت یوں ہے: قد تکلفل لی قولہ :لی اور ''لی'، توکل کا صلہ نہیں ہے۔چونکہ اس کا صلہ ''علی'' آتا ہے یا ''باء'' آتا ہے۔اور ''علی'' یہاں درست نہیں ہے، لہٰذا دوسرا صلہ متعین ہے أی توکل بالشام لأجلی .صاحب النہایہ لکھتے ہیں: یقال: توکل بالأمر اذا ضمن القیام بہ.

الفصل الثالث:

اہل شام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لعنت کرنے سے انکار کرنا

۶۲۷۷: عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ ذُكِرَ اَهْلُ الشَّامِ عِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقِيْلَ الْعَنْهُمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ لَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ رَجُلاً يُسْقٰى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَيُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ۔

أخرجه احمد في المسند ۱۱۲/۱

ترجمہ: ''حضرت شریح بن عبید تابعیؒ روایت کرتے ہیں کہ (ایک موقعہ پر) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اے امیر المؤمنین! شام والوں پر لعنت کیجیے۔حضرت علیؓ نے کہا: نہیں (میں اہل شام پر لعنت نہیں کر سکتا) حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر فرما دیتا ہے۔ان (ابدال) کی

وجہ (وجود و برکت) سے بارش ہوتی ہے ان کی مدد سے دشمنانِ دین سے بدلہ لیا جاتا ہے اور انہیں کی برکت سے اہل شام سے (سخت) عذاب کو دور کیا جاتا ہے"۔

راویٔ حدیث:

شریح بن عبید۔ یہ شریح بن عبید "حضرمی" ہیں۔ ابوامامہ و جبیر بن نفیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے صفوان بن عمرو اور معاویہ بن صالح نے حدیث کی روایت کی ہے۔ دونوں اسم تصغیر کے ساتھ ہیں۔

تشریح:قال: **لا** :یہاں فعل محذوف ہے۔أی: **لا یجوز لعنهم، او لا ألعنهم** . (انی):ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، اور جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے۔ابن عساکرؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: **ان الله تعالیٰ خلق ......عن هذه الأمة.**

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے وہ ابدال ہوں یا اقطاب۔

شیخ علاؤالدین سیمانی لکھتے ہیں: **والبدل م البدلاء السبعة ......**

شام کے شہر دمشق کی فضیلت

۶۲۷۸: وَعَنْ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ الشَّامُ فَاِذَا خُيِّرْتُمُ الْمَنَازِلَ فِيْهَا فَعَلَيْكُمْ بِمَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ فَاِنَّهَا مَعْقِلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمَلَاحِمِ وَفُسْطَاطُهَا مِنْهَا اَرْضٌ يُّقَالُ لَهَا الْغُوْطَةُ ۔ (رواهما احمد)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ۴/ ۴۸۴ حدیث رقم ۴۲۹۸ و احمد فی المسند ۴/ ۱۶۰۔

ترجمہ:صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب ملک شام کے شہر اور علاقے (اسلامی لشکر کے ذریعہ) فتح کئے جائیں گے اگر تمہیں ان شہروں میں مکانات بنانے اور رہائش پذیر ہونے کا اختیار دیا جائے تو تم اس شہر کو اختیار کرنا لازم جاننا جس کو "دمشق" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ (دمشق شہر) مسلمانوں کے لئے لڑائیوں سے پناہ کی جگہ ہے اور دمشق ایک جامع شہر ہے وہاں کی زمینوں (یعنی علاقوں) میں سے ایک زمین (یا علاقہ) ہے جس کو "غوطہ" کہا جاتا ہے (ان دونوں روایتوں کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے)۔"

دمشق: دال کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ نیز کسرہ کے ساتھ ہے۔ (القاموس)

(معقل): میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ۔ **(ملاحم)**: میم کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ، **ملحمة** کی جمع ہے۔

(فسطاط): فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ **(الغوطة)**: غین کے ضمہ کے ساتھ، **غوطه**، ان باغات اور پانی کے چشموں کا نام ہے جو شہر دمشق کے ارد گرد ہیں۔ اس کو **غوطه دمشق** بھی کہا جاتا ہے۔ زمخشریؒ لکھتے ہیں: **حنان الدنیا أربع: غوطة ومشعر نهر الایل، شعب كدان وسمر قند**۔ ابن جوزیؒ کہتے ہیں: میں نے یہ تمام جگہیں

دیکھی ہیں، غوطہ کو باقی تینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ان چاروں کو باقی جگہوں پر۔

خلافت مدینہ میں اور بادشاہت شام میں ہے

۶۲۷۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْخِلَافَةُ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْمُلْكُ بِالشَّامِ۔ (رواهما البيهقى فى دلائل النبوة)

رواه البيهقى فى دلائل النبوة ٤٤٧/٦ والحاكم فى المستدرك ٧٢/٣

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خلافت مدینہ میں ہے اور ملوکیت یعنی بادشاہت شام میں ہے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا شام میں قرار پکڑنا

۶۲۸۰: وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ عُمُوْدًا مِنْ نُوْرٍ خَرَجَ مِنْ تَحْتِ رَاْسِیْ سَاطِعًا حَتّٰی اسْتَقَرَّ بِالشَّامِ۔ (رواهما البيهقى فى دلائل النبوة)

أخرجه احمد فى المسند والبيهقى فى دلائل النبوة ٤٤٩/٦۔

ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے (خواب میں) نورانی ستون کو اپنے سر کے نیچے سے نکلتا ہوا دیکھا' پھر وہ اوپر کو بلند ہوا اور ملک شام میں جا کر نصب ہو گیا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے''۔

تخریج: پہلی روایت کو امام بخاریؒ نے تاریخ میں اور حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

دمشق شام کے تمام شہروں سے افضل ہے

۶۲۸۱: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِیْنَ یَوْمَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوْطَةِ اِلٰی جَانِبِ مَدِیْنَةٍ یُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ مِنْ خَیْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه ابو داؤد فى السنن ٤٨٤/٤ حديث رقم ٤٢٩٨۔

ترجمہ: ''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (دجال کے خلاف) فوجی کارروائی اور جنگ وجدل کے دنوں میں مسلمانوں کے لئے جمع ہونے کی جگہ ''غوطہ'' ہے جو شام کے اس شہر کا نواحی علاقہ ہے جس کو دمشق کہا جاتا ہے اور یہ شام کے شہروں میں سے بہترین شہر ہے''۔ (ابوداؤد)

دمشق پر کوئی غلبہ نہ پا سکے گا

۶۲۸۲: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ سَيَأْتِي مَلِكٌ مِّنْ مُلُوْكِ الْعَجَمِ فَيَظْهَرُ عَلَى الْمَدَآئِنِ كُلِّهَا اِلَّا دِمَشْقَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه ابو داوٗد في السنن ۳۲/۵ حديث رقم ۴۶۳۹

ترجمہ: ''حضرت عبدالرحمٰن بن سلیمان تابعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے، جب عجم کے حکمرانوں میں سے ایک حکمران، وہ (شام کے شہر) دمشق کے سوا تمام شہروں پر غلبہ حاصل کرلے گا''۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

عبدالرحمٰن بن سلیمان۔ کے حالات مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں فرمائے۔

عرضِ مرتب:

خلاصۃ باب ذکر الیمن والشام وذکر اویس القرنی:

تشریح: اس باب کی احادیث میں حضرت اویس قرنی اور ملک یمن وشام کی فضیلت اور مشرق ونجد کی خدمت کا بیان

① حضرت اویس قرنیؒ: حضرت اویس کی علامات اور ان کی فضیلت کے بارے میں بہت سی احادیث وآثار ہیں جن کو علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں ذکر کیا ہے اور ان کا ترجمہ ذکر کر دیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یمن سے ایک شخص آئے گا اس کا نام اویس ہوگا یمن میں والدہ کے علاوہ اس کا کوئی عزیز نہ ہوگا اس کو پہلے برص تھی لیکن اللہ نے اس کی دعا کی وجہ سے وہ بیماری ختم فرما دی صرف ایک درہم یا دینار کے بقدر اب بھی باقی ہوگی تم میں سے جو شخص بھی اس سے ملے تو اس سے اپنے لئے دعاءِ مغفرت کرائے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اویس نامی شخص تابعین میں سے بہترین شخص ہوگا اس کی والدہ ہے اور اس کی برص کی سفیدی لاحق تھی تم اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔

② ملک یمن کی فضیلت: جب یمن والے مدینہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ اہل یمن زیادہ رقیق القلب اور زیادہ نرم دل ہیں ایمان یمن کا ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن اور شام کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما اور ایک بار یمن کی طرف دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کے قلوب کو ہماری طرف متوجہ فرما اور ہمارے صاع اور مُد میں برکت نازل فرما۔

③ ملک شام کی فضیلت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشخبری ہو اہل شام کے لئے صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ شام پر رحمٰن کے فرشتے اپنے پر پھیلاتے ہیں۔
حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضر موت سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں جو جمع کرے گی اس وقت تم شام کو لازم پکڑنا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کرنے کی جگہ یعنی شام کی طرف ہجرت کرنے والا لوگوں میں سے بہترین شخص ہوگا اور ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ شام کی سرزمین اللہ کے نزدیک پسندیدہ زمین ہے اللہ تعالیٰ وہاں اپنے خاص بندوں کو جمع فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے رہنے والی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ایک بار حضرت علیؓ سے اہل شام پر لعنت کرنے کو کہا گیا تو آپؓ یہ کہہ کر لعنت کرنے سے انکار کر دیا کہ وہاں ابدال ہوتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک نور کا منارہ میرے سر کے نیچے سے نکلا اور ملک شام میں جا کر ٹھہر گیا۔
اور بعض روایات میں شام کے شہروں میں سے خاص دمشق کی فضیلت بیان کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ عنقریب ملک شام فتح ہوگا جو تمہیں وہاں مکانات بنانے کی اجازت دی جائے تو تم دمشق کو اختیر کرنا اس لئے کہ وہ جنگوں سے مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے اور وہ ایک جامع شہر ہے اور اس کے قریب غوطہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دمشق شام کے شہروں میں سے بہترین شہر ہے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ ایک عجمی بادشاہ آئے گا جو سارے شہروں پر غلبہ پالے گا لیکن دمشق پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا۔

④ مشرق اور نجد کی مذمت: بعض روایات میں مشرق اور نجد کی مذمت بیان کی گئی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ کفر کا سر مشرق کی طرف ہے ایک بار مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے فتنے آئیں گے جبکہ ایک حدیث میں فرمایا کہ سنگدل اور سخت گوئی مشرق میں ہے اور ایمان حجاز میں ہے ایک بار جبکہ آپ ﷺ ملک شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا فرما رہے تھے تو لوگوں نے نجد کے لئے بھی دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

بَابُ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

اس اُمت کے ثواب کا بیان

عرضِ مرتب:

امت سے مراد وہ جماعت ہے جو اجابت و متابعت کو جامع ہو یعنی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مانا بھی اور آپ ﷺ کی پیروی بھی کی۔ اسی جماعت کو فرقہ ناجیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
تنقیح (اصول فقہ کی مشہور کتاب جس کی شرح توضیح اور اس کی شرح تلویح ہے) میں ہے کہ مبتدع یعنی بدعتی شخص علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے اور توضیح میں ہے کہ یہاں امت مطلقہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں یعنی وہ لوگ جو

حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ سنت پر ہیں نہ کہ بدعتی صاحب تلویح نے فرمایا کہ بدعتی اگر چہ اہل قبلہ ہے لیکن وہ کفار کی طرح امت دعوت میں سے ہے نہ کہ امت متابعت میں سے۔

اس امت مرحومہ کی فضیلت اور دوسری امتوں کی بنسبت اس امت کو بکثرت ثواب کا حاصل ہونا اور دیگر فضائل و مناقب حد حصر اور حیطہ بیان سے خارج ہیں اس امت کی فضیلت کے لئے بس اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ [آلِ عمران]

''(اور اُمت محمدیہ) تم لوگ سب سے اچھی امت ہو جس کو لوگوں کی (ہدایت اور راہنمائی) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے''۔

ایسے ہی اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ [البقرة]

''اور اسی لئے ہم نے تم کو (اے اُمت محمدیہ) ایسی امت بنایا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) مقابلے میں گواہ ہو''۔

اور یہ کہ وہ آقائے نامدار خاتم النّبیین سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی امت ہے جس کی تمام انبیاء اور رسولوں نے آرزو کی کہ کاش یہ امت ان کی ہوتی اس امت کو ایسے ایسے فضائل و کرامات اور کمالات عطا کئے گئے جو سابقہ امتوں کو حاصل نہ تھے۔

الحمدلله الذی جعلنا فی امة اللهم ارزقنا محبته توفنا علی دینه وملته برحمتك یاارحم الراحمین۔

الفصل الاول :

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دوگنا اجر

۶۲۸۳: عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِیْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی كَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالاً فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِیْ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِیْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِیْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی فَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلاً وَّاَقَلُّ عَطَآءً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ فَضْلِیْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ٤٩٥/٦ حديث رقم ٣٤٥٩ و احمد في المسند ١٢٤/٢ ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہارا زمانہ اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ میں) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت' علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو رکھے اور ان سے کہے کہ کون ہے جو دوپہر تک میرا کام ایک قیراط کے بدلے کرے گا۔ (چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے) یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط کے عوض کام کیا' پھر اس شخص نے کہا کہ کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام ایک قیراط کے بدلے کرے؟ چنانچہ یہود کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے لوگوں نے) یعنی نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام دو قیراط کے بدلے کرے؟ (اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہو' یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دوگنا اجر کے قرار پائے ہو) یہود و نصاریٰ غصہ میں مبتلا ہو کر کہنے لگے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا: کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے؟ (یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اس میں کچھ کمی کی ہے؟)' یہود و نصاریٰ نے کہا: نہیں (ہمارے حق میں تو تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ یہ (زیادہ اجر دینا) میرا فضل و احسان ہے جس کو چاہوں زیادہ عطا کروں (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)''۔ (بخاری)

تشریح: **عمالا:** عین کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ عامل کی جمع ہے۔ **قیراط:** صاحب الصحاح کا بیان ہے کہ قیراط نصف دانق کی مقدار کو کہتے ہیں۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ دینار کے اجزاء میں سے ایک جزء کو قیراط کہتے ہیں۔ اکثر شہروں میں یہ مقدار نصف عشرۃ ہے۔ لفظ قیراط کی یاء راء سے بدلی ہوئی ہے، جیسا کہ دینار میں نون سے بدلی ہوئی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی جمع دنانیر اور قراریط آتی ہے۔

امور نحویہ: **من يعملل**...... جملہ استفہامیہ ہے۔ **ألا:** برائے تنبیہ ہے۔ **أعطيه من شئت:** ضمیر اسم اشارہ کی جگہ لائی گئی ہے۔ اور مشار الیہ الاجر مرتین ہے۔ **من حقكم شيئا:** مفعول بہ ہے یا مفعول مطلق ہے۔

اختلاف نسخ و روایات: **فأنتم الذين تعملون:** صیغہ خطاب کے ساتھ ہے۔ بخاری کی روایت میں بھی اس کے موافق ہے، أي: **فأنتم تعملون**. اور ایک صحیح نسخہ میں صیغہ غائب کے ساتھ ہے۔ اسم موصول کے ذکر کرنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے، أي: **فأنتم مثل الذين يعملون، أو فأنتم نعم الذين يعملون مثلاً.**

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ مکالمہ حقیقی نہیں ہے بلکہ تخییل و تصویر ہے۔ الا یہ کہ اس واقعہ کو اس وقت پر محمول کیا جائے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا گیا تھا۔ تو اس صورت میں یہ مکالمہ حقیقی ہوگا۔ اھ۔

فانه فضلي أعطيه من شئت: یعنی جس کو زیادہ اجر دوں میری مرضی، یہ زیادتی اجر کسی کے حق میں کوئی زیادتی نہیں

ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے شرط مقرر کی، انہوں نے وہ شرط قبول کی۔ چنانچہ نصاریٰ و یہود نے جب اپنے وقت میں کام کیا۔ یہود و نصاریٰ دونوں آپس میں اجرت میں مساوی ہیں۔ اور مسلمانوں کی مدت عمل اگرچہ کم تھی مگر اجر دوگنا۔ و ذلك فضلي الله يؤتيه من يشاء. اھ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: امام طیبیؒ کا یہ کہنا: انها في الأخر مستاويان موقع محل کے اعتبار سے درست نہیں، چونکہ حدیث میں مذکور ''یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔

اس کی تفصیل اس آیت کریمہ: ﴿اولئك يؤتون أجرهم مرتين﴾ کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔ قصہ مختصر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوہرا اجر اہل کتاب کے ساتھ مختص نہیں ہے کہ جب وہ اسلام قبول کریں گے، جیسا کہ آیت کے ظاہر کا مفہوم ہے: يؤتكم كفلين من رحمته ﴿أولئك يؤتون أجرهم مرتين﴾۔

حدیث میں آتا ہے: ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين: رجل من أهل الكتاب آمن بكتابه و آمن بمحمد ﷺ۔

اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں مرفوعاً نقل کی ہے: قال: مثل المشلمين ...... تمشون به﴾۔

امام خطابیؒ شرح السنہ میں لکھتے ہیں: یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے جن میں مدت عمل کا اختلاف ہے۔ چنانچہ روایت باب میں ہر فریق کے لئے ایک ایک قیراط کا اجر مذکور ہے۔ اس حدیث میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، اور ہر فریق کے مآل عاقبت کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ محمد بن اسماعیل نے اس حدیث کو عن سالم بن عبد الله عن أبيه کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: وقال: أوتى اهل التوراة التوراة فعملوا حتى انتصف النهار ثم عجزوا فاعطوا قيراطا قيراطا، ثم اوتى اهل الانجيل الانجيل، فعملوا الى صلاة العصر ثم عجزوا فأعطواو قيراطا قيراطا، ثم أوتينا القرآن فعملنا الى غروب الشمس فأعطينا قيراطين قيراطين. اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے پورے دن کے عمل کی اجرت ۲ قیراط تھی۔ اور نصاریٰ کے باقی ماندہ دن کے حصہ کے عمل کی اجرت دو قیراط تھی۔ چنانچہ کام مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ عمل سے عاجز ہو گئے تو اپنے عمل کی اصل مقدار تک نہ پہنچ سکے انہیں ان کے عمل کے بقدر اجرت یعنی ایک قیراط دی گئی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان ان دونوں فریقوں کی اجرت کے برابر وصول کر رہے ہیں تو حسد کرتے ہوئے کہنے لگے: نحن أكثر عملا وأقل أجرا. اھ۔ فی الجملہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اس امت کا زمانہ نصاریٰ کے زمانہ سے کم ہے، جیسا کہ نصاریٰ کا زمانہ یہود کے زمانہ سے کم ہے۔ لیکن ان تمام تر باتوں کے باوجود اس امت کا دین قیامت برپا ہونے کے لمحہ تک جاری و ساری رہے گا، اس دین کو کوئی دوسرا دین یا مذہب منسوخ نہیں کر سکے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد میں آنے والے لوگوں کی فضیلت

۶۲۸۴: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِىْ لِىْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِىْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَاٰنِىْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۲۱۷۸/٤ حديث رقم (۱۲-۲۸۳۲) و احمد في المسند ٤۱۷/۲۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ میری اُمت میں مجھ سے نہایت شدید اور نہایت اچھی محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے (دنیا سے رخصت ہونے کے) بعد پیدا ہوں گے ان میں سے ہر شخص یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ کو اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و متاع کے عوض دیکھ لے۔''

(مسلم)

تشریح: (ان): حرف شبہ بالفعل ہے، اس کی ضمیر شان محذوف ہے۔ (ناس): مرفوع ہے مبتداء ہے۔ (یکونون بعدی): یہ جملہ محل رفع میں ناسٌ کی صفت ہے۔ (لو رآنی): امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں آنے والا یہ لفظ ''لو'' موقع محل کے اعتبار سے اس ''لو'' کی طرح ہے جو اس آیت میں ہے: ﴿ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین﴾ لہٰذا یود کے لئے مفعول کا ہونا ضروری ہے، اگرچہ مابعد ہی کیوں نہ ہو، اصل خطاب گویا یوں ہے: یود أحدهم .

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں مظہرؒ کا کلام اظہر ہے۔ کہ لو حرف مصدری ہے، بمنزلہ ''ان'' الا یہ کہ وہ نصب نہیں دیتا اور اکثر و بیشتر یود یاودّ وغیرہ کے بعد ہی آتا ہے، جیسا کہ ان آیات میں ہے: ﴿و دوا لو تکفرون﴾ ﴿ودّ ولو تدهن فیدهنون﴾، ﴿یود أحدهم لو یعمر ألف سنة﴾ مغنی فرماتے ہیں: اکثر نحوی لو مصدریہ کو نہیں مانتے، البتہ قراء ابو علی، ابوالبقاء، تبریزی اور ابن مالک نے لو مصدریہ کا ورود ثابت مانا ہے۔ مانعین اس جیسی آیات: ﴿یود أحدهم لو یعمر ألف سنة﴾ میں یہ کہتے ہیں کہ یہ ''لو'' شرطیہ ہے۔ اور یود کا مفعول اور جواب ''لو'' دونوں محذوف ہیں۔ تقدیری عبارت یوں ہے: یود أحدهم التعمیر لو یعمر الف سنة لسره ذلك. اس کا تکلف واضح ہے۔

مفدیا بأهله و ماله: مظہرؒ فرماتے ہیں: بأهله کی باء برائے تعدیہ ہے جیسا کہ اس قول میں: بأبی انت ۔

امت میں سے ایک جماعت آخر تک دین پر قائم رہے گی

۶۲۸۵: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ (متفق علیه وذكر حدیث) اَنَسٍ اَنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٦٣٢/٦ حديث رقم ٣٦٤١ ومسلم في صحيحه ١٥٢٤/٣ حديث رقم (١٧٤-١٠٣٧) وابو داوٗد في السنن ٤٥٠/٤ حديث رقم ٤٢٥٢ وابن ماجه في السنن ١٣٠٤/٢ حديث رقم ٣٩٥٢ و احمد في المسند ١٠١/٤

ترجمہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری اُمت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے حکم پر قائم ہوگا اس گروہ (کے دینی و جماعتی نظم اور معاملات) کو نہ وہ شخص نقصان پہنچا سکے گا جو اس کو بے یار و مددگار چھوڑ چکا ہو اور نہ وہ شخص ضرر پہنچائے گا جو (موافقت کی بجائے) اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا ہو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اپنے اسی راستہ پر (یعنی احکام خداوندی اطاعت اور دین کی خدمت و اعانت پر) قائم ہوں۔

گے (بخاری و مسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث: ان من عباد الله لو اقسم على الله لا بره' کتاب القصاص میں ذکر کی جا چکی ہے''۔

تشریح: لا یزال: یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے۔

من أمتي سے مراد امت اجابت ہے۔ قائمة بأمر الله کے مختلف مصداق بیان کئے گئے ہیں: (۱) اس سے مراد وہ گروہ ہے جس گروہ کی اعتقادی اور عملی کاموں سے روکا کرے۔

عرضِ مرتب:

''اللہ کے حکم پر قائم ہوگا.....'' یعنی اس گروہ کی اعتقادی اور عملی زندگی پوری عمارت و دینی فرائض اور شرعی احکام پر استوار ہوگی جو کتاب اللہ کو یاد کرنے حدیث کا علم حاصل کرنے کتاب سنت سے استنباط کرنے 'فی سبیل اللہ جہاد کرنے مخلوق خدا کی خیر خواہی میں لگے رہنے اور تجنے فرض کفایہ ہیں سب کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھانے سے عبارت ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد واشارہ کرتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ۔

''اور تم میں (ہمیشہ) ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے جو (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے''۔

بہرحال اس حدیث سے واضح ہوا کہ روئے زمین ایسے صلحاء اور پاکیزہ نفس لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہے گی جو احکامِ خداوندی کی پیروی میں ثابت قدم رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے دور رہتے ہیں' دین و شریعت پر ہر حالت میں عمل کرتے ہیں اور بہر صورت اسلام کی بقاء و سربلندی کے لئے سرگرم رہتے ہیں' خواہ مدد واعانت کرنے والے ان کی مدد واعانت کریں یا مخالفت پر کمربستہ لوگ ان کی مخالفت و برائی کریں۔

حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ : (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا) میں (امر الله) (اللہ کے حکم) سے موت اور انقضائے عدم مراد ہے تاہم ایک شارح نے اس سے ''قیامت'' مراد لی ہے لیکن اس قول پر اس حدیث کی روشنی میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے: لا تقوم الساعة حتى لا يكون في الارض من يقول الله (روئے زمین پر جب تک ایک بھی اللہ کا نام لیوا موجود رہے گا قیامت نہیں آئے گی) اسی طرح قائمة بامر الله (اللہ کے حکم پر قائم ہوگا) کے معنی ایک شارح نے اللہ کے دین پر سختی سے عمل کرنا لکھے ہیں' نیز بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکورہ ''گروہ'' سے مراد اہل علم کی وہ جماعت ہے جو ہر زمانہ میں حدیث کی تعلیم اور دینی علوم کی تدریس واشاعت کے ذریعہ سنت کی ترویج اور دین کی تجدید و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی اور ایک شارح کہتے ہیں ''گروہ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اور ہر حالت میں اسلام پر قائم رہیں گے۔ ایک اور شارح لکھتے ہیں ہوسکتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ روئے زمین سے اہل اسلام کی شوکت و عظمت کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اگر روئے زمین کے کسی علاقہ اور کسی خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کو ضعف و اضمحلال لاحق ہوگا تو کسی دوسرے علاقہ اور خطہ میں

اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کو شوکت و عظمت حاصل رہے گی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کا پرچم سربلند کرنے میں مستعدی سے لگے ہوں گے اور اکثر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ گروہ سے مراد غازیان اسلام کی جماعت ہے جس کا کام دشمنانِ دین اسلام سے جہاد کر کے دین کو مضبوط و سربلند کرنا ہے اور پھر یہی جماعت آخر زمانہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کرے گی۔ بعض روایتوں میں وھم بالشام کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس گروہ کا مستقر ملک شام ہوگا اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں حتی یقاتل اخرھم مسیح الدجال (یہاں تک کہ اس گروہ کے آخری افراد دجال کو قتل کریں گے) گویا یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ "گروہ" سے مراد غازیانِ اسلام ہی کی جماعت ہے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ عمومی طور پر ہر وہ جماعت اور ہر وہ طبقہ مراد ہے جو اللہ کے سچے دین پر قائم ہو اور اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت میں اور اسلام کی سربلندی کے لئے کسی بھی صورت سے مصروف عمل ہو۔

تخریج: اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (كذا قاله السيد جمال الدين)

علاوہ ازیں اس حدیث کو شیخین نے حضرت مغیرہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: "ولا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون". اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: "لا تزال طائفة من أمتي قوامة على أمر الله لا يضرها من خالفها". اور حاکمؒ نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے: "لا يزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة".

الفصل الثاني:

اُمت کی مثال بارش کی سی ہے

۶۲۸۶: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اُمَّتِيْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهٗ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذى فى السنن ۵/۱۴۰ حديث رقم ۲۸۶۹ و احمد فى المسند ۳/۱۳۰

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کی مثال بارش کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اول میں بھلائی ہے یا اس کے آخر میں بھلائی بہتر ہے"۔

(ترمذی)

اسنادی حیثیت: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: هذا حديث حسن غريب۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے عمار بن یاسر سے اور ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت سلمانؓ سے روایت کیا ہے۔ امام نوویؒ کا اپنے فتاویٰ میں اس حدیث کو ضعیف قرار دینا قابل تعقب ہے۔ ان کے کلام کو بایں طور صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث اپنے بعض طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ لیکن محدثین کا عرف اس اطلاق کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مستحسن ہوگا کہ یہ حدیث فی نفسہ تو ضعیف ہے، البتہ "لغیرہ حسن"

ہے۔ بلکہ بعض محققین تو یہ کہتے ہیں: حدیث: ''مثل أمتي مثل المطر حديث حسن له طرق قدير تقي بها الى الصحة'' اھ۔ صاحب الجامع الصغیر لکھتے ہیں: رواه أحمد والترمذي عن أنس، وأحمد عن عمار، وأبو يعلى عن علي، والطبراني عن ابن عمر، وعن ابن عمرو.

عرضِ مرتب:

بارش کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا ذکر جس انداز میں کیا اس سے بظاہر تو شک وتردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں' لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے کہ بارش کی مثال کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری امت اچھی ہے جیسے کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب باران رحمت نازل ہوتی ہے تو وہ پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے۔ اس طرح امت محمدی ﷺ میں پہلے زمانہ سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے اور نیک مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں۔ پس لفظ ''خیر'' دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔ رہا یہ سوال کہ امت کے اول اور آخر دونوں سے تعلق رکھنے والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر کیسے ہیں؟ تو وہ یوں کہ دورِ اول کے لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی صحبت ورفاقت کا شرف پایا' آنحضرت ﷺ کی ہر حال میں اتباع کی' آپ ﷺ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی' آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد وہدایات کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت وتقویت پہنچائی اور آنحضرت ﷺ کی ہر طرح سے مدد وحمایت کی تو بعد کے امتیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ ﷺ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا' رسالت وشریعت کے ہر جز پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جمے رہے' آپ ﷺ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام ورواج دیا دینی قواعد وہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا' یا دین و شریعت کے ارکان کو مضبوط ومستحکم کیا' اسلام کے جھنڈے کو سربلند کیا' اسلام کی رشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس کے برکات واثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ ''خیر'' کو اسم تفضیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہوسکتا ہے کہ ''خیر (بہتر ہونے) کے وجود اور اسباب متعدد ہوتے ہیں جن اسباب ووجوہ کے اعتبار سے وراول کے امت بہتر تھے' ان کے علاوہ بعض اور اسباب ووجوہ سے بعد کے زمانہ کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری امت یکساں اور برابر ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وجوہ واسباب کے تعدد و اختلاف کے مدنظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں اور بعد کے زمانہ کے امتی اپنی نوعیت سے بہتر ہیں' لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دورِ اول کے امتیوں یعنی صحابہؓ کے لئے مخصوص ہے۔ اگرچہ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ ونوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد ''اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا'' ہے۔

اور تورپشتی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ حد... بعد کے امتیوں پر دورِ اول کے امتیوں کی فضیلت وبرتری میں شک وتردد پر ہرگز

محمول نہیں ہے کیونکہ قرن اول (صحابہؓ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک وشبہ افضل ہے پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں اور پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں۔ پس اس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین وشریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔ اسی طرح کی بات قاضیؒ نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے ''خیر'' کا وجود ہے اور کن افراد میں ''خیر'' کا وجود نہیں ہے' کیونکہ وجود خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہیں اور اس اعتبار سے امت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے ''وجود خیر'' کا حامل ہوگا تاہم الفضل للمتقدم کے اصول کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دورِ اول میں تھے' یعنی صحابہؓ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی بارگاہ سے حصولِ فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں' امت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے وہ محض ہدایت اور علم کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے ساتھ مشابہت دی ہے پس حدیث میں مذکورہ ''امت'' جس کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے اس سے مراد علماء کاملین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں' یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ''خیر'' سے ''نفع'' کے معنی مراد لئے جائیں جس سے ''افضلیت'' میں پوری امت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امت محمدی ﷺ اپنے کسی دور میں ''خیر'' سے خالی نہیں رہے گی' جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پوری امت کو ''امت مرحومہ'' فرمایا ہے اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی ''نبی رحمت'' ہے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے ہاں ''خیر'' کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں ''شر'' آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جس پر ان کے دورِ اول کے لوگ تھے۔

الفصل الثالث:

وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کا اول حضور ﷺ وسط مہدی' آخر مسیح ہو

۶۲۸۷: عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا وَابْشِرُوْا وَاِنَّمَا مَثَلُ اُمَّتِىْ مَثَلُ الْغَيْثِ لَا يُدْرٰى اٰخِرُهٗ خَيْرٌ اَمْ اَوَّلُهٗ اَوْ كَحَدِيْقَةٍ اُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا ثُمَّ اُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا لَعَلَّ اٰخِرَهَا فَوْجًا اَنْ يَّكُوْنَ اَعْرَضَهَا عَرْضًا وَاَعْمَقَهَا عُمْقًا وَاَحْسَنَهَا حُسْنًا كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِىُّ وَسَطُهَا وَالْمَسِيْحُ اٰخِرُهَا وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ اَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّىْ وَلَا اَنَا مِنْهُمْ۔

رواه رزين -

ترجمہ:''حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد (حضرت امام محمد باقرؒ) سے اور وہ امام جعفرؒ کے دادا (یعنی اپنے والد حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ' خوش ہو جاؤ' بات یہ ہے کہ میری امت (اجابت کے افراد کا حال حصول منفعت کے اعتبار سے) بارش کے مانند ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اخیر میں بھلائی ہے یا اس کے اول میں بھلائی ہے' یا میری امت کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جس (کے کچھ حصوں سے) ایک سال ایک جماعت نے کھایا یعنی نفع اٹھایا اور اس (کے کچھ حصوں سے) دوسرے سال ایک اور جماعت نے کھایا' ممکن ہے وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے کھایا ہے (پہلی جماعت کے مقابلہ میں) چوڑائی اور گہرائی میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہے' بھلا وہ امت کیسے ہلاک (یعنی نیست و نابود) ہو جس کا اول میں ہوں جس کے وسط میں مہدی ہوں گے اور جس کے آخر میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہوں گے' ہاں ان زمانوں کے درمیان ایک کج رو (یعنی گمراہ) جماعت پیدا ہوگی' اس جماعت کے لوگ میرے (راستہ وطریقے پر چلنے والے اور میری اتباع کرنے والوں) میں سے نہیں ہوں گے اور نہ میں ان سے ہوں (یعنی میں ان سے راضی اور ان کا حامی ومددگار نہیں بلکہ ان کی سرکشی اور ان کے فسق کے سبب ان سے ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں)''۔ (رزین)

تشریح: اس حدیث کی سند سلسلة الذهب میں سے ہے۔

(أبشروا): ابشار سے مشتق ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: ابشر فرح، ومناط بشر بخير. (وسطا): سین کے فتحہ اور سکون، ہر دو کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ (فيج): فاء کے فتحہ، یاء کے سکون اور جیم کے ساتھ ہے بمعنی ''فوج''۔

صاحب المصباح لکھتے ہیں: الفيج الجماعة، وقد يطلق على الواحد فيجمع على فيوج وأفياج كبيوت وأبيات. ازہریؒ فرماتے ہیں: أصل فيج' فيج بالتشديد لكنه خفف كما قيل في هين هين.

اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ ابشروا ثانی، بشروا کے معنی میں ہو، جیسا کہ صاحب قاموس نے لکھا ہے۔ (انما مثل أمتي مثل الغيث): امت سے مراد امت اجابت ہے اور وجہ تشبیہ حصول منفعت ہے۔ (لا يدرى آخره خير أم أوله): یہاں ترتیب برعکس ہے، ممکن ہے کہ یہ برعکس ترتیب مبالغہ میں زیادتی کے لئے ہو۔ (أو كحديقة): ''أوْ'' برائے تنویع ہے یا برائے تخییر ہے۔ (أطعم): صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ (آخرها فوجا): منصوب علی التمیز ہے۔ (أحسنها حسنًا): یکون کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ امام طیبیؒ نے اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز قرار دیا ہے، لیکن موجود نسخوں میں اس طرح موجود نہیں ہے۔ (أعوج): لفظ فوج کی لفظی رعایت کے پیش نظر أعوج کو مفرد لایا گیا ہے۔ مني کا متعلق محذوف ہے، أي: متصلا بي ومتبعالي أو من أتباعي وأحبائي.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: أو كحديقة اللہ جل شانہٗ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿أو كصيب من السماء﴾ یہ مستعارة للتساوى في غير الشك ہے۔ جب کہ تمہارا یہ قول: جالس الحسن أو ابن سيرين، اور مراد یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں سے جس کے پاس بھی بیٹھو درست ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ کے اس جملہ: ''مثل أمتي مثل غيث'' کا مطلب

یہ ہو گیا کہ میری امت کے اوصاف کی کیفیت بارش اور باغ کی کیفیتوں کی طرح ہے۔ استقلال کے اعتبار سے یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ تمثیل بیان کرنا درست ہے۔ اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ دونوں تمثیلوں میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی تمثیل میں امت کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی، علم و ہدایت سے لوگوں کے نفع اٹھانے میں۔ اور دوسری تمثیل میں علم الرسول اور اس کی لائی ہوئی ہدایت سے نفع اٹھانے میں گھاس پھوس اگانے میں، مزید یہ کہ ان دونوں سے نفع بایں طور اٹھایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ چروایا جائے اور یہ پلایا جائے۔ **کحدیقة اطعم منها فوج عاما** کا یہی مطلب ہے۔ اور **حدیقه** ہر اس باغ کو کہا جاتا ہے کہ جس کے اردگرد دیوار ہو۔

أن يكون: **لعل** کی خبر ہے، "**لعل**" : کو "**عسى**" کے مشابہ قرار دینے کی وجہ سے اس پر "**أن**" داخل کیا گیا۔ اور **يكون** کے اسم کے بارے میں ایک احتمال یہ ہے کہ ضمیر ہے جو **آخرها** کی طرف لوٹ رہی ہے، اور **اعرضا** اس کی خبر ہے۔ امت کو طول و عرض و عمق کے ساتھ متصف کیا جانا، باغ کی مناسبت سے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ **أعرضها** موصوف محذوف کی صفت ہو اور وہ موصوف **يكون** کا اسم ہو، اور خبر مقدر ہو، أی: **أن تكون الحديقة أعرضها عرضا له** : اگر مرفوع مروی ہو۔ **أعرض، أعمق** اور **أحسن** کا ذکر کرنا مبالغہ کے طور پر ہے۔ أی: **أبلغها عرضا وعمقا وحسنا**: جیسا کہ عرب کا یہ قول: **العسل أحلى من الحل، والضيف أحر من الشتاء**. ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: دونوں (تمثیلوں) میں فرق عقل والوں پر مخفی نہیں۔ **أحسنها حسنا** عرب کے اس جملے کی طرح ہے: **جد جده** اور **جن جنونه** اور **عرضا** کے بارے میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ اسم عین ہو، اس کی دلیل یہ اگلے الفاظ ہیں: **وأعمقها عمقا**، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم معنی ہو۔ اس کی دلیل یہ اگلے الفاظ ہیں: **وأحسنها حسنا**.

توضیح سند:

مناسب یہ تھا کہ اس روایت کے مرسل ہونے کی نشاندہی بھی فرماتے، چونکہ زین العابدینؒ کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے، اور اسی طرح ان کے صاحبزادے محمد باقر کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے، انہوں نے جابر بن عبداللہ اور اپنے والد زین العابدین سے سماع کیا ہے۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے جعفر صادق وغیرہ ہیں۔ جعفر صادق کا ذکر مؤلفؒ نے تابعین کے فصل میں کیا ہے۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ سہو ہوا ہے یا وہم لگا ہے، چونکہ انہوں نے کسی بھی صحابی کو نہیں پایا، بلکہ اپنے والد وغیرہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ البتہ بڑے بڑے آئمہ کو ان سے سماع کا شرف حاصل ہے مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ، مالک بن انس، ثوری، اور ابن عیینہ رحمہم اللہ وغیرہم اور بقیع میں اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں ان کے والد محمد باقر اور ان کے دادا زین العابدین مدفون ہیں۔

ایمان بالغیب کی وجہ سے تابعین اور بعد کے لوگوں کی فضیلت

۶۲۸۸: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا قَالُوْا الْمَلٰئِكَةُ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا۔

رواه البيهقي في دلائل النبوة ٥٣٨/٦

ترجمہ: ''حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ سے) پوچھا: بتاؤ ایمان کے اعتبار سے تم مخلوق میں کس مخلوق کو زیادہ پسند کرتے ہو (بعض) صحابہؓ نے جواب دیا: فرشتوں کو (ہم ایمان کے اعتبار سے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کو کیا عذر ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں حالانکہ وہ تو اپنے پروردگار کے پاس ہی رہتے ہیں (یعنی فرشتے مقرب بارگاہِ خداوندی ہیں اور عالم جبروت کے غرائب اور عالم ملکوت کے عجائب کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتے ہیں تو اس میں کیا عجیب و غریب بات ہے)۔ انہی صحابہؓ نے یا دوسرے بعض صحابہؓ نے عرض کیا: (اگر ملائکہ نہیں) تو انبیاء ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا وہ کیوں نہیں ایمان لائیں گے حالانکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے صحابہؓ نے کہا: تو پھر ہم لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ہی ایمان میں کیا ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ (یعنی تم اپنے سامنے میرے معجزات کا مشاہدہ کرتے ہو اور میں تمہیں آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہوں) راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک ایمان کے اعتبار سے تمام مخلوق میں بڑے اچھے لوگ وہ ہیں جو میرے (زمانۂ حیات کے) بعد ہوں گے (یعنی تابعین اور ان کی اتباع کرنے والے جو کہ نسل در نسل قیامت تک اس دنیا میں آتے رہیں گے) وہ لوگ مصاحف پائیں گے ان میں لکھا ہوگا (اللہ کی طرف سے) ان مصاحف میں جو کچھ مذکور ہے سب پر ایمان لائیں گے''۔

تشریح: الی ایماناً: ''الی'' بمعنی ''عند'' ہے۔

''یکونون'': کان بمعنی ''وجد'' ہے۔

الیکم ایمانا: منصوب علی التمیز ہے۔ قالوا: الملائکۃ: مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر محذوف ہے، أی الملائكة أعجب الخلق ايمانا۔ یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے، أی: هم الملائكة۔

فالبنیون: یہاں تقدیری عبارت یوں ہے: أی: ان لم یکن الملائکۃ فالبنیون۔

والوحی ینزل: صیغہ معروف کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔ یجدون صحفا: جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔

"صحفا": ضمتین کے ساتھ ہے۔"صحیفة" کی جمع ہے بمعنی مصاحف و اجزاء اور "کتاب" بمعنی "مکتوب" ہے۔"ای مکتوب من عند الله" اور وہ (شئی) قرآن ہے اور کوئی بعید نہیں کہ "صحف" کی تفسیر اس چیز سے کی جائے جو کتاب وسنت کو شامل ہو اور کلام چونکہ اعجبیت واغربیت میں چل رہا ہے لہٰذا اس حدیث سے کسی بھی خصوصیت کے اعتبار سے افضلیت پر استدلال کی کوئی صورت نہیں۔

قوله :ای الخلق اعجب الیکم ایمانا: اس کے معنی میں دو احتمال ہیں: (۱) اس سے مراد "أعظم ایمانا" ہو، بگر علی سبیل المجاز۔ چونکہ جو شخص کسی چیز کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے (تو اس کا مطلب یہ ہے کہ) وہ اس کو بڑا جانتا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام کا جواب مجاز پر مبنی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حقیقی معنی پر مبنی ہے اور "فالنبیون" اور "فنحن" کی فاء، عرب کے اس جملہ میں موجود فاء کی طرح ہے: الأمثل فا لأمثل و الأفضل فالأفضل۔

اور اس سے ملائکہ کا انبیاء سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ چونکہ ان کے ایمان کا متعجب نہ ہونا شہود وغیبت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿یؤمنون بالغیب﴾ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ "ای غائبین عن المؤمن به" اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ان کے ایمان کا ذکر کیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محمد کا معاملہ بلاشبہ ان لوگوں پر عیاں تھا جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ایمان بالغیب سے بڑھ کر کوئی مؤمن ایمان نہیں لایا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اھ۔ اور بات مخفی نہ رہے کہ صحابہ کا ایمان بھی بالغیب تھا لیکن "مؤمن به" کے بعض حصہ کے اعتبار سے اور بعض حصہ کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ بخلاف تابعین کے، چونکہ ان کا سارے کا سارا ایمان بالغیب تھا۔ پس اس حیثیت سے تابعین کا ایمان بھی اعجب وافضل ہے، واللہ اعلم

آخر میں آنے والی وہ جماعت جو ثواب میں صحابہ کی مانند ہوگی

۶۲۸۹: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ لَهُمْ مِّثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ۔ (رواهما البيهقي في دلائل النبوة)

رواه البيهقي في دلائل النبوة ۶/ ۵۱۳۔

"حضرت عبدالرحمن بن علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ عنقریب اس امت کے آخری دور میں ایک جماعت ہوگی جس کا ثواب اس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں کے ثواب کی مثل ہوگا، اس جماعت کے لوگ نیکی کا حکم کریں گے اور منکر سے منع کریں گے فتنہ پردازوں، باغیوں، خارجیوں، رافضیوں اور تمام بدعتیوں) سے (اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے

ذریعہ) قتال کریں گے۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ایمان لانے والوں کو سات بار خوشخبری

۶۲۹۰: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ طُوْبٰی لِمَنْ رَّاٰنِیْ وَطُوْبٰی سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَّمْ یَرَنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ۔ (رواہ احمد)

أخرجه احمد فی المسند ٥/٢٦٤

ترجمہ: ''حضرت ابوامامہ (باہلی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھ کو دیکھا اور سات بار خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر بھی مجھ پر ایمان لایا''۔

(احمد)

تشریح: ''وآمن بی'' : اور بعید نہیں کہ یہ قید (ماقبل کے) دونوں جملوں کے لئے ہو۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وطوبی'' یہ جملہ سابقہ جملہ کے لئے معطوفہ ہے۔ ''ای وقال رسول الله ﷺ : طوبی لمن یرنی وآمن بی سبع مرات''۔ پس اس کے مطابق ''سبع مرات'' ۔ ''قال'' مقدر کے لئے ظرف ہے' جو ''طوبی'' اور اس کے متعلق کے درمیان واقع ہو گیا ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ ''سبع مرات'' طوبی کے لئے مصدر ہو اور رسول اللہ ﷺ کا مقولہ ہو اور اس سے مراد تکثیر ہو نہ کہ تحدید۔ اھ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے احتمال کی صورت میں ''سبع مرات'' راوی کا قول ہے اور یہ احتمال بعید ہے اور وہ احتمال اقرب ثانی ہے' جیسا کہ روایات بھی اس کی تائید کر رہی ہیں۔

الجامع میں ہے: ''طوبی لمن رآنی وآمن بی' و طوبی لمن لم یرنی وآمن بی سبع مرات'' ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں' ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستدرک میں ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور اس کو طیالسی اور عبد بن حمید نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

طوبی لمن رآنی وآمن بی و طوبی لمن آمن بی ولم یرنی ثلاث مرات۔

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے اور الفاظ یہ ہیں:

طوبی لمن رآنی وآمن بی' ثم طوبی ثم طوبی ثم طوبی لمن آمن بی ولم یرنی۔

۶۲۹۱: وَعَنِ ابْنِ مُحَیْرِیْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جُمُعَۃَ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ حَدِّثْنَا سَمِعْتَہٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا جَيِّدًا تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا ؟ اَسْلَمْنَا وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ (رواه احمد والدارمی وروی رزین عن ابی عبیدۃ من قوله) يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

أخرجه الدارمي في السنن ٣٩٨/٢ الحديث رقم ٢٧٤٤ و احمد في المسند ١٠٦/٤

ترجمہ: ''حضرت ابن محیریزؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جمعہ رضی اللہ عنہ سے جو صحابہ میں سے ایک شخص ہیں' درخواست کی کہ آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کیجیے جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو' حضرت ابو جمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں (مجھے تمہاری بات قبول ہے) میں تمہارے سامنے ایک بڑی عمدہ حدیث بیان کروں گا۔ایک دن ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ صبح کا کھانا تناول کیا ہمارے درمیان (مشہور صحابی) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا (ہمارے بعد والوں میں سے یا سابقین ولاحقین میں سے) کوئی شخص ہم سے بھی بہتر ہو سکتا ہے' ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے (آپ ﷺ کے ہاتھ پر) ایمان و اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے شانہ بشانہ (دشمنانِ دین کے خلاف) جہاد کیا' آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں اور وہ لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوگا۔اس روایت کو احمد اور دارمی نے نقل کیا ہے۔نیز رزین نے اس روایت کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے ان کے اپنے الفاظ: ''قال :یا رسول اللہ ﷺ أحد خیر منا'' سے آخر تک نقل کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

ابو جمعہ۔ابو جمعہ ایک قول کے مطابق ''انصاری'' اور دوسرے قول کے مطابق کنانی ہیں۔ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے ان کا نام ''حبیب بن سباع'' بتلایا' بعض نے جنید بن سباع بتایا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس کے علاوہ اور نام بھی ذکر کیے ہیں ان کو حضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے۔ان کا شمار شامیوں میں کیا جاتا ہے۔

تشریح: ''قوله :قلت لابی جمعة رجل من الصحابة'' :''رجل'' بدل ہے ''ابی جمعه'' سے۔

قوله :قال :نعم' قوم......:

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اس حیثیت سے تم سے بہتر ہیں' اگرچہ تم لوگ از روئے جہت مسابقت مشاہدہ و مجاہدہ ان سے بہتر ہو۔امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''معك'' دوسرے جملہ سے حال ہے اور پہلے جملہ سے بھی اسی جیسا لفظ مقدر ہے۔ ''ای اسلمنا معك'' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

''وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور (اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔'' [النمل: ٤٤] اور حرف استفہام مقدر ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ مجرد استفہام کے لئے ہو اور ''اسلمنا'' اور ''جاهدنا'' حال ہوں اور نعم اپنی جگہ واقع ہوا ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ استفہام انکاری ہو اور ''اسلمنا'' جملہ مستانفہ ہو غیر کی خبریت کی نفی کا بیان ہو۔ اس کے مطابق ''نعم''، ''بلی'' کی جگہ واقع ہوا ہے۔ پس خبریت باعتبار شہود و غیبت کے ہے جیسا کہ ابھی قریب میں گزرا' واللہ اعلم۔

محدثین کی فضیلت

۶۲۹۲: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَدَ اَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيْكُمْ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ قَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ هُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ۔ (رواه الترمذي وقال هذا حديث صحيح)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ٤٢٠ حديث رقم ٢١٩٢۔

ترجمہ: ''حضرت معاویہ بن قرہؓ سے روایت ہے جو اپنے والد (قرہ بن ایاس مزنی) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل شام تباہ ہو جائیں تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی (یعنی پھر تمہارے وہاں ٹھہرنے میں یا وہاں کا رخ کرنے میں کوئی بھلائی نہ رہے گی) اور میری اُمت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہے گی جس کو (دشمنانِ دین کے مقابلہ پر غالب رہنے کے لئے اللہ کی) نصرت و تائید حاصل ہوگی' اس جماعت کو اس کی تائید و مدد ترک کرنے والا شخص کچھ نقصان و ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اور ابن مدینیؒ (جو اکابر محدثین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد اربابِ حدیث ہیں۔

اسنادی حیثیت: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

تشریح: قوله: حتى تقوم الساعة: قیامت قائم ہونے سے مراد قیامت کا قریب آنا ہے' چونکہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا ہے۔

قوله: قال ابن المديني هم اصحاب الحديث:

اصحابِ حدیث سے مراد حفاظِ حدیث' محدثین اور راویانِ حدیث ہیں یا عاملین سنت ہیں چونکہ سنت قرآن کے درمیان بیان کا درجہ رکھتی ہے۔ پس اس سے مراد اہلسنّت والجماعت ہیں۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث اور سابقہ حدیث: ''من امتي قائمة بامر الله'' میں کوئی مساوات نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ چونکہ اس طائفہ سے مراد شام کی سرحدوں کے پہرہ دار جماعت ہے۔ اس لئے کہ لفظ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ دونوں وصف جمع ہو جائیں اور فرمایا: ''لا يضرهم من خذلهم'' میں احتمال ہے کہ خذل کا مطلب یہ ہو کہ وہ مبتدعہ کے خلاف انکی مدد چھوڑ

دیں گے۔ چنانچہ یہاں مجاز ہو اور وہاں حقیقت مراد ہے۔ اھ۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں امتی حقیقی ہیں۔ چنانچہ قاموس میں ہے: "خذله وعنه خذلا و خذلانا بالکسر فرس نصرته" قال ابن المدینی۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ حدیث اور اس کی تفسیر کا بیان ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مدرج ہو اور "رواہ الترمذی" کے تحت داخل ہو۔

اُمت سے خطا ونسیان اور حالت اکراہ کے گناہ معاف ہیں

۶۲۹۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ۔ (رواہ ابن ماجة والبیهقی)

أخرجه ابن ماجه ۶۵۹/۱ حدیث رقم ۲۰۴۵

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا ونسیان کو معاف کر دیا ہے اور اس گناہ کو بھی معاف فرما دیا جس میں زبردستی مبتلا کیا گیا ہو"۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: "تجاوز عن امتی" : "الجامع" میں "لی" کا اضافہ بھی ہے اور امت سے مراد امت اجابت ہے۔

الخطا: فتحتین کے ساتھ ہے اور مد کے ساتھ بھی درست ہے۔ "خطا" یہ ضد ہے "صواب" کی۔ یہاں اس سے مراد وہ ہے جس کو عمداً نہ کیا ہو اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو معاف کر دیا ہے۔ بنسبت ما قابل امتوں کے۔ ورنہ تو مؤاخذہ مالیہ جیسا کہ قتل نفس خطا میں اور غیر کا مال تلف کرنے میں شرعاً ثابت ہے اور اسی وجہ سے ہمارے علماء اصولِ فقہ میں فرماتے ہیں: "الخطأ عذر صالح لسقوط حق الله تعالٰی اذا حصل من اجتهاد ولم یجعل عذرا فی حقوق العباد حتی وجب علیه ضمان العدوان" اور "نسیان" یہ منافی نہیں وجوب فی حق اللہ کا۔ لیکن نسیان جب غالب ہو جیسا کہ صوم میں اور تسمیہ ذبیحہ میں تو معاف ہے لیکن حقوق العباد میں عذر نہیں ہے حتیٰ کہ اگر انسان کا مال نسیاناً ضائع کر دیا تو اس پر ضمان واجب ہوگا۔

امت محمدیہ خیر الامم ہے

۶۲۹۴: وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ اَنْتُمْ تَتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ خَيْرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة والدارمی وقال الترمذی هذا حدیث حسن)

أخرجه الترمذی فی السنن ۲۱۱/۵ حدیث رقم ۳۰۰۱ وابن ماجه فی السنن ۱۴۳۳/۲ حدیث رقم ۴۲۸۸ والدارمی فی السنن ۴۰۴/۲ حدیث رقم ۲۷۶۰

ترجمہ: ''حضرت بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ قشیری بصریؒ اپنے والد (حضرت حکیم بن معاویہ) سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ بن حیدہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: (اے اہل اسلام) تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہو اور اللہ کے نزدیک ان امتوں میں سب سے بہتر اور باعزت ہو۔ اس روایت کو ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

تشریح: ہمارے شیخ مرحوم مولانا زید الدین عطیہ سلمی مکی کی تفسیر میں او تفسیر کورانی میں اسی طرح مذکور ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ شہداء صالحین کے ساتھ خاص ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ ''کان'' بمعنی ''صار'' ہے اور بغوی فرماتے ہیں: ''قوله : كنتم اى انتم''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ﴿واذكروا اذ كنتم قليلا﴾ اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿واذكروا اذ انتم قليل﴾ [الانفال: ٢٦] اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ ''كنتم'' ان کی خیریت پر دلالت کر رہا ہے' زمانہ ماضی میں کسی انقطاع ظاہری پر دلالت نہیں کر رہا ہے' جیسا کہ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وكان الله غفورًا رحيمًا﴾ [النساء: ٩٦' ١٠٠' ١٥٢] اھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ان هذه الآية تكون......'' ۔ (كذا ذكره البغوى) اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ''خير القرون قرنى'' ہیں۔ سعید صغوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس امت کے جمیع مومنین ہیں۔ سعید صفوی فرماتے ہیں اور یہی اصح ہے:

قوله : اخرجت للناس : اى اظهرت لهذا الجنس'' یہ ''امة'' کی صفت ہے۔ صفویؒ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ تم لوگ بہترین لوگ ہو۔ لوگوں میں سے لوگوں کے لئے نافع ترین ہو اور اس کی وضاحت امام بغوی کے کلام سے ہوتی ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ''للناس'' یہ صلہ ہے ''خير امة'' کا ''اى انتم خير الناس للناس''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''معناه كنتم خير الناس للناس' تجيئون بهم فى السلاسل فيدخلونهم فى الاسلام۔''

اور قتادہ فرماتے ہیں:

''هم امة محمد لم يؤمر نبى قبله بالقتال فهم يقاتلون الكفار' فيدخلونهم فى دينهم فهم خير امة للناس۔''

اور بعض کا کہنا ہے کہ ''للناس'' یہ صلہ ہے ''اخرجت'' کا۔ ''اى ما اخرج الله للناس امة خيرا من امة محمد۔ صاحب بردہ نے اپنے اس کلام میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

لما دعا الله داعينا لطاعة ☆ باكرم الرسل كنا اكرم الامم

یہ مخفی اشارہ ہے کہ امت ''خیریت'' کی صفت سے موصوف ہو یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا رسول ''اکرمیت'' کی صفت سے موصوف ہے لیکن رسالت کے مرتبہ عالیہ کی جلالت شان کے پیش نظر قضیہ استدلالیہ کو عکس کر دیا' چونکہ ہمارا خیر امت ہونا' ان کی متابعت کی وجہ سے۔ اس لئے کہ عقل و شرع کے تقاضے کے مطابق تابع کی تکریم (درحقیقت) متبوع کی تکریم ہے'

وگرنہ تو متبوع وموضوع ہی پر عکس لازم آئے گا اور موضوع کا حسن ظاہر نہیں ہوگا۔

قوله:قال :انتم تتمون...... :تتمون: پہلی تاء کے ضمہ دوسری تاء کے کسرہ اور میم کی تشدید کے ساتھ بمعنی تکمیل ۔امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔**في قوله تعالىٰ** سے مراد "**في تفسير قوله تعالىٰ**" ہے۔اور "**سبتيعن**" سے مراد تکثیر ہے نہ کہ تحدید۔تاکہ خیر نکرہ مفرد کی طرف اضافت کے ساتھ مناسبت رہے۔تتموں میں اس خیریت کی علت ہے چونکہ اس سے مراد خاتمہ ہے جیسا کہ تمہارا نبی خاتم الانبیاء ہے تم بھی خاتم الامم ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اختتام میں یہ "**ختامه مسك**" کا مصداق ہے۔جیسا کہ اس حدیث (انا خاتم النّبیین) میں موجود نبوت کے الفاظ (یعنی لفظ النّبیین) اتمام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

تخریج: اس طرح اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔اس میں اشارہ ہے حسن مقطع کی طرف۔امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ حَرُمَتْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى اَدْخُلَهَا وَحَرُمَتْ عَلَى الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک کہ میں اس میں نہ پہنچ جاؤں اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے"۔

اور یہ اشارہ ہے اس حسن خاتمہ کی طرف جو حسن براءت کی خصوصیت دے رہا ہے جیسا کہ اس کی طرف اللہ جل شانہ کا یہ فرمان اشارہ کر رہا ہے:﴿ان الذين سبقت لهم منا الحسنى﴾[النساء: ۱۰۱] پس ہم (امت محمدیہ) آخرین واولین ہیں لاحقین وسابقین بھی ہیں اور تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اہل اسلام میں سے بنایا اور پھر ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر لگائے رہا اور تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمت سے صالحات پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں اور جس کے شکر سے برکات وخیرات بڑھتی ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے اس امت کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے اسی طرح امام بغوی نے اپنی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء پر جنت حرام ہے یعنی جنت میں داخل ہونا حرام جب تک کہ میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں اور امم سابقہ پر جنت (میں داخل ہونا) حرام ہے جب تک کہ تم جنت میں داخل نہ ہو جاؤ۔تو جس طرح یہ احادیث امت کے حسن خاتمہ پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح آیت کریمہ: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى لاحسن ابتداء پر دلالت کرتی ہے۔

فنحن الآخرون الاولون والاحقون السابقون! **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَنَا مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَبِشُكْرِهٖ تَزِيْدُ الْبَرَكَاتُ وَالْخَيْرَاتُ۔**

مؤلف مشکوٰۃ نے اس حدیث پر اپنی کتاب کا اختتام کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس عظیم الشان کام کی تکمیل اور اس کا پورا ہونا محض اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توفیق سے ہوا ہے اور اس سے پہلے والی حدیث: "اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاَءَ

وَالنِّسْیَانَ" لا کر گویا اس کتاب میں ہر قسم کی خطا و نسیان پر معذرت کی ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ لَنَا بِالْحُسْنِ وَتَجَاوَزَ عَنَّا مَا وَقَعَ مِنَ السَّهْوِ وَالنِّسْیَانِ بِحُرْمَةِ نَبِیِّ اٰخِرِ الزَّمَانِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِی الْفَضْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

مشکوۃ کی شرحوں میں تو مشکوۃ اسی حدیث پر پوری ہو گئی ہے البتہ بعض نسخوں میں آخر میں یہ عبارت بھی لکھی ہے:

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَیْنًا اِلَّا قَضَیْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ محمد رسول اللہ ﷺ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ محمد رسول اللہ ﷺ اَنْتَ وَالْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْكَ الْبَلَاغُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (آمین)